

بائبل سے قرآن تک

اظہار الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ دار العلوم کراچی

بائبل سے

قرآن تک

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk
" " mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ ناشر ﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الآية

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح وتحقیق

جلد اول

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاذ حدیث دار العلوم کراچی

شرح وتحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دار العلوم کراچی

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

شرح و تحقیق

زیر نگرانی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے بھٹکے ہوئے

قافلوں
کے نام

جنھیں جادۂ منزل کی تلاش ہے

حمد و ثنا

صرف اس ذات بے ہمتا کو سجتی ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کی ہر شئے کو عدم کی اندھیریوں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لا کھڑا کیا، رنگ و بو کی اس کائنات کا ہر ذرّہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ ہے اور ایک ہے۔ ! ؎

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اِس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

اور

درود و سلام

اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جنہوں نے باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں حق کی پُرنور مشعلیں روشن فرمائیں اور دنیا کے ظلمت کدوں میں اُجالا کر دیا۔ ! ؎

پُھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمہیں تو ہو

فہرست مضامین مقدمۂ شارح

فہرست مضامین

"اظہار الحق"

جلد اوّل

(جو عنوان قوسین میں لکھے گئے ہیں اُن سے حاشیہ کی بحثوں کی طرف اشارہ ہے)

کچھ حوالوں سے متعلّق

(۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے، اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثنا ۵ : ۱۳ کا مطلب ہے کتاب استثناء کے پانچویں باب کی تیرہویں آیت، اسی طرح $\frac{5}{13}$ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔

(۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں،

(۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مکمل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے اوپر ت کی علامت بنادی گئی ہے، لہٰذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف حاشیے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔

(۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ اُن اصطلاحات کی بھی مکمل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہٰذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کی تفصیل حرفِ آغاز میں دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

چند سالوں سے عالمِ اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، خاص طور سے پاک و ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں اُن کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی سنہ ۱۹۵۷-۵۹ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے"

اس کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جرأتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفاء نہیں کرتیں، بلکہ رسالتمآب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور قرآن اور اسلام کے خلاف تمسخر آمیز گھناونے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں جھجکتیں،... کلیساؤں سے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں،

اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورتِ حال چنداں تشویشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ حضرات بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں،

ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح خدوخال سے لوگوں کو واقف کراسکے، اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کرکے اپنی راہِ عمل علیٰ وجہ البصیرۃ متعین کرسکے، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ؛

آج سے کم وبیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقاومت کے لئے علماء حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل وحجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست فاش دیکر یہ ثابت کردیا کہ اسلام اور علماء اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں،

ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حسنؒ (متوفی ۱۸۳۶ء) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ (متوفی ۱۳۱۷ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ)، مولانا شرف الحق صاحب صدیقیؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ)، مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسنؒ، مولانا سید عبد الباری صاحبؒ (متوفی ۱۳۰۳ھ) مولانا سید ابو المنصور ناصر علی صاحبؒ (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے اسمائے گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسینؒ صاحب حالیؔ ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:-

> ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو ہر بار بہت کچھ شکار بیٹھے بٹھائے مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لئے اُن کے مناوں میں، اُن کے اخباروں اور اُن کے رسالوں میں زیادہ تر پرچار اسلام

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانیٔ اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب اُن کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔"

(بحوالۂ "فرنگیوں کا جال" ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کاوشوں سے ہندوستان کے طول وعرض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کرلی تھی، جو ہر علاقے میں عیسائی پادریوں کی راہ میں مؤثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فرنچ انچارج ضلع ملتان لکھتے ہیں:

"ملتان کے ملا، سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (ا) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنھوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فانڈر سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا۔" ("صلیب کے علمبردار" ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچارج مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

"ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہوگئی، کیونکہ بحث چھڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا اشرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہے، دکھائی نہیں دیتا، لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہوسکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے ... مسجدوں کے اندر جاکر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔"

("صلیب کے علمبردار" بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں :

"مسلمان ملاّ ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی ہو، یہاں تبلیغ آتا وہاں مُلاّنے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیا، بتیل کر اس طرح رد کرتے" (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ رانچی، پٹنہ، بنارس، ہمم کنڈہ، گلبرگہ، شعلہ پور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، ردِّ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ "اردو اخبار" (دہلی ۱۸۴۲ء) اسی مقصد کے تحت جاری ہوا تھا کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واشگاف کرے، اور اسی جرم کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اس اخبار کے علاوہ "سید الاخبار" (دہلی، ۱۸۳۸ء) "سراج الاخبار" (دہلی ۱۸۳۹ء) "قطب الاخبار (آگرہ)" "نور علی نور" (لدھیانہ) "امین الاخبار" (الٰہ آباد) "پنجابی اخبار" (لاہور) "رہبر ہند" (لاہور) "ناصر الاخبار" (دہلی) "مہر درخشاں" (لکھنؤ) "المستنصر" (دہلی) "حبل متین" (کلکتہ) "نور الاسلام" (سیالکوٹ، ۱۹۰۰ء) "منشور محمدی" (بنگلور، ۱۲۸۶ء)، بطور خاص قابل ذکر ہیں، نیز ماہنامہ "حسن" (حیدر آباد دکن، ۱۸۸۹ء) اور "خیر المواعظ" (دہلی، ۱۲۸۹ھ) وغیرہ رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی ورثہ اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر سرمایہ سے کما حقہ فائدہ اٹھانا عام مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بنا پر مشکل ہو گیا ہے، اول تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر اُن میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، تیسرے جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی بار یہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہٖ یا ترجمہ کرکے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو "اظہار الحق" سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا نچوڑ ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلّل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراجِ تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطبُ اللسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دار العلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدّت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں، اور جن شخصیتوں کا ذکر ہو اُن حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت ناقص رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دار العلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہٗ مدرس دار العلوم کراچی کو ماشاء اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت و کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق (ایڈٹ) کا کام بحمد اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انھوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب و تہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کرکے کتاب کی افادیت بہت بڑھا دی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کرکے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے مآخذ کی مراجعت کرکے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کی طرف بھی اشارے کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی وافی ہو گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابلِ قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً وہ مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنھیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں،

زیرِ نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہلِ علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات مہیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب ردِّ عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب سے علیٰ وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہٰذا اب ہمارے اہلِ علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دینِ حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، —— واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۸ محرم ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

الحمدللہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہے،

اظہار الحق بلاشبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم وتحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ پر اپنے فضل ورحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری امّتِ اسلامیہ کو سربلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق وصواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے، جس سے رُوگردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تأثر یہ ہے کہ دینی علوم وفنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پیما ہو گئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق وتفتیش کے بارے اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تأثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

نے "اظہار الحق" تصنیف فرما کر اس کلیے میں استثناء پیدا کیا ہے، "عیسائیت" وہ موضوع ہے جس پر اُن سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہو کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ اور علامہ ابن قیم جوزیہؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قرطبیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن "اظہار الحق" کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجاتا ہے کہ ع

کم ترك الاول للآخر

اس معرکۃ الآراء کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیع علمی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو داں اہلِ علم اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم وبیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نوراحمد صاحب مدظلہم سابق ناظمِ اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انھوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انھوں نے میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے ایما، پر اور ان کی نگرانی میں بنامِ خدا یہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مدظلہم نے ترجمے میں محنت شاقہ اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم دگمان بھی نہ تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصّہ لگ سکے گا، لیکن جب ترجمہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظرِ عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر قرعۂ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۳۸۴ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے ترقیم (Punctuation) کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کرکے تصحیح کرنی پڑیگی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کردوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے "اظہار الحق" کے کچھ اقتباسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرونِ ملک سے میرے پاس خطوط کا تانتا بندھ گیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا، میں نے اس پر مزید محنت شروع کردی، یوں یہ کام کھنچتا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں مکمل کرلینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے۔

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

(۱) متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہِ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھدی ہیں، تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں، اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہوں،

(۲) لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے قوسین کے ذریعے ممتاز کرکے حاشیے پر اختلاف کی مکمل توضیح کردی ہے،

(۳) اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر، خاص طور سے حوالوں میں، بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہوگیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا اظہار کردیا،

(۴) غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرّب کرکے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہوگیا کہ ان کی اصل کیا ہے! میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھدیا، اور جہاں یقین نہ ہوسکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

(۵)—— جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اغلاق محسوس ہوا وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

(۶)—— قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

(۷)—— ترقیم (Panctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیراگراف قائم کر دیئے ہیں،

(۸)—— آخر میں مفصّل اشاریہ ( ) مرتب کر دیا ہے،

(۹)—— کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے امور کی نشاں دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلۂ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجۂ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے جن میں مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

(۱)—— بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں، جن اختلافات سے نفسِ مفہوم پر فرق پڑتا تھا انھیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

(۲)—— اظہار الحق کے مآخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشئے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر احقر نے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، اُن کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے،

(۳)____ اظہار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، احقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

(۴)____ کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، اُن کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

(۵)____ کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، احقر نے اُن ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا... جاننا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو اُن سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف "ت" بنا ہوا ہے اُن ناموں کا تعارف حواشی میں موجود ہے،

(۶)____ آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

(۷)____ جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنفؒ کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

(۸)____ جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنفؒ کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حواشی بہت طویل اور مفصّل ہو گئے ہیں،

(۹) مصنفؒ نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گذشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں احقر نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھدیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کرسکیں،

مآخذ اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشاں دہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں:

(۱) اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحیح الشیخ محمد الاسیوطی،

(۲) اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۷ھ المطبعۃ العامرۃ المحمودیۃ، الجامع الازہر، مصر،

(۳) اظہار الحق جلد اوّل مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعۃ العلمیۃ،

(۴) اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیریؒ سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائیٹل کا صفحہ غائب ہی، اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سنِ طباعت معلوم نہیں ہوسکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحبؒ کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے "گجراتی مترجمؒ" کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے،

اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

(۱) اردو بائبل کا نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوانیڈ برائڈزن پرنٹرز کے زیرِ اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا، اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے "موجودہ اردو ترجمہ" کا لفظ استعمال

کیا ہے،

(۲) اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ وشائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ،

(۳) بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں "جدید عربی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

(۴) بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۸۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ ناکمل ہو، اور اخبار الایام الاوّل تک کے صحیفے اس میں سے غائب ہیں، "قدیم عربی ترجمہ" سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

(۵) بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) ذکنگ جیمس ورژن ۱۶۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کرکے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف "قدیم انگریزی ترجمہ" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے "الفاظ متبادلہ کی فہرست" (ARernmiys Renderings) کے نام سے انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

(۶) بائبل کے عہد نامۂ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے:

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میتھوڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، دی بیپٹسٹ یونین، دی پرسبیٹرین چرچ آف انگلینڈ، دی سوسائٹی آف فرینڈس، دی چرچز ان ویلز، دی چرچز ان آئرلینڈ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ نسخہ "دی نیو انگلش بائبل" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترک طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظرثانی نہیں ہو، بلکہ اسے بامحاورہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جابجا سابق انگریزی ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے،

اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے "جدید انگریزی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے،

(ج) مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن): یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے اس کا مترجم مونسگنر اے، ناکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے میکملن کمپنی لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "اپوکریفا" (Apocrypha) بھی شامل ہے، لہٰذا ہم نے جہاں جہاں اپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے سے ماخوذ ہیں، اس پر جابجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے "کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جابجا ملیں گے:

(۱) اے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کرا کے شائع کیا ہے، سنہ طباعت درج نہیں، "کنکارڈنس" سے میری مراد یہی کتاب ہے،

(۲) اے نیو ٹسٹامنٹ کنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رانلڈ اے ناکس نے لکھا ہے،

(۳) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۰ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

(۴) ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کا اردو ترجمہ ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینلی، ایم اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی، رابنسن بی، اے، پی، ڈی، اور اے ایم ہنٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ جے، ایس، امام الدین اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہوں، فراہم کر دوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرف ایک صفحے کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ ان حضرات کو ہوگا، جنھوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یاب ہی نہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقعہ ضرورت تھی وہ مہیا نہ کرسکا، دارالعلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گذشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہوگیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے احقر کو اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی اَن دیکھی طاقت میری رہنمائی فرما رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تقریباً مایوس ہوجانے کے بعد جب میں تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھُلا ہے، اور تمام پیچیدگیاں دُور ہوگئی ہیں،

بہرکیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہار الحق جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کرسکا، زیادہ سے زیادہ اسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کررہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی سہی، ایک نسبت مجھے حاصل ہوگئی ؎

بلبل ہمیں کہ قافیہ گُل شود بس است

باری تعالیٰ کی بارگاہِ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمالے، اور جب آخرت میں دین کے مخلص خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سیہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر اُن حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

یہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات وہ تھے جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں اُن حضرات کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اوّلین محرّک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انھوں نے فراہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی (کراچی)، جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بنک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکرگذار ہوں، جنھوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے مہیا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمٰن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعۂ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مسوّدات کی تبییض اور کاپیوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے اقتباسات نقل کئے، میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہینِ منت ہوں کہ انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی اور ان کے رفقاء بھی بطورِ خاص شکریہ کے مستحق ہیں،

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،

ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا تہہِ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جہت سے حصہ لیا،

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اور یہ کتاب مصنف، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

دار العلوم کراچی ۱۴

محمد تقی عثمانی
۲۷ رشعبان ۱۳۸۷ھ ہجری

مقدّمہ

از
محمد تقی عثمانی
اُستاذ دارالعلوم کراچی ۱۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی کتاب "اظہار الحق" اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہے کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن بعض اہم اسباب کی بنا پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ "اظہار الحق" جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب سے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؛ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؛ اور اُن اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانیوالی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی، تا وقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ "اظہار الحق" ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بیحد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنھوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کر نئے نئے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ اُن کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزء بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں "اظہار الحق" کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو،

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کروں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم فرمودہ عقائد پیش کرتا ہے؟ اگر نہیں، تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انھیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن سے گذارش ہو کہ اس حصے کا بطور خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے بعد "عیسائیت اور عصر حاضر" کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زمانے کا ساتھ دے سکا ہے، پھر برصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو رُو بعمل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امداد صابری صاحبؒ نے اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المستعان،

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہِ راست اہلِ مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کے کسی نظریئے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریئے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

عیسائیت کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔

"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔" (برٹانیکا مقالہ "عیسائیت" ص ۶۹۳ ج ۵)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

"عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی
موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق
کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے۔"

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈ نے اس کے ایک ایک جزء کی توضیح کی ہے،
"اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمامتر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محورِ فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے ۔۔۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام! انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے،

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موحد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث ۔۔۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث ۔۔۔ کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آگیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔"

مندرجۂ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفارے" پر ایمان رکھتا ہے، اس جزء کی تشریح کرتے ہوئے گارڈ لکھتا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہو سکتا ہے[1]۔"

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ص ۵۸۱ ج ۳، مقالہ "Christianity"

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کرکے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصوّر

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارٹس ریلٹن لکھتا ہے:

> "عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ وہ ایک زندۂ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوّت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہوسکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں[1]"

عقیدۂ تثلیث

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصوّر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی اُلجھی ہوئی ہیں، اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس وناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدۂ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح وتعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

---

[1] H. Maurice Relton. *Studies in christian Doctrine*, *Macmillan, London 1960 P. 3*

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ "خدا" باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے[1]، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم" وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے[2]، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعۂ خدا[3]، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعۂ خدا سے کمتر ہیں' اور ان پر لفظ "خدا" کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے[4]، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے[5]،

توحید فی التثلیث غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خوابِ پریشاں" بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبولِ عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجۂ ذیل ہے:

---

[1] عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے (دیکھئے برٹانیکا ص ۴۷۹ ج ۲۲ مقالہ " TRINITY ")

[2] عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "انیرمدتیس" اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے زید جادید، ص ۲۵۶ بحوالہ پادری سیل صاحب)،

[3] Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by *the Encyclopaedia Britannico 1950 P. 479 V. 22 "TRINITY"*

[4] St. Thomas Aquinas, *Basic Writings of: P. 327 V I.* cf *Britannica P. 479 V. 22*

[5] یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے (الخطط المقریزیہ ص ۴۰۸ ج ۳، لبنان ۱۹۵۹ء)،

تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک قنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنھوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے، اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیُس پیلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا[1] ......

---

[1] اشارہ ہے متی ۳: ۱۶ کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق نسخہ ہذا صفحہ ۱۹۵ ج اول۔

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے"[1]..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابلِ تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابلِ تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے[2]"

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ عیسائیوں کے نزدیک "باپ" سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے، جس میں اس کی صفتِ کلام اور صفتِ حیات سے قطع نظر کرلی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے[3]،

---

[1] اشارہ ہے متی ۱:۱۷ یعنی تجلّی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ،

[2] Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddan and edited by Whitney J-Oats New York 1948 P. 672 V.2

[3] Basic Writings. of St. Thomas Aquinas. edited by A. C. Pegis P. P.324,25 V. I New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے ؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ای گارؔوے نے لکھا ہے کہ :

> "اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے ، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے ، (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۴۰۳ ج ۲)

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے ، لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے ، انسانوں کی صفتِ کلام اور خدا کی صفتِ کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے :

> "انسانی فطرت میں صفتِ کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی ، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے ، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے ، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے ، اسی لئے اس کو حقیقۃً ، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے ، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے[۱] "

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں ، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں ، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوئی ہیں ، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے[۲] ، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی ، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے ، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے ،

رُوح القدس "روح القدس" (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے ، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

---

[۱] Aquinas *The Sunma Theologeca Q 33 Art 206 3*

[۲] Augustine, *The City of God. Book XI ch XXIV*

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے[1]، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کرکے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳:۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدۂ تثلیث کی تشریح میں گذر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا تو عید پینٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیحؑ کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۲۷۶، ج ۲)،

اب عقیدۂ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

تین اور ایک کا اتحاد

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہوگئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیستاں بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، سالہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

---

[1] The City of God by Augustine P 168. V-2

حال ہی پروفیسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Stadies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ابیونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو انہوں نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدۂ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس قرار دیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے، جیسے "باپ"!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا،

ابیونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی خدائی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن "شرک" کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں "باپ" نے خدائی عطا کی تھی، لہٰذا توحید اس لحاظ سے درست ہو کہ بالذات خدا صرف "باپ" ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ "باپ" نے خدائی کی یہ صفت "بیٹے" اور "روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی،

ایک تیسرا فرقہ پیٹری پیشین (Patripassian) اُٹھا، نائیٹس ( ) پریگزیس (Praxeas) کالسٹس (Callistus) اور زیفائرینوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہو، غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے رُوپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی رُوپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا رُوپ دھار کر دنیا میں آ گیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھا دیا ــــــ لہٰذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بیٹا" کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بیٹا" رکھ لیا ہے[1]،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابلِ حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے۔ اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جُوں کا توں رہا،

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابلِ قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلّمہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنھوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

---

[1] یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا لبِ لباب اور خلاصہ پیش کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مارس ریلٹن کی کتاب

Studies in Christian Doctrine P.P. 61, 74

سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے[1]، اور کچھ علماء وہ ہیں جنھوں نے اس عقیدے کی

لہ اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدۂ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سے سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیتوں میں جو مفہوم بیان ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دین کے ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی "متشابہات" وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضر نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدۂ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدۂ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات کے سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظ دیگر عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے جاننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدۂ تثلیث کو متشابہ قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب کی، اس لئے کہ "متشابہات" سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ میں آسکے وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن عقل کے خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ الٓمٓ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم ہی یقینی طور سے آج تک بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور اصل

(باقی برصفحہ آئندہ)

کوئی عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے ــــــ جہاں تک ان ہندوستانی پادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) مفہوم کیا ہے؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ "رحمان عرش پر سیدھا ہو گیا ہے"

ان الفاظ کا ایک ظاہری مفہوم نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سیدھا ہو گیا ہے، لیکن یہ مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات غیر متناہی ہے، وہ کسی مکان کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی، اس لئے جمہور اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، "عرش پر سیدھا ہونے سے" کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں یقینی طور سے معلوم نہیں،

ظاہر ہے کہ عقیدہ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تین اقنوم ہیں، اور یہ تین ایک ہیں، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ بناتا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماوراء کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی "خدا کا عرش پر بیٹھنا" ہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

دوسرے الفاظ میں مسلمان قرآنِ کریم کی جن آیتوں کو "متشابہ" قرار دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں حقیقۃً جو دعویٰ کیا گیا ہے وہی ہم نہیں سمجھ سکے، لیکن جو دعویٰ بھی ہے وہ عقل کے مطابق اور دلیل کے موافق ہے، اس کے برخلاف عقیدۂ تثلیث کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ تو معلوم اور متعین ہے، لیکن اس کی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے عقیدۂ تثلیث کو "متشابہات" سے کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی

صاحبان کا تعلق ہے جو پچھلی ایک صدی کے دوران برِّ صغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں، اُن کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے "عقیدۂ تثلیث" کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ "تکشیف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو ۱۹۲۶ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں توحید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں،

"اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی جنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے" (تکشیف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۶ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "تین اقانیم" سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہے ـــــ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے[1]، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسان"

---

[1] آگسٹائن کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جزء کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے ..... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو "خدا" قرار دیتا ہے، خدا کا جزء نہیں مانتا[1]،

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات اُن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل، جامع اور مبسوط کتاب پانچویں صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے، ڈبلیو، ہیڈن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعۂ مقالات کا جزء ہے، جو ۱۹۴۸ء میں نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ ــــــــ آگسٹائن" کے نام سے شائع ہوا ہے[2]،

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے "تین اور ایک کے اتحاد" کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات

آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہو کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلۂ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلۂ علم ہے، گویا:

---

[1] اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جزء مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات ہو کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قدم و دوام کے منافی ہو۔

[2] ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، ت

عالم (جس نے جانا) ـــــــ آپ

معلوم (جس کو جانا) ـــــــ زید

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ـــــــ دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپکے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اور آلۂ علم بھی وہ خود ہی ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:۔

عالم (جس نے جانا) ـــــــ دماغ

معلوم (جس کو جانا) ـــــــ دماغ

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ـــــــ دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلۂ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہوگئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلۂ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دماغ تین ہیں، ـــــــ آگسٹائن کہتا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے[1]،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

---

[1] آگسٹائن ص ۴۹۲ ج ۲،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعۂ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعۂ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلۂ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں :

> "یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔ (آگسٹائن، ص ۲۰٦، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم دماغ مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلۂ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں

ایک ہیں، حالانکہ عقیدۂ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے، اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں، ـــــــ

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں "وحدت" بھی حقیقی ہے، اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے، بلکہ اعتباری ہے، اس لئے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا ـــــ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محلِ نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے، وہ رحیم بھی ہے، قہار بھی، عالم الغیب بھی ہے قادرِ مطلق بھی، اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں، اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے نہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، اور قادرِ مطلق کوئی اور، ـــــ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ "باپ" الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے، اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں،

دوسری مثال آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے، وہ کہتا ہو کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفتِ علم سے محبت رکھتا ہے، اور اس محبت کا اسے علم ہو، لہٰذا وہ اپنے علم کے لئے مُحِب ہے، اور محبت کے لئے عالم ہے، یعنی:

دماغ ـــــ اپنے علم کے لئے ـــــ مُحِب ہے،

دماغ ـــــ اس محبت کے لئے ـــــ عالم ہے

لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں، دماغ، مُحِب، عالم، اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں اس لئے کہ مُحِب بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے، اور دماغ تو دماغ ہے ہی، اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں، خدا کی ذات (باپ) اس کی صفتِ علم (بیٹا) اور اس کی صفتِ محبت، (روح القدس) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں،

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذات ہے، اور مُحِب اور عالم اس کی

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام (بیٹا) اور صفتِ محبّت (روح القدس) اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہٰذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہو، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدۂ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے ـــــ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفتِ کلام اور صفتِ محبّت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفتِ کلام اور صفتِ محبّت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور علم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام (یعنی بیٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا، پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے، اور انھیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان

رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہوگیا جو حضرت آدم کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا،
اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں:

(۱) عقیدۂ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدۂ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدۂ حیاتِ ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدۂ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جزء کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عقیدۂ حُلول و تجسّم

حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا" (یوحنا ۱: ۱، ۲)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

"اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "کلام" خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہو، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی[1]"

ل *Studies in Christian Doctrine P. 28*

"بیٹے" کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی، اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے[۱]

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک "بیٹے" کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "بیٹا" خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہٰذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، المرٹیا کا مقالہ نگار اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

"وہ (حضرت مسیح) حقیقۃً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، اتھاناشیس نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریے کی پرزور حمایت کی تھی، لہٰذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں[۲]"

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کم رتبہ تھے، اسی لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ:

"باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

"علیٰ ہٰذا القیاس خدائی حیثیت سے انھوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

۱؎ ایضاً ص ۱۳۴،

۲؎ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۰۶ ج ۲ مقالہ "عیسائیت"

سے وہ خود پیدا کئے گئے[1]

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:۔

"چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کردے جس میں وہ باپ کے برابر ہے۔۔۔۔ لہٰذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے افضل ہیں، اور اسی طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کمتر بھی ہیں" (ص ۸، ۹، ج ۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی! خالق بھی ہو اور مخلوق بھی! برتر بھی ہو اور کمتر بھی!۔۔۔۔۔۔ عقیدۂ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ "علم مسیحیت" (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے[2]، رہی عقل، تو عقیدۂ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے: کوئی کہتا ہے کہ "خدا" اور "انسان" کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کردی جاتی ہے[3]، کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

---

[1] آگسٹائن ص ۸، ۹، ج ۲،

[2] ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اظہار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

[3] دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹، ۴۷۶ ج ۲۲، مقالہ "تثلیث" مطبوعہ ۱۹۵۰ء،

پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی ——————— لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا۔[1]

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

وہ جنھوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا ماننے سے انکار کر دیا،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے، وہ صرف انسان تھے، اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا،

مسٹر جیمس میک کنن (James Mackinon) نے اپنی فاضلانہ کتاب (From Christ to Constantine) میں ان مفکرین کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اُن کے بیان کے مطابق اس نظریے کے ابتدائی لیڈر پال آف سموسٹا[2]

---

[1] اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رومن کیتھولک چرچ کی یہ دلیل بہت سطحی ہے، اس لئے کہ انگوٹھی میں جو تحریر نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگوٹھی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگوٹھی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تحریر ہے، اور نہ تحریر کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آئینے میں زید کا عکس نظر آرہا ہے تو وہ آئینے سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی لئے کوئی آئینے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آئینہ ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیح کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہٰذا یہ مثال کسی طرح عقیدۂ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

[2] علامہ ابن حزم نے اس کا نام "بولس الشمشاطی" ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸ ج اوّل) یہ شخص ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریرک رہا ہے، (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۰)

Paul of Samosata) اور لوسیئن[۱] (Lucian) تھے، مسٹر میک کنن لکھتے ہیں

"دونوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ ہے کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسیئن اور اس کے مکتبِ فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے، جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہٰذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی رُوح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ "باپ" کا پیغام پہنچائیں، لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی"[۲]

گویا پال نے تو سرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیح کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسیئن نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفتِ علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیح کو خدا، خالق، قدیم اور جاودانی بنا دے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیح بدستور مخلوق، پال اور لوسیئن ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جیمس میک کنن کے الفاظ میں یہ تھا:

"آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے، اور اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہٰذا بیٹا جاودانی

---

[۱] لوسیئن (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عمر راہبانہ زندگی گذاری، اس کے نظریات پولس شمشاطی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، شمشاط میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گذارا (برٹانیکا، ص ۴۰۶ ج ۱۴، مقالہ لوسیئن)

[۲] From Christ to Constantine, London 1936

ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں
تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے
ہیں، وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں "مکمل" ہونے کی صلاحیت موجود ہے،
اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے ـــــ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے،
اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا
(Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر
حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے[1]"

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈر اور اتھانی شیئس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدۂ حلول کے ٹھیٹھ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلا وطن کر دیا گیا،

پولسی فرقہ

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

---

[1] ایضاً،

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انھیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ "خدا کے بیٹے" کہلائے[1] اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں لیکن اس کو قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسطوری فرقہ

پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسطوریوس (م ۴۵۱ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدۂ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی ــــــ نسطوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ ور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولا یہ تھا کہ: "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں"۔ اس کے برعکس نسطوریوس کا فارمولا یہ تھا کہ: "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں"۔ چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پرزور طریقے سے مسترد کر دیا گیا اور اسی کے نتیجے میں اسے جلاوطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ ابتک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیدن بیکر (Bethune-Baker) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتا کہ وہ دو مستقل وجود بن گئے .... اس نے کلمۃ اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیدیا[2]"

---

[1] اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۷۹۶ ج ۱، مقالہ "پالیشینس"۔

[2] آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیھتون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات ٹھیک سمجھا نہیں گیا، مگر پروفیسر آرس ریلنگ وغیرہ نے اس کی تردید کر کے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے، دیکھئے Studies in Christian Doctrine P. 102

یعقوبی فرقہ اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں لیعقوبی فرقہ Jacobite church پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر یعقوب برذعانی (Jacabus Baradaeus) تھا، اس کا نظریہ آریوس اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں "حقیقت" بھی صرف ایک پائی جاتی تھی ـــــ اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا تھے، گو ہمیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی"[1]

یہ نظریہ یعقوب برذعانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو "مونوفیسی فرقے" (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بڑا زور رہا ہے،[2]

آخری تاویل مندرجۂ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا کوششیں کی گئیں، لیکن آپنے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے بدعت

---

[1] دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

[2] یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث تھے، اُن کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۰، ج ۱۵، مقالہ مونوفیسی فرقے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجۂ ذیل ارشاد میں غالباً انہی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ "بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے"

قرار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدۂ حلول بھی ایک سربستہ راز ہے، جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن نہیں، (دیکھئے برٹانیکا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر دور میں عقیدۂ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رومن کیتھولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جوں کا توں برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی مگر اسے پروفیسر مارس رلیٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اس قسم کا حلول (جس کا رومن کیتھولک چرچ قائل ہے) اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہوگئی تھی جب پہلے انسان (آدمؑ) کو خدا کے مشابہ بناکر پیدا کیا گیا تھا[1]، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی عنصر کو بنی آدم کے مخلوق ڈھانچے میں ناممکل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہٰذا سچی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور ناممکل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کا روپ نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کرن مقیم رہی ہو، لہٰذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے،، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بناکر ہم کو پیدا کیا گیا ہے،...... آخرکار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری

---

[1] یہاں مارس رلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (پیدائش ۱: ۲۷)

انسانیت سے اتنی ہی مختلف ہو جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے[۱]۔

خلاصہ یہ ہو کہ اس تاویل کی رُو سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہٰذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں،

یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارس رَلیٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے ! اہل نظر سمجھ سکتے ہیں[۲]،

ف۱ Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144

ف۲ اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہو کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے ؟ کیا اس میں بھی بھوک پیاس، خوشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں ؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اُس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات بداہۃً غلط ہے، اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے ! انھیں کیوں بھوک پیاس لگتی تھی، انھیں کیوں رنج اور غم ہوتا تھا ؟ وہ (بزعم نصاریٰ) سُولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلّاتے تھے ؟ جبکہ ان کی انسانیت بقول مارس رلیٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرّا ہے ؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بناکر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا ـــــ حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ واقعۃً الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے بُرے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

عقیدۂ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں یہودیوں نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سُولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہوگئی تھی ۔۔۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں، سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب "دی سٹی آف گاڈ" کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں، لکھتے ہیں،

> "پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی رُوح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنھیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں" (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] حضرت مسیح کو سُولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ در حقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہار الحق کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپکے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برناباس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برناباس نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سُولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا، (ہم نے اظہار الحق کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے (باقی آئندہ صفحہ پر)

پہلے گذر چکا ہے، کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری بیشین فرقے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،

صلیب مقدّس

چونکہ عقیدۂ مصلوبیت ہی کی بنا پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ —— چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزعم نصاریٰ) حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام "دریافتِ صلیب" ہے) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرولین لکھتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے) اس انجیل کے بارے میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے ۔۔۔ لیکن حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ بلمین اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیلِ اربعہ" (The Four Gospels) (ص ۵، مطبوعہ میکملن نیویارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹریٹر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغۂ مجہول (Passive Voice) استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، "He was taken off" (اس کو اوپر اٹھا لیا گیا) اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ اوپر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

"ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اُتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں"[۱]

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں،

عقیدۂ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے،

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیلی گفتگو بیکار ہے،

عقیدۂ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ "کفارہ" ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ بقول

---

[۱] صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۵۲، ج ۱ مقالہ "صلیب" سے ماخوذ ہے۔

مسٹر ڈینیل ولسن ہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور نی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں اُن کو درحقیقت اسی عقیدے کی تمہید سمجھنا چاہئے. دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پیچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا[۱]، اور ناواقف حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر عائد نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے ——— اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے[۲]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں "عقیدۂ کفارہ" کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

> "عیسائی علم عقائد میں "کفارہ" سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفتِ کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کرے[۳]"

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

---

۱ ۵ David Wilson, *Evidences of Christianity* V. II. P. 53 London 1830.

۲ ۵ مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب کا رسالہ "الکفارہ" مطبوعہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۵۰ء

۳ ۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۱۰۶ ج ۲ مقالہ "Atonement"

ہوسکتا، یہ مفروضات ہم نمبروار درج ذیل کرتے ہیں[1]:

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انھیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انھیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے[2]۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجرِ ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ اول تو اُس وقت حضرت آدمؑ کے لئے حکم کی بجاآوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی مکمل آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار اطاعت کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح اطاعت "تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اس طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدمؑ

---

[1] ہماری نظر میں عقیدۂ کفارہ کے پورے پسِ منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ ساتھ ہی دیدیا گیا ہے۔

[2] آگسٹائن، دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کہ گناہ نے یہ "بنیاد" قائم کردی[1]،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کمیت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت سے گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں تکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنے دائرۂ اختیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو "موت" کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گمراہ کن مگر چکنی چپڑی باتوں (کی تصدیق) سے انسانی روح کا اخلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جس غذا کو چھونا اس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے ان سے زائد کی تمنا کی تھی، اور بھی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا[2]"

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بیحد سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ "دائمی موت" یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "شجرۂ ممنوعہ" کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا۔ (پیدائش ۲، ۱۷)

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوتِ ارادی (Free Will)

---

[1] دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۳، ص ۲۵۷، ج ۲،

[2] Augustine, *The Enchiridion* XLV PP. 684 V. I

عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انھیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کرسکتے تھے اور بُرے کام بھی، لیکن چونکہ انھوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

> جب انسان نے اپنی آزاد قوتِ ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوتِ ارادی کی آزادی ختم ہوگئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے۔ یہ پطرس رسولؑ کا فیصلہ ہے[1]..... لہٰذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہوکر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا۔[2]

گویا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کرلیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہوچکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کردیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایکوئیناس لکھتے ہیں:

> درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اُٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہوگئے، لہٰذا ایک گناہ کے ذریعہ بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی نتیجہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا۔[3]

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہوگئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

---

[1] پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرف اشارہ ہے،

[2] The Enchiridion XXX P. 675 V. I آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گاڈ ص ۲۵۵ ج ۱۵ ۲ میں بھی کہی ہے،

[3] Aquinas, The Summa Theologica Q. 87. Art. 2. P. 710 V. II

اس لئے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہوگیا، ودسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ ان دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ "اصلی گناہ" تمام انسانوں میں منتقل ہوا سینٹ آگسٹائن لکھتے ہیں،

> آور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے داغدار ہوگئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھی[1]

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

> جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہوگئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے،......... درحقیقت ہم نے آدم سے صرف "سزا" وراثت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے استحقاق لے کر آتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں[2]

---

[1] Augustine. *The Enchiridion* XXVI P. 673 V. I

[2] Calvin *Instit* bk. ii. ch. i. Sec. 8, as quoted by *the Britannica* P. 633 V. 4. "CALVIN".

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس ایکوئیناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصلی گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جسم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے[۵۱]

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم "اصلی گناہ" میں ملوّث ہو گئے تھے، اور "اصلی گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوّتِ ارادی سے محروم ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوّث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصلی گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لد گیا جو "اصلی گناہ" کے سبب انھوں نے خود کئے تھے[۵۲]

۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوّتِ ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے اُن کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوّتِ ارادی کے فقدان کے سبب وہ اُن نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انھیں عذاب سے نجات دلا سکتے[۵۳]

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کر کے انھیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اٹل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتاب پیدائش کے حوالے سے یہ گذر چکی ہو کہ "اصلی گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ "موت" کی سزا دیئے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا،[۵۴]

---

۵۱ The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. II

۵۲ Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. I

۵۳ ایضاً باب نمبر ۳۰ ص ۶۷۵ ج اوّل،

۵۴ دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۱۵۱ و ۲۰۲ ج ۲، مقالہ "کفّارہ"

۹۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، اور پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نیکیاں کر سکیں[۵۱]،

۱۰۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں[۵۲]،

اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے "بیٹے" کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی[۵۳]، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے[۵۴]، اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے[۵۴]،

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے[۵۵]، بپتسمہ

---

[۵۱] آگسٹائن، دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۰۵ تا ۲۰۹ ج ۲ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱،

[۵۲] ایضاً،

[۵۳] The Enchiridion L P. 687 V 1

[۵۴] Ibid, 60 ch. L.: P 698 V. 1

[۵۵] اس رسم کی تشریح ان شاء اللہ آگے آئے گی،

لینے کا مطلب بھی یہی ہو کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطہ سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہٰذا جو شخص بپتسمہ لے گا اس کا اصلی گناہ معاف ہو گا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی، اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصلی گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو گا،

یہی وجہ ہے کہ ایکوئیناس لکھتا ہے:

"جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے"[۱]

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پا گئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہو گی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں،[۲]

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لا کر بپتسمہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصلی گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا، اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصلی گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملی ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے، اگر بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ بھی دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ اُن کے لئے کافی نہ ہو گا، لہٰذا چرچ جن لوگوں کو "نفاق" Schism یا "بدعت" Heresy کے الزام میں برادری سے خارج کر دے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں،[۳]

---

۱ Aquinas, *The Summa Theologica* 87.5 P. 711 V. II

۲ Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 611 V. I

۳ Augustine, *The Enchiridion* LXVII P. 697 V. I

اور اگر انھوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مؤمنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام ..... "مطہر" (Purgatory) ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے[۱]

بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف کفر ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اِس عقیدے کے منکر

یہ ہے عقیدۂ کفارہ کی حقیقت[۲]؛ عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

---

[۱] The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

[۲] عقیدۂ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر، بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزء پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید اُن کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟

۲۔ پھر اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے اُن کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ ہے کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تورات میں تو ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے" (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

(باقی برصفحہ آئندہ)

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنھوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غالباً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۳) کالون نے آدمؑ کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال وبائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوّل تو یہ مسئلہ ہی محلِّ نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہے اُسے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابلِ سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابلِ سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

۴۔ اسی طرح اکوئیناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدمؑ کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد گناہگار قرار نہ دیا جائے۔

۵۔ اگر آدمؑ کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے، اور اپنی انسانی حیثیت سے انھیں پھانسی پر چڑھایا بھی گیا تھا۔

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضامندی سے ہی) پھانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں بھگتنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کردیا جائے گا؟ ــــ حزقی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کرسکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوتِ ارادی بھی سلب کرلی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کرسکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کو ایلیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

"آدمؑ کے گناہ سے صرف آدمؑ ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدمؑ اپنے گناہ سے پہلے تھے"[۵۶]

لیکن ان نظریات کو کارتھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے "بدعتی" قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادات اور رسمیں

اصولِ عبادت

عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کے بنیادی اصولِ عبادت کو سمجھ لیا جائے، مسٹر ریمنڈ ایبا (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کل چار ہیں:

۱۔ "عبادت" درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،[۵۷]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مریگا" (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دوسرے باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۵۶] Augustine, *On Original Sin ch. II P. 621 V. I*

[۵۷] Raymond Abba, *Principles of Christian Worship*, Oxford 1960, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"جس طور سے ہمیں دعا کرنی چاہئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا" (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ "عبادت" درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے، اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اُسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو،

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ "عبادت" کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ "مسیح کے بدن" کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

حمد خوانی

عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، ــــــ ان میں سے ایک "حمد خوانی" کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان "نماز" بھی کہہ دیتے ہیں،

مسٹر ایف، سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں، زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے، اتھانی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے،[۱]

---

۱ F. C. Burkitt, *The Christian Religion* PP 152 153 V. 1 Cambridge, 1930.

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مرکر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے[۱]۔

—— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انھیں شروع میں ایک عبوری دور سے گذرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ "عیسائی" نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹ چومینس" (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انھیں عشاء ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انھیں بپتسمہ دیا جاتا ہے[۲]۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹادیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

"اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں"

پھر وہ مشرق کی طرف رُخ کرکے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے، جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر سے پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

---

[۱] Augustine, *The Enchiridion* XIII P. 683 V. 1

[۲] The Christian Religion PP. 150, 152 V. 2

جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں" اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے[1]

عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی مبیّنہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیحؑ نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:

"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوعؑ نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶، ۲۶)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ:

"میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

---

[1] یہ پوری تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۳ مقالہ "بپتسمہ" میں سانترل کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں[ا۵].

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدرِ مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائرل لکھتا ہے:

> جس وقت صدرِ مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس، جو خدا کا ایک زندۂ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انھیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے[۵۲]"

یہ بات عرصۂ دراز تک بحث و تمحیص کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ ــــــ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اُس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اُسے تسلیم نہیں ہے،

عشاءِ ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)
اور مقدس اتحاد (Holy Communion).

ا۵ Justin Martyr, *Apol.* 1, 65 – 67. quoted by F. C. Burtkitt, *The Christian Religion* P. 149 V. III

۵۲ Cyril *Cat. Myst.* K. quoted by the *Britannica P. 795 V. 8* "EUCHARIST"

بپتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں .... (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انھیں تسلیم نہیں کرتا، کالون لکھتا ہے:

> "ان (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے مسیح نے مقرر کی ہیں بپتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں، انھیں ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔"[۱]

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ[۲]

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، عہدِ قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصبِ نبوت کے لئے چُنا تھا، اور اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسرائیلیوں کو فراعنۂ مصر کی غلامی پر مجبور کردیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انھیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کرسکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں عمالقہ سے جہاد کرکے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کرلیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی۔ تاہم

---

[۱] Calvin, *Geneva confession* 16, trans. by J. K. S. Reid

[۲] یہ خاکہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم، اپوکریفا اور برٹانیکا سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا ہے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب قضاۃ (Judges) انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤدؑ کے عہد تک قائم رہی،

بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے اُن سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرما دے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا، جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔ سموئیل ۱۳:۱)، طالوت نے فلستیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلستیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤدؑ اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا، اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤدؑ کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۹۷۰ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر "یہوداہ" رکھا، لیکن جب ۹۳۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رحبعام سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمانؑ کے ایک سابقہ خادم یربعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کرلی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی، جس کا پایۂ تخت سامرہ (Somaria) تھا، اور جنوب میں یہوداہ کی سلطنت تھی، جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سد باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۵۸۶ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کر کے لے گیا، بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، اور عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی گذارتے رہے۔

بالآخر جب ۵۳۶ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت مقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۱۵ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے۔

اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو گئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، ۵۱۵ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگیں رہ کر زندگی گذارتے رہے، ۳۳۲ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلّط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۶۵ق م میں سوریا کے بادشاہ انتیوکس ایپی فینس نے ان کا بُری طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب باب اوّل) اسی دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحبِ ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، اور

اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا،
مکابیوں کی یہ سلطنت ۶۳ق م تک قائم رہی،

حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری

مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر، اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی، بحیرۂ روم کے آس پاس اُن کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آبسی تھی، لیکن اُن کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر ادومیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روما کے تابع اور ماتحت تھے، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا جس کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃً ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جو انھیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصیب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنھیں آپ کی حیاتِ طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن کی حیثیت کسی قابلِ اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

عیسائیت کی تاریخ[1]

عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے، تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

---

[1] اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی پی ایس کلارک کی مختصر تاریخ کلیسا، پادری خورشید عالم کی تواریخ کلیسا، روما الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمہ تن دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے بہ پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو اب تک دینِ عیسوی کے پیرووں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرتِ مسیح کی آواز سُنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرا دل دینِ عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدّ و جہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دینِ عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیرووں میں پولس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلول و تجسم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، تاریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پولس کی کھل کر مخالفت کی؛ لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانحِ حیات بالکل اندھیرے میں ہیں[1]، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس ہی کا اثر و رسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

دَورِ ابتلاء

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دورِ ابتلاء

---

[1] لوقا کی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموش ہے، مقدمہ کے دوسرے باب میں پولس کی تحریفِ دینِ عیسوی کا مفصّل بیان آ رہا ہے،

(Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور سے رومی مسلط تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد وعبادات ابھی تک مدوّن نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۱۰۰ء)، اگناشیش (م تقریباً ۱۱۰ء) پے پیاس (م ۱۲۰ء) پولیکارپ (م ۱۵۵ء) آئرینوس (م ۱۷۷ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین اعظم

۳۰۶ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اوّل روم کا بادشاہ مقرر ہوگیا تھا، اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ، صور، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دیکر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف واکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدوّن کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدوّن کیا گیا، جو عقیدۂ اتھانا شیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے[۱]،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدوّن کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنجلک تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصۂ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا

---

[۱] یہاں یہ واضح رہے کہ جو نظم عقیدۂ اتھاناشیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اتھاناشیس کی نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحثے اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہدِ مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

قسطنطین سے گریگوری تک

۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنتِ روما پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنتِ روما کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بیحد متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریرک (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ نگیں تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا "پوپ" یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہوگئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضامندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیرباد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس رجحان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہوگئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے، پاکم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ ۵۹۰ء میں گریگوری اوّل پوپ بنا تھا، اس کے وقت سے لیکر شارلمین (۸۰۰ء/۱۸۴ھ) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دَور میں اسلام عروج پارہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی دبائیں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دَور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطّوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دَور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں آگئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

قرونِ وسطیٰ ۸۰۰ء/۱۸۴ھ سے لے کر ۱۵۲۱ء/۹۲۸ھ تک کا زمانہ قرونِ وسطیٰ کا زمانہ .... (Mediaeval Era) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہِ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، العزیڈ، ای اگارڈے نے اس زمانے کو تین حصّوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گریگوری ہفتم تک کا زمانہ (۸۰۰ء/۱۸۴ھ تا ۱۰۷۳ء/۴۶۶ھ) جس میں پاپائیت فروغ پارہی تھی،

۲۔ گریگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (۱۰۷۳ء/۴۶۶ھ تا ۱۲۹۴ء/۶۹۳ھ) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہوگیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء/۶۹۳ھ تا ۱۵۱۷ء/۹۲۳ھ) جس میں پاپائیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں[1]،

قرونِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔ نفاقِ عظیم | نفاقِ عظیم (Great schism) تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر "دی ہولی آرتھوڈوکس چرچ" (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا، نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ باپ سے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہلِ مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نیقیاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنتِ روما دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

---

[1] یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۹ تا ۵۹۱ جلد ۳، مقالہ "عیسائیت" سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریرک کے حوالے کرنے، یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بُری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دور ان پوپ لیو نہم ( ) نے ۱۰۵۴ء/۴۴۶ھ میں مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریرک میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں قربان گاہ پر اناتھیما (لعنت) کے کلمات لکھدیئے، بس اس واقعے نے گرم لوہے پر آخری ضرب لگادی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہوگیا[۱]،

۲۔ صلیبی جنگیں

اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنھیں عیسائی مؤرخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوگیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء/۴۸۸ھ میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان کردیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی، پی، ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کردیا کہ جو شخص بھی اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

---

[۱] Adeney The Greek and Eastern Churches P. 241 as quoted by the Ency. of Religion and Ethics P. 590 V. 3

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے[۱]۔

اسی طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بُری طرح شکست ہوئی،[۲]

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں

صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء تا ۱۲۵۴ء) کے زمانے سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہوگئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اوّل اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۷۶ء) پاپائیت کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیریِ بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پھر ۱۳۷۸ء سے ۱۴۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے، جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس، اسپین اور نیپلس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایونن پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاقِ عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں

جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

---

[۱] Clarke, Short History of the Church P. 204

[۲] ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں، ویکلف (Wyckiift) (متوفی ۱۳۸۴ء/۷۸۶ھ) کا نام سر فہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک، ورپرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء/۷۸۷ھ میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متأثر ہوکر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی،

پاپاؤں کے افتراق اور "نفاق عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء/۸۱۲ھ میں کونسل پیسا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مرگیا، اس کے بعد ایک بحری ڈاکو جان بست وسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤں کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہوگئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۴ء/۸۱۷ھ میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں "نفاقِ عظیم" کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو باتفاق بدعتی قرار دیدیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلا دیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم وستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۳۱ء/۸۳۴ھ میں باسل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

آخر کار ۱۴۸۳ء/۸۸۸ھ میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور بپتسمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئیٹزرلینڈ میں زونگلی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سولھویں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ کا مضبوط مدمقابل بن گیا،

عقلیت کا زمانہ

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعومے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اُس بات کو دریابرد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیرباد کہنا پڑے، جنھیں کلیسا عرصۂ دراز سے تقدس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آرہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (
) کہتے تھے،

ولیم شلنگ ورتھ (۱۶۰۲ء/۱۰۱۲ھ، ۱۶۴۴ء/۱۰۵۴ھ) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر رہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا[۵۱]، لارڈ ہربرٹ (۱۵۸۳ء/۹۹۱ھ، ۱۶۴۸ء/۱۰۵۸ھ) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء/۹۹۶ھ، ۱۶۷۱ء/۱۰۸۲ھ) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست بردسے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ والٹائر (۱۶۹۴ء/۱۱۰۵ھ، ۱۷۸۸ء/۱۲۰۲ھ) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک وارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلّم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقیدِ حیات ہے[۵۲]،

تجدد کی تحریک

مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِّ عمل دو طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنھوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب ہوکر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدّد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے انکشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصّوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متوارث الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے،

ڈاکٹر مِلِیَن کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگردہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک[۵۳] (Harnack) اور رینان

---

۵۱ Glarke *Short History of the Church* P. 334

۵۲ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مقالہ: "میں عیسائی کیوں نہیں؟" ("Why I am not a Christian?")

۵۳ ہارنیک کی معرکۃ الآرا کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کرکے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ ——— "What is Christianity ?" کے نام سے بار بار شائع ہوچکا ہے،

(Renan) اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سرِ نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہوگئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک۔۔۔۔۔ (Catholic Revival movement) کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں" کے خلاف جنگ شروع کی، اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب سے بڑا صاحبِ اقتدار ادارہ ہونا چاہئے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادّیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاؤ لیکر لوٹ رہے تھے، مادّی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کردی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر رُوح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جاگرے جنھوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر ناکس (۱۷۵۷ء/۱۱۶۹ھ – ۱۸۳۱ء/۱۲۴۷ھ) جان ہنری نیومین (۱۸۰۱ء/۱۲۱۶ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) ہیورل فراوڈ (۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ، ۱۸۳۶ء/۱۲۵۲ھ) اور رچرڈ ولیم چرچ (۱۸۱۵ء/۱۲۳۰ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدّد اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں،

کاش! انھیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جس دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمھیں سُلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے اس نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی چوٹیوں[1] سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیط"[2] (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلع" کے بسنے والوں نے گیت گائے تھے[3] اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی[4]، جس کے قدموں پر "پتھر کے بت" اوندھے گرے تھے[4]، جس نے "اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا[5]، جب تک تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون، روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

لہ استثناء ۳۳: ۲ ۔ ۲ہ یوحنا ۱۴، ۱۷ ۔ ۳ہ یسعیاہ ۴۲: ۱۱
۴ہ یسعیاہ ۴۲: ۱۷ ۔ ۵ہ یوحنا ۱۶: ۱۳

دوسرا باب

عیسائیّت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ "عیسائی مذہب" کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق میں کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انھیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہوگیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں، اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج "عیسائیت" کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولُس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

پولُس کا تعارف

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولُس کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتابِ اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلۂ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:

"آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں" (فلپیوں ۳: ۵)

اور یہ روم کے شہر ترسس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتابِ اعمال ۵۸ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام "ساؤل" ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتابِ اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انھیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

"میں[1] نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پاکر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انھیں سزا دلا دلا کر زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جاکر انھیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آ چمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر

---

[1] یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اُس نے اگرپا بادشاہ کے سامنے کی تھی، تقی

لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں" (اعمال ۲۶: ۹ تا ۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں "خداوند یسوع مسیح" پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

"اس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچکر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس اس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم
ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسس کو روانہ کر دیا" (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا،

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھلا تضاد ہے،

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول، تجسّم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے سرمو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد کا فر قرار دیتے آئے ہیں، اور در حقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ

سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معمے کو اگر درست اور مدارِ نجات

بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر مارس رلیٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) "خدا" کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

"اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں! صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں[۵۱]"۔

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے ذمے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔
اگر "تثلیث" کا نظریہ بھی انہی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

---

۵۱ H. Maurice Relton, *Studies in Christian Doctrine* P.

برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ "خدا تین اقانیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں"[1] خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اسرائیل! سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو "ابن آدم" کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساٹھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو "ابن آدم" فرمایا ہے،

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں، مگر ہم یہاں

---

[1] عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث پر اُن اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیحؑ کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۳ و زبور ۸۹: ۲۶ و یرمیاہ ۳۱: ۹ و یسعیاہ ۶۳: ۱۶ و ایوب ۳۸: ۷، و پیدائش ۶: ۲ وغیرہ) اس لئے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو "مقدس نظریات" کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر اُن کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہلِ تجدد (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums) کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصرِ جدید کی عیسائیت کا کوئی مورّخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں:

> "قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا؟ دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مُصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی ہمیں یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت) مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:
> "اگر تمھیں مجھ سے محبت ہے تو میرے حکموں پر عمل کرو"[1]، غالباً (حضرت) مسیح

---

[1] غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے: "جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ اُن پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے (یوحنا ۱۴: ۲۱)"

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرکے آپ نے فرمایا تھا کہ: "جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے"[1]

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انجیل کے اصل متضمنات سے الگ ہوکر (حضرت) مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تنہا نیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جُلا رکھتا ہے[2]،

---

[1] یہ متی ۷: ۲۱ کی عبارت ہے، تقی

[2] اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت) مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا) اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت) مسیح کی مراد کیا تھی؟....... آیئے

آیئے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے[1]"

.... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

"This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men." ("What is Christianity" PP. 129. 130)

[1] یہ متی ۱۱، ۲۷ کی عبارت ہے، تقی

خدا کو "باپ" اور "اپنے باپ" ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہٰذا اگر "بیٹے"
کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے،
البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت) مسیح
اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل
کوئی نہیں جانتا تھا،.......... اس معنی میں (حضرت) مسیح اپنے آپ کو
خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے[۱]"

آگے چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

"جس انجیل کی تبلیغ (حضرت) مسیح نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہے،
بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی "عقلیت پسندی"
(Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو
انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں[۲]"

پھر چار صفحوں کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"انجیل ہمارے سامنے اس زندۂ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں
بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا
اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت) مسیح کا مطلب
اور مقصد تھی[۳]"

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک "خدا کا بندہ اور پیغمبر"

---

[۱] Harnack, *What is Christianity* PP. *128, 131* trans. by Thomas Bailey Saunder, *New York 1912*.

[۲] *Ibid P. 147*

[۳] *Ibid P. 151*

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو،

حضرتِ مسیحؑ حواریوں کی نظر میں

حضرت مسیحؑ کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "تثلیث" یا "حلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیحؑ کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ "آقا" اور "اُستاد" کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حوارین حضرت مسیحؑ کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربّی" کہتے تھے، انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم ربّی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو
اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمھارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے[1]
اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمھارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳: ۸تا۱۱)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیحؑ کو "ربّی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور الٰہ کے معنی میں نہیں، لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک جملہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدۂ تثلیث یا عقیدۂ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ایک پیغمبر تھے، اور بس! حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے، "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو" (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت "یسوع ناصری" کو "ایک شخص" کہنے کے بجائے خدا کا "ایک اقنوم" کہتے، اور "خدا کی طرف سے" کہنے کی جگہ صرف "خدا" کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا" (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتابِ اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

"کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا ہیرودیس اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے" (اعمال ۴: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباس حواری فرماتے ہیں:

"دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا" (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مؤمن کہا گیا ہے،

یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حوارئین حضرت مسیح علیہ السلام کو "ایک شخص" اور "خدا کی طرف سے" پیغمبر اور اللہ کا "خادم (یعنی بندہ) اور "مسیح" سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف اُن کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہٰذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی؛ اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سر بلند کیا، . . . . . تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹیکے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے" (فلپیوں ۲: ۶ تا ۱۱)

اور کلسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"وہ (مسیح) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اَن دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں" (کلسیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے"

(کلسیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے "خداوند" اور "ربی" کے الفاظ تو استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں "استاد" کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے "الوہیت" یا "تجسّم" کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے،

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسّم کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱:۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"اور کلام مجسّم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (۱: ۱۴)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسّم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا وزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دردِ سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرینوس (م ۱۷۰ء) آریجن (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ رومی (م ۲۰۰ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۱۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ۱۶۵ء
کے لگ بھگ، چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور
اسے سرنتھس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے
لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا
بڑا تھا کہ سینٹ ایپی فانیس نے ۳۷۴ء، ۳۷۷ء میں اُسے ایک طویل تذکرے
کا مستحق سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسطی اور مونٹینسٹ فرقوں
کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک
کہ بشپ نے اس کا نام "الوگی" (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیلِ
یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اُس جیسے زمانے اور اس
جیسے ملک میں انجیلِ یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟
یقیناً نہیں[1]۔"

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے[2]، لیکن یوحنا بن زبدی حواری اَن پڑھ اور ناواقف تھے، (جیسا کہ اعمال ۴:۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحب رسوخ واقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا[3]، حالانکہ یوحنا ابن زبدی حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے[4]، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۳، مقالہ "جان" "گاسپل آف"

[2] دیکھیے ۴:۲۷ و ۷:۱۵ و ۹:۲ و ۴:۹ و ۷:۴۹ و ۱۰:۲۱ و ۴:۲۵ و ۶:۱۴ و ۷:۴۰ و ۱۲:۳۴ و ۷:۲۲ و ۱۸:۲۸ و

[3] دیکھیے ۸:۱۵ و ۱۶:۳ و ۱:۷ و ۵۰:۷ و ۱۹:۳۸ و ۷:۴۵ و ۱۱:۲۷ و ۱۲:۱۰ وغیرہ۔

[4] برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۱۳، مقالہ "جان"

اس انجیل کو یوحنّا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرینوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ دقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنّا جعلی تصنیف ہے، اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں اُن کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہوگئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنّا بن زبدی حواری نہیں ہے بلکہ یوحنّا بزرگ (John the Elder) ہے۔ جیمس میک کنن لکھتا ہے:

"یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرینوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنّا حواری کو یوحنّا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے[1]۔"

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیلِ چہارم مقدّس یوحنّا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی[2]۔"

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریئے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنّا بن زبدی رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریئے کے خلاف نظر آتے ہیں[3]۔"

لہ From Christ to Constantine P. 119 London 1936.

سلہ قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ ص ۱۳۱ جلد دوم پنجاب رلیجس بک سوسائٹی سنہ ۱۹۶۰ء

سلہ ایضاً، ص ۱۴۱ ج ۲،

انھوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف "یوحنا رسول" نہیں تھا، "یوحنا بزرگ" تھا، انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سُن لیجئے:-

> جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبدی رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہو کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معرا ہے، اور اس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے[1]:

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت تخت خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنا بزرگ" کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا[2]، یوحنا بزرگ نوجوان، پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا اظہار انھوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبولِ عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انھوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے،

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیلِ یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

---

[1] قدامت و اصلیت اناجیلِ اربعہ ص ۱۴۰ ج ۲ :

[2] ایضاً ص ۱۳۷ ج ۲ ،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے "وہ شاگرد جس سے یسوع محبت کرتا تھا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رائج کا مصنف ہے (۲۱: ۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام سے، اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

> "اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا" (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

> "اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟"[۱] (۱۳: ۲۵)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چہیتے اور محبوب تھے کہ انھیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی ——— جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انھیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکریوتی جیسا شخص جو بقولِ اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کروایا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیح کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

---

[۱] یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہو کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہو (دیکھیے متی ۲۶: ۲۱ و مرقس ۱۴: ۱۸ او لوقا ۲۲: ۲۱)

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی مکمل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے جن میں مریم، مرتھا، لعزر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے،

پھر اگر "یوحنا بزرگ" کے نام کا کوئی شاگرد "یوحنا حواری" کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفین "یوحنا بن زبدیٰ اور "یوحنا بزرگ" کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدی، اور یعقوب بن حلفئ، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکریوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کر دے، (دیکھئے متی ۱۰: ۲ و مرقس ۳: ۱۶، ۱۹ و لوقا ۶: ۱۴، ۱۶ و اعمال ۱: ۱۳) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر "یوحنا بزرگ" نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے، اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی "یوحنا بزرگ" نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہوگئی تھی، کیونکہ انجیلِ یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱: ۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو "یوحنا بزرگ" کو "یوحنا بن زبدی" سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ (   ) اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابلِ انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،

رہا وہ جملہ جو انجیلِ یوحنا کے بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

"یہ وہی شاگرد ہے جو اُن باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیلِ یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطۂ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

"ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے[1]"

عہدِ حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں[2]، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخۂ سینائی ٹکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں[3]،

---

[1] Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels P. 430, MacMillan, New York 1961*

[2] *See* Belief in Christ P. 106

[3] The Four Gospels P. 431

لہٰذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا کوئی اور قابلِ ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پولس[1] کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ویسٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیئے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں کے خلاف حجت قائم کی جا سکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہدِ حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "اناجیلِ اربعہ" (The Four Gospel) میں کتنی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

> "لہٰذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کرلیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کرلیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

---

[1] بلکہ فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیلِ یوحنا خود پولس کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمۂ انجیل برنباس از سید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطۂ نظر کو منوایا جائے، جس سے اُس زمانے کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری صدی عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ "یہ وہی شاگرد ہے..... جس نے ان کو لکھا ہے ....." اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک اور اختلافات پائے جاتے تھے"[1]

لہٰذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے حُسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہو کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا،[2]

اور اگر بہت زیادہ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جا سکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر:

"پے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

---

[1] B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 431

[2] Quoted by Streeter, *Four Gospels* P. 443

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی، (۱۔ یوحنا ۱:۱) لیکن شاید وہ خداوند کو "دیکھنے" سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ کرسکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فسح کے موقعہ پر یروشلیم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستتر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف میں "بھائیو!" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو!" کا لفظ استعمال کرسکتا ہو (۱۔ یوحنا ۲: ۱۳ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے لکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۰ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی[۵۱]"

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطۂ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کرکے ہم اس کو جُوں کا تُوں تسلیم کرلیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،

۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،

۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیحؑ کو صرف دیکھا تھا ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

---

۵۱ Ibid P. 456

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،
۵۔ وہ یروشلیم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا[1]
۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟
۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدۂ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،
۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری، یا حضرت مسیح کا کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود عیسائی علماء انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انھیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان نتائج کی روشنی میں مندرجۂ ذیل باتیں ناقابلِ انکار طریقے سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے،
۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،
۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا: کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

---

[1] پادری برکت اللہ ایم، اے: قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۲۴ ج ۲، لاہور ۱۹۶۰ء،

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستتر سال تھی، اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گذر چکے تھے،[۱]

۵۔ چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدۂ حلول و تجسّم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے،

عقیدۂ کفارہ

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلّل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ حلول و تجسّم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے،

آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی "عقیدۂ کفارہ" کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے،[۲] آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اسی عقیدے پر موقوف ہے، بپتسمہ اور عشاءِ ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے، لہٰذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیلِ اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظامِ فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

---

[۱] کیونکہ مؤرخین تخمینی طور پر پولس کا سنِ وفات ۶۷ء کو قرار دیتے ہیں،

[۲] Danie. Wilson, Evidences of Christianity P. 53 V. II London 1830

اسلام کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتمالیت کی بنیاد مارکس کے فلسفۂ تاریخ، نظریۂ قدرِ زائد ( ) اور نظریۂ اشتراکیت ( ) پر ہے، لہٰذا کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" ( ) میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدۂ تثلیث اور حلول وتجسّم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدۂ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا،

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدۂ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱۔ "اس کے بیٹا ہوگا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا" (متی ۱: ۲۱)

۲۔ "فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی مسیح خداوند" (لوقا ۲: ۱۱)

۳۔ "کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے" (لوقا ۲: ۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا: "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے" (لوقا ۱۹: ۱۰)

۵۔ "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے" (متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

۶۔ "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدۂ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے[۱]،

---

[۱] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ ج ۲، مقالہ: ATONEMENT

ان جملوں سے زائد عقیدۂ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی۔ مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدۂ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اُسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدۂ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھیے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں، خواہ انھیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں!

"اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے" ـــــــ اور "یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" ـــــــ اگر پہلے سے عقیدۂ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرمار ہے ہیں[1]

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوتِ ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنوم ابن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

---

[1] رہی کتاب یسعیاہ ۵۳ : ۱ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سو وہ ان سب جملوں سے زیادہ مجمل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے؟[1]

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدۂ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی،

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام ـــــ بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جملے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کردی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کرلی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا ـــــ حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سادہ وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوائیلیس شیس (Coelestius) کا کہنا یہی تھا،[2] پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

> یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پائے جانے کے قائل تھے" (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالۂ "کفارہ")

---

[1] خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے" (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

[2] Augustine, On Original Sin ch. II P. 621 V. I

ایبِ لارڈ (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت ہمدردی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالۂ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو لبرلزم کے زمانے سے پہلے عقیدۂ کفارہ کے منکر تھے، پھر لبرلزم کے دَور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہوگیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدۂ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آیئے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدۂ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہٰذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدۂ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پولُس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدمؑ سے لے کر موسیٰؑ تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنھوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت سے آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہتیرے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھیرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے

سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں۔ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے... کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے"

(رومیوں ۵: ۱۲ تا ۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مُردوں میں سے جلایا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں....... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں" (رومیوں ۶: ۳ تا ۶)

یہ "کفارہ" کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ کر آئے ہیں، یہ عقیدہ پولس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے کا بانی بھی ٹھہرتا ہے،

تورات پر عمل کا حکم

عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہوگا کہ اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی یہ تحقیق کرلی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں! اور پولس نے اس میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ اناجیل میں تو

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متّی میں ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا" (متی ۵: ۱۷)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو، کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" (متی ۷: ۱۲)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل اور قابلِ احترام مانتے تھے،

لیکن پولس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجۂ ذیل اقوال سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت[1] کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھتا ہے:

"ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب راستباز ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے" (۳: ۲۳ تا ۲۵)

اور افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"اس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

---

[1] واضح رہے کہ بائبل میں ہر جگہ شریعت (The Law) سے مراد تورات ہوتی ہے،

پڑھنے موقوف کردی" (افسیوں ۱۲ : ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

"اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے" (عبرانیوں ۷ : ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:-

"کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا" (۸ : ۷)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

"جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہوجاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

ان تمام اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور اس کے ہر حکم کو منسوخ کر ڈالا،

عشاء ربانی عشاء ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم بنا لینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۱ : ۲۴) اور لوقا چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

"اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ "میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو"[۱]"

۱ے F. C. Burkitt, *The Christian Religion* P. 148 V. 3

ختنہ کا حکم ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانوگے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے..... اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔" (پیدائش ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے" (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے،

لیکن اس بارے میں پولس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤگے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" (گلتیوں ۵: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامختونی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔" (۶: ۱۵)

۲- تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و احکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پولس نے وضع کیا ہو، تثلیث حلول و تجسم، کفارہ، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نسخِ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

رہی ہے)

گر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، گو ہماری نگاہ میں یہ بات عین قرینِ انصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کردیئے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہوجاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پولس کی سوانح جات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتابِ اعمال، خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں، جنھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱. عرب کا سفر

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعۃً حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گذارتا جنھوں نے براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دینِ عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے،

لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یروشلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے،

> "جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کرلیا، اور اپنے فضل سے بلالیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یروشلیم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب[۵۱] چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا" (گلتیوں ۱: ۱۵ تا ۱۷)

---

۵۱ واضح رہے کہ یہاں عرب سے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں توسعاً عرب کہدیا جاتا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے:

"جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموش اور پُرسکون فضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا، ...... اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے"[1]

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب "مسیح سے قسطنطین تک" میں لکھتے ہیں:-

"اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضمنات پر غور کرے، اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت تھی اس کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی یعقوب سے ملاقات کرے"[2]

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال کا طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گذارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنھوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض اٹھایا تھا؟ ـــ کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنھیں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (بقول برٹانیکا) "نئی تعبیر" کرنا چاہتا تھا۔

---

[1] برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال۔

[2] Mackinnon, James, *From Christ to Constantine*, London, Longmans green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پر سکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی، اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پولس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف، جے فوکس جیکسن[۱] پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

> "پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہئے جب تک کہ خدا کی رُوح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیشرو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہِ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا[۲]"

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی دلیل کیا ہو کہ پولس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقامِ بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہٖ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

۱؎ F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

۲؎ یہاں مسٹر جیکسن پولس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: "جو خوشخبری میں نے سُنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

ہونی چاہئے کہ اُسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دینِ عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے، ــــ جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بناء پر دینِ عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے!

پھر اگر حضرت عیسیٰؑ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "انقلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عید پینٹی کوسٹ کے موقعہ پر نزولِ روح القدس[1] کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پولس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پولس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر پولس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دینِ عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پولس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دینِ عیسوی کے ایک سچے پیروکی شکل میں اُن کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصوّرات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے صرف

---

[1] مقابلہ کیجئے کتاب اعمال، باب ۲، اور اعمال ۱: ۸،

دو ذریعے ہیں، ایک خود پولس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پولسی اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیقِ حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پولس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آسکے،

پولس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہؑ حواریوں میں سے جو صاحب پولس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پولس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہوگا

"اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی" (اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷)

اور یہ برناباس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی، اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ ہمارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں:

"اور سب اس سے (پولس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر اُن سے بیان کیا کہ اِس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے
نام سے منادی کی۔ (اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

"یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح
کے نام پر نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برنباس اور پولس ہر معاملے میں شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، لوقا لکھتے ہیں:

"مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہتیرے اور لوگوں کے
ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد
پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا
آؤ پھر اُن میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح
تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ
مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے اُن کے
ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی
کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر
کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہوکر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گذرا"۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بناء پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجۂ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای۔ ایم۔ بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

> "اب، لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کنگ جیمس ورژن) نے اس لفظ کے ترجمے میں لفظ (تیز، سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے، ـــــ "پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں" ـــــ یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہوکر جدا ہونے کا ذکر ہے[۵۱]۔"

---

[۵۱] Blaiklock, *Commentary on Acts*, edited by R. V. C. Tasker PP. 115, 119

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ — اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیرباد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقعہ پر پولس کے بعض معتقدین کنایۃً برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پولس کی رفاقت کو قربان کر دیا[1]، لیکن وہ پولس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پولس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا اور جس نے تبلیغ دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا دی تھی (اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷) کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو قربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پولس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پولس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے، اور پولس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رُو سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پولس اس الزام سے بچ جائے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے چنانچہ تمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

---

[1] Loewerich, *Paul, His Life And Work*, trans. by G. E. Harris, Lima 1960 P. 74

Ibid P. 50

مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے "
(۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا" (افسیون ۴: ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورے عہد نامۂ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے[1] سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی!

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا یعنی پطرس، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔" (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

---

[1] اس کے بعد صرف ایک جگہ (۱کرنتھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی بُرائی کے کرتا ہے، اور لیکن مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پولس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلیم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلیم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو "غیر قوم کے لوگ" (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ اُن کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

> "پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہو جو یروشلیم سے آئے تھے، اور جو اس کے پُرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہو جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے[1]"

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں،

لہٰذا یہ بات انتہائی طور پر قرین قیاس ہو کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا۔

چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ وقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے" (حیات و خطوط پولس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پولس اور برنباس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

---

[1] حیات و خطوط پولس ص ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور،

پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے، اس فیصلے میں پولس کے علاوہ پطرس، برنباس اور یعقوب بھی شریک تھے،

پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ پطرس اور برنباس اس بنا پر پولس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختنہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلیم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر وزنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہو کہ یروشلم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام اُن پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے توریت کے بعض جزوی اور فروعی احکام مثلاً ختنہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پر ایمان نہیں لا رہے تھے کہ ہمیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختنہ کرانا اور توریت کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ لوقا لکھتے ہیں:

> "پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمھارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے" (اعمال ۱۵: ۱)

ظاہر ہو کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختنہ وغیرہ کے جزوی احکام اگرچہ دینِ موسوی اور دینِ عیسوی

میں واجب تھے لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جا سکتا تھا آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرانی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کرلیں گے کہ وہ شخص دینِ اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضرور ہی سہی، مگر مدارِ نجات نہیں ہے اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کرلو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرانے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کردیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "اَہْوَنُ الْبَلِیَّتَیْن minor evil" کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچا لیا جائے،

بس یہی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یروشلم کی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی تو باتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لاکر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جناب پطرس کی اس تقریر سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے جو انھوں نے یروشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا،

> "پس اب تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جُوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی پائیں گے" (اعمال ۱۵: ۱۰ و ۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ توراۃ کے بعض فروعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کرسکے، لہٰذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں، تو غیر قومیں بعض فروعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار........

کیوں نہ بن سکیں گی؟[1]

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یروشلیم کونسل کا موضوعِ بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟ ـــــ بلکہ موضوعِ بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟ ـــــ ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکامِ تورات کے فی نفسہٖ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہٖ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انھیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، اُن کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

> "مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے اٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب ..... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انھوں نے کہا کہ:

> "پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں" (اعمال ۱۵، ۱۹ تا ۲۱)

اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ،

---

[1] ورنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جائیں، کیونکہ پطرس نے جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی ناقابلِ برداشت کہا ہے، تقی

"ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہوگے، والسلام" (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حواریوں نے تورآت کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی مینلی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"واپسی پر انھیں (برنباس اور پولس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال پر خوب مباحثہ ہورہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسا میں پورے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے، (۱:۱۵)

انطاکیہ میں یہ رواج تھا، اور پولس اور برنباس نے اپنے بشارتی سفروں میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کی شراکت اور رفاقت میں شریک کرلیا جاتا تھا، اور اُن کے لئے ختنہ کی کوئی قید نہ تھی، (جیساکہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انہیں موسوی شریعت کی رسم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یروشلیم کی کلیسا کے زیادہ کٹر یہودی مسیحی اس بات پر مصر تھے کہ یہ شرائط اُن پر ضرور عائد کی جائیں، پس یروشلیم کی کونسل میں انطاکیہ کے مندوبین بھیجے گئے، پولس اور برنباس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں میں راہ و ربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات ضروری قرار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کریں"

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں[۱]۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کردیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دینِ عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یروشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباس اور پولس انطاکیہ پہنچے، تو پولس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کردی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہوچکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے، جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں[۲]، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پولس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دینِ عیسوی کو بالکل ملیٹ کرڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباس نے پولس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پولس نے اس طرح کیا ہے کہ:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہوکر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہوکر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

---

[۱] جی، ٹی مینلی: ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ ایس، امام الدین دمسز کے، این ناصر ص ۳۵۳ مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، لاہور،

[۲] گلتیوں ۳: ۱۳،

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پولس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۰[1])

گلتیوں کے نام خط

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پولس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ پولس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تمام تر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پولس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد وجوہ سے پولس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پولس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حواری کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہِ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پولس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،

اس خط کا پس منظر جی ٹی میننگ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> اس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے اس انجیل[2] پر حملہ کیا تھا جو پولس نے گلتیہ کی کلیساؤں کو پہنچائی تھی،

---

[1] عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ ہٰذا ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

[2] واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین یا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پولس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نومرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳:۳) ..... وہ پولس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بینگن ہے، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نومریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پولس کے اختیار کو یہ کہکر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اوّل الذکر ہر صورت میں پولس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل کی نومریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پالیا۔"[1]

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"یہ تو پولس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پولس کی انجیل کو یہودی قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے تنہا جائز راستہ تورات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نومریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بُت پرستی سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں،

یہ دخل اندازی کرنیوالے قدیم کلیسا کی "یہودی مسیحی جماعت" سے تعلق رکھتے

---

[1] ہماری کتب مقدسہ، ص ۳۷۳۔

تھے، انھیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تورات کو خارج کیا گیا تو کلیسا کے
اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، اُن لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی
پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۱۵ میں نظر آتا ہے:
بظاہر اُن لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے[۱]

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،

۱۔ گلتیہ میں پولس کے مخالفین کلیسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،

۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسوی میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل مسیحی زندگی کے لیے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی تشریح و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے پولس کو نہیں،

۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق "قدیم اور اصلی حواریوں" کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پولس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہٰذا اگر حواری اس معاملے میں پولس کے ہمخیال ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے بجائے حواریوں سے لکھوا تا، جس میں وہ پولس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھنا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہمخیال ہیں، اور وہ یروشلم کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ گلتیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہمخیال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسوی کی

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹۷۰ ج ۹ مقالہ "Galatians, Epistle to the."

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہِ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

> اے بھائیو، میں تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

پھر آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو "ملامت کے لائق" اور برنباس کو "ریاکار" قرار دیتا ہے (۲: ۱۱ تا ۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہِ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پولس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہے تھے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے نام پولس کا خط یروشلیم کونسل سے پہلے لکھا گیا ہے[۱]، اور چونکہ اس کونسل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطۂ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پولس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خط یروشلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پولس لکھتا ہو،

> "لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو برو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (۲: ۱۱)

اس میں پولس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم کونسل کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا۔ برٹانیکا میں ہے:

---

[۱] ہماری کتب مقدسہ، ص ۳، ۴،

"گلتیوں ۲: ۱۱ میں پولس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا۔[۱]"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پولس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلیم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لوئی وینک اور جے پیٹرسن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں[۲]، اور اس جملے کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پولس پطرس کو قابلِ ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرزِ عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہوتا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے، تو پولس اسے آسانی سے قابلِ ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یروشلیم کونسل میں پولس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پولس نے اسے قابلِ ملامت قرار دیا، لہٰذا لازماً یروشلیم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلتیوں کے نام خط میں پولس پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہٰذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماءِ متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی، ٹی میتلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

۱؎ برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۷، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلتیوں کے نام خط یروشلیم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالۂ بالا)

۲؎ حیات و خطوط پولس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور *Paul, His Life and Work* by Walter Von Loewenich, trans. by Gordan E. Harris, London 1960 P. 72

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں قریباً اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب رومہ کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہوگا"[1]

نتائج

مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دینِ عیسوی پر ایمان لا چکا ہے،

۲۔ اسی بناء پر عرصۂ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،

۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،

۴۔ یروشلیم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہوگا

۵۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۱) تو پطرس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گلتیوں ۲: ۱۱)

۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،

۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دینِ عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہِ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱، ۱۱ و ۱۲)

---

[1] ہماری کتب مقدسہ: ص ۲۷۳ ،

۸۔ یہ خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یروشلم کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا۔

۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، (کیونکہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق گلتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے) اس لئے تثلیث، حلول، تجسم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

جُدائی کے بعد

آیئے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتابِ اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال اُن کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"برنباس مرقس کو لے کر بذریعۂ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جاری رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُھند چھا جاتی ہے"[1]

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟

اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا، اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دینِ عیسوی میں جو تحریفات کی ہیں اُن سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

---

[1] برٹانیکا، ص ۸۱۱ ج ۳، مقالہ: برناباس۔

انجیلِ برناباس

یہ عقلی نتیجہ تقریباً واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

"اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنھیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے، . . . . . اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمھیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ" (برنباس ۱: ۲ تا ۹)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصۂ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشئیس اول نے یہ حکم جاری کردیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا[1]، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے[2]

---

[1] دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲، ج ۳ مقالہ برنباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۹۷، ج ۶ مقالہ جیلاشئیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مصری مسیحی،

[2] اظہار الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص   کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

پاس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سراسر پولس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فبأی حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون؟

پولس اور پطرس

برنباس کے ساتھ پولس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پولس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پولس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے،

(۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پولس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے۔ اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیمس میک کنن لکھتے ہیں

"یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے[۱]"

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل سے متعلق ہے جس میں اس نے غیر قوموں سے متعلق نہایت وسیع المشربی کی پالیسی اختیار کی تھی[۲]"

---

[۱] From christ to constantine P. 116

[۲] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۷۴۲ ج ۱۷ مقالہ: پطرس،

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا!

اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پولس کے خط کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پولس کہتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یہ پطرس کا دوسرا نام ہے) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، (دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۶) لہٰذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یروشلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پولس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پولس کا شاگرد لوقا اپنی کتاب اعمال میں ان کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پولس کے خود ساختہ نظریات کے سبب ان کا پولس سے اختلاف ہوگیا تو لوقا نے ان کے حالات لکھنے بند کردیئے۔

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمانِ غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آجانے کے بعد پطرس نے بھی، برنباس کی طرح پولس سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور انہوں نے بھی پولس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دینِ عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پولس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، کرنتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مجھے خلوے کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں، میرا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولس کا کہتا ہے، کوئی اپلوس کا، کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا" (۱۔ کرنتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی، جو پولس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے ہو رہے تھے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"۱۔ کرنتھیوں ۱: ۱۲ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنتھس میں کیفا (پطرس) کی ایک جماعت بن گئی تھی"[1]

یروشلم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین عیسوی کو پولس کی تحریفات سے بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس دور کی تاریخ کا جتنا مواد ہے وہ سارا پولس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بابلیون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آئرینیوس، کلیمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آریجن، یوسی بیس اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے، ـــــ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انھیں شاہ نیرو نے شہید کر دیا تھا، آریجن کہتا ہے کہ انھیں اُلٹا لٹکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۴۲ و ۶۴۳ ج ۱۷ مقالہ پطرس)

پطرس کے خطوط

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامۂ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً انہی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پولس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

"ہمارے پیارے بھائی پولس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت ہوئی تمھیں یہی لکھا ہے" (۲۔ پطرس ۳: ۱۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

---

[1] برٹانیکا، ص ۶۴۲، ج ۱۷ مقالہ: پطرس)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جس کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہے، جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱: ۶، ۲: ۱۲، ۳: ۱۴ تا ۱۷، ۴: ۱۲ تا ۱۹ اور ۵: ۹ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گذر رہے تھے، انھیں ملامتیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں . . . . یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہٰذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے"

آگے انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے[1]۔

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ نازک ہے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کیتھولک خطوط میں سب سے پہلے بائبل کی فہرست میں جگہ دی گئی تھی، اس طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسکندریہ میں اسے تیسری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،

---

[1] برٹانیکا، ص ۶۴۶ ج ۱۷، مقالہ: "First Epistle of" :

وہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرستِ مسلّمہ میں شامل ہوا، لیکن روم میں اُسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہوسکی اور سوریا کے کلیسا نے تو اُسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا مصنف پطرس ہے:

۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازع فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ "بداخلاقی" اور "جھوٹی تعلیم" کے جو حوالے اس میں دیئے گئے ہیں وہ کسی ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنا دیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۳: ۱۶ میں پولس کے خطوط کو جو الہامی طور پر قابلِ تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ...... ہوسکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظرِ عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہوسکتا ہو کہ ایشیائے کوچک میں لکھا گیا ہو۔[1][2]

۱؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۷، مقالہ "Peter, Second Epistle of."

۲؎ میک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے؛ rem Christ to Constantine P.116;

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود محقق عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پولس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پولس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا:

۱۔ یعقوب بن حلفئ، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۴) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامۂ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدی، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہٰذا اُن کو اپنی زندگی میں پولس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، (دیکھئے مرقس ۳: ۲۱ و یوحنا ۷: ۵) یا تو آخر وقت میں ایمان لائے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پولس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کو دینِ عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہے

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے، مسٹر جیمس میک کنن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربی کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوبؑ ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا ..... اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی ...
"غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے" باز رہے[1]"

نیز ایک اور موقعہ پر یعقوبؑ کے بارے میں لکھتے ہیں،

"یوسیفس کے مختصر نوٹ اور ہیجے سپّس کے نسبۃً طویل تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوبؑ کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے[2]"

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتابِ اعمال میں یعقوبؑ کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوبؑ نے پولسؔ کو توراتؔ کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور توراتؔ پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۲۱: ۱۷ تا ۲۶)

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوبؑ ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پولسؔ نے بعد میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوبؑ کی طرف منسوب ہے سو اس کے بارے میں جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے[3]"

---

[1] From Christ to Constantine P. 95

[2] Ibid P. 119

[3] Ibid P. 120

یُوحنّا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنّا بن زبدی کا ہے، اور بقول میک گنن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یک بیک غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیمس میک گنن لکھتے ہیں:

> "پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، . . . . . یروشلم کو خیرباد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں"[1]

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباس پولس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اسی وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، بظاہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پولس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد اُن کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامۂ جدید میں موجود ہیں، سو اُن کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء متأخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا نامی کوئی اور بزرگ ہے[2]

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۱۸،

[2] دیکھئے مقدمہ، صفحہ ۱۱۶

دُوسرے حواری

یہ تو وہ حوارین تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامۂ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ جو دوسرے حوارین ہیں اُن کے حالات اُن سے زیادہ پردۂ راز میں ہیں، اُن کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پولس سے اُن کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی۔ ...... روایات اُن میں سے مختلف حضرات کی طرف گال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں...... یوسی بیس (۳ ؍ ۱) کہتا ہے کہ توما پرشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمالِ توما کی روایت یہ ہے کہ وہ مصر اور بحرِ ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف) ، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندراوس اسکائتھیا چلے گئے تھے جو بحراسود کے شمال میں واقع ہے، تدآوس (یعنی یہوداہ تدآوس) اڈلیسہ میں مقیم ہوگئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط وکتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دینِ عیسوی کا پیرو بنایا۔"

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ توما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو، لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔"[1]

---

[1] From Christ to Constantine P 121

نتائج اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یروشلم کونسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوبؑ بن زبدی (اعمال ۱۲: ۲) اور یہوداہ اسکریوتی (اعمال ۱: ۱۸)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوبؑ بن حلفئی، توماؑ، برتلمائی، یہوداہ تداوس، اندراوس، فلپسؑ اور متیؑ،

۳۔ باقی تین حواریین میں سے برنباس اور پطرسؑ کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کونسل کے بعد پولس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبدی رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباس کی طرح یروشلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گمنام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ حواریوں نے پولس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دینِ عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلتیوں کے نام خط میں (جو پولس کا پہلا خط ہے) اُن نظریات پر جمے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جُدا ہو گئے،

اس لئے کتابِ اعمال میں یروشلم کونسل کے حالات تک پولس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حواری حضرات، پولس کے نظریات تثلیث، تجسّم اور کفّارہ وغیرہ میں انکے ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پولس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعۃً پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کر کے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر رہ گیا؟

جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزور کچل ڈالا، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصلِ دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مِٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہوگئی تھی، جب اُس نے یروشلم کی کونسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکلیہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، انہی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام اپنا معرکۃ الآراء خط لکھا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے[۱] تھے،

۲۔ یہ مخالفت پولس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جمیس میک کنن لکھتے ہیں:۔

"یہ سمجھنا غلط ہے کہ پولس یا انجیلِ یوحنا کے مصنف[۲] کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور بااثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پولس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کرلیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پولسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیلِ یوحنا کے عقائد کو ماننے والے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پولس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے زمانے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا[۳]۔"

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرینوس، ہپولیٹس، ایپی فانیس اور آریجن ایک فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarene) اور ..... ابیونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے[۴]۔"

---

[۱] دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۳ و ۱۵۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۱۹۷۱، ج ۹،

[۲] پیچھے گذر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پولس کا بالکل ہم خیال تھا،

[۳] From Christ to Constantine ch. VII

[۴] J. M. Robertson, *History of Christianity*, London 1913 P. 5

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آرینوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

آن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے[۱]

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سموسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریک[۲] رہا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں لوسین اور آریوس مستقل مکاتب فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے تو تثلیث کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

"ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے، جو تمام تر مذہبی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانۂ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نیزوں سے نہیں، بلکہ زبانوں سے[۳]"

---

[۱] برٹانیکا، ص ۸۰۱ ج ۷، مقالہ: Ebionites

[۲] تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ہذا ص ۹۲ اور اس کے حواشی،

[۳] Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. IV

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب On the Trinity میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اوّل تو جیمس میک کنن لکھتے ہیں:-

"یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالمِ عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کُل تین سو بشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی"[۱]

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

جونہی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیدیا گیا"[۲]

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیمس میک کنن کے الفاظ میں سنئے:

"اتھانیشس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذا رسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہارِ رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی"

جیمس میک کنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

---

[۱] From Christ to Constantine P. 51

[۲] ایضاً

بزور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزور ختم نہیں کر دیا،

آخری زمانے میں

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنھوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"مصنفین کا ایک مکتبِ فکر جس میں سے ڈبلو، ریڈ (W Wrede) کو بطور مثال ذکر کیا جا سکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں ہے، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس "کلیسائی عیسائیت" کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پولس کی" ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جا سکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولسی مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ، کفارہ اور منجی کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو شامل ہے، بلکہ..... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمامتر متصوفانہ روش جو اسے ذریعۂ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انھوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں[1]"

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۲۹۵ ج ۱۷، مقالہ "پولس"۔

۲۔ اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لوئی وینک (Walter Von Loewenich) لکھتا ہے:

"پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی اسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی "فریسیوں کا فریسی" تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابل اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہٰذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیمیافتہ ہیں انھیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے،

آج بھی کلیسا اپنے "پولسی ورثے" کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پولس نے کلیسا میں عہد نامۂ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، .... یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے، مگر اوّل تو یہودی انداز میں پولس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک "ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب" کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے"

۳۔ لی گارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینک لکھتے ہیں:

"عصرِ حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لیگارڈے نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، ..... اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصل تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا"[۵۱]

---

۵۱ Loewenich, *Paul, His Life and Work* trans. by G. E. Harris, *London P. 5*

۴۔ اگرچہ خود لوئی ڈینک پولس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چیمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

"اس نے (یعنی پولس نے) عیسائیت کو ٹکڑے کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو لیسوع کے نام پر بنے"[۵۱]

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوئی ڈینک کہتے ہیں:

"اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا"[۵۲]

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لوئی ڈینگ کے نزدیک یہ پولس کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تحریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمس میک کنن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انھیں کسی طرح بھی پولس کا مخالف نہیں کہا جا سکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

"پولس کا اندازِ فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ اندازِ فکر لیسوع کے اندازِ فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، ...... یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پولس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے .... اس لحاظ سے پولس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم لیسوع سے براہِ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے"[۵۳]

---

۵۱ Ibid P. 6 ۵۲ Ibid P. 71

۵۳ Mackinon, James, *From Christ to Constantine* PP. 91,92.

۶۔ پولس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پولس کے حامی ہیں، پولس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

"اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی"[۱]

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Restored) کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوس (Robert Graves) اور جوشوا پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اِس کتاب کے مقدمے میں پولس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مذہب کو پولس نے بُری طرح بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے[۲]

ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت "مشتے نمونہ از خروارے" کی ہے، ورنہ اگر پولس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے،

امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمامتر پولس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام "عیسائیت" کے بجائے "پولسیت" ہے، ——— وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؏

---

[۱] Foakes Jackson, *The Life of St. Paul*, London 1933 P. 18

[۲] The Nazarene Gospel Restored, *Cassell 1953 PP. 19, 21*

تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

مُصنّف "اظہارُالحق"

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اُن خدامست مجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انھوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آوازہ بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنھوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی مؤثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنھوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ انہی معدودِ ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، انھوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کردیں، تو دوسری طرف وہ ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے، اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبالؔ نے انہی جیسے سرفروشوں کے لئے کہا تھا کہ ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بہ جلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بہ خلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند

مولاناؒ کے آباء واجداد

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں[1]، آپ کے جدِّ امجد شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنویؒ کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضیِ عسکر" کے نام سے سلطنتِ ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاں مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء مقرر کئے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضیِ عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطانؒ نے سومنات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے،

شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبد الکریمؒ کے نام سے گذرے ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے آٹھویں جدِّ امجد ہیں، یہ دربارِ اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور "حکیم بینا" کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینگ مار کر اُسے زخمی کر دیا، علاج کیا گیا، مگر افاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بینا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ سات روز کے بعد صحت ہو گئی، اس پر شہنشاہِ اکبر نے حکیم بینا صاحبؒ کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم بینا

---

[1] مفصل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب، [illegible] مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ۔

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۹۱۵؁ھ میں قصبۂ کیرانہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا، شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کا لقب دیا، بعد میں جہانگیر نے انھیں صوبۂ دکن اور گجرات کا اور شاہجہاں نے صوبۂ بہار کا گورنر معین کیا تھا،

حکیم محمد احسنؒ کے دوسرے بھائی حکیم عبدالرحیم صاحبؒ (جن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ آتے ہیں) بھی اپنے بھائی کی طرح صاحبِ منصب و جاہ تھے اور جہانگیر کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحبؒ کو کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے منتقل ہوکر کیرانہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد احسنؒ اور حکیم عبدالرحیمؒ دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچہریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرانہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزک جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے[1]، کہتے ہیں کہ اس میں نولاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نولکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

ابتدائی حالات

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے انہی مکانات میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳؁ھ کو پیدا ہوئے، مولاناؒ نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کرلیا، اور اس کے

---

[1] شہنشاہ جہانگیر لکھتا ہے: "جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خاں کی جاگیر پرگنہ کیرانہ میں نزولِ اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہلِ محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محظوظ ہوا، اور بہت تعریف کی،" (تزکِ جہانگیری مترجمہ مولوی احمد علی رامپوری، ص ۲۹۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰؁ء)

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، ~~~~ ۱۲۵۰ھ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحبؒ دہلی میں مہاراجہ ہندو راؤ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے، اور وعیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولاناؒ مدرسے سے اپنے والدؒ کے پاس آگئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میر منشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولاناؒ نے علیحدگی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علمی شہرت سن کر وہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلم الثبوت اور میر زاہد کا درس لیا،

اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیاتؒ صاحبؒ اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے:

(۱) مولانا احمد علی صاحبؒ بڈولی ضلع مظفر نگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہو گئے تھے

(۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب چشتیؒ، یہ استاد شاہِ وقت تھے، تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اُن کا مزار ہے،

(۳) مولانا امام بخش صاحبؒ صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،

(۴) حکیم فیض محمد صاحبؒ، ان سے علمِ طب کی تکمیل کی،

(۵) مصنف لوکارثم سے ریاضی پڑھی،

تدریس

ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانویؒ کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولاناؒ کو اتنی مہلت نہ دی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علمی

---

[1] سر سید احمد خاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائق رشک تھا۔" (آثار الصنادید ص ۱۲۱ تا ۱۲۴ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور ۱۲۷۰ھ سے قبل مولاناؒ نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا[1] اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد تسلیم صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری، (مصنف حمد باری)

۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری

۴۔ مولانا شاہ ابو الخیر صاحب

۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی (مشہور مناظر عیسائیت و مصنف دافع البہتان و استیصال دین عیسوی)

۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دجانوی

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی

۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولاناؒ ہجرت کرکے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقۂ درس سینکڑوں طلباء اور علماءِ وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ،

۲۔ شیخ احمد النجارؒ سابق قاضی طائف

۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی

۴۔ شیخ محمد حسین الخیاطؒ بانی مدرسہ خیریہ مکہ مکرمہ

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۱۸ و ۱۹ مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ،

۵۔ شیخ احمد ابوالخیرؒ مفتی الاحناف مکہ مکرمہ
۶۔ شیخ اسعد الدہانؒ، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
۷۔ شیخ عبدالرحمٰن سراجؒ شیخ الائمہ و مفتی الاحناف بمکۃ المکرمۃ
۸۔ شیخ محمد حامد الجدادیؒ، قاضی جدہ
۹۔ شیخ محمد عابد المالکیؒ مفتی المالکیۃ بمکۃ المکرمۃ والمدرس بالحرم الشریف
۱۰۔ شیخ عبداللہ دحلانؒ، من مشاہیر علماء الحرم[۱]

گھریلو حالات ۱۳۵۶ھ میں مولاناؒ کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اگلے سال پھر مہاراجہ ہندورراؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بارہ ہندورراؤ میں بلالیا، اور حضرت مولاناؒ کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا۔ اسی دوران ۱۲۷۰ھ میں مولاناؒ کا ایک سالہ لڑکا فوت ہوگیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہوکر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ نے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ تردید عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

ردّ عیسائیت کی خدمات شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولاناؒ نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف "ازالۃ الاوہام" فارسی زبان میں لکھنی شروع کی، حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ازالۃ الاوہام زیر ترتیب تھی، کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی،

---

[۱] "فرنگیوں کا جال" مصنفہ جناب امداد صابری، ص ۲۲۰ و ۲۲۱، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۹ء۔

استرہا، و اعزا، تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدتِ مرض سے پریشان تھے، ایک روز نمازِ فجر کے بعد آپ رونے لگے، تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزا، نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا" بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں " اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیفِ ازالۃ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعثِ شفاء ہوگی" حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے[1]"

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فانڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگروہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے "میزان الحق" نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا مؤثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فانڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۱۹ و ۲۰،

فانڈر سے مناظرہ

چنانچہ مولاناؒ اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف لے گئے، تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولاناؒ نے پادری فانڈر سے خط و کتابت شروع کی، فانڈر شروع میں پہلوتہی کرتا رہا، بالآخر، ۱ اپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پاگیا[1]، طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد رجب کے دن ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولاناؒ کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے، اور فانڈر کے ساتھ پادری فرنچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ، صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرسچن سیکنڈ، مجسٹریٹ علاقہ، فوج مسٹر ولیم، ترجمانِ حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلین، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تقریباً چھ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریفِ بائبل، وقوعِ نسخ، تثلیث، رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیتِ قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہوجائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولاناؒ عیسائی ہوجائیں گے،

مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولاناؒ اعتراضات کریں گے اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہوگی[2]، سب سے پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولاناؒ نے پہلے "نسخ" کی حقیقت واضح

---

[1] یہ پوری خط و کتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الشریف" کے نام سے شیخ رفاعی خولیؒ نے کیا ہے، جو اظہار الحق مطبوعہ مطبع علیہ استنبول ۱۳۱۵ھ کے حاشیہ پر چھپا ہے،

[2] البحث الشریف فی مسئلتی النسخ والتحریف علی ہامش اظہار الحق ص ۹ ج ۱)

فرمائی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فانڈر نے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فانڈر نے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ :-

"زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں،

فانڈر نے کہا: "لیکن الفاظ تو عام ہیں"

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسائی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں "میری باتیں" سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فانڈر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی :

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے"

فانڈر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ توراۃ کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ :

"گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے[1]"

---

[1] یہ یسعیاہ ۴۰ : ۸ کی عبارت ہے،

لہٰذا اگر "کلام کے زندہ اور قائم" ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو تورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ منسوخ نہیں ہوسکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فانڈر نے لاجواب ہوکر کہا کہ: میں اس وقت صرف انجیل کے نسخ سے بحث کررہا ہوں"۔۔۔۔۔۔ اس پر ڈاکٹر وزیرخاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی قربانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کردیا تھا[1]، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فانڈر نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے، اور ہم بتوں کی قربانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں،

اس پر مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پولس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں لکھا ہے کہ:

"مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے"

اور طِطُس کے نام خط کے باب اوّل آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں!

فانڈر نے زِچ ہوکر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیرخاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فانڈر نے یہ تسلیم کرلیا کہ انجیل کے احکام

---

[1] حواریوں کا یہ فتویٰ اعمال ۱۵: ۲۹ میں مذکور ہے، ت

کا منسوخ ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کرلیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فانڈر نے کہا: ٹھیک ہے! اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجیے،

تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فانڈر سے پوچھا کہ: آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کرسکیں؟

فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا:

"یہ بتلائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے"؟

فانڈر نے کہا: نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے"

مولاناؒ نے فرمایا، "میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرفِ نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں"؟

فانڈر نے کہا: "میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا"

اس پر مولاناؒ نے کہا کہ: "مورخ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹن شہید نے طریفون یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کردی تھیں"

یہ کہہ کر مولاناؒ نے واٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۴ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آتر ینوس، کریب، سلبر جیس، وائی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے،

اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلامِ الٰہی ہونے کا دعوےٰ کرکے یہودیوں پر انھیں مٹانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔"

اس پر فانڈر نے کہا کہ: "جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہوگئی"۔

مولاناؒ نے فرمایا: "ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کی جلد اوّل میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا۔ اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف ۱۳۰ھ میں واقع ہوئی تھی"۔

فانڈر نے جواب دیا: "ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے! یہ دونوں مفسّر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں"۔

مولاناؒ نے فرمایا: "مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں"۔

فانڈر نے کہا: "یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵، ۴۶ و لوقا ۲۴، ۲۷ و ۱۶: ۳۱ میں عہد نامۂ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی"۔

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: "تعجب ہے کہ آپ اُسی کتاب سے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہو جائے آپ اُس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کرسکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجیے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کرلیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اُن کے بارے میں محقق پیلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵۰ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں، لہٰذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بحرف اصلیت ثابت نہیں ہوتی"۔

فانڈر نے کہا: "اس معاملے میں ہم پیلی کی بات نہیں مانتے۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "اگر آپ پیلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے، ہمارے نزدیک پیلی کا کہنا درست ہے۔"

تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فانڈر نے کہا:

"میں نے توراۃ کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے۔"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

"اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سننا چاہتے ہیں تو سنئے"،

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱: ۱۷ پڑھنی شروع کی، جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،

فانڈر نے یہ سنکر کہا: "غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہئے، لہٰذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی"

فانڈر نے کہا: "تحریف صرف اس وقت ثابت ہوسکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت دکھلائیں کہ جو پرانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو۔"

اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷، ۸ کا حوالہ دیا[1]،

---

[1] ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۶ء، کیتھولک بائبل ناکس ورژن انگریزی، مطبوعہ میکملن لندن ۱۹۶۳ء و کنگس جیمس ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۸ء میں اس طرح ہے:

"آسمان میں گواہی دینے والے تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور زمین کے گواہ تین ہیں، روح، پانی اور خون، اور تینوں متفق ہیں۔"

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہے، کریسباخ اور شولز اس کے محرّف ہونے پر متفق ہیں، اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۸ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا ہے، تقی

فانڈر نے کہا: "ہاں! **اِس جگہ تحریف ہوئی ہے**، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی"

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فرنچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فرنچ سے انگریزی میں پوچھا:

"یہ کیا بات ہے؟"

فرنچ نے جواب دیا:

"ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے"

اس کے بعد فرنچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

"پادری فانڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ **سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے**"

اس پر بعض مسلمانوں نے "مطلع الاخبار" کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فانڈر بولا:

"ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں"

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے"

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"دیکھئے: مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا، اور آپ کے اعتراف سے یہی بات ثابت ہوتی ہے"

اس پر فانڈر نے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہوگی"
مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے فرمایا:
"آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سندِ متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا اُن کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے"
فانڈر نے کہا: "ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپؒ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبیؐ کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"
مولاناؒ نے فرمایا: "یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے"
ڈاکٹر وزیر خان بولے، "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتادیں؟"
فنڈر نے کہا: "نہیں: اب دیر ہوگئی ہے کل ہی سنیں گے"
اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہوگئی،

مناظرے کا دُوسرا دن

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے،
اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فانڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھی، اور قرآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلّل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فانڈر اور فرنچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کا سہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے "متن" کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

حاضرین نے پوچھا: "متن" سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

فانڈر نے کہا: "وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیتِ مسیحؑ، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے۔"

مولاناؒ نے فرمایا، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ (بقول آپ کے) "متن" ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے۔"

فانڈر نے کہا؛ اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محرّف ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں، جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتاب مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے،

فرنچ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسّرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسّرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولاناؒ نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ نے ابھی تفسیرِ کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟"

فانڈر نے کہا: "جی ہاں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "اُنہی مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟"

فانڈر نے کہا: "نہیں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدۂ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامیؒ طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اُن کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں"

فانڈر نے کہا: "بہرحال: عقیدۂ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں"

حاضرین میں سے مولانا فیض احمدؒ نے کہا: "یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے اتنے بڑے حصے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اُسے بے نقص مانا جائے"

اس پر بحث ختم ہوگئی، اور فانڈر تیسرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپریل ۱۸۵۴ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو "مباحثۂ مذہبی" اور "مراسلاتِ مذہبی" کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبعہ منعمیہ اکبر آباد ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

پادری فانڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے بہت سے نسخوں میں حاشیے پر چھپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سُنا، جو اُس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فانڈر اس میں مغلوب ہوا تھا"[۱]

جہاد ۱۸۵۷ء

مناظرے کے بعد تین سال تک مولاناؒ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جمالئے، اُس زمانے کے علماء کی ایک خدامست جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط وہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا

۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی درحقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش نہیں آیا تھا[۲] بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کرلیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیرمعمولی جذبات پروان چڑھتے رہے، ادھر انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیشِ نظر انھیں اپنی فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہا ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

---

[۱] البحث الشریف علی ہامش اظہار الحق، ص ۵ ج اول، مطبوعہ استنبول،

[۲] ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے اس پہلو پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلانہ تصنیف "سوانح قاسمی" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، کا بر دیوبند نے اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوانح قاسمی" ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۲، ت

فوج باغی ہوگئی تو ملک کے عام باشندے جو سَو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصّوں میں مختلف جتھے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تواریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن امراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ امیر، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحبؒ مولانا نانوتویؒ کے یاور جری اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وزیر الامور ہندی قرار پائے[1]، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ امیر، اور چودھری عظیم الدینؒ صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"

اس دَور کی تواریخ دیسیر سے ہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

---

[1] سوانح قاسمی، ص ۱۲۷ ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۷۳ھ،

[2] چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے پاس مکہ معظمہ آگئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد معمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کردیا، مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں، اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کرلیا، اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی لینی شروع کردی، عورتوں اور بچوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولاناؒ بذاتِ خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے روپوش ہوجانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجیٹھ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولاناؒ کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجیٹھ تشریف لے چلیں،

چنانچہ اُن لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی، جب کسی "باغی" کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولاناؒ پنجیٹھ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلّی دینے کے لئے چرواہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت

ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولاناؒ پنجیٹھ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولاناؒ کو گرفتار کرنے کے لئے پنجیٹھ روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کردیا، اور مولاناؒ سے گذارش کی کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولاناؒ تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کردی، انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری، مولاناؒ خود فرماتے تھے،

"میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں اُن کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا"

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کرلیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولاناؒ کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولاناؒ کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو پالیا تھا، مولاناؒ پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو "مفرور باغی" قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا،

ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولاناؒ نے یہ حالات دیکھ کر ہجرتِ حجاز کا عزم فرمالیا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن مولاناؒ کی اولوالعزمی جرأت وحوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سرکرادیئے، مولاناؒ نے اپنا نام بدل کر "مصلح الدین" رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولاناؒ نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کرہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمۃ اللہ جو ہمیشہ ناز ونعم اور عیش وآرام میں پلے تھے، جے پور اور جودھپور کے وحشت خیز ریگستانوں اور مہیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم واستقامت اور صبر واستقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہونچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اُس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کردیتے تھے، غرض چند درچند آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اُس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا" کا شرف عطا ہوا ہے،

جائداد کی ضبطی

اِدھر مولاناؒ حجاز روانہ ہوئے، اور اُدھر آپ پر غائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کرادیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ر جنوری ۱۸۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے :

"انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال آلدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی" [1]

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں :

(۱) سرائے کھجور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑھے، " " " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الٰہی،

(۴) سرائے قصابان،

(۵) سرائے نوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعاتِ زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزروعہ علاقے جو بحقِ سرکار ضبط ہوئے اس کے علاوہ ہیں،

بیت اللہ میں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سے پہلے ہی ہجرت فرماکر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور بابُ العمرہ سے متصل رباطِ داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریفِ مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

---

[1] تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند، ص ۶۷۵،

رحمت اللہ صاحبؒ اکثر شیخ العلماءؒ کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماءؒ شافعی المذہب تھے، اس لئے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہؒ کے دلائل کو کم زور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولاناؒ نے شیخ سید احمد دحلانؒ سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال وجواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولاناؒ سے حقیقتِ حال دریافت کی، مولاناؒ نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخؒ نے مولاناؒ کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ شیخؒ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخؒ نے اس پر بےحد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولاناؒ سے دیر تک بغلگیر ہوئے، اسی مجلس میں انھوں نے آپؒ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجدِ حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرادیا، مولاناؒ شیخ دحلانؒ سے بہت متأثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

قسطنطنیہ کا پہلا سفر

۱۸۵۷ء کے بعد پادری فانڈر جرمنی، سوئیزرلینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیان کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیقِ حال کے لئے شریفِ مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: "حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فانڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کرکے بابِ خلافت کو مطلع کیا جائے"

شریفِ مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ سے معلوم ہوچکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطانؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولاناؒ کو قسطنطنیہ طلب کرلیا، چنانچہ سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق سنہ ۱۸۶۴ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فانڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطانؒ نے مولاناؒ کی تشریف آوری پر ایک مجلسِ علماء منعقد کی، جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہلِ علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولاناؒ سے ہندوستان میں مذہبِ عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سُنے، دولتِ عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نمازِ عشاء کے بعد سلطانؒ پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولاناؒ کو بلاتے خیر الدین پاشا تونسی صدرِ اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریکِ مجلس ہوتے، سلطانؒ نے حضرت مولاناؒ کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجۂ دوم عطا کیا، اور مولاناؒ کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

اظہار الحق کی تصنیف

سلطان عبد العزیز خانؒ اور صدرِ اعظم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولاناؒ عربی زبان میں ایک کتاب تصنیف فرمائیں، جس میں اُن پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبرآباد کے مناظرے میں موضوعِ بحث بنے تھے، چنانچہ ماہِ رجب سنہ ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولاناؒ نے "اظہار الحق" لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کرکے سلطانؒ کی خدمت میں پیش کردیا،

مولاناؒ نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ کے حکم کو قرار دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولاناؒ سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیرالمؤمنینؒ کی خواہش پر لکھی ہے، اس لئے اس میں امیرالمؤمنینؒ کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے، حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا:

"اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا"

مولاناؒ کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا؛

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولاناؒ کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جارہے تھے، اس لئے مولاناؒ نے یہیں رہتے ہوئے "تنبیہات" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہارالحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتیہ کا قیام

قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اس زمانے میں اگرچہ مسجدِ حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافتِ عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اوّل تو درس کے یہ حلقے کسی بجے تُلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصابِ تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرز

تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عرب میں طلباء نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھو اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان سنہ ۱۲۹۰ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتدا کی، پھر سنہ ۱۲۹۰ھ کے موسم حج میں کلکتہ کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریسہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، انہی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام "مدرسۂ صولتیہ" رکھا گیا،

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کرسکے،

یہ مدرسہ آج تک بحمد اللہ مکہ مکرمہ کے "حارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے،
حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعیدؒ صاحبؒ اس کے مہتمم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

لہ مولانا محمد سعید صاحبؒ کے والد محمد صدیق صاحبؒ انبالہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحبؒ کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اُس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرماچکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد رنجیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گذری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ اُن سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپنے اپنے خاندان کے (باقی برصفحۂ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابلِ فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اطال اللہ تعالیٰ بقاءہ

قسطنطنیہ کا دُوسرا سفر

۱۲۹۹ھ میں دولتِ عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو حجاز کا گورنر نامزد کیا، انھوں نے نہ جانے کس غلط فہمی کی بنا پر مدرسۂ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہوگئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انھوں نے مولاناؒ کو طلب فرمایا، چنانچہ مولاناؒ دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا ہزار الاسلام صاحبؒ بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اپنے اس سفر کی رُوداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحبؒ کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انھوں نے اپنے لختِ جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولاناؒ نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپ نے اُن سے فرمایا: "میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سُنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے" حضرت مولانا سعید صاحبؒ نے ۱۳۵۰ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسۂ صولتیہ کے ناظم رہے"
(ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۰ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

لہ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسۂ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۲۶ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۰ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معمار" سے استفادہ کیا ہے۔ تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدّہ کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگبوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر بابور (جہاز) مصری میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ روز بدھ کو سوار ہوئے، اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا، پیر کی رات کو پانچ بجے سوئز پہنچے، اور صبح کو جو پیر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی بابور سے اُترے،... وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر گئے تین بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اُترے..... پھر آٹھویں دن..... بابور مصری پر سوار ہوکے..... جمادی الاولیٰ کی پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، ادھر جہاز نے لنگر ڈالا، اُسی وقت فی الفور مصطفیٰ وہبی بے یاور (اے ڈی سی) اور بین باشی حضرت سلطان کے، جہاز پر چڑھے، اور مل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت سلام فرمایا ہے، اور کشتیِ خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے، وہاں سے چل کر سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبد المجید خاں غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اُتر کر دو گھوڑوں کی بگی میں سوار ہوکے محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اُترے اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرنار (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں، اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے قرنار، درجہ دوم نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کرکے کلمات عواطف شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حقی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لئے آیا، ....

۷ ارتاریخ ہفتہ کے دن وہبی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ "مرضیِ سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلوا لو، موسم ربیع قریب آپہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی" نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، .... منگل کے دن کیسہ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگِ مقصود کی بھجوائی گئی، اور فرمایا کہ: اُس کے شکریہ میں میں نے تم کو رتبہ "پایۂ حرمین شریفین" کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا" اور چھٹی تاریخ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اُٹھ کے ایک دو قدم بڑھا کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ "کثرتِ شغل کے سبب ابتک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں"۔.... میں نے بھی دعا اور کلماتِ شکریہ مناسبہ کہے"۔

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ:

"حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امورِ خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنۂ تکمیل، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے، اُن کو اس کارِ خیر میں شرکت وسرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں۔[1]

اسی دوران سلطان نے حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا بدر الاسلام صاحب کو اپنے شہرۂ آفاق شاہی کتب خانے "حمیدیہ" کا ناظم بنادیا، یہ آخر وقت تک سلطان کے معتمد علیہ رہے، سلطان عبد الحمید کی معزولی کے پُرخطر وقت میں صرف تین اشخاص سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدر الاسلام صاحب بھی تھے، ایک عرصہ نظر بند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے۔[2]

بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بے یاور اور خیر الدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

"ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے"

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولاناؒ سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی معافی چاہی،

تیسرا سفر دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء سے مولاناؒ کی خط وکتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبر سنی اور کثرتِ مشاغل سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہوگئی تھی، اور ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولاناؒ موتیا بند کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۴۸ تا ص ۵۲،

[2] ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں انگریز اُن پر سخت شبہ کرتے تھے، اس لئے یہ لکھنؤ چلے گئے تھے، جہاں مجلس ندوۃ العلماء میں وہ عربی کا استاد مقرر کیا گیا۔ مولانا شبلی مرحوم سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے، (قومی زبان ستمبر ۱۹۶۶ء ص ۵۸)

حضرت مولاناؒ کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲ رمضان ۱۳۰۴ھ کو مولاناؒ پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراویح بھی وہیں پڑھی، اُس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولاناؒ کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک نہایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولاناؒ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں اُن کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولاناؒ نے فرمایا:

"اعزّاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترکِ وطن کرکے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیرالمؤمنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا؟"

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولاناؒ واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

سماجی خدمات

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہرِ زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقۂ جاریہ ہے، لیکن مرورِ ایام کی کی بناء پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہوگئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنانِ حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واقعتاً بیت مکہ مکرمہ آئے اور اس سلسلے میں مدرسہ صولتیہ کے اندر ایک مشاورتی اجتماع منعقد ہوا، حضرت مولاناؒ نے نہر زبیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، حکومت کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں مہاجرین کے مختلف طبقوں سے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے۔ اس مجلس کی صدارت کے لئے مولاناؒ کو منتخب کیا گیا، مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج صاحب مرحوم مفتی الاحناف و شیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب صدر کی حیثیت اختیار کی، سیٹھ عبدالواحد صاحب نہر زبیدہ کے خازن اور متولی مقرر ہوئے، اور اس طرح نہر زبیدہ کا صدقۂ جاریہ ان حضرات کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا۔[1]

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھدی جاتی تھی، جس کا خط ہوتا وہ تلاش کرکے لیجاتا، حضرت مولاناؒ نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحبؒ نے اس جد و جہد کو جاری رکھا۔ اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلاکر باب الوداع پر ڈاکخانہ تعمیر کرایا۔[2]

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص منہاج اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور مقامی باشندوں کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنرمند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،

(۵) جب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے صحن حرم میں بنے ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے منہدم کرایا، تو مولاناؒ نے اس کے پتھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ صولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے

---

[1] کتب مجالس عمارہ ص ۵۳،

[2] ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء "مولانا محمد سعید صاحب" از جناب امداد صابری ص ۶۲،

تینوں گنبد پانی پت ضلع کرنال کے معماروں نے تعمیر کئے، اس مسجد کا تاریخی نام .... "خانۂ رحمت" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے۔

(۶) مدرسہ صولتیہ اور اس کے طرز پر دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> "یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکیؒ کا مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ صاحبؒ کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ کیا گیا، .... ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدۂ عظیم ہوئے ہیں"۔[۱]

وفات اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب آپ کا مزار ہے، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور مولانا عبد الحق صاحب شیخ الدلائل، مصنف "اکلیل شرح مدارک التنزیل" بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ جس زمانے میں مولاناؒ استنبول گئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

---

[۱] مکتوبات امدادیہ مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، ص ۶۰

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں،

"مولوی رحمت اللہ ہنوز تشریف باستنبول میدارند، خدائے تعالےٰ مولوی صاحب را جلد آرد[1]"

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی بیشتر تصانیف ردِّ عیسائیت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :-

۱۔ ازالۃ الاوہام یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۴ صفحات پر ۱۲۶۹ھ میں سید المطابع شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فانڈر نے "میزان الحق" میں جو اعتراضات کئے تھے اُن کے دنداں شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلۂ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، "ازالۃ الاوہام" کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آلِ حسن صاحب کی "استفسار" بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب سے کافی مدد لی ہے،

۲۔ ازالۃ الشکوک یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات ۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تحریف اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ الباقیات الصالحات مدراس کے بانی اور حضرت مولاناؒ کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری نے مدراس میں چھپوائی تھی، پھر دوسری جلد مولاناؒ کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے،

---

[1] امداد المشتاق، ص ۱۴۱، ۱۴۲، اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۹۲۹ء۔

۳۔ اعجاز عیسوی
یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریفِ بائبل" ہے، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، متوسط تقطیع کے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۷۰ھ ہے، "ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ" اس کی تاریخ ہے،

۴۔ اوضح الاحادیث
اس کا پورا نام "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہے، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں عقیدۂ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا (یہ رسالہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا)

۵۔ بروقِ لامعہ
یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدۂ ختمِ نبوت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاجِ المیزان
یہ کتاب فانڈر کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲، شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۴ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ تقلیب المطاعن
یہ کتاب پادری لاسمند کی "تحقیقِ دین حق" کا جواب ہے، جو افسوس ہے کہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

۸۔ معیار التحقیق
یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے[1]،

---

[1] تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امداد صابری ص ۲۳۷ و ۲۳۸، اور "ایک مجاہد معمار" ص ۲۰ و ۲۰ سے ماخوذ ہے، ت

"اظہار الحق"

ردِّ عیسائیت پر مولاناؒ کی آخری اور سب سے زیادہ معرکۃ الآرا کتاب اظہار الحق ہے، چھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی زبان میں ردِّ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد یکجا نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولاناؒ نے قسطنطنیہ میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۰ھ میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے "ابراز الحق" کے نام سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں فرانسیسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید خرید کر جلایا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو "THE TRUTH REVEALED" کے نام سے چھپا، یہ انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور احقر نے اس سے اپنے کام میں کافی استفادہ کیا ہے،

مصر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارتِ مذہبی امور نے ۱۳۸۴ھ میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اوّل ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گذری ہے جلد ثانی کا انتظار ہے، مصر کے ایک عالم استاذ عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظرِ عام پر آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول بنائے، آمین،

تبصرے کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اُسے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۹۱ھ کے بعد جو کتاب بھی ردِّ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماخذ بنی، علماء، محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراج تحسین پیش کیا، ہمارے لئے ممکن نہیں ہو کہ اس سب کو یک جا کرکے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :

لندن ٹائمز "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے پیش نظر ہم سب سے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو "لندن ٹائمز" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی "

نواب حاجی اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم رئیس دتاولی ضلع علیگڈھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو "ٹائمز" کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا۔[1]

شیخ باچہ جی زادہ مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بک باچہ جی زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۲ھ میں "الفارق بین المخلوق والخالق" کے نام سے ردِّ عیسائیت پر ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی جو بلادِ عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماٰخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں :

"ان الاستاذ الفاضل رحمت الله الهندی قدس الله روحه فی کتابه اظهار الحق فضحهم کتبهم وبیّن ما فیها من التحریف والمناقضات والکذب وتجاسرهم علی الله تعالیٰ وانبیائه الطاهرین فان اردت الوقوف علی مساویهم فراجعه فهو یغنیك ویشفیك "[2]

---

[1] ایک مجاہد معمار ص ۲۶ ،

[2] الفارق بین المخلوق والخالق، ص ۳۱۶ مطبعۃ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ ،

"بلا شبہ استاذ فاضل رحمت اللہ ہندی قدس اللہ روحہ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رسوا کر کے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہٰذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کر دے گی اور تشفی بخشے گی"

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں،

"ومن اراد زیادۃ التبیان والاطمئنان فلیراجع ماکتبہ العلامۃ والحبر الفہامۃ الشیخ رحمت اللہ الہندی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجزء الثانی من کتابہ المسمیٰ اظہار الحق ففیہ غنیۃ الحاجۃ اذ قد اشبع القول فی ذکر الدلائل العقلیۃ والبراھین النقلیۃ من کتب علمائھم ورؤساء دینھم[1]"

"جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں حاجتمند کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے، اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خود عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی کتابوں کے نقلی دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے"

شیخ جزیری رح مصر میں سابق ہیئۃ کبار العلماء کی لجنۃ علمیہ کے ایک رکین رکین اور مساجد الاوقاف کے مفتش اوّل شیخ عبد الرحمٰن جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فانڈر کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

---

[1] الفارق، ص ۶ مقدمہ،

"ادلۃ الیقین" کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہاں بلاشبہ استاذ جلیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات وانجیل کی تحریف پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں[1]"

رشید رضا مصری مصر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

"شیخ ہندیؒ نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو کافی وافی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطع دلائل قائم کئے ہیں[2]"

عمر الدسوقی قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے اور مدح وستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح باخبر ہے، اپنے موضوع پر اُسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل قائم کرنے اور فنِ مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے، اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے عہد نامۂ قدیم وجدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

---

[1] ادلۃ الیقین، ص ۹ مطبعۃ الارشاد ۱۳۵۲ھ،

[2] مقدمہ انجیل برنا باس، ترجمۃ الدکتور خلیل سعادت المسیحی،

لکھی ہیں، اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زوردار حصہ وہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استشہاد
پیش کرکے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے[1]۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرما کر اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ہیں،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ

محمد تقی عثمانی
یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

دار العلوم
کراچی نمبر ۱۴

---

[1] مقدمۃ اظہار الحق، ص ک ج اوّل مکتبۃ الوحدۃ العربیۃ الدار البیضاء، المغرب،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھادی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے جھنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کرکے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے حسین مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری توریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بناء پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہؓ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولتِ اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں ؛

پیش لفظ مصنّف

امابعد: اپنے محسن خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر لہٗ عرض پرداز ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہو گیا، اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو اُن کے آغاز حکومت سے ۳۴ برس تک اُن کے علمار کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں اور عام جلسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ کہنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گذرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماءِ اسلام کو ان کی تردید کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اُدھر میرا شمار بھی کوئی بڑے علماء کی جماعت

ہی نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی تفسیریوں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہونچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہٰذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی وعیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "میزان الحق" کے مصنف، میں نے اُن سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علمائے اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر وعاجز ہیں، جیسا کہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے اُن پانچ مسائل میں مناظرہ ہونا طے ہوگیا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیاد ہیں، یعنی تحریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین[1] و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے،

---

[1] یعنی ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائیت کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پُرخلوص تعاون نے مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خاں نے آپ کو اودھ کا گورنر مقرر کر دیا تھا (تقی عثمانی)

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادری فنڈر کے خیال میں سب سے مقدم تھے (چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلالت کرتی ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے) ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی حاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی وسندی ومولائی سید احمد بن زینی دحلان ادام اللہ فیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کردوں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانان ہند کی زبان (اردو) میں، اور دو زبانوں میں میری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور وعظ کہتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے، بالخصوص وہ پادری جنھوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثال حکم کے لئے تیار ہوگیا، مجھ کو ان لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے، پھر ہجرت کر کے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محمد تقی

سے اعراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری ژولیدہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ بصیرت وصلاحیت عطا کرے جو حق وصواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب کو مخلوق میں شرفِ قبول بخشے، خاص وعام سب اس سے مستفید ہوں، اہلِ باطل کے شبہات اور منکرین کے اوہام سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشنے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

مُقَدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

مقدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

(۱)

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، اِلّا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

(۲)

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقۂ پروٹسٹنٹ[1] کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

---

[1] فرقۂ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولھویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل و صورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور بےجا تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سرِ نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک[۵] کی کتابوں سے لی گئی ہیں،

(۴)

تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہٰذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو ان کو یہی غلط فہمی ہو گی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ بیشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چودہ کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادری زبان میں پہونچانے کی تحریک چلائی، اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انھیں منسوخ کر کے صرف بپتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لیڈر ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۴۲، ج ۱۹، مقالہ "ریفارمیشن")۔

[۵] رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیحؑ کے حواری جناب پطرس کو نائب المسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس تھے، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب کئے جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انھیں مذہبی امور میں مکمل اختیارات حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۰۶۴، ج ۲، ۱۲ محمد تقی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دو بار ان کی اس عادت کے جاننے سے قبل اس قسم کے مغالطہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ

اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نقل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم واٹسن نے لندن میں طبع کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ مطبوعہ روما ۱۸۴۴ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،

۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم واٹسن مذکور نے ۱۸۴۴ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و ۱۰ کو یکجا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۴۷ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ و ۱۴۷ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہوگئی،

۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمے سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکیک نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۱۰ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہورن کی تفسیر جو ۱۸۲۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری و اسکاٹ کی تفسیر[1] مطبوعہ لندن،

[1] اصل میں ہنری کی تفسیر الگ تھی، اور اسکاٹ کی الگ، بعد میں بعض عیسائی علماء (باقی برصفحہ آئندہ)

۷ - لارڈنر کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۴۵ء ،

۸ - بارسلے کی تفسیر ،

۹ - واٹسن کی کتاب ،

۱۰ - فرقہ پروٹسٹنٹ کا ترجمہ انگریزی مہرشدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۰ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۶ء ،

۱۱ - عہد عتیق و جدید کا انگریزی ترجمہ جو رومن کیتھولک کا کیا ہوا ہے، مطبوعہ ڈبلن ۱۸۴۰ء ،

اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں اُن ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہو بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے،

(۴)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسلّمہ کتاب کی نسبت یا اُن کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اُس کتاب کی یا نبیؑ کی نسبت میری بداعتقادی پر محمول نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرنا بدترین عیب ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلّم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا الہامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مصنفؒ اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا" ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاف اور تناقض و تحریف یقینی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہوسکتیں، اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں،

مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو حمل رہ گیا،[1] اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا،[2] اور ان سے حاملہ ہوگئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا دیا،[3] اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا بنایا، اور اس کے لئے قربان گاہ تعمیر کی،[4] اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہوگئے تھے،[5] اور بُت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بُت خانے تعمیر کئے، اُن کی مقدس کتابوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ اُن کی وفات مرتد و مشرک ہونے کی حالت میں ہوئی،

ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات کا انکار کرنا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

---

[1] نقلِ کفر کفر نباشد "سو انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے) اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی" (پیدائش ۱۹-۳۳) اور "سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں" (پیدائش ۱۹-۳۶) ۱۲

[2] (سموئیل دوم ۱۱-۲ تا ۵) [3] (سموئیل دوم ۱۱-۱۵) [4] (خروج ۳۲-۲ تا ۶)

[5] (سلاطین اول ۱۱-۲ تا ۱۳) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوّت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں معذور ہیں، اس لئے علماء پروٹسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر دیکھنا چاہیئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلتے ہیں؟ مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

> "تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے؟ اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تُو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا" (متّی ۷ - ۳، ۴، ۵) اور (لوقا ۶ - ۴۱ و ۴۲)

(۵)

عیسائی لٹریچر میں مخالفین کے لئے نازیبا الفاظ	کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، آپ نے دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ[1] اور فریسیوں کے

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، جو غالباً "کاتب" کی جمع ہے، مگر انجیل متّی میں "فریسیوں" کے ساتھ "فقیہوں" کا لفظ ہے (متّی ۲۳ - ۱ تا ۲۹) اور لوقا میں "شرع کے عالموں" کا لفظ ہے (۱۱ - ۴۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے مُنہ پر یہ الفاظ استعمال کئے :-

"اے ریاکار کتبہ اور فریسیو! تم پر افسوس، اور اے اندھے راہ بتانے والو! اور اے احمقو!

اور اندھو! تم پر افسوس! اے اندھے فریسی! اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی

سزا سے کیونکر بچو گے"؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کتوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۱۵ [1] میں موجود ہے، نیز حضرت یحیٰی علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ کس طرح خطاب کیا کہ :-

"اے اژدہوں [2] کی اولاد! کس نے تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے"؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۳ میں موجود ہے،

بالخصوص علماءِ ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تقاضے کے ماتحت نکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدیٰ اور رئیس المصلحین یعنی جناب لوتھر [3] کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدیٰ اور اس کا معاصر یعنی

---

[1] آیت ۲۶ و ۲۷،

[2] اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو، (متی ۳ - ۷)

[3] مارٹن لوتھر Martin Luther، جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب سے پہلا لیڈر ہے، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام وخاص انسان کو براہِ راست کتب مقدسہ سے استفادہ کا حق حاصل ہے، اس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

پاپائے روم تھا کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملکِ معظم[۱۳] ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷۰ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال جناب رئیس المصلحین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲ و ۷ سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے صفحہ ۲۷۴ میں، پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

میں سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرتا ہوں، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ نکل گیا، اے حقیر پولسی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھ! ممکن ہے تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جائے، کیونکہ اس سال ہوا ابھی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں، پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرقہ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی نثر کا ایک شاہکار قرار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۴۸۳ء، وفات ۱۵۴۶ء ۱۲

صفحہ ہٰذا[۱۲] پاپا: یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اُسے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ سمجھتے ہیں پہلے اسی کو پیٹرک کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہے، تاریخ (مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۱۸) لوتھر نے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۲

۱۳ ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۴۹۱ء۔ ۱۵۰۹ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لوتھر کی تحریکِ بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے "پاپا" نے "محافظِ ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے [illegible] ہو گیا اور ایک انگریزی مذہب کی بنیاد ڈالی جس کا [illegible] یہ تھا کہ بادشاہ ہی کو کلیسا پر کامل اختیارات ہونے چاہئیں ۱۲ تقی

دُور ہو جاؤ، اے شریرو! ناقابلِ التفات احمقو! ذلیل گدھو! تم اپنے کو گدھوں سے بہتر سمجھتے ہو! اے پوپ! بے شک تو گدھا ہے، بلکہ بیوقوف گدھا ہے، اور ہمیشہ گدھا ہی رہے گا۔"

پھر صفحہ ۴۷۴ جلد مذکور میں یوں ہے:۔

"اگر میں حاکم ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو باندھ کر دریائے استیا میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہے ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیح کو بھی اس امر کا ضامن بناتا ہوں کہ اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب ہو جائیں گے۔"

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۰۱ پر کہتا ہے کہ:۔

"پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مکار و فریب کار گروہ ہے، اور بدقماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنمی شیاطین سے بھری ہوئی ہے، کہ اس کے تھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد ہوتے ہیں۔"

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:۔

"میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہس[ل] کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں'

ل John Huss بوہیمیا کا مشہور مفکر اور نصاریٰ کا مصلح جس نے دیکلف Wickliff (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید دجّال اور اس کے حواریوں نے کونسٹنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے واجب التسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور اُن کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں۔"

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ "بادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا"

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیس المصلحین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسلمہ ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلّم ہو، اس بناء پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلے گا جو بادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ...) کی اتباع میں کلیسائے روم کے خلاف آواز بلند کی، اور اسی کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فروخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کیخلاف احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور بائیبل کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھانے کی آرزو شامل ہے، ۱۴۱۲ء میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہوا، تو اس کی مؤثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہوسکا چنانچہ پوپ نے اسے کلیسا سے خارج کردیا، اور ستایا، ۱۴۱۴ء میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر محبوس رکھنے کے بعد ۶ جولائی ۱۴۱۵ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلادیا گیا (تواریخ کلیسائے روم) ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ؎ Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور بادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۴۱۴ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں باہمی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں (باقی برص ۱۹)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک دامنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات معصوم نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۳۷۷ پر کہتا ہے کہ ؛-

(۱) "بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا تھوک کذب دلغو میں خرچ کیا ہے"

(۲) "میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ لیی بیوقوفی سے اپنے منصب سلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ لوٹاؤں"

(۳) "اے لکڑی کے بنے ہوئے حوض جاہل! تو جھوٹا ہے، اور احمق پادشاہ ہے! جو کفن چور بھی ہے"

(۴) "اسی طرح یہ احمق پادشاہ بکواس کیا کرتا ہے"

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضائے بشریت کی بناء پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان ہس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انھیں باتفاق رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجہ میں اُسے زندہ نذرِ آتش کیا گیا، (دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلیرک ص ۲۳۹ و ۲۴۰) ۱۲ محمد تقی

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظ ان کے مقتداء نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو اُن کے خیال میں اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،

مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔

"تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکاریں تم اُن سے صلۂ رحمی کرو"

جس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے

(۶)

عیسائی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ

یورپی ممالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو علماء پروٹسٹنٹ ملحد اور بددین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی، ان ممالک میں اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اُن کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں اُن کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جائیں گے، اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم اُن کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا وکلا، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اُن کا منکر بالخصوص حضرت مسیح کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشاء محض علماء پروٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود اُن کے اہل ملک، وہمجنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

(۷)

علمائے پروٹسٹنٹ کی مسلمانوں پر بہتان طرازیاں

اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ اُن کو غنیمت سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اُن کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد معدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تاویل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب دے سکتے ہیں، اور قوی ومضبوط اقوال کو قطعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کبھی کبھی تو اُن کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر وتبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہوگا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات اُن کی اس عادت سے واقف ہیں اُن کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کا کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کوئی کتاب الہامی نہیں ہو تو عادۃً اس میں بعض باتوں کا کمزور رہنا بھی لازمی ہے، اس لئے کسی انسانی کلام کا اس عیب سے پاک ہونا بہت ہی دشوار ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ہر کاٹنے والی تلوار کیلئے کند ہونا اور ہر تیز رفتار گھوڑے کیلئے اوندھے منہ[1]

[1] یہ عربی مثل کا ترجمہ ہے، اصل الفاظ یہ ہیں "لکل صارم نبوۃ ولکل جواد کبوۃ واول الناس اول ناس" ۱۲ تقی

گرنا لازم ہے، اور سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا ہے "

ہمارے نزدیک تو غلطی اور بھول سے پاک ہونا صرف کلام الٰہی اور کتاب الٰہی کیلئے مخصوص ہے، یہ شان کسی اور کتاب کی نہیں ہے، ذرا غور کیجئے کہ امام جماعت لوتھر کے وقت سے اس موجودہ زمانہ تک ان کے محققین میں سے کوئی ایک بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری اس کی تصانیف میں کسی موقع پر نہ ہوئی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی،

کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام ممدوح یا دوسرے امام کالوِن[۱] یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں تھی، حاشا کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے نزدیک اتنی بات کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کسی امام یا محقق کے بعض وہ اقوال جن کے بارے میں خود اُن کے مقتداؤں اور اہلِ مذاہب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کمزور یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی نمونہ کا ہے، اور وہ ایسے تھے

اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب لکھیں تو تردید کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اُن کی پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرصتی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء جز ۲ فصل ۲ ص ۳۱

۱؎ کالوِن Calvin فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں قدیم کیتھولک عقائد کا تھا، بعد میں لوتھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں دیں، فرانس میں پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جنیوا میں مقیم ہو گیا، جنیوا اور گرد و نواح میں پروٹسٹنٹ نظریات کو پھیلانے میں اس کا بڑا [illegible] عیسائیت پر اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسیسی زبان میں بائبل کا پہلا ترجمہ اسی نے کیا ہے، اگرچہ موجودہ کلیسا اس کے تمام نظریات کو بتمام و کمال قبول نہیں کرتا، مگر اسے اپنا مقتدا تسلیم کرتا ہے (برٹانیکا، ج ۴)

میں تصریح کی ہے کہ :۔

تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پروٹسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سو واعظین اور معلمین ہروقت مستعد رہتے ہیں"

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عدیم الفرصتی کا عذر کیسے مانا جا سکتا ہے! اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق وحل الاشکال و مفتاح الاسرار کے مصنف (پادری فنڈر صاحب) کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمۂ مذکورہ کے حال میں جو ڈچ زبان میں ہے کہتا ہے :۔

زونگلیس جو علماء پروٹسٹنٹ کا بڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ " اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بگاڑتا ہے، تو بڑا مخرب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے بیحد شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہے" ادھر لوتھر نے زونگلیس کے ترجمہ کا رد کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال، دھوکہ باز کے القاب سے یاد کیا، پادری کگرمن ترجمۂ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ "عہدِ عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیبوں سے لبریز ہے، اور عہدِ جدید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،

اور لیسر و ایسیانڈر، لوتھر سے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلس اور
امسیرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں چودہ سو غلطیاں پائی ہیں جو بدعات ہیں"

پھر جو اغلاط صرف عہدِ جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں چار ہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے اعظم لیطر جہل اور عدمِ تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدمِ تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پا سکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے اعظم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں کے بھی سنتے جایئے:-

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصۂ دراز تک واعظ پادریوں کے یہاں استفسار کی تالیف سے قبل مروّج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آلِ حسن نے استفسار تصنیف فرمائی اور نسخۂ مذکورہ کے باب نمبر ۱ و ۳ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کرکے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک جدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کرکے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گویا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں قانونِ منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی گنجائش ہے،

بہرکیف! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء سے ۱۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم وجدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

"میزان الحق" کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۷، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

> اُس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہوگئی، اسی طرح قرآن کے نازل ہونے پر انجیل منسوخ ہوگئی۔

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہوجانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سر بسر بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کسی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا وجود نہیں ہے، ہمارے نزدیک تو زبور توریت کی ناسخ ہے اور نہ انجیل سے منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر شریعت موسوی کے متبع تھے اور زبور تو صرف چند دعاؤں کا مجموعہ ہے، جس کے ناسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے سنکر قیاس کیا ہوگا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی، اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کردیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو عیسائیوں کا اولین اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-

"مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور انجیل دونوں کی"

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی ناسخ ہے نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

تیسرا قول | فصل مذکور، صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"قانونِ نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جان بوجھکر محض اپنی مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور کامل الصفات ہے کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا ہے"

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا، چنانچہ باب ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس[1] پر یہ اعتراض

---

[1] پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۱۴ خطوط بائبل کے موجودہ مجموعہ (عہد نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے، شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برصفحہ ۲۴۷)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ بزرگ اسی ناقص و باطل تصور میں مبتلا نظر آتے ہیں، جو پادری فنڈر کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے نقل کرتے ہیں، عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ:۔

"غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہوگیا (کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا)"

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:۔

"کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا"

اور تیرھویں آیت میں ہے:۔

"جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:۔

"غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے"

دیکھئے! عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہوگئی اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کر سکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مضمحل اور باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی سب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، (یہ واقعات کتاب اعمال ۹ و ۲۶ میں دیکھے جا سکتے ہیں)، شمالی جزیرۂ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی تبلیغ کا اہم مرکز رہے ہیں، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روما میں لیجا کر ۶۷ء میں قتل کر دیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ باب ۲ مرقومہ احقر ۱۲ تقی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا، کیونکہ اس نے حزقیل[1] کی زبانی یہ فرمایا کہ:۔

"سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں" (حزقی ایل ۲۰: ۲۵)

ہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہے جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول فصل مذکور صفحہ ۲۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"ان آیات کا مقتضا یہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا تک قائم اور باقی رہیں"

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقتضیٰ یہ ہوتا۔۔ کہ دونوں کے احکام ہمیشہ باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور توریت کے حکم کے مطابق اس کی "تعظیم کو توڑنے والا" واجب القتل ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں ص ۱۹ پر اقرار کیا ہے کہ:۔

"توریت کے ظاہری احکام مسیح کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی"

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نسخ میں اور ہمارے

---

[1] حزقیال بن بوزی آپ کبار انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تاریخ کی عام کتابوں میں "حزقیل" عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لاوی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جب ۵۸۶ ق م میں بخت نصر (Nabuchodonosor) نے یروشلم پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، عہد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتاب "کتاب حزقی ایل" کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1]:۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے وقت فرمایا کہ[2]:۔

"تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا:

بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گلا گھونٹے ہوئے جانور کی حرمت، زنا کی حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۱۵ میں موجود ہے[3]،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

---

[1] (متی ۱۰-۶،۵)

[2] (مرقس ۱۶-۱۵)

[3] روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام (اعمال ۱۵-۲۸ و ۲۹) ۱۲

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روما کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور ططس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے[لہ]، منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو، لہٰذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخہ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہوسکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب ۳ میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷ میں نقل کیا ہے:-

۱- انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ:

"آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

۲- انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

"پس بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے"

لہ "مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے" (رومیوں کے نام ۱۴-۱۴) اور "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں" (ططس کے نام، ۱-۱۵)

ان فتووں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے، زنا کی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اسی لئے مصنف نے فرمایا کہ "چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو الخ" ۱۲

۳۔ پطرسؔ[1] کے پہلے خط باب آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں، بلکہ غیر فانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو"

۴۔ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۸ میں ہے کہ:

"گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے"

عیسائیوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا —— ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے،

ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ باب ۳ میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو "میری باتیں"[2] کہا گیا ہے اس میں اضافت عہدؔ کی ہے، جس سے مراد وہ پیشنگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انھوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹاق

ل پطرسؔ (بآ اور رآ مضموم ہیں) (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، ان کا اصل نام شمعان تھا، مچھلیوں کے شکار پر گذارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو آپ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا، جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ انطاکیہ میں رہے پھر انھیں روما لیجایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامۂ جدید کے موجودہ مجموعہ میں اُن کے دو خط شامل ہیں (پیدائش تقریباً ۱۰ ق، م، وفات ۶۷ء) ۱۲

ل۲ یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیا ہے، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے، کہ یہ مراد لیا جاسکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہوسکے گا، ورنہ احکام منسوخہ کی نسبت اُن کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ مٹنا کمال کی قید کے ساتھ مقید ہے، اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہوچکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں الی الابد، ابد تک کا لفظ محرف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کسی قدیم اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اس طرح لکھے ہوئے ہیں (الی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنیوالوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ "یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں کہ جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے"

پطرس حواری کے الفاظ "خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے"، اشعیاءؑ کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ "پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" لہٰذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل شعیاءؑ کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہٖ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جاسکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت بہکی باتیں کی ہیں، جن کا علم اُن لوگوں کو خوب ہو جنھوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہوگی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ:۔

"ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کو جلا دیا تھا،" مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا ہو کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ می[1] بڑھا دیا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

صرفی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے "

حالانکہ استفسار کی عبارت میں لفظ "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت و انجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفرداتِ لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کیتھولک والے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پروٹسٹنٹ

---

[1] فارسی زبان کا لفظ "می" مراد ہو جو استمراری عادت پر دلالت کرتا ہے ۱۲ تقی

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:۔

"فرقہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ بادشاہ جیمس اول کے حضور میں پیش ہوئی کہ جو زبوریں ہماری کتاب "صلوٰۃ" میں داخل ہیں وہ اندازاً دوسو مقامات میں کمی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں"

تھامس انگلس کیتھولک اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶ اور ۱۷۷ پر یوں کہتا ہے کہ:۔

"اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور جس پر علماء پروٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس زبور کا مطالعہ کرو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب ؟ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف سچی بات تو یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی"

ظاہر ہے کہ فانی کی عبارت میں سے صرف لفظ "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دینا بہت خفیف اور معمولی بات ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے اکٹھی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے اسی طرح لفظ "مفردات لغت" کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دو سو مقامات میں تحریف کر دینے کے مقابلہ میں نہایت آسان اور خفیف ہے،

چھٹا قول | میزان الحق کے باب نصل ۳ صفحہ ۵۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول چوک اور سہو و نسیان واقع ہو سکتا ہے، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم ہیں"

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب سلاطین اوّل باب ١٣ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہوداہ[1] سے یوربعام[2] کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی قربان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے سلطان یوسیاہ گرا دیگا، تو یہوداہ واپس پہونچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"اور بیت ایل میں ایک بڈھا نبی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر وہ سب کام جو اس مردِ خدا نے اس روز بیتِ ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو باتیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے باپ نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مردِ خدا جو یہوداہ سے آیا تھا کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے لئے گدھے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدھے پر زین کس دیا اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مردِ خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک درخت

---

[1] یہوداہ یا یہودیہ (Judah) بحرمیت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رجبعام بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً سنہ ٩٣٠ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا ١٢

[2] یُربعام بن نباط (Jeroboam) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن سے بغاوت کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رجبعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر الگ سلطنت قائم کرلی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رجبعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ١١ تا باب ١٤ اور کتاب تواریخ باب ١٢ و ١٣ میں دیکھے جا سکتے ہیں ١٢

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جا سکتا ہوں . . . . اور میں تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم ہوا ہے کہ تو وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر لوٹنا، جس سے تو جائے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں لوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا، سو وہ اس کے ساتھ لوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا، اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے لوٹا لایا تھا نازل ہوا، اور اس نے اس مردِ خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند یوں فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو لوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہونچے گی، اور جب وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے جسے وہ لوٹا لایا تھا گدھے پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ ادھر سے گذرے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انھوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڈھا نبی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے لوٹا لایا تھا، یہ سُنا تو کہا، یہ وہی مردِ خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی نافرمانی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدھے پر زین کس دو، سو انھوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدھے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدھے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مردِ خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدھے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڈھا نبی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں... آیا" (سلاطین اوّل ۔۱۳۔ ۱۱ تا ۲۹)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۱۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہی، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیار علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

ممکن ہو کہ کوئی صاحب پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیار کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بیانی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ سہو ونسیان کے طور پر، اور پادری صاحب کا کہنا سہو ونسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جواباً گذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہو، مگر اس میں سہو ونسیان سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی توخلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر آئے تو یہ اس کی عقل اور سمجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے"

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء یہود کی تصریحات کے خلاف ہے. اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہو کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میری عبارت اور تقریر کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تاویل ممکن ہو توجیہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا،

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں صلا پر یوں ہے کہ:۔

"خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گذرنے پر رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچادیا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بابلؔ میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال، چنانچہ باب فصل ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہورِ مسیح پر پورے ہوگئے جس طرح دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابلؔ سے واپسی اور مسیحؑ کی آمد کے درمیان مذکورہ مدت ہوگی"

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی حقیقت اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۹۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ

لہ بابلؔ (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سوموایوم اموری نے ۲۲۵۰ ق م میں ایک نسل آباد کی تھی، جس کا چھٹا بادشاہ مشہور تاریخی انسان حمورابی دانسانوں میں سب سے پہلا انسان واضع قانون، انیسویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے، سلطنت نینوا کے خاتمہ کے بعد ۶۱۲ ق م میں بخت نصر نے اُسے پایۂ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر سلوقین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

"یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۶۰۰ سال پیشتر ہوا ہے"

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کردیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے ظہور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،

نواں قول | باب۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ:۔

"خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیری نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی"

چنانچہ اس کی تصریح سفر صموئیل ثانی[1] فصل ۷ آیت ۱۲ و ۱۳ میں موجود ہے، اور ان دونوں آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،

دسواں قول | باب۲ فصل ۳، صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب میکاہ پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہو کہ اے بیت لحم[2] افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا، اور اس کا مصدر زمانۂ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے (میکاہ ۵-۲)"

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور محقق ہورن کی تحقیق ہو

---

[1] "اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیری صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا" (سموئیل ثانی ۷-۱۲ و ۱۳)

[2] بیت اللحم Bethlehem فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلو میٹر جنوب میں واقع ہے، کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

چنانچہ باب ۲ مقصد (۱) شاہد ۲۴ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل متی باب ۲ آیت[۱] ۶ و ۷ کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا،

یا تو میخا کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے اعتراف کرلیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے اقرار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی؟ اور ہر دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے ماتحت یہ تحریف کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے؟ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا؟ جس طرح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ توضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہو، اور ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک اور معدل اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے،

گیارہواں قول

مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

"یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیا[۲] نے فصل ۷ آیت ۱۴ میں کہا ہے"

---

[۱] "اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے! تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا" (متی ۲: ۶) کتاب میکاہ میں یہوداہ کو چھوٹا گیا ہو اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے کی نفی کی گئی ہے ۱۲ تقی

[۲] "دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی (یسعیاہ ۷: ۱۴)

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۱ فصل ۲ غلطی ۵ کے بیان میں آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "لفظ علماہ[1] کے معنی صرف کنواری کے ہیں" یہ بھی غلط ہے،

بارھواں قول پادری صاحب نے زبور ۲۲[2] کی ایک عبارت باب ۲ فصل ۳ ص ۱۰۴ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

"وہ (کتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں"

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے "میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرح ہیں" البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے،

اب پادری صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق مسیحؑ پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہے، پھر اُن سے سوال کیا جائے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں، چودھواں اور پندرھواں قول باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ اُن پیشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

---

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب ۱ فصل ۲ غلطی ۵ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "علمہ" ہے جو عبرانی لفظ ہے اور اس کا ترجمہ "کنواری" سے کیا گیا ہے، اور مصنفؒ کو اس پر اعتراض ہے، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی "جوان عورت" کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ بات اپنے موقع پر واضح ہوگی

[2] زبور ۲۲: ۱۶ ۔

کیا جا سکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایۃ ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب ۱ فصل ۳ میں غلطی ۳۰ و ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے،

سولھواں قول | باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

اُن میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد منسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لائے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول نہایت ناقص اور عیب والا ہے "

جواباً عرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عیب کی ہے تو توریت وانجیل بدرجۂ اولیٰ ناقص اور عیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے[1]، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت وانجیل پر عائد ہوتا ہے،

سترھواں قول | پادری صاحب نے باب ۳ فصل ۴، صفحہ ۲۴۶ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلامِ الٰہی کی آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[2] سے مفہوم ہوتا ہے اور اپنے زعم میں اُس پر عیب لگانے کے بعد یوں کہا ہے کہ :-

---

[1] ان کی اصل عبارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا، ص ۳۶۵ و ۱، ۳ و ۵۲۵ (جلد اول) [2] کتاب نمبر ۲۳

[2] "اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو در حقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں" (انفال، ع ۲) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آرہا ہے، ۱۲ تقی

"اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی، تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا"

گذارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :۔

"منقول ہے کہ قریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریش ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کو لے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ میں آپ سے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے کر اُن پر پھینک دیجئے، پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے اوپر دے ماری، اور فرمایا چہرے بدنما ہو جائیں" نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور اُن کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا"

بیضاوی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ "آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے لیجئے" واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ "کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی فکر میں نہ لگ رہا ہو" یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت ہوئی۔ ..... پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبعی عادت

ہی بن گئی ہو،

اٹھارھواں قول تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرھویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہل مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے"

یہ بھی غلط ہو، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول سراسر بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا"

نیز ابو ذر اور ان کے بھائی انیس اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابو ذر کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز ۵ نبوی میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز نجران[1] کے عیسائیوں میں سے

---

[1] نجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے ۱۲ ت

بیس افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضماد ازدی ؓ سنہ نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسی ؓ بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر اُن کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبد الاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیر ؓ کے وعظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابت ؓ ایسے تھے جنھوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوۂ احد کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعب ؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انھوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے پر مدینہ کے راستہ ہی میں بریدہ اسلمی ؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے، نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابو ہند ؓ، تمیم ؓ، نعیم ؓ اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی،

اُنیسواں قول

باب ۳، فصل ۵، صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ:-

"ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر پر ۱۲ امیر مقرر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے"

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ:-

"امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو آگ میں

جلادیا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے،،

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصفا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہو کہ:

"لشکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بدعہدی کے پاس نہ جانا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، اور اُن راہبوں سے جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا"

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں،

بیسواں قول | باب۲، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ:-

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کرلیں تو بہتر ہے ورنہ پھر اُن کو جبراً بزور قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے"

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوہ بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذاتِ خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفسر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ باب، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آنیوالے ہیں،

اکیسواں قول | باب۳ فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:-

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا
اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نوعمری میں جبکہ آپ نو سال کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان دو سفروں کے علاوہ اور کوئی شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد سفروں سے تبدیل کر دیا،

بائیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ:-

"اور یہ آیت یعنی یونس[1] پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیح نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور جو انجیل متی باب ۱۲[2] میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اٹھنے کے وقت پالیا "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب و روز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ فصل ۳ میں غلطی[3] نمبر ۶۰ کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

تیئسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ:-

---

[1] مشہور پیغمبر ہیں، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یوناہ اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲ ت

[2] جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا (متی ۱۲-۴۰)

[3] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

"یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیحؑ کے معجزات کو اُن حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت مسیحؑ کے ساتھ رہتے تھے اور جنھوں نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔"

یہ بھی غلط اور خود ابنی کے اس بیان کے خلاف ہے جو حل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا۔

چوبیسواں قول | باب ۳ فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

"جو شخص مذہب اسلام سے پھر جاتا تھا مسلمان اس کو قرآنی حکم کی تعمیل میں قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت تو تلوار کے زور سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ کو پہونچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنے ہاتھوں کو بُرے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں ۔"

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت پر واقع ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"جو بتوں کے لئے قربانی[1] کرے وہ واجب القتل ہے"

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:

"موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لاوی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں، چنانچہ انھوں نے تیئیس[2] ہزار آدمی قتل کئے ۔"

[1] اور جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲ - ۲۰)

[2] اظہار الحق کے تینوں نسخوں میں "ثلاثة وعشرين" (۲۳ ہزار) کا لفظ ہے، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے "اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اُس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے (خروج ۳۲ - ۲۸)

نیز کتاب الخروج باب ۳۵ آیت ۲ میں سبت[1] کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہو کہ:

"جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے"۔

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سنیچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب ۱۵ میں موجود ہے[2]۔

نیز کتاب استثناء باب ۱۳ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نبی غیر اللہ کی دعوت دے اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو[3]، اسی طرح اگر کوئی امتی غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے[4]، خواہ یہ دعوت دینے والا رشتہ دار ہو یا دوست[5]، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، اُن کے ساتھ اُن کے جانور بھی قتل کر دیئے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک آباد نہ ہو سکے[6]،

(بقیہ صفحہ ۴۹) انگریزی ترجمہ میں بھی (about three thousand men) کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار،

[1] سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہو کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا اس لئے انسانوں کے لئے بھی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰ — ۸) ت

[2] ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر لیجا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا (گنتی ۱۵ — ۳۶)

[3] مفہوم آیت ۱ و ۵،

[4] مفہوم آیت ۸ و ۹،

[5] مفہوم آیت ۶،

[6] مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۷،

اس کے علاوہ سفر استثناء ہی کے باب ۱۷ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت[1]،

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب دار دکھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیاؑ نے وادیِ قیشون میں ایسے چارسو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنھوں نے بعل[2] کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا،

لہٰذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء[3] علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نعوذ باللہ یہ سب

---

[1] ملاحظہ ہو استثناء باب ۱۷ کی آیات ۲ تا ۶،

[2] بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب نجوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انھوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی "بعل" رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام کے دور میں یہوداہ کے بادشاہ اخی اب نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اسی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس پر حضرت الیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ نہیں جھٹلایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب ۱۸ میں دیکھا جا سکتا ہے،

[3] ایلیا علیہ السلام، آپ کا قرآنی نام "الیاس علیہ السلام" ہے، تورات میں ایلیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، پیدائش تقریباً ۸۷۵ ق م، وفات ۸۵۲ ق م۔

احمق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھلی ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پولس قورنتیوس[1] والوں کے نام پہلے خط میں .... باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

"خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے"

یعنی مقدس پولس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے[2] سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ کم ہے اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں۔

یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۵۲ پر (جواب منسوخ ہو چکا ہے) کہا ہے کہ:-

"بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت[3] شریفہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ میں لفظ انشق، سینشق کے معنی میں ہے"

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحبِ کشاف نے بعض

---

[1] قورنتیوس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں (Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا دولتمند شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار پائے جاتے ہیں عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں پولس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

[2] یعنی یہ کہ قتل مرتد ناجائز ہونا چاہیے ۱۲

[3] آیت شریفہ کے معنی ہیں "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا" اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے" ۱۲

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آلِ حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جدید نسخہ میں بدل ڈالا،

"حل الاشکال" کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمایئے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں[1] اور گیارھویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم نے بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے:-

"ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم[2] وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان"

یہ خالص مغالطہ ہے، کیوں کہ وجود بغیر تشخص کے نہیں پایا جا سکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انہوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا ہے

---

[1] ملاحظہ فرمایئے کتاب ہذا، ص ۲۵۱ و ۲۶۰،

[2] "اقنوم" عبرانی زبان کا لفظ ہے، جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی "اصل" اور "عنصر" کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس۔ اقنوم کی جمع "اقانیم" ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروّج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوتھرین گرجا کے طریقہ پر عرصۂ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی ہے) اس کے صلا۲۹ و صلا۳۰ پر ہے کہ:-

"اے مقدس اور مبارک، اور عالی شان، تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک خدا ہم پریشان گنہگاروں پر رحم کر"

اس میں تین اشخاص کی تصریح موجود ہے۔

چوتھا قول صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے:

"بے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی[1] یا عرامائی[2] زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی[3] حواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے"

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۲ مقصد ۳ کے شاہد[4] ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اس کی عبارت

---

[1] اصل میں "عبرانی" یہودیوں کو کہتے ہیں، اور یہ "عابر" کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲

[2] عرامائی یا ارامی، زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲-۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں (Oxford Bible Coacordance) میں لکھا ہے کہ یہ سوریا کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے۔

[3] متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حواریوں میں سے ایک ہیں، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر وصول کرنے پر مامور تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل آپ ہی کی طرف منسوب ہے، اور اسے عیسائی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ وہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲ ت

[4] ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۱۳۷، (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابلِ غور ہیں، اوّل لفظ "بعض علماء کا خیال ہے" دوسرے "شاید" کا لفظ، تیسرے "غالب" کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول صفحہ ۱۲۵ پر کہا گیا ہے:-

"یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل (یعنی مرقس اور لوقا) حواریوں کی نہیں ہیں"

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں:-

تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اوّل میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی"

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتبِ اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انھوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انھوں نے گذشتہ قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متیٰ کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عرامانی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعینہٖ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب ۱ فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہوداہ اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا[1] کا دوسرا و تیسرا رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور ۳۶۳ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹۷ء تک مشکوک النسبۃ تھے، یہاں تک کہ نائس[2] کے جلسے اور لوڈیشیا[3] کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی[4] گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

---

[1] یوحنا (حا مفتوح ہے) (John) جیبب بن زبدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اناجیل اربعہ میں سے چوتھی انجیل آپ ہی سے منسوب ہے، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں تین خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، آپ نے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ "المعمد" کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

[2] نائس، روما کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

[3] لوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۶۴ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب التسلیم قرار دی گئی تھیں ۱۲

[4] سریانی درصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ (تقریباً پانچویں صدی عیسوی) میں انطاکیہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (کچھ نسلی مباحث میں) اختلاف کرکے الگ ہو گئے تھے، اس لئے ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسی (Mono physites) ہے، اس فرقہ کے افراد کی تعداد تقریباً چودہ لاکھ ہے، اور یہ فرقہ دوسرے عیسائیوں کی بہ نسبت کسی قدر توحید کی طرف

رسالہ اور یہوداؔ کے رسالہ اور یوحنّا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثۂ محرفہ[1] مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اقرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہوداؔ کا رسالہ، یوحنّا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنّا کے باب ۸ کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنّا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷ موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف استفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ:۔

"ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے"

چھٹا قول صفحہ ۱۴۶ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ:

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

---

[1] پادری فنڈر کے ساتھ مصنفؒ کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈر نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بہت کچھ تحریف کر دی تھی، مصنفؒ اسے اپنی کتاب "مباحثۂ محرفہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن[۵] نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عنقریب باب ۲ ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر اُن کو حواریوں اور تابعین کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء مصنفہ ولیم میور کے باب ۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تحریف کرکے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبد اللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفلِ مناظرہ میں شریک تھے، اور انھوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبر آباد میں طبع بھی کرایا تھا، انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک محضر لکھ کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً (قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربر آوردہ اور حکومتِ انگریزی کے ارکان تھے)،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے، کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بہانگِ دہل یوں کہہ رہا ہے:-

---

"۵" Origen "متقدمین علماء عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے (پیدائش ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء)، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے اکثر مذہب سے متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

"عیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے"

اسی طرح فرقہ مانی کیز کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں بآواز بلند اعلان کرتا ہے :-

"یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے منسوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہِ راست نہیں رکھتا، اور اس نے معتقدین عیسیٰ کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں"

جیسا کہ آپ کو باب ۲ کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا،

ساتواں قول صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے :-

"کسی پیغمبر نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰؑ کے فرستادہ تھے"

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اوّل تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے کیونکہ استفسار کے مصنف نے گوسالہ پرستی اور بُت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر پادری صاحب نے بُت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سلیمان علیہ السلام کے متعلق توریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بُت پرستی اختیار کرلی تھی، اور بُت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاوّل کے باب ۱۱ میں موجود ہے[1]،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارونؑ نبی نہ تھے قطعی باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب ۶ میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

آٹھواں قول پادری صاحب موصوف صفحہ ۱۵۲ پر آگسٹائن[2] کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

"کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا"

اس پر بھی دو اشکال ہیں، اوّل تو یہ کہ ہنری و اسکاٹ کی تفسیر جلد (۱) میں آگسٹائن کا قول یوں بیان کیا گیا ہے:-

"واقعی یہودیوں نے توریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گذر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور مسیحی

---

[1] آیت ۲ تا آیت ۱۳،

[2] آگسٹائن (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور بشپ اور فلاسفر جو افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۳۹۵ء میں ہپّو کا بشپ مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹین" کے نام سے شائع ہو گیا ہے، فرقۂ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۲ ت

مذہب کے عناد و دشمنی نے اُن سے یہ حرکت کرائی. قدماء مسیحیین کا نظریہ بھی اسی قسم کا تھا، وہ کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں سنہ ۱۳۰ء میں تحریف کی تھی"

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدماء مسیحیین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے تھے، اوران کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف سنہ ۱۳۰ء میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب کے بیان کے سراسر خلاف ہے. مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر ہے، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر ہے، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے. اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بیانگِ دہل یہ کہتے آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا عہد عتیق وجدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، استبشار کے مصنف نے تعجب اور تعریض کرتے ہوئے کہا ہے:-

"معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مصداق کیا ہے، شاید اُن کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جعلسازی کے جرم میں دوامی جیل کی سزا پائے"

ضروری نوٹ:- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے دو احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حد درجہ تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں :۔

"کس نے تحریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟"

الحمد للہ: اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا کہ یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اور تحریف کا زمانہ سنہ ۱۳۰ء ہے، اور تحریف کا سبب دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تحریف کردہ الفاظ میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا دعویٰ کرنا کہ مسیح نے توریت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج مسیح کے عرصۂ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں بلکہ جمہور قدماء مسیحین ہیں،

نواں قول

صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں :۔

"انجیل بواسطۂ حوارین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے"

پھر کہتا ہے :۔

"حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں"

یہ بھی اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۴ دو کے بیان میں ذکر کی ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہوگا اس کو اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو، بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کاتبوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت ہو نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھدیتے ہیں، اسی طرح لفظ قضاۃ، راعوت، استیر اور ایوب بھی کتاب القضاۃ، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جارہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونیکی دلیل نہیں ہوسکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجبِ تعجب ہو، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہوجانے کی بناء پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیساکہ استبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ:۔

"ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیساکہ پادری فنڈر ہے"

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفاء کریں،

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کرچکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کردیں تاکہ ناظرین کے لئے موجبِ بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دُوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضہ سے اُن کے حق میں یا اُن کے اہل مذہب کے حق میں نکل گئے ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصب شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ[1] ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے ؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور برمحل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے بھی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں:

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ا پر کہتے ہیں:۔

"اس مصنف کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے"

پھر پولس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے:۔

"اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے"

اس عبارت میں انھوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں:۔

"مصنف نے تعصب کی بناء پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی"

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں:۔

"اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے"

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:۔

"پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے لبریز ہے"

---

[1] یعنی طنزاً ۱۲

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں :۔

"کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے"

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ :۔

"مصنف نے تکبّر کی وجہ سے گمان کیا"

پھر صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گمراہی کے جال سے نکالے"

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ :۔

"یہ فقط اس کی جہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے"

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ :

"ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے، اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے"

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ :

"دوسری باطل ! توں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے"

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ :۔

"یہ قول باطل اور بیکار ہے"

صفحہ ۵۰ پر :۔

"یہ بعینہٖ تکبر اور کفر ہے"

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ :۔

مصنف کا دل تکبر اور عجب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے "

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

"یہ بعینہٖ جہالت اور انتہائی تکبر ہے "

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ :-

"یہ اس کی قطعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے "

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ :-

"اس کا بیان اعتبار کے درجہ سے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے "

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

"یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے "

صفحہ ۸۰ پر ہے کہ :-

"وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن قرار دے محض نامعقول اور حیلہ حوالہ ہے "

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں اُن کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱۷ پر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے "

پھر صفحہ ۱۱۸ پر ہے کہ :

"پھر اب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں "

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :

"انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں "

اپنے آخری خط میں فاضل ممدوح کے حق میں انھوں نے "فرار" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت قبیح ہے کہ اگر کسی دوسرے اُن کے حق

میں نکل جائے، تو شکریہ ادا فرماتے ہیں، اور اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ میں نے یہ الفاظ فاضل ممدوح کے حق میں اس لئے کہے ہیں کہ ان کے قلم سے اسرائیلی پیغمبروں کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تو یہ محض فریب دہی اور مغالطہ ہے، کیونکہ فاضل ممدوح نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ الزامی دلائل میں پادریوں کی تقریروں اور ان کے الزامی اعتراضات کے مقابلہ میں استعمال کئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے اوپر یہ بات لازم آئے گی، حالانکہ میں انبیاء علیہم السلام کے حق میں بدگمانی سے پاک ہوں، جو صاحب چاہیں وہ کتاب کے صفحہ ۸ وصفحہ ۷۷، وصفحہ ۵۰۸ و ۵۹۴ و ۶۰۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء ملاحظہ فرمالیں، انھیں ہمارے بیان کی تائید ملے گی،

کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۸۹ پر تمام مسلمانوں کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ:۔

"مسلمان بڑے وسوسوں اور بیشمار باطل باتوں کے معتقد ہیں"

میرے دہلی واپس ہونے کے بعد پادری صاحب اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب کے درمیان ایک تحریری مناظرہ ہوا، جو ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں طبع ہو چکا ہے، اس میں پادری صاحب نے دوسرے خط مورخہ ۲۹ر مارچ ۱۸۵۴ء میں یوں لکھا ہے کہ:۔

"شاید جناب بھی ان کے ہی زمرہ میں داخل ہیں، (یعنی دہریوں اور لامذہبوں کے) جس طرح مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں لامذہب ہیں"

ڈاکٹر وزیر خاں نے اس کے جواب میں چند باتیں لکھی ہیں جن میں یہ دو باتیں بھی ذکر کی ہیں کہ

"تم نے عام مجمع میں اقرار کیا ہے کہ توریت کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں، اور تم نے اس مجمع میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ سات یا آٹھ جگہ پر تحریف ہوئی ہے، اور متعدد

نسخوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات، یہ سہو کاتب کی وجہ سے حاشیہ کے فقروں اور جملوں کا متن میں داخل ہوجانا، اور بہت سے جملوں کا نکل جانا، اور بدل جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہبِ عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محرّف ہیں، اور ان کا تمہارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر بظاہر اس مذہب کو تھامے ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوتھرین کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سرخم کردیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ مجھ کو تمہارے ایک قلبی وجگری دوست (یعنی پادری فرنچ) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے اُن کی خوشنودیِ مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کرڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر ممدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)۔"

اب ملاحظہ فرمالیجئے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں نہیں تبدیلیِ مذہب کی جو دو وجوہات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلیِ مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سُنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑکر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

جاری کرتے ہیں،

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اور وہ ناپاک الفاظ جو اُس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انھیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقلِ کفر کفر نباشد،

جب ۱۸۴۴ء میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

"ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیمی الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمھارے "پیغمبر" یا "مسلمانوں کے پیغمبر" کا لفظ استعمال کرسکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیساکہ اردو زبان والوں کی عادت ہے ورنہ ہم گفتگو نہیں کرسکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی"

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۴۴ء میں یہ لکھا ہے:-

"خوب سمجھ لو: ہم تمھارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے "تمھارے پیغمبر یا مسلمانوں کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً یوں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا" اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضیٰ ہوگا یہ بھی کہوں گا کہ "محمدؐ رسول نہیں ہیں" یا جھوٹے ہیں۔ لیکن تم ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے۔

پھر اس خط میں جو ۳۱ رجولائی ۱۸۴۷ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے:

"یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لائیں۔"

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۶ر اپریل ۱۸۵۴ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے اس کے جواب مورخہ ۱۸ر اپریل ۱۸۵۴ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا۔

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ ان کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ اُن کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے، کہ "اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے" اور اُس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے"، اور اُس کی غرض و مقصد محض جھگڑا اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند کر دیا ہے، اور قطع نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لامذہبوں کے گروہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے[1]"

اسی طرح اگر اس کی کتاب میزان الحق کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مغالطوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ:۔
"وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے"۔

اسی طرح اس کی اُس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوئی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ "یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلتِ علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بدفہمی اور تعصب کی دلیل ہے، اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ بعینہٖ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی ناواقفیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے"

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ اُن کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور ہیں، اور مسلمان عالم لائق ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

[1] یہ سب پادری صاحب کے الفاظ ہیں جو انھوں نے مسلمان علماء کی شان میں استعمال کئے ہیں، مصنفؒ انھیں الزاماً نقل کر رہے ہیں، ۱۲

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہلِ مذہب کو ایذاء دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

تیسری عادت

پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعوٰی کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرینِ قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہارِ کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء بزبان فارسی باب ۳ فصل صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸، اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴ صفحہ ۱۵ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے بل بوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرأت کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گذشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے"

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان ہی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط اُن میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرمادیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم اُن کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل ہادی علی کے حق میں کہی ہے کہ "تکبر اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل وانصاف کی آنکھیں بند کردیتے ہیں" یا یہ کہہ دیں کہ "یہ عین جہالت اور تکبر ہے" تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہارِ حق ہوگا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں اُن کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماءِ اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ :-

"جو شخص کج روی کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر کے مطابق اور قوانینِ تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں"

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سُن لیا ہے، اب ہم اُن کے علم و فضل کے تین نمونے (تثلیث کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟

پہلا شاہد پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

اُن کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے اُن آیاتِ قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اوّل کی فصل اوّل میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی تو بات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا قصور ہے، یہ نقش تو اُن کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو

دُوسرا شاہد

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے اظہار کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے:-

تمت هذه الرسالة فی سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث بعد الالف مسیحی بالمطابق مائتان واربعین ثمانية بعد الالف هجری

اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-

تمت هذه الاوراق فی سنة ثمانيه مأة وثلاثون السابعة بعد الالف مسیحی وفی سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من هجرة[1] المحمدية۔

---

[1] افسوس ہے کہ ان عبارتوں سے "لطف اندوز" ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جا سکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذور ہیں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہٖ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

نیز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں مع الف ولام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، اُدھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ موصوف وصفت دونوں کو معرف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف سے الف لام کو ساقط کر دیا، یہ اُن کی تحریری فضیلت وکمال کا عکس ہے[۱]،

تیسرا شاہد قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۴۴ پر انھوں نے پہلے سورۂ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ:۔

"ومریم ابنۃ عمران التی احصنت فرجہا فنفخنا فیہ من روحنا"

پھر سورۂ نساء کی آیت:۔

"انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم وروح منہ"

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی رُوح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس روح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہو، حالانکہ اس قول کا منشار محض بغض وعداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دوسری آیت میں ہے، اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرفی قاعدہ کے بموجب

---

[۱] قیاس کن زگلستان من بہار مرا ۱۲ تقی

فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجع ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اوّل تو ہم یہ معلوم کر کے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم از کم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علمِ صرف کونسا علم ہو؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے! محض اس کا نام سُن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاء یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ بالا میں "روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے،

تیسرے سورۂ نساء کی آیت یوں ہے:۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

ترجمہ۔ اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے "کلمہ"[1] ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

[1] کلمہ" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں دوسری مخلوقات کی

القاء کیا ہے، اور اس کی روح ہیں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔"

اس آیت میں وروح منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق "یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو،" یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں؛

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے:۔ "اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آجاؤ اور اس بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے" یہ الفاظ اُن کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت کی ہے، مثلاً:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (مائدہ، رکوع ۱۰)	"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے"

اور

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ (مائدہ ۱۰)	"نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ تھا، اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو. عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیا کرتے ہیں، مگر مصنف اظہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب "ازالۃ الشکوک" صفحہ ۳۰۴ تا ۳۴۰ جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جس میں کلمۃ اللہ" کے معنی قرآن، لغت عرب اور کتب مقدسہ کی رو سے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گذشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط وتعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عدیم النظیر اور یکتائے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق وجدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب وغریب تحقیقات پر حاوی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق وعہد جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے غور وتامل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوتِ فہم کا اور اس تحریری وتقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حُسنِ ظن ہے کہ ان کے خیال میں اُن کا اردی ترجمہ اور رکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور اُن کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رائی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ، "یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور اپنی رُوح اس میں پھونک دی "

اور سورۂ حجر اور سورۂ ص میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ	"اور جب میں اُسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا"

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے آدمؑ کے نفس ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۂ مریم میں جبرئیلؑ کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ،	"پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا اپنی روح کو سو وہ اس کے سامنے پورا آدمی بنکر ظاہر ہوا"

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبرئیلؑ ہیں، کتاب حزقیالؑ کے باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیالؑ کے معجزہ سے زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے "اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا" اس میں بھی خدا نے انسان کے نفس ناطقہ[1] پر لفظ "اپنی روح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیالؑ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بناء پر جبرئیلؑ و آدمؑ بھی معبود ہوں،

لہٰذا سچی بات یہ ہے کہ روح منہ میں "رُوح" سے مراد نفس ناطقہ ہی ہے، اور مضاف محذوف[2] ہے، یعنی ذو روح منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

---

[1] "نفس ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۲

[2] یعنی "اللہ کی جانب سے رُوح والا" ۱۲

اضافت تشریفی ہے، اور بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ (وروح) ای ذو روح (منہ) (صدر منہ لا بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادۃ) "یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی مادہ اور اصل کے صادر ہوئی"۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی نہایت بچکانہ عبارت تھی۔ اور بعض فضلاء کے اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جدید نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال کی، جس کو نقل کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک[2] میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب ہیں ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرمادیتے ہیں، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا اور فرمایا "طہر بیتی" (یعنی میرے گھر کو پاک کرو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ محض گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، ورنہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہو، اس اضافت کو "اضافت تشریفی" کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو "روح اللہ" کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ کعبہ کو "بیت اللہ" کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہو کہ بعض اوقات کسی چیز کی پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرمادیتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو سورۂ شمس میں "ناقۃ اللہ" (اللہ کی اونٹنی) فرمایا، یعنی وہ اونٹنی جو اللہ نے خلاف عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح "روح اللہ" کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر مادہ اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنفؒ نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۳۱ تا ۴۴ میں بڑی مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہو جس میں "روح" کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ سے ثابت کئے ہیں ۱۲ تقی

[2] اس عبارت کا حاصل یہ ہو کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہٰذا قرآن نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہو، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار کیا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہو، چنانچہ مصنفؒ نے اس کے ایک ایک جزء کی دھجیاں

(باقی برصفحہ آئندہ)

ایک واقعہ طیبیؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا[1] اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو ہے، اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقدؒ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً، وَسَخَّرَ[2] لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ، اب اگر رُوْحٌ مِّنْهُ کے معنیٰ "اس کے جزو" کے لئے جائیں تو جَمِيْعًا مِّنْهُ کے معنیٰ بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لازم آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور ایمان لے آیا۔

دوسرا واقعہ عیسائی فرقہ کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنا دیا کہ قرآن سے سات خداؤں کے وجود پر

(بقیہ صفحہ سابقہ) بکھیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی "الوہیت" پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالۃ الشکوک کے صفحہ ۲۴۳ تا ۵۰۱ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطر میں قیمتی مواد ہے ۱۲

[1] یعنی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں" ۱۲

[2] یعنی "اور اللہ نے تمھارے لئے وہ سب مسخر کر دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ سب اسی کی طرف سے ہے" ت

استدلال کرو، ان سات خداؤں کا وجود سورۂ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے، ۔

حٰمٓ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۂ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء ذاتی وصفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگئی، ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے،

اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے ہیں کیا اُن کے پیشِ نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ "یہ مواد جس کی کوئی بنیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلّتِ علم اور باریک بین نہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شُدبُد ہوتی تو وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے" یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بات جائز ہو کہ اگر انہیں اپنے مخالف کلام میں پانچ چھ اقوال ایسے مل جائیں جو انکے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں تو مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی باطل اقوال اس مقدار سے چوگنا بھی زیادہ پائیں تو اس کو پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ "وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

جس کے واپس لوٹانے سے تو عاجز ہو۔[1]

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت کو نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا احاطہ کرسکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفاء کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پروٹسٹنٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہئے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جواب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کرینگے، اور کمزور اور بودے بہانے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہوگا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

---

[1] عربی کے الفاظ یہ ہیں: "لا تفتحنّ باباً یعییک سدّہ، ولا ترمِ سہماً یعجزک ردّہ" ۱۲

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رَد کا کُل حجم اس حد تک نہیں پہونچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہے دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں

میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں، وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہونچ سکتی ہیں، یا پھر فرقۂ پروٹسٹنٹ کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ دوسرے حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں ؛

پہلا باب

بائبل کیا ہے؟

- بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجۂ استناد
- اُن کے باہمی اختلافات
- اُن کی فحش غلطیاں

یہ کچھ نہیں

مگر چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔

اللہ نے

ان میں کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے

(النجم)

بابُ اوّل

عہدِ قدیم وجدید کی کتابیں

پہلی فصل

کتابوں کے نام اور ان کی تعداد

عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ اُن پیغمبروں کے واسطہ سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گذر چکے ہیں،

دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعوی کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں، پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہدِ عتیق[1] اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہد جدید کہتے ہیں، اور دونوں عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبل[2] رکھتے ہیں، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنیٰ کتاب کے ہیں،

---

[1] آجکل اُسے پُرانا عہدنامہ Old Testament اور عہد جدید کو "نیا عہدنامہ" New Testament کہتے ہیں ۱۲ تقی

[2] Bible

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدماء مسیحیین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

عہد قدیم کی پہلی قسم

اس مجموعہ میں ۳۸ کتابیں ہیں، (۱) سِفْرِ[1] تکوین[2]، اس کا دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج[3]، (۳) سفر احبار[4] (۴) سفر عدد (۵)[5] سفر استثناء[6]،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی مجازاً یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

---

[1] یہ لفظ سین کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ "سِفْر" ہے جس کے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں ۱۲ ت

[2] اردو ترجمہ میں اس کا نام "پیدائش" ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ کی تاریخ ہے، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲

[3] اردو میں اس کا نام "خروج" ہی ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر اُن کی دعوتِ اسلام، فرعون کے غرق اور کوہ سینا پر اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور توراۃ کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے "خروج" اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲ ت

[4] اردو میں بھی اس کا نام "احبار" ہی ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں وہ احکام مذکور ہیں جو بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے دوران انھیں دیئے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں

[5] اسے اردو میں "گنتی" کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری سے لیکر اُن کے کنعان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے اردن کے کنارے دیئے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۱۲

[6] اسے اردو میں بھی "استثناء" اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے، اور اس میں وہ احکام اور واقعات مذکور ہیں جو "گنتی" کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک پیش آئے، اس کے کل ۳۴ باب ہیں ۱۲

(۶) کتابؔ یوشع بن نون (۷) کتابؔ القضاۃ (۸) کتابؔ راعوت (۹) سِفرؔ
صموئیل اوّل (۱۰) سِفرؔ صموئیل ثانی (۱۱) سِفرؔ ملوک الاوّل ---------- -

لہ اس کا نام اردو ترجمہ میں "یشوع" اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر عمالقہ سے جہاد کیا، جس میں فتحیاب ہوئے، اس کتاب میں اُن کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

لہ اسے اردو میں بھی "قضاۃ" اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالتِ زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، اُن کی بت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ اُن پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کردیتا جو اُن پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو اُن کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انھیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ اُن پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ "قاضی" کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام "قضاۃ" ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

لہ اس کا نام اردو میں "روت" اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی خاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوعز سے شادی کی جن سے عوبید ان سے یسّی اور ان سے حضرت داؤدؑ پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

لہ اس کا نام اردو میں "سموئیل" Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طالوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اوّل میں آپ کی نبوت، طالوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤدؑ کا جالوت کو قتل کرنا اور طالوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں کُل ۳۱ باب ہیں ۱۲

شہ اس کتاب میں طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طالوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

لہ اسے اردو میں "سلاطین" اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، اُن کے دورِ حکومت، انکی وفات اور ان کے بعد اُن کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کُل ۲۲ باب ہیں ۱۲ ت

(۱۲) سفر الملوک الثانی[1] (۱۳) السّفر الاوّل من اخبار الایام[2] (۱۴) السّفر الثانی من اخبار الایام[3]،
(۱۵) السّفر الاوّل لعزراء[4] (۱۶) السفر الثانی لعزراء، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا[5] بھی ہے،

---

[1] اس میں اخی اب کی وفات سے صدقیاہ کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت الیسع علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے کُل ۲۵ باب ہیں ۱۲ ت

[2] اس کو اردو میں "تواریخ" اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرۂ نسب، حضرت داؤد ؑ تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات مذکور ہیں، اور اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ تقی

[3] اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے احوال صدقیاہ تک مرقوم ہیں، اور بنوکد نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے اس کے کل ۳۶ باب ہیں ۱۲ تقی

[4] اس کا نام اردو میں عزراء اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فارس (جسے تورات میں خورس کہا گیا ہے) کا بنوکد نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن یہودیوں کو (جزو وطن واپس لانا) اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت حجی علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں کُل ۱۰ باب ہیں ۱۲ ت

[5] نحمیاہ Nehemiah شروع میں یہ آرتخششتا Artaxerxes شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنوکد نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُجڑنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر میں حصہ لیا اُن کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے کُل ۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱۷) کتابؔ ایوب (۱۸) زبورؔ (۱۹) امثال سلیمانؔ (۲۰) کتاب الجامعہؔ (۲۱) کتاب نشید الانشادؔ، ــــــــــــــــــــــ

لہ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحرمیت سے مشرق میں ایک شہر عوص کے نام سے تھا، آپ وہاں پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی، توراۃ میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہوگئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے، اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوبؑ کے تین دوستوں تیمانی، الیفز، سوخی بلدد اور نعاتی ضوفر کے ساتھ مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوبؑ پر یہ بلائیں ان کی کسی خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں ۴۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲ تقی

لہ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms ہے، یہ اسی کتاب کی محرف شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داوٗد کو زبور عطا کی" یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

سلہ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Broverbs کہتے ہیں، یہ امثال اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اوّل (۴۔ ۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں"

کلہ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا واعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۲

ھ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon ہے، اور یہ بقول نصاریٰ ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب سلاطین اوّل میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۴۔ ۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲ ت

(۲۲) کتابؔ اشعیاء (۲۳) کتابؔ ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاءؔ ....

ؔاس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاء بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سنحیرب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاء علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت شعیاہ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، یہ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیاہ، یوتام، آخز اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کُل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

ؔاردو میں اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jermiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت شعیاءؑ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کو روکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہوگیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپنے اس بات کو ظاہر فرما دیا، اور توراۃ کے مطابق انھیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپکو اذیتیں دیں تو بالآخر بنوکد نصر (جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے) نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست و نابود ہوگیا، تو آپ مصر تشریف لیگئے، قرآن کریم نے اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ الخ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بداعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کُل ۵۶ باب ہیں ۱۲

ؔاسے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں Lamentations کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہوگیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا، تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحے کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کُل ۵ باب ہیں ۱۲ تقی

(۲۵) کتابؔ حزقیال (۲۶) کتابؔ دانیال (۲۷) کتابؔ ہوشع (۲۸) کتابؔ یوایل (۲۹) کتابؔ عاموس

لہ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel ہے یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پیچھے گذر چکا ہے) اور اس میں اُن کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

لہ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے، یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں توریت کی یہ روایت ہے کہ بخت نصر جن علماء کو یہوداہ سے جلاوطن کرکے بابل لے گیا تھا اُن میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے پر انہیں صوبۂ بابل کا حاکم بنا دیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو اُن کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیالؑ کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۲

لہ اس کا نام اردو میں "ہوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ ہوسیع بن بیری نبی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر ہمیں نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخز، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اسی زمانہ میں یہ کلام اُن پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بداعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۲ ت

لہ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات نبی ہیں، اور اس تین بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بداعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲ ت

لہ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات نبی تھے، شروع میں تقوع شہر Teko'a میں چرواہے تھے، پھر تقریباً ۷۸۳ ق م میں نبی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب اُن پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بدکاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزا میں ان پر شاہ اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲ تقی

(۳۰) کتاب[ل] عبدیاہ (۳۱) کتاب[ک] یونان (۳۲) کتاب[ک] میکاہ (۳۳) کتاب[ک] ناحوم (۳۴) کتاب[ش] حبقوق (۳۵) صفونیا[ل]، . . . .

[ل] عبدیاہ Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول نصاریٰ حضرت عبدیا علیہ السلام کا ایک خواب مذکور ہے، اس خواب میں شہر ادوم Adom کے متعلق کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ت

[۲] اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو مشہور پیغمبر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے نینوا کی جانب مبعوث ہونے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصے سے قدرے مختلف ہے ۱۲

[۳] اسے اردو میں "میکاہ" اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے؛ اور یہ حضرت میکا مورشتی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے، اور بنی اسرائیل کو اُن کی بد اعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کرکے نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین $\frac{۳۲}{۲۹}$ میں اور یرمیاہ $\frac{۲۶}{۱۸}$ میں مذکور ہے، اس کتاب میں ۷ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۲

[۴] ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا کچھ سُراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں اُن کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں نینوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ت

[۵] حبقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانۂ بعثت مشکوک ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنوکد نصر کے حملۂ یروشلم سے قبل تھے، کتاب حبقوق میں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیوں پر توبیخ اور حملۂ بنوکد نصر کی پیشگوئی ہے اس کے ۳ باب ہیں ۱۲

[۶] اردو میں صفنیاہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ جو تین بابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنوکد نصر سے ڈرایا ۱۲ تقی

(۳۶) کتابؔ حجی (۳۷) کتابؔ زکریا (۳۸) کتابؔ ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گذرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدماء مسیحیین کے نزدیک معتمد اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہؔ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلّم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

لہ حجیؔ، الف مقصورہ کے ساتھ Haggai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ (تقریباً ۵۲۲ ق م) میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزرا (۵) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو توبیخ ہے ۱۲ ت

ٹلہ زکریاہ Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی (ب ۳ و ب ۹) پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح رہے کہ یہ وہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے)

سلہ اس کا نام اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ م کی پیشگوئی (باب ۳) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ت

کلہ "سامری" یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامرہ Somaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں سے بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلّمہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے، دوسرے عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریزیم پر عبادت کرتے ہیں، جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منسّی نے (جس کا ذکر عزرا ۲۸:۱۳ میں ہے) ایک ہیکل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

عہدِ عتیق کی دوسری قسم

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل ۹ کتابیں ہیں:-

(۱) کتاب[1] آستر (۲) کتاب[2] باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب[3] طوبیا (۵) کتاب[4] یہودیت (۶) کتاب[5] دانش

---

[1] اسے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخسویرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہوکر اس سے شادی کرلی، اس کے وزیر ہامان نے آستر کے باپ مردکے سے ناراض ہوکر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو رُکوایا یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

[2] اس کا نام اردو میں "بارُوک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت ارمیاء علیہ السلام کے شاگرد اور اُن کے کاتبِ وحی تھے، ہر دُکھ درد میں اُن کے ساتھ رہے، جیسا کہ کتاب یرمیاہ ۳۲: ۱۳ تا ۱۶ اور ۳۶: ۴ تا ۳۲ اور ۴۳: ۳ تا ۱۶ اور ۴۵: ۱ تا ۳) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقۂ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں، کیتھولک بائبل میں ہے ۱۲

[3] طوبیا Tobit نفتالی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں اشور چلا گیا تھا، اس کا لقب "البار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پُرخطر سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

[4] "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے ۱۲

[5] اسے دانشِ سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تقی

(۷) کلیسائی پند[1] و نصائح (۸) کتاب[2] المقابین الاوّل (۹) کتاب[3] المقابین الثانی

عہد جدید کی کتابیں یہ کُل بیس[2] ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہے	یہ کُل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل[4] متی (۲) انجیل[5] مرقس (۳) انجیل[6] لوقا ---------

[1] کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یا واعظ، یہ ۲۰۰ ق م کے ایک شخص مسیح ابن سروش کے پوتے کی طرف منسوب ہے، اور اس میں ابن سروش کی کچھ حکمتیں درج ہیں، اور ادبی اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

[2] مکابیوں کی پہلی کتاب ہے، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگذشت ہے ۱۲ ت

[3] مکابیوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایسڈریس تین بچوں کا گیت، بعل اور اژدہا اور منسی کی دعا، یہ پانچ کتابیں بھی مختلف فیہ ہیں اور انہی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو اپاکرفا Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ انھیں الہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲ ت

[4] یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۰۲ کا حاشیہ[3]) اور اس میں حضرت عیسیٰ ؑ کے نسب نامہ سے لیکر عروج سماء تک کے واقعات درج ہیں، ضمناً بہت سے احکام بھی آئے ہیں، اس کے کُل باب ۲۸ ہیں ۱۲ ت

[5] یہ مرقس (دیم اور قاف پر پیش ہے) یہ حضرت عیسیٰ ؑ کے حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۳۹) کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا کلیسا انھوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں ۶۸ء میں قتل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی تشریف آوری پر ہوئی تھیں اور حضرت عیسیٰ ؑ کے عروج آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ باب ہیں، انگریزی میں اسے Mark کہا جاتا ہے

[6] لوقا Luke اپنے زمانہ میں طبیب تھے، پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہے جیسا کہ (کلسیوں کے نام ۴: ۱۴) اور (اعمال ۱۶) سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً ۷۰ء میں انتقال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں عروج آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲ تقی

(۴) انجیل یُوحنا، ان چاروں کو اناجیلِ اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انکلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتابؔ اعمال حوارئین (۶) پولسؔ کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولسؔ کا خط

لہ یوحنا (دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہا ہے) کی تشریف آوری کے بعد کے حالات سے حضرت عیسیٰؑ کے عروجِ آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲ ت

لہ اردو میں اس کا نام "رسولوں کے اعمال" Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰؑ کے بعد حوارئین کی کارگذاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روما پہنچنے تک (تقریباً ۶۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲ ت،

لہ The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶ پر) گذر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخرج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۲) اس خط میں اوّلاً تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۱۲ ت

لہ Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اوّل تو انھیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے پھر باب میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، باب ۸ سے بت پرستی کی بُرائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرزِ عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب ۱۲ سے انھیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب ۱۵ میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب ۱۶ میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر اُبھارا گیا ہے ۱۲ تقی

قورنیتوس کی جانب (۸) دوسرا[1] خط انہی کی طرف (۹) پولس[2] کا خط غلاطیہ والوں کی طرف (۱۰) پولس[3] کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلپّس[4] والوں کی طرف (۱۲) پولس کا خط قولاسائس[5] والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی[6] والوں کی جانب،

---

[1] شروع کے ۶ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں، پھر باب ۱۰ سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ تقی

[2] "گلتیوں کے نام" یہ گلتیہ (Galatia) Galatians کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام انقرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ۵۳ء میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں کے لوگ کسی اور مذہب سے متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انھیں ارتداد سے روکنے اور اپنے مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ ت

[3] افسس Ephesus - ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا، (دیکھئے اعمال ۱۹: ۱۰) ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر مشتمل ہے، انھیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۲

[4] یہ "فلپی" Philippi کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے، جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا (اعمال ۱۶: ۱۲۔۴۰) اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

[5] اس کا نام اردو بائبل میں "کلسے" Colosae ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر تھا، اس خط میں مسیحیت پر ان کی ہمت افزائی اور بداعمالیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۲

[6] "تھسلنیکے" Thessalonica مقدونیہ کا ایک شہر جو آجکل ترکی میں ہے، اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲ ت

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ[۱] ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ[۲] تیموتاوس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ[۳] اُسی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ[۴] تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ[۵] فیلیمون کی جانب (۱۹) پطرس کا پہلا رسالہ[۶] (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ[۷]، سوائے بعض جملوں کے،

عہدِ جدید کی دُوسری قسم

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل سات کتابیں ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اوّل کے ؛-

(۱) پولس کا رسالہ[۸] جو عبرانیوں کی جانب ہے -----------------

[۱] اس خط میں مخاطبین کی نیکیوں پر انکی ہمت افزائی اور انکے طرزِ عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کُل ۳ باب ہیں ۱۲ تقی

[۲] تیمتھیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا (اعمال ۱۶، ۱، ۳)، (۱۷: ۱۴) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱: کرنتھیون ۱۶: ۱۰) (فلپیّون ۲: ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲ ب

[۳] اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتھیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۴ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

[۴] طِطُس Titu. یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلتیون ۲: ۱) پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیون ۳: ۱۳) پولس نے اسے کریتے شہر Crete میں چھوڑا تھا، تاکہ وہ تبلیغ کرے (ططس ۱: ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بشپوں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲

[۵] فلیمون Philemon پولس کا ہمسفر اور ساتھی تھا، انسمس کو پولس نے اس کے پاس بھیجتے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲ ت

[۶] پطرس Peter تعارف کرایا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ اُن کا عام خط ہے، اور اس کے مخاطب پنطس، گلتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور بتھنیہ کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲ ت

[۷] اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ ت [۸] اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گذر چکا (دیکھئے صفحہ ۱۷۲ کا حاشیہ) ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ[۱] (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ[۲] (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ[۳] (۵) یعقوب کا رسالہ[۴] (۶) یہوداکا رسالہ[۵] (۷) مشاہداتِ یوحنا[۶]،

کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء کی مجلسیں

اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ۳۲۵ء میں پادشاہ قسطنطین[۷] کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائس[۸] میں ہوا، تاکہ مشکوک

---

[۱] اس میں جھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت

[۲] یہ خط ایک خاتون کے نام ہے جن کا نام معلوم نہیں ہوسکا، اور اس میں ۱۳ آیتیں ہیں ۱۲ تقی

[۳] یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور ہمت افزائی ہے ۱۲ تقی

[۴] یہ یعقوب James بن یوسف نجار ہیں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں . . . اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حوارئین میں سے ایک یعقوب بن زبدی یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں) اس عام خط میں انھوں نے مختلف اخلاقی ہدایات دی ہیں ۱۲

[۵] یہوداہ ادر تدّادس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۱۴: ۲۲) میں ہے، اس خط میں جھوٹے دعویداروں سے اجتناب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہوداہ جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرلیا تھا یہ نہیں وہ یہوداہ اسکریوتی ہے) ۱۲

[۶] یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ت

[۷] یہ قسطنطین اوّل Cousiantine I ہے، جس کے نام پر بیزنطیہ کو قسطنطنیہ کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۲ ت

[۸] شہر نائس، اس شہر کا مشہور نام نیقیہ Nicaea ہے، اور یہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیقاوی [illegible]

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیروم[1] نے اس کتاب پر لکھا ہے،"

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۳۶۴ء منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پر سات دیگر کتابوں کا اضافہ کر کے اُن کو واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کا رسالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہوداہ کا رسالہ (۷) پولس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب،"

اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ مؤکد کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسلّمہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی،

اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارتھیج[2] کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکاء میں عیسائیوں کا مشہور فاضل آگسٹائن اور ایک سو چھبیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

---

[1] St Jerome عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر ۳۴۰ء میں پیدا ہوا، اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اسی سلسلہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں، ۴۲۰ء میں انتقال ہوا، لیکن یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے بظاہر جانس کا شاگرد جیروم متوفی ۱۲۱۶ء مراد ہے،

[2] Carthage

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا:۔

(۱) کتاب دانش (۲) کتاب طوبیاہ (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسائی پند و نصائح (۵و۶) مقابین کی دونوں کتابیں (۷) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکا نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاء کا تقریباً جزء قرار دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاء علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے ان لوگوں نے اسماءِ کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ، ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارتیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا، صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان اسلاف کے فیصلوں سے فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۳۰۰ء تک بدستور قائم رہی، یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا، جنھوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرد اور غیر مسلّم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں اُن کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۹ ابواب اور باب ۱۰ کی تین آیتوں کے متعلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب التسلیم ہیں. اور باقی چھ ابواب واجب الرّد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کئے :-

۱- یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جالدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲- یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے.

۳- تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴- جیروم کہتاہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر واثبات کے لئے کافی نہیں ہیں.

۵- کلوس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں.

میں کہتاہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے اُن کو تسلیم نہیں کیا. یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مآل ایک ہی ہوا،

۶- یوسی بیس نے کتاب رابع کے باب ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرّف ہوچکی ہیں خصوصاً مقابین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ا و ۳ و ۶ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور بزرگوں کی س بددیانتی کا دعویٰ کیاکہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب التسلیم ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور مآخذ ناپید ہوچکے ہوں، ان کے صرف تراجم باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہوچکی ہیں، بالخصوص مقابین کی دوسری کتاب، اب بتائیے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں اُن کے اجماع یا اتفاق کا کیا اعتبار ہوسکتاہے ؟ اس کے برعکس فرقہ کیتھولک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں.

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطہ سے لکھی گئی، اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہونچی ہے، اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان و وہم کی بنیاد پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تکوین کی سفر صغیر، کتابُ المعراج، کتاب الاسرار، کتاب نسٹمنٹ اور کتابُ الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سفر رابع عزرا، کا عزرا کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج اشعیاء اور کتاب مشاہدات اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام کی مشہور کتاب کے علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو اُن کی جانب منسوب ہے، اور متعدد ملفوظات ہیں جو حبقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبوریں ہیں جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب مذکورہ کے کچھ کتابیں ہیں جو ستر سے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریمؑ اور حواریوں کی اور اُن کے تابعین کی جانب منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت اور جھوٹ ہیں، آج اس دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ کے تمام کلیسا متفق ہیں، اسی طرح

عزرا کی تیسری کتاب جو اُن کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک عہدِ عتیق کا جز اور مقدس و واجب التسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ باب ۲ میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دانش و کتاب پند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب التسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرّد ہے،

پھر جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی حواری یا نبی کی جانب کرنے سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب التسلیم ہو گئی؟ اسی طرح ہم محض ان کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے بارہا اُن کے بڑے بڑے علماء سے سند متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور ایک پادری نے تو اس مناظرہ میں جو میرے اور اُن کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس سند موجود نہ ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ سال تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے اُن کی اسناد کی کتابوں میں بہت کچھ کھود کرید کی، مگر سوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی بنیاد محض ظن اور بعض قرائن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں محض گمان کی کوئی بھی قیمت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہٰذا جب تک وہ لوگ کوئی شافی دلیل اور سند متصل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہوگا، دلیل پیش کرنا اصولاً اُن کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرّع کے درجہ میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی سند پر گفتگو کرنا چونکہ موجبِ تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:۔

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ اُن کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں:۔

موجودہ تورات حضرت موسیٰؑ کی کتاب نہیں

اس کے دلائل

پہلی دلیل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلۂ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوسیاہ[1] بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا[2] ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً - - - - - - - - - - -

---

[1] یوسیاہ Josiah یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی

[2] ۲۔ سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یوسیاہ سے بہت پہلے سے توریت کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل صاف کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اُسے اپنا دستور العمل بنالیا، ۲۳/۲۱ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے "عید فسح" (دیکھئے حاشیہ ص ۳۴۰) اس کتاب کے مطابق نہیں منائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جارہا ہے، جس کا ماننے والا سالہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی

بخت نصر[al] کے حادثہ سے پہلے ضائع ہو چکا، اس حادثہ میں نہ صرف توریت معدوم ہو گئی، بلکہ عہد عتیق کی تمام کتابیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزرا نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا[۵۲] تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول انیتوکس کے حادثہ[۵۳] میں ضائع ہو گئیں،

دوسری دلیل

تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب عزرا علیہ السلام نے حجی اور زکریا پیغمبروں کی اعانت سے لکھی ہے،

ا۵ بخت نصر جسے بنوکد نصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (توراۃ میں یہی نام مذکور ہے) بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے بُری طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشنگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھی ۱۲

۵۲ دیکھئے ۲۔ ایسڈریس ۱۹-۲۸: ۱۹ جس میں اُن کتابوں کے نذرِ آتش ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے (ہماری کتب مقدسہ ص ۴۵) لیکن نحمیاہ کے باب ۸ میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسڈریس کی تائید کرتا ہے، اس سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ کتاب توریت ضائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزرا نے لکھکر پھر سب لوگوں کے سامنے اُسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل (Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۳ء) میں بھی ایسڈریس سے وہ باب ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسڈریس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے پاس اگرچہ ایسڈریس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جائے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسڈریس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے: "یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسڈریس ۱۴: ۲۰ تا ۴۱ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ توریت چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزرا نے اُسے دوبارہ لکھا" (ص ۵۰۱، ج ۳، مقالہ بائبل بحث عہد قدیم فہرست مسلّمہ)، پادری جی ٹی مینلی نے بھی بائبل ہینڈ بک میں ایسڈریس کے حوالے یہ روایت نقل کی ہے (ص ۴۵)

۵۳ انیتوکس چہارم اپی فینس Antiochus ایشائے قریب کا مشہور بادشاہ جس نے ۱۶۸ ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسکے حملہ کی داستان اور تورات کے جلائے جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۱: ۵۶، تقی

مگر تینوں پیغمبروں کا کلام سفر اوّل کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دو اعتبارے مخالفت کی ہے، اوّل تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ باب[1] سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور باب[2] ۸ سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور تورات[3] سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اوّل کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشاء یہ بیان کیا ہے کہ عزرا نے ... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن سے انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پیغمبر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ ؑ والی تورات یہی مشہور توریت مانی جاتی تو یہ تینوں پیغمبر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرا ؑ کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کر کے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرا ؑ نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

---

[1] بنی بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعیل، یہ تینوں (۱- تواریخ ۷: ۶)

[2] اور بنیامین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا، دوسرا اشبیل، تیسرا اخرخ، چوتھا نوحہ اور پانچواں رفا (۸: ۱)

[3] "بنی بنیمین یہ ہیں، بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان، اخی، اور روس، مفیم اور حفیم، اور ارد (پیدائش ۴۶: ۲۱) تقی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰ ؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہے جس کو عزرائ نے لکھا تھا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ ان قصّوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کئے بغیر جمع کر دیا تھا، ان تینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک، پیغمبر جس طرح کبائر کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تحریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اوّل کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

تیسری دلیل

جو شخص بھی کتاب حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی[1] کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں تین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸، آیۃ ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اُٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی"

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

---

[1] ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تقی

یہی حق بات ہے، چنانچہ قرآن نے کہا ہے:۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (نجم)	اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۔

چوتھی دلیل

جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیا و کتاب ارمیاہ و کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنے حالات یا دیکھے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰ کو تمام مقامات پر غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے متکلم کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ متکلم کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایۂ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو شخص ظاہر کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی،

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہوسکتی کہ یہ موسیٰؑ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مؤلف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہوسکتا، بلکہ یا ان کا معصر ہوسکتا ہے، یا اُن کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب۲ کے مقصد۲ میں انشاء اللہ تفصیل سے آنیوالے ہیں،

مسیحی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھادیئے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ اُن کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں ہو، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰؑ کی تصنیف نہیں ہے،

چھٹی دلیل

خلاصہ سیف المسلمین کے مصنف نے انسائیکلوپیڈیا پینی جلد سے نقل کیا ہے:-

"ڈاکٹر سکندر گیدس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہا ہے کہ:"

مجھکو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوئی ہیں: (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کنعان یا اورشلیم میں لکھی گئی ہو، یعنی عہد موسوی میں، جب کہ بنی اسرائیل صحرائی زندگی گذار رہے تھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف داؤد علیہ السلام سے پہلے اور حزقیال کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور ہے، یعنی ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل، یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور جس میں ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوئی ہے "

ساتویں دلیل

فاضل نورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ :-

" توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتدبہ اور کافی فرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۹۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اُس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتدبہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل لیوسلن نے جن کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں "

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور ظاہر ہے کہ نورٹن اور لیوسلن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

آٹھویں دلیل

کتاب استثناء باب ۲۷ آیت ۵ میں ہے کہ :-

" اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوہے کا کوئی اوزار اُن پر نہ لگانا"

پھر آیت ۸ میں ہے:-

"اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا"

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں ہے کہ:-

وبرآں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ بحسنِ وضاحت تحریر نما	"اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو حُسن وضاحت سے لکھ"

اور ۱۸۴۵ء کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:-

وبراں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ رابخط روشن بنویس،	"اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو روشن خط میں لکھ"

اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ:-

"اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراۃ لکھی"

چنانچہ اسی باب کی بتیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے:-

درانجا تورات را براں سنگہا نقل نمود کہ آں را پیش روئی بنی اسرائیل بہ تحریر آورد۔	"اس جگہ موسیٰ کی تورات کو ان پتھروں پر نقل کیا، تاکہ اس کو بنی اسرائیل کے سامنے تحریر میں لاتے"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

درانجا براں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ راکہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت،	"اس جگہ ان پتھروں پر موسیٰ کی تورات کے نسخہ کو جو بنی اسرائیل کی موجودگی میں لکھا گیا تھا، لکھا"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو قربان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اُس کے لئے قربان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے بلفظ دیگر یہی بات ہے جو ہم نمبر ۴ میں بیان کرچکے ہیں،

نویں دلیل

پادری نورٹن کہتا ہے کہ:۔

"موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا"

اس دلیل سے اس کا مقصود یہ ہے کہ جب اُس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوئے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ:۔

"گذشتہ زمانہ میں لوگ لوہے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے اُن تختیوں کے عوض درخت پیپرس کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر پرگمس میں وصلی ایجاد کی گئی، اور آٹھویں صدی میں رُوئی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرھویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے"

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو نورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

دسویں دلیل

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس عیب سے بلند و بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۴۶، آیت ۱۵ میں ہے کہ:۔

پس یہ لیّا[1] کے وہ بیٹے ہیں جو اُس کے پیٹ سے نہر سوریہ کے درمیان پیدا ہوئے اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہٰذا اس کے کُل بیٹا بیٹی ملا کر ۳۳ نفوس تھے۔

اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صحیح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف اُن کے مشہور مفسّر ہارسلے نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ:۔

"اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا[2] کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سارا بنت آشیر منجملہ ۱۶ کے ایک ہے"

اسی طرح کتاب استثناء کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے۔"

یہ بھی غلط ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد فارض[3] تک

---

[1] یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے: "یہ سب یعقوب کے اُن بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدان ارام میں لیّا سے پیدا ہوئے، اسی کے بطن سے اس کی بیٹی دینہ تھی، یہاں تک تو اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا (پیدائش ۴۶: ۱۵) ۱۲

[2] یعنی لیّا کی اولاد بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں زلفہ (جو حضرت یعقوبؑ کی باندی تھیں) کی اولاد کا ذکر ہے جن کی تعداد ۱۶ بیان کی گئی ہے، یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک لڑکی سارا کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیّا کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے .... اس کے علاوہ خود تورات کے الفاظ یہ ہیں: "اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا" اس میں تصریح ہے کہ بیٹیوں کو شامل کیا گیا ہے ۱۲

[3] فارض حضرت داؤد کے نویں باپ (۱ تواریخ ۲: ۴ تا ۱۶) ۱۲ تقی

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارض ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب[1] ۳۸ میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں[2] پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و لوقا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہد نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی،

گنتی کے باب ۱ میں ہے کہ :-

"سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچسو پچاس تھا، پر لاوی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گنے گئے" (۱: ۴۵ تا ۴۷)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی، اور لاوی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جانے والے مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملالیں تو مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے

---

[1] آیات ۱۵ تا ۱۹ و ۲۷ تا ۲۹، ت

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں ہیں، جیسا کہ متی (۱: ۳) اور لوقا (۳: ۳۳) اور ۱۔ تواریخ (۲: ۳ تا ۱۴) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجوہ سے غلط ہے[1]،

پہلی وجہ بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت کُل ۷۰ تھی، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں اور سفر خروج باب ۱ آیت ۵ میں، اور سفر استثناء باب ۱۰ آیت ۲۲ میں موجود ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاہد[2] میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، ادھر سفر خروج باب ۱ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد، یعنی داخلۂ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت قیامِ مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کر لی جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دوگنے ہو جاتے تھے تب بھی

---

[1] چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، دینر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب کاتبوں اور فقیہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہو گئی ہو، جی ٹی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابلِ قبول قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں ہے (دا ئبل ہینڈ بک، کتاب استثناء) لیکن مصنفؒ نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص پانچویں وجہ کے) پیشِ نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، پھر یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیامِ مصر کے دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھائی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس وقت بڑھائی گئی، جبکہ کثرتِ تعداد ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۲ تقی

[2] کتاب ہذا، ص ۶۹۷ و ۶۹۸، سے آیت ۱۶،

اس عرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہونچ سکتے، چہ جائے کہ بیکیس لاکھ بن جائیں، اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا عقلاً ممتنع ہونا نہایت واضح ہے،

دوسری وجہ یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد اس سے بڑھکر اتنی زیادہ ہو جائے اور ان کے مقابل قبطی لوگ باوجود اپنے راحت وآرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا رہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلاوطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

تیسری وجہ سفر خروج باب ۱۲[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور گائے، بکری بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا[2] کو پار کرلیا تھا، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے[3] کوچ اور کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا[4]،

چوتھی وجہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو اُن کی اور اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کے اردگرد کا علاقہ، اسی طرح ایلیم[5] میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہوگئے؟

---

[1] آیت ۳۹ [2] $\frac{۵}{۱۹}$ [3] $\frac{۱۳}{۲۱}$ [4] $\frac{۱۴}{۱}$

[5] ایلیم Elim بحر احمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پاکر پڑاؤ ڈالا تھا، خروج $\frac{۱۵}{۲۷}$ ت

پانچویں وجہ کتاب استثنا، باب ۷، آیت ۲۲ میں ہے کہ:

"اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع کرے گا، تو ایک ہی دم اُن کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں"

اور مشہور یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً نوّے میل تھی، جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ اص ۱۰ مطبوعہ ۱۸۴۰ء شہر فانٹرین کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلّط اور قابض بھی ہو گئے تھے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے[1]، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے (جس کی پیمائش مذکور ہو چکی) کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ[2] میں اس تعداد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے اندر "جنگلی درندے بڑھکر تجھ پر حملہ کرنے لگیں" کے بجائے جنگلی درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں (لئلا یکثر علیک دواب البرّ) اور انگریزی "Lest the beasts of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر تمام لوگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی [illegible] نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو گا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے تو درندوں سے اُن کو کیسے خطرہ پیش آسکتا ہے؟ ۱۲ تقی

[2] صفحہ ۱۳ طبع بیروت ذکر مغالط المورخین۔ علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیئے ہیں جن میں سے ایک دلیل اہم یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایک صف کو دوسری صف کا علم نہ ہو سکیگا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ اُن پر بخت نصر کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، اُن کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا، ان کی سب سے بڑی تعداد قادسیہ کے موقع پر ایک لاکھ بیس ہزار تھی، پھر بنی اسرائیل کے لڑنے والوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ کیسے مان لی جائے؟ ۱۲ تقی

کہا ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیل میں صرف تین پشت[1] کا فاصلہ ہے، اور یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اُس تعداد کو پہونچ جائے،

لہٰذا اچھی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی مدت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہِ مصر اُن پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا کے اِردگرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلّط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کرلیا جائے تو ان کی تعداد فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اہلِ کتاب کے پاس اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، پھر جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر اُن کتابوں کو تسلیم کرنا واجب واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رَدّ کردینے کی پوری گنجائش ہے،

کتابِ یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتابِ یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آجتک

---

[1] سب نسخوں میں "ثلاثہ" کا لفظ ہے، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، "موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے"۔ تقی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جرہارڈ اور ڈیوڈ بیٹی ہیوٹ و ہیبر ٹک اور ٹاملائن اور ڈاکٹر کری کی رائے یہ ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فینحاس کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

وانٹل کہتا ہے کہ یہ سموئیل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیاء علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیاءؑ کے درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فصل ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اٹکل پچّو اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرائن اس کے پاس ایسے جمع ہوگئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صموئیل ثانی کے باب ۵

لہ انسائیکلوپیڈیا میں ہے "اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کا عینی شاہد ہے اور وہ شہر اڈیسّہ Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا" (برٹانیکا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

لہ فینحاس Phinehas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر گنتی ۲۵ : ۷، ۳۱ : ۶، زبور ۱۰۶ : ۳۰، یشوع ۲۲ : ۱۳، قضاۃ ۲۰ : ۲۸ میں آیا ہے ۱۲ تقی

آیت ۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[1]، اسی لئے تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہا ہے کہ "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[1]"

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب ۱۰ کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات[3] ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں تراجم میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسار اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

---

[1] اس لئے کہ سموئیل ۵: ۶ میں مذکور ہے کہ "یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوتے ہیں" اور کتاب سموئیل ۵: ۱ تا ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یبوسی یروشلیم میں بسے ہوئے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

[2] اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶: ۱۰ میں مذکور ہے کہ کنعانی "آج تک" جزر میں بسے ہوئے ہیں، اور ۱۔ سلاطین ۹: ۱۶ میں ہے کہ فرعون نے حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمانؑ سے پہلے لکھی گئی ہے، چنانچہ جی، ٹی، مینلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "۱۵: ۶۳ کا ۲ سموئیل ۵: ۶ اور ۱۶: ۱۰ کا ۱۔ سلاطین ۹: ۱۶ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رجعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی جا چکی تھی" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۶)

[3] ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے "کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟" اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سموئیل ۱: ۱۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تقی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے سوائے اس کے کہ سفر صموئیل ثانی، باب ۱ آیت ۱۸[1] سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بناء پر غالب قیاس یہی ہے کہ کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معتبر ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ[2] چند وجوہ سے باطل ہے،

پہلی اور دُوسری وجہ

پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

تیسری وجہ

اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر پڑیں گی، عیسائی علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے ملحقات[3] میں سے ہے، یہ دعویٰ

---

[1] اس میں بھی کتاب یاشر کا حوالہ دے کر ایک مرثیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ تقی

[2] یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲ ت،

[3] یعنی اصل کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھا دیں ۱۲ت

قطعی غلط اور بلادلیل ہے، اس لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابلِ سماعت نہیں، ہو سکتا، بلکہ یہ جملے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ یوشع کی تصنیف نہیں ہے،

چوتھی وجہ اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے :-

"اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو اُن کے گھرانوں کے مطابق میراث دی، اور اُن کی سرحد یہ تھی، یعزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک عروعیر تک جو ربہ کے سامنے ہے"۔

اور استثناء باب ۲ میں ہے کہ :

خُداوند نے مجھ سے کہا. . . اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو اُن کو مت ستانا، اور نہ اُن کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے"

پھر اسی باب میں ہے کہ :

"خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک"

غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے[1]؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یوشع اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو اُن کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

---

[1] کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰؑ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالے ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تقی

کتابُ القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فینحاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی[1]، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاءؑ کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزراؑ کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فینحاس کے درمیان ۹۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اٹکل پچو محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموئیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقہ[2] سے اُس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہوگئیں،

کتابِ راعوت کا حال

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ وہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزراؑ کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام مسیحی کہتے ہیں کہ یہ سموئیلؑ کی تصنیف[3] ہے،

---

[1] کیونکہ فینحاس اور حزقیاہ میں سے کوئی نبی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعیاہ علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین، ب ۱۸ و تواریخ ب ۳۲) ۱۲ ت

[2] ہماری کتب مقدسہ از میلی، ص ۱۷۹،

[3] ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۴، ۱۲ ت

کتاب کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ:۔

"بائبل کے مقدمہ میں جو سنہ ۱۸۱۹ء میں اسٹاربرگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتابِ راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے" یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

کتابِ نحمیا کا حال

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا کی تصنیف ہے، اتھانی شیس اور اپی فانیس[1]، کریز اسٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی، اسی طرح باب ۱۲ کی ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہوسکتیں[2]، اور نہ آیات کا کوئی بہترین ربط اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۲ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہوکر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

کتابِ ایوب

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سننے کے لائق ہے، اس کی حالت تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت نہایت بدتر ہے، اس میں چھبیس[24]

---

[1] St. Epiphanius (پ سنہ ۳۱۵ء م سنہ ۴۰۲ء) مشہور بشپ ہے، اور ایسے بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال پائی جاتی ہیں ۱۲ تقی

[2] کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو متکلم کا صیغہ تھا اسمیں نحمیا کیلئے غائب کا صیغہ ہے، اور نحمیا حاکم اور عزرا کاہن کے دنوں (۱۲: ۲۶)

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور ربّ[1] ثمانی ویز جو علماء یہود میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکائلس و لیکلرک اور سملر و استناک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقۂ پروٹسٹنٹ کا مقتدیٰ لوتھر کہتا ہے کہ "یہ کتاب[2] خالص افسانہ اور کہانی ہے"

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب بربناء قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ الیہو[3] کی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسّا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دعوے کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

کتاب زبور

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اور

---

[1] ربّ اور ربّی Ribbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۲

[2] سب نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جی ٹی مینلی لکھتا ہے "لوتھر کا خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ پر مبنی ہے" (ہماری کتب مقدسہ ص۲۰) اور چونکہ فرقۂ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ کتاب درست ہے۔ ہمیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہوسکی ۱۲ت

[3] الیہو Elihu ابن براکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱) اس کا ذکر ۱۔ سموئیل ۱:۱ میں بھی ہے ۱۲ تقی

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدماء مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کریزاسٹم، اگسٹائن، انبروس اور یوتھی میس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، ہلیری، اتھانی شیس جیروم، یوسی بیس[1] وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے،

ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر تمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ تا ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۷۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان[2] کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ ایتھان[3] کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۷۷ سلیمانؑ کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدوتھن[4] کی تصنیف ہیں، ۱۲ زبوریں اساف[5] کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۴، ۷۹ اس کی تصنیف

---

[1] Eusebius فلسطین کا بشپ تھا، ۲۶۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہوا، ۳۴۰ء میں انتقال ہوا ۱۲

[2] ہیمان ازراخی Heman the Ezrahite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا جیساکہ ۱ سلاطین ۴/۳۱ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ ت

[3] ایتان ازراخی، یہ بھی ہیمان کی طرح حکیم تھا، ۱ سلاطین ۴/۳۱ ۱۲

[4] اس کا نام اردو میں یدوتون Jeduthun ذکور ہوا ہے کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد کا ... تھا اس کا ذکر ۱ تواریخ ۱۶/۴۱ و ۲۵/۱ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۹، ۶۲ و ۷۷ ان کی طرف منسوب ہے ۱۲

[5] اس کا نام اردو میں آسف Asaph ہے، ... کی روایت ہے کہ ...

نہیں ہیں، اور ا۱ا زبوریں قورح کے تین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتھ کہتا ہو کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں[۱]

آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، آصف، ہیمان، جدوتھن، قورح کے تینوں بیٹے، داؤدؑ نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا اُن کے نزدیک داؤدؑ کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متأخرین علماء یہود اور جملہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، آصف، ہیمان، اتھان، جدوتھن، قورح کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤدؑ کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیاہ کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں

اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک الہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

---

[۱] ۴۲ تا ۴۹ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۷ ، ۱۲ تقی

تنبیہ زبور نمبر ۷۲، آیت نمبر ۲۰ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یوں ہے کہ "داؤد بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں" اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۷۱ ہے، جس کی وجہ مقدمہ[1] میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کردی گئی ہے[2]، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیساکہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہرصورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

امثالِ سلیمان

کتاب امثال سلیمانؑ کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱[3] بھی اس کا انکار کرتی ہے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جا سکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں سے پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایۃ ۲۹ حزقیاہ کے دوستوں نے جمع کئے تھے، جیساکہ باب نمبر ۲۵ کی آیت[4] نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدوین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

---

[1] صفحہ ۱۱ ج ۱ [2] عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۷۲، ہی میں موجود ہے ۱۲

[3] باب ۳۰ کا عنوان ہے "یاقہ کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں" اور باب ۳۱ کا عنوان ہے "لموایل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ماں نے اسے سکھائیں" ۱۲

[4] عنوان "یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی" ۲۵: ۱ ۱۲ ت

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں مفسر آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموئیل کا تصنیف کردہ ہے لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں صاحب کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نبوت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاساً کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموئیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ :-

"ہولڈن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموئیل، سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید اُن کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموئیل اور کتاب آجور الہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں"

اس میں یہ کہنا کہ شاید اُن کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ اُن کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو اُن کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہوگا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ او ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

لہ پادری مینلی لکھتے ہیں "ہمیں آجور اور لموئیل کے بارے میں جنھوں نے اُن کی تدوین کی کچھ بھی معلوم نہیں" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲ ت

اُس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ لموئیل سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب اُن کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی[1] زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتے

نیز باب ۳۱ کی نسبت یوں کہتا ہے،

"یہ باب یقینی طور پر سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتا"

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

"یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی"

باب ۳۰ آیت ۱ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

"این ست کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او برائے ایثیل بلکہ برائے ایثیل واوکال بر زبان آورد"

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

"کلمات آکور پسر یاقہ یعنی وحی کہ آں مرد بہ ایثیئل واوقال بیان کرد"

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اُس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس کو حذف کر دیا ہے اور ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

"ھذہ اقوال الجامع بن القای الرویا التی تکلم بھا الرجل الذی اللہ معہ واذا کان اللہ معہ ایدہ"

---

[1] Chaldee کسدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بائبل میں اسے "کسدی" زبان کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اُردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ :- یہ جامع کے اقوال ہیں جو اتقائی کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے

ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے "

ملاحظہ کیجئے عربی تراجم[2] کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت ۱ میں یوں ہے کہ :-

" مُوئیل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی[3] "

ہمارے بیان کو سمجھ لینے .... کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاہ، اشعیاء اور شاید عزرا نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

کتاب واعظ

جہاں تک کتاب واعظ کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور رب قمچی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیاء علیہ السلام کی

لہ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب قسم کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس سے اختلاف بہرحال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

لہ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ "کلام اجور بن متقیہ مسا، وحی ہذا الرجل الی ایثیئیل الی ایثیئیل واکال" اس میں "متقیہ" کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور "مسا" کا لفظ ان سے زائد ہے ۱۲

لہ یہ عربی عبارت کا ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم لکھ چکے ہیں ۱۲ تقی

تصنیف کردہ ہے، تالمود[1] کے علماء کہتے ہیں کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، کرد ٹمیس کہتا ہے کہ ایک شخص زردبابل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابی ہود ہے تصنیف کی تھی، مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بابل کی قید سے آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انتیوکس ایپی فینس[2] کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے بابل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو الہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

غزل الغزلات

اس کی حالت تو بہت ہی ابتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی تصنیف ہے یا ان کے کسی صاحب کی، ڈاکٹر کنی کاٹ اور بعض متاخرین کی رائے یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ ان کی وفات سے عرصہ دراز بعد لکھی گئی ہے، پادری تھیوڈور جو پانچویں صدی میں گذرا ہے، وہ اس کتاب کی اور کتاب ایوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سیمن اور لیکلرک اس کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وِشٹن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا بجانا ہے، کتب مقدسہ سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ کاسلی یو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

کتاب دانی ایل

تھیوڈوشن[3] کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

---

[1] تالمود Talmud یہودیوں کی مشہور کتاب جو ان کی عہد نامہ قدیم سے مستنبط احکام و تواریخ ہیں ۱۲

[2] دیکھئے حاشیہ صفحہ ۳۲۶، [3] تھیوڈوشن Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا، (بحوالہ کتاب مقدس)

باب ۱۳ و باب ۱۴ ابھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب[1] کرتا ہے،

کتاب آستر

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہو جو عزرا ؑ کے عہد سے سیمن کے زمانہ تک ہوئے ہیں۔

فلو یہودی[2] کا قول یہ ہو کہ یہ یہویاکین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع[3] کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ یہ عزرا کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ مردکے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب ۲ مقصد ۲ شاہد ۔ میں انشاء اللہ معلوم ہونگے۔

کتاب یرمیاہ

اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہوسکتا، اسی طرح باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہوسکتی، پہلی تو اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں کہا گیا ہے:-

"کلماتِ یرمیاہ تا بدیں جا اتمام پذیرفت"۔

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:- "کلمات یرمیاہ تا بدینجا ہست" ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ "یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا"[4]

---

[1] چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

[2] یہ یہودی علماء میں سے ہے جو ۲۰ ق م م ۵۰ء) اور ریوڈ کی کا معصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۱۲

[3] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہویاکین، یہویقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں، یہ بابل کی جلاوطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلاطین ۲۴/۸ و ۲۵/۲۷)

[4] مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ "یرمیاہ کی باتیں یہاں تک ہیں" چنانچہ باب ۵۲ کی پہلی آیت میں ہے "اسکی ماں کا نام حموطل تھا، جو لبناہی یرمیاہ کی بیٹی تھی" ظاہر ہو کہ یہ الفاظ خود حضرت ارمیاہ کے نہیں ہوسکتے ۱۲ ت

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی[1] زبان میں ہے اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے، مسیحی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ عزرا، یا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے"

ہورن جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ پر کہتا ہے کہ:۔

"یہ باب ارمیاہ کی وفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:۔

"اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب ۱۰ کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسدیوں کی زبان میں ہے"

پادری وینا کہتا ہے کہ:۔ "یہ آیت الحاقی ہے"

کتاب اشعیاء فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہوچکا ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:۔

"مشہور فاضل جرمنی اشٹاہلن کہتا ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

[1] کسدستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اسی قوم کا تھا۔

ابواب نمبر ۶۶ تک ان کی تصنیف نہیں ہے "

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب اُن کی تصنیف نہیں ہیں[1]

اناجیلِ اربعہ کی اصلیت

انجیل متی لوقا مرقس

آپ کو عنقریب مقصد ۳ شاہد ۸ میں معلوم ہوگا کہ قدماء مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہوگئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی اُن کے پاس موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہوسکا صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہوسکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر، میں آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

---

[1] یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ عہد قدیم کی کتابیں پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳۸ ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسیفس تقریباً ۱۰۰ء میں لکھتا ہے "ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں تمام ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں" (بحوالہ ہماری کتب مقدسہ از پادری مبلنی ص ۴۴) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور ان اڑتیس کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ "انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور نحمیاہ کو ملاکر ایک، روت اور قضاۃ کو ملاکر ایک، اور یرمیاہ اور نوحہ کو ملاکر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہوجاتی ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ انھیں ہدایت فرمائے ،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہوسکا، بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ "غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا" مگر بغیر دلیل اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے، بلکہ قابلِ رد ہے،

انسائیکلوپیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے درمیان تھی، لکھی گئی، لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے"

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:۔

"جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۲ کی بعض آیات میں شک تھا، اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی[1] کے نسخہ میں موجود نہ تھے۔"

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ ۷۰ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:۔

"اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے، جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک پائی جاتی ہے، اور کریسباخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا قائل ہے، ایک خالقِ خیر اور ایک خالقِ شر، اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اُسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تحریف کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اسی کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، (ملخص از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈنر وغیرہ) عربی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں "

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خارج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں "

اور کریباخ فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو اُن پر یقیناً حجت ہے۔

انجیلِ یوحنا مستند نہیں اُس کے دلائل

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف ہے، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اُس کی تردید کرتی ہیں

پہلی دلیل گذشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور اُن کے بعد تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں[1] کے اندر معلوم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد[۳] شاھد[۱۸] میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی، تاوقتیکہ اُس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو،

دُوسری دلیل اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:۔

"یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے "

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے، کہ "یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اُس کی شہادت" (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم (ہم جانتے ہیں) کے الفاظ صیغۂ متکلم کے ساتھ کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

تیسری دلیل

دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں آرینوس[1] جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ[2] کا شاگرد ہو موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سُنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ ارینوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سُنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

---

[1] ارینوس Irenaeus لیون کا مشہور بشپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً ۲۰۰ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ آج کل پایا جاتا ہو، (برٹانیکا) ۱۲

[2] پولیکارپ Polycarp سمرنہ کا مشہور بشپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا، اور ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں ۱۲ ت

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی یوس اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آرینوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے :-

"میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ کہ کاغذوں پر، اور عرصہ دراز سے میری پرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں"

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہو گی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ۱۱ کے جواب میں معلوم ہو گا کہ سلسس جو بت پرست مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیز[1] کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے :

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت دی اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر انہیں الحاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیز اس فرقہ کا بانی ہے (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈنر) ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیحؑ نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا۔ تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

چوتھی دلیل

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ۶ جلد، صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے :-

"استادلن[1] نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلاشک و شبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے"

ملاحظہ کیجئے استادلن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح برملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل

محقق برطشیندر کہتا ہے کہ:-

"یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے"

چھٹی دلیل

مشہور محقق کرویٹس کہتا ہے کہ:-

"اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افساس[2] کے گرجے نے اکیسواں باب، یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے"

---

[1] استادلن کا یہ قول مصنف نے ازالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈنر کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تقی

[2] غالباً افسس Ephesus مراد ہے ۱۲ تقی

ساتویں دلیل دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وجبین اس انجیل کے منکر تھے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل باب۲ مقصد۲ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب۸ کی ابتدائی ۱۱ آیات کا انکار جمہور علماء نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو اُن کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہٰذا سچی بات وہی ہے جو فاضل اسٹادلن اور برطشینڈر کہتے ہیں،

نویں دلیل اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلاسند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب۲ میں کہتا ہے کہ:-

"ہم کو مؤرخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آنیوالے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کرلیا، اور یہ سچی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت مدید گذر جانے کی وجہ سے اب اُن کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہوگیا ہے"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

"پہلی انجیل سنہ ۳۷ء یا سنہ ۳۸ء یا سنہ ۴۱ء یا سنہ ۴۳ء یا سنہ ۴۸ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء

میں تالیف کی گئی، دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں، اور غالب یہ ہے کہ ۶۰ء یا ۶۳ء میں تالیف ہوئی، تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی، چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں تالیف ہوئی"

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب کا رسالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۱ کے بعض جملوں کی نسبت حواریین کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے، اور بعض مذکورہ جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ عنقریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ میں کہتا ہے:۔

"سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ، یہودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، اور مشاہدات یوحنا، انجیل یوحنا کے باب ۸ آیت ۲ لغایۃ ۱۱، اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۱ باب ۵ آیت ۷ بھی موجود نہیں ہیں"

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس لئے حذف کیا کہ وہ اس کے نزدیک ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ پر کہتا ہے کہ:۔

"فرقۂ پروٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجرس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو جھوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا:۔

رسالہ عبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا"

ڈاکٹر بلس فرقۂ پروٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ:۔

"تمام کتابیں یوسی بیوس کے عہد تک واجب التسلیم نہیں ہیں"

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ:۔

"یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہودا کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں"

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"سرل اور اسی طرح اورشلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اُس نے لکھی تھی"

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے:۔

"مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اُس پر بارہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جسو نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالۂ یہودا اور مشاہدات یوحنا کو چھوڑ دیا ہے، یہی رائے دوسرے سریانیوں کی بھی ہے"

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

"روز نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانتے، اور پروفیسر ایوالڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہوسکتیں"

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۷ باب ۲۵ میں کہتا ہے :-

"ڈیونیسیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کر دیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھس نے کی ہے، مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہو سکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہو سکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہو، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے۔ شہر افسوس میں دو قبریں موجود ہیں، جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں

ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی

پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی

عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں نامانوس اسلوب استعمال کئے گئے

ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالۂ عامہ میں،

بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تمہید کے

شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب ۱ میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا[1]

ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب

ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے

بندے یوحنا پر ظاہر کی"

اور چوتھی آیت میں ہے کہ "یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام" آیت

نمبر ۹ میں ہے "میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر

میں تمہارا شریک ہوں"

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۸ میں لکھتا ہے کہ "میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور

دیکھتا تھا" ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو

ظاہر کیا ہے[2]

---

[1] یہ کتاب مکاشفہ باب اوّل آیت ۱ کی عبارت ہے ۱۲ تقی

[2] یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خطوں میں، مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحبِ انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تقی

"یہ جواب تو کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں، کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہو تاکہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو مشخص اور متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ "یوحنا بن زبدی" یا "یعقوب کا بھائی" یا "یوحنا اپنے رب کا محبوب مرید" وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت تمہارا بھائی" یا "تمہارا شریکِ غم" اور "شریکِ صبر" ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں"

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب ۳ باب ۳ میں تصریح کی ہے:-

"پطرس کا رسالہ ۱ سچا ہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتبِ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا، مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے رسالہ عبرانیہ کو خارج کر دیا ہے"

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

"اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہوداہ اور پطرس کا رسالہ ۲ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ انجیل والوں کے لکھے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمالِ پولس اور باشتر اور مشاہداتِ پطرس اور رسالہ برنبا اور وہ کتاب جس کا نام انستیتوشنِ حوارین ہے یہ سب جعلی اور فرضی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہداتِ یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار کرنا چاہئے"

نیز اپنی تاریخ کی کتاب ۶ باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے:۔

"وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ[1] نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے"

ارنیس بشپ لیس جو ۱۷۸ء میں گذرا ہے، اور ہپ پولیٹس جو ۲۲۰ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری نوتیس جو ۲۵۱ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین[2]، کارتھیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنبا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۲۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرن، کارتھیج کا لاٹھ پادری متوفی ۲۴۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا: اور سُریانی[3] گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکالیجر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے:

"خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

---

[1] CLEMENT OF ROME ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء ۱۲

[2] Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے موسوم کیا اور اسے عہد عتیق کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا (بائبل ہینڈ بک)

[3] تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴ ،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہودا کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گرجوں میں اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے"

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ :-

"کروٹیس کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہودا کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اورشلیم کا پندرھواں پادری تھا"

اور یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

"آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا، اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں"

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور فرضی ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کردی گئی ہے، اور شاید دو چار سطروں کی مقدار ان رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی، ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ :-

"اِس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کرکے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب کردیا ہے"

بالکل سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اوّل[1] میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

---

[1] کتاب ہذا، ص ۲۰۱ ج ۱

اور جن کو ناکس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا، پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی، جو کارتھیج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لی گئی ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اوّل تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو، اور باب ۱۰ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارتھیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب بارورخ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب المقابئین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا پھر تعجب ہے کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق اُن کے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا،

کتاب آستیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح .... مفید نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیروم کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابئین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کرلیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی،

دوسرے اس لئے کہ ہورن کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور واہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کرلیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہونچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کرلیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین و انتظامات ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے،

کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے

۱۔ یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آرہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرّف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیدیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲۔ کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آرجن نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کردیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن[1]

---

[1] تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی میں مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا، یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے ۱۲ ت

کا ترجمہ قبول کرلیا،

۳۔ ارس تیس کا رسالہ سولہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آرہا تھا، جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا،

۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی، پھر وہی سولہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دیدی گئی،

۶۔ عزرا کی کتاب ۳ کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتبِ مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس[1] میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کرلیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہوگیا ہوگا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہدِ عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہدِ عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آپ کو باب ۲ . . . کے مغالطہ ۲ کے جواب میں معلوم ہوجائیگی ؛

[1] کوڈکس CODEX انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریانوس کہلاتا ہے: ، برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے، (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۴ و ۳۵)،

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا[1]

پہلا اختلاف

جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف وصریح اختلاف[2] پائے گا،

دوسرا اختلاف

کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جاد کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے[3]،

---

[1] اس قسم میں مصنفؒ نے ۱۲۴ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں،

[2] ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

[3] دیکھئے صفحہ ۳۴۲ ج ۱ مع حاشیہ،

تیسرا اختلاف

کتاب تواریخ اوّل کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے اقرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہوگا[1]،

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف

کتاب تواریخ اول کے باب ۸ کی آیات ۲۹ تا ۳۸ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان ناموں کے بیان میں اختلاف[2] پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:-

"علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزراء کو دو کتابیں دستیاب ہوتی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کرسکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کردیا"

پانچواں اختلاف

سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:-

"یوآب[3] نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے"

---

[1] اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے،

[2] اختلاف کے لئے یہ تخصیص ملاحظہ فرمایئے، متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:۔ ۸ اور جدور اور اخیو اور زکر (۳۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یہونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور تاریع (۳۵)۔۔ ۹ اور جدور اور اخیو اور زکریاہ (۳۷) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن (۳۹) میکاہ کے بیٹے فیتون اور ملک اور تحریع (۴۱)۔

۸ اور آخز سے یہوعدہ پیدا ہوا (۳۶) نبعہ کا بیٹا رافعہ (۳۷)

۹ اور آخز سے یعیرہ پیدا ہوا (۴۲) نبعہ کا بیٹا رفایاہ (۴۳)

[3] یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا ۱۲

اس کے خلاف کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ:-

"یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ شمشیر زن مرد، اور یہوداکے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے"

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہوداکی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہوداکے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت پایا جاتا ہے،

چھٹا اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ:-

"سو جاد[1] نے داؤد کے پاس جاکر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا تیرے[2] ملک میں سات برس قحط رہے؟"

اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ:-

"یا تو قحط کے تین برس"

دیکھئے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے، اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

ساتواں اختلاف
۲۲ برس یا ۴۲ برس؟

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

"اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:-

"اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

---

[1] جاد علیہ السلام بقول توراۃ نبی تھے جنہیں غیب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲

[2] یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلّط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو اختیار کرو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک ستا سال قحط میں مبتلا رہے یا کچھ اور؟ ۱۲

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس[1] سال تھی، اور اخزیاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہوگیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:۔

"یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:۔

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے: چنانچہ اُس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۱ میں معلوم ہو جائے گا،

نواں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعترافِ تحریف

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت ۸ اور کتاب[2] ملوک من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت بڑا اختلاف[3] ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

لہ ۲۱/۲ میں ہے" وہ بتیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔"

ٹہ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے" کتاب تواریخ اول باب ۱۱ آیت ۱۱ " کیونکہ یہ عبارت اسی جگہ ہے

ٹہ سموئیل ۸/۲۳ میں یہ ہے" اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں، یعنی: تحکمونی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس نے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے" اور تواریخ ۱۱/۱۱ اس طرح ہے: "اور داؤد کے سورماؤں کا شمار یہ ہے یسوبعام بن حکمونی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پر اپنا بھالا چلایا اور ان کو ایک ہی وقت میں قتل کیا" اس میں چند در چند اختلاف محتاج تشریح نہیں ۱۲ تقی

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

"ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں تین زبردست تحریفیں کی گئی ہیں "

پس اس ایک ہی آیت میں تین اغلاط موجود ہیں،

دسواں اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ "داؤد علیہ السلام فلستیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا تابوت[1] لے کر آتے ہیں" اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۱۳ و ۱۴ میں[2] یہ تصریح موجود ہے کہ داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لاتے تھے،" حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں، لہٰذا ایک ضرور اُن میں غلط ہے،

گیارہواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۷ کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا یعنی ایک نر دوسرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں[3]،

مگر باب ۷ آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو[4]، غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

---

[1] باب ۵ میں فلسطیوں سے جہاد کا تذکرہ ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے،

[2] کتاب سموئیل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بعینہ وہی واقعہ باب ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۴ میں جہاد کا ذکر ہے،

[3] دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوحؑ کو حکم دیا تھا (۷: ۹)

[4] کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور اُنکی مادہ اور اُنمیں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور اُنکی مادہ اپنے ساتھ (۷: ۲)

بارہواں اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کردیا تھا؛ اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیرخوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا[1] تھا، اور نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندی بنالیا[2] تھا، اس کے برعکس کتاب قضاۃ کے باب ۶ سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک[3] تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اُن کے سامنے عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں ہے

اب غور فرمایئے کہ جب باشندگان مدین عہد موسوی میں فنا کردیئے گئے تھے، پھر اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہوگئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری اور غالب ہوگئے، اور سات سال تک اُن کو عاجز اور مغلوب رکھا۔

کیا مصریوں کے سب چوپائے مرگئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

کتاب خروج باب ۹ میں ہے[4]:-

"اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مرگئے

لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مرگئے تھے، پھر اسی باب[5] میں اس کے

---

[1] "اور جیسا خداوند نے موسیٰ . . . کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا" (۳۱ : ۷)

[2] "ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کرڈالو" (۳۱ : ۱۷)

[3] "اور مدیانیوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا" (۶ : ۲)، "سو اسرائیل مدیانیوں کے سبب سے نہایت خستہ حال ہوگئے" (۶ : ۶)

[4] آیت ۶،

[5] آیت ۲۰ و ۲۱،

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"سو فرعون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں نے اپنے نوکروں اور چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا"

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے:۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:۔

ساتویں مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی آرمینیا کے پہاڑوں[له] پر ٹھہر گئی، اور پانی دسویں مہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں"

ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب، پہاڑوں کی چوٹیاں دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آرمینیہ کے پہاڑوں پر کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶

سفر سموئیل ثانی کے باب۵ اور کتاب تواریخ اول کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم کلارک کی تفسیر جلد ۲ (بہ ذیل عبارت سموئیل) سے نقل کرتے ہیں:۔

له سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہمارے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں:۔ "اور ساتویں مہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی" (۸:۴)۔

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اوّل باب ۱۸
۱	داؤد نے جزیہ[1] کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے چھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	ھددعزر	۳	ھدرعزر
۴	ایک ہزار سات سو سوار	۴	ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار
۸	اور داؤد بادشاہ بطاہ اور بیروتی سے جو ھددعزر کے شہر تھے بہت سا پیتل لے آیا،	۸	اور ہدرعزر کے شہروں طبخت اور کون سے داؤد بہت سا پیتل لایا،
۱۰	یورام	۱۰	ھدورام
۱۲	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۳	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۷	ابی یاتر کا بیٹا اخیملک کاہن تھے، اور شرایاہ[2] منشی تھا،	۱۷	اور ابیملک بن ابیاتر کاہن تھے اور شوشا منشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں،

اختلاف ۲۷ تا ۳۲

کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب تواریخ اوّل کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے:-

[1] اظہار الحق کے سب نسخوں میں "جزیہ" کا لفظ ہے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں "دارالحکومت" کا لفظ مذکور ہے ۱۲

[2] اظہار الحق میں منقول الفاظ یہ ہیں "اخیملک سرایا الکاتب" جس کا مطلب یہ ہو کہ اخیملک اور شرایاہ دونوں منشی تھے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کئے ۱۲

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اوّل باب ۱۹
۱۶	اور ہدرعزر کی فوج کا سپہ سالار سوبک	۱۶	اور ہدرعزر کا سپہ سالار سوفک
۱۷	حِلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار دقتل کرڈالے)	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مارا،
۱۸	اور اُن کی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا۔	۱۸	اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں چھ اختلافات موجود ہیں،

۴۰ ہزار یا ۴ ہزار؟
اختلاف نمبر ۳۳

کتاب سلاطین اول باب ۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:۔

" اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے "

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:۔

" اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے "

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب تواریخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کرلیا[1]،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شروح کا پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:۔

" بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیشِ نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

---

[1] ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ۴ ہزار ہی کا لفظ ہے، "وکان لسلیمان اربعۃ آلاف مذود" انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے ۱۲

اعتراف کرلیں۔

لٹو، بیل یا ککڑیاں؟ اختلاف نمبر ۳۴

کتاب سلاطین اوّل کے باب ۷، آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف[1] موجود ہے،

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے :۔

"بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو تسلیم کرلیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بقریم بقیم کی جگہ استعمال ہوگیا ہو۔"

حالانکہ "بقریم" کے معنی بیل کے ہیں، اور "بقیم" کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کرلیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،

"یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے فرق پیدا ہوگیا ہے"

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا اختلاف نمبر ۳۵

کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت ۲ میں یوں ہے کہ :۔

"اور جب وہ (یعنی آخز) سلطنت کرنے لگا تو بیس برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی۔"

[1] ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک حوض کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے "اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد دسوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اُسے یعنی بڑے حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو دو قطاروں میں تھے، اور جب وہ ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے" (۲۴:۷) اور کتاب تواریخ میں ہے "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد دس ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں، یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اسی کے ساتھ ڈھالے گئے تھے" (۳:۴) یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے

اگلی ... ملاحظہ فرمایئے کہاں لٹو، کہاں بیل اور کہاں ککڑیاں؟ تقی

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہے:۔

"جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا"

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا[ل] جو عادت کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے، ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب ۱۶ کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:۔

"غالب یہ ہے کہ بجائے تیس کے بیس لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب ۱۸ آیت ۲ ملاحظہ کیجئے"

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶

اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:۔

"آخز بیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یروشلم میں سلطنت کی"

اور باب ۲۹ میں ہے:۔

"حزقیاہ پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہے،

اختلاف نمبر ۳۷، تحریف کا مشورہ

سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۳ کے

ل کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخز چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا، اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تفریق کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے :۔

"کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح بنادیا جائے"

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے[1]، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح بنا ڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے ؛

اڑتیسواں اختلاف
بعشا کا یہوداہ پر حملہ

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے :۔

"شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں سارے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس سلطنت کی"

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ :۔

"آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا"

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

[1] چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں "اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ھینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پزاوہ میں سے چلوایا الخ" بالکل یہی مفہوم کتاب تواریخ میں بھی ہو، صرف آخری جملہ خط کشیدہ، اس میں موجود نہیں۔

عبارت، کے بموجب بعشا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہو، اور آسا کی سلطنت کے چھتیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گذر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا یہوداہ پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے:۔ "ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے"

آدم کلارک جو ایک بڑے پائے کا مسیحی عالم ہے، کہتا ہے کہ:۔

"یہ سال، یعنی چھتیسواں[1] سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا سال ہے، جو یوربعام کے عہد میں ہوئی تھی"

بہرحال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۲۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ "تقسیم بادشاہت" کے بجائے "آسا کی بادشاہت" لکھا گیا۔

اُنتالیسواں اختلاف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:۔

"اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ نہ ہوئی"

یہ بھی سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۲ کے مخالف ہے جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف

سلاطین اول کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں[2] کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

---

[1] کیونکہ اس نے ۲۴ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد وہ بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶ سال ہوئے، اور سلاطین اول ہی میں ہو کہ "بعشا اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا" (۱۶/۶) "اور شاہ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال سے بعشا کا بیٹا ایلہ، ترضہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا" (۱۶/۸)

[2] تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۵۳ ج ۱، [3] "سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے" اور تواریخ میں ہو "تین ہزار چھ سو آدمی اُن کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے" ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بت یا تین ہزار مشکے اختلاف نمبر ۴۱

سلاطین اول کے باب ۷ آیت ۲۶ میں ہے:۔

"دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا"

اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ:۔

تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا[1]"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:۔

"دو ہزار بت دراں گنجد"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ:۔

"دو ہزار خم آب می گرفت"

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:

سہ ہزار بت دراں گنجید"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ "سہ ہزار خم آب گرفتہ نگاہ میداشت"

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قید سے رہا ہونیوالوں کی تعداد؟ اختلاف ۴۲

جو شخص کتاب عزرا کے باب ۲ کا مقابلہ کتاب نحمیا کے باب ۷ سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

---

[1] یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی" (۱۔ سلاطین ۷: ۲۶)، "اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی" (۲۔ تواریخ ۴: ۵)۔

سے قطع نظر بھی کر لیں، تب بھی ایک دوسری غلطی[1] دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں سے یروشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ افراد تھی، لیکن اگر ہم جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نواسی ہوتی ہے، اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مؤرخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسیفس[2] اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:۔

"جو لوگ بابل سے یروشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو باسٹھ افراد تھا"

ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ،

---

[1] اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے بیس اختلافات موجود ہیں، جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانیوالوں کی مردم شماری کی گئی ہے:۔

آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب ۲	آیت نمبر	الفاظ کتاب نحمیاہ باب ۷
۶	بنی پخت ..... دو ہزار آٹھ سو بارہ	۱۱	بنی پخت موآب ..... دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ
۸	بنی زتو، نو سو پینتالیس	۱۳	بنی زتو آٹھ سو پینتالیس
۱۲	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس
۱۵	بنی عدین، چار سو چون	۲۰	بنی عدین، چھ سو پچپن
۱۹	بنی حاشوم، دو سو تیئیس	۲۲	بنی حشوم، تین سو اٹھائیس
۲۸	بیت ایل اور عی کے لوگ، دو سو تیئیس	۳۲	بیت ایل اور عی کے لوگ، ایک سو تیئیس

[2] یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ لکھی ہے ۱۲

اس باب میں اور کتاب نحمیا کے باب میں کاتبوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوںؔ کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کردی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہوگیا"

اب آپ حضرات غور فرمائیں اُن کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز آن واحد میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ بیچارے جب عاجز ہوگئے تو انھوں نے ان بے گناہ کاتبوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحب ان دو بابوں میں غور کریں گے تو اغلاط اور اختلافات کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے ؟

ابیاہ کی ماں کون تھی؟ اختلاف ۴۳

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۲ میں شاہ ابیاہ کی ماں کے بارے میں ہے کہ :-

"اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبعی کی بیٹی تھی"

اور باب ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں معکہ ابی سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

لہ اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تقریباً بیس اختلافات موجود ہیں، غور فرمایئے کہ بہت سے حصوں کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

ؔ نیز ا۔سلاطین ۱۵: ۲ سے، اس میں ہے کہ "اس کی ماں کا نام معکہ تھا جو ابی سلوم کی بیٹی تھی ۱۲ ت

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام تمر تھا[1]،

اختلاف ۴۴

کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یروشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہوگئے اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یروشلیم پر نہیں ہوا[2]

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت میں یوں ہے کہ:۔
"اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر اُبھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گن"

اور تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان[3] تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

اختلاف ۴۶ تا ۵۱

جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ جو انجیل متی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا:۔

---

[1] "اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام تمر تھا"

[2] "اور یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں"

[3] "اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر اور داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے"

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی،[1]

دوسرا اختلاف | متی[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء واجداد داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی جلا وطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص،[4]

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شالتیئیل یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے،[5]

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ابیہود ہے، اور لوقا سے

---

[1] یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنھیں انجیل میں حضرت مریمؑ کا شوہر کہا گیا ہے "اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱:۱۶)، "یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳:۲۳)، عربی ترجموں میں "عیلی" کے بجائے "ھالی" ہے۔

[2] متی ۱:۶ [3] لوقا ۳:۳۱،

[4] چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معروف اشخاص ہیں،

[5] متی ۱:۱۲، لوقا ۳:۲۷،

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا[1]، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زروبابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اوّل کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابی ہود کا، لہٰذا اچھی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں[2]،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف

متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں، اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۴۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال، اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اکھارن[3]، کیسرو ہینس اور ڈیوٹ اور دیز اور فرش وغیرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

---

[1] متی ۱/۱۳ لوقا ۳/۲۷　　[2] دیکھئے صفحہ ۳۸۹ جلد ہذا، غلطی نمبر ۴۸،

[3] ایکھارن Eichhorn جرمنی کا مشہور پروٹسٹنٹ عالم ۱۲ ت

دوم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجیہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت عذر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۴۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ :-

"نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطان و پیچاں تھے۔ لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد یہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا"

بہرحال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پراگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۱ شاہد ۱۶[1] میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۶۳۴ ،

اور رؤسا کے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف نجار[1] کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے؟

اور جب تین معتبر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کو غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحبِ الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحبِ الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف نجار کے نسب کے سلسلہ میں مل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک ورق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے ورق کو پسند کر لیا،

مفسرِ مذکور کی یہ توقع کہ "زمانہ ضرور ایسا کرے گا" ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علومِ عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی وار میں باطل قرار دیدیا،

---

[1] یوسف نجار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصرہ میں بڑھئی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملتِ عیسوی کا مقتدائے اعظم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کردیا کہ وہ مکار و غدار رہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہوگیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجہ میں اصلاح کے بام عروج پر پہنچ گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہانیوں، اور واہیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیدیا، اب کسی دوسرے دَور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف کی توجیہہ، اور اس کا جواب

آجکل جو مشہور توجیہہ چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے متی نے یوسف کا نسب اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کردی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کرلیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے:

اوّل تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف نجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہو سکتا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیح مسیح نہیں ہوسکتے[1]، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہہ کو رَد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

---

[1] کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جارہی تھیں اُن کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۲

جو شخص مسیح کے نسب سے سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیحؑ کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے"

دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تواریخ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں، اور ناتن کی اولاد میں سے تھیں، اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلارک وغیرہ جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا رد کر رہا ہو، یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مضبوط دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح ہے کہ مریمؑ کے والدین کا نام یہویاقیم اور عانا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معاصر عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے، اور اس کا مؤلف قرن اولیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

"مریم علیہا السلام لاوی کی قوم سے تھیں"

یہ چیز اُن کے ناتن کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی میں ہے:-

"اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی" (گنتی ۳۶: ۸)

اور انجیل لوقا میں ہے:-

"زکریا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھی"

اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت زکریاؑ کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ بھی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریمؑ کے مزعومہ شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارونؑ کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں اُن کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے، اور غالباً یہ اہلِ تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جا سکے، اور یہودی لوگ اُن کے مسیح موعودؑ ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارونؑ کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعودؑ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے،

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامے گھڑ لئے، اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑنے والا دوسرے کی جعلسازی سے واقف نہ ہو سکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی ہوتیں تو یہ امر متقدمین سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکیک توجیہات نہ کرتے، جن کو متأخرین نے رد کیا، اور اُن پر لعنت ملامت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

"یعقوب[له] اکینسی تون یوسف"

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں:۔ "دیوس یوسف تو ہالی"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھ رہے ہیں،

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ واقعی یہودیوں کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں داخل کرلیا جاتا تھا اور اسے بیٹے کی جگہ لکھا جاتا تھا، مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہوسکی ہے، اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور مرد و د باطل استنباط ہمارے خلاف حجت نہیں ہوسکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ دار دل میں سے ہو، یا اس کا اُستاذ یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور رہو تو اس شخص کی نسبت اس کی جانب ہوسکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں امیر یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کا شاگرد یا فلاں صاحب کا مرید ہے

له یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ : "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱:۱۶) "یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳:۲۳)

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے، اور سلسلۂ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ اُن کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں مشہور یا معتبر نہ تھی

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ لوقا مسیح کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اگلے پچھلوں کو حیران بنا رکھا ہو، اور ایک دو حروف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دُور ہو سکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳

جو شخص انجیل متی کے باب ۲ کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں:۔

ولادت مسیح کے بعد حضرت مریمؑ کہاں رہیں؟

متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے والدین مسیح کی پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر[1] چلے گئے، اور ہیرودیس[2]

---

[1] "پس وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا" (متی ۲: ۲۱)

[2] ہیرودیس Herod the great یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زچگی کے دن پورے کرتے ہی یروشلم چلے گئے تھے، اور قربانی کی رسم ادا کر کے ناصرہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل[2] قیام رہا، البتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یروشلیم چلے جاتے تھے، ہاں مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت واطلاع کے بغیر عمر کے بارھویں سال میں یروشلیم میں تین روز قیام کیا[3]، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت اللحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر اُن کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصرہ میں ہو سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں اُن کی آمد بہت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ اُن کے والدین مصر آگئے ہوں، اور وہیں اُن کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہودا کے علاقہ سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟

متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یروشلیم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم[4] نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن[5] تھے،

---

[1] "پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہوگئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں" (لوقا ۲۲/۲)

[2] "اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پھر گئے (۳۹/۲) اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم جایا کرتے تھے" (۴۱/۲)، [3] لوقا ۲: ۴۲ تا ۵۱،

[4] باب ۲، آیت ۱ تا ۱۲،

[5] "ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اُسے ہلاک کرے" (۱۳/۲)

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زچگی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے یروشلیم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیحؑ کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیحؑ کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے[1]،

اسی طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلیم میں مسیحؑ کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلیم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیحؑ کا دشمن مانا جائے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیحؑ کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یروشلیم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، فاضل نورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

اختلاف ۵۶ انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیحؑ نے جماعت کو "وعظ تمثیلات"[3] کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

---

[1] ۲: ۲۵ تا ۳۲ [2] ۲: ۳۶ تا ۳۸

[3] "وعظ تمثیلات" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس وعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حقائق کو تمثیلات کے پیرایہ میں بیان فرمایا تھا، اور "پہاڑی وعظ" سے مراد وہ وعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ وعظ متی ۵، ۶، ۷، میں موجود ہے، تقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب ۸ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے "پہاڑی وعظ" کے بعد پیش آئے ہیں[1]، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے، لہٰذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا اُن کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی قرار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵

مرقس باب ۱۱ میں لکھتا ہے کہ مسیحؑ اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلیم پہونچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا[2]، اس کے برعکس متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گذشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جلد ۴ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۶ پر کہتا ہے:-

"ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی"

اختلاف ۵۶

متی باب ۸ میں "پہاڑی وعظ" کے بعد پہلے کوڑھی کو صحتیاب کرنے کا واقعہ لکھتا ہے[3]، پھر حضرت عیسیٰؑ کے کفرناحوم پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا[4]، پھر پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے[5]،

---

[1] باب ۸، آیت ۲۳ تا ۲۷،

[2] یروشلیم پہونچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۷ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہے، اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے [3] آیت ۲، [4] آیت ۱۳ [5] آیت ۱۶

اس کے برعکس یوحنا سب سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے، پھر باب ۳ میں کوڑھی کو شفاء دینا، پھر باب ۷ میں صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا بیان کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیاہ کون تھا؟
اختلاف ۵۷

یہودیوں نے کاہنوں اور لاوی کی اولاد کو یحییٰؑ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ "تو کون ہے؟" چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ "کیا تو ایلیاہ ہے؟" یحییٰؑ نے جواب دیا کہ "میں ایلیاہ نہیں ہوں"

جس کی تصریح انجیل یوحنا، باب ۱ میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول حضرت یحییٰؑ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

"اور چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے، اس نے جواب میں کہا کہ ایلیاہ البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا، تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے" (آیات ۱۰ تا ۱۳)

لہ (۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام شمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲

ٹہ آیت ۱۳، ٹہ آیت ۱۰، ٹہ آیت ۱۹ تا ۲۱،

ٹہ "فقیہ" اور "کاتب" سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲

ٹہ انجیل میں حضرت یحییٰؑ کا نام "یوحنا المعمد" مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یحییٰؑ ہی موعود ایلیا ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاریٰ کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے

اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰؑ مسیح موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہویقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو بارُوخ علیہ السلام نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا[1] جلا ڈالا، تو ارمیاہ علیہ السلام کی جانب یہ وحی آئی:

"اس لئے شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہیگا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے"

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۳۶ میں کیگئی ہے، حالانکہ مسیحؑ کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہے جیسا کہ لوقا نے حضرت جبرئیلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ "اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا"

دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہؑ کے آنے پر مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیا نہیں آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا ظا

---

[1] حضرت ارمیاہ علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بخت نصر کے عذاب کی پیشگوئی تھی، بادشاہ وقت یہویقیم نے جب اسے سنا تو اُسے جلا ڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول یوں نقل کیا ہے :-

"کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں "

اور تھسلنیکے والوں کے نام دوسرے خط کے باب۲ آیت ۹ میں پولس کا قول دجال کے حق میں مذکور ہے کہ :-

"جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ "

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو توریت کے حکم کے بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویدار تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے) اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہویقیم کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان سے پہلے ایلیاہ بھی نہیں آئے، جیسا کہ یحییٰؑ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں، اس کے خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ ماننے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات عقلاً

محال ہے کہ ایلیاہ خدا کا پیغمبر اور صاحبِ الہام ہو، اور خود اپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس لئے دوسری مقدمہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ ؑ نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ واجب القتل[1] ہوتے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور بالفرض اگران کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں ہو سکتے، چہ جائے کہ اُن کو دلیلِ نبوّت مانا جائے، لہٰذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی قصوروار نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہے جبکہ دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلمہ طور پر صاحبِ معجزات بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ خدا کے سچے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے، اس سلسلہ میں عیسائیوں نے اُن پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

اختلاف ۵۸ تا ۶۴ انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱، اور انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے:۔

[1] خاک بدہن گستاخ ۱۲

"دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا"

تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعوئی کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی[1] باب ۳ آیت ا سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے :-

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا"

دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اوّل تو لفظ "تیرے آگے" تینوں انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیاء علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے ملاخیاءؑ کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر متکلم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہورن اپنی تفسیر جلد ۲ میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

"مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے"

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

اختلاف ۶۴ تا ۶۷

انجیل متی باب ۲ کی آیت ۶، کتاب میکاہ کے باب ۵ آیت ۲[2] کی مخالف ہے اور کتاب اعمال الحوارئین کے باب ۲ کی ۴ آیات نمبر ۲۵ تا ۲۸، عربی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱۵ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے زبور نمبر ۱۶ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالف ہیں.......... اور عبرانیوں کے نام خط

---

[1] مگر مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ قول یسعیاہ نبی کی کتاب سے ماخوذ ہے (۱:۲) باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

[2] اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ،

[3] کتاب اعمال میں ہے "میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہے تاکہ مجھے جنبش نہ ہو اسی سبب سے میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا..... تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں" (۲: ۲۵ و ۲۸) اور زبور میں ہے "میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

باب ۱ کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی رُو سے) زبور نمبر ۳۹ یا دوسرے تراجم کے اعتبار سے، زبور نمبر ۴۰ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں[لہ]،

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں[لہ]، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں،

اختلاف ۶۸ | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۲ کی آیت ۹ میں ہے کہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ وہ میرا داہنا ہاتھ ہے اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب سے میرا دل خوش اور میری روح شادماں ہے، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا .... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا" (۱۶: ۸ تا ۱۱) خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

لہ عبرانیوں کے نام: "تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں" (۱۰: ۵ تا ۷) اور زبور میں ہے: "قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی ...... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہے، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے" (۴۰: ۶ تا ۸)

لہ کتاب اعمال: "میں پھر آکر داؤد کے گرے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کرکے اُسے کھڑا کردوں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں" اور عاموس: "میں اس روز داؤد کے گرے ہوئے مسکن کو کھڑا کرکے اس کے رخنوں کو بند کردوں گا، اور اس کے کھنڈر کی مرمت کرکے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کردوں گا، تاکہ وہ ادوم کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میرے نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں" (۹: ۱۱ و ۱۲) اختلاف ظاہر ہے،

"بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں، نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کردیں"

عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کیونکہ ابتدا ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے"

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں اور تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

اختلاف ۶۹

متی نے اپنی انجیل کے باب ۲۰ میں لکھا ہے کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا ہوا دیکھا اور اُن کو اندھے پن سے شفاء دی[1]"

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۰ میں یوں لکھا ہے:۔

"تو تمائی کا بیٹا برتمائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا"

پھر اُسے شفاء دینے کا واقعہ مذکور ہے،

اختلاف ۷۰

متی نے باب ۸ میں[2] لکھا ہے کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں کو شفاء دی"

[1] یہ آیات ۲۹ تا ۳۴ کا مفہوم ہے ۱۲ [2] آیت ۲۸

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب[1] ۸ میں لکھا ہے کہ:

"ان سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انہوں نے اس کو شفا دی"

اختلاف[2] ۱

متی نے باب[3] ۲۱ میں لکھا ہے کہ:

"عیسیٰ علیہ السلام نے دو شاگردوں کو گدھی اور اس کا بچہ لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے"

اور باقی ان تینوں انجیل[4] والوں نے لکھا ہے کہ:

"صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے"

اختلاف ۲

مرقس نے باب[5] اوّل میں لکھا ہے کہ:

"یحییٰ ٹڈیاں اور جنگلی کا شہد کھایا کرتے تھے"

اور متی باب[6] ۱۱ میں لکھا ہے کہ:

"وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے"

اختلاف ۳ تا ۵

جو شخص انجیل مرقس کے باب اور انجیل متی کے باب[7] ۴ اور انجیل یوحنا کے باب کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل[8] تین اختلافات نظر آئیں گے:

متی[9] اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

---

[1] مرقس ۵: ۲ و لوقا ۸: ۲۷، یاد رہے کہ اردو ترجموں میں "دیوانہ" کی بجائے "جس میں بدروحیں تھیں" کے الفاظ ہیں ۱۲ [2] آیت ۲، [3] مرقس ۱۱: ۱ تا ۱۰ و لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸ و یوحنا ۱۲: ۱۴، [4] آیت ۶، [5] آیت ۱۸ و ۱۹، [6] آیات ۱۸ تا ۲۲، [7] آیت ۱۶ تا ۲۰،

[8] یہاں سے اختلاف نمبر ۸ تک کسی جگہ اناجیل کی عبارتیں بعینہٖ نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اگرچہ وہ واوین کے درمیان ہوں،

"عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل کی جھیل کے کنارے ہوئی، مسیحؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیحؑ کی اتباع کی"

اور یوحنا[1] کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

"یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی"

(۲) متی اور مرقس کہتے ہیں کہ:۔

"پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جھیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب اور یوحنا اسی جھیل پر ملے"

اور یوحنا لکھتا ہے کہ:۔

"پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی... اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیح نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ کیا تو فیلپس آکر ملا، پھر اس کی ہدایت پر نتنی ایل حاضر ہوا[2]"

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

(۳) متی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ:۔

"مسیح جب اُن سے ملے ہیں تو یہ لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے"

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ:۔

"یوحنا اور اندراوس نے یحییٰؑ سے عیسیٰؑ کی تعریف سُنی اور دونوں خود مسیح کی خدمت

---

[1] آیات ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود رہنے کے وقت بیان کیا ہے،
[2] آیات ۴۲ تا ۵۱،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا "

لڑکی کو زندہ کیا یا شفار دی
اختلاف ۶۷

جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے باب ۵ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:۔

"رئیس مسیح کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مرگئی[1]"

دوسری انجیل کہتی ہے:۔

"وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب[2] ہے، پھر عیسیٰؑ اس کے ہمراہ گئے، پھر جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انھوں نے اس کے مرنے کی خبر دی[3]"

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ مجمل حال نہ لکھتا، لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا[4]

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت آج تک معمہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مرگئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندر اس کی موت کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مُردہ نظر آتی تھی،

---

[1] متی ۹: ۱۸، [2] مرقس ۵: ۲۳، [3] آیت ۳۵،

[4] لوقا ۸: ۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تقی

واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میشر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سورہی ہے[1] ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مُردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت اختلاف نمبر ۷۷

انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو اُن کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا[2]، انجیل مرقس باب ۶ آیت ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی[3]،

حضرت یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو کب پہچانا؟ اختلاف ۷۸،

انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-

"جب عیسیٰؑ یحییٰؑ کے پاس اصطباغ[4] کے لئے آئے تو یحییٰؑ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود آپ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰؑ نے اُن سے اصطباغ لیا، اور

---

[1] لوقا ۸ : ۵۳ و مرقس ۵ : ۳۹ ،

[2] "راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دو دو کرتے، نہ جوتیاں، نہ لاٹھی" (۱۰:۱۰)

[3] "راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو" (مرقس ۶:۸)

[4] اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہو کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں یا کسی رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دُھلتے ہیں، کوئی شخص نیا نیا عیسائی ہو تو اس کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو "بپتسمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۲ تقی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی "

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں[1] ہے کہ:۔

"یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے، اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے "

اور انجیل متی کے باب ۱۱ میں یوں ہے:۔

" اور یوحنا[2] نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنکر اپنے شاگردوں کی معرفت پچھوا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں "

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰؑ عیسیٰؑ کو نزولِ روح کے پہلے سے جانتے تھے[3] اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ روح سے پہلے بالکل واقف نہ تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو نہیں پہچانا[4]،

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں کی ایسی توجیہہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

---

[1] آیت ۳۲ و ۳۳،

[2] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲

[3] کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بنا پر انکار کیا ۱۲

[4] اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۱۲

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں کی ہے[1]، چونکہ توجیہہ مذکور رکمز ور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا، اس لئے میں نے تطویل کے اندیشہ سے اُسے یہاں ترک کر دیا۔

اختلاف ۷۹

انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:-

"میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں"

اور اسی انجیل کے باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-

"اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے"

اختلاف ۸۰

انجیل متی باب ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفا کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی[2]،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومیت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سور فینیقی تھی[3]،

حضرت عیسیٰؑ نے کتنوں کو شفا دی؟ اختلاف ۸۱

مرقس باب ۷ میں لکھا ہے:-

"عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا تھا جو بہرا اور گونگا تھا"[4]

اس کے برخلاف متی نے باب ۱۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ:-

---

[1] ص ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنفؒ نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،
[2] "اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ" (۱۵: ۲۲) [3] آیت ۲۶،
[4] آیات ۳۲ تا ۳۵ ، [5] آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

"ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹُنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور اُن کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے انھیں اچھا کر دیا۔"

انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ چوتھی انجیل والے نے اپنی انجیل کے آخر میں کیا[1] ہے کہ :۔

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔"

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پروازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ یہ لوگ عیسائیوں کے نزدیک صاحبِ الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیحؑ نے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا :۔

"تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا، وہ بہت دل گیر ہوئے، اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے، وہی مجھے پکڑوائے گا ..... یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی! کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا۔"

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

[1] یوحنا ۲۱ : ۲۵ ،

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوندا وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا۔"

اختلاف نمبر ۸۳ متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے ہوئے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ:-

"یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کر لینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کر لیا[1]"

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۱۸ میں اس طرح[2] ہے کہ:-

"پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی

---

[1] یہ آیت ۴۸ تا ۵۰ کا مفہوم ہے ۱۲ [2] آیات ۳ تا ۱۲ ۔

ہی ہوں، وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ تو چکا۔۔۔ کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جانے دو .... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا۔"

پطرس کا انکار
اختلاف نمبر ۸۴

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار[1] کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ سے اختلاف کر رہے ہیں۔

(۱) متی[2] اور مرقس[3] کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰؑ کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی روایت کے مطابق[4] ایک باندی، اور دو مرد تھے،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بروایت انجیل) گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا کہ تم مُرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچاننے سے انکار کروگے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرلیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی میں دیکھکر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہو، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰؑ کا ساتھی ہونے اور آپ کو پہچاننے سے انکار کیا، اتنے میں مُرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰؑ کی کہی ہوئی بات یاد آئی، مصنفؒ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں ۱۲ تقی

[2] ۲۶: ۶۹ تا ۷۵،

[3] مرقس ۱۴: ۶۶ تا ۷۲، میں مذکور ہو کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

[4] لوقا ۲۲: ۵۶ تا ۶۰،

(۲) پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس[۱] مکان کے صحن[۲] میں تھے، اور لوقا[۳] کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں[۴]، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر[۵]،

(۳) پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا[۵] جاتا ہے،

(۴) مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

(۵) متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا[۶]، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا[۷]،

(۶) پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے" اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف "میں نہیں ہوں" تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب "میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے" اور لوقا کے بیان کے موافق "اے عورت میں اس کو نہیں جانتا"

---

[۱] آیت ۶۹، [۲] آیت ۵۵، [۳] آیت ۶۶، [۴] یوحنا ۱۸: ۱۶، ۱۷،

[۵] یوحنا میں ہے کہ "کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟" ۱۸: ۱۷، لوقا میں ہے کہ لونڈی نے سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا" مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا "تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا"،

[۶] متی ۲۶: ۳۵ و لوقا ۲۲: ۳۴،

[۷] مرقس ۱۴، ۳۰،

(۷) متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا "میں اس آدمی کو نہیں جانتا" اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ "میں نہیں ہوں" اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق "میاں میں نہیں ہوں"

(۸) کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

اختلاف نمبر ۸۵ انجیل لوقا باب ۲۳[1] میں ہے کہ:-

"اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی[2] کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے"

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:-

"پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے"

اختلاف نمبر ۸۶ پہلی تینوں انجیلوں[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۶ بجے کے قریب صلیب پر تھے،

---

[1] آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۳۲ و مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھائے کھوپڑی کی جگہ تک گیا ۱۲ [2] قیروان شہر کی جانب منسوب ہے۔

[3] متی ۲۷: ۴۵ و مرقس ۱۵: ۳۳ و لوقا ۲۳: ۴۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھایا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر "چھ بجے" کے بجائے "دوپہر کے قریب" کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحنا[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطس[2] نبطی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸۷ متی اور مرقس[3] ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیح کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ:۔

"وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے۔"

لیکن لوقا کا بیان[4] یہ ہے کہ ایک نے مسیح کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلّا کر کہا

"اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا۔"[5]

پھر مسیح نے اس کو جواب دیا کہ:۔

"آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔"

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء کے مترجموں نے متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تثنیہ کو مفرد سے بدل دیا[6]، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

---

[1] یوحنا ۱۹: ۱۴ کے اردو ترجمہ میں بھی "چھٹے گھنٹے" کے الفاظ ہیں ۱۲

[2] پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۲

[3] متی ۲۷: ۴۴، مرقس ۱۵: ۳۲،

[4] ۲۳: ۴۲ و ۴۳،

[5] صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے جھڑک کر جواب دیا کہ "کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ" (۲۳: ۴۰)

[6] مگر موجودہ اردو ترجموں میں تثنیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اریحا سے روانہ ہوکر یروشلیم پہونچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۱ و ۱۲ [1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افرائیم سے چل کر بیت عنیاہ پہونچے جہاں پر رات گذاری پھر یروشلیم آئے،

حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ان اناجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مُردوں کو زندہ کیا، اوّل رئیس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلوں والے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مُردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۷ [2] میں نقل کرتا ہے تیسرا لعزر جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،

مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ [3] میں کہا گیا ہے کہ:-

"مسیح کو دُکھ اٹھانا ضرور ہے، اور سب سے پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا"

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:-

"مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پھل ہوا"

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ:-

"مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ"

---

[1] آیت ۵۴، [2] آیات ۱۱ تا ۱۵،

[3] آیات ۲۲ تا ۲۳، [4] آیت ۲۳،

اور کلسیوں کے نام پولس کے خط کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا، تاکہ سب مُردوں میں اس کا اول درجہ ہو"

یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اُٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب سے پہلے اُٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب سے مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ :- (۱) وہ مُردوں میں سب سے پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلوٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلوٹھا ہے اور مُردوں میں پہلا ہے،

اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے:

"اور یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا"

اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے،

"جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اُترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا، وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی" (آیات ۹ تا ۱۰)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں:

"ابر پراگندہ شدہ نابود می شود بہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخانہ اش دیگر بر نخواہد گردید و مکانش دیگر ویرا نخواہد شناخت"

ترجمہ "بادل پراگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پہچانے گی"

اور اسی کتاب کے باب ۱۴ آیت ۱۳ [1] میں ہے کہ:-

[1] کذا فی جمیع النسخ، صحیح ۱۲ ہے جیسا کہ مراجعت سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

"ویسے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے"

پھر آیت ۱۳ میں ہے:

"اگر آدمی مرجائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے:

"انسان یخوابد ونخواہد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواہد شد واز خواب برنخواہد برخاست"

ترجمہ:۔ "انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اُٹھے گا"

اور چودھویں آیت میں ہے:

"آدمی ہرگاہ بمیرد، آیا زندہ می شود؟" "جب آدمی مرجاتا ہو تو کیا وہ زندہ ہوتا ہو؟"

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ سے کبھی بھی مُردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۶۷ میں معلوم ہی ہو چکا ہے[1]،

نیز ایوب کے اقوال[2] سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسیحؑ کا مُردوں کے درمیان اُٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سُولی دیئے جانے کا واقعہ ان

---

[1] کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

[2] یہ بات قدرے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہو، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا ۱۲ تقی

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ محض الزامی طور پر کہا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جا چکا ہے،

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ زندہ ہونا، اختلاف ۹۰

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی اور دوسری مریم[1] جب قبر کے پاس پہونچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا، اور پتھر قبر سے لُڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ[3]،

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس پہونچیں تو دیکھا کہ پتھر لُڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا[4]،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہونچیں تو پتھر کو لُڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل ہوگئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہوگئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں[5]،

---

[1] یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیرو تھیں، اور بزعم نصاریٰ آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آئی تھیں،

[2] انھیں متی ۲۷: ۵۶ میں یوسیس کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۶: ۱ میں یعقوب کی ماں ۱۲

[3] پورے الفاظ "تم نہ ڈرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے" (۲۸: ۵ تا ۷)

[4] ۱۶: ۴ و ۵، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۲۸: ۵ سے ہم نے نقل کی ۱۲ [5] لوقا ۲۴: ۲ تا ۴،

اختلاف نمبر ۹۱

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے جب دونوں عورتوں کو خبر دی کہ مسیح زندہ ہوگیا ہے تو وہ دونوں واپس ہوئیں، اور راستہ میں اُن سے مسیح کی ملاقات ہوئی، مسیح نے اُن کو سلام کیا، اور کہا کہ تم جاؤ اور میرے بھائیوں کو کہدو کہ وہ گلیل چلے جائیں، وہاں مجھ کو دیکھ سکیں گے[1]،

اور لوقا کہتا ہے[2] کہ ان عورتوں نے جب دو شخصوں سے سُنا تو واپس ہوئیں اور گیارہ اشخاص اور تمام شاگردوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی، مگر انھوں نے ان عورتوں کے بیان کو سچّا نہیں مانا۔

اور یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کی ملاقات مریمؑ[3] سے قبر کے پاس ہوئی[4]،

ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟ اختلاف ۹۲

انجیل لوقا کے باب ۱۱[5] میں لکھا ہے کہ:۔

ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریاہ کے خون تک جو قربان گاہ اور مقدس کے بیچ میں ہلاک ہوا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے باز پُرس کی جائے گی۔

اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کے عوض ماخوذ نہ ہوگا[6]،

اسی طرح تورات کے اکثر مقامات میں لکھا ہے کہ اولاد تین یا چار پشتوں تک باپ دادا کے گناہوں کے عوض ماخوذ ہوگی۔

---

[1] ۲۸: ۸ تا ۱۰ ، [2] ۲۴: ۹ ، [3] یعنی مگدلینی ، [4] یوحنا ۲۰: ۱۳ تا ۱۵ ،
[5] آیت ۵۱ ، [6] "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

اختلاف نمبر ۹۳

تمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ:۔

"یہ ہمارے منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں"[1]

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ:۔

"اسی سبب سے خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب سزا پائیں"

ملاحظہ کیجئے، پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی ہے کہ خدا اُن پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس پر اُن کو سزا دے گا، حالانکہ پروٹسٹنٹ کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے گمراہ کرنا، پھر اُن کو سزا دینا تمہارے نزدیک نجات اور معرفتِ حق حاصل کرنے کی کوئی قسم ہے[2]؟

پولس کے عیسائی ہونے کا واقعہ

اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

کتاب الاعمال کے باب ۹ و باب ۲۲ و باب ۲۶ میں پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے[3]، اور تینوں ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

---

[1] یعنی انسانوں کو سنجیدگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گذارنا (آیت ۲)

[2] یہاں مصنف خاص طور سے علماءِ پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالقِ شر نہیں مانتے اور رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے،

[3] اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نور اس پر چمکا، اور اُسے حضرت مسیح کی

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:۔

۱۔ باب[1] ۹ میں ہے کہ:۔

"جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے"

اور باب[2] ۲۲ میں یوں ہے کہ:۔

"اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی"

دیکھئے پہلی عبارت میں "آواز تو سنتے تھے" اور دوسری میں "آواز نہ سنی"۔ دونوں کس قدر مختلف ہیں؟

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:۔

"اُٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا"

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:۔

"خداوند نے مجھ سے کہا اُٹھکر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے مقرر ہوا ہی وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا"

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:۔

"اُٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو اُن کی آنکھیں

---

[1] آیت ۷،　[2] آیت ۹،

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہوکر میراث پائیں ،

دیکھئے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی تفصیل و توضیح کو شہر میں پہونچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳- پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے[لے]، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تیئیس ہزار یا چوبیس ہزار؟ اختلاف نمبر ۹۷،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-

"اور ہم حرامکاری نہ کریں جس طرح ان میں سے بعض نے کی[لے]، اور ایک ہی دن میں تیئیس ہزار مارے گئے "

اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ :-

"جتنے اس وبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا "

لے "جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ" (اعمال ۲۶: ۱۴)

لے بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شطیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے ان میں کے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تقی

دونوں میں ایک ، زار کا تفاوت ہے ۔ اس لئے ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے ،

حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد ، اختلاف نمبر ۹۸

کتاب الاعمال کے باب ۷ آیت ۱۴ میں ہے کہ :-

" پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور سارے کنبہ کو جو پچھتر جانیں تھیں بُلا بھیجا "

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اُس بُلا بھیجنے سے قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں ، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور ان کی اولاد کے باقی خاندانِ یعقوبؑ کی ہے ،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲۷ میں ہے کہ :-

" سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے ، وہ سب مل کر ستر ہوئے "

اور یوسفؑ اور اُن کے بیٹے ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد میں داخل ہیں ، لیا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶ ، اور راحیل کی ۱۱ ، بلہا کی ۷ ، اولاد یہ کُل ۶۶ افراد تھے ، پھر جب اُن کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور اُن کے دونوں بیٹوں کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے ۔

امن و سلامتی یا جنگ و پیکار ؟ اختلاف نمبر ۹۹

انجیل متی کے باب ۵ آیت ۹ میں یوں ہے کہ :-

" مبارک[1] ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں ، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے "

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ :-

---

[1] عربی ترجمہ میں " طوبیٰ لہم " کے الفاظ ہیں ، جس کے معنی " مبارک ہیں " کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انھیں جنت ملے گی " ۱۲

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں"

ملاحظہ کیجیے، دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰؑ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذاللہ اور نہ ان کو ابن اللہ کہا جائے،

یہوداہ اسکریوتی کی موت اختلاف نمبر ۱۰۰

متی نے یہوداہ اسکریوتی[1] کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور لوقا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اوّل تو یہ کہ پہلے[2] میں تصریح کی گئی ہے کہ "اس نے جاکر اپنے آپ کو پھانسی دی" دوسرے میں یہ بات[3] صاف طور پر کہی گئی ہے کہ "وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں"

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا[4]،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک، جس نے (بقول انجیل) آخر میں غداری کر کے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰؑ کو پکڑوایا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نادم ہو کر وہ تیس روپے سرداروں کو واپس کر دیئے تھے، (تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۱۶ و ۴۱۷ جلد ہذا)،

[2] متی ۲۷: ۵ [3] اعمال ۱: ۱۸،

[4] "سردار کاہنوں نے روپیہ لیکر کہا ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے، پس انہوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنیکے لئے خریدا" (متی ۲۷: ۶ و ۷)

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کھیت خریدا تھا[1]۔ مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ :

"اور یہ یروشلم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے[2]، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں :-

(۱) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہوداہ موت سے پہلے اس بات پر نادم ہوا کہ اس نے کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰؑ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

(۲) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہوداہ نے تیس دراہم کاہنوں کے سرداروں اور بوڑھوں کو واپس کر دیئے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلاطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلاطس کے عبادت خانہ

---

[1] "اُس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا" (اعمال ۱ : ۱۸)

[2] عیسائیوں کے ممتاز عالم اے. لیوکن ولیمز A. Lukyn Williams نے یہوداہ اسکریوتی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو راجح قرار دیا۔ دوسرے اختلاف کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ "متی ۲۷ : ۵ اور اعمال ۱ : ۱۸ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہوداہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے"۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۱۹۸، جلد ۱۳ مقالہ Judas Iscariot

میں عیسیٰؑ کے سلسلہ میں شکایتیں کیا کرتے تھے، مگر وہ عبادت خانہ میں موجود نہ تھے،

③ عبارت کا سیاق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دوسری اور گیارہویں آیت کے درمیان بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہے،

④ یہوداہ کی موت اس رات کی صبح کو واقع ہوئی جس میں عیسیٰؑ کو قید کیا گیا، اور یہ بات نہایت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی قلیل مدت میں اپنے فعل پر نادم بھی ہو جائے اور اپنا گلا گھونٹ لے، کیونکہ اس کو گرفتار کرانے سے پہلے معلوم تھا کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کر دیں گے۔

⑤ اس میں آیت ۹ کے اندر صریح غلطی موجود ہے، جیسا کہ آپ کو تفصیل سے باب[۱] ۲ میں معلوم ہوگا،

کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱

یوحنا کے پہلے عام خط باب ۲ آیت ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"یسوع مسیح راست باز اور وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی"

اس کے برعکس سفر امثال[۲] باب ۲۱ آیت ۱۸ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نیکوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں،

اختلاف نمبر ۱۰۲

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۸ سے اور باب ۸ آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی نہایت کمزور عیب دار

---

[۱] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۷۰، مقصد ۲، شاہد نمبر ۲۸،

[۲] "شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغاباز راستبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا" (۲۱: ۱۸)

اور غیر مفید ہے[1]، اور زبور نمبر ۱۸[2] کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے عیب اور سچی ہے[3]،

اختلاف نمبر ۱۰۳

انجیل مرقس کے باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں[4] جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں[5]" اور یوحنا کی انجیل کے باب ۲۰[11] سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تاریکی موجود تھی اور آنے والی عورت صرف ایک تھی[6].

صلیب پر لٹکائے ہوئے اعلان کی عبارت، اختلاف نمبر ۱۰۴

وہ عنوان جو پیلاطس نے لکھ کر صلیب کے اوپر رکھا تھا، چاروں انجیلوں میں مختلف ہے پہلی انجیل میں[7] اس کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں "یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے" دوسری[8] انجیل میں صرف "یہودیوں کا بادشاہ" تیسری[9] میں "یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔ اور چوتھی[10] میں ہے کہ "یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ"

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی اور معمولی بات بھی ان انجیل والوں کو محفوظ اور یاد نہ رہ سکی، پھر ایسی شکل میں لمبی اور طویل خبروں کی نسبت ان کی یادداشت

---

[1] خط کی عبارت یہ ہے کہ "غرض پہلا حکم کمزور اور بیفائدہ ہونیکے سبب منسوخ ہو گیا"

[2] سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت زبور نمبر ۱۹ میں ملی ہے، زبور کی ترتیب میں چونکہ کافی گڑبڑ واقع ہوئی ہے، اس لئے شاید مصنفؒ کے نسخہ میں یہ زبور نمبر ۱۸ ہوگا واللہ اعلم ۱۲

[3] خداوند کی شریعت کامل ہے وہ جان کو بحال کرتی ہے، خداوند کی شہادت برحق ہے، نادان کو دانش بخشتی ہے، خداوند کے قوانین راست ہیں" (۱۹: ۷، ۸) یہ عبارت عبرانیوں ۷: ۱۹ کے اس لئے بھی مخالف ہے کہ اس میں ہے؛ "شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا" ۱۲

[4] یعنی مریم مگدلینی وغیرہ، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر اختلاف نمبر ۹۰ میں گذرا ۱۲ [5] (۱۶: ۲)

[6] "مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی" (۲۰: ۱)

[7] متی ۲۷: ۳۷، [8] مرقس ۱۵: ۲۶، [9] لوقا ۲۳: ۳۸، [10] یوحنا ۱۹: ۱۹،

پر کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

حضرت یحییٰؑ کی گرفتاری کا سبب

اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا،[1] ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیاس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔[2]

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیاس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰؑ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰؑ سے اپنی بدکاریوں کی بناء پر نالاں اور ناراض تھا،[3]

بارہ حواریوں کے نام

اختلاف نمبر ۱۰۶

متی، مرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں اتفاق رائے رکھتے ہیں،۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدی، یوحنا، فلپس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن حلفی شمعون قنانی، یہوداہ اسکریوتی، لیکن بارھویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

---

[1] "ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے بچائے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سنکر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا" (۶: ۲۰)

[2] ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرا دیا (دیکھئے مرقس ۶: ۱۷)

[3] "اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں الخ" (۳: ۱۹)

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور لقب تدادس تھا[1]، مرقس، تدادس بیان کرتا ہے[2]، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی[3]،

اختلاف نمبر ۱۰۷

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰؑ نے اس سے کہا:-

"میرے پیچھے ہولے، وہ اٹھکر اس کے پیچھے ہولیا"

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقلین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل باب[4] ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب[5] ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب[6] ۵ میں صرف لاوی بغیر ولدیت کے مذکور ہے، اور ان سے اگلے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں سب نے متی کا نام ذکر کیا ہے[7]، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

اعظم الحواریینؑ یا شیطانؑ؟ اختلاف نمبر ۱۰۸

متی نے اپنی انجیل کے باب[8] ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے پطرس کو اعظم الحواریین[9] قرار دیا، اس طرح کہ اس سے فرمایا:

لہ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف "تدی" مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)

کہ اردو ترجمہ میں تدی مذکور ہے (مرقس ۳: ۱۸) سے عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے (لوقا ۶: ۱۶) اعمال ۱: ۱۳ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، کہ متی ۹: ۹، ھ مرقس ۲: ۱۴، لہ لوقا ۵: ۲۷،

کہ یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے "اور متی محصول لینے والا" اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲ ۸ھ آیت ۱۸ و ۱۹،

۹ھ چنانچہ رومن کیتھولک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اُسے تسلیم نہیں کرتا ۱۲ تقی

"میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور عالم واح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا"

پھر آگے اسی باب[1] میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰؑ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:۔

"اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"

علماء پروٹسٹنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال پطرس کی مذمت میں نقل کئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی بیماری تھی، اور اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا، آگسٹائن کہتا ہے کہ:۔

"یہ شخص ثابت قدم اور پختہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا"

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا ہے اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن ہے جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پا سکیں؟

اختلاف نمبر ۱۰۹ لوقا نے اپنی انجیل کے باب[2] ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اور یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:

"اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں[3] بھسم کر دے"

اس پر حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ:

---

[1] آیت ۲۳ . [2] آیت ۵۴ تا ۵۶ ، [3] یعنی سامرہ کے باشندوں کو ۲

"تم نہیں جانتے کہ تم کیسی رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا"[۱]

لیکن پھر باب ۱۲[۲] میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے:۔

"میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا"

اختلاف نمبر ۱۱۰

متی و مرقس اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰ پر روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ بیان کرنے میں تینوں کا اختلاف ہے،

پہلا کہتا ہے[۳] کہ:۔ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"

دوسرا کہتا ہے[۴] کہ:۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے جس[۵] سے میں خوش ہوں"

تیسرا کہتا ہے[۶] کہ:۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں"

اختلاف نمبر ۱۱۱

متی[۷] کے باب ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے درخواست کی تھی کہ:۔

"میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب اپنی بادشاہت میں جگہ دیں"

۱؎ آیت ۴۹ ، ۲؎ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۴، جلد ہذا، اختلاف ۱۱۹

۳؎ متی ۳: ۱۰ ، ۴؎ مرقس ۱: ۱۱ ،

۵؎ یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے بالکل مطابق ہے ۱۲

۶؎ لوقا ۳: ۲۲

۷؎ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ ... متی ۲۰: ۲۰)

اور مرقس نے باب ۱۰ میں نقل کیا ہے کہ یہ درخواست خود زبدی کے بیٹوں نے کی تھی[1]

انجیر کے سوکھنے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۱۲،

متی نے باب ۲۱[2] میں حضرت عیسیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ

"اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا، اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پاکر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا، شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا، اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا؟"

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب ۱۱[3] میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

"اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا"

اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلیم تشریف لے گئے، اور جب شام ہوئی تو شہر سے باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گذر دوبارہ اس درخت پر سے ہوا تو:

"اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے"[4]

اس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور فرمائیے دونوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت کا پھل بغیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے سراسر

---

[1] زبدی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آکر کہا الخ (مرقس ۱۰: ۳۵)

[2] آیات ۱۸ تا ۲۰، [3] آیات ۱۳ و ۱۴، [4] آیات ۲۰، ۲۱،

مالک کو نقصان دینا مقصود ہو، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات بھی بعید از عقل ہو کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جائے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جائے، بلکہ شان اعجاز کا مقتضیٰ تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعاء کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیحؑ خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انگور والے کی مثال
اختلاف نمبر ۱۱۳

انجیل متی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال[1] بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:-

"پس جب تاکستان کا مالک آجائے گا تو اُن باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں[2]"

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب[3] ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

---

[1] یہ مثال حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہو کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ (تاکستان) لگایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر چلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اُس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اُسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳ تا ۳۹)

[2] آیت ۴۰ و ۴۱، [3] (۲۰: ۱۶)

"اب تاکستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کرے گا اور تاکستان اوروں کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سنکر کہا، خدا نہ کرے"

ان دونوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آرہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک ان کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف کہا گیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا[1]،

حضرت مسیح کے سر پر عطر ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۴

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ[2] جس نے مسیح پر خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے:۔

① مرقس[3] نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عید فسح[4] سے ....

---

[1] عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا حاشا"

[2] واقعہ انجیل متی کی رو سے مختصراً یہ ہو کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰؑ بیت عنیاہ میں کھانا کھارہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لاکر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، ورنہ غریبوں کے کام آسکتا تھا، حضرت مسیحؑ نے سنکر انھیں تنبیہ کی کہ غربا، تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۶ تا ۱۳)

[3] نیز متی (آیت ۲)

[4] عید فسح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نیسان (اپریل) کی چودھویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فسح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے "عید فسح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵، ۸ اور گنتی ۲۸: ۱۶، ۲۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں ۱۲ تقی

دو روز قبل کا ہے[1]، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے[2]، متی عید[3] سے قبل کی مدت بیان کرنے سے خاموش ہے،

(۲) مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرص کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان[4] ذکر کرتا ہے،

(۳) متی اور[5] مرقس خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں[6] کا ذکر کرتا ہے،

(۴) مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ[7] تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہودا تھا[8]،

(۵) یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سو سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

(۶) تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

---

[1] مرقس ۱۴:۱،

[2] "پھر یسوع فسح سے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا" (یوحنا ۱۲:۱)

[3] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲۶:۲) شاید مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

[4] بائبل میں اگرچہ لعزر کا مکان مذکور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

[5] متی ۲۶:۸، مرقس ۱۴:۴،

[6] "یسوع کے پاؤں پر ڈالا" (یوحنا ۱۲:۳)

[7] "بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے" (۱۴:۴)

[8] یعنی اسکر یوتی (۱۲:۴)،

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید[1] ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوتِ طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معترضین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰ ؑ سے اس عورت کے فعل کی درستی، اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰ ؑ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

عشائے ربانی کا واقعہ اختلاف نمبر ۱۱۵،

جو شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی[2] کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

---

[1] یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

[2] عشاء ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہے کہ گرفتاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰ ؑ اپنے حواریوں کے ساتھ، ان کا کھانا کھا رہے تھے، کہ آپ نے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ "یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی برصفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے۔

(۱) لوقا دو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس[1] کے بعد، اور متی و مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً متی اور مرقس کا بیان درست اور لوقا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر خصوصیت کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے کہ ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پروٹسٹنٹ فرقہ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہو کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہو کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے اُن کے نزدیک عقیدۂ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہو کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہو کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا (یوحنا ۶: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کرکے کھاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہو کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہو جب کوئی پادری "عشائے ربانی" دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "ہاکیست کارپس میم" یعنی "یہ میرا بدن ہو" تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہو، اور انگور کا رس مسیح کا خون بنجاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں ہوتا ــــــ اس عمل کو "عشائے ربانی" کا نام پولس نے دیا ہے، جیسا کہ ا کرنتھیوں ۱۱: ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے، یہ تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ Eucharist اور پادری ایچ، ایس ٹرنبٹ کی کتاب "حقائق بائبل وبدعات روم" صفحہ ۷۱ و ۸۰ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲ سے صفحہ ۸۹۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

[1] کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے الخ (۲۲: ۲۰)

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پیالہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہٰذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر کل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم[1] کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفاء کر لیا؟

(۲) لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰؑ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا[2] مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰؑ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا[3]، اور متی کی روایت[4] کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عیسیٰؑ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہے، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہائے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اُسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶

انجیل متی باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-
"وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکڑا ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے"

---

[1] یعنی صرف ایک پیالہ سے "عشائے ربانی" کیوں مناتے ہیں، دو سے کیوں نہیں مناتے؟

[2] "یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے" (لوقا ۲۲: ۱۹)

[3] "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے" (مرقس ۱۴: ۲۴)

[4] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں "عہد کا خون ہے" کے الفاظ ہیں، مصنفؒ کے نسخہ میں صرف "عہد"

بقیہ

اسی انجیل کے باب ۱۱ میں یوں ہے کہ

"میرا جُوا اپنے اوپر اٹھا لو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میں حلیم ہے، اور میرا بوجھ ہلکا[1]"

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو[2]،

اختلاف نمبر ۱۱۷ انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے کہ ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے مقدس شہر میں لے گیا، اور انھیں ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[3]، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفر ناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل کے پاس تھا[4]،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب ۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ[5] پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[6]، اور حضرت عیسیٰ م گلیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم دینے لگے[7]، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی[8]،

---

[1] آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے ۱۲

[2] کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرما رہے ہیں، لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد دنیوی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰؑ اخروی طور کے آسانی کو تسلی دے رہے ہیں ۱۲ تقی

[3] آیت ۵، [4] آیت ۸، [5] آیت ۱۲، [6] آیت ۵، [7] آیت ۹،

[8] آیت ۱۳ تا ۱۵ [9] آیت ۱۶،

صوبہ دار کے غلام کو شفاء دینے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۸

انجیل متی کے باب ۸ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صوبہ دار بذات خود مسیح کے پاس آیا اور یہ کہکر اپنے غلام کی شفاء کے لئے درخواست کی :-

"اے خداوند! میں اس لائق نہیں ہوں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، بلکہ صرف زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا"[1]

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ :-

"جیسا[2] تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہوا، اور اسی گھڑی خادم نے شفاء پائی"

اور لوقا کی انجیل باب ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کبھی نہیں آیا، بلکہ اس نے یہودیوں کے بزرگوں[3] کو آپ کے پاس بھیجا، پھر مسیح اُن کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب گھر کے نزدیک پہنچے تو :-

"صوبہ دار نے بعض دوستوں کی معرفت یہ کہلا بھیجا کہ اے خداوند! تکلیف نہ کر، کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، اسی سبب سے میں نے اپنے آپ کو بھی تیرے پاس آنے کے لائق نہ سمجھا، بلکہ زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا"[4]

پھر یسوع نے اس کی تعریف کی، اور جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ گھر واپس ہوئے تو انھوں نے بیمار غلام کو تندرست پایا،

تجلی کا واقعہ، اختلاف ۱۱۹

متی نے باب ۸ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک فقیہہ کی یہ درخواست نقل کی ہے کہ

---

[1] آیت ۸، [2] آیت ۱۳، [3] آیت ۳، [4] آیت ۶ تا ۸،

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں[۱]، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی[۲] کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور راہ زیست طلبی اپنی انجیل کے باب ۹[۳] میں تجلی کے واقعہ[۴] کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

پاگل گونگے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۲۰

متی نے باب ۹[۵] میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے[۶]۔ پھر باب ۱۰ میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماروں کو شفاء دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا پہلے باب ۹ میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ[۷] پھر تجلی کا قصہ[۸]، پھر اس باب میں اور باب ۱۰ میں اور باب ۱۱ کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے[۹]،

---

۱ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرنیوں کے ملک میں تشریف لیجارہے تھے ۱۲

۲ تجلی کا واقعہ ازروئے انجیل مختصراً یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے پہاڑ پر تشریف لیگئے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰؑ و الیاسؑ آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر اچانک ایک نورانی بادل نے اُن پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سنائی دی، "یہ میرا پیارا بیٹا ہے: اور میں اس سے خوش ہوں" ۱۲ اسی جیسا حضور ثم نزول روح القدس سے تعبیر کرتے ہیں

۳ آیت ۵۷ تا ۶۰، ۴ ۹: ۲۸، ۵ آیت ۳۲، ۶ کہ حضرت مسیح نے اُسے اچھا کر دیا،

۷ آیت ۱، ۸ آیت ۲۸، ۹ ۱۱: ۱۴،

اختلاف نمبر ۱۲۱

مرقس نے باب ۱۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین[1] بجے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس اپنی انجیل کے باب[2] آیت ۱۴ میں صاف کہتا ہے کہ:-

"حضرت مسیح ۶ بجے تک پیلاطس کے پاس تھے"

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰؑ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲

متی نے باب[3] ۲۷ میں لکھا ہے:-

"تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا" ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اور انجیل مرقس باب ۱۵ میں[4] ہے کہ:-

"الوہی الوہی لما شبقتنی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۳ میں[5] یہ الفاظ ہیں:-

"اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں[6]"

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں "پہر دن چڑھا تھا" کا لفظ ہے۔

[2] اس اختلاف کی مزید تفصیل صفحہ ۴۱۹ تا ۴۲۰ اور اس کے حاشیہ پر گذر چکی ہے۔

[3] آیت ۴۶، [4] آیت ۳۴، [5] آیت ۴۶،

[6] یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے دو مرتبہ زور سے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو مجمل چھوڑ کر کہا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز ذکر کی ہے (تقی عفی عنہ)

اختلاف نمبر ۱۲۳

متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چوغہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی تھے[1]، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے[2]،

اختلاف نمبر ۱۲۴

مرقس کے کلام[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں[4] کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو سرکہ دیا تھا، اور متی و یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نے وہ سرکہ نوش فرمایا[5]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ بیان کر کے کہا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اس لئے انصاف کی بات یہ ہو کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنفؒ کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان سے چوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

[1] متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

[2] مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں مطلق "سپاہیوں" کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا ۲۳: ۳۶)

[3] ۱۵: ۲۳، اردو ترجمہ میں "مرملی ہوئی شراب" کا لفظ ہے،

[4] متی ۲۷: ۴۸، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

[5] یہ عربی ترجمہ کی رُو سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ملی ہوئی شراب کا ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ ہے جس میں اناجیلِ اربعہ متفق ہیں ۱۲ تقی

تیسری فصل

دوسری قسم

غلطیاں

وَلَتَعرِفَنَّهُم فِی لَحنِ القَولِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو "اختلافات" کے ضمن میں آئی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال[1] ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵ سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۲ کے مقصد ۳ کے شاہد نمبر ۱ میں معلوم ہوگا[2]،

دوسری غلطی کتاب گنتی کے باب ۱ میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

[1] "چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا شکر ملک مصر سے نکل گیا" (۱۲: ۴۱)

[2] دیکھئے صفحہ ۶۹۶، ۶۹۷،

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں۔ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۲ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے[۱]،

تیسری غلطی کتاب الاستثناء کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے[۲]،

چوتھی غلطی کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص ہے[۳]،

پانچویں غلطی کتاب سموئیل اوّل باب ۶ آیت ۱۹ میں لفظ "پچاس ہزار مرد" واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب ۲ کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا[۴]۔

چھٹی ساتویں غلطی کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ "چالیس" واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ "ارام" آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ ارام کے ادوم ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد[۵] میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنا دیا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی، کتاب تواریخ ثانی باب ۳ آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ "اور گھر کے سامنے[۶] کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ تھی

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ص ۳۳۹ جلد ہذا [۲] اس کی تفصیل صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵ پر گزر چکی ہے ۱۲

[۳] اس کی تفصیل بھی صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے [۴] دیکھئے صفحہ ۷۰۶ و ۷۱۷ ج ۲

[۵] دیکھئے صفحہ ۷۳۲ (جلد دوم) شاہد نمبر ۱۳ و ۱۴،

[۶] اس سے مراد وہ ہیکل ہے جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲

اس میں ایک سو بیس کی مقدار بالکل غلط ہے، کیونکہ کوٹھڑی کی اونچائی صرف ۳۰ ہاتھ تھی جیساکہ سلاطین اوّل باب ۶ آیت ۲ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر چھت کی بلندی ۱۲۰ ہاتھ کیونکر ہوسکتی ہے؟ آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہے، اور سریانی اور عربی مترجمین نے تحریف کی اور لفظ ایک سو اڑا دیا، اور کہا کہ اس کی اونچائی بیس ہاتھ ہے۔

بنی بنیامین کی سرحدیں، نویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۱۸ آیت ۱۴ میں بنی بنیامین کی سرحد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:-

"اور دریا کے سامنے[2] سے جھکتی اور مڑ جاتی ہے"

اس میں دریا کے سامنے کا لفظ غلط ہے، کیونکہ ان کی حدوں پر دریا کا کنارہ نہیں تھا، اور نہ اُس کے آس پاس ہی تھا، مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور دونوں نے کہا ہے کہ:-

"وہ عبرانی لفظ جس کا ترجمہ دریا کیا گیا ہے، اس کے معنی دراصل مغرب کے ہیں"

لیکن یہ معنی ہم نے کسی ترجمہ میں نہیں دیکھے، غالباً اصلاح کی غرض سے یہ دونوں صاحبوں کی ایجاد ہے،

یہوداہ کی حد، دسویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۱۹ آیت ۳۴ میں بنو نفتالی کی

---

[1] "اور اونچائی تیس ہاتھ تھی" (۲:۶)

[2] یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، مگر شاید اردو مترجم کو مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ کی تاویل کی خبر ہو گئی ہوگی، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں "دریا" کے بجائے "مغرب" کا لفظ مذکور ہے، "مغرب کی طرف سے مڑ کر جنوب کو جھکی" اور انگریزی ترجمہ میں اب بھی Sea کا لفظ موجود ہے، جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں West سے بدل جائے ۱۲ تقی

مد کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:

"مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہوداہ کی حد جنوب کی جانب بہت دور تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی

ہارسلے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۲ کی آیت ۷ و ۸ دونوں غلط ہیں[1]،

بارہویں غلطی

کتاب القضاۃ کے باب ۱۷ آیت ۷ میں ہے کہ:-

"اور بیت لحم یہوداہ میں یہوداہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو لاوی تھا، یہ وہیں ٹکا ہوا تھا"

اس میں لفظ "جو لاوی تھا" بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لاوی کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مفسر ہارسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور ہیوبی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

تیرہویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:-

"اور ابیاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر جو زبردست سورما تھے صف آرائی کی"

پھر آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"اور ابیاہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

[1] اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

اسرائیل کے پانچ لاکھ چُنے ہوئے مرد کھیت آئے "

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب مات[1] میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا "

اس میں لفظ "اسرائیل" یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہودا کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا،[2] اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ "اسرائیل" میں تحریف کر کے یہودا بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف ؟

پندرھویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ ،۔

"اور اس کے بھائی صدقیاہ کو یہوداہ اور یروشلم کا بادشاہ بنا دیا[3] "

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح[4] ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

---

[1] دیکھئے ص ۶۴۰، مقصد (۱) شاہد (۱۸)　[2] دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸: ۱ و ۲،

[3] یعنی بنوکد نصر شاہ بابل نے یہویاکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا،

[4] چنانچہ ۲ سلاطین ۲۴: ۱۷ میں "اس کے باپ کے بھائی" کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویاکین یہویقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیاہ یہویاکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہویقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اُسے صدقیاہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۲۶: ۱ و ۲۷: ۱)،

لفظ "بھائی" کو "چچا" سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:۔

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو "چچا" کے لفظ سے بدل دیا گیا"

سولھویں غلطی سموئیل ثانی باب ۲۱ آیت ۱۶ و ۱۹ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ کی آیت ۳ و ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ "بدرعزر"[1] آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "ھدد عزر" دال کے ساتھ ہے،

سترھویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۷ آیت ۱۸ میں لفظ "عکن" نون کے ساتھ آیا ہے حالانکہ صحیح لفظ "عکر"[2] را کے ساتھ ہے،

اٹھارھویں غلطی کتاب تواریخ اول کے باب ۳ آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ "عمی ایل کی بیٹی بت شوع"[3] حالانکہ صحیح لفظ "لعام کی بیٹی بت سبع"[4] ہے،

انیسویں غلطی کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ آیت ۲۱ میں لفظ "عزریاہ"[5] استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ "عزیا" بغیر را کے ہے[6]،

---

[1] یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

[2] (قبیلۂ یہوداہ کا ایک شخص)، چنانچہ ۱۔ تواریخ ۲: ۷ میں "عکر" ہی مذکور ہے،

[3] "بت سبع" اوریا کی بیوی جس کے بارے میں توریت کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے ان سے (معاذ اللہ) زنا کیا، اور پھر اوریا کو مرواکر اس سے شادی کرلی، اور حضرت سلیمانؑ ان سے پیدا ہوئے ۱۲

[4] جیسے کہ ۲۔ سموئیل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،

[5] یروشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

[6] جیسا کہ ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱، ۲۔ سلاطین ۱۵: ۱۳ و ۳۰ و ۳۲ و ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

بیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۲۱ آیت ۱۷ میں لفظ "یہو آخز" دفعہ ہے، جو قطعی غلط ہی، صحیح لفظ "اخزیاہ"[1] ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں پہلے تو اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلطی نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے:

"اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ تفصیل سے جو صاحب جاننا چاہیں وہ ڈاکٹر کنی کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۶۲ ملاحظہ فرما سکتے ہیں"

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

یہویقیم قید ہوا یا مقتول
اکیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہِ بابل یہویقیم کو زنجیروں میں قید کرکے بابل لے گیا، جو بالکل غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یروشلم میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر پناہ سے باہر پھینک دی جائے، دفن کئے جانے کی قطعی ممانعت[2] کردی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب ۱۰ باب ۶ میں لکھا ہے کہ:۔

"بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض ہوگیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہویقیم بھی تھا، اور

---

[1] جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۱ و ۲۔ سلاطین ۸، ۲۵ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے (یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا) ۱۲

[2] یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلاوطنی اس کے کچھ بعد عمل میں آئی ہے ۱۲

اور اس کی نعش شہر پناہ سے باہر پھینکوا دی، اس کا بیٹا ۔۔ اکین تخت نشین ہوا تو تین ہزار مردوں کو قید کیا، جنہیں حزقیال پیغمبر بھی تھے "

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
بائیسویں غلطی

کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۶۷۱ء و سنہ ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ:

"۶۵ سال بعد ارام[1] مٹ جائے گا"

ترجمہ فارسی مطبوعہ سنہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

"۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا"

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاہ کی تخت نشینی کے چھٹے سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۷ و ۱۸ میں موجود[2] ہے، اس طرح ارام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں[3] مٹ گیا۔

وٹ رنگا عیسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ:-

---

[1] یعنی سوریا (Syria) ہمارے پاس کسی ترجمہ میں "ارام" کا لفظ نہیں، بلکہ "افرائیم" ہے، "اور پینسٹھ برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہیگا" اس سے مقصد شاہ اسور (سلمنسر) کا حملہ ہے، جیسا کہ اگلی باب کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے،

[2] "حزقیاہ کے چھٹے سال جو ہوسیع کا نواں برس تھا، سامریہ لیلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو اسیر کر کے اسور لے گیا" (۱۸: ۱۰، ۱۱)

[3] اس لئے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیاء کی زبانی آخز کے زمانہ میں ہوئی تھی (یسعیاہ ۷، ۱) اور آخز کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہوسیع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہے (۲۔ سلاطین، ۱۷، ۱) اور اس کی تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۸: ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا پورے اکیس سال بنے، ۱۲ تقی

"یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخز کی حکومت ۱۶ سال اور حزقیاہ کا دور سلطنت ۵ سال"۔
یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب یسعیاہ کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے مترجم نے آیت مذکور نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جبلی عادت سے باز نہیں آتے۔

حضرتِ آدمؑ کو درخت کی ممانعت
تینتیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۱۷ میں ہے کہ "لیکن نیک و بد کی پہچان کا درخت کبھی کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا[1] تو مرا"۔
یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا[2]، حالانکہ وہ کھانے کے دن نہیں مرے، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

چوبیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:-
"تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہی، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی"۔
اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی عمر ۶۰۰ سال، اور ارفکشد کی عمر ۳۳۸ سال ہوئی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۷۰، ۸۰ تک پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

---

[1] بقول توریت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہو، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳: ۲ سے معلوم ہوتا ہے۔
[2] پیدائش ۳: ۶،

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۱۷، آیت ۸ میں یوں ہے کہ :-

"اور میں تجھ کو[۱] اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں

تو پردیسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان کا خدا ہوں گا"

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیمؑ کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدتِ مدید گذری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

یہودیوں کی جلاوطنی غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے :-

"وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہویقیم بن یوسیاہ کے چوتھے برس میں جو شاہ بابل بنوکدنضر کا پہلا برس تھا، یہوداہ کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا"

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

"یہ ساری زمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں ستر برس تک شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب ستر برس پورے ہوں گے تو میں شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اُجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ ویران رہے" (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ :

"اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر ہو گئے تھے اور کاہنوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنوکدنضر یروشلم سے

[۱] یہ خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو خطاب ہے،

اسیر کرکے بابل لے گیا تھا، (اس کے بعد کہ یکونیا بادشاہ[1] اور اس کی والدہ اور خواجہ سرا اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کاریگر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے)" (آیات ۱، ۲)

پھر اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:۔

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤنگا اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا"

یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:۔

"بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من بر شما رجوع خواہم کرد"

ترجمہ: "بابل میں ستر سال گذر جانے کے بعد میں تمھاری طرف رجوع کروں گا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ:۔

"بعد از تمام شدن ہفتاد سال در بابل شمارا باز دید خواہم نمود"	"بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد میں دوبارہ تمہاری طرف رُخ کروں گا"

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بنوکدرضر اسیر کرکے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تیئیس یہودی بنوکدرضر کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں سے آٹھ سو بتیس آدمی اسیر کرکے لے گیا، بنوکدرضر کے تیئیسویں برس میں جلوداروں کا سردار نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کرلے گیا، یہ سب آدمی چار ہزار چھ سو تھے" (آیات ۲۸ تا ۳۰)

[1] یہ یکونیاہ بن یہویقیم ہے جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۴:۱)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

(۱) بخت نصر یہویاقیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا، اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب ۱ میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"بخت نصر یہویاقیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا"

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور رارمیاہ علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہویاقیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

(۲) ارمیاہ علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یکونیاہ بادشاہ اور رؤساءِ یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

(۳) تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی کُل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلاوطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں:۔

۱۔ یکونیاہ بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور کاریگروں کی جلاوطنی مؤرخین کی تصریح کے مطابق ولادت مسیحؑ سے پانچ سو نناوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہے کہ یہ جلاوطنی مسیحؑ کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور رارمیاہ علیہ السلام کا اُن کے پاس کتاب بھیجنا اُن کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بائبل کی رُو سے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہئے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خورس کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال[1] ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الیٰ کتاب المقدس الثمین مطبوعہ ۱۸۵۲ء بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ[2] ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے:-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاء علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	داریوس کی وفات جو قورش کا ماموں تھا، اور قورش کا اس کی جگہ مادی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہوداہ واپس چلے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲- دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

[1] یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۱۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیئے جائیں تو ۶۳ بچتے ہیں، اور ۷۰ سے تفریق کی جائے تو چونسٹھ، ۱۲

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بداہۃً غلط ہے، صحیح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صناع کاریگر اُن کے علاوہ تھے[1]،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری[2] جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیئیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اُنیسویں سال واقع ہوئی[3]۔

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیشگوئی، انتیسویں غلطی

کتاب حزقی ایل کے باب ۲۶ میں ہے کہ:

"اور گیارہویں برس میں مہینہ کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔"

پھر آیت نمبر ۷ میں ہے:-

"خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہِ بابل بنوکدرضر کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں، اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انبوہ کے ساتھ شمال سے صور[4] پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے اردگرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دمدمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں ڈھال اُٹھائے گا، وہ اپنی منجنیق کو تیری شہر پناہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیری

---

[1] "اور وہ سارے یروشلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور لُہاروں کو اسیر کر کے لے گیا۔" (۲۔ سلاطین ۲۴: ۱۴)

[2] یعنی بنوزرادان والی ۱۲

[3] اور شاہِ بابل بنوکدنضر کے عہد کے اُنیسویں برس کے پانچویں مہینہ کے ساتویں دن اُلخ (۲۵: ۸)

[4] صور Tyre ازمنۂ قدیم کا ایک ساحلی شہر جو سوریا کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب دفاعی اعتبار سے انتہائی منضبط تھا، آجکل یہ علاقہ لبنان کے حدود میں واقع ہے ۱۲ تقی

برجوں کو ڈھا دے گا، (اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب سے اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے

چھپالے گی، جب وہ تیرے پھاٹکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنہ کر کے شہر میں

گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سے تیری

شہر پناہ ہل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں[1] سے) تیری سب سڑکوں کو روند ڈالیگا،

اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے

اور وہ تیری دولت لوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر پناہ

توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور

تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے"

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس[2] ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیل ؑ کو عذر کی ضرورت پیش آئی، اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں[3] فرمایا کہ:

"ستائیسویں برس کے پہلے مہینہ کی پہلی تاریخ کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے

آدم زاد! شاہ بابل بنوکدرضر نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت

کروائی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اس نے

اور نہ اُس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

---

[1] قوسین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

[2] چھٹی صدی قبل مسیح میں، دیکھئے، برٹانیکا، ص ۶۵۳ ج ۲۲ مقالہ (Tyre)،

[3] آیات ۱۷ تا ۲۰،

کی تھی کچھ اُجرت پائی، اس لئے خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں ملکِ مصر شاہ بابل بنو کدرضر کے ہاتھ میں کر دوں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جائے گا، اور اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لیگا، اور یہ اُس کے لشکر کی اُجرت ہوگی، میں نے ملکِ مصر اس محنت کے صلہ میں جو اُس نے کی اُسے دیا"

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ بخت نصر اور اس کے لشکر کو صور کے محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندۂ ایفاء ہوا؟ یہ بات بہت ہی افسوسناک ہے، کیا خدائی وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیشگوئی غلطی نمبر ۳۰

کتاب دانی ایل کے باب ۸ آیت ۱۳ کے فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے کہ :۔

"پس شنیدم کہ مقدسے تکلم نمود، و مقدسے ازاں مقدس پرسید کہ ایں رؤیا درباب قربانی دائمی و گنہگاری ہلک بہ پائمال کردن مقدس و فوج تاکے باشد، مرا گفت تا دو ہزار و سہ صد روز بعدہٗ مقدس پاک خواہد شد"

ترجمہ:۔ "تب[2] میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سُنا اور دوسرے قدسی نے اسی قدسی سے

---

[1] غالب یہی ہو کہ شرمندۂ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ بنو کدنضر کے حالاتِ زندگی میں ۵۶۸ ق م کے حملہ مصر کا ذکر تو ملتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملہ یروشلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر پر کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

[2] یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آرہا ہے وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ تقی

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائمی قربانی اور ویران کرنے والی خطا کاری کی رؤیا جس میں مقدس اور اجرام پامال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دو ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا؛

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یہ الفاظ ہیں:-

"وسمعت قديسًا من القديسين متكلمًا وقال قديس واحد للآخر المتكلم لما اعرفه حتى متى الرؤيا والذبيحة الدائمة وخطيئة الخراب الذي قد صار ويداس القدس والقوة فقال له حتى المساء والصباح اي الفين وثلثمأة يوم ويطهر القدس"

ترجمہ:- "اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بات کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور دائمی قربانی اور تباہ کن گناہ جس میں قدس اور فوج پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا؛

علماء یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشنگوئی کے مصداق کے بارے میں سخت حیران ہیں، دونوں فریق کی بائبل کے تمام مفسرین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کا مصداق انٹیوکس شاہ روم کا واقعہ ہے، جو یروشلم پر ۱۶۱ ق م میں مسلط ہو گیا تھا، اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسر یوسیفس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج پامال ہوگی وہ ساڑھے تین سال رہا، جس کی تصریح یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵ باب ۹ میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۱۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثہ انیٹوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے،
تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشنگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۰۳ء کی جلد اوّل میں پہلے جمہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انیٹوکس کا حادثہ کسی طرح نہیں ہوسکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپا ہیں
سنل جانسی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشنگوئیوں پر لکھی ہے، اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں پچاسی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشنگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے[1]۔

"اس پیشنگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے علماء کے نزدیک بڑے اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانے کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے، جس میں شاہانِ ایران کے چار فرامین صادر ہوئے:-

۱۔ ۶۳۶ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا فرمان صادر ہوا تھا،

۲۔ ۵۱۸ء ق م کا زمانہ، جس میں دارا کا فرمان جاری ہوا،

---

[1] سنل جانسی کی آنے والی عبارت کا حاصل جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب دانی ایل کی مذکورہ بالا پیشنگوئی میں حضرت مسیح کے نزول ثانی کا وقت بتایا گیا ہے، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جانا چاہیے جس میں یروشلم اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۲ تقی

۳۔ ۴۵۸ ق م کا عہد جس میں ارد شیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزرا کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ ۴۴۴ ق م کا زمانہ جس میں ارد شیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منتہیٰ مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے:۔

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۱۷۶۴ء ، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۱۷۸۲ء،
نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۱۸۴۳ء ، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۱۸۵۶ء

اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری چوتھی باقی ہے جس میں تیسری مدت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک تو یقینی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا منتہیٰ ۱۹۶۶ء نکلتا ہے "

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے:۔

① یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعیین دشوار اور مشکل ہے، بالکل غلط ہے، اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتداء یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔

② یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ "یوم" کے حقیقی معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہدِ عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ "یوم" استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر بھی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا، جس کے لئے کوئی قرینہ ضرور ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنیٰ کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنیٰ پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے جمہور نے اس کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بنانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحٰق نیوٹن، طامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو (جن میں یہ مفسر بھی شامل ہے) پیش آئی۔

③ اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا، جیسا کہ خود اس کا اقرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا ہے جس پر اس کو کامل وثوق اور یقین تھا، اسی طرح چوتھی توجیہہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور باطل ہونے میں جمہور متقدمین کی توجیہہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے[1]، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قول ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لینگے،

---

[1] یعنی ۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السّلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنفؒ کی پیشگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے ۱۲ تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنھوں نے ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۸ھ میں شہر لکھنؤ میں اس پیشنگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا، اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز دانیال کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد سال ہیں، اور دانیال علیہ السلام کی وفات ۴۵۳ ق م میں ہوئی ہے، پھر جب ہم ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹادیں تو ۱۸۴۷ رہ جاتے ہیں، اس بناء پر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ۱۸۴۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علمائے اسلام کے درمیان مناظرہ بھی ہوا، بہرحال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعوے کا جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ ۷ اسال کی مدت گذر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ تشریف نہیں لائے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلا وجہ بات کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو "دخترِ رز" کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو، جس کو انھوں نے الہام قرار دیدیا۔

ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی تکمیل سے پہلے بہت ہی دشوار اور مشکل ہے، پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے"

یہ توجیہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ ہر بدکار اور فاسق کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کرسکے، جن میں ان کے آغاز و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہو گی تو واقعات خود اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بیچارے قطعی معذور ہیں، اس لئے کہ بات

جڑ سے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کر سکتا ہے،

غلطی نمبر ۳۱ کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

"اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے، مبارک[1] وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس[2] روز تک انتظار کرتا ہے"

یہ بھی گذشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس میعاد پر نہ تو عیسائیوں کا مسیح نمودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب دانیال کی ایک اور غلط پیشینگوئی، غلطی نمبر ۳۲

کتاب دانیال باب ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے کہ خطاکاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، رؤیا و نبوت پر مہر ہو اور پاک ترین مقام ممسوح کیا جائے"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

"ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطاء و برائے انقضاء گناہان و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے اختتام رؤیا و نبوت و برائے مسح قدس المقدس"

---

[1] مفسرین کے نزدیک یہ آمد مسیح "کی خوش خبری ہے ۱۲

[2] اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ظہور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

ترجمہ: تیری قوم اور مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر ہوئے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگذر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز ابدی سچائی پہنچانے اور خواب ونبوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسح کے لئے"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مدتِ مقررہ میں بھی دونوں مسیحوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسیح تو آج تک ظاہر نہ ہوسکا، حالانکہ اس مدت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو تکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابلِ التفات ہیں:۔

(۱) لفظ "یوم" کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنیٰ پر محمول کرنا بغیر کسی قرینہ کے ناقابلِ تسلیم ہے،

(۲) اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں میسحوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورش کی تخت نشینی کے پہلے سال (جس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیسا کہ کتاب عزرا باب میں تصریح ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسیفس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تخمیناً ۶۰۰ سال ہے، اور سنل جانسی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۳۰ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیسا کہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جزو ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیکل میں قربانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۵۳۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ ستر ہفتوں کی مقدار صرف

چارسو نوّے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیح پر نبوّت کا اختتام لازم آتا ہے، لہذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہوداا سکریوتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے[1]، (جو روح القدس سے لبریز" انسانوں میں سے ایک تھا)

(۴) چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑیگا حالانکہ رؤیائے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

(۵) واٹسن نے اپنی کتاب کی جلد ۳ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

"یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تحریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام پر کسی طرح صادق نہیں آسکتی "

غور فرمائیے "جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے" عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتاب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تحریف کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے) عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پروٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

[1] یہوداا سکریوتی وہ شخص ہے جس نے حواری ہونے کے باوجود (بقول انجیل) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوا دیا تھا، (متی ۲۶: ۴۷)

دعویٰ تحریف باطل ہے، جب اصل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کئے ہوئے تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۹) مسیح سے مراد ان ہی دو مسیحوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکردار ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱۸، آیت نمبر ۵۰ میں یوں ہے کہ:-

"وہ اپنے بادشاہ کو بڑی نجات عنایت کرتا ہے، اور اپنے ممسوح داؤد اور اس کی نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے"

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۲ میں لفظ "مسیح" کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا قول ساؤل[1] کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:

"اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خداوند کا مسیح ہے، یا اُسے قتل کرنے کے لئے دست درازی کروں، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے" (آیت ۶ و ۱۰)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب ۱ میں بھی اس قسم کا اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

[1] اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں طالوت مذکور ہے، اس بات پر تورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ خود اللہ تعالیٰ نے نامزد کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات سے قرآن کریم خاموش ہے، اور تورات نے اس کی نافرمانیاں ذکر کر کے ... یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا کر (معاذ اللہ) پچھتایا (۱۔سموئیل ۱۵: ۳۴)

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:۔

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا ۔"

اس عبارت میں "مسیح" کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور ہیکل بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنواسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳

کتاب سموئیل ثانی باب ۷، آیت ۱۰ میں حضرت ناتن علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے:۔

"اور میں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ مقرر کروں گا، اور وہاں ان کو جماؤں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر ہٹائے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند اُن کو پھر دُکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں" (آیت ۱۰-۱۱)

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ومکانے نیز برائے قوم خود اسرائیل مقرر خواہم کرد وایشاں را خواہم نشانید تا خود جائے دار باشند ومن بعد حرکت نہ کنند، واہل شرارت من بعد ایشاں را نیازارند چوں در ایام سابق "

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بجہت قوم اسرائیل مکانی را تعیین خواہم نمود وایشاں را غرس خواہم نمود تا آنکہ در

مقام خویش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، و فرزندانِ شرارت پیشہ ایشاں را مثل ایام سابق نرنجانند"

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے اور شریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہونچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ اُن کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر اُن کو بے انتہا ستایا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ اُن کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور جلا وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی اُن کو اذیت پہونچائی، طیطوس شاہ[1] روم نے تو اُن کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پھانسی دیئے گئے، ننانوے ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطرافِ عالم میں ذلیل و خوار پھر رہی ہیں،

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،

مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت نمبر ۱۲ میں حضرت ناتن علیہ السلام کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے:-

"اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائیگا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

---

[1] Titus شاہ روم (۴۰ء تا ۸۱ء) اس نے ستمبر ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ کے بعد یروشلم فتح کیا تھا، اور تباہی مچادی تھی ۱۲

قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کروں گا، اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطا کرے تو میں اسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا، پھر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساؤل[ل] سے جُدا کیا، جسے میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا" (آیات ۱۲ تا ۱۶)

اس کے علاوہ کتاب تواریخ اوّل باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ:۔

"دیکھ تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا، وہ مرد صلح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن وامان بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوںگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھوں گا" (آیات ۹ و ۱۰)

گویا خدا کا وعدہ یہ تھا کہ داؤدؑ کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت تک نہیں نکلے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہوسکا، اور اولاد داؤدؑ کی بادشاہت عرصہ دراز ہوا کہ مٹ چکی ہے،

غلطی نمبر ۳۵

عیسائیوں کے مقدس پولس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا قول یوں نقل کیا ہے کہ:۔

ل یعنی طالوت ۱۲

"میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا"[1]

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۷، آیت ۱۴ کی جانب ہو، (جو سابقہ غلطی میں نقل کی جاچکی ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

(۱) کتاب تواریخ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام "سلیمان" ہوگا،

(۲) دونوں کتابوں میں تصریح پائی جاتی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمانؑ کے اور کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک ہزار تین سال بعد پیدا ہوئے، جو اس کے ویران ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۴ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹، میں معلوم ہوجائیگا،

(۳) دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف عیسیٰؑ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں" (متی ۸: ۲۰)

(۴) سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

"اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا"

---

[1] پولس کی پوری عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰؑ کو فرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا ہے "کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا، اور پھر یہ کہ میں اس کا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا"

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انھوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بُت پرستی بھی کی، اور بُت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصبِ نبوت کے اشرف مقام سے گر کر شرک کی ذلّت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہے[1]، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسیٰؑ معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق اُن سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تواریخ اوّل میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:۔

"وہ مردِ صلح ہوگا اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا"

عیسیٰؑ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب و روز یہودیوں کی ہول اُن پر سوار رہتی تھی، عموماً اُن کے خوف کی وجہ سے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سُولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:۔

"میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا"

غور کیجئے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں رومیوں کے غلام اور اُن کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے،

---

[1] ملاحظہ فرمائیے، ۱۔ سلاطین باب ۱۱ و نحمیاہ ۱۳: ۲۶،

(۷) سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہے، اس کی تصریح کتاب تواریخ ثانی باب ۶ میں موجود ہے،[1]

اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمانؑ کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اُترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر بھی کرلی جائے تب بھی متاخرین جمہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع[2] کرنے کے لئے جو متی اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ متی، یوسف نجار کا نسب بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے نہیں ہوسکتے، اور اُن کی نسبت اُن کی جانب محض بیہودہ اور بے اصل خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہوسکتے، بلکہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں اس لئے

---

[1] خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا ٹھانا، تو بھی اس گھر کو نہ بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا وہی میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اُس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں" (۲۔ تواریخ ۶: ۹ و ۱۰)

[2] اس کی تفصیل ص ۔۔۔ پر گذر چکی ہے ۱۲

جو پیشنگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوئی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہو سکتی،

کوّے یا عرب؟ غلطی ۳۶

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۷ میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :-

"اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا رُخ کر، اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی نالے میں سے پینا، اور میں نے کوّوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جا کر خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریت کے نالے کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کوّے اس کے لئے صبح کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لاتے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا"

سوائے جیروم کے تمام مفسرین نے لفظ "اوریم"[۱] کی تفسیر کوّوں کے ساتھ کی ہے، البتہ جیروم نے "عرب" کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اِس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تحریف کی، اور لفظ "عرب" کو کوّوں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملّتِ عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقۂ پروٹسٹنٹ کا محقق ہورن حیران ہے، اور ندامت دور کرنے کے لئے جیروم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظنِ غالب کے طور پر کہتا ہے کہ "اوریم سے مراد عرب ہے نہ کہ کوّے" اور تین اسباب کی بناء پر اُس نے مفسرین اور مترجمین کو احمق قرار دیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

[۱] اصل عبرانی متن میں کوّوں کی بجائے "اوریم" کا لفظ ہے ۱۲

جلد اوّل کے صفحہ ۶۲۹ پر کہتا ہے :۔

"بعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں! لیکن اگر وہ اس لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ "اوریم" ہے، جس کے معنی "عرب" ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۲۱ میں، اور کتاب نحمیاہ کے باب ۴ آیت ۷ میں استعمال ہوا ہے، نیز پریشت ربا سے (جو علماء یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک بستی میں جو بَتشان کے علاقہ میں تھی مخفی رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، جیروم کہتا ہے کہ "اوریم" اس بستی کے باشندے ہیں جو حدود عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، جیروم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ "کوّے" لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیاہ اور جیروم نے "اوریم" کا ترجمہ "عرب" سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوّے، یہودی مفسر مشہور جارچی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلافِ شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور روٹی پہونچایا جائے جو اتباعِ شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مُردار جانور پر نہیں اُترے، اس کے علاوہ اس قسم کی روٹی اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہونچائی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوّوں کی طرف کیسے منسوب

کیا جا سکتا ہے! غالب یہی ہے کہ "ادرب" یا "اربو" کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے"

اب ہماری جانب سے علماء پروٹسٹنٹ کو اختیار ہے، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کر کے بیشمار مفسرین اور مترجمین کو احمق قرار دیں، اور چاہیں تو دوسروں کو بیوقوف بنانیوالے اس محقق کو بیوقوف مانیں اور اعتراف کریں کہ یہ بات قطعی غلط اور عقلاء کی ہنسی کا سبب ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجوہ کی بناء پر ناممکن ہی،

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کب شروع کی؟ غلطی نمبر ۷۳،

کتاب سلاطین اول باب ۶ آیت ۱ میں یوں ہو کہ "اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسی ویں سال اسرائیل پر سلیمان کی سلطنت کے چوتھے برس زیو کے مہینہ میں جو دوسرا مہینہ ہے ایسا ہوا کہ اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا"

یہ بات مؤرخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ،

"مؤرخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا کہ متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۴۰، گلیکاس کے نزدیک ۳۳۰، ملکیور کانوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفس کے نزدیک ۵۹۲، سلپی سیوس سویرس کے نزدیک ۵۸۸، کلیمنس اسکندریانوس کے نزدیک ۵۷۰، سیڈرنیس کے نزدیک ۶۷۲، کوددمانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسی یوس و دکایاوس کے نزدیک ۵۸۰، سراریوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم کے نزدیک ۵۲۷، مستلی نوس کے نزدیک ۵۹۲، پتیاویوس و دالتھی ردس کے نزدیک ۵۲۰

پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ادھر یوسیفس اور کلیمنس اسکندریانوس دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ دقیع نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیحؑ کا نسب نامہ غلطی نمبر ۳۸

انجیل متی کے باب ۱ آیت نمبر ۱۷ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء کی رُو سے مذکور ہے:-

"پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں، اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مسیحؑ کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۴ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داؤدؑ پر ہوتی ہے جب داؤدؑ اس قسم میں داخل ہیں، تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوئے، اور دوسری قسم کی ابتدا سلیمانؑ سے ہوگی، جو یکنیاہ پر ختم ہو جائے گی، اور جب یکنیاہ اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتدا سیالتی ایل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پشتیں ہوں گی[1]۔

---

[1] اگر یکنیاہ کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلۂ نسب یہ ہے: سیالتی ایل، زربابل، ابی ہود، الیاقیم، عازور، صدوق، اخیم، الیہود، الیعزر، متان، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر یکنیاہ کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کل تیرہ پشتیں رہ جاتی ہیں ۱۲ تقی

اس چیز پر اگلوں پچھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، بورفری نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بودے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابلِ التفات ہیں،

حضرت مسیح کے نسب میں چار غلطیاں اور کھلی تحریفیں، غلطی ۳۹ تا ۴۲

انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:۔

"اور بابل کی جلاوطنی میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے"

اس سے معلوم ہوا کہ یکنیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوئی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلاوطنی میں زندہ ہو حالانکہ یہ چار وجوہ سے غلط ہے:

(۱) یوسیاہ اس جلاوطنی سے ۱۲ سال قبل وفات پا چکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تختِ سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہویقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہویقیم کا بیٹا یکونیاہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلاوطن کیا،[1]

(۲) یکنیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

(۳) یکنیاہ کی عمر[2] جلاوطنی کے وقت ۱۸ سال تھی، پھر بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں

---

[1] دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۳۵ : ۲۳ و ۳۶ : ۱ و ۲ و ۵ و ۹، و ۲ سلاطین ۲۳ : ۳۰ و ۳۱ و ۳۶ و ۲۴ : ۸،

[2] "یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا" (۲۔ سلا، ۲۴ : ۸) واضح رہے کہ یہویاکین ہی کا دوسرا نام یکونیاہ ہے (یرمیاہ ۲۲ : ۲۴)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ؟

(۴) یکو نیاہ کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں اس کے باپ کے تین بھائی ضرور تھے،

ان مشکلات کے پیشِ نظر جن کا اس غلطی میں اور گذشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے، آدم کلارک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ:۔

"کامتھ کہتا ہے کہ آیت ۱۱ کو اس طرح پڑھا جائے کہ یوسیاہ کے یہویقیم اور اس کے بھائی پیدا ہوئے، اور یہویقیم سے یکونیاہ بابل کی جلاوطنی کے وقت پیدا ہوا"

دیکھئے کس طرح تحریف کا حکم دیا جا رہا ہے[۱]، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہویقیم

---

[۱] چنانچہ بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کرلی گئی ہے، کامتھ صاحب نے مشورے دیئے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہویقیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ "جلاوطنی میں" کے بجائے "جلاوطنی کے وقت" کردیا جائے ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی بڑی غیر محسوس ہے، لہذا اس وقت جتنے تراجم ہمارے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں، "اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں" اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کر کے بات اس حد تک پہنچادی کہ مصنفؒ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑسکے، ملاحظہ ہوں اُن کے الفاظ:۔

"and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon."

"یعنی یوسیاہ کے ہاں یکونیاہ اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ انھیں بابل لیجایا گیا" ملاحظہ فرمایئے اس میں "قریب قریب" کا لفظ بڑھا کر بائبل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے! اور سنہ ۱۹۶۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقہ سے اس مشکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon."

(باقی برصفحہ آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تحریف کے باوجود اعتراض نمبر ۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دُور نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض "دیانتدار" پادریوں نے لفظ یہویقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جائے کہ جب مسیح یہویقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے[1]، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے، مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ متی کے اوپر اغلاط کا واقع ہونا اس قباحت کے مقابلہ میں سہل ہے،

غلطی نمبر ۳۴ یہوداہ[2] سے سلمون[3] تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلمون سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن متی نے پہلے زمانہ میں سات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) یعنی "اور یوسیاہ بابل کی جلاوطنی کے وقت یکونیاہ کا باپ تھا" لیجئے یہ جھگڑا ابھی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا، بس یوسیاہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپنے کہ یہ ہے وہ کلام جس کے بارے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک ایک بات کو درست مانو ـــــ لیکن ایک غریب عامی آدمی کو (جو یونانی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں) اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان "مقدس باپوں" کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہیے کہ ع

"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

[1] کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۳۶ میں تصریح ہے کہ "شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا، جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۱۲

[2] یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۱۲

[3] یہ سلمون بن نحسون ہیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے پھوپا تھے (خروج ۶: ۲۳)

پشتیں[1] اور دوسرے میں پانچ لکھی ہیں[2]، جو بداہۃً غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۴۴ وہ تین اقسام جن کو متّی[3] نے ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مقدار ۱۸ ہے، نہ کہ ۱۴، جیسا کہ کتاب[4] تواریخ اوّل کے باب ۳ سے واضح ہوتا ہے، اسی بناء پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہب عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۴ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۴۵ و ۴۶ انجیل متی باب آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔ "یورام سے عوزیا پیدا ہوا" یہ بات دو وجہ سے غلط ہے:۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوزیا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عوزیا بن اخزیا بن یوآس بن امصیاہ بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئیں،

---

[1] یہوداہ، فارص، حصرون، رام، عمینداب، نحسون، سلمون،

[2] سلمون، بوعز، عوبید، یسی، داؤد علیہ السلام،

[3] یعنی حضرت مسیح کے نسب کی، ایک حضرت داؤد تک، دوسری آپ سے بابل کی جلاوطنی تک، اور تیسری حضرت مسیح تک،

[4] اس کی رُو سے حضرت داؤد سے یکونیاہ تک کا نسب حسب ذیل ہے:۔ داؤد، سلیمان، رجعام، ابیاہ، آساہ، یہوسفط، یورام، اخزیاہ، یوآس، امصیاہ، عوریاہ، یوتام، آخز، حزقیاہ، منسی، امون، یوسیاہ، یہویقیم، یکونیاہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۳ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاہ، یوآس، امصیاہ، یہویقیم، کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہو کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے مٹائے بغیر اُسے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں، جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ و ۱۲ و ۱۴ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۴ و ۲۵ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس لئے کہ جب کوئی مؤرخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پُشتیں گذری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہواً یا قصداً چھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ اس نے حماقت اور غلطی کی۔

(۲) اس کا نام "عزیاہ" ہے نہ کہ "عوزیا"[۱] جیسا کہ کتاب تواریخ اوّل باب ۳ میں، اور کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے،

غلطی نمبر ۴۷

انجیل متی باب آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ:۔

"سیالتی ایل سے زربابل پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں ہے کہ وہ فدایاہ کا بیٹا اور سیالتی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اوّل کے باب ۳ میں موجود[۲] ہے،

غلطی نمبر ۴۸

انجیل متی باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:۔

"زربابل سے ابی ہود پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اوّل باب ۳ میں موجود[۳] ہے، ان میں کوئی بھی اس

---

[۱] اب اردو ترجمہ میں "عزیاہ" ہی کر دیا گیا ہے،

[۲] آیت ۱۷ تا ۱۹، کیونکہ اس میں سیالتی ایل اور فدایاہ کو یکونیاہ کا بیٹا کہا ہے، اور پھر فدایاہ کے بیٹوں میں زربابل کو شمار کیا ہے ۱۲

[۳] آیت ۱۹ و ۲۰: "زربابل کے بیٹے یہ ہیں، مسلام اور حنانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھی، اور حسوبہ اور اہل اور برکیاہ اور حسدیاہ اور یوسب حسد یہ پانچ"۱۲

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو متی سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آئی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اول میں اس کے اور لوقا کے اختلافات[1] پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۷ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

غلطی نمبر ۴۹

متی نے اپنی انجیل کے باب ۲ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھ کر وہ یروشلم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

لیکن یہ واقعہ غلط ہے، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت مغرب سے مشرق کو، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت مشرق سے مغرب کو ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر جھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت لحم[2]، یروشلم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض مداروں کی حرکت کا دائرہ تھوڑا سا شمال سے جنوب کو مائل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور خفیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفروں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر خفیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتدبہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں،

[2] جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۲

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کا رُکنا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ خود کھڑا ہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے[1]،

حضرت اشعیاءؑ کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ "علمہ" کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰،

انجیل متی کے باب اوّل[2] میں اس طرح ہے کہ:۔

"اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے"

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیاء علیہ السلام ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا ہے کہ:۔

"لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:۔

① یہ کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیاء کے مترجمین نے "کنواری" سے کیا ہے وہ "علمۃ" مونث ہے جس میں تاء تانیث کی ہے، علماء یہود کے نزدیک

---

[1] لیکن یہ اعتراض ہماری رائے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا "ارہاص" کے طور پر اگر ایک نبی کے لئے یہ خلاف عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

[2] آیت ۲۲، واضح رہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہو کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح ہیں، م

اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب ۳۰ میں بھی آیا ہے[1]، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں، جس کی شادی ہو چکی ہو، اشعیاہ علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ "علمہ" آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکوئیلا اور تھیوڈوشن اور سمیکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے اُن کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۷۵ء میں اور تیسرا ۲۰۰ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر تھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماءِ یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے،

فری اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پروٹسٹنٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فری کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔

لیکن اس کی بات اوّل تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ "اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں" اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

(۲) عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کسی شخص نے "عمانوئیل" کے نام سے نہیں پکارا، نہ باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

[1] شاید آیت ۲۳ مراد ہے، اس میں ہے: "اور نامقبول عورت سے جب وہ بیاہی جاتی ہے" ۱۲

آپ کے باپ[1] سے خواب میں کہا تھا کہ: "اس کا نام یسوع رکھنا" جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے[2]،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ،

"تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا"

اس کی تصریح لوقا[3] کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمانوئیل ہے،

(۴) وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ ارام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ فقح، آخز بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیاء کے پاس وحی بھیجی کہ آپ آخز کی تشفی کے لئے یہ کہئے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور اس بچہ کے سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زیر وزبر ہوجائیگی[4]

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فقح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور اس کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جائے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] یعنی یوسف نجار،
[2] متی، ۱: ۲۱،
[3] لوقا ۱: ۳۱،
[4] دیکھئے یسعیاہ ۷: ۱تا۱۷،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۲۱، سال بعد عالم وجود میں آیے،

اہلِ کتاب خود اس پیشینگوئی کے مصداق میں مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشعیاء کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے، اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی، اور ایک لڑکا جنے گی، اور جن دو پادشاہوں سے لوگ لرزہ براندام ہیں ان کی سلطنت اس بچہ کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جاتے گی، جیسا کہ اس کی تصریح ڈاکٹر بنسن نے کی ہے، واقعی یہ رائے قابلِ قبول ہے، اور قیاس کے قریب ہے،

غلطی نمبر ۱۵ اور کھلی تحریف

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہو کہ اور ہیرودیس[1] کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا ؟

نبی سے مراد یوشع[2] علیہ السلام ہیں، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب ۱۱ کی آیت (۱) کی جانب اشارہ کیا ہے جو قطعی غلط ہے، اس لئے کہ اس آیت کو عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت اس طرح ہے:

"جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو مصر سے بلایا"

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں موجود ہے، لہذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

---

[1] یعنی یوسف نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے، تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہ کردے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے ۱۲

[2] سب نسخوں میں ایسا ہی ہو مگر یہ غلط ہے کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں، حضرت ہوسیع علیہ السلام ہیں انہی کی کتاب میں آنیوالا جملہ درج ہے

اظہار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغہ جمع کو مفرد سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ "میں نے اپنے بیٹے کو بلایا" اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء نے یہی تحریف کی ہے۔[1]

لیکن اس کی یہ خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا اُن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ[2]

"جس قدر اُن کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انھوں نے بعلیم کے لئے قربانیاں گذرانیں"۔

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ اُن یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی (جبکہ بابل کی قید سے آزاد ہوئے) بُت پرستی سے بکلی توبہ کر چکے تھے، پھر انھوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا
غلطی نمبر ۵۲

انجیل متی باب ۲ آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ:

"جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی بھیجکر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروادیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی"

---

[1] اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہمارے پاس سب ترجموں میں "اپنے بیٹے" کے الفاظ ہیں ۱۲

[2] ہوسیع ۱۱: ۲،

یہ بات بھی عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر و مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچّوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان علماءِ یہود نے جو ہیرودیس کے عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا شرمناک عیب ہے، اگر اس کی اصل بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ دوڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں نمک مرچ لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاقاً کوئی عیسائی مورّخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یروشلم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسرے کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے، اور ٹھہرے تھے، اور کس کس کے لئے ہدیے اور نذرانے لائے تھے؟ معصوم بچّوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

غلطی نمبر ۵۳

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:-

"اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ"

لہ اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انھیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جائے تو ہمیں خبر کرنا ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب مجوسی اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا۔

رامہ میں آواز سنائی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راخل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں "

یہ بھی قطعی غلط ہے اور صاحبِ انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب ارمیاء کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات کا مطالعہ[1] کرے گا وہ بآسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ سے نہیں ہے، بلکہ بخت نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاءؑ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کر کے بابل کی جانب جلا وطن کر دیئے گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راخیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی روح عالم برزخ میں رنجیدہ ہوئی، اسی بنا پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دے گا۔

ایک خاص نکتہ

ارمیاءؑ کی تحریر اور صاحبِ انجیل کی تصدیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ مُردوں کو عالمِ برزخ میں اپنے رشتہ داروں کے حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور اُن کے مصائب و تکالیف کا حال معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقۂ پروٹسٹنٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔

غلطی نمبر ۵۴

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:۔

" اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا[2]، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

---

[1] مثلاً "اور خداوند فرماتا ہے تیری عاقبت کی بابت امید ہے کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حدود میں داخل ہوں گے (ارمیاہ)

[2] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"

یہ بھی قطعی غلط ہے، یہ بات کسی بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیساکہ یوحنا کی انجیل باب ۷ آیت ۵۲ میں صاف[1] لکھا ہے، مسیحی علماء اس[2] سلسلہ میں کمزور اور بودے عذر و بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

حضرت یحییٰؑ کب تشریف لائے؟ غلطی نمبر ۵۵

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۴ء و ۱۸۸۰ء میں اس طرح ہے:-

فی تلک الایام جاء یوحنا المعمدان یکرز فی بریۃ الیھودیۃ،

"ان[3] دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں، یہ منادی کرنے لگا"،

اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء میں اس طرح ہے:-

"اندراں ایام یحییٰ تعمید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت"،

---

[1] انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کر اور دیکھ کہ گلیل میں سے کوئی نبی برپا نہیں ہونے کا" (یوحنا، ۷: ۵۲)

[2] ماضی قریب کے مفسرین میں سے آر، اے ناکس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کرکے لکھتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو کہ وہ ناصری ہوگا" تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جلد اوّل)

[3] یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں ۱۲

انہی دنوں میں یحییٰ بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا "

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہوگیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزادے کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آگئے، اور ناصرہ میں جا بسے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں "ان دنوں" سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہوگا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہو کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصرہ میں سکونت اختیار کی اسی وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وعظ ان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے[1]،

ہیرودیا کے شوہر کا نام غلطی نمبر ۵۶

انجیل متی کے باب ۱۴ آیت ۳ میں ہے کہ:۔

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قیدخانہ میں ڈالدیا"

یہ بات بھی غلط ہو، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فیلپس، جیساکہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۸ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،

غلطی نمبر ۵۷

انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ :۔

[1] کیونکہ لوقا ۳: ۱ میں ہو کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ وعظ اس وقت کہا جبکہ پنطیس، پیلاطیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تبریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرھواں سال تھا، تبریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، (برٹانیکا، ۱۹۷۰ء ج ۲۲ مقالہ تبریس) تو گویا حضرت مسیح کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیح کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزول ہو چکا تھا، (برٹانیکا، ص ۲۴۶ ج ۲ مقالہ ارخلاوس) اگر ارخلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصرہ میں جا بسنا حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے مانا جائے تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ثابت ہوتی ہے ۱۲ تقی

اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؔود اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو" (آیت ۳ و ۴)

اس بیان میں "نہ اس کے ساتھیوں کو" کا لفظ غلط ہے، جیساکہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

غلطی نمبر ۵۸

انجیل متی کے باب ۲۷ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے"

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیساکہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا[۱]،

حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونیکے وقت زمین کی مُبیّنہ حالت غلطی ۵۹

انجیل متی کے باب ۲۷ آیت ۵۱ و ۵۲ میں ہے کہ:-

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا[۲] اور زمین لرزی، اور چٹانیں تڑخ گئیں، اور قبریں کھُل گئیں، اور بہت سے جسم اُن مقدسوں کے جو سوگئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے"

یہ افسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل نورٹن نے گو انجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۶۷۶ و ۶۷۷ (جلد دوم)

[۲] یعنی جس وقت حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) سولی دی گئی ۱۲

"یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یروشلم برباد و ویران ہوگیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آگیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا[1]"

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں:-

(۱) یہودی، مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز پیلاطس کے پاس پہونچے، اور کہا کہ:-

"اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہٰذا آپ پہرہ دار مقرر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک نگرانی کریں[2]"

نیز متی نے اس باب[3] میں صاف بیان کیا ہے کہ پیلاطس اور اس کی بیوی مسیحؑ کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جاتیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھل جانا اور مُردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں پیلاطس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اس کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیحؑ گمراہ تھے تو

---

[1] آر، اے ناکس نے بھی عہد نامۂ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ متی نے مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔ Commentory on New Testament P. 70 V.I.

[2] متی ۲۷: ۶۲،

[3] متی ۲۷: ۱۸ و ۱۹،

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انھیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے کبھی راضی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

(۲) یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آئے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے،..... بائبل کا بیان ہو کہ جب رُوح القدس کا نزول حواریین پر ہوا اور انھوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۲ میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

(۳) یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہو کہ سوائے متی کے اُس زمانہ کا کوئی بھی مورخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بہانہ پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہئے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سُراغ لگاتا اور کھود کرید کرتا ہے جو مسیحؑ سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل کے باب اور کتاب اعمال باب سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات اُن واقعات کو تو لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر نظر انداز کر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

لہ آیات ۱ تا ۴۰ ،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

(۴) وہ پردہ ریشمی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلوں پر مشترک طور سے لازم آتا ہے،

(۵) بہت سے مقدسین کے جسموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا پولس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے کھڑے ہوئے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اول ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے[1]،

لہٰذا اچھی بات وہ ہے جو فاضل نورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم اٹکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب و یابس کی اس کو کچھ شناخت نہیں ہے، متن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آ گیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تین دن بعد زندہ ہونا، غلطی ۶۰، ۶۱، ۶۲

انجیل متی باب ۱۲ آیت ۳۹ میں ہے کہ:۔

"اس نے جواب دے کر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ[2] تین رات دن

---

[1] دیکھئے صفحہ

[2] یعنی حضرت یونس علیہ السلام،

مچھلی کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم[1] تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" (آیات ۳۹ تا ۴۱)

اور متی ہی کے باب ۱۶ کی آیت ۴ میں ہے کہ :-

"اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا"

یہاں بھی یوناہ پیغمبر (علیہ السّلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲۷ آیت ۶۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اُٹھونگا"

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو اناجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تقریباً دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیساکہ انجیلِ یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پیلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیساکہ مرقس کی انجیل[2] میں صاف لکھا ہے، اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوعِ شمس سے قبل غائب ہوگئی، جس کی تصریح انجیلِ یوحنا[3] میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

---

[1] انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپکو اکثر ابن آدم کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲

[2] مرقس ۱۵: ۴۲ تا ۴۶،

[3] یوحنا ۲۰: ۱ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

اور چونکہ یہ اقوال غلط تھے، اس لئے پاس، اور شاٹز نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ متی کی اپنی تفسیر ہی، اس کو مسیح کا قول تسلیم نہیں کیا اور دونوں نے یہ بات کہی کہ:۔

"حضرت مسیح کا مقصود صرف یہ تھا کہ نینوی[1] کے باشندے جس طرح محض وعظ سنکر ایمان لے آئے اور معجزے کے طالب نہیں ہوئے اسی طرح لوگ مجھ سے بھی صرف وعظ سُنکر راضی ہو جائیں"

ان دونوں کی تقریروں کی بنا پر غلطی کا منشا متی کی بدفہمی تھی، اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ متی نے اپنی انجیل الہام سے نہیں لکھی، پھر جس طرح وہ اس موقع پر مسیح کی مراد نہ سمجھ سکا اور ٹھوکر کھائی، اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی وہ نہ سمجھ سکا ہو، اور غلط ہی نقل کر ڈالا ہو، پھر اس کی تحریر پر کس طرح بھروسہ اور اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کی تحریر کو الہامی کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ کیا الہامی کلام کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟

نزولِ عیسیٰؑ کی پیشینگوئی، غلطی نمبر ۶۳

انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۷ میں ہے:۔

"کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا[2]، اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے" (آیات ۲۷ و ۲۸)

---

[1] یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ۱۲

[2] یہ بقول انجیل خود حضرت مسیح کا قول ہے اور اس سے آخر زمانہ میں تشریف لانے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گل سڑ کر ہڈیاں بن گئے، مٹی ہوگئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی بادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا[1]،

غلطی نمبر ۶۴ انجیل متی باب ۱۰ آیت ۲۳ میں ہے :-

"جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ[2]، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے کہ ابن آدم آجائے گا"

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا فریضہ انجام دیدیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہوگیا، اور اب تو ان کی وفات پر ۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، لیکن "ابن آدم" اپنی پادشاہی سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰؑ کے یہ دو قول تو عروج آسمانی سے پہلے کے تھے، اور عروج کے بعد کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں :-

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸ کتاب مشاہدات باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

"میں بہت جلد آنے والا ہوں"

باب ۲۲ آیت ۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :-

"اور دیکھ ! میں بہت جلد آنے والا ہوں"

---

[1] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہوئے ۱۲

[2] یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو خطاب ہے ۱۲

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

"اُس کتاب کی نبوّت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ، کیونکہ وقت نزدیک ہے"

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

"بے شک میں جلد آنے والا ہوں"

ان مسیحی ارشادات کی بناء پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول ان کے زمانہ میں ہی ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ اُن کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انھوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ "تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خداوند کی آمد قریب ہے"

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۷ میں ہے کہ :-

تسب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعاء کرنے کے لئے تیار"

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۲ آیت ۸ میں ہے کہ :-

"اے لڑکو! یہ اخیر وقت ہے"

۴۔ تھسلنیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

"چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں، اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے، سوتے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئیگا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موے جی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے، تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

۵۔ فلپیون کے نام خط کے باب ۴ آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ:۔

"خداوند قریب ہے"

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔

"اور ہم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں"

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۵۱ میں ہے کہ:۔

"دیکھو! میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں سوئیں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھونکتے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جائے گا، اور مُردے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے"

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو اُن کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے گا[1]، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی، جس کے نتیجہ میں یہ اقوال غلط ہوں گے،

یہ کُل ۱۷ اغلاط ہوئیں،

[1] یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور "جلدی" سے مراد زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۲

غلطی نمبر ۷۶، ۷۷ و ۷۸

پھر انجیل متی کے باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے، لوگوں نے آگے بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور برباد ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟

آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہے اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزولِ عیسیٰؑ اور قیامت کے آنے سے ہے، اسی مسلک کو فاضل پولس اور اسٹار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی سیاقِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اِس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہے وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابلِ التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۲۰ء کی رُو سے اس طرح ہیں:-

"اور فوراً[1] ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا، اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ

[1] چونکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت مع اسی سے نقل کر دی ہے ۱۲ تقی

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،

اور آیت ۳۴ و ۳۵ میں ہے:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

(عربی ترجمہ[1] مطبوعہ ۱۸۴۴ء کا بھی یہی مفہوم ہے) اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹:۔

و بعد از زحمت آں ایام فی الفور آفتاب تاریک خواہد شد،	"اور ان ایام کی زحمت کے بعد فوراً آفتاب تاریک ہو جائے گا"

آیت ۳۴ میں ہے:۔

بدرستی کہ بشما میگویم کہ تا جمیع ایں چیزہا کامل نگردد ایں طبقہ منقرض نخواہد گشت،	"میں تم سے درست کہتا ہوں کہ جب تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ نسل ختم نہیں ہوگی"

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور ویران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ "فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد" اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰؑ کی ہمعصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیحؑ کی بات

---

[1] تطویل کے خوف سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی ۱۲ تقی

نہ مٹے، مگر افسوس ہو کہ وہ مٹ گئی، اور زمین و آسمان اب تک نہیں مٹے، اور بدستور قائم ہیں، اور حق باطل ہو گیا ——— خدا کی پناہ:

اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے، لہٰذا اس قصہ میں بھی غلطی ہوئی، اور تینوں انجیل والوں نے اس غلط بات کے لکھنے میں ایک دوسرے سے اتفاق کیا، اس طرح تینوں کے اتفاق سے کل تین غلطیاں ہو گئیں۔

ہیکل کی بنیادوں پر دوسری تعمیر نہیں ہو سکتی، غلطی نمبر ۷۹ تا ۸۰

انجیل متی کے باب ۲۴ آیت ۲ میں مسیحؑ کا قول یوں بیان ہوا ہے کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا"

اور علماء پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ ہیکل کی بنیادوں پر جو بھی تعمیر کی جائے گی وہ منہدم ہو جائے گی، اور اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، جیسا کہ مسیحؑ نے خبر دی ہے، مصنف تحقیق دین الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی مسیحؑ کی اُن بڑی پیشینگوئیوں میں سے ہے جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے، اپنی کتاب مطبوعہ سنہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۳۹۴ پر وہ رقمطراز ہیں:۔

"بادشاہ جولین نے جو مسیحؑ کے تین سو سال بعد ہوا ہے اور مذہب عیسوی سے مرتد ہو گیا تھا، ارادہ کیا کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرائے تاکہ مسیح کی پیشینگوئی باطل ہو جائے، چنانچہ جب اس کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیادوں سے ایک آگ برآمد ہوئی جس سے ڈر کر تمام معمار بھاگ گئے، پھر اس کے بعد کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہو سکی کہ اس

سچے کی بات کو مٹائے، جس نے کہا تھا کہ آسمان و زمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی"

پادری ڈاکٹر کیٹ نے "منکرین مسیح" کے رد میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل" رکھا ہے، یہ کتاب دار السلطنت اڈنبرگ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۰، پر کہتا ہے کہ:-

"شہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور ہیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادوں کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت شہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ ہیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جد و جہد اور شہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بت پرست مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور معماروں کو جلا دیا جس کے سبب انھوں نے کام روک دیا"

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی اسی باب کی دوسری پیشینگوئی[1] غلط ہے طامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیوں پر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۳ و ۶۴ میں وہ کہتا ہے کہ:-

---

[1] یعنی وہ پیشینگوئی جو جبل زیتون پر کی گئی اور غلطی نمبر ۶، کے ضمن میں پیچھے گذر چکی ہے۔

عمر (رضی اللہ عنہ) وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنھوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دَور ساڑھے دس سال ہو، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب شام وایران اور مصر پران کا تسلط ہوگیا، نیز انھوں نے بنفس نفیس یروشلم کا محاصرہ کیا، اور ۶۳۷ء میں ان عیسائیوں سے صلح کرلی جو طویل محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کردیا (حضرت عمر) رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ اُن کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی، اور پادری نے یعقوبؑ کے حجرے اور ہیکل سلیمانی کے مقام کی نشان دہی کی، اس پتھر س جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلاظتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسرانِ فوج نے عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادتِ خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض مورخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا عبدالملک بن مروان نے جو بارھواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دَورِ خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی ؛

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر باایں ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبدالملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گذر چکا ہے، پھر اُن کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہو گئی؟ اور نہ آسمان و زمین فنا ہوئے، اور چونکہ یہ قول انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی منقول ہے، لہٰذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں غلطی نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ:-

"یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے"

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب یہودا اسکریوتی تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہو گئے تھے[1]، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جہنمی بنے، پھر اُن کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳

انجیل یوحنا باب اوّل آیت ۵۱ میں ہے کہ:-

"پھر اس سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم آسمان کھلا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے اور ابن آدم پر اُترتے دیکھو گے"

---

[1] دیکھئے متی ۲۶: ۱۴، و ۲۶: ۴۷، و ۲۷: ۳،

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطباغ اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہو حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے فرشتوں کو نازل ہوتے اور جاتے ہوئے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ قطعی غلط ہے،

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴

انجیل یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا، سوا اس کے جو آسمان سے اُترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جائے گئے، اور چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۵ میں اور سلاطین ثانی باب ۲ میں موجود ہے،

عیسائیوں کی کرامتیں غلطی نمبر ۸۵

انجیل مرقس باب ۱۱ آیت ۲۳ میں کہا گیا ہے کہ:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے کہ تو اُکھڑ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شک نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہے وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے وہی ہوگا"

۱؎ ان دونوں واقعات کی تفصیل ص ۱۹۵ جلد ہذا پر گذر چکی ہے)، یہ واقعات یوحنا میں اس قول سے پہلے ۱، ۳۲ میں بیان کئے ہیں ۱۲

۲؎ یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲

۳؎ "اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہوگیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھالیا" (پیدائش ۵: ۲۴)

۴؎ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا" (۲-سلا ۲: ۱۱)

اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱۷ میں یوں کہا گیا ہے:۔

"اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انھیں کچھ ضرر نہ پہونچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔"

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں"

اس میں یہ بات کہ "جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا" عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ "جو مجھ پر ایمان لائے گا" یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقۂ اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کی نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اس کو مسیحؑ کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ ان سے بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہٰذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ " ان سے زیادہ بڑے کام کریگا " اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیحؑ جیسے کارنامے حواریوں ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرقِ عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں منتخب اور چیدہ عیسائیوں یعنی فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ باوجود سالہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مؤنث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، شیاطین کو نکال دینا اور سانپوں کو اٹھا لینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفاء دینا تو کارے دارد؛

سچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ہاں بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے،

شیطان لوتھر پر غالب آگیا

ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم الشان پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآۃ الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، پادری موصوف صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷ میں کہتا ہے:-

"لوتھر نے دسمبر ۱۵۴۳ء میں ارادہ کیا کہ مینا کے بیٹے سے شیطان کو نکال دے مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو اُن یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنھوں نے شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۹ آیت ۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لوتھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کر ڈالا، ستافیلس نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لوتھر کی گردن دبا رکھی ہے، اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ بدحواس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھوڑے سے جو اس کو روشندان کے ذریعہ اُس کے نوکر نے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا"

کالون کی شرارت اور اُس کا عبرتناک انجام

دوسرا واقعہ بلسک وایل پیرس مورخ نے فرقہ پروٹسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کالوین کا جو لوتھر کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص بیردمس کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چت لیٹ کر سانس روک کر مُردہ کی طرح ہوجانا ... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیردمس مردے اُٹھ کھڑا ہو اور زندہ ہوجا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہوجاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مُردہ تھے، اور اب زندہ ہوئے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمھارا شوہر اپنے آپ کو مُردہ بنالے تو تم خوب رونا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی ہمدردی دینے والیاں جمع ہوگئیں، تب کالوین آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رو میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور بیروسس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ بیروسس واقعی مرچکا تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کالون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا، اور چلّا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے"

ملاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ! یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دَور میں پولس کی طرح عظیم الشان مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروں کے حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور فرقۂ کیتھولک کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زہر دوسرے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، خود پی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، پھر جب گرجے کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، غرض دونوں فرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات سے قطعی محروم ہیں

غلطی نمبر ۸۶ انجیل لوقا باب ۳ آیت ۲۷ [1] میں یوں ہے کہ:-

"وہ یوحنا کا اور وہ ریسا کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور وہ نیری کا"

---

[1] حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اِس آیت میں تین اغلاط ہیں:-

۱، زوربابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں[۱] ہے، اس کے علاوہ یہ متی کی تحریر کے بھی خلاف ہے،

۲، زوربابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالتی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور[۲] ہے،

۳، سیالتی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متی نے بھی کی ہے[۳]،

غلطی نمبر ۸۷

لوقا باب ۳ میں کہتا ہے:-

"وہ سلح کا اور وہ قینان کا اور وہ ارفکسد کا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلح ارفخشد کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب[۴] میں اور کتاب تواریخ اوّل باب میں موجود[۵] ہے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں[۶] ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود عیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہمارے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں عیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

۱؎ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۹۰ کا حاشیہ۔

۲؎ دیکھئے حاشیہ صفحہ ۴۸۹ کتاب ہذا۔

۳؎ یکنیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا (متی ۱: ۱۲)

۴؎ جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا تو اس سے سلح پیدا ہوا (۱۱: ۱۲)

۵؎ سم، ارفکسد، سلح (۱: ۲۴)

۶؎ یہ مصنف نے غالباً اس لئے کہا ہے کہ بعض تراجم میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا ۱۲

ولادتِ مسیحؑ سے پہلے کی مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیل لوقا باب ۲ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:

"ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگسٹس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری (آبادی) کے نام لکھے جائیں یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنت روما کی آبادی ہے، اور بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنت یہوداکی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں سے جو یا تو لوقا کے ہمعصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں، کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اُس مردم شماری کو جو ولادتِ مسیحؑ سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ اُن مورخین میں سے کسی نے جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہو کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقل ہے، پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کرلی جائے تب بھی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کورنیس والیِ شام جو مسیحؑ کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیحؑ کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہو چکی ہو، اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیحؑ کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریمؑ کا حمل متواتر پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اول میں اس امر کا اعتراف کیا ہو کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی ہیرودیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریمؑ اس کے چھ ماہ بعد حاملہ ہوئی تھیں[۲]، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

---

[۱] مصنفؒ کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہیں، مگر مطبوعہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے "ساری دنیا" کا لفظ ہے ۱۲

[۲] اور ہیرودیس کا زمانہ کورنیس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۲

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

غلطی نمبر ۸۹ انجیل لوقا باب ۳ آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:۔

"تبریس قیصر کی حکومت کے پندرھویں برس جب پنطیس پیلاطس، یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخوتی تس کا اور لسانیاس ابلینے کا حاکم[1] تھا، (بعض تراجم میں ابلینے کے بجائے ابلیاہ کا لفظ ہے مآل دونوں کا ایک ہی)"

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک لسانیاس نام کا کوئی شخص جو پیلاطس اور ہیرودیس کا معاصر ہو ابلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

غلطی نمبر ۹۰ باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں یوحنا سے ملامت اٹھا کر الخ"

یہ قطعی غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے[2]، عیسائی مفسرین نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ کے شاہد، ۲ میں مزید معلوم ہو جائے گا[3]، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب کاتب کی

---

[1] "حاکم" یہاں یونانی لفظ "تترارخ" کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی "چوتھائی ملک کا حاکم" ہیں جیسا کہ مترجم کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

[2] دیکھئے صفحہ ۴۹۹ جلد ہذا، [3] دیکھئے صفحہ ۶۷۳، جلد دوم،

غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب ۶ آیت ۱۷ میں ہے کہ:۔

"ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا، اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا"

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تینوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۲۱ء و سنہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے متی اور لوقا کی عبارت میں تحریف کر کے لفظ فیلپس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اِس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی روٹیاں کھانا غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴

انجیل مرقس باب ۲ آیت ۲۵ میں اس طرح کہا گیا ہے:۔

"اس نے اُن سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں"

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تنہا تھے، اُس وقت اُن کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ "اور اس کے ساتھیوں" غلط ہیں،

اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ "اپنے ساتھیوں کو" غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ میں ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

کاہنوں کا رئیس اخیملک تھا، نہ کہ ابیاتر جو اخیملک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ "ابیاتر سردار کاہن[1] کے دنوں میں" قطعی غلط ہیں، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اقرار ان کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد[2] ۲۹ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اوّل باب ۲۱ و ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے[3]،

غلطی نمبر ۹۵، ۹۶

انجیل لوقا باب ۶ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے "داؤد اور اس کے ساتھی" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دیا" کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

غلطی نمبر ۹۷

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ہے کہ:۔

"اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا[4]"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہوداہ اسکریوتی اس سے قبل مر چکا تھا، اس لئے حواری صرف

---

[1] "سردار کاہن" (High Priest) بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات میں ہے کہ یہ عہدہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ مخصوص فرائض، تفصیل کیلئے دیکھئے خروج باب ۲۸ و ۲۹ اور احبار باب ۸ و ۱۶،

[2] دیکھئے صفحہ ۵۹۳ جلد دوم،

[3] "اور داؤد نوبؔ میں اخیملک کاہن کے پاس آیا اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟" (۲۱: ۱) اس کے بعد روٹیوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یاتر تھا الخ (۲۲: ۲۰)،

[4] یہاں حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ سب سے پہلے کیفا کو اور پھر بارہ حواریوں کو نظر آئے، ہورن نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۵۹۰، جلد ۲)

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ :-

"پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا"

حواری غلطی نہیں کرسکتے
غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰

انجیل متی باب ۱۰ آیت ۱۹ میں ہے :-

"لیکن جب وہ تم کو پکڑوائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح کہیں! کیا کہیں! کیونکہ جو کچھ کہنا ہوگا اسی گھڑی تم کو بتایا جائے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے، جو تم میں بولتا ہے" (آیات ۱۹ و ۲۰)

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ :-

"اور جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیار والوں کے پاس لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح القدس اسی گھڑی تمھیں سکھادے گا کہ کیا کہنا چاہیے"

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گویا تینوں انجیل والوں کی تصریح اُن کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا الہام ہوگا تمھارا کلام ہرگز نہ ہوگا، . . . .

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ :-

"پولس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گذاری ہے، سردار کاہن حننیاہ نے ان کو جو اُن کے پاس کھڑے تھے حکم دیا کہ اس کے مُنہ پر طمانچہ مارو

پولس نے اس سے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انھوں نے کہا تُو کیا خدا کے سردار کاہن کو بُرا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کاہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو بُرا نہ کہہ" (آیات ۱تا۵)

پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو اُن کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سب سے بڑے حواری پطرس کی برابری کا مدعی[1] ہے) نیز فرقۂ پروٹسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہے، وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلطی کرسکتا ہے؟

نیز عنقریب فصل[2] ۴ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہے اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے عدد کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں،

انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۱۷ میں لکھا کہ حضرت الیاہ پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی۔[3]

---

[1] "میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں" (۲ کرنتھیوں ۱۲: ۱۱)

[2] دیکھئے ص ۲۴۳ و ۲۴۴ جلد ہذا۔

[3] "ایلیاہ کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا" (لوقا ۴: ۲۵) "چنانچہ ساڑھے تین برس تک زمین پر مینہ نہ برسا" (یعقوب ۵: ۱۷)۔

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اوّل باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوئی تھی[1]، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیحؑ کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوبؑ کے قول میں، اس لئے درحقیقت دو غلطیاں ہوگئیں۔

حضرت عیسیٰؑ داؤدؑ کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳

انجیل لوقا کے باب اوّل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

"اور خداوند خدا اُس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا، اور وہ یعقوبؑ کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا"

(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی دو لحاظ سے غلط ہے:

اوّل تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہویقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو متی کی انجیل میں درج ہے، اور یہویقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھ سکے، جس کی تصریح کتاب ارمیاہ باب ۳۶ میں[2] موجود ہے۔

دوم یہ کہ مسیحؑ کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤدؑ کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ اُن کو یعقوبؑ کی اولاد پر پادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور پیلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

(۱-سلا ۱۸: ۱)
[1] خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر اخی اب سے مل اور میں زمین پر مینہ برساؤں گا"۔

[2] یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤدؑ کے تخت پر بیٹھے" (۳۶: ۳۰)

مارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنھوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا، اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بادشاہت سے متنفر[1] تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا،

غلطی نمبر ۱۰۴

انجیل مرقس باب ۱۰ میں ہے کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانہ میں سو گنا نہ پائے، گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی" (آیات ۲۹ تا ۳۱)

اور انجیل لوقا باب ۱۸ میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:۔

"اور اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ نہ پائے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی"

حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جب اس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک سو بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا ممنوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جائے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جاتا ہے،

اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوڑ ہے کہ "اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ" اس لئے کہ گفتگو ہو رہی ہے بہترین جزاء اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

دیوانہ کو شفا دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۵ میں مجنون سے بدروحوں کے نکالے جانے کی کیفیت بیان

---

[1] "پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے بادشاہ بنانے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا" (۶: ۱۵)

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-

"پس انھوں نے (یعنی بدروحوں نے) اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیجدے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور ناپاک روحیں نکل کر سوروں میں داخل ہوگئیں، اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا" (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دور میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات بالکل ممکن تھی کہ وہ دیوانے کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفاء دیدیتے، جو نصاریٰ کی نگاہ میں بھیڑ بکری کی طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے مالکان کو کیوں پہنچایا؟

غلطی نمبر ۱۰۶ انجیل متی باب ۲۶ میں یہودیوں سے ہمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

"اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادل سے آتا ہوا نہیں دیکھا، نہ وفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔

ے آیت ۶۴۔

شاگرد استاد سے نہیں بڑھ سکتا غلطی نمبر ۱۰۷

انجیل لوقا باب[۱] ۶ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

"شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔"

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں سے بڑھ گئے ہیں۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی؟ غلطی نمبر ۱۰۸

انجیل لوقا باب[۲] ۱۴ میں مسیح کا قول یوں بیان ہوا ہے:۔

"اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"

یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیحؑ کی شان سے بعید ہے، حالانکہ مسیحؑ نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے، اس کی تصریح انجیل متی باب[۳] ۵ میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں مسیحؑ کس طرح ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

غلطی نمبر ۱۰۹

انجیل یوحنا باب ۱۱ میں اس طرح ہے کہ:۔

"اور ان میں سے کائفا نام ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن

---

[۱] سب نسخوں میں باب ۶ ہی مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح باب ۶ آیت ۴۰ ہے، کیونکہ یہ جملہ اسی میں موجود ہے، ۱۲

[۲] آیت ۲۶،

[۳] سب نسخوں میں باب ۵ ہی، مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۴ ہے ۱۲ تقی

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس[1] نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے " (آیات ۴۹ تا ۵۲)

یہ بھی کئی اعتبار سے غلط ہے :

اوّل تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰؑ کی موت کو فقط یہودیوں[1] کی طرف سے کفارہ شمار کیا[2] جائے نہ کہ سارے عالم کی طرف سے، جو عیسائی نظریات اور دعاوی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ " نہ صرف اس قوم کے واسطے" قطعی لغو اور نبوت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک مسلم ہے وہی ہے جو اس وقت کاہنوں کا رئیس تھا، جب کہ عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی، اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیح کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

---

[1] غالباً اس لئے کہ "خدا کے فرزند" کا لفظ انہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲

[2] "کفارہ" عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے اصلی گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ از راقم الحروف ۱۲ تقی

اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی مار پیٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،

چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ :-

"اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے جہاں فقیہہ اور بزرگ جمع ہوگئے تھے"

پھر آیت ۶۳ میں ہے :-

"مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے، اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے، اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے، تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں نے اس کے منھ پر تھوکا، اور اس کے مکے مارے، اور بعض نے طمانچے مار کر کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟" (آیات ۶۳ تا ۶۸)

چوتھے انجیلی نے بھی[1] اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :

"اور پہلے اُسے حنّا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن کائفا کا سسر تھا، یہ وہی کائفا تھا، جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ اُمت کے واسطے ایک آدمی کا مرنا بہتر ہے"

[1] یوحنا ۱۸ : ۱۳ و ۱۴ ،

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوّت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیلی نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کیونکر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟

اور اگر نبوّت کے وسیع جامے میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوّت سے بھی اور ایسے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقلی اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نعوذ باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھدی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابلِ سماعت ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے بیہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام بکواس تثلیث پرستوں کی من گھڑت ہے،

بالفرض اگر کائفا کے قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰؑ ہی مسیح موعود ہیں، اُدھر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم الشان بادشاہ ہو تو خود اس کو اور اکابرِ یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجب فساد ہوگی، اور قیصر روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجۃً ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰؑ کے ہلاک کر دیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہو سکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سارے عالم کے انسان اس اصلی گناہ سے چھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدمؑ کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان سے مسیحؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیل کو بعد میں یہ فرو گذاشت محسوس ہوئی، جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجائے "نبوت کرنے" کے "صلاح دی" کے الفاظ کو استعمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلافی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماردی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈالی۔

غلطی نمبر ۱۱۰

رسالہ عبرانیہ باب ۹ میں ہے:

چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو شریعت کا ہر ایک حکم سنا چکا تو بچھڑوں اور بکروں کا خون لے کر پانی اور لال اُون اور زوفا کے ساتھ اس کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم خدا نے تمہارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام چیزوں پر خون چھڑکا" (آیت ۱۹ و ۲۰)

اس میں تین لحاظ سے غلطیاں ہیں:

۱۔ اوّل یہ کہ وہ خون بچھڑوں اور بکروں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،

۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سُرخ صوف اور زوفا شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،

۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰؑ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ برتنوں پر، بلکہ نصف خون قربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا، جس کی تصریح کتابُ الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے:۔

"اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جاکر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتادیئے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہوکر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اُٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنھوں نے سوختنی قربانیاں چڑھائیں، اور بیلوں کو ذبح کرکے سلامتی کے ذبیحے خداوند کے لئے گذرانے، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا قربان گاہ پر چھڑک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سُنایا، انھوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کرینگے اور تابع رہیں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا دیکھو یہ اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے ان سب باتوں کے بارے میں تمھارے ساتھ باندھا ہے"

ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی ممانعت کردی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ شرج

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہوگا وہ فائدہ سے زیادہ ہوگا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونیکی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے غائب تھیں، پھر جب فرقۂ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا اور انھوں نے ان کتابوں کا کھوج نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِ عمل ہوا وہ دنیا جانتی ہے، کتابُ الثلاث عشرۃ مطبوعہ بیردت سنہ ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۸ پر لکھا ہے کہ :۔

"اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہئے جو ٹرینٹی کی مجلس سے مرتب ہوا ہے، اور پوپ کے یہاں سے اس پر مہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بنا پر پادری یا قاضی کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراف کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہونچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیتھولک استاد کی نظر سے گذر چکی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں قطعی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لیجائی جائے"

چوتھی فصل

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہلِ کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہدِ عتیق یا عہدِ جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے۔ اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں :-

معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل :

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عمداً تحریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک توجیہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۳ کی قسم اوّل میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۳ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معنوی اختلافات سے محفوظ ہونا ازبس ضروری ہے،

تحریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تحریفات بھی موجود ہیں، اور بے سمجھی سے کی جانیوالی تحریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرّف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب نشان دہی کی جائے گی،

بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کا اعتراف:

کتاب بارُوک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پند کلیسا، مقابیین کی کتاب نمبر ۱ و ۲، کتاب استیر کے باب ۱۰ تا ۱۶ اور باب ۱۰ کی دس آیات ..... کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین بچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ و ۱۴ فرقہ کیتھولک کے نزدیک عہد عتیق کے اجزاء ہیں،

ادھر فرقہ پروٹسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب التسلیم ہیں، اس لئے اُن کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے. جو صاحب چاہیں اُن کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر ۳ گریک کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر فرقہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں فرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

نیز کتاب القضاۃ، ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو فینحاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو حزقیا کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو حزقیا کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اسٹار برگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب نحمیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب ۱۲ کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی ربی مانی ویز اور میکائلس وسیلر واسٹینا ک و ہوپٹڈ دلہ اسی طرح فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اعظم لوتھر کی رائے کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہو یا الہ کے کسی شخص ، یا مجہول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمانؑ کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ ما، تیلمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشید الانشاد تھیوڈور سمن رلیکلرک اور وشن وسیلر اور کاستیلولیس کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،

اور کتاب اشعیاء کے ستائیس باب فاضل استاہلن جرمنی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور جمہور علماءِ متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے، اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح الہامی نہیں ہو سکتا، رہی انجیل یوحنا، استاڈلن اور محقق برطشنیدر کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور اس کا آخری باب محقق گروٹیس کے قول کے موافق الہامی نہیں ہے۔

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برطشنیدر اور فرقہ الوجین کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک الہامی نہیں ہیں

ہورن کا اعتراف:

ہورن اپنی تفسیر کی جلد مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ:۔

"اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں معدوم ہو چکی ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہا ہو کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطینِ یہودا و اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملی، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر اُن پیغمبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر دو قسم کی ہے، ایک قسم تو دیندار مورخین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت و شریعت کی سند ہے"

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اوّل میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہو جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب ۲۱ آیت ۱۴[1] میں ہے کہتا ہے کہ:-

"یہ کتاب جو معدوم ہو گئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ[2] کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب تھی جس کو موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے عمالقہ کی شکست کے بعد یوشعؑ کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جزء تھی"

پھر جلد اوّل کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ:-

"جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الٰہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو

---

[1] کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہے، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہو چکا ہے ۱۲

[2] جوزف باربر لائٹ فٹ Joseph Barber Lightfoot (پ ۱۸۲۸ء م ۱۸۸۹ء) مشہور انگریز عالم اور بشپ تھا جس نے حواریوں کے خطوط پر شرح لکھی ہے،

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق لکھیں اور علم الالہام اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ہر وہ بات جو انھوں نے بیان کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے"

پھر کہتا ہے کہ:

"یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہوا کرتا تھا"

الگزینڈر کا اعتراف:

ہنری، واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزینڈر کینن یعنی الگزینڈر کے اصول ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قانونی ہو اور سلیمان کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہر وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ انبیا۔ اور حواریوں کو خاص خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا"

اور الگزینڈر علمارِ پروٹسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہے۔ اور اسی لئے فاضل وارن پروٹسٹنٹ نے کارکرن کیتھولک کے مقابلہ میں انجیل کی صحت و عدم صحت کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلوپیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علمار کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہیں، یہ لوگ جلد ۱۱ صفحہ ۴۷۲ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں :-

"اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے وہ الہامی ہے یا نہیں ؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو اُن میں بیان کئے گئے ہیں جیروم ، گروٹیس ، پروکوبیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے[1] "

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں :-

"جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہے، اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے "

پھر کہتے ہیں کہ :-

اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہدِ جدید کے کس جزو کو الہامی تسلیم کرتے ہیں ؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائل اور احکام اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشینگوئیاں جو مسیحی مذہب کی بنیاد ہیں وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حواریوں کی یادداشت ان کے بیان کے لئے کافی ہے"

ریس کی تحقیق :

ریس نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائکلوپیڈیا ریس کے نام سے مشہور ہے ، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں ، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

[1] برٹانیکا کے موجودہ ایڈیشن میں ہمیں یہ جملہ نہیں ملا، تاہم ان کتب کے لفظ بلفظ الہامی نہ ہونے کا اعتراف موجودہ ایڈیشن میں بھی موجود ہے، انسائکلو ۱۲ ص ۲۲۴

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲۳ کی ابتدائی ۶ آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے[1]،

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یروشلیم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انھوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال[2] باب ۱۱ آیت ۲، ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا، (دیکھئے[3] ۲ کرنتھیون باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا دیکھئے[4] کرنتھیون کے نام پہلا خط باب ۷ آیات ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۴۰، اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اس سے

---

[1] یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ہذا پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۱۲

[2] "جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا" (اعمال ۱۱: ۲و۳)

[3] "میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا" (۲ کرنتھیون ۱۱: ۵)

[4] ان عبارتوں میں سے ایک درج ذیل ہے۔ "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" (۱ کر، ۷: ۱۰)

یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں"

پھر کہا ہے کہ:۔

"میکائنس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ الہام رسالوں میں یقیناً مفید ہو، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم الہام سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہو، جیسا کہ مسیح نے بھی فرمایا کہ "اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو" جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۵ آیت[1]، میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہونچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملتِ عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کسی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے، بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے، اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ مورخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایمانی بنیادوں کو جانچنا پرکھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس لئے کہ اناجیل میں درج شدہ

[1] سب نسخوں میں ۱۷ ہی ہے، مگر درست ۲۷ ہے ۱۲ تقی

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بنا پر "دور"[1] کو مستلزم ہے، کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ان واقعات میں اُن کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیشِ نظر رکھیں تو ملتِ عیسوی میں کسی قباحت کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تحریروں میں میں آئے ہیں، اور جن کا ادراک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ بات سمجھنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی ہو پھر اس کے بعد اصلاح یوحنا نے کردی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم فائدہ مرتب ہوگا، مسٹر کڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکائلس کی تائید کی ہے،، رہیں وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیسا کہ مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکائلس نے ان کے الہامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

واٹسن کا اعتراف:

واٹسن نے اپنی کتاب رسالۃ الالہام کی جلد ۳ میں جو کہ ڈاکٹر بینسن کی تفسیر سے

---

[1] دور علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہو کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر موقوف ہو اور اس دوسری کا ثبوت پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال ہو، ریس کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو "دور" لازم آجائے گا جو محال ہو، اس لئے ضروری ہو کہ اناجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۱۲ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریر کا الہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ :-

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں، ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے معزز تھیفلس؛ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے"

واٹسن کہتا ہے :-

"مذہب عیسوی کے متقدمین علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آرینوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکھی تھیں ہم تک پہونچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پولس ہی پر نہیں ہے، جس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پولس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی"

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ :-

"حواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو اُن کے پاس جو الہام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہرحال وہ انسان تھے اور عقل والے اور صاحب الہام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر الہام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی . . .

عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پولس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ وہ تیمتھیس کو بغیر الہام کے یہ لکھے کہ، اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کرے" چنانچہ اس کی تصریح تیمتھیس کے نام پہلے خط باب ۵ آیت ۲۳ میں موجود ہے، یا اس کو یہ لکھ سکے کہ:۔ ....

...... جو چوغہ میں ترواس[1] میں کرپس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آئے تو وہ اور کتابیں خاص کر رق کے طومار لیتے آنا" جیسا کہ اس کے نام دوسرے خط کے باب ۴ آیت ۱۳ میں ہے، یا فلیمون کو یہ لکھ سکے کہ: ....

........." اس کے سوا میرے لئے ٹھیرنے کی جگہ تیار کر" (فلیمون آیت ۲۲) یا تیمتھیس کو لکھے کہ: "ارستس کرنتھس میں رہا اور ترفمس کو میں نے میلیتس میں بیمار چھوڑا" (۲-تیمتھیس ۴: ۲۰) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات نہیں بلکہ مقدس پولس کے حالات ہیں، جس نے کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۷ آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ" مگر جن کا بیاہ ہوگیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو۔ پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ" باقیوں سے میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند" اور آیت ۲۵ میں ہے:" کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن دیانتدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق رائے دیتا ہوں الخ" اور کتاب اعمال باب ۱۶ آیت ۶ و ۷ میں ہے کہ" اور وہ فروگیہ اور گلتیہ کے علاقہ میں سے گذرے، کیونکہ روح القدس

[1] ترواس سمرنا سے شمال میں آستیہ کی ایک بندرگاہ تھی، کرپس ایک شخص کا نام ہے، اور "رق" بکری کی جھلی کو کہتے ہیں جو پرانے زمانہ میں کاغذ کے طور پر استعمال کی جاتی تھی ۱۲ تقی

نے انھیں آسیہ میں کلام سُنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیہ کے قریب پہونچ کر بتونیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر لیوع کی رُوح نے انھیں جانے نہ دیا"

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بُنیاد دو چیزوں پر قائم تھی، ایک عقل، دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے ملّتِ عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کرجاتے ہیں، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب ۱۵ آیت ۲۴ و ۲۸ نیز کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۶ آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب ۱ آیت ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ "اُس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرینِ قیاس اور امتحان میں لاجواب اور بے مثل ہے"

باسوبر لیافان کا اعتراف :

باسوبر لیافان کہتا ہے کہ :-

"رُوح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، اُن کے لئے کوئی خاص زبان معیّن نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دِلوں میں صرف مضامین کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے اُن کی حفاظت کی اُن کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عبارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہد عتیق کے مؤلفوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں فرق اور تفاوت پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہوگا وہ متیؔ اور لوقاؔ اور پولسؔ اور یوحناؔ کے محاورات میں فرق محسوس کرے گا،

ہاں اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرتا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتبِ مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوئے ہیں کہ جن کے لئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو لوقاؔ نے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چیزوں کو آئندہ نسلوں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہوعادتاً یوں کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولسؔ کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر لوقاؔ کو اس کے باوجود اپنے بیان میں پولسؔ کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے اس میں کچھ نہ کچھ تفاوت ہے، مگر تناقض نہیں ہے

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں، جس کی تصریح ہورن اور واٹسن نے کی ہے،

توراۃ کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف:

ہورن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے:-

"اکہارن ان جرمنی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے الہام کا اعتراف نہیں ہے"

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ:-

"شلز، واتھ اور روزن ملر و ڈاکٹر جدس کہتے ہیں کہ موسیٰؑ کو کوئی الہام نہیں ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں آجکل جرمنی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے"

نیز وہ کہتا ہے کہ:-

"یوسی بیس اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں اپنے خسر کی بکریاں چرایا کرتے تھے"

ہماری گذارش یہ ہے کہ جب موسیٰؑ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی، تو یہ کتاب بھی اُن محقق علماء کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد الہامی نہیں ہے، جیسا کہ محقق ہورن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو الہامی کیونکر ہو سکتی ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ:-

"لوتھر نے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں کہا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰؑ کو مانتے ہیں نہ توریت کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلّادوں کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکامِ عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکامِ عشرہ کو خارج کر دیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی بیں کہتا ہے کہ ان احکامِ عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، فرقہ انٹی نومینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ توریت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار رہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کتنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی تہہ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکامِ عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی"

ملاحظہ کیجئے فرقۂ پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کی شان میں کیسے کیسے موتی بکھیر رہے ہیں،

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ ؑ، عیسیٰ ؑ کے دشمن اور جلادوں کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ توریت خدائی کتاب ہو، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰ ؑ اور توریت اور نہ احکام عشرہ سے ہے، اور یہ احکام قابلِ اخراج بھی ہیں، اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ اُن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے توریت اور موسیٰ ؑ کے بھی منکر ہوں، اور شرک وبُت پرستی، والدین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پروٹسٹنٹ کے ضروری اجزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکام عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس فرقہ کے بعض لوگوں نے ہم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰ ؑ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدوّن کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ ؑ ہمارے خیال میں ایک چور اور لٹیرے تھے۔ ہم نے کہا خدا سے ڈرو، کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ:-

"جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے اُن کی نہ سُنی" جس کی تصریح انجیل یوحنا کے باب۱۰ آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ "جتنے مجھ سے پہلے آئے" موسیٰ ؑ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے،

ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید نے موسیٰ ؑ اور توریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰ ؑ کے اسی قول سے استدلال کیا ہوگا

یعقوبؑ کے خط اور مشاہداتِ یوحنا کے بارہ میں عیسائی علماء کا اعتراف

فرقۂ پروٹسٹنٹ کا امام لوتھر یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے:۔

"یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری نے اپنے رسالہ کے باب ۵ میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے بزرگوں کو وہ بلائے، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اُس کے لئے دعا کریں"

امام مذکور نے اپنی کتاب کی جلد ۲ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کسی حواری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کسی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا"

لہٰذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ:۔

"پومرن جو فرقہ پروٹسٹنٹ کا ایک زبردست عالم ہے اور جناب لوتھر کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو واہیات باتوں میں ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے ایسے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جا سکتی،

وائی تس تھیوڈورش پروٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں واعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات یوحنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ یعقوب ان بعض مقامات پر قابلِ ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، مکیڈی برجن سنتیورقس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے "

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح اُن کا امام نہیں مانتا،

کلی می شیس کا اعتراف:

کلی می شیس کہتا ہے کہ:-

"متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے"

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اوّل تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات لوقا کی بات پر راجح ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے، یہ تینوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی دو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے اوپر نہیں ہو سکتی، محقق بیلی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں طبع ہو چکی ہے،

اس کے صفحہ ۳۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :۔

"دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قربِ قیامت کے معتقد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں پطرس سے یہ کہا[1] کہ "اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟" اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی،[2] غور کیجئے، اگر یہ بات رائے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہونچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے جس سے یہ خطرناک غلطی پیدا ہوئی ہے، اور آج کوئی شخص ملتِ عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیش نظر جو ہم تک پہونچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین مسیحی حضرات اپنے زمانہ میں قیامت واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیش نظر رکھنا چاہتے جو ہم نے اس پُرانی اور ناپائدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب ہی سے تو بچالیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہو، تو پھر ان کی کسی بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہو؟

---

[1] دیکھئے یوحنا، ۲۱: ۲۲،

[2] "لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟" (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

اس کے جواب میں ملتِ مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلہ میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہے، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلوب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجہ کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے تاکہ تمام خطرہ دور ہو جائے،

اوّل یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہو گئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہو گئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحۃً دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڈ مڈ ہو گئی ہیں اُن کی نسبت کچھ نہ کچھ کہنا ہوگا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلّط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، اس بناء پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مبتلا ہو گئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملتِ عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، بلکہ مسیحی اقوال کے ساتھ اس ملک میں رائے عامہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہو گیا ہے، اور ارواح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا نہ تو اُن کے پیغام کا جزو ہے نہ اُس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے،

دوسرے اُن کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، ظاہر

ہر کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی توضیح و تقویت کے سلسلہ میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعتِ موسویہ الہامیہ کی اطاعت واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے،

پولس جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں اور بہت سی باتیں ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب التسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت ملّتِ مسیحی کی حمایت کے لئے کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اُن کے مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہوگا وہ واجب التسلیم ہوگا، مگر یہ بات ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا اُن کو قبول کریں، البتہ ایسی صورت میں جب کہ انھوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف کیا ہو تو بیشک وہی واجب التسلیم ہو سکتے ہیں "

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوئے :-

اوّل یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوعِ قیامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان[1] کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت اُن کے زمانہ میں واقع ہوگی

---

[1] دیکھئے صفحہ ۵۰۶ تا ۵۰۸ جلد ہذا،

مفسر پارنس، انجیل یوحنا کے باب ۲۱ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ:-

"یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی جو بآسانی غلطی میں مبتلا کر سکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید پختگی ہوگئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ:-

"غالب یہ ہے کہ مسیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھالیا جائے گا"

پھر وہ کہتے ہیں کہ:-

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر و رائج ہوگئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تحریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدر کم اعتبار ہوگا؟ اور یہ تغیر ہماری روایت ہے، عیسیٰؑ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے"

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ:-

"حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا جس کی تصریح انجیلؔ نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی"

۱؎ "پس بھائیوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا" (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

ان مفسرین کی تفسیر کی بنیاد پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے غلط سمجھا، اور جب اُن کا عقیدہ قیامت کے باب میں اسی قسم کا ہے جیسا کہ یوحنا کے قیامت تک نہ مرنے کا، تو ظاہر ہے کہ اُن کے وہ اقوال[1] جو اُن کے دور میں وقوعِ قیامت ظاہر کرتے ہیں، ان سے اُن کے ظاہری معنی سمجھے جائیں گے، اور غلط ہوں گے، اور اُن کی تاویل کرنا یقینی طور پر مذموم اور نامناسب ہوگا، اور کلام کی ایسی توجیہہ کے مرادف ہوگا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو، اور جب غلط ہوئے تو الہامی نہیں ہوسکتے،

پہلی کی عبارت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جن معاملات کا تعلق دین سے نہیں ہے، یا دینی امور میں اُن کی اتفاقیہ آمیزش ہوگئی ہے اُن میں غلطی واقع ہونے سے ملتِ مسیحی کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا،

تیسرے یہ کہ انھوں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ حواریوں کے دلائل اور تشبیہات میں غلطی واقع ہونے سے کوئی بھی مضرت نہیں پہونچتی،

چوتھے انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ارواحِ خبیثہ کی تاثیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی، بلکہ خالص وہم کی پیداوار اور واقعہ میں غلط ہے، اور ایسی غلطیاں حواریوں اور عیسیٰؑ کے کلام میں بھی اس لئے موجود ہیں کہ وہ اس ملک اور زمانہ کی رائے عامہ قرار پاچکی تھی،

اب ان چار باتوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آدھی انجیل سے زیادہ حصہ الہامی ہونے سے خارج ہوجاتا ہے، اور اس کی رائے کے مطابق صرف احکام اور مسائل الہامی رہ جاتے ہیں، اور یہ رائے اس کے امام جناب لوتھر کی

[1] یہ اقوال ص ۵۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں،

رائے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لوتھر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی مقرر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسیٰؑ کو حاصل ہے، لہٰذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:

وارڈ کیتھولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں فرقۂ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:-

(۱) "زونکلیس وغیرہ فرقۂ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے"

(۲) "مسٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

(۳) "ڈاکٹر کوڈ اُس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادر کیم کے درمیان ہوا تھا کہتا ہے کہ: پطرس نے روح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں غلطی کی"

(۴) "برنشس جس کو جویل نے فاضل و مرشد کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ: رئیس الحواریین جناب پطرس اور برنبا نے روح القدس کے نزول کے بعد غلط بیانی کی، اسی طرح یروشلیم کے گرجا نے بھی"

(۵) "جان کالوین کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اضافہ کر دیا، اور مسیحی

آزادی کو خطرہ میں ڈالدیا، اور مسیحی توفیق کو دُور پھینک دیا»

(۶) "میکڈی برجس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیانی کو منسوب کیا ہے"

(۷) "دالی سیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گرجوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پطرس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے رُوح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں"

(۸) "زنکیس نے اپنے رسالہ میں کالوین کے بعض پیرووں کا حال ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر پولس جنیوا میں آئے اور کالوین کے مقابلہ میں وعظ کہے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالوین کی بات سُنیں گے"

(۹) "لو اتھردس لوتھر کے متبعین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر لوتھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے، اسی طرح اسبرگ کے کلیسا کے عقائد کی کتاب میں شک کرنا ممکن نہیں ہے"

جن علماء کے اقوال بیان ہوئے یہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے اونچے طبقہ کے لوگ ہیں جنھوں نے طے کر دیا ہے کہ عہدِ جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے،

ایکہارن اور جرمنی علماء کا اعتراف:

فاضل نورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر بوسٹن میں سنہ ۱۸۳۷ء میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی جلد کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ:۔

"ایکہارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہے کہ اصلی انجیل وہی ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدین کے لئے تھی جنھوں نے اپنے کانوں سے مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے، یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار درج نہ تھے"

غور کیجئے ایکہارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مروجہ انجیلوں سے انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلہ قالب کے نہیں ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں یسوع کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتدائی دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا مأخذ تھی، اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیلیں دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ کمی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آگئیں، جنھوں نے اس نقصان کی تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے رسیون کی انجیل

ٹے شن وغیرہ کی انجیل، اُنھوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کردیا، مثلاً نسب کا بیان، ولادت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسٹن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو اجزاء ہم تک پہونچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز جو آسمان سے سُنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ "تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" جیسا کہ جسٹن نے دو جگہ نقل کیا ہے، اور کلیمنس نے یہ فقرہ ایک مجہول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ "تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ "تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں" جیسا کہ مرقس نے اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ابیونی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ "تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے" جس کی تصریح ایپی فانیس نے کی ہے،

اور مسیحی تاریخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈمڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قلبی اطمینان کے لئے مسیح کے اصطباغ[۲] کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمالیں، اس خلط واختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کسی طویل روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بدشکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

---

[۱] اس کی تفصیل کے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ، [۲] دیکھئے صفحہ ۴۱۲ اختلاف ۳۵

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کرلی، پھر کلیسا نے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ سچی انجیل کی حفاظت کرے ، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالات پہونچائے تو اس زمانہ کی مروجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ معتبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی پتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تخمیناً دو سو عیسوی میں ارینیوس ہے ، اور اس نے اُن کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۲۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب التسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کرلی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ لوگ انکے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس اصل انجیل کو جو گذشتہ واعظوں کو اپنے وعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجرد اور پاک کر دیتا اور انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کرلیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکرگذار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بناء پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع ناپید

تھے، جن سے اصل میں اور الحاقات میں امتیاز کیا جائے،

پھر اکہارن حاشیہ میں کہتا ہے:۔

بہت سے متقدمین کو ہماری ان انجیلوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ اس کی تفصیل پر قادر نہ ہوسکے"

پھر کہتا ہے کہ:۔

"ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لئے کسی کتاب میں تحریف کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سُنی گئی ہے، مگر اُس زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اس زمانہ سے مختلف ہے، اس لئے ایک نسخہ جو کسی کا مملوک تھا اُس کے لئے اس نسخہ میں تحریف کرنا ممکن تھا، اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہوسکی کہ یہ نسخہ صرف مصنف کے کلام پر مشتمل ہے یا نہیں، پھر یہ نقول لاعلمی کی وجہ سے پھیلتی چلی گئیں اور بہت سے نسخے درمیانی دور کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی عبارتوں اور ناقص عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کاتبوں اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدت بعد اُن میں تحریف کر ڈالی تھی، اور دیونی سشس کے رسالوں میں اُن کی نقول کے منتشر ہونے سے پہلے ہی تحریف کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ابلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں میں گندگی داخل کر دی، بعض چیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جانب

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بناء پر کتب مقدسہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تحریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مغلظ قسمیں دی تھیں، تاکہ کوئی شخص اُن کے کلام میں تحریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰؑ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ بھلا سلسوس[1] کو یہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تحریف کی، اور بعض انجیلوں میں بعض وہ فقرے جو مسیح کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؛ مثلاً ابیونی کی انجیل میں مسیحؑ کے اصطباغ کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلوں میں اور تذکرہ میں (جس سے جسٹن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح اپی فانیس نے کی ہے"

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ :-

"جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مرادف لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیح کے اُن حالات کو جو اُن کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور یہ قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

---

[1] دوسری صدی کا ایک بت پرست عالم ۱۲

ہوئی تھی، کہ دینِ مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسوس عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۰ میں اس فقرہ کے عوض [1] میں کہ "آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے" بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ "وہ لوگ کامل ہوں گے" اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ "وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں ان کو کوئی اذیت نہ ہوگی"

اکھارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ٹورٹن کہتا ہے کہ:-

"کسی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ فقط اکھارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں ..... اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبولِ عام نصیب نہیں ہوا، اور اناجیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے موافق ہے، اسی طرح اُن چیزوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام عائد ہوتا ہے"

اور چونکہ ٹورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکھارن کے کلام کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابلِ التفات چیز نہیں ہے، جیساکہ اس کے

---

[1] پورا فقرہ یہ ہے "مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے" (۵: ۱۰)

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراف کیا ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقاماتِ ذیل محرف اور الحاقی ہیں، مؤلفین انجیل کے نہیں ہیں:

۱، اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ "انجیل متی کے پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں"

۲، صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ:-

"یہوداہ اسکریوتی کا واقعہ[1] جو انجیل متی باب ۲۷ میں مذکور ہے آیت ۳ تا آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھایا گیا ہو"

۳، اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں[2]،

۴، صفحہ ۷۰ پر کہا ہو کہ انجیل مرقس باب ۱۶ کی ۱۲ آیتیں از ۹ تا ۲۰ من گھڑت ہیں[3]،

۵، صفحہ ۸۹ میں کہا ہو کہ "انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۴۳ و ۴۴ الحاقی ہیں[4]"

---

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کعبت کی فروختگی کا واقعہ، جو صفحہ ۴۳۰ پر پیچھے گزر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

[2] "اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم اُن مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور ان کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے" (۲۷: ۵۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا ص ۲۸۵۔

[3] ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۴۷ کے حاشیہ و ص ۴۲۵ و ۱۶ ۵ پر گذر چکی ہے ۱۲

[4] اس میں حضرت مسیح کی مبینہ پھانسی سے ایک رات قبل جبلِ زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور کہا گیا ہو کہ "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تقویت دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا" (لوقا، ۲۲: ۴۳ و ۴۴) لیکن ہورن نے اس آیت کو صحیح اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہو، دیکھئے ص ۵۰۷، نیز آخری جلد میں چھٹے باب کے عنوان "ساتویں بات" صفحہ ۱۱۵۰ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں قدرے تفصیلی بحث کی ہے، اسے ضرور ملاحظہ فرمایا جائے ۱۲ تقی

۶، صفحہ ۴۸۴ پر کہتا ہے کہ :-

"انجیل یوحنا باب ۵ کی آیت ۳ و ۴ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے :-
"پانی[لہ] کے ہلنے کے منتظر ہو کر۔۔۔۔۔ کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اُتر کر پانی ہلایا کرتا تھا، پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اُترتا سو شفا پاتا، اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو"

۷۔ صفحہ ۴۸۸ میں کہتا ہے کہ :-

"انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۲۴ و ۲۵ دونوں الحاقی[لہ] ہیں"

ظاہر ہے کہ یہ ساتٹ مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں ہو سکتے،، پھر صفحہ ۶۱۰ پر کہتا ہے کہ :-

"ان معجزات کے بیان میں جن کو لوقا نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا ہو اور کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے"

بتایئے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکھارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہو جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار باتیں ہیں :-

---

لہ پوری عبارت اس طرح ہے :- "ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ پانی ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ" بیت حسدا کے نام نہاد صحت آفرین حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

لہ اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۱۵ ،

۱. اصل انجیل ناپید ہو چکی ہے،

۲. موجودہ انجیلوں میں سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،

۳. ان انجیلوں میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے، بُت پرست علماء میں سے سلسوس دوسری صدی میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ بدلا ہے، یہاں تک کہ اس کے مضامین بھی تبدیل ہو گئے۔

۴. دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان چاروں انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،

پہلی بات میں اُن کی رائے کے قریب لیکلرک اور کوب دمیکالمیس، اور لسنک اور نیمیر و مارش کی رائے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہو کہ غالباً متی، اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیح احوال لکھے ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چہارم ص ۲۹۵ میں کی ہے، لیکن اس کو اُن کی رائے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے کچھ مضرت نہیں پہونچتی،

کتابُ تواریخ کے بارے میں اہلِ کتاب کا اعتراف:

تمام اہلِ کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا پیغمبر نے حجی اور زکریاہ کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پیغمبر ہیں، اس لئے یہ دونوں کتابیں حقیقت میں تینوں پیغمبروں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتاب تواریخ اول میں بہت سی غلطیاں ہیں، چنانچہ اہل کتاب کے دونوں فریق کہتے ہیں کہ

"مصنف کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پوتا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا"

یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

جس عزرا نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیٹے ہیں یا پوتے ؛ اور عزرا کو نسب کے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص تھے، اسی طرح اس کو غلط و صحیح میں تمیز نہ ہو سکی"

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب مقصد میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھروسہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہل کتاب کے نزدیک اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی لازم نہیں، نتیجۃً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،

اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت یا ان میں درج شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصلی توریت اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں اُن کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت وانجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں، پھر بعد میں اُن کے اندر تحریف کی گئی، حاشا وکلاّ! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعۃً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابلِ قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اُن جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک کوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

رہے وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد باقی تھے، اُن کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، اُن کی نسبت ہم نبی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، اُن کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں غلطی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متّی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہجانا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہوسکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بناء پر اُن کے اقوال سے بھی امن اُٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، رہے لوقا اور مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحبِ الہام

ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کیگئی، اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ،	"اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی (یعنی توریت)"

اور سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:-

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ،	"اور ہم نے انھیں انجیل عطا کی"

اور سورۂ مریم میں خود حضرت مسیحؑ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَاٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ ،	"اور اللہ نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل)"

اور سورۂ بقرہ وآلِ عمران میں ہے:-

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ،	"اور وہ (کتابیں) جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئیں (یعنی توریت و انجیل)"

رہی یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں، ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں ہیں، جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب التسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے، نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب،

سورۂ مائدہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	"اور (اے نبی) ہم نے آپؐ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ، سچائی کے ساتھ بھیجی ہو اس حالت میں کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے"

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ:۔

"اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریج نے کہا ہے یہ ہے کہ اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیبؒ اور ضحاکؒ نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیلؒ نے نگہبان اور محافظ بیان کئے ہیں، حاصل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا ہو تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہو"

تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:۔

"اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اس سے ساکت ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے"

امام بخاریؒ نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی، پھر کتاب الرد علی الجہمیہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،

...... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسطلانیؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں:

(کیف تسئلون اہل الکتاب) من الیہود والنصاریٰ والاستفہام انکاری عن شیٔ من الشرائع (وکتابکم القرآن الذی انزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدث) اقرب نزولا الیکم من عند اللہ فالحدوث بالنسبۃ الی المنزل علیہم وھو فی نفسہ قدیم (تقرؤنہ محضا) خالصا لم یشب بضم اولہ وفتح المعجمۃ لم یخلط فلا یتطرق الیہ تحریف ولا تبدیل بخلاف التورٰیۃ والانجیل،

(وقد حدثکم) سبحانہ وتعالٰی (ان اہل الکتاب) من الیہود وغیرہم (بدلوا کتاب اللہ) التوراۃ (وغیروہ وکتبوا بایدیہم الکتاب وقالوا ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا الا) با لتخفیف (الا ینہاکم ما جاءکم من العلم) بالکتاب والسنۃ، (عن مسئلتہم) بفتح المیم وسکون السین ولابی ذر عن الکشمیہنی مساءلتہم بضم المیم وفتح السین بعدھا الف (لا واللہ ما رأینا منہم رجلا یسألکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولیٰ ان لا تسئلوھم)،

"تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کوئی حکم شرعی کیوں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ نہیں

لہ عربی میں قوسین کے درمیان حدیث کا متن ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانیؒ کی تشریحات ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور اُن کے علاوہ علامہ قسطلانیؒ کی شرح

پوچھنا نہیں چاہیے، حالانکہ تمھاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے، اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہٰذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفسہٖ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو یعنی اس میں کوئی بیرونی چیز نہیں ملی، اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پاسکتی، بخلاف تورات و انجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود وغیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حقیر معاوضہ ملے، کیا تمھارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟

نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمھیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے ؛

اور کتاب الرّدّ علی الجہمیہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے:-

"اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظاً یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پاس سے آیا ہے تاکہ اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہونچ چکا ہے، وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پہونچنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہے) نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جب تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرّف ہے "

کتاب الاعتصام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ:

" اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اُن میں جھوٹ بھی پایا ہے "

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تحریف شدہ کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بناء پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ تو صحابہؓ کے نزدیک نیک علماءِ یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ " اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں " صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی کتابیں محرّف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس توراۃ اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، اُن میں سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں،

کتاب تخجیل من حرّف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب ۲ میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:

یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں "

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:-

"اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی "

پھر باب ۹ میں عیسائیوں کی قباحتوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:

"اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا، کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو بہکایا جا سکتا ہو اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا "

غور کیجئے! ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے!

میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تقریروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہے جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے، انھوں نے بعض علماء پروٹسٹنٹ کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خود غلط فہمی کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت وانجیل کے منکر نہیں، تو مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے پوچھا تو علماء نے یہ لکھا کہ یہ مجموعہ جو آجکل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،

فتویٰ حاصل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالۃ مناظرہ کا جزو بنا دیا گیا ہے، تمام ہندستان

کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اُس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہے خواہ وہ اہلِ سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انھوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،

امام رازیؒ کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب النبوۃ کی قسم ۲ فصل چہارم فرماتے ہیں کہ :-

"عیسیٰ علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انھوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہے، کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں، چہ جائیکہ جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہوگیا کہ یقیناً انھوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوتِ توحید اور تنزیہہ تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہوسکی، بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی، اور یہ ثابت ہوگیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا"

امام قرطبیؒ کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسمّٰی کتاب الاعلام بما فی دین النصاریٰ من الفساد و الاوہام باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

"جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انھوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہے وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا

وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ[1]

پھر انھوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور جن کرامات کا انھوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں، اور نہ ان کی نبوّت پر دلالت کر سکتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلّغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ:-

"اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، اور نہ اُس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے، اس لئے ناقلوں میں غلطی اور سہو کا امکان ہے، لہٰذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبۂ ظن، اس لئے نہ وہ قابلِ التفات ہے، اور نہ استدلال کے لئے قابلِ اعتماد ہے، یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کی صلاحیت ہونے اور اس کے مضامین کے لائقِ اعتبار نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے"

اس کے بعد انھوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

---

[1] ترجمہ:- "اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری" ۱۲ تقی

اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ توریت و انجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لیئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں، اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے۔ اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کردی ہے، پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہوسکتی ہے جو اُن کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود رائے قائم کرلیجئے، کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ جو نہ اُن کی طرح مشہور ہیں، نہ خدا کی طرف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور قبولِ تحریف میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی۔"

یہ کتاب[1] قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں موجود ہے،

علامہ مقریزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تواریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :۔

"یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین[2] جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

---

[1] یعنی کتاب الاعلام جس سے علامہ قرطبیؒ کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں ۱۲

[2] توریت سبعین اس سے مراد مشہور "ہفتادی ترجمہ" Septuagint ہے، جو عہد قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے، اور اس کو ہفتادی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیعزر سردار کاہن کی خواہش پر یروشلم سے ستر مترجمین (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا، بعد میں اسی ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا، اور آجتک اکثر تراجم کا ماخذ یہی رہا ہے (از برٹانیکا مقالہ The Septuagint ص ۳۳۵ ج ۲۰)

وتبدّل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیںؑ، سامری کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے، اور اس کے علاوہ جس قدر توریت ہیں وہ باطل ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے،

بعینہٖ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں جمع کر دیئے گئے ہیں، اوّل متی کی انجیل ہے، دوسری مرقس کی، تیسری یوحنا کی چوتھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں، ان کی دعوت کے زمانہ میں، سُولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میںؑ یہ اختلاف ناقابلِ تحمل ہے۔ اس کے باوجود مرقیونؑ والوں ــــــــ

ؑ اگرچہ یہ ترجمہ یہودیوں ہی کا کرایا ہوا ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسا نے اس عہد عتیق کا مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہوگئے، (بائبل ہینڈبک) نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے یہ انکار محض کلیسا دشمنی میں کیا، یا واقعی عیسائیوں نے اس میں تحریف کر ڈالی تھی،

ؑ مرقیون Marcion عیسائیوں کے فرقہ مرقونیہ کا بانی، یہ پنطس کے شہر سلوپ میں پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تقریباً ۱۲۰ء میں عیسائی ہوا، اور ۱۴۳ء کے لگ بھگ اس نے اپنا الگ فرقہ قائم کیا جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک عرصہ تک نوعِ انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار رہی، پھر ایک اور خدا نے جو منصف اور رحم دل تھا اپنے بیٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو حواری بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انھیں صحیح سمجھا، اور اُسے درحقیقت یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بھی کما حقہٗ نہیں سمجھا یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ابن ویصان[1] والوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہے جس کے بعض حصّے اناجیل کے مخالف ہیں، مانی[2] کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہے جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہی صحیح ہے؛ اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل اور ہے جس کا نام انجیل السبعین ہے جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے کے بس میں نہیں ہے تو پھر اُن کی جانب سے اُس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ناممکن ہے، اور اس سلسلہ میں اُن کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہو سکتی "

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں یوں کہا ہے کہ :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوگیا، پھر منصف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور پولس کا سچا پیغام سناتا ہوں، وہ مروّجہ انجیل کو تحریف شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ انجیل بنائی تھی، جسے وہ سچی انجیل کہتا تھا، اس فرقہ کے متبعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور کچھ مغربی علاقوں میں تھے، ۱۵۰ء سے ۲۵۰ء تک اُن کا عروج رہا، اور یہ کلیسائے اعظم کے لئے خطرہ بنے رہے، پھر اُن کا زور ہلکا ہوگیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہوگیا (از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ "مرقیون" ص ۸۶۸ ج ۱۴)

[1] اس کی سوانح اور عقائد کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا ۱۲

[2] "مانی": ایران کا مشہور فلسفی اور "مانوی" مذہب کا بانی جو ۲۱۶ء میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ خدا صرف روشنی کا خالق ہے جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک حد تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض کتابوں کو مانتا تھا (برٹانیکا مقالہ Manichaeism)

"وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا"
پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیلِ اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ :-

"عیسیٰؑ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تناقض ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمت رکھدی "

ہدایۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ کے مصنف کہتے ہیں کہ :

"یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف پائی جاتی ہے جو ماہرینِ علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اُن کو خوب یقین ہے کہ یہ تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰؑ پر نازل ہو چکی تھی اس میں اُن کو سُولی دیے جانے کا واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر نکل آنا وغیرہ وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے اکابر کا کلام ہے "

پھر کہتے ہیں کہ :-

"بہت سے علماء اسلام نے اس کمی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے "

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعوی کی سچائی روز روشن کی طرح نمایاں ہوجائے گی، ضرورت تو نہ تھی کہ اس باب میں مزید اور کچھ لکھا جائے، مگر بعض مصالح کے پیش نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں:-

دو مغالطے

علماء پروٹسٹنٹ عوام کو فریب دینے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیمنس اور اگناشیس وغیرہ نے دی ہے جو اُن دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں،

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے، اور لوقا نے پولس کی مدد سے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور پولس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں اس لحاظ سے الہامی قرار پاتی ہیں،

پہلے مغالطہ کا جواب:-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص سے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری کتاب اس کی زبان سے خود سُنی ہے، یا اس کو کوئی سُنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہے، اور اُس واسطہ یا واسطوں کا معتبر اشخاص ہونا ضروری ہے جن میں روایت کی تمام شرطیں جمع ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نوع کی سند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک عیسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہے، ہم نے متعدد مرتبہ اسی سند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری فرنچ[1] نے مجلسِ مناظرہ میں یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی سند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں ۳۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ سند رومی پادری کلیمنس یا اگناشس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بناء پر یہ حضرات کتب مقدسہ کو ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو سند کا نام نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہوچکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقے سے مشہور ہوگئی تھیں، کہ ان میں تحریف کئے جانے کی

---

[1] جب مصنفؒ کا پادری فنڈر سے مشہور مناظرہ ہوا تھا، تو فنڈر کی جانب پادری فرنچ بطور معاون مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم ۱۲ تقی

پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراف کرتے ہیں جیسا کہ باب ۲ میں عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیمنس اور اگناشس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے!

کیا کلیمنس کا خط اناجیل سے ماخوذ ہے؟

روم کے بڑے پادری کلیمنس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اس نے "رومی گرجا" کی جانب سے کرنتھس کے گرجا کو لکھا تھا، اس کے سال تحریر میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ کنٹربری کہتا ہے کہ "یہ سال ۶۴ اور ۷۰ کے درمیان کا کوئی سال ہے" لیکلرک کا قول ہے کہ ۶۹ء ہے، ڈیوپن اور تلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیمنس ۹۱ء یا ۹۳ء تک اسقف نہیں بنا تھا، پھر جب اس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو ۶۴ء یا ۷۰ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے؟

مشہور مورخ ولیم میور نے ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈنر نے ۹۶ء کو ترجیح دی ہے،

ہم اس اختلاف سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سالِ تحریر عیسائی دعووں کے مطابق بہرحال ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے بعض جملے ان چاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے کسی مضمون میں متحد اور موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوے کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں،

یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے:-

۱- **بعض مضامین کے اتحاد سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، ورنہ یہ بات لازم آئیگی**

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ ملحد[1] کہتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انجیل میں جو اخلاق حسنہ کی تعلیمات نظر آتی ہیں، وہ حکماء اور بُت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکسیہومو کا مصنف کہتا ہے کہ:۔

انجیل میں اخلاق فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر عیسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ لفظ بہ لفظ کنفیوشس[2] کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو دلادتِ مسیح سے ۶۰۰ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ "دوسرے کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ تمام اخلاق کی جڑ ہے" خلق نمبر ۱۵ میں ہے کہ "اپنے دشمن کی موت مت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے" خلق نمبر ۵۳ میں ہے کہ "ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوئے ممکن ہے، اور طبعی خیالات ہمیشہ بُرے نہیں ہوتے" اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان و یونان کے حکماء کے کلام میں موجود ہیں"

۲ ، اگر کیمنس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کئی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہے، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

---

[1] یعنی لبرلزم کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور معقولیت پسند Rationalist کہتے ہیں ۱۲

[2] کنفیوشس (Confucious) اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب و اخلاق پر بعید اثر انداز تھا، (پیدائش ۵۵۱ ق م، وفات ۴۷۹ ق م) اسی کی نسبت سے چین کے سابق نظریۂ حیات کو "کنفیوشزم" کہا جاتا ہے، ۱۲ تقی

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے اُن انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مروّج تھیں، چنانچہ اکہادن نے اس جملے کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جس کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۳ ، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور مسیح کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرقس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مروّجہ انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہوگا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلامحل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعی بے محل ہے ،

ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (تثلیث کے عددی رعایت سے) نقل کرتے ہیں :۔

کلیمنس کے خط کی عبارت :۔

"جو شخص عیسیٰؑ سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسیٰؑ کی وصیت پر عمل کرنا چاہیے"

مسٹر جونس کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ سے نقل کیا ہے، آیتِ مذکورہ یوں ہے کہ :۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے"

دونوں عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جونس صاحب نے محض اس کی بنا پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس فرق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض ہٹ دھرمی ہے، جس کی وجہ پچھلے اسباب ثلاثہ . . . . میں آپ معلوم فرما چکے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے غلط ہو، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا سالِ تحریر جملہ اقوال کے پیشِ نظر ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود اُن کی رائے کے مطابق انجیل یوحنا ۹۸ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فقرہ اس انجیل سے کیونکر منقول ہو سکتا ہے؟ مگر مسند ثابت کرنے کے جنون نے اس باطل وہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ میں کہتا ہے کہ:۔

"یوحنا نے اپنی انجیل کریزاسٹم اور ایپی فانس جیسے متقدمین اور متاخرین میں سے ڈاکٹر مل اور فیبری شیس، لیکرک اور بشپ ٹاملائن کی رائے کے مطابق ۹۷ء میں لکھی، اور مسٹر جونس کی رائے کے مطابق ۹۸ء میں لکھی ہے"

اس کے علاوہ یہ چیز بدیہی ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی وصیت پر عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈ نر مفسر نے بڑی انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۴۰ پر کہا ہے:

"میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہے، اس لئے کہ کلیمنس حواریوں کے دستخط اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے"

دُوسری عبارت:۔

اس کے خط کے باب ۱۳ میں ہے کہ:۔

"جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ رُوح القدس نے یوں کہا ہے کہ عقلمند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انھوں نے بردباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کرو، تاکہ تمھاری خطا سے درگذر کی جائے، جیساکہ تم دوسروں کے ساتھ برتاؤ کروگے وہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا تم دوسروں کو دوگے ویسا ہی تم کو دیا جائے گا، جیسا کروگے ویسا بھروگے، جیسا تم دوسروں پر رحم کھاؤگے تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیمانہ سے تم دوسروں کو ناپ کر دوگے اُسی پیمانہ سے تم کو ناپ کر دیا جائے گا؛

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب ۶ آیت ۳۶، ۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب ۷ آیت نمبر ۱ و ۲ و ۱۲ سے نقل کی ہے، اور لوقا کی عبارت اس طرح ہے کہ :-

"جیسا تمھارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے خلاصی دو، تم بھی خلاصی پاؤ گے، دیا کرو، تمھیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیمانہ داب داب کر اور ہلا ہلا کر اور لبریز کر کے تمھارے پلے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے لئے ناپا جائے گا" (آیات ۳۶ تا ۳۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمھاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے واسطے ناپا جائے گا" (باب ۷ آیت ۱ و ۲)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

"پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ کریں، وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو،

کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے "

تیسری عبارت :

اس کے خط کے باب ۶ ۴ میں یوں ہے کہ :-

"خداے مسیح کے الفاظ یاد کرو، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے بڑی خرابی اور ہلاکت ہو جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ اُن لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے جو میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں چکی کا پتھر لٹکا لیتا اور دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو اذیت دے "

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۲۴ ، اور باب ۱۸ کی آیت ۶ سے ، اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ سے ، اور انجیل لوقا باب ۱۷ آیت ۲ سے نقل کی ہے ،

اور یہ آیات اس طرح ہیں :

انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۴ کے الفاظ یہ ہیں :-

"ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے ، لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا "

اور باب ۱۸ آیت ۶ میں ہے کہ :-

"جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے ،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہرے
سمندر میں ڈبو دیا جائے"

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ میں ہے:۔

"جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس
کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور
وہ سمندر میں پھینک دیا جائے"

اور انجیل لوقا باب ۱۷ آیت ۲ میں ہے:

"ان چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے مفید
ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا"

لارڈنر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں کلیمنس کی عبارت اور انجیلوں کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد یوں کہتا ہے کہ:۔

"میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیئے ہیں، تاکہ ہر شخص اچھی
طرح پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا
باب ۱۷ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے"

کلیمنس کے خط کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو سند کا دعویٰ ہے سب سے بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پیلی نے ان دونوں پر اکتفا کیا ہے، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی ضرور تصریح کرتا، اور اگر صراحۃً نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو ہوتی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر نقل کا احتمال صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بات کتنی عجیب ہو کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جاتا ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے سمعاً واقف تھے۔

اور اگر ہم نقل کو تسلیم بھی کرلیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں کسی دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بپتسمہ کے حالات کا ایک فقرہ ایک مجہول الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اکہارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے۔

پیرس کے اسقف نے انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، لارڈنر نے اپنی تفسیر کی جلد میں ان دونوں عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:

"وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دوسرے متبعین کی صحبت میں رہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے احوال و مسائل سے پوری طرح واقف تھے جب ہم اُن کی تالیفات دیکھتے ہیں تو اکثر اوقات اشکال پیش آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس مقام پر جو اشکال ہے وہ یہ کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے لکھے ہوئے اقوال نقل کرتا ہے، یا کرنتھس والوں کو ان کے وہ اقوال یاد دلا رہا ہے جو اُس نے اور ان لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سُنے ہیں، لہٰذا لیکلرک نے تو اوّل کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو۔

ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے تالیف

ہو چکی تھیں، پھر اگر کلیمنس اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہو، اگرچہ لفظ و عبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعۃً نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہو، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور کرنتھس والے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی سچی تعلیم ہمارے خداوند نے بردباری اور ریاضت سیکھنے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہو، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے لیکلرک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۳۵ میں مقدس پولس نے یہ نصیحت کی ہے کہ:

"اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا دینا لینے سے مبارک ہو"

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم لی گئی ہے کہ پولس نے یہ قول کسی

مکتوب سے نقل نہیں کیا، بلکہ ان ہی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جائے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقینی ہے کہ وہ لکھی ہوئی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے "

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہے کہ کلیمنس نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بناء پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہر دو صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہوگیا ہے کہ جس طرح مؤلفینِ انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہوگی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہٖ نقل نہیں کیا ہوگا،

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کرلیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیمنس کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیح کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری جھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیمنس کے مکتوب کے بعض فقرے اُن کے موافق ہیں،

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولیکارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے[1]،

[1] یعنی خود واقف ہونے کے باوجود مروجہ انجیلوں سے نقل کرتا ہو۔

کیونکہ یہ شخص بھی کلیمنس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے اس کا اناجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پولس جیسی ہو[1]

اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت:

کلیمنس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب سے بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو انطاکیہ کا اسقف تھا، لارڈ نر اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:۔

"یوسی بیس اور جیردم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں، میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور سوائے مسٹر وسٹن اور دو یا چار اس کے متبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخہ میں اضافہ کیا گیا ہے، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جا سکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے، جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخہ کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنا دیا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

---

[1] یعنی جس طرح پولس نے اعمال ۲۰: ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیح کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جو انجیلوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح عین ممکن ہے کہ پولیکارپ نے بھی ایسا ہی کہا ہو،

منقولات بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں،

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخہ کے خطوط کیا واقعی اگناشس کے لکھے ہوئے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑائے ہیں، فریقین کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پیچیدہ ہوگیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی بیس نے پڑھا، اور جو آریجن کے عہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے اگناشس کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بناء پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کرلیں کہ یہ فقرے الحاقی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فقروں کی وجہ سے رد کردیں، بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فرقۂ ایرین[1] کے کسی شخص نے بڑے نسخہ میں اضافہ کردیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فرقہ کے کسی شخص نے، یا دینداروں میں سے کسی نے، یا دونوں میں کسی شخص نے چھوٹے نسخہ میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا؛

محشی بیلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ:۔

"گذشتہ زمانہ میں اگناشس کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا، جس کو کیوری ٹن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

[1] فرقۂ ایرین، وہ فرقہ جو آریوس کا پیرو تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور جسے نیقیہ کی کونسل میں رد کیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح اسٹرنے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے"

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوئے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسٹر وسٹن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے نزدیک جعلی اور محرّف ہے، اس لئے وہ بھی لائقِ اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصلی ہے یا جعلی؟ اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین گئے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں اُن کے قول کی بناء پر بھی اس میں تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا "فرقہ ایرین" کا کوئی فرد ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی میں گھڑ لیا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کی جعلسازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی، چنانچہ تقریباً ۷۵ انجیلیں اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰؑ اور مریمؑ اور حواریوں کی طرف منسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرینِ قیاس ہے، بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب منسوب کر دیئے گئے ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی، اور اس کی نسبت . . . .

یشن کی جانب کر دی گئی، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ:

وہ اصل تفسیر جو طیشن کی طرف منسوب تھی وہ معدوم ہو چکی ہے، اور جو اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک کرنا درست ہے"

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کرلیں کہ یہ خطوط اگناشس ہی کے ہیں تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب اُن میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتماد اُٹھ گیا، پھر جس طرح اُن کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعلی ہوں، اور اس قسم کی باتیں اُن لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوسی بیس اپنی تاریخ کی کتاب رابع باب ۲۳ میں کہتا ہے کہ:۔

"کورنتھیہ کے اسقف دیونی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیاطین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوہرا دُکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں میں ایسا ارادہ کر چکے ہیں جو اُن کے مرتبہ کی نہیں ہیں"

لے انجیل طیشن ائے ڈایاٹیسرن Diatessaron of Tatian بھی کہا جاتا ہے، جی ٹی مینلی لکھتا ہے: "یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں اناجیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا، لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۳۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :-

"آریجن کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں، اس کی بہت سی تفسیریں موجود بھی ہیں، مگر اُن میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو اُن میں تحریف واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے"

معلم میکائیل مشاقہ جو پروٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب اجوبۃ الانجیلین علی اباطیل التقلیدین کی قسم اوّل فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ :-

"رہا ان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تحریف کرنا تو پہلے ہم اس کے دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی ہمارے دعاوی بھی اُن کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب ّفتنین جو یوحنا فم الذہب[1] کی طرف منسوب ہے، اور جس کی تلاوت کنیسوں میں کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گروہ کے پاس ہے وہ دوسرے گروہ کے نسخہ سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ رومیوں کے نزدیک اس میں خدا سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک روح[2] روٹی اور شراب پر نازل فرماکر ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کر کے آسانی کر دیں، مگر کیتھولک کے نزدیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر روح القدس کو بھیجدے

---

[1] یہ کریزاسٹم Chrysostome کا عربی نام ہے. بنہایت فصیح و بلیغ مقرر ہونیکی وجہ سے اسے "فم الذہب" (سونے کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ ۳۴۷ء میں انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک عرصہ تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، ۴۰۷ء میں انتقال ہوا (المنجد فی العلوم) .

[2] اس میں "عشاء ربانی" کی رسم کا تذکرہ ہے، بات پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۴۴۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲ تقی

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کرلیں، تیس آقائے مکیموس کی امارت کے زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کرڈالا، اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونیوالی اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے[1] بھاگ گئیں کہ رومیوں نے ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا ہو گر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک رُوح اس روٹی پر جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے بھیجدے، اس میں انقلاب پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول نم الذہب ہی کا ہو، کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب و استحالہ کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوئی تھی،

لیکن سردار یا بیطامطران جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۷۳۲ء میں رومیوں کے مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس "ہمارے قداس کے طقس[2]" میں یونانی عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخہ سے کیا جو

---

[1] اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، اہلِ علم کی طبع آزمائی کے لئے اصل عربی عبارت حاضر ہے:- "وقالوا المنتقلان المستحیلان هربا من دعوى الروم عليهم بان الاستحالة تتم بہ"۔

[2] "طقس" کلیسا کی ایک اصطلاح ہو، جس کا مطلب ہو قربانی، نماز، عیدوں کے اعلان وغیرہ کی دینی خدمات کا نظام، جو جماعت یا افراد ان خدمات کو انجام دیتا ہو انھیں بھی "طقس" کہہ دیا جاتا ہے، اور "قداس" ایک خاص قسم کی قربانی ہے (المنجد فی العلوم) ۱۲ تقی

باسلیؔ راہبوں کا ہو، ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکفورسؔ نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قداس الرومؔ میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، پھر جب ایسے قدیس کی افشین میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آبار کے درمیان مشہور رہی، جس کی تلاوت تمام فرقوں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کیا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آبار کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عنوانات کو اُن کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تحریف نہیں کی ہوگی ؟

خود ہمارا مشاہدہ قریب کے چند سالوں کا یہ ہے کہ شماسؔ[۲] غبریلؔ قبطی کیتھولک نے یوحنا فم الذہبؔ کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارف سے کی، اور رومؔ کے علماء

---

[۱] اس سے مراد راہبوں کا وہ فرقہ ہے جو رہبانیت کے سلسلہ میں باسیلیوسؔ (Basile) کی پیروی کرتا ہے، باسیلیوس ۳۲۹ء، ۳۷۹ء قیصریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں رہبانیت (ترک دنیا) کو ایک باقاعدہ نظام بنایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہبانیت کی ابتدا کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب سے پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف بھی ہیں، (المنجد و تاریخ کلیسائے روم) ۱۲

[۲] شماس Deacon کلیسا کا ایک عہدہ ہے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے ،

نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک محقق نسخہ اخذ کیا، لیکن سردار مکیموس نے شویر[1] کی خانقاہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پادری الیکسیوس اسبانیولی اور خوری یوسف جمیع مارونی کی امداد سے اس کی کھود کرید کی، جو دونوں کے دونوں اصلی یونانی زبان سے بالکل ناواقف تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا ستیاناس کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنی مہریں ثبت کیں، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اُس اصل کے ساتھ کیا گیا جو رومیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کرتوت انھوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شماس عبدیل اس مذموم حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لاکر مرگیا۔"

پھر کہتا ہے کہ :-

"ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو اُن کے یہاں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہے، اُن کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

---

[1] شویر، لبنان کا ایک شہر ہے جس سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی مشہور خانقاہ تھی، اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو "شویریات" بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں رائج تھا اسے شویریہ کہتے ہیں (المنجد)

پیش کرتے ہیں، وہ لبنانی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے اجزاء کے ساتھ رومی گرجے سے طائفہ مارونیہ[1] کے تمام پادریوں اور اُن کے بطریک اور علماء کی جانب سے رومی کمیٹی کے سربراہ مونسینور سمعانی کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور شویر کی خانقاہ میں کیتھولکی سرداروں کی اجازت سے چھاپی گئی، یہ کمیٹی خدمۃ القداس پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافیر یعنی لیتورجیات[2] پرانے موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدیس لوگوں کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے نہ اُن کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خلاف ان کا یہ اقرار کافی ہے کہ ہمارے گرجے من گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں"

پھر کہتا ہے کہ :-

"ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری روشن خیال نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرنے کی جرأت کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے محافظوں کی نگاہیں انھیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پاپا اور اسقفوں کا مطلب ایک بربری

---

[1] عیسائیوں کا یہ طائفہ "مار مارون" کی طرف منسوب ہے، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بنی، اسی کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب سے زیادہ مخالفت نہیں رکھتے، صرف نام میں ممتاز ہیں کہ انھیں مارونی Maronites کہا جاتا ہے (برٹانیکا، المنجد)

[2] "نوافیر یا لیتورجیات" سے مراد طقس یا دینی خدمات ہیں، یہاں وہ کتابیں مراد لی گئی ہیں جن میں طقس مذکور ہوں ۱۲

حکومت تھی، جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بیچارے مشرقی عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑ جانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے بارے میں ہم کو تحقیق سے معلوم نہیں، کیا کچھ گذرا ہوگا، لیکن جب ہم اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظارے آتے ہیں جو ہم کو اس مسیحی گرجے کی حالت پر آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کرتے ہیں، جو اس زمانہ میں سکر یاؤں تک ستیاناس ہو چکا تھا۔

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے ؟

نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف :-

نیقاوی[1] کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تعداد صرف بیس تھی، جن میں تحریف کرکے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، فرقہ کیتھولک اس کے قانون نمبر ۳۷ و ۴۴ سے پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر ۳ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے کہ :-

---

[1] یہ شہر نیقیا یا نائس Nicaea کی طرف منسوب ہے، سنہ ۳۲۵ء میں ایک اسکندری کاہن آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح اپنے جوہر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیا میں بلائی جس میں باتفاق رائے پورے جوش وخروش کے ساتھ آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بیحد اہمیت رکھتی ہے۔

* تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو برٹانیکا مقالہ (Nicaea)

"مذکورہ کمیٹی کے صرف بیس قوانین ہیں، جس کی شہادت تاؤ دورتیوس کی تاریخ اور جیلاسیوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکونی کونسل[1] نمبر ۴ بھی شہادت دیتی ہے کہ نیقاوی کمیٹی کے صرف ۲۰ قوانین ہیں۔"

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑی گئیں، جنکو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیتوس، ہیرسیوس، نکلیتوس واسکندر و مرسلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ:-

"پوپ لاؤن اور تمہارے رومی گرجے کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں۔"

مغالطہ[2] نمبر ۲ کا جواب

انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی:-

یہ بھی سراسر دھوکہ دہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے! ارنیوس کہتا ہے کہ:-

"پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد پطرس

---

[1] "مسکونی کونسل" تاریخ عیسائیت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو عالمگیر پیمانے پر ہوئی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوئے ہوں، ایسی کونسلیں کُل پندرہ ہوئی ہیں، یہاں چوتھی کونسل سے مراد وہ کونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ Chalcedoine میں منعقد ہوئی، اور اس میں مونوفیسی فرقہ کو خلاف شریعت قرار دیا گیا (تواریخ دالمنجد)

[2] یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہے، اور لوقا نے پولس کی اعانت سے، اور چونکہ یہ دونوں صاحبِ الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہو گئیں ۱۲

کے نصائح کو قلمبند کیا ہے"

اور لارڈنر اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ :-

"میرا خیال ہو کہ مرقس نے اپنی انجیل ۶۳ ء و ۶۳ ء سے پہلے نہیں لکھی کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر نہیں آتی، اور یہ تاریخ قدیم مصنف آرینیوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے، جو کہتا ہے کہ مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے، باسینج، آرینیوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور پولس کی وفات کے بعد ۶۶ء میں لکھی ہے"

باسینج اور آرینیوس کے کلام سے یہ بات صاف ہوگئی کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس و پولس کی وفات کے بعد لکھی ہے[1]، اور پطرس نے مرقس کی انجیل کو یقینی طور پر نہیں دیکھا، اور جو روایت پطرس کے دیکھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ بالکل ضعیف ہے اور قابلِ اعتبار نہیں ہے، اسی لئے مرشد الطالبین کے مصنف نے باوجود اپنے تعصب کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۰ء کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھا ہے کہ :-

"اس کا زعم ہے کہ انجیل مرقس پطرس کے زیر نگرانی لکھی گئی ہے"

غور کیجئے لفظ زعم صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے،

---

[1] جی، ٹی، مینلی لکھتا ہو: "مرقس کی انجیل کے مارکیبی دیباچہ میں جو ۳۰۰ء میں لکھا گیا تھا، ایک اور اطلاع دیگئی ہو کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل اٹلی میں لکھی تھی اور یہ خیال صحیح اور درست معلوم ہوتا ہے" (رادی کتب مقدسہ، ص ۲۳۹)

پولس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا:۔

اسی طرح پولس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، دو وجہ سے:۔

۱۔ اول تو اس لئے کہ آجکل علماء فرقہ پروٹسٹنٹ کا راجح قول یہ ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل ۶۳ء میں لکھی تھی، اور اس کی تالیف اخیا میں ہوئی، دوسری جانب یہ محقق ہے کہ مقدس پولس نے ۶۳ء میں قید سے رہائی پائی تھی، پھر کسی صحیح روایت سے مرتے دم تک اُس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اسپانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرقی گرجوں کی طرف، اور اخیا مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو تھیفلس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت انجیل کی تالیف کا باعث تھا[1]،

مرشد الطالبین کا مصنف نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۰ء جلد ۲ فصل ۲، صفحہ ۱۶۱ میں لوقا کے حال میں یوں لکھتا ہے کہ:۔

"چونکہ لوقا نے پولس کی ...... رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا[2]، اس لئے کسی صحیح روایت کی بنا پر رہائی سے موت تک اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ معلوم نہیں ہوتا"

لارڈنر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۸ء جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں کہتا ہے کہ:۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اب حواری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

---

[1] لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کہ یہ کتاب تھیفلس کے لئے لکھی جا رہی ہے ۱۲

[2] یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک، مگر لوقا کے بیان سے کچھ بھی مدد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے البتہ کچھ تھوڑی سی مدد ملتی ہے، متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، اور اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہو کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا ؟

ان دونوں مفسروں کے کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہو سکتا، رومیوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ:۔

"مگر چونکہ مجھکو اب اُن ملکوں میں جگہ باقی نہیں رہی اور بہت برسوں سے تمہارے پاس آنے کا مشتاق بھی ہوں اس لئے جب اسپانیہ کو جاؤنگا تو تمہارے پاس ہوتا ہوا جاؤنگا، کیونکہ مجھے امید ہو کہ اس سفر میں تم سے ملونگا"

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہوگا، کیونکہ اس کے ارادہ کے فسخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:۔

"اب دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم سب جنکے درمیان میں بادشاہی کی منادی کرتا پھرا میرا منہ پھر نہ دیکھو گے"

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا نہ تھا، کلیمنس رومی اسقف اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ:۔

"پولس سارے عالم کو سچائی کا سبق پڑھانے کیلئے انتہائے ملک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگہ روانہ ہو گیا"

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۲، لارڈنر نے پہلے تو ارینوس کا قول یوں نقل کیا ہے:

پولس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وعظ پولس نے کہا تھا"

پھر کہتا ہے کہ :-

"طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر یعنی لوقا کا انجیل لکھنا، مرقس کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا اور پولس و پطرس کی وفات کے بعد"

اب اس قول کی بنا پر پولس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قطعی ممکن نہیں ہے، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پولس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا بھی تھا، تب بھی ہمارے نزدیک اس کا دیکھنا کالعدم ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کا قول الہامی نہیں ہے، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پولس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر ہو سکتا ہے؟

جلد اوّل تمام شد

ضمیمہ

مرتبہ :- جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

"بائبل سے قرآن تک" کی پہلی اشاعت کے بعد بحمد اللہ یہ کتاب بہت سے اہلِ علم و نظر کی نگاہ سے گذری، اور اس کے بارے میں بعض مفید مشورے بھی موصول ہوئے، اِس سلسلے میں عالمِ اسلام کے نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے (جو آجکل پیرس میں مقیم ہیں) بطور خاص بڑی محنت اٹھائی ہے، اور وہ اظہار الحق کے اس اردو ترجمے کو علمی و تحقیقی مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کیلئے کتاب کے فرانسیسی ترجمے کی مدد سے اس کا ایک ایسا اشاریہ مرتب کرنے میں مصروف ہیں جس میں فرنگی ناموں کا صحیح املاء ساتھ درج ہو، ابھی یہ اشاریہ زیرِ ترتیب ہے اور انشاء اللہ مرتب ہونے پر اسے شائع کر دیا جائے گا، ایک فوری کام انھوں نے یہ کیا ہے کہ "اظہار الحق" کے فرانسیسی مترجم نے ترجمے کے ساتھ اصل کتاب پر کچھ حواشی تحریر کئے تھے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان میں سے اہم حواشی کا اردو میں ترجمہ کرکے بعض جگہ کچھ مزید معلومات جمع کر دی ہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کاوش بطور ضمیمہ پیش کی جارہی ہے، یہ حواشی تینوں جلدوں سے متعلق ہیں، (محمد تقی عثمانی)

فرانسیسی ترجمے کے مفید تر حاشیے :

(حوالے موجودہ ترجمے کے صفحے اور سطر کے دیئے گئے ہیں)

(اردو صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰) : ہمارا مؤلف HORNE کی کتاب کو لارڈ نر LARDNER کی طرف منسوب کرتا ہے، نیز بشپ ہورسلے HORSLEY کی "کتاب شرح" COMMENTARIES کو، اور بشپ واٹسن WATSON کی کتابوں کو جو متعدد ہیں، صرف "واٹسن کی کتاب" سے موسوم کرتا ہے [مگر یہ وضاحت نہیں کہ آیا موم نے متعدد کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، یا صرف کسی ایک کتاب کے، (محمد حمید اللہ)]

(ص ۲۳۴ سطر۸): کیتھولک ہیرالڈ CATHOLIC HERALD یہ ہفتہ وار اخبار تھا جو شہر فلاڈلفیا (امریکا) سے شائع ہوا کرتا تھا،

(ص ۹) : عیسائی عقائد میں تثلیث کو خدائے واحد کے تین اقنوم HYPOSTASE کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح جو فلسفۂ افلاطون کے شائق استعمال کرتے ہیں' وہ پُرانے بے دین لوگوں PAGANS سے مستعار لی گئی ہے

(ص ۳۲۱، س ۷) : ٹرلو TRULLO کا پادریانہ اجماع، یہ ساتواں عالمگیر کلیسائی اجماع (کونسل COUNCIL) ہے، جو قسطنطنیہ میں ۶۹۲ء میں منعقد ہوا تھا، اس کے لئے دعوت شہنشاہ جسٹی نینّ ثانی JUSTINIAN نے دی تھی، یہ قصر شاہی کے ایک بُرج (TRULLO) میں منعقد ہوئی، اس لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے، اس کو "پنج ششی کونسل" QUINSEXTUM بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں پانچویں اور چھٹی کونسل کی قرار دادوں کی توثیق کی گئی تھی،

(ص ۳۲۲، س ۸) : [اردو میں کملوس، اصل عربی میں کالوس (حمیداللہ)] : معلوم نہیں کیا مراد ہے، GALLUS، CALLUS، CALOUS، CLOUS ؟ شاید کالوِن CALVIN مراد ہو، مگر یہ صرف "کالوس" (یا کالوِن) ہی کی رائے نہیں ہے کہ "یہ کتابیں ہر جگہ پڑھی نہیں جاتی ہیں" بہت سے دیگر مؤلف بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ ٹامس وارڈ THOMAS WARD کے مطابق ڈاکٹر بلسن BILSON کا ادّعا ہے کہ کتب مقدسہ کو ہر جگہ کامل طور پر قبول نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ خود یوسی بیس کے زمانے میں'

(ص ۳۳۱، س ۶) : یہ خلاصہ ہے نارٹن [اردو میں ٹورٹن چھپا ہے (حمیداللہ)] NORTON کی کتاب EVIDENCES OF THE GENUINENESS OF THE GOSPELS جلد دوم، صفحہ (۴۴۲) مطبوعہ لندن ۱۸۴۷ء کا،

(ص ۳۶۵، آخری سطر) : "یحییٰ کی قبر!!" یہ بھی خلاصۂ بیان ہے،

(ص ۳۸۵، س ۱۰) : انتالیسواں اختلاف، زیادہ صحیح ہوتا اگر آیت (۱۶) و (۳۲) کہا جاتا، جو مماثل ہیں،

(ص ۴۴۹، س ۷) : "۱۲۴ - یوحنّا اور متّی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سرکہ پیا" مگر یہ پوری طرح درست نہیں،

(ص ۴۸۵، س ۱۱) : "۴۲۔ کتاب پیدائش ۶/۳" یہ عام مروّج بائبل VULGATA کے مطابق ہے، جس میں لکھا ہے کہ "میری روح ابدی طور پر انسان کے ساتھ نہ جھگڑے گی کہ، اپنی گمراہی میں، وہ گوشت [کے لوتھڑے] کے سوا کچھ بھی نہیں، ان کے دن ..." لیکن اوسٹروالڈ F. OSTER VALD کی شائع کردہ بائبل کے الفاظ ہیں: "میری روح انسانوں سے ہمیشہ نہ جھگڑے گی، کیونکہ وہ بھی آخر گوشت [کا لوتھڑا] ہی ہیں، ان کے دن ..."

(ص ۴۶۴، س ۸، نیز ص ۴۶۵، س ۱) : "تیری مکرر تعمیر کبھی نہ ہوگی ..." اور "مصر سے ..." — ان دونوں جملوں کا خلاصہ دیا گیا ہے، اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں [خود عربی میں "ملخصًا" لکھا ہے، یہاں اردو ترجمے میں ایک پوری عبارت چھوٹ گئی ہے، عربی میں ہے: "أعطيتك لصخرة صفية وتصير لبسط الشباكات ولن تبنى" اس جملے کے ترجمے کے بغیر حاشیے کا مطلب سمجھ میں نہ آئے گا، (حمید اللہ)]

(ص ۴۸۲، س ۱) : "قبیلہ، جس کا نام اُدرم تھا۔ ۱/۶۳۹" حوالہ صحیح نہیں، شاید ۲/۶۲۹ مراد ہے، مگر وہاں ہورن اس بات کے بالکل برعکس بیان کرتا ہے جو ہمارے مؤلف نے ں کی طرف منسوب کی ہے،

(ص ۵۰۵، س ۱) پالس اور شانز PALAY & CHANNING مگر یہ یقینی نہیں، [؟]

(ص ۵۱۲، س ۳) : الگزنڈر کیتھ A. KEITH کا بیان کہ عیسائی مذہب کی صحت اس بات سے ثابت ہوگئی کہ اس کی پیشینگوئیاں پوری ہوگئیں — یہاں اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں دیا گیا ہے،

(ص ۵۴۱، س ۹) : یہ ہورن کے بیان کا خلاصہ ہے،

(ص ۵۴۹، س ۱۴) : [اصل عربی میں "باسوبر" سے پہلے نمبر ۱ ہے، اس باب میں نکات کے سارے نمبر اردو میں حذف ہوگئے ہیں، (حمید اللہ)] نمبر (۱) بہ ظاہر ہمارا مؤلف ذیل کی فرانسیسی کتاب کے انگریزی ترجمے کا اقتباس دینا چاہتا ہے جو کیمبرج میں چھپا؛ بوسوبر BEAUSOBRE اور لاں فاں L'ENFANT کی فرانسیسی کتاب "عہدِ جدید کے مطالعے کی تمہید":- INTRODUCTION A LA LECTURE DU NOUVEAU TESTAMENT- آمسٹرڈام (ہالینڈ) میں چھپی تھی،

(ص ۵۱ ۵، س ۴): [یہاں بھی نکتہ ۱۱ اردو میں لکھا جانا چھوٹ گیا ہے (حمید اللہ)]
نکتہ ۱۱: اصل میں شولز [صحیح: شو تسّے] SCHULZE کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ہورن نے بیان کیا ہے کہ یہ مؤلف حضرت موسیٰ کو ایک افسانوی اور خرافاتی شخصیت قرار دیتا ہے، کئی جرمنوں کی یہی رائے ہے، داتے DATHE اور ایکہارن [صحیح: آیش ہورن] بھی یہی رائے رکھتے ہیں،
(ص ۵۷۰، س ۹): "پھر [ٹورٹن، مگر اصل عربی میں نورتن ہے (حمیداللہ)] صفحہ ۱۱۰ پر [اصل عربی میں ۱۱ ہے (حمیداللہ)] کہتا ہے." — نورٹن NORTON کا پہلا ایڈیشن مورخہ ۱۸۴۷ء اس کے دوسرے ایڈیشن سے بہت مختلف ہے، مذکورہ اقتباس بعینہٖ مجھے طبع ثانی میں ملا، اس دوسرے ایڈیشن میں ۱/۲۰۹ پر ایک عبارت ہے، جو دیئے ہوئے اقتباس سے کم وبیش مماثل ہے،
(ص ۵۹۸، س ۷): یہ لارڈنر LARDNER کی عبارت نہیں بلکہ اس کا خلاصہ ہے،
(ص ۶۳۹، س ۱۴): "عنـ زبور $\frac{۲۱}{۱۴}$" یہ اصل میں زبور $\frac{۲۲}{۱۹}$ ہے، (یہاں عام مروّج بائبل VULGATA اور پروٹسٹنٹوں کی بائبل وغیرہ میں باہم اختلاف ہے)۔
(ص ۶۴۱، س ۱۸): نمبر ۲۸ ۔ ہورن نے عبرانی عبارت کا اغلباً تصحیف ہوا ہونا صرف ملاخیا کی عبارت کے متعلق بیان کیا ہے، دوسری عبارتوں کی اس نے توجیہ وتاویل کردی ہے،
(ص ۶۴۵، س ۵ اور ۶ کے مابین): [اردو ترجمہ میں کئی سطری عبارت چھوٹ گئی ہے، جو یہ ہے: "شاہد نمبر ۳۳ - پولُس کے مکتوب اول بنام طیموتاوس کے باب ثالث کی آیت ۱۶ میں ہے کہ: اللہ جسد میں ظاہر ہوا، کریباج [صحیح: کرائس باخ] کہتا ہے کہ یہاں لفظ 'اللہ' غلط ہے، اور صحیح ضمیر غائب ہے، یعنی کہا جائے کہ: "وہ" اس کے بعد مطبوعہ شاہد نمبر ۳۳ کو ۳۴ اور ۳۴ کو ۳۵ پڑھا جائے، (حمیداللہ)] شاہد نمبر (۳۳) - یہ عام مروّج بائبل کی عبارت ہے،
(ص ۶۵۷، س ۶): نمبر ۸ - کلارک A. CLARKE نے بیان کیا ہے کہ یہ ساری آیت مجھے الحاقی معلوم ہوتی ہے، (دیکھو کتاب اعداد $\frac{۲۱}{۳}$)
(ص ۶۶۷، س ۸)، نمبر ۲۱ — اس بارے میں عام مروّج بائبل VULGATA اور دیگر اڈیشنوں میں فرق ہے،
(ص ۶۷۱، س ۳): نمبر ۲۶ — ہورسلے HORSLEY نے کنی کاٹ KENNICOTT کے ادعاء کو نقل کرکے اس کی تردید کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں عبارت کا الحاق واضافہ نہیں ہوا ہے، بلکہ محض نقلِ مقام ہوگیا ہے، اور یہ کہ باب سابق (یعنی ۱۶) کی دس آخری آیتیں اصل میں

باب (۱۸) کی آیت (۹) اور (۱۰) کے مابین آگئی ہیں، نیز یہ کہ باب (۱۷) کا تعلق باب (۱۶) کی آیت (۱۳) سے ہے، اور وہ اس باب کے بعد آتا ہے، اور اس طرح ساری دشواری رفع ہوجاتی ہے۔

(ص ۶۷۵، س ۱۱) : جوئیل JEWEL اور وارڈ WARD: اصل میں صرف جوئیل نے یہ بیان کیا ہے کہ مرقس کو دھوکہ ہوا ہے، اس کے برخلاف وارڈ اس بیان کو نقل کرکے اس کی تردید کرتا ہے،

(ص ۶۹۰، س ۱۱) : نمبر ۴۰ — ہورن کے اقتباس میں تراش خراش ہوئی ہے، وہ تو یہ بیان کرتا ہے کہ ان عبارتوں کی صحت کی تائید ڈاکٹر مل MILL، ڈاکٹر وہٹلے WHETLEY بشپ مڈل ٹن MIDDLETON، ہوئے مان HEUMANN، میشائلس MICHAELIS اشٹور STORR، لانگوئس LANGUIS، ڈیٹمرس DETTMERS، اشٹوئیڈلن STEUDLIN، کوئی نوئیل KUINOEL، اور ڈاکٹر بلوم فیلڈ BLOOMFIELD نے کی ہے،

(۷۰۶، س ۹) نمبر ۱۱، انیتسویں آیت: اصل میں یہ نحمیا کی کتاب باب[۱۲] میں ہے،

(ص ۷۰۸، س ۷، ۸) نمبر ۱۳، مکتوب بنام رومیاں ۳/۱۳، ۱۸ : یہاں کلارک A. CLARKE نے ان آیتوں کی صحت کی تائید اور تردید کرنے والی ساری چیزوں کو تفصیل سے نقل کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے: "اگر یہ آیتیں زبور میں الحاقی ہیں تو یہ الحاق بہت قدیم زمانہ میں ہوا ہوگا، کیونکہ جیروم JEROME [وفات ۴۲۰ء (حمید اللہ)] نے، جسے عبرانی عبارت سے انقباض ہے، اس کی شہادت دی ہے، اور کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ آیتیں سارے گرجاؤں میں پڑھی جاتی تھیں، جیروم سے کس قدر قبل یہ الحاق ہوا ہے، یہ ہم بیان نہیں کرسکتے، اور یہ کہ یہ آیتیں ربانی الہام کا ایک قیمتی ٹکڑا ہیں، اس کا ذکر سینٹ پاول کے مکتوب بنام اہل روما $\frac{۳}{۱۳-۱۸}$ میں ہے، اس کی تردید سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا دیکھو روزن مولر ROSENMÜLLER، کنی کاٹ KENNICOTT، اور دے روسی DE ROSSI کی کتابیں"

(ص ۷۱۰، س ۹) : سب سے پہلے HALES (؟ ہیلز، ہالیس ؟) نے یہ اکتشاف کیا، یہ عبارت ہورن کے ہاں نہ ملی، ممکن ہے کہیں ضمنی طور پر اس کے ہاں اس کا ذکر آیا ہو کتاب میں اشاریہ نہ ہونے سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں، (دیکھو صفحے کے حاشیے ہیں)،

(ص ۴۳۸، س ۱): "جب پطرس نے اپنے مکتوب اول کے باب (۴) کی آیت (۶) لکھی"۔ — یہ حوالہ صحیح نہیں معلوم ہوتا،

(ص ۵۴۵، س ۱): "سینوپ کے اکویلا AQUILLA DE SINOPE نے عبارت" کا یہ ترجمہ کامل نہیں، بہت مختصر خلاصہ ہے،

(ص ۵۳، س ۶): "نمبر (۲۹) . مذکورہ بیان وارڈ سے ماخوذ ہے" — یہ اقتباس لفظی نہیں ہے، اصل عبارت یوں ہے: "(۱) مسٹر کارلائل CARLISLE نے اعتراف کیا ہے کہ انگریزی ترجموں نے مفہوم کو بگاڑ دیا، حقیقت کو مدّھم کردیا، اور ناواقف کو بھٹکا دیا ہے، نیز یہ کہ بہت سے مقاموں پر انھوں نے کتاب مقدس کو توڑموڑ DISTORT دیا ہے، جس سے صحیح مفہوم بدل گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود وہ روشنی سے زیادہ تاریکی میں، اور حق سے زیادہ باطل میں ہیں۔

(۲) کتاب مقدس کو بگاڑنے CORRUPTION کی اس عظیم بُرائی کو مسٹر براؤٹن BROUGHTON جیسے انتہائی جوشیلے نے بھی اس شدّت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ وہ مجلسِ شاہی کے امراء LORDS OF THE COUNCIL کو ایک خط لکھنے پر مجبور ہوا، کہ اس کی رائے میں ضرورت ہے کہ وہ جلد سے جلد نیا ترجمہ کرائیں، اور وہ لکھتا ہے: "کیونکہ اب جو ترجمہ انگلستان میں پایا جاتا ہے وہ اغلاط سے پُر ہے"، اور عبارتوں کو بگاڑنے کی مثالوں کے سلسلے میں وہ بشپوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ: "ان کا انگریزی ترجمۂ کتاب مقدس ایسا ہے کہ وہ عہد قدیم کی عبارت کو (۸۴۸) مقاموں پہ بگاڑتا ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں، کروڑوں لوگ عہد جدید [یعنی عیسائیت] کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور ابدی جہنّم کے مستوجب ہو رہے ہیں۔"

(ص ۸۳۲، آخری سطر): نمبر ۱۶ - "ڈی آئلی D'OYLY [صحیح تلفظ ڈایلی (حمید اللہ)] اور رچرڈ منٹ MANT کی شرح میں ڈین [پادری] اسٹائن ہوپ STANHOPE [اسٹان ہوپ (حمید اللہ)] کا قول" مندرجہ الفاظ مجھے مذکورہ شرح میں نہ ملے، وہاں لکھا یہ ہے کہ ہماری بات کی اساسی تصدیق اور ہماری ابدی نجات اس وعدے پر مبنی ہے (جو خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا)، نہ کہ قانون (یعنی تورات) پر، اور یہ قول ڈاکٹر ہامنڈ HAMMOND کا ہے کہ "مسیح اور انجیل کے ماقبل زمانے میں خدا نے ہمیں قانون (؟ تورات) کی معاشیات کے ماتحت اور تابع کیا تھا، اور نظم وضبط کے سلسلے میں ہم امیدواروں اور توقع کنندوں کی حالت میں تھے تاآنکہ انجیل کے نزول کا زمانہ آئے" ذرا آگے ایک اور مقام پر اسی مؤلف ڈاکٹر ہامنڈ نے

پائل PYLE کے حوالے سے اور قانون (کی آیت ۲۴) کے مطابق کہا ہے کہ "نامکمل حالت میں قانون بھی نامکمل ہوتا ہے"۔ اور تب اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ" ہم میں ضبط ونظم برقرار رکھے، ہمیں تعلیم دے، اور ہماری طبیعت کو اس بات کے لئے تیار کرے کہ زیادہ بلند اور زیادہ مقدس نظام انجیل کو ہماری اساسی تصدیق کے طور پر قبول کیا جا سکے"۔ قانون ایک معلّم اور مدرسے کے ایک استاد کے مماثل ہے، اور جو لوگ اس قانون (؟ تورات) کے ماتحت زندگی گذارتے تھے، وہ زیر کفالت نابالغوں کے سے تھے، بلکہ ننھے بچّوں کی طرح سے تھے؛ نتیجۃً انجیل کے توسط سے لایا ہوا ایمان اعلیٰ تعلیم دینے والے پروفیسر اور یونیورسٹی میں درس کی کرسی پر فائز شخص کے مماثل ہے؛ جب آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ پروفیسر کے درس میں شریک ہو سکے تو اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی، کہ مدرسے کے معلّم سے درس لے، خود سینٹ پاول (آیت ۲۵ میں) بیان کرتا ہے کہ: "ایمان کی آمد کے باعث ہمیں اس معلّم کی ضرورت نہ رہی"، اوستروالڈ کی فرانسیسی بائبل میں [معلّم کی جگہ] رہنما و قائد CONDUCTEUR کے الفاظ ہیں، کیا اس ساری بحث سے ضمناً یہ بات انتہائی مثبت طور پر واضح نہیں ہو جاتی کہ حضرت مسیحؑ کے قانون نے حضرت موسیٰؑ کے قانون کو منسوخ کر دیا،

(ص ۸۹۹، س ۱): "ملقریزی ... حرّان"۔ موس ہایم MOSHEIM کے مطابق ملکانی MELCHITE فرقے کے عیسائی راسخ العقیدہ ORTHODOX عیسائی ہیں، کیونکہ محفل کالسیدون [CHALCEDON حال: قاضی کوئی، استانبول کے ایشیائی ساحل پر (حمید اللہ)] کی قراردادوں پر جمے ہوئے ہیں، اور نتیجے کے طور پر قسطنطنیہ کے شہنشاہی (بیزنطینی) دربار کے مذہب پر قائم ہیں، اور چھٹی صدی عیسوی میں انھوں نے بدنام (ملکانی یعنی بادشاہی) فرقہ کا نام اس لئے اختیار کیا کہ اپنے آپ کو یعقوبی JACOBITE فرقے سے ممتاز کریں، لیکن زمانۂ حال کے فرقہ، ملکانی کے عیسائی شام اور مصر کے "متحدہ اغریقی" UNITED GREEK فرقے والے ہیں، اور ایک زمانے میں اُن کا بَطریرک یہی مکسیموس مظلوم تھا، (جسے MADHLOUM اور لاطینی لوگ MAZLOUM لکھتے ہیں) اور جس کا ابھی اوپر ذکر آیا، اس فرقے کو اِغریقی کیتھلک GREEK CATHOLIC کا بھی نام دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ کلیسائے رُوما کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں، بودانی فرقے BODHANIAN یا BODHAMITE کے متعلق مجھے موشہایم MOSHEIM

کے ہاں کوئی چیز نہ ملی، کتاب "اظہار الحق" کے عربی ناشر نے حرف "ب" کو "ی" کر دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ شہرستانی کے مطابق اس فرقے کا نام "یدعانی" ہے، نیز..... "مقربہ" MAQARABA اور یہ لوگ ہمذان کے یدعان نامی ایک شخص کے متبع ہیں، جس کا نام مؤلف نے یہودا (یودا) لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہرستانی ان کو ایک یہودی فرقہ سمجھتا ہے، اور ان کا ذکر فرقۂ سامریہ SAMARITAN کے ساتھ کرتا ہے، شہرستانی مزید برآں یہ بیان کرتا ہے کہ آریوس ARIUS نے مسیحؑ کے متعلق اپنے عقائد ان تصورات سے اخذ کئے ہیں، جو اس فرقے نے اُلوہیت کے متعلق پھیلائے تھے، واضح رہے یہ فرقہ آریوس [فوت ۳۳۶ء (حمیداللہ)] سے چار سو سال پہلے گذرا ہے، یعنی حضرت مسیحؑ سے بھی قبل، رہے مرقولی MARCOLITE، بہ ظاہر [ہمارے مؤلف مقریزی کے ہاں] ایک طباعتی غلطی ہے، شہرستانی ان کو "مرقونیہ" لکھتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے مراد مارسیونی MARCIONITES ہیں،

عربی جلد دوم

مطلب مبہم (اردو صفحہ ۱۰۳۶، آخری سطر) باب اوّل کے آخر میں۔ اس باب کے پڑھنے پر ایک سے زیادہ یوروپی [غیر مسلم اسے طفلانہ سمجھ کر] ہنس پڑے گا، لیکن جو لوگ کسی خدائی وحی پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور بائبل کی صحت کو مانتے ہیں، وہ مجھے خوف ہے کہ بہت سی چیزوں پر محسوس کریں گے کہ وہ پکڑے گئے ہیں، اگر صفحہ ۲۵ (؟) پر نقل شدہ کتاب تثنیہ DEUTERONOME کی عبارت، خاص کر ۱۸/۲۰، جو کہ ہمارا مولف نقل نہیں کرتا، مگر جو حسب ذیل ہے:

"اگر کوئی نبی اتنا مغرور ہو کہ وہ میرے [یعنی خدا کے] نام پر کوئی ایسی چیز بیان کرے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہ دیا ہو، یا یہ کہ وہ دیگر دیوتاؤں کے نام پر کچھ بیان کرے تو ایسا پیغمبر مر جائے گا،"

اگر یہ حقیقت میں خدا کا قول ہے اور کوئی جھوٹی فرضی عبارت نہیں، تو اُن تمام لوگوں پر جو بائبل پر اعتقاد رکھتے ہیں، واجب ہوگا کہ [حضرت] محمدؐ کو ایک سچے نبی کے طور پر قبول کریں، کیونکہ [اپنے دعوائے نبوّت کے باوجود] نہ صرف یہ کہ وہ مرے نہیں بلکہ تریسٹھ سال

عمر تک زندہ رہے، اور ایک دین کی تاسیس کی جو آٹھ یا نو سو سال تک ساری دنیا پر حکومت کرتا رہا، اور آج ہمارے زمانے میں بھی اتنا ہی مضبوط اور غیر متزلزل ہے جتنا اپنے مؤسّس کے زمانے میں، ممکن ہے اس کا شاید یہ کہہ کر جواب دیدیا جائے کہ کتاب تثنیہ کی اس عبارت سے مراد [صرف] یہودیوں کے پیغمبر ہیں،

[ایک بالکل مماثل ذکر قرآن مجید سورۃ الحاقہ ۴۴ تا ۴۷ ۶۹ میں بھی ہے کہ پیغمبر جھوٹ بولے تو فوراً اس کی رگِ جاں کاٹ دی جائے گی، لیکن یہ سچے پیغمبر کے عمداً جھوٹ بولنے کے متعلق ہے نہ کہ نبوّت کا جھوٹا ادّعا کرنیوالے کے متعلق، مقصد کہنا یہ ہے کہ نبی کی ہر بات سچی اور الہامی ہے، (حمیداللہ)]

(ص ۱۰۷۸، س ۷): "چارلس روجر" کی کتاب مجھے دستیاب نہ ہو سکی، [عربی املاء روجیر کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ اسے مولانا نے کسی مصری یا شامی عربی کتاب میں پڑھا ہے، ان علاقوں میں "ژ" کو "ج" لکھتے ہیں، اور یہ نام اگر ROGERS ہے تو اس کا فرانسیسی تلفظ روژیر ہوتا ہے، آخری "S" تلفظ میں ساقط ہو جاتا ہے (حمیداللہ)]

(ص ۱۰۹۲، س ۲): نمبر ۲۶ - یہ عبارت [بائبل کے] مختلف ترجموں میں مختلف ہے اوستروالڈ OSTERVALD، دیوداتی DIODATI وغیرہ،

(ص ۱۱۰۷، س ۷): تیسرا اعتراض — متی ۲۶/۲۹، نیز مرقس اور لوقا کے مطابق حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ میں اب شراب دوبارہ اس وقت تک نہ پیوں گا جب تک تمھارے ساتھ پینے کا موقع نہ ملے، یعنی وہ جنت HEAVEN میں پئیں گے، لوقا کے الفاظ سے تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہاں [پینا ہی نہیں] کھانا بھی ہوگا: "میں دوبارہ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ یہ بات خدا کی بادشاہت میں پوری نہ ہو جائے"، کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ جب عید الفصح خدا کی بادشاہت میں پوری ہو جائے گی، تو حضرت عیسیٰ غذا کھائیں گے، عید الفصح دنبے کے بغیر نہیں منائی جاتی، اور جب حضرت [عیسیٰ] نے آخری عید الفصح منائی تو اس وقت بھی دنبہ موجود تھا، اگر یہ بات صحیح ہے کہ خدا کی بادشاہت میں عید الفصح کے موقع پر لوگ غذا کھائیں گے تو یہ فرض کرنے کا حق ہے کہ وہاں دُنبے بھی ہوں گے، اور اگر وہاں دُنبے ہوں تو لازماً ہے کہ وہاں مینڈھے اور مینڈھیاں بھی ہوں، اور بطور نتیجہ یہ بھی کہ وہاں چرنے کے مرغزار بھی ہوں، پانی بھی ہو، وغیرہ وغیرہ، ان حالات میں مسیحیوں کی جنّت مجھے قرآنی جنّت سے

زیادہ روحانیت والی نظر نہیں آتی، ان حالات میں وہاں صرف حوروں کے ہونے پر کیوں اس قدر شور کیا جائے؟ مزید برآں سینٹ پاول کے مطابق جو "قوموں کا بڑا حواری" ہے، جنت کئی منزل ہوگی، کیونکہ خود سینٹ پاول کا تیسرے آسمان پر دل لبھا لیا گیا تھا، جنت کے کئی منزلہ ہونے کی تائید حضرت عیسیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انجیل یوحنا [۱۴/۲ (حمید اللہ)] میں ہے کہ "میرے باپ کے مکان میں متعدد مسکن ہیں" کیا اس کا امکان نہیں کہ نہریں، میوے وغیرہ ان منزلوں میں سے ایک میں ہوں، اور روحانی لذتیں ایک دوسری منزل پر ہوں؟

[ناچیز مترجم محمد حمید اللہ ادب سے کچھ اور بھی عرض کرے گا (۱) عیسائیوں کے عقائد زمانوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، چوتھی صدی عیسوی کے نہایت مستند اور راسخ العقیدہ مؤلف پادری میشل سوری MICHEL LE SYRIEN کے مطابق جنت میں ساری مادی لذتیں ہی نہیں بلکہ خوبصورت حوریں بھی ہیں،

(۲) اسلامی جنت ایک لمبا کمرہ نہیں جس میں بے شمار بستر ہوں، اور ساری اولادِ آدم وہاں غریب غرباء کی طرح اکٹھی رہتی ہو، بلکہ ہر انسان یا ہر جوڑے کے لئے اس کا اپنا ایک مستقل اور علیحدہ محل ہوگا، جس میں مستقل باغ اور نہریں، خدمتگار اور ضروریاتِ زندگی ہوں گے ظاہر ہے کہ انفرادی قصر زیادہ موزوں ہیں، بہ نسبت غریب بورڈنگ ہاؤس یا شفا خانے کے سونے کے لیے مشترک کمرے کے، اس میں کوئی امر مانع نہیں، کہ ان انفرادی جنتوں کے مجموعے کے اطراف ایک احاطے کی دیوار ہو جس میں متعدد دروازے ہوں، تاکہ غیر جنتی لوگ وہاں چپکے سے گھس نہ آئیں،

(۳) اس اسلامی جنت کے متعلق صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دیکھا سُنا ہوا ہونا تو کیا، اس کا کسی کے دل اور ذہن میں تصور بھی نہیں آسکتا، اور بخاری، مسلم جیسی مستند ترین کتبِ حدیث میں بعض معنی خیز حدیثیں بھی ہیں، مثلاً جب جلد یا بہ دیر سارے اہل جنت جنت میں آجائیں گے تو خدا تجلی فرمائے گا اور کہے گا: میں تم سے خوش ہوں؛ اگر کسی مزید نعمت کی ضرورت یا خواہش ہو تو بتاؤ کہ وہ بھی تم کو دوں، لوگ حیران ہوں گے کہ کیا مانگیں، کیونکہ انھیں وہ جنت مل چکی ہوگی جس میں حسبِ دلخواہ ہر چیز فوراً مل جاتی ہے، (لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ، قرآن ۴۱/۳۱). اس پر خدا خود ہی ایک نئی نعمت عطا فرمائے گا اور اپنے رُخِ انور سے حجاب اور ردائے کبریائی کو ہٹا لے گا، اور لوگوں کو خدا کی رؤیت زیارت

نصیب ہوگی' اور اس نظارے میں لوگ ایسے محو ہو جائیں گے کہ جنّت بھی اس کے سامنے ہیچ ہوگی، یہ بیان کرنے کے بعد رسولِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآنی آیت ۱۰/۲۶ "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" (اچھے کام کرنے والوں کو بہت اچھی چیز بھی ملے گی اور ایک زائد چیز بھی) میں لفظ "زِيَادَةٌ" میں اسی تجلّی اور رویتِ باری کی طرف اشارہ ہے، اب جدید عیسائی خود ہی مقابلہ کرلیں کہ قدیم اور غیر تبدّل پذیر اسلامی عقائد کی جنّت کیا ہے' اور خود عیسائیوں کے ہاں کے آئے دن بدلنے والے تصوّرات کو کیا قیمت دینی چاہیے۔ (حمید اللہ)]

(ص ۱۲۵۳، س ۷): "خدا نے (حضرت) محمدؐ کو وہ ملک بتا دیئے جو آپؐ کے ہاتھوں فتح ہونے والے تھے" ـــ مماثل چیز (حضرت) مسیح کو صحرا میں پیش آئی: شیطان نے آپ کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر سے دنیا کی ساری بادشاہتیں دکھائیں تاکہ آپ کو ورغلا سکے [متّی، باب ۴ (حمید اللہ)] لیکن خدا کی قوّت شیطان کی قوّت سے کہیں زیادہ ہے، [اسے "مماثل چیز" کہنا صحیح نہیں، (حمید اللہ)] (حضرت) موسیٰ کو بھی نیبو NEBO کی چوٹی پر سے خدا نے وہ سارے ملک دکھائے تھے جو جلعد GELAAD سے دان DAN تک پائے جاتے تھے [دیکھو تثنیہ ۳۴/۱ (حمید اللہ)]

(ص ۱۶۲۹، س ۳) "قسطنطین کے بعد سے چھٹا شہنشاہ"، اغلباً اس سے مراد تیودوس اعظم THEODOSE THE REAT کا اعلان ہے، جس میں "جھوٹے خداؤں" کی عبادت سے منع کرکے اس کی خلاف ورزی پر سزائے موت مقرر کی گئی تھی' اور اس [بت پرستی] کو سارے شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں سے خارج کر دیا گیا تھا؛ اور جو لوگ پُرانے دین پر جمے رہے وہ گڑھیوں اور دیہاتوں میں جا پناہ گزین ہوئے، اور وہاں مخفی طور پر اپنے دین پر عمل پیرا رہے اس تاریخ سے، اس بنا پر کہ ان لوگوں کو دیہات پر اکتفاء کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا، ان لوگوں کو عیسائیوں نے PAGANI (دیہاتی) کے نام سے منسوب کیا، یہی لفظ انگریزی میں PAGAN بنا، اور فرانسیسی میں PAIEN (جس کے معنی بے دین کافر کے ہوتے ہیں)، قسطنطین نے بھی بے دین لوگوں (PAGANS) کے خلاف ایک فرمان صادر کیا تھا، لیکن یہ دونوں مثالی شہنشاہ اپنے فرمانوں کے صدور کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے، اور اُن کے احکام کی محض جزئی تعمیل ہونے لگی، البتہ بے دین لوگوں کو تیودوس کے جانشینوں کے زمانے میں قسم قسم کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں ۔

تالیفات و تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

معارف القرآن مکمل مجلد ۸ جلدیں
فتاویٰ دارالعلوم کامل مجلد دو جلدیں
امداد الفتاویٰ کامل ۶ جلدیں مجلد
جواہر الفقہ جلد اول و دوم کامل مجلد
آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام
مقامِ صحابہ رضہ
ختمِ نبوّت کامل
علمی کشکول
اسلام کا نظامِ اراضی
مسئلہ سُود
ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں
مجالسِ حکیم الامّت
تاریخ قربانی (مع ضروری احکام)
علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح
سیرتِ خاتم الانبیاء
آداب النبیؐ مجلد
مسیح موعود کی پہچان
شہید کربلا
رویتِ ہلال کے احکام
گناہِ بے لذّت
دو شہید
سُنّت و بدعت
احکامِ حج
ذکر اللہ اور فضائلِ دُرود شریف
کانگریس اور مسلم لیگ
عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ
مصیبت کے بعد راحت
رفیقِ سفر (مع احکامِ سفر)
میرے والد ماجد

انسانی اعضاء کی پیوند کاری
خطباتِ جمعہ و عیدین
ممالکِ اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری
چہل حدیث
آداب المساجد
آداب الشیخ والمرید
اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت عکسی
" " " انگریزی
توزیع الثروۃ فی الاسلام عربی
اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات
قرآن میں نظامِ زکوٰۃ
بیمۂ زندگی
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سُود
احکامِ دُعا
نجات المسلمین۔ گناہوں کا کفّارہ
تصویر کے شرعی احکام
تسہیل قصد السبیل
احکام القمار
حکم الاسقاط
سایۂ رسول
بسم اللہ کے فضائل
اسلامی ذبیحہ
مناجاتِ مقبول
اوزانِ شرعیہ
ضبطِ ولادت
ذوالنون مصری
احکام القرآن عربی جلد خامس]
" " جلد سادس] زیر طبع
الازدیاد السنی علی الیانع الجنی

ملنے کا پتہ:- مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴



بائبل سے قرآن تک

اظہار الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ دار العلوم کراچی

بائبل سے

قرآن تک

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk
" " mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

﴿ ناشر ﴾ مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ... الآية

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ؒ کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اوّل

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

شرح و تحقیق

زیر نگرانی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے بھٹکے ہوئے

قافلوں
کے نام

جنہیں جادۂ منزل کی تلاش ہے

حمد و ثنا

صرف اس ذات بے ہمتا کو سجتی ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کی ہر شئے کو عدم کی اندھیریوں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لاکھڑا کیا، رنگ و بو کی اس کائنات کا ہر ذرّہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ ہے اور ایک ہے! ؎

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اِس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

اور

درود و سلام

اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جنہوں نے باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں حق کی پُرنور مشعلیں روشن فرمائیں اور دنیا کے ظلمت کدوں میں اُجالا کر دیا! ؎

پھُوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمہیں تو ہو

فہرست مضامین مقدمۂ شارح

فہرست مضامین
"اظہار الحق"
جلد اوّل

(جو عنوان قوسین میں لکھے گئے ہیں اُن سے حاشیہ کی بحثوں کی طرف اشارہ ہے)

کچھ حوالوں سے متعلق

(۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے، اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثناء ۵ : ۱۳ کا مطلب ہے کتاب استثناء کے پانچویں باب کی تیرہویں آیت، اسی طرح ۵/۱۳ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔

(۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں۔

(۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مکمل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے اوپر ت کی علامت بنادی گئی ہے، لہٰذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف حاشیے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔

(۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ اُن اصطلاحات کی بھی مکمل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہٰذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کی تفصیل حرفِ آغاز میں دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

چند سالوں سے عالمِ اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، خاص طور سے پاک و ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں اُن کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شدومد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی ۱۹۵۷-۵۹ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوتی ہے"

اس کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جرأتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفاء نہیں کرتیں، بلکہ رسالتمآب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور قرآن اور اسلام کے خلاف تمسخر آمیز گھناؤنے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں جھجکتیں،...

کلیساؤں سے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں،

اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورتِ حال چنداں تشویشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ حضرات بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں،

ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح خدوخال سے لوگوں کو واقف کراسکے، اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کرکے اپنی راہِ عمل علیٰ وجہ البصیرۃ متعین کرسکے، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ :

آج سے کم وبیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقاومت کے لئے علماءِ حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل وحجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست فاش دیکر یہ ثابت کردیا کہ اسلام اور علماءِ اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں،

ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آلِ حسنؒ (متوفی ۱۸۷۲ء) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ (متوفی ۱۳۱۷ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ)، مولانا شرف الحق صاحب صدیقیؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ)، مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسنؒ، مولانا سید عبد الباری صاحبؒ (متوفی ۱۳۰۳ھ) مولانا سید ابو المنصور ناصر علی صاحبؒ (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے اسمائے گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسین صاحب حالیؔ ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:۔

"ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبا پکا شکار پیٹ بھر اول مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور تیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لئے اُن کے منادیوں میں، اُن کے اخباروں اور اُن کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھار اسلام

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانیٔ اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب اُن کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

(بحوالۂ فرنگیوں کا جال" ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کاوشوں سے ہندوستان کے طول وعرض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کرلی تھی، جو ہر علاقے میں عیسائی پادریوں کی راہ میں مؤثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فرنچ انچارج ضلع ملتان لکھتے ہیں:

"ملتان کے ملا، سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (؟) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنھوں نے اسلام کا طرفدار ہوکر ڈاکٹر فانڈر سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا۔" ("صلیب کے علمبردار" ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچارج مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

"ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہوگئی، کیونکہ بحث چھڑگئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا اشرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہے، دکھائی نہیں دیتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہوسکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے ... مسجدوں کے اندر جاکر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔"

(صلیب کے علمبردار، بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مسلمان ملّا ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی ہو، یہاں تبلیغ آتا وہاں مُلّا نے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیا، تبلیغ کرا اس طرح رد کرتے" (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ رانچی، پٹنہ، بنارس، ہمم کنڈہ، گلبرگہ، شعلہ پور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، ردِّ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ "اردو اخبار" (دہلی ۱۸۴۲ء) اسی مقصد کے تحت جاری ہوا تھا کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واشگاف کرے، اور اسی "جرم" کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

اس اخبار کے علاوہ "سید الاخبار" (دہلی، ۱۸۳۸ء)، "سراج الاخبار" (دہلی ۱۸۳۹ء)، "قطب الاخبار (آگرہ)"، "نور علیٰ نور" (لدھیانہ) "امین الاخبار" (الٰہ آباد) "پنجابی اخبار" (لاہور) "رہبر ہند" (لاہور) "ناصر الاخبار" (دہلی) "مہر درخشاں" (لکھنؤ) "المستنصر" (دہلی) "حبل متین" (کلکتہ) "نور الاسلام (سیالکوٹ) ۱۹۰۰ء"، "منشور محمدی" (بنگلور) ۱۲۸۶ء، بطور خاص قابلِ ذکر ہیں، نیز ماہنامہ "حسن" (حیدر آباد دکن) ۱۸۸۹ء، اور "خیر المواعظ" (دہلی، ۱۲۸۹ء) وغیرہ رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی ورثہ اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر سرمایہ سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانا عام مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بناء پر مشکل ہو گیا ہے، اول تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر اُن میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، تیسرے جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سَو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہدِ طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیشِ نظر کئی بار یہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہٖ یا ترجمہ کرکے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو "اظہار الحق" سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا نچوڑ ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلّل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراجِ تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دار العلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدّت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں، اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے اُن حوالوں کی تحقیق وتنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت ناقص رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دار العلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہٗ مدرس دار العلوم کراچی کو ماشاء اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت وکاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق وتعلیق (ایڈٹ) کا کام بحمد اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انھوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب وتہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کرکے کتاب کی افادیت بہت بڑھا دی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کرکے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے مآخذ کی مراجعت کرکے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصرِ حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کی طرف بھی اشارے کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی وافی ہوگئی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابلِ قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً وہ مختصر رسالے ہی مفید ہوسکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنھیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں،

زیر نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہلِ علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات مہیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب ردِ عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب سے علیٰ وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہٰذا اب ہمارے اہلِ علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دینِ حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، —— واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۸ محرم ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

الحمد للہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہے،

اظہار الحق بلاشبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری امّتِ اسلامیہ کو سربلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق و صواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے، جس سے رُوگردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تأثر یہ ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پیما ہو گئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق و تفتیش کے بارے اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تأثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

نے "اظہار الحق" تصنیف فرما کر اس کلیے میں استثناء پیدا کیا ہے، "عیسائیت" وہ موضوع ہے جس پر اُن سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ اور علامہ ابن قیم جوزیہؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قرطبیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن "اظہار الحق" کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجاتا ہے ع

کم ترک الاول للآخر

اس معرکۃ الآراء کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیع علمی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو داں اہل علم اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم و بیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انھوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انھوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے ایماء پر ادران کی نگرانی میں بنام خدا یہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مدظلہم نے ترجمے میں محنت شاقہ اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصہ لگ سکے گا، لیکن جب ترجمہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظرِ عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر قرعۂ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۳۸۴ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے ترقیم (Punctuation) کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کرکے تصحیح کرنی پڑے گی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کر دوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے "اظہار الحق" کے کچھ اقتباسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرونِ ملک سے میرے پاس خطوط کا تانتا بندھ گیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا، میں نے اس پر مزید محنت شروع کر دی، یوں یہ کام کھنچتا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں مکمل کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے۔

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

(۱)۔۔ متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہِ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھدی ہیں، تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں، اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہوں،

(۲)۔۔۔ لیکن چونکہ بائبل کے مختلف اڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے قوسین کے ذریعے ممتاز کرکے حاشیے پر اختلاف کی مکمل توضیح کردی ہے،

(۳)۔۔۔ اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر، خاص طور سے حوالوں میں، بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا اظہار کر دیا،

(۴)۔۔۔ غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرّب کرکے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے! میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھدیا، اور جہاں یقین نہ ہوسکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

(۵)۔۔۔۔ جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اغلاق محسوس ہوا وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

(۶)۔۔۔۔ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

(۷)۔۔۔۔ ترقیم (Punctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیراگراف قائم کر دیئے ہیں،

(۸)۔۔۔۔ آخر میں مفصّل اشاریہ ( ) مرتب کر دیا ہے،

(۹)۔۔۔۔ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے امور کی نشاں دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلۂ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجۂ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے جن میں مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

(۱)۔۔۔۔ بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں جن اختلافات سے نفسِ مفہوم پر فرق پڑتا تھا انھیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

(۲)۔۔۔۔ اظہار الحق کے مآخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشئے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر احقر نے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، اُن کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے،

(۳) ــــــ اظہار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، احقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

(۴) ــــــ کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، اُن کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

(۵) ــــــ کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، احقر نے اُن ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا ... جاننا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو اُن سے ضرور واقف ہونا چاہیے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف "ت" بنا ہوا ہے اُن ناموں کا تعارف حواشی میں موجود ہے،

(۶) ــــــ آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

(۷) ــــــ جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنفؒ کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

(۸) ــــــ جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنفؒ کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حواشی بہت طویل اور مفصّل ہو گئے ہیں،

(۹) مصنفؒ نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گذشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حقر نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھدیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کر سکیں،

مآخذ اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشاں دہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں:

(۱) اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحیح الشیخ محمد الاسیوطی،

(۲) اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۷ھ المطبعۃ العامرۃ المحمودیۃ، الجامع الازہر، مصر،

(۳) اظہار الحق جلد اوّل مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعۃ العلمیۃ،

(۴) اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیریؒ سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائیٹل کا صفحہ غائب ہو، اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سنِ طباعت معلوم نہیں ہو سکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحبؒ کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے "گجراتی مترجم" کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے،

اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

(۱) اردو بائبل کا نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوائنڈ برائڈ زن پرنٹرز کے زیرِ اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا، اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے "موجودہ اردو ترجمہ" کا لفظ استعمال

کیا ہے،

(۲) اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

(۳) بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں "جدید عربی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

(۴) بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۸۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الایام الاوّل تک کے صحیفے اس میں سے غائب ہیں، "قدیم عربی ترجمہ" سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

(۵) بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) کنگ جمیس ورژن ۱۶۱۱ء جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف "قدیم انگریزی ترجمہ" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے "الفاظ متبادلہ کی فہرست" (ARernmtiys Renderings) کے نام سے انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

(۶) بائبل کے عہد نامۂ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے،

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میتھوڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، دی بپٹسٹ یونین، دی پرسبیٹرین چرچ آف انگلینڈ، دی سوسائٹی آف فرینڈس، دی چرچز ان ویلز، دی چرچز ان آئرلینڈ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ نسخہ "دی نیو انگلش بائبل" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظر ثانی نہیں ہو، بلکہ اسے بامحاورہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جا بجا سابق انگریزی ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے،

اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے "جدید انگریزی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے،

(ج) مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن): یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے اس کا مترجم مونسگنر اے، ناکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے میکملن کمپنی لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "اپوکریفا" (Apocrypha) بھی شامل ہے، لہٰذا ہم نے جہاں جہاں اپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے سے ماخوذ ہیں، اس پر جا بجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے "کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جا بجا ملیں گے:

① اے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، سنہ طباعت درج نہیں، "کنکارڈنس" سے میری مراد یہی کتاب ہے،

(۲) اے نیو ٹسٹامنٹ کمنٹری، یہ عہد نامۂ جدید کی تفسیر ہے، جسے رانلڈ اے ناکس نے لکھا ہے،

(۳) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ سنہ ۱۹۵۰ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

(۴) ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کا اردو ترجمہ ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینلی، ایم اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی، رابنسن بی اے بی ڈی اور اے ایم ہنٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ جے ایس امام الدین اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہوں میں فراہم کردوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرف ایک صفحہ کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ اُن حضرات کو ہوگا، جنھوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یاب ہی نہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جاکر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقعہ ضرورت تھی وہ مہیا نہ کرسکا، دار العلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گذشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہوگیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے احقر کو اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی اَن دیکھی طاقت میری رہنمائی فرمارہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تقریباً مایوس ہوجانے کے بعد جب میں تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھلا ہے، اور تمام پیچیدگیاں دُور ہوگئی ہیں،

بہرکیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہار الحق جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کرسکا، زیادہ سے زیادہ آسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کررہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی سہی، ایک نسبت مجھے حاصل ہوگئی ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گُل شود بس است

باری تعالیٰ کی بارگاہِ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمالے، اور جب آخرت میں دین کے مخلص خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سیہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر اُن حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

یہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات وہ تھے جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں اُن حضرات کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اوّلین محرّک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انھوں نے فراہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی (کراچی)، جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بنک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکرگذار ہوں، جنھوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے مہیا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمٰن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مسوّدات کی تبییض اور کاپیوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے اقتباسات نقل کئے، میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہینِ منت ہوں کہ انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی اور ان کے رفقاء بھی بطورِ خاص شکریہ کے مستحق ہیں؛

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،

ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا تہہِ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جہت سے حصہ لیا،

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اور یہ کتاب مصنفؒ، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

دار العلوم کراچی ۱۴

محمد تقی عثمانی
۲۷ر شعبان ۱۳۸۷ھ ہجری

مقدّمہ

از
محمد تقی عثمانی
اُستاذ دارالعلوم کراچی ۱۴

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب "اظہار الحق" اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہے کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن بعض اہم اسباب کی بنا پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ "اظہار الحق" جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب سے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؟ اور اُن اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانیوالی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی، تاوقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ "اظہار الحق" ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بیحد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنھوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کر نئے نئے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ اُن کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزء بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں "اظہار الحق" کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو،

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کروں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم فرمودہ عقائد پیش کرتا ہے ؟ اگر نہیں؛ تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انھیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن سے گذارش ہو کہ اس حصے کا بطورِ خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے بعد "عیسائیت اور عصر حاضر" کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، پھر برّصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو رُو بعمل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امداد صابری صاحبؒ نے اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المُستعان،

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہِ راست اہلِ مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اِس میں اس کے کسی نظریئے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریئے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

عیسائیت کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔
"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے" (برٹانیکا مقالہ "عیسائیت" ص ۶۹۳ ج ۵)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای، گارؤے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

"عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے۔"

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈوے نے اس کے ایک ایک جزء کی توضیح کی ہے،

"اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمامتر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محورِ فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے ـــ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام! انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے،

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موحد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث ـــ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث ـــ کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آگیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔"

مندرجۂ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفارے" پر ایمان رکھتا ہے، اس جزء کی تشریح کرتے ہوئے گارڈوے لکھتا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہوگیا ہے، اس لئے ضروری ہو کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔"[1]

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ص ۵۸۱ ج ۳، مقالہ "Christianity"

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصوّر

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارس ریلٹن لکھتا ہے:

> "عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ وہ ایک زندۂ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوّت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں[1]"

عقیدۂ تثلیث

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصوّر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی اُلجھی ہوئی ہیں، اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدۂ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

---

[1] H. Maurice Relton . *Studies in christian Doctrine*, *Macmillan*, *London 1960 P. 3*

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ "خدا" باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے[1]، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم" وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے[2]، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعۂ خدا[3]، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعۂ خدا سے کمتر ہیں، اور ان پر لفظ "خدا" کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے[4]، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے[5]،

توحید فی التثلیث

غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خوابِ پریشاں" بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبولِ عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجۂ ذیل ہے:

---

[1] عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے (دیکھئے برٹانیکا ص ۴۷۹ ج ۲۲ مقالہ "TRINITY")

[2] عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "ایرمدنیس" اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نوید جاوید، ص ۲۵۶ بحوالہ پادری سیل صاحب)،

[3] Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by *the Encyclopaedia Britannico 1950 P. 479 V. 22* "TRINITY"

[4] St. Thomas Aquinas, *Basic Writings of: P 327 V I.* c/ *Britannica P. 479 V. 22*

[5] یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے (الخطط المقریزیہ ص ۴۰۸ ج ۳، لبنان، ۱۹۵۹ء)،

تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک قنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنھوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے، اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیُس پیلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جارہا تھا[1]......

---

[1] اشارہ ہے متی ۳: ۱۶ کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق نسخہ ہذا صفحہ ۱۹۵ ج اول۔

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ
جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جارہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ
پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے[1]
..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس
طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابلِ تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابلِ تقسیم طریقے
پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے[2]"

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہِ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ

عیسائیوں کے نزدیک "باپ" سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے، جس میں اس کی صفتِ کلام اور صفتِ حیات سے قطع نظر کرلی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے[3]،

---

[1] اشارہ ہے متی ۱۷:۵ یعنی تجلی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ،

[2] Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddan and edited by Whitney J-Oats New York 1948 P. 672 V.2

[3] Basic Writings. of St. Thomas Aquinas. edited by A. C. Pegis P. P.324,25 V. I New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ای گاروے نے لکھا ہے کہ:

> "اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ج ۶ ص ۲)

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفتِ کلام اور خدا کی صفتِ کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے:

> "انسانی فطرت میں صفتِ کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقۃً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے[۵۱]"

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوئی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے[۵۲]، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے۔

رُوح القدس "روح القدس" (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

---

۵۱ Aquinas *The Sunma Theologeca Q 33 Art 206 3*

۵۲ Augustine, *The city of God. Book XI ch XXIV*

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے[1]، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳:۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدۂ تثلیث کی تشریح میں گذر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا تو عید پینٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیحؑ کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۶۷۲، ج ۲)،

اب عقیدۂ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

تین اور ایک کا اتحاد

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیستاں بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، سالہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

---

[1] The City of God by Augustine P 168. V-2

حال پر وفیسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Stadies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ابیونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو انہوں نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدۂ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس قرار دیدیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے، جیسے "باپ"!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابلِ قبول نہ ہوا،

ابیونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی خدائی سے اس طرح کھُل کر انکار نہ کیجئے، ماننے کہ وہ خدا تھے، لیکن "شرک" کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہدیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں "باپ" نے خدائی عطا کی تھی، لہٰذا توحید اس لحاظ سے درست ہو کہ بالذات خدا صرف "باپ" ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ "باپ" نے خدائی کی یہ صفت "بیٹے" اور "روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی،

ایک تیسرا فرقہ پیٹری پیشین (Patripassian) اُٹھا، نائیٹس ( ) پریگزیس (Praxeas) کالستس (Callistus) اور زیفائرینوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا: اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف رُوپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہے، غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا روپ دھار کر دنیا میں آ گیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھا دیا ——— لہٰذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بیٹا" کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بیٹا" رکھ لیا ہے[1]،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابلِ حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریئے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے۔ اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا،

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابلِ قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلّمہ نظریئے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنھوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

---

[1] یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا لبِ لباب اور خلاصہ پیش کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مارس ریلٹن کی کتاب

Shiaies in Christian Doctrin: P.P. 6!, 74

سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے[1]، اور کچھ علماء وہ ہیں جنھوں نے اس عقیدے کی

---

[1] اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدۂ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سے سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیتوں میں جو مفہوم بیان ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دین کے ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کردیے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کرسکتی، "متشابہات" وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضر نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدۂ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اس عقیدۂ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات کے سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظ دیگر عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے جاننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدۂ تثلیث کو متشابہ قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب کے، اس لئے کہ "متشابہات" سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ میں آسکے وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن عقل کے خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ الٓمّٓ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم ہی یقینی طور سے آج تک بیان نہیں کرسکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور اصل

(باقی برصفحہ آئندہ)

کوئی عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے ـــــــــ جہاں تک ان ہندوستانی پادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) مفہوم کیا ہے؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ "رحمان عرش پر سیدھا ہو گیا ہے"

ان الفاظ کا ایک ظاہری مفہوم نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سیدھا ہو گیا ہے، لیکن یہ مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات غیر متناہی ہے، وہ کسی مکان کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی، اس لئے جمہور اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، "عرش پر سیدھا ہونے سے" کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں یقینی طور سے معلوم نہیں،

ظاہر ہے کہ عقیدۂ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تین اقنوم ہیں، اور یہ تین ایک ہیں، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ بناتا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماوراء کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی "خدا کا عرش پر بیٹھنا" ہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

دوسرے الفاظ میں مسلمان قرآن کریم کی جن آیتوں کو "متشابہ" قرار دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں حقیقۃً جو دعویٰ کیا گیا ہے وہی ہم نہیں سمجھ سکے، لیکن جو دعویٰ بھی ہے وہ عقل کے مطابق اور دلیل کے موافق ہے، اس کے برخلاف عقیدۂ تثلیث کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ تو معلوم اور متعین ہے، لیکن اس کی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے عقیدۂ تثلیث کو "متشابہات" سے کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی

صاحبان کا تعلق ہے جو پچھلی ایک صدی کے دوران برّ صغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں اُن کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے "عقیدۂ تثلیث" کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ "تکشیف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو ۱۹۲۶ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں توحید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی جنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے" (تکشیف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۶ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "تین اقانیم" سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہے ۔۔۔۔ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے[1]، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسان"

---

[1] آگسٹائن کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جزء کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے ..... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو "خدا" قرار دیتا ہے، خدا کا جزء نہیں مانتا[1]،

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات اُن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظرانداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصّل، جامع اور مبسوط کتاب پانچویں صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے، ڈبلیو، ہیڈن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعۂ مقالات کا جزء ہے، جو ۱۹۴۸ء میں نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ ـــــ آگسٹائن" کے نام سے شائع ہوا ہے[2]،

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے "تین اور ایک کے اتحاد" کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات

آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلۂ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلۂ علم ہے، گویا:

---

[1] اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جزء مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قدم و دوام کے منافی ہو۔

[2] ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، ت

عالم (جس نے جانا) ——— آپ

معلوم (جس کو جانا) ——— زید

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ——— دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپکے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اور آلۂ علم بھی وہ خود ہی ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) ——— دماغ

معلوم (جس کو جانا) ——— دماغ

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ——— دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلۂ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہوگئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلۂ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دماغ تین ہیں، ——— آگسٹائن کہتا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے[1]،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کرکے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

---

[1] آگسٹائن ص ۴۹۲ ج ۲،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعۂ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعۂ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلۂ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

> "یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔" (آگسٹائن، ص ۲۰۱، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم دماغ مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلۂ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں

ایک ہیں، حالانکہ عقیدۂ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے، اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں، ــــــ

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں "وحدت" بھی حقیقی ہے، اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے، بلکہ اعتباری ہے، اس لئے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا ــــــ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محلِ نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے، وہ رحیم بھی ہے قہار بھی، عالم الغیب بھی ہے قادرِ مطلق بھی، اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں، اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، اور قادرِ مطلق کوئی اور ــــــ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ "باپ" الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے، اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں،

دوسری مثال

آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفتِ علم سے محبت رکھتا ہے، اور اس محبت کا اسے علم ہے، لہٰذا وہ اپنے علم کے لئے مُحِب ہے، اور محبت کے لئے عالم ہے، یعنی:

دماغ ــــــ اپنے علم کے لئے ــــــ مُحِب ہے،

دماغ ــــــ اس محبت کے لئے ــــــ عالم ہے

لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں، دماغ، مُحِب، عالم، اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں، اس لئے کہ مُحِب بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے، اور دماغ تو دماغ ہے ہی، اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں، خدا کی ذات (باپ) اُس کی صفتِ علم (بیٹا) اور اس کی صفتِ محبت (روح القدس) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں،

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذات ہے، اور مُحِب اور عالم اس کی

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام (بیٹا) اور صفتِ محبت (روح القدس) اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہٰذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہو، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدۂ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے ــــــ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفتِ کلام اور صفتِ محبت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفتِ کلام اور صفتِ محبت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام (یعنی بیٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا، پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے، اور انھیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان

رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہوگیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا،

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں :

(۱) عقیدۂ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدۂ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدۂ حیات ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدۂ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جزء کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

عقیدۂ حُلول و تجسم

حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے :

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا" (یوحنا ۱:۱،۲)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے :

"اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (یوحنا ۱:۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "کلام" خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کرلیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہو، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی[۱]"

---

[۱] Studies in Christian Doctrine P. 28

"بیٹے" کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی، اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔[1]

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک "بیٹے" کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "بیٹا" خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہٰذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

"وہ (حضرت مسیح) حقیقۃً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، اتھاناشیس نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریئے کی پرزور حمایت کی تھی، لہٰذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں۔"[2]

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کمتر تھے، اسی لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ:

"باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اس حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

"علیٰ ہٰذا القیاس خدائی حیثیت سے انھوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

---

[1] ایضاً ص ۱۳۴،

[2] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۰۶ ج ۲ مقالہ "عیسائیت"

سے وہ خود پیدا کئے گئے[1]

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:۔

"چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے . . . . لہٰذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے افضل ہیں، اور اسی طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کمتر بھی ہیں" (ص ۶۸، ج ۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی! خالق بھی ہو اور مخلوق بھی! برتر بھی ہو اور کمتر بھی! ——— عقیدۂ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ "علم مسیحیت" (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے[2]، رہی عقل، تو عقیدۂ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے[3]: کوئی کہتا ہے کہ "خدا" اور "انسان" کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

---

[1] آگسٹائن ص ۶۸، ج ۲،

[2] ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اظہار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

[3] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۴۷۹ ج ۲۲، مقالہ "تثلیث" مطبوعہ ۱۹۵۰ء،

پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی ________ لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا[1]۔

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

وہ جنھوں نے حضرت مسیح کو خدا ماننے سے انکار کر دیا،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے، وہ صرف انسان تھے، اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا،

مسٹر جیمس میک کنن (James Mackinon) نے اپنی فاضلانہ کتاب (From Christ to Constantine) میں ان مفکرین کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اُن کے بیان کے مطابق اس نظریے کے ابتدائی لیڈر پال آف سموسٹا[2]

---

[1] اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رومن کیتھولک چرچ کی یہ دلیل بہت سطحی ہے، اس لئے کہ انگوٹھی میں جو تحریر نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگوٹھی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگوٹھی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تحریر ہے، اور نہ تحریر کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آئینے میں زید کا عکس نظر آرہا ہے تو وہ آئینے سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی لئے کوئی آئینے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آئینہ ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیح کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہٰذا یہ مثال کسی طرح عقیدۂ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

[2] علامہ ابن حزم نے اس کا نام "بولس الشمشاطی" ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸ ج اول) یہ شخص ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریرک رہا ہے، (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۷)

Paul of Samosata) اور لوسین[1] (Lucian) تھے، مسٹر میک کنن لکھتے ہیں

"دونوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ ہے کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے، جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسین اور اس کے مکتبِ فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے، جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہٰذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی رُوح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ "باپ" کا پیغام پہنچائیں، لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی[2]"

گویا پال نے تو سرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیحؑ کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسین نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفتِ علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کو خدا، خالق، قدیم اور جاودانی بنا دے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیحؑ بدستور مخلوق،

پال اور لوسین ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جیمس میک کنن کے الفاظ میں یہ تھا:

"آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے، اور اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہٰذا نہ بیٹا جاودانی

---

[1] لوسین (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عمر راہبانہ زندگی گذاری، اس کے نظریات پولس شمشاطی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، شمشاط میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گذارا (برٹانیکا، ص ۴۰۶ ج ۱۴، مقالہ لوسین)

[2] From Christ to Constantine, London 1936

ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہوسکتے ہیں، وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں "مکمل" ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے ___ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے[1]"

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈر اور اتھانی شیس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدۂ حلول کے ٹھیٹھ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پر زور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلاوطن کر دیا گیا،

پولسی فرقہ اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کرکے

---

[1] ایضاً،

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انھیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ "خدا کے بیٹے" کہلائے
اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں[۱] لیکن
اس کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیحؑ کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسطوری فرقہ پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسطوریوس (م ۴۵۱ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدۂ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی ——— نسطوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولا یہ تھا کہ: "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں"۔ اس کے برعکس نسطوریوس کا فارمولا یہ تھا کہ: "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں"۔ چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پرزور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے جلاوطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ ابتک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیدن بیکر (Bethune-Baker) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتا کہ وہ دو مستقل وجود بن گئے .... اس نے کلمۃ اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیا[۲]"

---

[۱] اس فرقے کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۲۹۰ ج ۱، مقالہ "ایشینس"۔
[۲] آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیھیدون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات ٹھیک سمجھا نہیں گیا، مگر پروفیسر آرس ریلٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے، (دیکھئے Studies in Christian Doctrine P. 102)

یعقوبی فرقہ اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں لیعقوبی فرقہ Jacobite church پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر یعقوب برذعانی (Jacabus Baradaeus) تھا، اس کا نظریہ آریوس اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں "دو حقیقتوں" کے ساتھ "دو شخصیتیں" ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں "حقیقت" بھی صرف ایک پائی جاتی تھی ـــــ اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا تھے، گو ہمیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> "وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی"[1]

یہ نظریہ یعقوب برذعانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو "مونوفیسی فرقے" (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بجد زور رہا ہے،[2]

آخری تاویل مندرجۂ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا کوششیں کی گئیں، لیکن آپنے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کرکے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے بدعت

---

[1] دی ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء۔

[2] یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوعِ بحث تھے، اُن کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۰، ج ۱۵، مقالہ مونوفیسی فرقے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجۂ ذیل ارشاد میں غالباً انہی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ "بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے"

قرار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدۂ حلول بھی ایک سربستہ راز ہے، جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن نہیں، (دیکھئے برٹانیکا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر دور میں عقیدۂ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تأویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رومن کیتھولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جوں کا توں برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تأویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی مگر اسے پروفیسر مارس رلیٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> اس قسم کا حلول (جس کا رومن کیتھولک چرچ قائل ہے) اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہوگئی تھی جب پہلے انسان (آدمؑ) کو خدا کے مشابہ بناکر پیدا کیا گیا تھا[1]، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی عنصر کو بنی آدم کے مخلوق ڈھانچے میں ناممکل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہٰذا سچی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کا روپ نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کرن مقیم رہی ہو،
>
> لہٰذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے،.. بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بناکر ہم کو پیدا کیا گیا ہے،...... آخر کار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری

---

[1] یہاں مارس رلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (پیدائش ۱: ۲۷)

انسانیت سے اتنی ہی مختلف ہو جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے[ا]۔

خلاصہ یہ ہو کہ اس تاویل کی رُو سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہٰذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں،

یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارس رلیٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہلِ نظر سمجھ سکتے ہیں[۲]۔

ا۔ *Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144*

۲۔ اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہو کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک پیاس، خوشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات بداہتہً غلط ہے، اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انھیں کیوں بھوک پیاس لگتی تھی؟ انھیں کیوں رنج اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزعم نصاریٰ) سُولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلّاتے تھے؟ جبکہ ان کی انسانیت بقول مارس رلیٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرّا ہے؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا ــــ حالانکہ اگر کتابِ پیدائش کے الفاظ واقعۃً الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے بُرے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

عقیدۂ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں یہودیوں نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سُولی پر چڑھادیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہوگئی تھی، — اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں[لے]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٥٢) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں، سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب "دی سٹی آف گاڈ" کے کتاب نمبر ١٢ باب نمبر ٢٣ میں، لکھتے ہیں،

> "پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی رُوح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہوجائے، جنھیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں" (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لے حضرت مسیح کو سُولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہار الحق کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپکے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جارہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برنا باس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برنا باس نے بنہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سُولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا، (ہم نے اظہار الحق کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے (باقی آئندہ صفحہ پر)

پہلے گذر چکا ہے، کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری بشین فرقے کا ہے کہ خدا کو سُولی پر چڑھا دیا گیا تھا،

صلیبِ مقدّس

چونکہ عقیدۂ مصلوبیت ہی کی بنا پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں ذکر کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ـــــــ چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دَوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیبؔ کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہَلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی؛ جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزعم نصاریٰ) حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصّے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ رمئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام "دریافتِ صلیب" ہے) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرولَین لکھتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذ) اقتباسات پیش کرکے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے) اس انجیل کے بارے میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے ـــــ لیکن حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرؔس حواری کی طرف منسوب ہے، اُس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سُولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا، انجیل پطرؔس کا یہ جملہ بلمین اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیل اربعہ" (The Four Gospels) (ص ۵، مطبوعہ میکملن نیو یارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹریٹر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرؔس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغۂ مجہول (Passive Voice) استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں؛ "He was taken off" (ان کو اوپر اٹھا لیا گیا) اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ اوپر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقعہ پر، جوتے اُتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں"[1]

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں،

عقیدۂ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہوگئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے،

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیلی گفتگو بیکار ہے،

عقیدۂ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ "کفارہ" ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ بقول

---

[1] صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۵۲، ج ۶ مقالہ "صلیب" سے ماخوذ ہے۔

مسٹر ڈینیل ولسن ہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہٖ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں اُن کو درحقیقت اسی عقیدے کی تمہید سمجھنا چاہئے۔ دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پیچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا[۳۴]، اور ناواقف حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر عائد نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے ——— اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں "عقیدۂ کفارہ" کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

> "عیسائی علم عقائد میں "کفارہ" سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفتِ کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کرے[۳۵]"

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پسِ پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

---

[۳۳] Daniel Wilson, Evidences of Christianity V. II. P. 53 London 1830.

[۳۴] مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب کا رسالہ "الکفارہ" مطبوعہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۰۵ء

[۳۵] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۱۰۶ ج ۲ مقالہ " Atonement "

ہو سکتا، یہ مفروضات ہم نمبروار درج ذیل کرتے ہیں[1]،

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انھیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انھیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے[2]،

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ اول تو اُس وقت حضرت آدمؑ کے لئے حکم کی بجا آوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی مکمل آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار "اطاعت" کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح "اطاعت" تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اس طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدمؑ

---

[1] ہماری نظر میں عقیدۂ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ ساتھ ہی دیدیا گیا ہے،

[2] آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گناہ نے یہ "بنیاد" قائم کردی[1]،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کمیت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت سے گناہ شامل ہوگئے تھے جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں تکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنے دائرۂ اختیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو "موت" کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گمراہ کن مگر چکنی چپڑی باتوں (کی تصدیق) سے انسانی رُوح کا اخلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جس غذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے اس سے زائد کی تمنا کی تھی، اور بھی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا۔"[2]

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بیحد سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ "دائمی موت" یا دائمی عذاب کے مستحق ہوگئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "شجرۂ ممنوعہ" کو دکھاکر یہ کہہ دیا تھا کہ:

"جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا۔" (پیدائش ۲: ۱۷)

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوتِ ارادی (Free Will)

---

[1] دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۲، ص ۲۵۷، ج ۲،

[2] Augustine, *The Enchiridion* XLV PP. 684 V. 1

عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انھیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور بُرے کام بھی، لیکن چونکہ انھوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

> جب انسان نے اپنی آزاد قوتِ ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوتِ ارادی کی آزادی ختم ہوگئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے، یہ پطرس رسولؑ کا فیصلہ ہے[1]،..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا[2]۔

گویا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کرلیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایکوئیناس لکھتے ہیں:

> درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہوگئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعہ بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاصّہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا[3]۔

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہوگئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

---

[1] یہ پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرف اشارہ ہے،

[2] The Enchiridion XXX P. 675 V. I آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گاڈ ص ۲۵۵ ج ۵، ۱۶ میں بھی کہی ہے،

[3] Aquinas, The Summa Theologica Q. 87. Art. 2. P. 710 V. II

اس لئے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہوگیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ ان دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ "اصلی گناہ" تمام انسانوں میں منتقل ہوا سینٹ آگسٹائن لکھتے ہیں،

> اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے داغدار ہوگئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھی[1]

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

> جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہوگئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، .... درحقیقت ہم نے آدم سے صرف "سزا" وراثت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے استحقاق لے کر آتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں[2]

---

[1] Augustine. *The Enchiridion XXVI P. 673 V. I*

[2] Calvin *Instit bk. ii. ch. i. Sec. 8*, as quoted by *the Britannica P. 633 V. 4.* "CALVIN".

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس ایکوئیناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصلی گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جسم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے[ا]۔

٦- چونکہ تمام بنی آدم "اصلی گناہ" میں ملوث ہو گئے تھے، اور "اصلی گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوتِ ارادی سے محروم ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصلی گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لد گیا جو "اصلی گناہ" کے سبب انھوں نے خود کئے تھے[۲]۔

٧- مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوتِ ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے اُن کی نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوتِ ارادی کے فقدان کے سبب وہ اُن نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انھیں عذاب سے نجات دلا سکتے[۳]۔

٨- انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرکے انھیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اٹل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتابِ پیدائش کے حوالے سے یہ گذر چکی ہو کہ "اصلی گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ "موت" کی سزا دیئے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا[۴]،

ا؎ The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. II

۲؎ Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. I

۳؎ ایضاً باب نمبر ٣٠ ص ٦٧٥ ج اول،

۴؎ دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ١٥١ و ٢ ٥٢ ج ٢، مقالہ "کفارہ"

۹۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، اور پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نیکیاں کر سکیں[۱]۔

۱۰۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں[۲]۔

اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے "بیٹے" کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی[۳]، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے[۴]، اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے[۴]۔

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے[۵]، بپتسمہ

---

[۱] آگسٹائن، دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۰۵، ۲۰۶ ج ۲ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱۔

[۲] ایضاً۔

[۳] The Enchiridion L P. 687 V 1

[۴] Ibid, 60 ch. L... P. 698 V. 1

[۵] اس رسم کی ... انشاء اللہ آگے آئے گی۔

لینے کا مطلب بھی یہی ہو کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطہ سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہٰذا جو شخص بپتسمہ لے گا اس کا اصلی گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی، اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصلی گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا،

یہی وجہ ہے کہ ایکوینیاس لکھتا ہے،

"جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مرگئے ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے"[۱]

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پاگئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں،[۲]

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لاکر بپتسمہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصلی گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصلی گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملی ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے، اگر بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کردے، تو وہ بھی دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ اُن کے لئے کافی نہ ہوگا، لہٰذا چرچ جن لوگوں کو "نفاق" Schism یا "بدعت" Heresy کے الزام میں برادری سے خارج کردے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔[۳]

---

۱ Aquinas, *The Summa Theologica* 87.5 P. 711 V. II

۲ Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 611 V. I

۳ [illegible] *The Enchiridion* LXVII P. 691 V. I

اور اگر انھوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مؤمنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام .... "مطہر" (Purgatory) ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے[۱]

بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف "کفر" ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر

یہ ہے عقیدۂ کفارہ کی حقیقت[۲]: عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

---

[۱] The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

[۲] عقیدۂ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزء پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید اُن کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟

۲۔ پھر اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے اُن کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ ہے کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تورات میں تو یہیں یہ عبارت ملتی ہے کہ،

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے" (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنھوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غالباً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۳) کالون نے آدمؑ کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال وبائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوّل تو یہ مسئلہ ہی محلِ نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے، یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہے، اُسے گناہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قابلِ سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابلِ سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

۴- اسی طرح ایکوئیناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدمؑ کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جا سکے جب تک اُن کی اولاد گناہگار قرار نہ دیا جائے۔

۵- اگر آدمؑ کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے۔ اور اپنی انسانی حیثیت سے انھیں پھانسی پر چڑھایا بھی گیا تھا۔

۶- پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضامندی سے ہی) پھانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں بھگتنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ ۔۔۔ حزقی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوتِ ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸- کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کو ایلیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

"آدمؑ کے گناہ سے صرف آدمؑ ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیرخوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدمؑ اپنے گناہ سے پہلے تھے"[۵۴]

لیکن ان نظریات کو کارتھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے "بدعتی" قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادات اور رسمیں

اصولِ عبادت

عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کے بنیادی اصولِ عبادت کو سمجھ لیا جائے، مسٹر ریمنڈ ایبا (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کل چار ہیں:

۱۔ "عبادت" درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،[۵۵]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہو کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مریگا" (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہو جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جا سکے، مقدمہ ہی کے دوسرے باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۵۴ Augustine, *On Original Sin ch. II P. 621 V. I*

۵۵ Raymond Abba, *Principles of Christian Worship, Oxford 1960, P. 3*

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"جس طور سے ہمیں دعا کرنی چاہئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا" (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ "عبادت" درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اُسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو،

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ "عبادت" کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ "مسیح کے بدن" کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

حمد خوانی عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، ــــــ ان میں سے ایک "حمد خوانی" کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان "نماز" بھی کہہ دیتے ہیں،

مسٹر ایف، سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں، زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے وقت اپنے گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے، اتھانی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے[ا]،

ا F. C. Burkitt, *The Christian Religion* PP 152 153 V. i Cambridge, 1930.

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مرکر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے[۱]۔

——— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انھیں شروع میں ایک عبوری دور سے گذرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ "عیسائی" نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹ چومینس" (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انھیں عشاء ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انھیں بپتسمہ دیا جاتا ہے[۲]۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہو کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

"اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں"

پھر وہ مشرق کی طرف رُخ کرکے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے، جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر سے پاؤں تک ایک دَم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

---

[۱] Augustine, *The Enchiridion* XI II P. 683 V. 1

[۲] The Christian Religion *PP. 150, 152 V. 3*

جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں" اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے[۱]،

عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی مبیّنہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیحؑ نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متّی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:

"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوعؑ نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶، ۲۶)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ:

"میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

---

[۱] یہ پوری تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۳ مقالہ "بپتسمہ" میں ساترل کے حوالے سے بیان کی گئی ہے،

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون، اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔[1]

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدرِ مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائرل لکھتا ہے:

> "جس وقت صدرِ مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندۂ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور اُنھیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے"[2]

یہ بات عرصۂ دراز تک بحث و تحیص کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ ــــــ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اُس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اُسے تسلیم نہیں ہے،

عشاءِ ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)، اور مقدس اتحاد (Holy Communion)۔

---

[1] Justin Martyr, *Apol.* I, 65 – 67, quoted by F. C. Burkitt, *The Christian Religion* P. 149 V. III

[2] Cyril *Cat. Myst.* K. quoted by the *Britannica P.* 795 V. 8 "EUCHARIST"

بپتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں .... (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انھیں تسلیم نہیں کرتا، کالوِن لکھتا ہے:

> "ان (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے مسیح نے مقرر کی ہیں بپتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں، انھیں ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں"[۱]

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ[۲]

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، عہدِ قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصبِ نبوت کے لئے چُنا تھا، اور اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسرائیلیوں کو فراعنۂ مصر کی غلامی پر مجبور کردیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انھیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کرسکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں عمالقہ سے جہاد کرکے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کرلیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی۔ تاہم

---

[۱] Calvin, *Geneva confession* 16, trans. by J. K. S. Reid

[۲] یہ خاکہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم، ایوکریفا اور برٹانیکا سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا ہے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب قضاۃ (Judges) انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤدؑ کے عہد تک قائم رہی،

بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے اُن سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرما دے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا، جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔ سموئیل ۱۳:۱)، طالوت نے فلستیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلستیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤدؑ اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا، اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤدؑ کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۹۷۰ء ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جدّ امجد کے نام پر "یہوداہ" رکھا، لیکن جب ۹۳۰ء ق م میں حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجعام سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمانؑ کے ایک سابقہ خادم یربعام نے بغاوت کرکے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کرلی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہوگئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت سامرہ (Samaria) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سدِّ باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کردیا، اس نے ۵۸۶ء ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کرکے لے گیا، بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہوکر بابل چلے گئے، اور عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی گذارتے رہے،

بالآخر جب ۵۳۶ء قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل فتح کرلیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت مقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۱۵ء ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہوگئے،

اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہوچکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہوگئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہوسکی، ۵۳۶ء ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگیں رہ کر زندگی گذارتے رہے، ۳۳۲ء ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہوگیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے،

۱۶۵ء ق م میں سوریا کے بادشاہ انتیوکس ایپی فینس نے ان کا بُری طرح قتلِ عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب باب اوّل) اسی دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحبِ ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی اور

اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کرکے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا،
مکابیوں کی یہ سلطنت ۶۳ ق م تک قائم رہی،

حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری

مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر، اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی، بحیرۂ روم کے آس پاس اُن کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آبسی تھی، لیکن اُن کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر ادومیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روما کے تابع اور ماتحت تھے، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا جس کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃً ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جو انھیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصیب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم اگسٹس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنھیں آپ کی حیاتِ طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن کی حیثیت کسی قابلِ اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

عیسائیت کی تاریخ[1]

عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے، تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

---

[1] اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی پی ایس کلارک کی مختصر تاریخ کلیسا، پادری خورشید عالم کی تواریخ کلیسے روما الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمہ تن دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے بہ پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو اب تک دینِ عیسوی کے پیرووں پر شدید ظلم وستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سُنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرا دل دینِ عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برنا باس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جد وجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دینِ عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیرووں میں پولس کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلول وتجسم کے عقائد کی کھُل کر تبلیغ شروع کر دی، تواریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پولس کی کھل کر مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں[1]، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس ہی کا اثر ورسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

دَورِ ابتلاء

چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دورِ ابتلاء

---

[1] لوقا کی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموش ہے، مقدمہ کے دوسرے باب میں پولس کی تحریف دینِ عیسوی کا مفصل بیان آرہا ہے،

(Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور سے رومی مسلّط تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد وعبادات ابھی تک مدوّن نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۱۰۰ء) اگناشش (م تقریباً ۱۱۰ء) پے پیاس (م ۱۲۰ء) پولیکارپ (م ۱۵۵ء) آئرینوس (م ۱۷۷ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین اعظم

۳۰۶ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اوّل روم کا بادشاہ مقرر ہوگیا تھا، اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ، صوؔر، یروشلم اور روؔم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دیکر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف واکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدوّن کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاؔوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaca) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدوّن کیا گیا، جو عقیدۂ اتھانا شیس (Athauasian Creed) کے نام سے مشہور ہے[1]،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدوّن کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنجلک تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصۂ دراز تک شدید اختلاف جاری

---

[1] یہاں یہ واضح رہے کہ جو نظم عقیدۂ اتھاناشیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اتھاناشیس کی نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحث اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہد مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

قسطنطین سے گریگوری تک

۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنتِ روما پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنتِ روما کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بیحد متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریرک (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ نگیں تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا "پوپ" یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہوگئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضامندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیرباد کہہ کر حاصل کی جا سکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس رجحان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہوگئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے، پاکم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ

۵۹۰ء میں گریگوری اوّل پوپ بنا تھا، اس کے وقت سے لیکر شارلمین (۸۰۰ء/۱۸۴ھ) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دَور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق وانتشار کی دبائیں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دَور میں مغربی عیسائیوں نے یورَپ کے مختلف خطّوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورَپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دَور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیرنگیں آگئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

قرونِ وسطیٰ

۸۰۰ء/۱۸۴ھ سے لے کر ۱۵۲۱ء/۹۲۸ھ تک کا زمانہ قرونِ وسطیٰ کا زمانہ .... (Mediaeval Era) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہِ وقت کے درمیان عرصۂ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، ای، اگاردے نے اس زمانے کو تین حصّوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گریگوری ہفتم تک کا زمانہ (۸۰۰ء/۱۸۴ھ تا ۱۰۷۳ء/۴۶۶ھ) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی،

۲۔ گریگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (۱۰۷۳ء/۴۶۶ھ تا ۱۲۹۴ء/۶۹۳ھ) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہدِ اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء/۶۹۳ھ تا ۱۵۱۷ء/۹۲۳ھ) جس میں پاپائیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں[1]،

قرونِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔ نفاقِ عظیم | نفاقِ عظیم (Great schism) تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بناء پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہوگیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر دی ہولی آرتھوڈوکس چرچ (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا، نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ باپ سے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہلِ مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نیقیاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

۳۔ جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے سلطنتِ روما دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی، اس لئے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

---

[1] یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۹ تا ۵۹۱ جلد ۳، مقالہ "عیسائیت" سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریرک کے حوالے کردے، یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بُری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دور ان پوپ لیو نہم (　　) نے ۱۰۵۴ء (۴۴۶ھ) میں مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریرک میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں قربان گاہ پر اناتھیما (لعنت) کے کلمات لکھدیئے، بس اس واقعے نے گرم لوہے پر آخری ضرب لگادی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہوگیا[1]،

۲۔ صلیبی جنگیں

اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنھیں عیسائی مورخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوگیا تھا، اس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء (۴۸۸ھ) میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان کردیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی، پی، ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کردیا کہ جو شخص بھی اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

---

[1] Adency The Creek and Eastern Churches P. 242 as quoted by the Ency. of Religion and Ethics P. 590 V. 3

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے[1]۔

اسی طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخرکار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بُری طرح شکست ہوئی[2]۔

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں

صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ تا ۱۲۵۴ء) کے زمانے سے اس کا اثر ورسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہوگئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہاء کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اوّل اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۷۶ء) پاپائیت کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیریِ بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پھر ۱۳۷۸ء سے ۱۴۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس، اسپین اور نیپلس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایونن پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاقِ عظیم" کہتے ہیں۔

اصلاح کی ناکام کوششیں

جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

---

[1] Clarke, Short History of the Church P. 204

[2] ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں، ویکلف (Wyckiift) (متوفی ۱۳۸۴ء/۷۸۶ھ) کا نام سرفہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک، و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء/۷۸۷ھ میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متأثر ہوکر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی،

پاپاؤں کے افتراق اور "نفاق عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء/۸۱۲ھ میں کونسل پیسا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کرکے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مرگیا، اس کے بعد ایک بحری ڈاکو جان بست دسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤں کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہوگئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۴ء/۸۱۷ھ میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں "نفاقِ عظیم" کا توخاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو باتفاق بدعتی قرار دیدیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلادیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم وستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متأثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۳۱ء/۸۳۴ھ میں باسل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

آخر کار ۱۴۸۳ء/۸۸۸ھ میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور بپتسمہ اور عشاء ربّانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئیٹزرلینڈ میں زونگلی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سولھویں صدی کی ابتداء میں جان کالوِن اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متأثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ کا مضبوط مدِّ مقابل بن گیا،

عقلیت کا زمانہ

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور ٹیکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعومے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اُس بات کو دریا برد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیرباد کہنا پڑے، جنھیں کلیسا عرصۂ دراز سے تقدس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آرہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" ( ) کہتے تھے،

ولیم شلنگ ورتھ (۱۶۰۲ء / ۱۰۱۲ھ، ۱۶۴۴ء / ۱۰۵۴ھ) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر رہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا[۵۱]، لارڈ ہربرٹ (۱۵۸۳ء / ۹۹۱ھ، ۱۶۴۸ء / ۱۰۵۸ھ) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء / ۹۹۶ھ، ۱۶۷۱ء / ۱۰۸۲ھ) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ والٹائر (۱۶۹۴ء / ۱۱۰۵ھ، ۱۷۸۸ء / ۱۲۰۲ھ) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک و ارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقیدِ حیات ہے[۵۲]،

تجدد کی تحریک

مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا رَدِّ عمل دو طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنھوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدّد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے انکشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جا سکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصّوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جا سکتا ہے، اور اس کے متوارث الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جا سکتی ہے،

ڈاکٹر میلین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک[۵۳] (Harnack) اور رینان

---

۵۱ Glarke Short History of the Church P. 394

۵۲ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مقالہ: "میں عیسائی کیوں نہیں؟" ("Why I am not a Christian?")

۵۳ ہارنیک کی معرکۃ الآراء کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ —— "What is Christianity ?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

(Renan) اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک

عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِّ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سرِ نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہوگئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک ..... (Catholic Revival movement) کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے "عقلیت پسندوں" کے خلاف جنگ شروع کی، اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب سے بڑا صاحبِ اقتدار ادارہ ہونا چاہئے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادّیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاؤ لیکر لوٹ رہے تھے، مادّی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر رُوح کی طرف توجّہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا گرے جنھوں نے عیسائی دنیا کو تیرھویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر ناکس (۱۷۵۷ء/۱۱۷۱ھ، ۱۸۳۱ء/۱۲۴۷ھ) جان ہنری نیومین (۱۸۰۱ء/۱۲۱۶ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) ہیورل فراوڈ (۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ، ۱۸۳۶ء/۱۲۵۲ھ) اور رچرڈ ولیم چرچ (۱۸۱۵ء/۱۲۳۰ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریکِ عقلیت، تحریکِ تجدّد اور تحریکِ احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں،

کاش! انھیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جس دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمھیں سُلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمھیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے اس نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی چوٹیوں[۱] سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیط"[۲] (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلع" کے بسنے والوں نے گیت گائے تھے اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی[۳]، جس کے قدموں پر "پتھر کے بُت" اوندھے گرے تھے[۴]، جس نے "اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا[۵]، جب تک تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمھیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون، روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

---

[۱] استثناء ۳۳: ۲　[۲] یوحنا ۱۴: ۱۷　[۳] یسعیاہ ۴۲: ۱۱
[۴] یسعیاہ ۴۲: ۱۷　[۵] یوحنا ۱۶: ۱۳

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ "عیسائی مذہب" کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق میں کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انھیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں، اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج "عیسائیت" کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

پولس کا تعارف

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کرادینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلۂ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:

"آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیمین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں" (فلپیوں ۳: ۵)

اور یہ روم کے شہر ترسس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۵۸ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام "ساؤل" ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور آن پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انھیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

"میں[1] نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پاکر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انھیں سزا دلا دلا کر زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جا کر انھیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آچمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر

---

[1] یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اُس نے اگرپا بادشاہ کے سامنے کی تھی، تقی

لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں۔" (اعمال ۲۶: ۹ تا ۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں "خداوند یسوع مسیح" پر ایمان لا چکا ہوں، اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

"اُس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اِس اِس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسُس کو روانہ کر دیا" (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا،

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ ؑ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھُلا تضاد ہے،

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول، تجسّم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے ذرا اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور در حقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ

سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معمّے کو اگر درست اور مدارِ نجات

بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تا وقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر مارس رلٹین نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) "خدا" کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

> "اس کی حقیقت کا ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں[۱]"۔

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے ذمے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر "تثلیث" کا نظریہ بھی انہی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

---

۱ H. Maurice Relton, *Studies in Christian Doctrine* P.

برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ "خدا تین اقانیم سے مرکّب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں"[1] خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متّی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اسرائیل: سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبّت رکھ۔" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متّی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنّا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوعؑ مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں" (یوحنّا ۱۷: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کرکے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو "ابن آدم" کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساٹھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو "ابن آدم" فرمایا ہے،

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدّت اختیار کرتا جارہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں، مگر ہم یہاں

---

[1] عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث پر اُن اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیحؑ کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۳ و زبور ۸۹: ۲۶ و یرمیاہ ۳۱: ۹ و یسعیاہ ۶۳: ۱۶ و ایوب ۳۸: ۷، و پیدائش ۶: ۲ وغیرہ) اس لئے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کرسکیں گے کہ حق بات کو "مقدس نظریات" کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہوکر رہتی ہے، پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر اُن کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہلِ تجدد (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums) کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کرچکے ہیں کہ عصرِ جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کررہے ہیں:

> "قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا؟ دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کرلینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مُصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی ہمیں یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت) مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ: "اگر تمھیں مجھ سے محبت ہے تو میرے حکموں پر عمل کرو"[1]، غالباً (حضرت) مسیح

---

[1] غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے: "جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ اُن پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے" (یوحنا ۱۴: ۲۱)

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرکے آپ نے فرمایا تھا کہ: "جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے"[1]

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انجیل کے اصل متضمنات سے الگ ہوکر (حضرت) مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تنہا نیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ مِلا جُلا رکھتا ہے[2]،

---

[1] یہ متی ۷: ۲۱ کی عبارت ہے، تقی

[2] اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت) مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا)، اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت) مسیح کی مراد کیا تھی؟....... آگے لکھتے ہیں

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے[1]"

.... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

" This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men. " ("What is Christianity" PP. 129. 130)

[1] یہ متی ۱۱: ۲۷ کی عبارت ہے، تقی

خدا کو "باپ" اور "اپنے باپ" ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہٰذا اگر "بیٹے"
کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے،
البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت) مسیح
اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل
کوئی نہیں جانتا تھا، ...... اس معنی میں (حضرت) مسیح اپنے آپ کو
خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے[۱]"

آگے چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

"جس انجیل کی تبلیغ (حضرت) مسیح نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہے،
بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی "عقلیت پسندی"
(Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو
انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں[۲]"۔

پھر چار صفحوں کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"انجیل ہمارے سامنے اس زندۂ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں
بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا
اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت) مسیح کا مطلب
اور مقصد تھی[۳]"

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک "خدا کا بندہ اور پیغمبر"

---

[۱] Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Saunders, *New York* 1912.

[۲] *Ibid P. 147*

[۳] *Ibid P. 151*

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو،

حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں

حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "تثلیث" یا "حلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیح کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ "آقا" اور "اُستاد" کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حوارین حضرت مسیح کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربّی" کہتے تھے' انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

> "مگر تم ربّی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو
> اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمھارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے[1]،
> اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمھارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳: ۸تا۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیح کو "ربّی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور الٰہ کے معنی میں نہیں، لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک فقرہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدۂ تثلیث یا عقیدۂ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیح ایک پیغمبر تھے، اور بس، حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے، "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو" (اعمال ۲ : ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت "یسوع ناصری" کو "ایک شخص" کہنے کے بجائے خدا کا "ایک اقنوم" کہتے، اور "خدا کی طرف سے" کہنے کی جگہ صرف "خدا" کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا" (اعمال ۳ : ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

"کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا ہیرودیس اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے" (اعمال ۴ : ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباس حواری فرماتے ہیں:

"دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا" (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مؤمن کہا گیا ہے،

یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حوارین حضرت مسیح علیہ السلام کو "ایک شخص" اور "خدا کی طرف سے" پیغمبر اور اللہ کا "خادم (یعنی بندہ) اور "مسیح" سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف اُن کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہٰذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی؛ اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا، . . . . . تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹیکے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے" (فلپیوں ۲: ۶ تا ۱۱)

اور کلسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"وہ (مسیح) اندیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اَن دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں" (کلسیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے" (کلسیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے "خداوند" اور "ربی" کے الفاظ تو استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں "استاد" کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے "الوہیت" یا "تجسّم" کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے،

انجیل یوحنّا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسّم کا عقیدہ انجیل یوحنّا کے بالکل شروع میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا" (یوحنّا ۱:۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"اور کلام مجسّم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (۱: ۱۴)

یہ یوحنّا کی عبارت ہے، اور یوحنّا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسّم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنّا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا وزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنّا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دردِ سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرینوس (م ۱۷۰ء) آریجن (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ رومی (م ۲۰۰ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنّا حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۱۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنّا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"جو لوگ انجیل یوحنّا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ۱۶۵ء کے لگ بھگ، چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے سرنتھس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ ایپی فانیس نے ۳۷۴ء، ۳۷۷ء میں اُسے ایک طویل تذکرے کا مستحق سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسطی اور مونٹینسٹ فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بشپ نے اس کا نام "الوگی" (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیلِ یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اُس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیلِ یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؛ یقیناً نہیں[1]!"

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصوّرات سے واقف ہے[2]، لیکن یوحنا بن زبدی حواری اَن پڑھ اور ناواقف تھے، (جیسا کہ اعمال ۴: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنّف کسی بڑے صاحبِ رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا[3]، حالانکہ یوحنا ابن زبدی حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے[4]، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۳، مقالہ: "جان: گاسپل آف"

[2] دیکھئے ۴:۲۷ و ۷:۱۵ و ۹:۲ و ۹:۴ و ۷:۴۹ و ۱:۲۱ و ۴:۲۵ و ۶:۱۴ و ۷:۴۰ و ۱۲:۳۴ و ۷:۲۲ و ۱۸:۲۸ و

[3] دیکھئے ۱۸:۱۵ و ۱۶ و ۳:۱ و ۷:۵۰ و ۱۹:۳۸ و ۷:۴۵ و ۱۱:۴۷ و ۱۲:۱۰ وغیرہ،

[4] برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۱۳ مقالہ: "جان"

اس انجیل کو یوحنّا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرینوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ دقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنّا جعلی تصنیف ہے، اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں اُن کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہوگئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنّا بن زبدی حواری نہیں ہے بلکہ یوحنّا بزرگ (John the Elder) ہے۔ جیمس میک کنن لکھتا ہے:

"یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرینوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنّا حواری کو یوحنّا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے[1]"

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیلِ چہارم مقدس یوحنّا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی[2]"

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنّا بن زبدی رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں[3]"

---

[1] From Christ to Constantine P. 119 London 1936.

[2] قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ ص ۱۳۱ جلد دوم پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی ۱۹۶۰ء

[3] ایضاً، ص ۱۴۱ ج ۲،

انھوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف "یوحنا رسول" نہیں تھا، "یوحنا بزرگ" تھا، انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سُن لیجئے:-

> جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبدی رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل نہیں، اور اُن کا نظریہ یہ ہو کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معرّا ہے، اور اس کے کلمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے مُنہ میں ڈالتا ہے[1]۔

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت تحت خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنا بزرگ" کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا[2]، یوحنا بزرگ نوجوان، پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا اظہار انھوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبولِ عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انھوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے،

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیلِ یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

---

[1] قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۴۰ ج ۲

[2] ایضاً ص ۱۳۷ ج ۲،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے ؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے "وہ شاگرد جس سے یسوع محبت کرتا تھا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رائج کا مصنف ہے (۲۱: ۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام سے، اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

"اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا" (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

"اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟"[1] (۱۳: ۲۵)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چہیتے اور محبوب تھے کہ انھیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی ——— جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انھیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکریوتی جیسا شخص جو بقولِ اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کروایا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ تو بارہؔ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیحؑ کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

---

[1] یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہو کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہو (دیکھیے متی ۲۶: ۲۱ و مرقس ۱۴: ۱۸ و لوقا ۲۲: ۲۱)

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی مکمل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے جن میں مریم، مرتھا، لعزر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے،

پھر اگر "یوحنا بزرگ" کے نام کا کوئی شاگرد "یوحنا حواری" کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفین "یوحنا بن زبدی اور "یوحنا بزرگ" کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدی، اور یعقوب بن حلفئی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکریوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کر دے، (دیکھئے متّی ۱۰: ۲ و مرقس ۳: ۱۶، ۱۹ و لوقا ۶: ۱۴، ۱۶ و اعمال ۱: ۱۳) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر "یوحنا بزرگ" نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے، اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی "یوحنا بزرگ" نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہوگئی تھی، کیونکہ انجیلِ یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱: ۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو "یوحنا بزرگ" کو "یوحنا بن زبدی" سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ (   ) اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابلِ انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،

رہا وہ جملہ جو انجیلِ یوحنا کے بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

"یہ وہی شاگرد ہے جو اُن باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیلِ یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطۂ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

"ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے[۱]"

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں[۲]، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخۂ سینائی ٹکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں[۳]،

---

[۱] Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430, MacMillan, New York 1961

[۲] See Belief in Christ P. 106

[۳] The Four Gospels P. 431

لہٰذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابلِ ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پولس[1] اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ویسٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیئے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں کے خلاف حجت قائم کی جا سکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہدِ حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "اناجیلِ اربعہ" (The Four Gospel) میں کتنی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

> "لہٰذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرینِ قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

---

[1] بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیلِ یوحنا خود پولس کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمۂ انجیل برنابا ص از سید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطۂ نظر کو منوایا جائے، جس سے اُس ماننے کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری صدی عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ "یہ وہی شاگرد ہے..... جس نے ان کو لکھا ہے..... " اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک اور اختلافات پائے جاتے تھے[1]"

لہٰذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کردیا ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیح کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے حُسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہو کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا[2]،

اور اگر بہت زیادہ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر:

"پے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

---

[1] B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 431

[2] Quoted by Streeter, *Four Gospels* P. 443

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی، (۱۔ یوحنا ۱: ۱) لیکن شاید وہ خداوند کو "دیکھنے" سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فسح کے موقعہ پر یروشلیم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف میں "بھائیو!" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو!" کا لفظ استعمال کر سکتا ہو (۱۔ یوحنا، ۲: ۱۳ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے لکھ سکتا ہے .... لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۰ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی"[۵۱]

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جا سکتا ہے، اس نقطۂ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،

۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،

۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیحؑ کو صرف دیکھا تھا ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

---

۵۱ Ibid P. 456

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،
۵۔ وہ یروشلیم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا[1]
۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟
۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستتر سال کی عمر میں اس نے انجیلِ یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدۂ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،
۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری، یا حضرت مسیح کا کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود عیسائی علماء انجیلِ یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انھیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان نتائج کی روشنی میں مندرجۂ ذیل باتیں ناقابلِ انکار طریقے سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے،
۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،
۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا: کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سُنا تھا؟

---

[1] پادری برکت اللہ ایم، اے: قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۲۴ ج ۲، لاہور ۱۹۶۰ء،

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴- یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستتر سال تھی، اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گذر چکے تھے،[۱]

۵- چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدۂ حلول و تجسم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پولس ہے،

عقیدۂ کفارہ

مذکورۂ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلّل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ حلول و تجسم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے،

آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی "عقیدۂ کفارہ" کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، بپتسمہ اور عشاء ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے، لہٰذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیلِ اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السّلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظامِ فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

---

[۱] کیونکہ مؤرخین تخمینی طور پر پولس کا سنِ وفات ۶۷ء کو قرار دیتے ہیں،

[۲] Daniel Wilson, Evidences of Christianity P. 53 V. II London 1830

اسلام کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتالیت کی بنیاد مارکس کے فلسفۂ تاریخ، نظریۂ قدر زائد ( ) اور نظریۂ اشتراکیت ( )
پر ہے، لہٰذا کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" ( ) میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدۂ تثلیث اور حلول وتجسّم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدۂ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا،

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدۂ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:۔

۱۔ "اس کے بیٹا ہوگا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا" (متی ۱:۲۱)

۲۔ "فرشتے نے ان سے کہا..... تمھارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی مسیح خداوند" (لوقا ۲:۱۱)

۳۔ "کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے" (لوقا ۲:۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا: "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہو" (لوقا ۱۹:۱۰)

۵۔ "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے" (متی ۲۰:۲۸ و مرقس ۱۰:۴۵)

۶۔ "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶:۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدۂ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے[۱]،

---

[۱] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۱۵ ج ۲، مقالہ: ATONEMENT

ان جملوں سے زائد عقیدۂ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی، مشکل یہ ہو کہ اس وقت عقیدۂ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اُسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدۂ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھیے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں، خواہ انھیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں!

"اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے" ——— اور "یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" ——— اگر پہلے سے عقیدۂ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرما رہے ہیں[1]

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوتِ ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنومِ ابن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

---

[1] رہی کتاب یسعیاہ ۵۳: ۱ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سو وہ ان سب جملوں سے زیادہ مجمل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہوگئے؟[1]

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدۂ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہوسکتی تھی،

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام ـــــ بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جملے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کردی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کرلی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا ـــــ حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سادہ وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوائیلیس شئیس (Coelestius) کا کہنا یہی تھا،[2] پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پائے جانے کے قائل تھے۔ (برٹانیکا، ص ۱۵۲ ج ۲، مقالۂ کفارہ)

---

[1] خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:

جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے۔ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

[2] Augustine, On Original Sin ch. II P. 621 V. 1

ایبَ لارڈر (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت ہمدردی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالۂ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو لبرلزم کے زمانے سے پہلے عقیدۂ کفارہ کے منکر تھے، پھر لبرلزم کے دَور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہوگیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدۂ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آیئے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدۂ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہٰذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدۂ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پولس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے :

"پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے لے کر موسیٰ تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنھوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت سے آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہتیرے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راستباز ٹھہرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے

سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور
راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں، ایک شخص یعنی
یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے ...
کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے
اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے"
(رومیوں ۵: ۱۲ تا ۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ
لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے
کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ
کے جلال کے وسیلہ سے مُردوں میں سے جلایا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی
زندگی میں چلیں....... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت
اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ
ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں" (رومیوں ۶: ۳ تا ۶)

یہ "کفارہ" کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ کر آئے ہیں، یہ عقیدہ پولس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے کا بانی بھی ٹھہرتا ہے،

تورات پر عمل کا حکم

عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہوگا کہ اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی یہ تحقیق کرلی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں! اور پولس نے اس میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ اناجیل میں تو

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا" (متی ۵: ۱۷)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو، کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" (متی ۷: ۱۲)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل اور قابلِ احترام مانتے تھے،

لیکن پولس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت[1] کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھتا ہے:

"ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب راستباز ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے" (۳: ۲۳ تا ۲۵)

اور افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"اس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

---

[1] واضح رہے کہ بائبل میں ہر جگہ شریعت (The Law) سے مراد تورات ہوتی ہے،

بڑھتے موقوف کر دی" (افسیوں ۱۲ : ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

"اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے" (عبرانیوں ۷ : ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:-

"کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا" (۸ : ۷)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

"جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

ان تمام اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور اس کے ہر حکم کو منسوخ کر ڈالا،

عشاء ربانی عشاء ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم بنا لینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۱ : ۲۴) اور لوقا چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

"اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ "میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو"[1]"

---

[1] F. C. Burkitt, *The Christian Religion* P. 148 V. 3

ختنہ کا حکم ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانوگے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے . . . . . اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا" (پیدائش ۱۷: ۱ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے" (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے،

لیکن اس بارے میں پولس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامختونی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا" (۶: ۱۵)

۲- تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پولس نے وضع کیا ہو، تثلیث حلول وتجسم، کفارہ، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نسخ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

دہی ہے،

مگر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، گو ہماری نگاہ میں یہ بات عین قرینِ انصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر دیئے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پولس کی سوانح جات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتاب اعمال، خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں، جنھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ عرب کا سفر

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعۃً حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گذارتا جنھوں نے براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دینِ عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے،

لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یروشلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

> "جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یروشلیم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب[۵۱] چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔" (گلتیوں ۱: ۱۵ تا ۱۷)

---

۵۱ واضح رہے کہ یہاں عرب سے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں توسعاً عرب کہہ دیا جاتا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے:

"جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموش اور پُرسکون فضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا،...... اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے[1]"

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب "مسیح سے قسطنطین تک" میں لکھتے ہیں:-

"اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد...... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضمنات پر غور کرے، اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت تھی اس کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی یعقوب سے ملاقات کرے[2]"

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال کا طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گذارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنھوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض اٹھایا تھا؟ ــــ کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنھیں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آرہے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (بقول برٹانیکا) "نئی تعبیر" کرنا چاہتا تھا۔

---

[1] برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷ مقالہ: پال۔

[2] Mackinon, James, *From Christ to Constantine*, London, Longmans green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور وفکر کرنے کی ضرورت تھی اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پولس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف، جے فوکس جیکسن[۱] پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

> "پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہیے جب تک کہ خدا کی رُوح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہِ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا"[۲]

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی دلیل کیا ہو کہ پولس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقامِ بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

---

[۱] F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

[۲] یہاں مسٹر جیکسن پولس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: "جو خوشخبری میں نے سُنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

ہونی چاہیے کہ اُسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دینِ عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے، ــــ جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بناء پر دینِ عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے!

پھر اگر حضرت عیسیٰؑ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "انقلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عید پینٹی کوسٹ کے موقعہ پر نزولِ روح القدس[1] کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پولس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پولس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر پولس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دینِ عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پولس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دینِ عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں اُن کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصوّرات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے صرف

---

[1] مقابلہ کیجئے کتاب اعمال، باب ۲، اور اعمال ۱: ۸،

دو ذریعے ہیں، ایک خود پولس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پولسی اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیق حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہوگئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پولس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آسکے،

پولس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحب پولس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پولس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہوگا

> "اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی" (اعمال ۴: ۳۶ تا ۳۷)

اور یہ برناباس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی، اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ ہمارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں:

> "اور سب اس سے (پولس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اِس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے
نام سے منادی کی " (اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

"دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برنباس اور پولس ہر معاملے میں شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا، یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، لوقا لکھتے ہیں:

"مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہتیرے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر اُن میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کرکے اس کام کے لئے اُن کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہوکر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا
ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گذرا ۔" (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بناء پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

> "اب، لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کنگ جیمس ورژن) نے اس لفظ کے ترجمے میں لفظ (تیز، سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے، ——— پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں ——— یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہوکر جدا ہونے کا ذکر ہے[۱] ۔"

---

[۱] Blaiklock, *Commentary on Acts*, edited by R. V. G. Tasker PP. 115, 119

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیقِ سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ —— اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیرباد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقعہ پر پولس کے بعض معتقدین کنایۃً برنباس کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پولس کی رفاقت کو قربان کر دیا[1]، لیکن وہ پولس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پولس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے[2] کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا اور جس نے تبلیغ دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا دی تھی (اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷) کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو قربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پولس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پولس دینِ عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے، اور پولس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رُو سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پولس اس الزام سے بچ جائے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے چنانچہ تمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

لہ Loewerich, *Paul, His Life And Work*, trans. by G. E. Harris, London 1960 P. 74

ٰہ Ibid P. 50

مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے"
(۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا" (افسیون ۴: ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورے عہد نامۂ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے،[1] سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی!

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا یعنی پطرس، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے رو برو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

---

[1] اس کے بعد صرف ایک جگہ (کرنتھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے کرتا ہے، اور لیکن مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پولس اس اختلاف کو ذکر کررہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلیم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلیم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ اُن کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

"پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہو جو یروشلیم سے آئے تھے، اور جو اس کے پُرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہو جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے[1]"

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں۔

لہٰذا یہ بات انتہائی طور پر قرین قیاس ہے کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا۔

چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دُور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے" (حیات وخطوط پولس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پولس اور برنباس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل

البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

---

[1] حیات وخطوط پولس ص ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔

پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے، اس فیصلے میں پولس کے علاوہ پطرس، برنباس اور یعقوب بھی شریک تھے،

پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ پطرس اور برنباس اس بنا پر پولس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختنہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلیم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر وزنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہو کہ یروشلم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام اُن پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے توریت کے بعض جزوی اور فروعی احکام مثلاً ختنہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پر ایمان نہیں لا رہے تھے کہ ہمیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختنہ کرانا اور توریت کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ لوقا لکھتے ہیں :

پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمھارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے " (اعمال ۱۵: ۱)

ظاہر ہو کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختنہ وغیرہ کے جزوی احکام اگرچہ دینِ موسوی اور دینِ عیسوی

میں واجب تھے، لیکن وہ کفر و ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انہیں مدارِ نجات قرار دیا جا سکتا تھا۔ آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرانی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کرلیں گے کہ وہ شخص دینِ اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اُس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری سہی، مگر مدارِ نجات نہیں ہے اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کرلو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرانے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کردیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "أَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْن" (minor evil) کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچا لیا جائے،

بس یہی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یروشلم کی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی تو باتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انہیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لاکر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جناب پطرس کی اس تقریر سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے یروشلم کے اجتماع میں کی تھی، انہوں نے کہا تھا،

"پس اب تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جُوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی پائیں گے۔" (اعمال ۱۵: ۱۰ و ۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تورات کے بعض فروعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کرسکے، لہٰذا اگر اس کے باوجود ہم مؤمن اور نجات کے امیدوار ہیں، تو غیر قومیں بعض فروعی احکام کو چھوڑ کر مؤمن اور نجات کی امیدوار ... .

کیوں نہ بن سکیں گی[1]؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یروشلیم کونسل کا موضوعِ بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟" ـــــ بلکہ موضوعِ بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟" ـــــ ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکامِ تورات کے فی نفسہٖ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہٖ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انھیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفاء کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، اُن کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

> "مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے اٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب ..... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انھوں نے کہا کہ:

> "پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں" (اعمال ۱۵، ۱۹ تا ۲۱)

اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ،

---

[1] ورنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جائیں، کیونکہ پطرس نے جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی ناقابلِ برداشت کہا ہے، تقی

"ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہوگے، والسلام" (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو اُن کے بغیر دینِ عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی مینلی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"واپسی پر انھیں (برنباس اور پولس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسا میں پورے طور پر شریک کیا جا سکتا ہے، (۱۵:۱)

انطاکیہ میں یہ رواج تھا، اور پولس اور برنباس نے اپنے بشارتی سفروں میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا، اور اُن کے لئے ختنہ کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انہیں موسوی شریعت کی رسم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یروشلیم کی کلیسا کے زیادہ کٹر یہودی مسیحی اس بات پر مصر تھے کہ یہ شرائط اُن پر ضرور عائد کی جائیں، پس یروشلیم کی کونسل میں انطاکیہ کے مندوبین بھیجے گئے، پولس اور برنباس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں میں راہ و ربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات ضروری قرار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کریں"

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں[ا]۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کردیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دینِ عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے۔

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یروشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباس اور پولس انطاکیہ پہنچے، تو پولس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کردی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہوچکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے، جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں[ا]، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

ظاہر ہے کہ پولس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دینِ عیسوی کو بالکل پلیٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباس نے پولس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پولس نے اس طرح کیا ہے کہ:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو برو ہوکر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہوکر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

[ا] جی، ٹی مینلی: ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ ے، ایس، امام الدین دمسز کے، این ناصر ص ۳۰۵ مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، لاہور۔

[ا] گلتیوں ۳: ۱۳۔

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پولس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۰)

گلتیوں کے نام خط

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پولس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ پولس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تمام تر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پولس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں بہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد وجوہ سے پولس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پولس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حواری کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہِ راست بذریعۂ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پولس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،

اس خط کا پس منظر جی ٹی میننگ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> اس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے اس انجیل[۲] پر حملہ کیا تھا جو پولس نے گلتیہ کی کلیساؤں کو پہنچائی تھی،

---

[۱] عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ ج۱ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

[۲] واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین یا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پولس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نو مرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳:۳) ..... وہ پولس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بینگن ہے، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نو مریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پولس کے اختیار کو یہ کہکر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اوّل الذکر ہر صورت میں پولس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل گلتی نو مریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پالیا۔[1]

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"یہ تو پولس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پولس کی انجیل کو یہودی قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے تنہا جائز راستہ تورات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نو مریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بُت پرستی سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں،

یہ دخل اندازی کرنیوالے قدیم کلیسا کی "یہودی مسیحی جماعت" سے تعلق رکھتے

---

[1] ہماری کتب مقدسہ، ص ۳۷۳،

تھے، انھیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تورات کو خارج کیا گیا تو کلیسا کے
اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، اُن لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی
پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۱۵ میں نظر آتا ہے،
بظاہر اُن لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے[1]

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،

۱۔ گلتیہ میں پولس کے مخالفین کلیسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،

۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسوی میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل مسیحی زندگی کے لیے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی تشریح و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے پولس کو نہیں،

۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق "قدیم اور اصلی حواریوں" کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پولس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہٰذا اگر حواری اس معاملے میں پولس کے ہمخیال ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے بجائے حواریوں سے لکھواتا، جس میں وہ پولس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھنا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہمخیال ہیں، اور وہ یروشلم کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ گلتیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہمخیال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسوی کی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۷۰ ج ۹ مقالہ "Galatians, Epistle to the."

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہِ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اے بھائیو، میں تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱:۱۱و۱۲)

پھر آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو "ملامت کے لائق" اور برنباس کو "ریاکار" قرار دیتا ہے (۲: ۱۱ تا ۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہِ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پولس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہے تھے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہکر ساری بحث ختم کرسکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے نام پولس کا خط یروشلیم کونسل سے پہلے لکھا گیا ہے[۱]، اور چونکہ اس کونسل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطۂ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پولس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خط یروشلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پولس لکھتا ہے:۔

"لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو برو ہوکر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (۲: ۱۱)

اس میں پولس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم کونسل کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

---

[۱] ہماری کتب مقدسہ، ص ۳۰۲،

"گلتیوں ۲: ۱۱ میں پولس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا[1]۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پولس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلیم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لوئی وینک اور جے پیٹرسن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں[2]، اور اس جملے کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پولس پطرس کو قابلِ ملامت اسی وقت قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرزِ عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہوتا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے، تو پولس اسے آسانی سے قابلِ ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یروشلیم کونسل میں پولس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پولس نے اسے قابلِ ملامت قرار دیا، لہٰذا لازماً یروشلیم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلتیوں کے نام خط میں پولس پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماءِ متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی، ٹی مینلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

---

[1] برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۷، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلتیوں کے نام خط یروشلیم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالۂ بالا)

[2] حیات و خطوط پولس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور *Paul, His Life and Work* by Walter Von Loewenich, trans. by Gordan E. Harris, London 1960 P. 72

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں قریباً اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب رومہ کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہوگا"[۱]

نتائج مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دینِ عیسوی پر ایمان لاچکا ہے،

۲۔ اسی بناء پر عرصۂ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،

۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،

۴۔ یروشلیم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہوگا

۵۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کردی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑالیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور "اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۱) تو پطرس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گلتیوں ۲: ۱۱)

۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہوگئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،

۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دینِ عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہِ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

---

[۱] ہماری کتب مقدسہ: ص ۳۷۳)،

۸- یہ خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یروشلم کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا۔

۹- پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، (کیونکہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق گلتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے) اس لئے تثلیث، حلول، تجسم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

جُدائی کے بعد

آیئے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتابِ اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال اُن کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جاری رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُھند چھا جاتی ہے"[1]

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟

اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا، اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دین عیسوی میں جو تحریفات کی ہیں اُن سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

---

[1] برٹانیکا ص ۱۸ ج ۳، مقالہ: برناباس۔

انجیلِ برناباس

یہ عقلی نتیجہ تقریباً واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

"اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنھیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا کہ جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے،۔۔۔۔ اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمھیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ" (برنباس ۱:۲تا۹)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصۂ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشئیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا[1]، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے[2]

---

[1] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲، ج ۳ مقالہ برنباس، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۹۷، ج ۶ مقالہ جیلاشئیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مصری مسیحی،

[2] اظہار الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص   کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

یا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سراسر پولس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فبأی حدیث بعدہٗ یؤمنون؟

پولس اور پطرس

برنباس کے ساتھ پولس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پولس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پولس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے،

(۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پولس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہو کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے۔ اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے[۱]"

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل سے متعلق ہو جس میں اس نے غیر قوموں سے متعلق نہایت وسیع المشربی کی پالیسی اختیار کی تھی[۲]"

---

[۱] From christ to constantine P. 116

[۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۷ مقالہ: پطرس،

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا!

اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پولس کے خط کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پولس کہتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یہ پطرس کا دوسرا نام ہے) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، (دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۶) لہٰذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یروشلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پولس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پولس کا شاگرد لوقا اپنی کتاب اعمال میں ان کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پولس کے خود ساختہ نظریات کے سبب اُن کا پولس سے اختلاف ہو گیا تو لوقا نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے۔

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمانِ غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آجانے کے بعد پطرس نے بھی برنباس کی طرح پولس سے علٰحدگی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے بھی پولس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دینِ عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پولس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، کرنتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مجھے خلوے کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں، میرا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولس کا کہتا ہے، کوئی اپلوس کا کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا" (۱۔ کرنتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی جو پولس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے ہو رہے تھے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"۱۔کرنتھیوں ۱: ۱۲ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنتھس میں کیفا (پطرس) کی ایک جماعت بن گئی تھی"[۱]

یروشلم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین عیسوی کو پولس کی تحریفات سے بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہے وہ سارا پولس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بابلیون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آئرینیوس، کلیمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آریجن، یوسی بیس اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے، ـــــ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انھیں شاہ نیرو نے شہید کر دیا تھا، آریجن کہتا ہے کہ انھیں اُلٹا لٹکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۴۲ و ۶۴۳ ج ۱۷ مقالہ پطرس)

پطرس کے خطوط یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامۂ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً انہی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پولس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

"ہمارے پیارے بھائی پولس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت ہوئی تمھیں یہی لکھا ہے" (۲۔پطرس ۳: ۱۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

---

[۱] برٹانیکا ص ۶۴۲، ج ۱۷ مقالہ: پطرس)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جس کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہے،

جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱: ۶، ۲: ۱۲، ۳: ۱۴، ۱۲ تا ۱۹ اور ۵: ۹ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گذر رہے تھے، انھیں ملامتیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں .... یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہٰذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے۔"

آگے انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے[۱]

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ نازک ہے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کیتھولک خطوط میں سب سے پہلے بائبل کی فہرست میں جگہ دی گئی تھی، اسی طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسکندریہ میں اسے تیسری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،

---

[۱] برٹانیکا، ص ۴۴۶ ج ۱۷، مقالہ: "Peter, First Epistle of"

وہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسلّمہ میں شامل ہوا، لیکن روم میں اُسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہوسکی اور سوریا کے کلیسا نے تو اُسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا مصنف پطرس ہے:

۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازع فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ "بداخلاقی" اور "جھوٹی تعلیم" کے جو حوالے اس میں دیئے گئے ہیں وہ کسی ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنادیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۳: ۱۶ میں پولس کے خطوط کو جو الہامی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظرِ عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہوسکتا ہو کہ ایشیائے کوچک میں لکھا گیا ہو۔[1]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴۷ ج ۱۷ مقالہ "Peter, Second Epistle of."

میک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: ...om Christ to Constantine P.116;

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود محقق عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پطرس پولس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوبؑ اور پولس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا:

۱۔ یعقوب بن حلفئی، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۴) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامۂ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدی، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہٰذا اُن کو اپنی زندگی میں پولس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، (دیکھئے مرقس ۳: ۲۱ و یوحنا ۷: ۵) یا تو آخر وقت میں ایمان لائے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پولس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کو دینِ عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہے

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے، مسٹر جمیس میک کنن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربی کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوبؑ ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا ..... اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی ...
> "غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے" باز رہے"[۱]

نیز ایک اور موقعہ پر یعقوبؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "یوسیفس کے مختصر نوٹ اور ہیجی سپّس کے نسبۃً طویل تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوبؑ کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے"[۲]

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتابِ اعمال میں یعقوبؑ کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوبؑ نے پولسؔ کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۲۱: ۱۷ تا ۲۶)

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوبؑ ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پولسؔ نے بعد میں اختیار کرلئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوبؑ کی طرف منسوب ہے سو اس کے بارے میں جمیس میک کنن لکھتے ہیں:

> "دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے"[۳]

---

[۱] From Christ to Constantine P. 95

[۲] *Ibid P. 119*

[۳] *Ibid P. 120*

یُوحنّا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا بن زبدی کا ہے، اور بقول میک کنن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یک لخت غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

> "پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، . . . . . یروشلم کو خیرباد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؛ یہ ہمیں معلوم نہیں"[۱]

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباس پولس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اسی وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، بظاہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پولس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد اُن کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامۂ جدید میں موجود ہیں سو اُن کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء متأخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے[۲]

---

[۱] ایضاً صفحہ ۱۱۸،

[۲] دیکھئے مقدمہ، صفحہ ۱۱۶

دُوسرے حواری

یہ تو وہ حوارین تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ جو دوسرے حوارین ہیں اُن کے حالات اُن سے زیادہ پردۂ راز میں ہیں، اُن کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پولس سے اُن کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد بات نہیں کہی جا سکتی،...... روایات اُن میں سے مختلف حضرات کی طرف گال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں...... یوسی بیس (۳/۱) کہتا ہے کہ توما پرشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمالِ توما کی روایت یہ ہے کہ وہ مصر اور بحرِ ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف)۔ اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندرآوس اسکائشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، تدآوس (یعنی یہوداہ تدآوس) اڈیسہ میں مقیم ہوگئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دینِ عیسوی کا پیرو بنایا۔"

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ توما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو، لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔"[1]

---

[1] From Christ to Constantine P 121

نتائج اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

١۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یروشلم کونسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوبؑ بن زبدی (اعمال ١٢: ٢) اور یہوداہ اسکریوتی (اعمال ١: ١٨)

٢۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوبؑ بن حلفئی، توماؑ، برتلمائیؑ، یہوداہؑ تداوس، اندرآوسؑ، فلپسؑ اور متیؑ،

٣۔ باقی تین حواریین میں سے برنباسؑ اور پطرسؑ کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کونسل کے بعد پولس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحناؑ بن زبدی رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباس کی طرح یروشلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ حواریوں نے پولس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دینِ عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلتیوں کے نام خط میں (جو پولس کا پہلا خط ہی) اُن نظریات پر جمے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جُدا ہو گئے،

اس لئے کتابِ اعمال میں یروشلم کونسل کے حالات تک پولس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہی کہ حضرت مسیحؑ کے حواری حضرات، پولس کے نظریات "تثلیث، تجسم اور کفارہ وغیرہ میں اس کے ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پولس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر یک سوال پیدا ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعۃً پولس نے دین عیسوی میں ترمیم وتحریف کرکے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہوکر رہ گیا؟

جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر ورسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزورکچل ڈالا، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کرسکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصلِ دین عیسوی کا نام ونشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱- پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہوگئی تھی، جب اُس نے یروشلم کی نسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھاکر تورات کو بالکلیہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، انہی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام اپنا معرکۃ الآراء خط لکھا تھا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کررہا ہے، یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے[۵۱] تھے،

۲۔ یہ مخالفت پولس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جمیس میک کنن لکھتے ہیں:۔

"یہ سمجھنا غلط ہے کہ پولس یا انجیلِ یوحنا کے مصنف[۵۲] کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور بااثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پولس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پولوسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیلِ یوحنا کے عقائد کو ماننے والے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پولس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے زمانے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا[۵۳]۔"

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرینوس، ہپولیٹس، ایپی فانیس اور آریجن ایک فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarenc) اور ...... ابیونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے[۵۴]"

---

[۵۱] دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۳ و ۱۵۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۱۹۷۱، ج ۹،

[۵۲] پیچھے گذر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پولس کا بالکل ہم خیال تھا،

[۵۳] From Christ to Constantine ch. VII

[۵۴] J. M. Robertson, *History of Christianity*, London 1913 P. 5

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آریَنوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

آن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہوگیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے۔[۵۱]

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سموسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریک[۵۲] رہا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں لوسین اور آریوس مستقل مکاتبِ فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے تو تثلیث کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

"ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے، جو تمام تر مذہبی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانۂ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نیزوں سے نہیں؛ بلکہ زبانوں سے[۵۳]"

---

۵۱ برٹانیکا، ص ۱۰۸، ج ۷، مقالہ: Ebionites

۵۲ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ص ۹۲ اور اس کے حواشی،

۵۳ Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. IV

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب On the Trinity میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اوّل تو جیمس میک کنن لکھتے ہیں:-

"یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کل تین سو بشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی[1]"

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

جونہی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیدیا گیا[2]۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیمس میک کنن کے الفاظ میں سنئے،

"اتھانی شیس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذا رسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہار رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی"

جیمس میک کنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

---

[1] From Christ to Constantine P. 5

[2] ایضاً

بزور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزور ختم نہیں کر دیا،

آخری زمانے میں

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنھوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"مصنفین کا ایک مکتبِ فکر جس میں سے ڈبلو، ریڈ (W Wrede) کو بطور مثال ذکر کیا جا سکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں ہے، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس "کلیسائی عیسائیت" کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پولس کی" ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جا سکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولسی مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ، کفارہ اور منجی کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو شامل ہے، بلکہ...... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمامتر متصوفانہ روش جو اسے ذریعۂ نجات وکفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انھوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں[1]"

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۲۹۵ ج ۱۷، مقالہ "پولس"۔

۲۔ اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر ون لوئی وینک (Walter Von Loewenich) لکھتا ہے:

"پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی "فریسیوں کا فریسی" تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہٰذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیمیافتہ ہیں انھیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہئے،

آج بھی کلیسا اپنے "پولسی ورثے" کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پولس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، . . . . یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے، مگر اوّل تو یہودی انداز میں پولس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک "ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب" کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے"

۳۔ لی گارڈے کا یہ اقتباس نقل کرکے لوئی وینک لکھتے ہیں:

"عصرِ حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لیگارڈ نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، . . . . اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا"[۵۱]

---

۵۱ Loewenich *Paul, His Life and Work* trans. by G. E. Harris, London P. 5

۴۔ اگرچہ خود لوئی ڈینک پولس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چیمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

> "اس نے (یعنی پولس نے) عیسائیت کو ٹکڑے کرکے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے"[۱]

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوئی ڈینک کہتے ہیں:

> "اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا"[۲]

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لوئی ڈینگ کے نزدیک یہ پولس کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تحریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمس میک کنن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انھیں کسی طرح بھی پولس کا مخالف نہیں کہا جا سکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

> "پولس کا اندازِ فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ اندازِ فکر یسوع کے اندازِ فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، ...... یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پولس کے تصوّر سے ہم آہنگ نہیں ہے .... اس لحاظ سے پولس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہِ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے"[۳]

---

۱ Ibid P. 6

۲ Ibid P. 71

۳ Mackinon, James, *From Christ to Constantine* PP. 91,92.

۶۔ پولس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پولس کے حامی ہیں، پولس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

"اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی"[۱]

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Restored) کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوس (Robert Graves) اور جوشوا پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پولس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پولس نے بُری طرح بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے[۲]

ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت "مشتے نمونہ از خروارے" کی ہے، ورنہ اگر پولس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے،

امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمامتر پولس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام "عیسائیت" کے بجائے "پولسیت" ہے، ——— وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؛

---

[۱] Foakes Jackson, *The Life of St. Paul*, London 1933 P. 18

[۲] The Nazarene Gospel Restored, Cassell 1953 PP. 19, 21

تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

مُصنّف "اظہارُ الحق"

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اُن خدا مست مجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انھوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آوازہ بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنھوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی مؤثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنھوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ انہی معدودے ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، انھوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں، تو دوسری طرف وہ ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبالؔ نے انہی جیسے سرفروشوں کے لئے کہا تھا کہ ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بہ جلوت اندو کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بہ خلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند

مولاناؒ کے آباء واجداد

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں[1]، آپ کے جدِ امجد شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنویؒ کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضیِ عسکر" کے نام سے سلطنتِ ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاں مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء مقرر کئے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضیِ عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطانؒ نے سومنات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کرلیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے،

شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبد الکریمؒ کے نام سے گذرے ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے آٹھویں جدِ امجد ہیں، یہ دربارِ اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور "حکیم بینا" کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینگ مار کر اُسے زخمی کردیا، علاج کیا گیا، مگر افاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بینا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ سات روز کے بعد صحت ہوگئی، اس پر شہنشاہِ اکبر نے حکیم بینا صاحبؒ کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم بینا

---

[1] مفصل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب [illegible] مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ۔

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۹۱۵ھ میں قصبۂ کیرانہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا، شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کا لقب دیا، بعد میں جہانگیر نے انھیں صوبۂ دکن اور گجرات کا اور شاہجہاں نے صوبۂ بہار کا گورنر متعین کیا تھا۔

حکیم محمد احسنؒ کے دوسرے بھائی حکیم عبدالرحیم صاحبؒ (جن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ آتے ہیں) بھی اپنے بھائی کی طرح صاحبِ منصب وجاہ تھے اور جہانگیر کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد احسن صاحبؒ کو کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے منتقل ہو کر کیرانہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد احسنؒ اور حکیم عبدالرحیمؒ دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچہریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرانہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزک جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہےلہ، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نولکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

ابتدائی حالات

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے انہی مکانات میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، مولاناؒ نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

لہ شہنشاہ جہانگیر لکھتا ہے: "جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خاں کی جاگیر پرگنہ کیرانہ میں نزولِ اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہل محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محظوظ ہوا، اور بہت تعریف کی" (تزک جہانگیری مترجمہ مولوی احمد علی رامپوری، ص ۲۹۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء)

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، ۱۲۵۰ھ؁ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحبؒ دہلی میں مہاراجہ ہندو راؤ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے، اور وعیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولاناؒ مدرسے سے اپنے والدؒ کے پاس آگئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میر منشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولاناؒ نے علیحدگی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علمی شہرت سنکر وہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلّم الثبوت اور میر زاہد کا درس لیا،

اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیاتؒ صاحبؒ اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے:

(۱) مولانا احمد علی صاحبؒ بڈولی ضلع مظفر نگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہوگئے تھے

(۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب چشتیؒ،[۱] یہ استاد شاہِ وقت تھے، تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اُن کا مزار ہے،

(۳) مولانا امام بخش صاحبؒ صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،

(۴) حکیم فیض محمد صاحبؒ، ان سے علمِ طب کی تکمیل کی،

(۵) مصنف لوکارتھم سے ریاضی پڑھی،

تدریس

ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانویؒ کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولاناؒ کو اتنی مہلت نہ دی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علمی

---

[۱] سرسید احمد خاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائق رشک تھا" (آثار الصنادید ص ۱۲۱ تا ۲۴۲ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور ۱۲۷۰ھ سے قبل مولاناؒ نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا
اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ
مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں :

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری، (مصنف حمد باری)
۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی
۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری
۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب
۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی (مشہور مناظر عیسائیت و مصنف دافع البہتان واستیصال دین عیسوی)
۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی
۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دجانوی
۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی
۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس
۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ[1]

پھر جب مولاناؒ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقۂ درس سینکڑوں
طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ
ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں :

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ،
۲۔ شیخ احمد النجارؒ سابق قاضی طائف
۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادی
۴۔ شیخ محمد حسین الخیاطؒ بانی مدرسہ خیریہ مکہ مکرمہ

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۱۸ و ۱۹ مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ،

۵۔ شیخ احمد ابوالخیرؒ مفتی الاحناف مکہ مکرمہ

۶۔ شیخ اسعد الدہانؒ، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام

۷۔ شیخ عبدالرحمٰن سراجؒ شیخ الائمہ و مفتی الاحناف بمکۃ المکرمۃ

۸۔ شیخ محمد حامد الجداویؒ، قاضی جدہ

۹۔ شیخ محمد عابد المالکیؒ مفتی المالکیۃ بمکۃ المکرمۃ والمدرس بالحرم الشریف

۱۰۔ شیخ عبداللہ دحلانؒ، من مشاہیر علماء الحرم[۱]

گھریلو حالات ۱۳۵۶ھ میں مولاناؒ کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اگلے سال پھر مہاراجہ ہندو راؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی باڑہ ہندو راؤ میں بلالیا، اور حضرت مولاناؒ کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۲۷۰ھ میں مولاناؒ کا ایک سالہ لڑکا فوت ہوگیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دِق کے عارضے میں مبتلا ہوکر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپنے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، چنانچہ آپنے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ تردید عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہوگئے،

ردّ عیسائیت کی خدمات شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولاناؒ نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف "ازالۃ الاوہام" فارسی زبان میں لکھنی شروع کی، حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

> "ازالۃ الاوہام زیر ترتیب تھی، کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی،

---

[۱] "فرنگیوں کا جال" مصنفہ جناب امداد صابری، ص ۲۲۰ و ۲۲۱، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۹ء۔

> اقربا۔ واعزا، تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدتِ مرض سے پریشان تھے، ایک روز نمازِ فجر کے بعد آپ رونے لگے، تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزا، نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا" بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں "اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیفِ ازالۃ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعثِ شفاء ہوگی" حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے[1]"

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فانڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگروہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے "میزان الحق" نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا مؤثر مقابلہ اُس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فانڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

---

[1] ایک مجاہد معمارؒ، ص ۱۹ و ۲۰،

فانڈر سے مناظرہ

چنانچہ مولاناؒ اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف لے گئے. تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ٢٣ مارچ ١٨٥٤ء سے حضرت مولاناؒ نے پادری فانڈر سے خط وکتابت شروع کی، فانڈر شروع میں پہلوتہی کرتا رہا، بالآخر، ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پاگیا[1]، طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد رجب کے ۱۱ دن رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عبد المسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولاناؒ کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے، اور فانڈر کے ساتھ پادری فرنچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرسچن سیکنڈ، مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمانِ حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلین، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تقریباً چھ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریفِ بائبل، وقوعِ نسخ، تثلیث، رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیتِ قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہوجائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولاناؒ عیسائی ہوجائیں گے،

مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولاناؒ اعتراضات کریں گے اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہوگی[2]، سب سے پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولاناؒ نے پہلے "نسخ" کی حقیقت واضح

---

[1] یہ پوری خط وکتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الشریف" کے نام سے شیخ رفاعی خولیؒ نے کیا ہے، جو اظہار الحق مطبوعہ مطبع علیہ استنبول ١٣١٥ھ کے حاشیہ پر چھپا ہے،

[2] البحث الشریف فی مسئلتی النسخ والتحریف علی ہامش اظہار الحق ۹ سہ ج ۱،

فرمائی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فانڈر نے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہوچکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فانڈر نے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ:-

"زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں،

فانڈر نے کہا: "لیکن الفاظ تو عام ہیں"

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسائی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں "میری باتیں" سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فانڈر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے"

فانڈر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ توراۃ کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

"گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے[1]"

---

[1] یہ یسعیاہ ۴۰:۸ کی عبارت ہے،

لہٰذا اگر "کلام کے زندہ اور قائم" ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو تورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فانڈر نے لاجواب ہو کر کہا کہ "میں اس وقت صرف انجیل کے نسخ سے بحث کر رہا ہوں" ——— اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی قربانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا[1]، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فانڈر نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے، اور ہم بتوں کی قربانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں،

اس پر مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پولس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں لکھا ہے کہ:

"مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے"

اور طِطُس کے نام خط کے باب اوّل آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں!

فانڈر نے زِچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فانڈر نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

---

[1] حواریوں کا یہ فتویٰ اعمال ۱۵: ۲۹ میں مذکور ہے، ت

کا منسوخ ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کرلیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فانڈر نے کہا: ٹھیک ہے! اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجیے،

تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فانڈر سے پوچھا کہ: آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کرسکیں؟

فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا:

"یہ بتلائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے"؟

فانڈر نے کہا: نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے"

مولاناؒ نے فرمایا، "میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرفِ نظر کرکے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں"؟

فانڈر نے کہا: "میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا"

اس پر مولاناؒ نے کہا کہ: "مورخ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹن شہید نے طریفون یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کرکے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کردی تھیں"

یہ کہہ کر مولاناؒ نے واٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۴ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آگسٹینوس، کریب، سلپرجیس، وائی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے،

اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتایئے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلامِ الٰہی ہونے کا دعویٰ کرکے یہودیوں پر انھیں مٹانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔"

اس پر فانڈر نے کہا کہ: "جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہوگئی۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اوّل میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا۔ اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف ۱۳۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔"

فانڈر نے جواب دیا: "ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے! یہ دونوں مفسّر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔"

فانڈر نے کہا: "یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵، ۴۶ و لوقا ۲۴، ۲۷ و ۱۶: ۳۱ میں عہد نامۂ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی۔"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: "تعجب ہے کہ آپ اسی کتاب سے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہوجائے آپ اس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کرسکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کرلیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اُن کے بارے میں محقق پیلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵۰ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں، لہٰذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بحرف اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔"

فانڈر نے کہا: "اس معاملے میں ہم بیلی کی بات نہیں مانتے "

مولاناؒ نے فرمایا: "اگر آپ بیلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے، ہمارے نزدیک بیلی کا کہنا درست ہے "

تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فانڈر نے کہا:

"میں نے تورات کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے "

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

"اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سننا چاہتے ہیں تو سنئے"

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱: ۱۷ پڑھنی شروع کی، جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،

فانڈر نے یہ سنکر کہا: "غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز "

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہئے، لہٰذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی"

فانڈر نے کہا: "تحریف صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت دکھلائیں کہ جو پرانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو "

اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷، ۸ کا حوالہ دیا[1]،

---

[1] ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۵ء، کیتھولک بائبل ناکس ورژن انگریزی مطبوعہ میکملن لندن ۱۹۶۳ء، کنگس جیمس ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۸ء میں اس طرح ہے:

"آسمان میں گواہ تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور زمین کے گواہ تین ہیں، روح، پانی اور خون، اور تینوں متفق ہیں "

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہے، کریسباخ اور شولز اس کے محرف ہونے پر متفق ہیں، اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۸ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا ہے، تقی

فانڈر نے کہا:" ہاں! **اِس جگہ تحریف ہوئی ہے**، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی"

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فرنچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فرنچ سے انگریزی میں پوچھا:

"یہ کیا بات ہے؟"

فرنچ نے جواب دیا:

"ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے"

اس کے بعد فرنچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

"پادری فانڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ **سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے**"

اس پر بعض مسلمانوں نے "مطلع الاخبار" کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فانڈر بولا:

"ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کرلیں"

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے"

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"دیکھئے! مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا، اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے"

اس پر فانڈر نے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہوگی"
مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے فرمایا:

"آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سندِ متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا اُن کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے"

فانڈر نے کہا: "ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبیؐ کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"

مولاناؒ نے فرمایا: "یہ شرط منظور رہی، ہم انشاء اللہ کل یہ بتا دیں گے"

ڈاکٹر وزیر خان بولے، "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتا دیں؟"

فنڈر نے کہا: "نہیں: اب دیر ہوگئی ہے، کل ہی سنیں گے"

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہوگئی،

مناظرے کا دُوسرا دن

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے،

اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فانڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھی، اور قرآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلّل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فانڈر اور فرنچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کا سہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے "متن" کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا"

حاضرین نے پوچھا:- "متن" سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

فانڈر نے کہا: "وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیتِ مسیح، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے"

مولاناؒ نے فرمایا، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ (بقول آپ کے) "متن" ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے"

فانڈر نے کہا: اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محرّف ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں، جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو"

مولاناؒ نے فرمایا: "آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتاب مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمّہ ہے،

فرنچ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسّرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسّرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولاناؒ نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ نے ابھی تفسیرِ کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟"

فانڈر نے کہا: "جی ہاں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "انہی مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟"

فانڈر نے کہا: "نہیں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدۂ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامیؓ طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اُن کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں"

فانڈر نے کہا: "بہرحال: عقیدۂ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں"

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: "یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے اتنے بڑے حصے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اُسے بے نقص مانا جائے"

اس پر بحث ختم ہوگئی، اور فانڈر تیسرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپریل ۱۸۵۴ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو "مباحثۂ مذہبی" اور "مراسلات مذہبی" کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبعہ منعمیہ اکبر آباد ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تحریری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

پادری فانڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے بہت سے نسخوں میں حاشیے پر چھپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سُنا، جو اُس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فانڈر اس میں مغلوب ہوا تھا"[1]

جہاد ۱۸۵۷ء

مناظرے کے بعد تین سال تک مولاناؒ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جمالئے، اُس زمانے کے علماء کی ایک خدامست جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط وہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔

۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی درحقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش نہیں آیا تھا[2] بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کرلیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان چڑھتے رہے، ادھر انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیشِ نظر انھیں اپنی فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہا ان فوجوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

---

[1] البحث الشریف علی ہامش اظہار الحق، ص ۵ ج اول، مطبوعہ استنبول،

[2] ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے اس پہلو پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلانہ تصنیف "سوانح قاسمی" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اکابر دیوبند نے اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوانح قاسمی" ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۲ ، ت

فوج باغی ہوگئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصّوں میں مختلف جتھے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تواریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن امراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ امیر، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحبؒ مولانا نانوتویؒ کے یاور جری اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وزیر الامور ہندی قرار پائے[۱]، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کرکے تحصیل شاملی کو فتح کرلیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ امیر، اور چودھری عظیم الدین[۲] صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"

اس دَور کی تواریخ و سیر سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہو کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

---

[۱] سوانح قاسمی، ص ۱۲۷ ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۷۳ھ،

[۲] چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے پاس مکہ معظمہ آگئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد معمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں، اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کرلیا، اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی لینی شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولانا بذاتِ خود بڑے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے روپوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجیٹھ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولانا کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجیٹھ تشریف لے چلیں،

چنانچہ اُن لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی "باغی" کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولانا پنجیٹھ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلی دینے کے لئے چرواہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت

ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا پنجیٹھ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پنجیٹھ روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا سے گذارش کی کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری، مولانا خود فرماتے تھے،

"میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں اُن کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا"

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولاناؒ کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولاناؒ کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو پا لیا تھا، مولاناؒ پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو "مفرور باغی" قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا،

ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولاناؒ نے یہ حالات دیکھ کر ہجرتِ حجاز کا عزم فرما لیا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن مولاناؒ کی اولوالعزمی جرأت وحوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کرادیئے، مولاناؒ نے اپنا نام بدل کر "مصلح الدین" رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولاناؒ نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمۃ اللہ جو ہمیشہ ناز ونعم اور عیش وآرام میں پلے تھے، جے پور اور جودھپور کے وحشت خیز ریگستانوں اور مہیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم واستقامت اور صبر واستقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہونچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اُس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، غرض چند در چند آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اُس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" کا شرف عطا ہوا ہے،

جائداد کی ضبطی

اِدھر مولاناؒ حجاز روانہ ہوئے، اور اُدھر آپ پر غائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کرادیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ رجنوری ۱۸۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے:

"انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی"[1]

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں:

(۱) سرائے کھجور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑھے، " " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الٰہی،

(۴) سرائے قصابان،

(۵) سرائے نوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعاتِ زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزروعہ علاقے جو بحقِ سرکار ضبط ہوئے اس کے علاوہ ہیں،

بیت اللہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولاناؒ سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور بابُ العمرہ سے متصل رباطِ داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریفِ مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

---

[1] تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند، ص ۶۷۵،

رحمت اللہ صاحبؒ اکثر شیخ العلماءؒ کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماءؒ شافعی المذہب تھے، اس لئے ایک روز دورانِ تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہؒ کے دلائل کو کم زور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولاناؒ نے شیخ سید احمد دحلانؒ سے پہلی بار ملاقات کی، اور اُس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال وجواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولاناؒ سے حقیقتِ حال دریافت کی، مولاناؒ نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخؒ نے مولاناؒ کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ شیخؒ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخؒ نے اس پر بیحد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولاناؒ سے دیر تک بغلگیر ہوئے، اسی مجلس میں انھوں نے آپؒ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجدِ حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرادیا، مولاناؒ شیخ دحلانؒ سے بہت متأثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ کیا ہے،

قسطنطنیہ کا پہلا سفر

۱۸۵۷ء کے بعد پادری فانڈر جرمنی، سوئیٹزرلینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیان کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیقِ حال کے لئے شریفِ مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: "حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فانڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کرکے بابِ خلافت کو مطلع کیا جائے"

شریفِ مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالِم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطانؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولاناؒ کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق سنہ ۱۸۶۴ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فانڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطانؒ نے مولاناؒ کی تشریف آوری پر ایک مجلسِ علماء منعقد کی، جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہلِ علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولاناؒ سے ہندوستان میں مذہبِ عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سُنے، دولتِ عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نمازِ عشاء کے بعد سلطانؒ پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولاناؒ کو بلاتے خیرالدین پاشا تونسی صدرِ اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریکِ مجلس ہوتے، سلطانؒ نے حضرت مولاناؒ کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجۂ دوم عطا کیا، اور مولاناؒ کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

اظہار الحق کی تصنیف

سلطان عبدالعزیز خانؒ اور صدرِ اعظم خیرالدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولاناؒ عربی زبان میں ایک کتاب تصنیف فرمائیں، جس میں اُن پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرے میں موضوعِ بحث بنے تھے، چنانچہ ماہِ رجب سنہ ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولاناؒ نے "اظہار الحق" لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کر کے سلطانؒ کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولاناؒ نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ کے حکم کو قرار دیا تھا، خیرالدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولاناؒ سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنینؒ کی خواہش پر لکھی ہے، اس لئے اس میں امیر المؤمنینؒ کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے، حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا:

"اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہیئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا"

مولاناؒ کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولاناؒ کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جارہے تھے، اس لئے مولاناؒ نے یہیں رہتے ہوئے "تنبیہات" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتیہ کا قیام

قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اس زمانے میں اگرچہ مسجدِ حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافتِ عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اول تو درس کے یہ حلقے کسی جچے تُلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصابِ تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرز

تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلبا نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان سنہ ۱۲۹۰ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتدا کی، پھر سنہ ۱۲۹۰ھ کے موسم حج میں کلکتہ کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریسہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، انہی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام "مدرسہ صولتیہ" رکھا گیا،

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکے،

یہ مدرسہ آج تک بحمداللہ مکہ مکرمہ کے "حارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید[1] صاحبؒ اس کے مہتمم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

---

[1] مولانا محمد سعید صاحبؒ کے والد محمد صدیق صاحبؒ انبالہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحبؒ کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اُس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد رنجیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گذری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ اُن سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی برصفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابلِ فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اطال اللہ تعالیٰ بقاءہ

قسطنطنیہ کا دُوسرا سفر

۱۲۹۹ھ میں دولتِ عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو حجاز کا گورنر نامزد کیا، انھوں نے نہ جانے کس غلط فہمی کی بناء پر مدرسہ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہو گئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انھوں نے مولاناؒ کو طلب فرمایا، چنانچہ مولاناؒ دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا بدر الاسلام صاحبؒ بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اپنے اس سفر کی رُوداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحبؒ کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انھوں نے اپنے لختِ جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولاناؒ نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپنے اُن سے فرمایا: "میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سُنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے" حضرت مولانا سعید صاحبؒ نے ۱۳۵۰ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ صولتیہ کے ناظم رہے"
(ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۰ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

لہ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۲۶ھ سے مدرسے کے نائبِ ناظم اور ۱۳۵۰ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معمار" سے استفادہ کیا ہے۔ تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدہ
کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگبوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر
باآبور (جہاز) مصری میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ روز بدھ کو سوار ہوئے،
اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا، پیر کی رات کو پانچ
بجے سویز پہنچے، اور صبح کو جو پیر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی باآبور سے
سے اُترے، ... وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر گئے
تین بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اُترے ..... پھر
آٹھویں دن .... باآبور مصری پر سوار ہو کے .... جمادی الاولیٰ کی
پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، ادھر جہاز نے لنگر ڈالا، اُسی وقت
فی الفور مصطفیٰ وہبی بے یاور (اے ڈی سی) اور بین باشی حضرت سلطان
کے، جہاز پر چڑھے، اور مل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت
سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے، وہاں سے چل کر
سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبد المجید خاں
غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اُتر کر دو گھوڑوں کی بگی میں سوار ہو کے
محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اُترے
اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب
علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرنار (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں،
اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو
اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی
اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی
اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے قرنار، درجہ دوم
نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف
شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حق اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسۂ صولتیہ) کے لئے آیا، . . . .

۷ ارتاریخ ہفتہ کے دن وہبی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ "مرضیِ سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلوا لو، موسم ربیع قریب آپہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی" نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، . . . . منگل کے دن کیسۂ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگِ مقصود کی بھجوائی گئی، اور فرمایا کہ: "اُس کے شکریہ میں میں نے تم کو رتبہ "پایۂ حرمین شریفین" کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا" اور چھٹی تاریخ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اُٹھ کے ایک دو قدم بڑھاکر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ "کثرتِ شغل کے سبب ابتک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں". . . . میں نے بھی دعا اور کلماتِ شکریہ مناسبہ کہے "

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسۂ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ:

"حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امورِ خیر ہیں، اور بہت سے نیک کام تشنۂ تکمیل، مدرسۂ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہی،
اُن کو اس کارِ خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو
یقیناً امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں [1] ۔

اسی دوران سلطان نے حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو اپنے شہرۂ آفاق شاہی کتب خانے "حمیدیہ" کا ناظم بنادیا، یہ آخر وقت تک سلطان کے معتمد علیہ رہے، سلطان عبد الحمید کی معزولی کے پُرخطر وقت میں صرف تین اشخاص سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدرالاسلام صاحب بھی تھے، ایک عرصہ نظر بند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے[2]،

بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بے یاور اور خیرالدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

"ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے"

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولاناؒ سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی معافی چاہی،

تیسرا سفر دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء سے مولاناؒ کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبر سنی اور کثرتِ مشاغل سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہوگئی تھی، اور ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولاناؒ موتیابند کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۴۸ تا ص ۵۲،

[2] ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں انگریز اُن پر سخت شبہ کرتے تھے، اس لئے یہ لکھنؤ چلے گئے تھے، جہاں نجیب ندوۃ العلماء میں، وہ عربی کا استاذ مقرر ہوگئے، مولانا علی مرحوم سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے،
قومی زبان ستمبر ۱۹۶۶ء ص ۵۸)

حضرت مولاناؒ کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲ر رمضان ۱۳۰۴ھ کو مولاناؒ پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراویح بھی وہیں پڑھی، اُس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولاناؒ کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک نہایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولاناؒ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں اُن کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولاناؒ نے فرمایا:

> "اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترکِ وطن کرکے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیر المؤمنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا؟"

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولاناؒ واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

سماجی خدمات

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہرِ زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقۂ جاریہ ہے، لیکن مرورِ ایام کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہوگئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنانِ حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واقعتاً بیت المقدس کرمہ آئے اور اس سلسلے میں مدرسہ صولتیہ کے اندر ایک مشاورتی اجتماع منعقد ہوا، حضرت مولاناؒ نے نہر زبیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، حکومت کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں مہاجرین کے بڑے بڑے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے۔ اس مجلس کی صدارت کے لئے مولاناؒ کو منتخب کیا گیا، مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج صاحب مرحوم مفتی الاحناف و شیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب صدر کی حیثیت اختیار کی، سیٹھ عبدالواحد صاحب نہر زبیدہ کے خازن اور تحویلدار مقرر ہوئے، اور اس طرح نہر زبیدہ کا صدقہ جاریہ ان حضرات کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا۔[1]

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھدی جاتی تھی، جس کا خط ہوتا وہ تلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولاناؒ نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحبؒ نے اس جدوجہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلاکر باب الوداع پر ڈاکخانہ تعمیر کرایا۔[2]

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص منہاج اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور مقامی باشندوں کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنرمند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،

(۵) جب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے صحن حرم میں بنے ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے منہدم کرایا، تو مولاناؒ نے اس کے پتھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ صولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے

---

[1] مجلہ سابق ص ۵۳۔

[2] ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کراچی ستمبر ۱۹۶۲ء "مولانا محمد سعید صاحب" از جناب امداد صابری ص ۶۲۔

تینوں گنبد پانی پت ضلع کرنال کے معماروں نے تعمیر کیے، اس مسجد کا تاریخی نام ....
"خانۂ رحمت" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ صولتیہ اور اس کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکیؒ کا مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ صاحبؒ کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ کیا گیا، .... ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدۂ عظیم ہوئے ہیں"[۱]

وفات اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب آپ کا مزار ہے، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور مولانا عبد الحق صاحب شیخ الدلائل، مصنف "الاکلیل شرح مدارک التنزیل" بطور خاص قابلِ ذکر ہیں

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ جس زمانے میں مولاناؒ استنبول گئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

---

[۱] مکتوبات امدادیہ مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، ص ۶۰

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں؛

"مولوی رحمت اللہ ہنوز تشریف باستنبول میدارند، خدائے تعالےٰ مولوی صاحب را جلد آرد"[1]

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی بیشتر تصانیف ردِّ عیسائیت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :-

۱۔ ازالۃ الاوہام یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۴ صفحات پر ۱۲۶۹ھ میں سید المطابع شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فانڈر نے "میزان الحق" میں جو اعتراضات کئے تھے اُن کے دنداں شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلۂ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، "ازالۃ الاوہام" کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آلِ حسن صاحب کی "استفسار" بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب سے کافی مدد لی ہے،

۲۔ ازالۃ الشکوک یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات ۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تحریف اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرستہ الباقیات الصالحات مدراس کے بانی اور حضرت مولاناؒ کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری نے مدراس میں چھپوائی تھی، پھر دوسری جلد مولاناؒ کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے،

---

[1] امداد المشتاق، ص ۱۴۲، اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۹۲۹ء۔

۳۔ اعجاز عیسوی
یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریفِ بائبل" ہی، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہی، متوسط تقطیع کے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سنِ طباعت ۱۲۷۰ھ ہی، "ذٰلِكَ هُدَى اللهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ" اس کی تاریخ ہے،

۴۔ ازالۃ الاوہام / اوضح الاحادیث
اس کا پورا نام "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہی، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں عقیدۂ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا (یہ رسالہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا)

۵۔ بروقِ لامعہ
یہ کتاب غیر مطبوعہ ہی، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدۂ ختم نبوت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاج المیزان
یہ کتاب فانڈر کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲، شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۲ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ تقلیب المطاعن
یہ کتاب پادری لاسمند کی "تحقیقِ دین حق" کا جواب ہی، جو افسوس ہی کہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا،

۸۔ معیار التحقیق
یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے[1]،

---

[1] تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امداد صابری ص ۲۳۷ و ۲۳۸، اور "ایک مجاہد معمار" ص ۲۰۰ و ۲۰۰ سے ماخوذ ہے، ت

"اظہار الحق"

ردِّ عیسائیت پر مولاناؒ کی آخری اور سب سے زیادہ معرکۃ الآرا کتاب اظہار الحق ہے، چھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی زبان میں ردِّ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد یکجا نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولاناؒ نے قسطنطنیہ میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۱ھ میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے "ابراز الحق" کے نام سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں فرانسیسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید خرید کر جلایا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا اندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو "THE TRUTH REVEALED" کے نام سے چھپا، یہ انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور احقر نے اس سے اپنے کام میں کافی استفادہ کیا ہے،

مصر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارتِ مذہبی امور نے ۱۳۸۴ھ میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اول ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گذری ہے جلد ثانی کا انتظار ہے، مصر کے ایک عالم استاذ عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظرِ عام پر آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول بنائے، آمین،

تبصرے کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اُسے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۸۱ھ کے بعد جو کتاب بھی ردِ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا مآخذ بنی، علماء، محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراجِ تحسین پیش کیا، ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، کہ اس سب کو یکجا کر کے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

لندن ٹائمز "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے پیش نظر ہم سب سے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو "لندن ٹائمز" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی"

نواب حاجی اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم رئیس دتاولی ضلع علیگڈھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو "ٹائمز" کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا[1]۔

شیخ باچہ جی زادہ مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بک باچہ جی زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۲ھ میں "الفارق بین المخلوق والخالق" کے نام سے ردِ عیسائیت پر ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی جو بلادِ عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم مآخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"ان الاستاذ الفاضل رحمت اللہ الهندی قدس اللہ روحہ فی کتابہ اظہار الحق فضحہم کتبہم وبین ما فیہا من التحریف والمناقضات والکذب وتجاسرہم علی اللہ تعالیٰ وانبیائہ الطاہرین فان اردت الوقوف علی مساویہم فراجعہ فہو یغنیک ویشفیک[2]"

---

[1] ایک مجاہد معمار ص ۲۶،

[2] الفارق بین المخلوق والخالق، ص ۳۰۶ مطبعۃ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ،

"بلاشبہ استاذ فاضل رحمت اللہ ہندی قدس اللہ روحہٗ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رُسوا کرکے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہٰذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کردے گی اور تشفی بخشے گی۔"

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ومن اراد زیادۃ التبیان والاطمئنان فلیراجع ماکتبہ العلامۃ والحبر الفھامۃ الشیخ رحمت اللہ الھندی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجزء الثانی من کتابہ المسمّی اظھار الحق ففیہ غنیۃ الحاجۃ اذ قد اشبع القول فی ذکر الدلائل العقلیۃ والبراھین النقلیۃ من کتب علمائھم ورؤساء دینھم[۱]"

"جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں حاجتمند کو بے نیاز کردینے والا سامان ہے، اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خود عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی کتابوں کے نقلی دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے"

شیخ جزیری رحؒ مصر میں سابق ہیئۃ کبار العلماء کی لجنۃ علمیہ کے ایک رکن رکین اور مساجد الاوقاف کے مفتش اوّل شیخ عبد الرحمٰن جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فانڈر کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

---

[۱] الفارق، ص ۶ مقدمہ،

"ادلۃ الیقین" کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہاں بلاشبہ استاذ جلیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات و انجیل کی تحریف پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں[1]"

رشید رضا مصری مصر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

"شیخ ہندیؒ نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو کافی دانی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطع دلائل قائم کئے ہیں[2]"

عمر الدسوقی قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے اور مدح وستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح باخبر ہے، اپنے موضوع پر اُسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل قائم کرنے اور فنِ مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے، اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے عہد نامۂ قدیم وجدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

---

[1] ادلۃ الیقین، ص ۹ مطبعۃ الارشاد ۱۳۵۲ھ،

[2] مقدمہ انجیل برناباس، ترجمۃ الدکتور خلیل سعادت المسیحی،

لکھی ہیں، اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زوردار حصہ وہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استشہاد
پیش کرکے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے[1]۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرماکر اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ہیں،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ

محمد تقی عثمانی
یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

دار العلوم
کراچی نمبر ۱۴

---

[1] مقدمہ اظہار الحق، ص ک ج اوّل مکتبۃ الوحدۃ العربیۃ الدار البیضاء، المغرب،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھادی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے جھنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت وسلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے حسین مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری توریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بناء پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہؓ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولتِ اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں ؛

پیش لفظ مصنّف

امابعد، اپنے محسن خدا کی رحمت کا امید وار رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر لہٗ عرض پرداز ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہوگیا، اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو اُن کے آغاز حکومت سے ۴۰ برس تک اُن کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں اور عام جلسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ کہنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گذرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماءِ اسلام کو ان کی تردید کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اُدھر میرا شمار بھی کوئی بڑے علماء کی جماعت

ہی نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی تصنیفوں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہونچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہٰذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقتِ حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہبِ اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی وعیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "میزان الحق" کے مصنف، میں نے اُن سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علمائے اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، جیسا کہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے اُن پانچ مسائل میں مناظرہ ہو نا طے ہو گیا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیاد ہیں، یعنی تحریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین[1] و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے،

[1] یعنی ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائیت کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پُرخلوص تعاون نے مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خاںؒ نے آپ کو اودھ کا گورنر مقرر کر دیا تھا (بقیہ حاشیہ

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادری فنڈر کے خیال میں سب سے مقدم تھے (چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلالت کرتی ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے) ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی حاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی وسندی ومولائی سید احمد بن زینی دحلان ادام اللہ فیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کردوں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانانِ ہند کی زبان (اردو) میں، اور دو زبانوں میں میری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور وعظ کہتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے، بالخصوص وہ پادری جنھوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثالِ حکم کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو ایسے لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے، پھر ہجرت کرکے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رح کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محمد تقی

سے اعراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری ژولیدہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کردینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ بصیرت وصلاحیت عطا کرے جو حق وصواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب کو مخلوق میں شرفِ قبول بخشے، خاص وعام سب اس سے مستفید ہوں، اہلِ باطل کے شبہات اور منکرین کے اوہام سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشنے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

مُقَدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

مقدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

(۱)

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، اِلّا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

(۲)

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقۂ پروٹسٹنٹ[1] کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

---

[1] فرقۂ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولھویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل وصورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور بیجد تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سرِ نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک[۵] کی کتابوں سے لی گئی ہیں،

④

تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہٰذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو اُن کو یہی غلط فہمی ہوگی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ بیشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چودہ کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادری زبان میں پہونچانے کی تحریک چلائی، اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کرلئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انھیں منسوخ کرکے صرف بپتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لیڈر ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۴۳، ج ۱۹، مقالہ "ریفارمیشن")۔

[۵] رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیحؑ کے حواری جناب پطرس کو نائب المسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس تھے، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب کئے جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انھیں مذہبی امور میں مکمل اختیارات حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۰۶۴، ج ۲، ۱۲ محمد تقی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دو بار ان کی اس عادت کے جاننے سے قبل اس قسم کے مغالطہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ

اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نقل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم واٹسن نے لندن میں طبع کیا ہے، مطبوعہ سنہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ مطبوعہ روما سنہ ۱۲۶۴ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،

۲۔ عہد عتیق وجدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم واٹسن مذکور نے سنہ ۱۸۴۴ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و ۱۰ کو یکجا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۴۷ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ و ۱۴۷ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہو گئی،

۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں سنہ ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمے سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکیک نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق وجدید پر لندن میں سنہ ۱۸۰۱ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہورن کی تفسیر جو سنہ ۱۸۲۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری واسکاٹ کی تفسیر[1] مطبوعہ لندن،

---

[1] اصل میں ہنری کی تفسیر الگ تھی، اور اسکاٹ کی الگ، بعد میں بعض عیسائی علماء (باقی بر صفحہ آئندہ)

۷- لارڈنر کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۴۵ء،

۸- بارسلے کی تفسیر،

۹- واٹسن کی کتاب،

۱۰- فرقہ پروٹسٹنٹ کا ترجمہ انگریزی مہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۰ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۶ء،

۱۱- عہد عتیق وجدید کا انگریزی ترجمہ جو رومن کیتھولک کا کیا ہوا ہے، مطبوعہ ڈبلن ۱۸۴۰ء،

اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں اُن ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہے بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے،

(۴)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسلّمہ کتاب کی نسبت یا اُن کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اُس کتاب کی یا نبیؑ کی نسبت میری بداعتقادی پر محمول نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرنا بدترین عیب ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلّم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا الہامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے دونوں کو یکجا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مصنفؒ اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا" ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاف اور تناقض و تحریف یقینی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہوسکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں،

مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو حمل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور ان سے حاملہ ہو گئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا دیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا بنایا، اور اس کے لئے قربان گاہ تعمیر کی، اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، اُن کی مقدس کتابوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ اُن کی وفات مرتد و مشرک ہونے کی حالت میں ہوئی،

ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات کا انکار کرنا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

۱؎ نقل کفر کفر نباشد "سو انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے) اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی" (پیدائش ۱۹-۳۳) اور "سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں" (پیدائش ۱۹، ۳۶) ۱۲
۲؎ (سموئیل دوم ۱۱-۲ تا ۵) ۳؎ (سموئیل دوم ۱۱-۱۵) ۴؎ (خروج ۳۲-۲ تا ۶)
۵؎ (سلاطین اول ۱۱-۲ تا ۱۳) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں معذور ہیں، اس لئے علماء پروٹسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھنا چاہیے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلتے ہیں! مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

"تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے؟ اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا" (متی ۷۔ ۳، ۴، ۵) اور (لوقا ۶۔ ۴۱ و ۴۲)

(۵)

عیسائی لٹریچر میں مخالفین کے لئے نازیبا الفاظ

کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، آپنے دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ[1] اور فریسیوں کے

---

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، جو غالباً "کاتب" کی جمع ہے، مگر انجیل متی میں "فریسیوں" کے ساتھ "فقیہوں" کا لفظ ہے (متی ۲۳۔ ۱ تا ۲۹) اور لوقا میں شرع کے "عالموں" کا لفظ ہے (۱۱۔ ۴۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے مُنہ پر یہ الفاظ استعمال کئے :۔

"اے ریاکار کتبہ اور فریسیوں! تم پر افسوس، اور اے اندھے راہ بتانے والو! اور اے احمقو! اور اندھو! تم پر افسوس! اے اندھے فریسی! اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے"؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کتوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۱۵[1] میں موجود ہے، نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ کس طرح خطاب کیا کہ :۔

"اے اژدہوں[2] کی اولاد! کس نے تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے"؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۳ میں موجود ہے،

بالخصوص علماءِ ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تقاضے کے ماتحت نکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدیٰ اور رئیس المصلحین یعنی جناب لوتھر[3] کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدیٰ اور اس کا معاصر یعنی

---

[1] آیت ۲۶ و ۲۷،

[2] اے سانپ کے بچو! تمھیں کس نے جتادیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو، (متی ۳-۷)

[3] مارٹن لوتھر Martin Luther، جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب سے پہلا لیڈر رہا، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام وخاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ کا حق حاصل ہے، اس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے (باقی برصفحہ

پاپائے روم تھا کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملک معظم [11] ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷۰ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال کو جناب رئیس المصلحین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲ و ۷ سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے صفحہ ۲۷۴ میں، پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

میں سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرتا ہوں، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ نکل گیا، اے حقیر پولسی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھ! ممکن ہے تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جائے، کیونکہ اس سال برا بھی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکناہٹ پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں، پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرقہ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی نثر کا ایک شاہکار قرار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۴۸۳ء، وفات ۱۵۴۶ء ۱۲

صفحہ ہٰذا پاپا: یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اُسے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ سمجھتے ہیں پہلے اسی کو پیٹرک کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہوتا ہے (مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۱۸) لوتھر نے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۲

[11] ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۴۹۱ء۔۱۵۰۹ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لوتھر کی تحریک بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے "پاپا" نے "محافظ ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے الگ ہو گیا اور ایک انگریزی مذہب کی بنیاد ڈالی جس کا نظریہ یہ تھا کہ بادشاہ ہی کو کلیسا پر کامل اختیارات ہونے چاہئیں ۱۲ تقی

دُور ہو جاؤ، اے شریرو! ناقابلِ التفات احمقو! ذلیل گدھو! تم اپنے کو گدھوں سے بہتر سمجھتے ہو! اے پوپ! بے شک تو گدھا ہے، بلکہ بیوقوف گدھا ہے، اور ہمیشہ گدھا ہی رہے گا۔"

پھر صفحہ ۴۷۴ جلد مذکور میں یوں ہے:۔

"اگر میں حاکم ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو باندھ کر دریائے استیا۔ میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہے ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیحؑ کو بھی اس امر کا ضامن بناتا ہوں کہ اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب ہوجائیں گے۔"

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۰۱ پر کہتا ہے کہ:۔

"پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مکار و فریب کار گروہ ہے، اور بدقماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنمی شیاطین سے بھری ہوئی ہے، کہ اس کے تھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد ہوتے ہیں۔"

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:۔

"میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہسؔ کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں،

لے John Huss بوہیمیا کا مشہور مفکر اور نصاریٰ کا مصلح جس نے ویکلف Wickliff، [illegible]

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید دجّال اور اس کے حواریوں نے کونسٹنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے مُنہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے واجب التسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور اُن کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں "

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ "بادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا"

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیس المصلحین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسلمہ ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلّم ہو، اس بناء پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلے گا جو بادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی اتباع میں کلیسائے روم کے خلاف آواز بلند کی، اور اسی کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فروخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کیخلاف احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور بائبل کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھانے کی آرزو شامل ہے، ۱۴۱۲ء میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہوا تھا اس کی مؤثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پوپ نے اسے کلیسا سے خارج کر دیا، اور ستایا، ۱۴۱۴ء میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر محبوس رکھنے کے بعد ۶ جولائی ۱۴۱۵ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلا دیا گیا (تواریخ کلیسائے روم) ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لے Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور بادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۴۱۴ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں باہمی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں (باقی بر صفحہ ۱۹)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک دامنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات معصوم نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۲۲۷ پر کہتا ہے کہ:-

"(۱) بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا تھوک کذب دلغو میں خرچ کیا ہے"

(۲) "میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصب سلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ لوٹاؤں"

(۳) "اے لکڑی کے بنے ہوئے حوض جاہل! تو جھوٹا ہے، اور احمق پادشاہ ہے! جو کفن چور بھی ہے"

(۴) "اسی طرح یہ احمق پادشاہ بکواس کیا کرتا ہے"

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضائے بشریت کی بناء پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان ہس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انھیں باتفاق رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجہ میں اُسے زندہ نذرِ آتش کیا گیا، (دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلیرک ص ۲۳۹ و ۲۴۰) ۱۲ محمد تقی

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظ ان کے مقتدا نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو اُن کے خیال میں اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،

مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔

"تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکاریں تم اُن سے صلۂ رحمی کرو"

جس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے

(۶)

عیسائی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ

یورپی ممالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو علماء پروٹسٹنٹ ملحد اور بددین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی، ان ممالک میں اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اُن کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں اُن کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جائیں گے، اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم اُن کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا وکلا، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اُن کا منکر بالخصوص حضرت مسیحؑ کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشاء محض علماء پروٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود اُن کے اہلِ ملک، وہمجنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

(۷)

علمائے پروٹسٹنٹ کی مسلمانوں پر بہتان طرازیاں

اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ اُن کو غنیمت سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اُن کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد معدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تاویل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب لکھ سکتے ہیں، اور قوی و مضبوط اقوال کو قطعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کبھی کبھی تو اُن کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر و تبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہوگا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات اُن کی اس عادت سے واقف ہیں اُن کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کا کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کوئی کتاب الہامی نہیں ہو تو عادۃً اس میں بعض باتوں کا کمزور ہونا بھی لازمی ہو، اس لئے کسی انسانی کلام کا اس عیب سے پاک ہونا بہت دشوار ہے، جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ہر کاٹنے والی تلوار کبھی کند ہو جاتی ہے اور ہر تیز رفتار گھوڑا ٹھوکر کھا لیتا ہے[1] منہ

[1] یہ عربی مثل کا ترجمہ ہے، اصل الفاظ یہ ہیں "لکل صارم نبوۃ ولکل جواد کبوۃ و اول الناس اول ناس" ۱۲ تقی

گرنا لازم ہے، اور سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا ہے"

ہمارے نزدیک تو غلطی اور بھول سے پاک ہونا صرف کلام الٰہی اور کتاب الٰہی کیلئے مخصوص ہے یہ شان کسی اور کتاب یا شخص کی نہیں، ذرا غور کیجئے کہ امام جماعت لوتھر کے وقت سے اس موجودہ زمانہ تک ان کے محققین میں کوئی ایک بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری ان کی تصانیف میں کسی موقع پر نہ ہوئی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی،

کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام ممدوح یا دوسرے امام کالون[1] یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں تھی، حاشا کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے نزدیک اتنی بات کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کسی امام یا محقق کے بعض وہ اقوال جن کے بارے میں خود اُن کے مقتداؤں اور اہلِ مذاہب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کمزور یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی نمونہ کا ہے، اور وہ ایسے تھے

اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب لکھیں تو تردید کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اُن کی پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرصتی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء جز ۲ فصل ۲ ص ۲۱

---

[1] کالون Calvin فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں قدیم کیتھولک عقائد کا تھا، بعد میں لوتھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں دیں، فرانس میں پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جنیوا میں مقیم ہوگیا، جنیوا اور گرد و نواح میں پروٹسٹنٹ نظریات کو پھیلانے میں اس کا بڑا اثر ہے ... عیسائیت پر اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسیسی زبان میں بائبل کا پہلا ترجمہ اسی نے کیا ہے، اگرچہ موجودہ کلیسا اس کے تمام نظریات کو بتمام و کمال قبول نہیں کرتا، مگر اسے اپنا مقتدا تسلیم کرتا ہے (ازبرٹانیکا، ج ۴)

میں تصریح کی ہے کہ:۔

"تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پروٹسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سو اعظین اور معلّمین ہروقت مستعد رہتے ہیں"

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عدیم الفرصتی کا عذر کیسے مانا جا سکتا ہے؟ اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق وحل الاشکال و مفتاح الاسرار (مصنفہ پادری فنڈر صاحب) کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمۂ مذکورہ کے حال میں جو ڈچ زبان میں ہے کہتا ہے:۔

زونگلیس جو علماء پروٹسٹنٹ میں بڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بگاڑتا ہے، تو بڑا مخرب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے بیحد شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہے" ادھر لوتھر نے زونگلیس کے ترجمہ کا رد کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال، دھوکہ باز کے القاب سے یاد کیا، پادری کگرمن ترجمۂ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ "عہدِ عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیبوں سے لبریز ہے، اور عہدِ جدید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،

اور لبسر و ابسیانڈر، لوتھر سے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلس اور

امسیرس نے فقط عہدِ جدید کے ترجمہ میں چودہ سو غلطیاں پائی ہیں جو بدنما ہیں"

پھر جو اغلاط صرف عہدِ جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں چار ہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے اعظم لُوطر جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پا سکتا ہے ؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے اعظم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں کے بھی سنتے جایئے :-

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصۂ دراز تک واعظ پادریوں کے یہاں استفسار کی تالیف سے قبل مروّج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آلِ حسن نے استفسار تصنیف فرمائی اور نسخۂ مذکورہ کے باب نمبر ۱ و ۳ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک جدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کر کے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گویا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں قانونِ منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی گنجائش ہے،

بہرکیف! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۳ء سے ۱۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم وجدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

"میزان الحق" کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۷، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

> اُس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہوگئی، اسی طرح قرآن کے نازل ہونے پر انجیل منسوخ ہوگئی۔

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہوجانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سر بسر بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کسی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا وجود نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک نہ تو زبور توریت کی ناسخ ہے اور نہ انجیل سے منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر شریعت موسوی کے متبع تھے اور زبور تو صرف چند دعاؤں کا مجموعہ ہے، جس کے ناسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے سُن کر قیاس کیا ہوگا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی، اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کردیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو عیسائیوں کا اوّلین اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-

"مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور انجیل دونوں کی"

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی ناسخ ہے نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

تیسرا قول فصل مذکور، صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"قانونِ نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جان بوجھکر محض اپنی مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور کامل الصفات ہر کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا ہے۔"

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا، چنانچہ باب ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس[1] پر یہ اعتراض

---

[1] پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۱۴ خطوط بائبل کے موجودہ مجموعہ (عہد نامۂ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے، شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برص۲۷۰)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ بزرگ اسی ناقص و باطل تصور میں مبتلا نظر آتے ہیں، جو پادری فنڈر کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے نقل کرتے ہیں، عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ:-

"غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہوگیا (کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا)"

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:-

"کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا"

اور تیرھویں آیت میں ہے:-

"جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہوجاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے"

دیکھئے! عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہوگئی اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کرسکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مضمحل اور باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی سب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، (یہ واقعات کتاب اعمال ۹ و ۲ میں دیکھے جاسکتے ہیں،) شمالی جزیرۂ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی تبلیغ کا اہم مرکز رہے ہیں، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روما میں لیجاکر ۶۷ء میں قتل کردیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ بائبل مرقومہ احقر ۱۲ تقی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا کیونکہ اس نے حزقیل[1] کی زبانی یہ فرمایا کہ :-

"سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں" (حزقی ایل ۲۰: ۲۵)

ہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہے جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول فصل مذکور صفحہ ۲۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"ان آیات کا مقتضا یہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا تک قائم اور باقی رہیں"

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقتضیٰ یہ ہوتا.. کہ دونوں کے احکام ہمیشہ باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور توریت کے حکم کے مطابق اس کی "تعظیم کو توڑنے والا" واجب القتل ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں ص۱۹ پر اقرار کیا ہے کہ :-

"توریت کے ظاہری احکام مسیح کے ظہور پر پورے ہوچکے، اور اس معنی کے اعتبار سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی"

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نسخ میں اور ہمارے

---

[1] حزقیال بن بوزی آپ کبار انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تاریخ کی عام کتابوں میں "حزقیل" عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لاوی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جب ۵۸۶ ق م میں بخت نصر (Nabuchodonosor) نے یروشلم پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، عہد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتاب "کتاب حزقی ایل" کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[۱]:-

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے وقت فرمایا کہ[۲]:-

"تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا:

بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گلا گھونٹے ہوئے جانور کی حرمت، زنا کی حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۱۵ میں موجود ہے[۳]،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

---

[۱] (متی ۱۰- ۶،۵)

[۲] (مرقس ۱۶- ۱۵)

[۳] روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام (اعمال ۱۵- ۲۸ و ۲۹) ۱۲

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روما کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور ططس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے[1])، منسوخ کرڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو لہٰذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخہ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہوسکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب ۳ میں معلوم ہوجائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷ میں نقل کیا ہے:-

۱- انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ:

"آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

۲- انجیل متّی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

"پس بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے"

---

[1] "مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے" (رومیوں کے نام ۱۴-۱۴) اور "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں" (ططس کے نام، ۱- ۱۵)
ان فتووں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے، زنا کی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اسی لئے مصنف نے فرمایا کہ "چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو الخ" ۱۲

۳۔ پطرسؔ[1] کے پہلے خط باب آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں، بلکہ غیر فانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو"

۴۔ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۸ میں ہے کہ:

"گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے"

عیسائیوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے،

ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ باب ۳ میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو "میری باتیں"[2] کہا گیا ہے اس میں اضافت عہد کی ہے، جس سے مراد وہ پیشینگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انھوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹانَن

---

[1] پطرس (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، ان کا اصلی نام شمعون تھا، مچھلیوں کے شکار پر گذارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو آپ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھکر ان کا نام پطرس رکھا جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ انطاکیہ میں رہے پھر انھیں روما لیجایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامۂ جدید کے موجودہ مجموعہ میں اُن کے دو خط شامل ہیں (پیدائش تقریباً سنہ ق، م، وفات سنہ ۶۷ء) ۱۲

[2] یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیا ہے، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے، کہ یہ مراد لیا جا سکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخہ کی نسبت اُن کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ مٹنا کمال کی قید کے ساتھ مقید ہے، اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں الی الابد، ابد تک کا لفظ محرف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کسی قدیم اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اس طرح لکھے ہوئے ہیں (الی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنیوالوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ "یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں کہ جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے"

پطرس حواری کے الفاظ "خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے،، اشعیاءؑ کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ "پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" لہٰذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیاءؑ کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جا سکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت بہکی باتیں کی ہیں، جن کا علم اُن لوگوں کو خوب ہو جنھوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہو گی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ:۔

"ان میں کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کو جلا دیا تھا،" مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا ہو کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں کے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ می[1] بڑھا دیا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

"صرفی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے"،

حالانکہ استفسار کی عبارت میں لفظ "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت و انجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفرداتِ لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کیتھولک والے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پروٹسٹنٹ

لہ فارسی زبان کا لفظ "می" مراد ہو جو استمراری عادت پر دلالت کرتا ہے ۱۲ تقی

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ :-

"فرقہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ بادشاہ جیمس اوّل کے حضور میں پیش ہوئی کہ جو زبوریں ہماری کتاب "صلوٰۃ" میں داخل ہیں وہ اندازاً دوسو مقامات میں کمی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں"

تھامس انگلس کیتھولک اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶ اور ۱۷۷ پر یوں کہتا ہے کہ :-

"اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور جس پر علماء پروٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس زبور کا مطالعہ کرو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب؟ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف سچی بات تو یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی"

ظاہر ہے کہ فانی کی عبارت میں سے صرف لفظ "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دینا بہت خفیف اور معمولی بات ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے اکٹھی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے اسی طرح لفظ "مفردات لغت" کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دو سو مقامات میں تحریف کر دینے کے مقابلہ میں نہایت آسان اور خفیف ہے،

چھٹا قول | میزان الحق کے باب ۱ فصل ۳ صفحہ ۵۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول چوک اور سہو و نسیان واقع ہوسکتا ہے، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم ہیں"

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب سلاطین اوّل باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہوداہ[1] سے یوربعام[2] کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی قربان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے سلطان یوسیاہ گرادیگا، تو یہوداہ واپس پہونچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اور بیت ایل میں ایک بڈھا نبی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر وہ سب کام جو اس مردِ خدا نے اس روز بیتِ ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو باتیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے باپ نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مردِ خدا جو یہوداہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے لئے گدھے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدھے پر زین کس دیا اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مردِ خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک درخت

---

[1] یہوداہ یا یہودیہ (Judah) بحر میت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رجبعام بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً سنہ ۹۲۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا ۱۲

[2] یُربعام بن نباط (Jeroboam) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن سے بغاوت کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رجبعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملاکر الگ سلطنت قائم کرلی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رجبعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱ تا باب ۱۴ اور کتاب تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مردِ خدا ہے جو یہوداہ سے آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جا سکتا ہوں . . . . اور میں تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم ہوا ہے کہ تو وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر لوٹنا، جس سے تو جائے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں لوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا، سو وہ اس کے ساتھ لوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا، اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے لوٹا لایا تھا نازل ہوا، اور اس نے اس مردِ خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند یوں فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو لوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہونچے گی، اور جب وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے جسے وہ لوٹا لایا تھا گدھے پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ ادھر سے گذرے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انھوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڈھا نبی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے لوٹا لایا تھا، یہ سُنا تو کہا، یہ وہی مردِ خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی نافرمانی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدھے پر زین کس دو، سو انھوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدھے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدھے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مردِ خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدھے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڈھا نبی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں... آیا" (سلاطین اوّل-۱۳- ۱۱تا ۲۹)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۱۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہی، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

ممکن ہو کہ کوئی صاحب پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بیانی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ سہو ونسیان کے طور پر، اور پادری صاحب کا کہنا سہو ونسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جواباً گذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہو، مگر اس میں سہو ونسیان سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر آئے تو یہ اس کی عقل اور سمجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے"

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء یہود کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہو کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط واختلاف کی توجیہہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میری عبارت اور تقریر کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تاویل ممکن ہو توجیہہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا،

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں صفحہ ۵۶ پر یوں ہے کہ:-

"خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گذرنے پر رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچا دیا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بابل[1] میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال، چنانچہ باب ۲ فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب ۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ:-

"اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہوگئے جس طرح دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی آمد کے درمیان مذکورہ مدت ہوگی"

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب ۲ فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی حقیقت اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۶۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ

---

[1] بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومو ایوم اموری نے ۲۱۰۵ ق م میں ایک نسل آباد کی تھی، جس کا چھٹا بادشاہ مشہور تاریخی انسان حمورابی دانسانوں میں سب سے پہلا انسان واضع قانون) انیسویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے، سلطنت نینوا کے خاتمہ کے بعد ۶۱۲ ق م میں بخت نصر نے اُسے پایۂ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر سلوقیین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۶۰۰ سال پیشتر ہوا ہے"

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے ظہور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،

نواں قول | باب۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ:۔

"خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیری نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی"

چنانچہ اس کی تصریح سفر صموئیل ثانی[1] فصل ۷ آیت ۱۲و۱۳ میں موجود ہے، اور ان دونوں آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،

دسواں قول | باب۲ فصل ۳، صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب میکاہ پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے کہ اے بیت لحم[2] افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا، اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے (میکاہ، ۵ ـ ۲)"

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور محقق ہورن کی تحقیق ہے

---

[1] "اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیری صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا" (سموئیل ثانی، ۷ ـ ۱۲ و ۱۳)

[2] بیت اللحم　Bethlehem　فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلو میٹر جنوب میں واقع ہے، کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

چنانچہ باب ۲ مقصد (۱) شاہد ۲۴ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل متی باب ۲ آیت[لہ] ۶ و ۷، کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا ؛

یا تو میکاہ کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے اعتراف کرلیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے اقرار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی ؟ اور ہر دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے ماتحت یہ تحریف کی ؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے ! یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا ؟ جس طرح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ توضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہو، اور ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک اور معدل اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے،

گیارہواں قول مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

"یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیا[۵] نے فصل ۷، آیت ۱۴ میں کہا ہے"

لہ "اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے! تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا" (متی ۲: ۶) کتاب میکاہ میں یہوداہ کو چھوٹا کہا گیا ہو اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے کی نفی کی گئی ہے ۱۲ تقی

۵۔ "دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی (یسعیاہ ۷: ۱۴)

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۱ فصل ۲ غلطی ۵ کے بیان میں آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "لفظ علماہ[1] کے معنی صرف کنواری کے ہیں" یہ بھی غلط ہے،

بارھواں قول پادری صاحب نے زبور ۲۲[2] کی ایک عبارت باب ۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۲ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

"وہ (کتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں"

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے "میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرح ہیں"، البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے،

اب پادری صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق مسیحؑ پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہے، پھر اُن سے سوال کیا جائے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں، چودھواں اور پندرھواں قول باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ اُن پیشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

---

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب ۱ فصل ۲ غلطی ۵ دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ یہ لفظ "علمہ" ہے جو عبرانی لفظ ہے اور اس کا ترجمہ "کنواری" سے کیا گیا ہے، اور مصنفؒ کو اس پر اعتراض ہے، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی "نوجوان عورت" کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ بات اپنے موقع پر واضح ہوگی۔

[2] زبور ۲۲: ۱۶ ۔

کیا جا سکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایۃ ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب فصل ۳ میں غلطی ۷۲ و ۳۱ و ۸۹ میں بیان کریں گے،[1]

سولہواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۲۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

اُن میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد منسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لائے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول نہایت ناقص اور عیب والا ہے "

جواباً عرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عیب کی ہے تو توریت و انجیل بدرجۂ اولیٰ ناقص اور عیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے[1]، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت و انجیل پر عائد ہوتا ہے،

سترھواں قول | پادری صاحب نے باب فصل ۴، صفحہ ۲۴۶ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلامِ الٰہی کی آیت وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[2] سے مفہوم ہوتا ہے اور اپنے زعم میں اُس پر عیب لگانے کے بعد یوں کہا ہے کہ:-

---

[1] ان کی اصل عبارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا، ص ۴۶۵ و ۱، ۴ و ۲۵ (جلد اول)   [2] کتاب ... ۲۳

[2] "اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں" (انفال، ع ۲) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آ رہا ہے۔ ۱۲ تقی

"اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی، تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا"

گذارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :۔

"منقول ہے کہ قریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریش ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کو لے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ میں آپ سے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے کر اُن پر پھینک دیجئے، پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے اوپر دے ماری، اور فرمایا چہرے بدنما ہو جائیں" نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور اُن کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا"

بیضاوی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ "آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے لیجئے" واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ "کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی فکر میں نہ لگ رہا ہو" یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت ہوئی ..... پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبعی عادت

ہی بن گئی ہو،

اٹھارہواں قول تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرھویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہلِ مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے"

یہ بھی غلط ہے، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول سراسر بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا"

نیز ابوذرؓ اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابوذرؓ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز ۵ نبوی میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز نجرانؑ کے عیسائیوں میں سے

لہ نجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہوگئے تھے ۱۲ ت

بیس افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضماد ازدی ؓ نے سنہ نبوی سے قبل مشرف با سلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسی ؓ بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر اُن کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیر ؓ کے وعظ کی برکت سے مشرف با سلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابت ؓ ایسے تھے جنھوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوہ احد کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعب ؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انھوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے پر مدینہ کے راستہ ہی میں بریدہ اسلمی ؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے، نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابوہند ؓ، تمیم ؓ، نعیم ؓ اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی،

اُنیسواں قول

باب ۳، فصل ۵ صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ :-

"ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر پر ۱۲ امیر مقرر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے"

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ :-

"امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلا دیا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے،،

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصفا میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہو کہ،

"لشکر کے امرا، کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں، بڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، اور اُن راہبوں سے جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا"

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں،

بیسواں قول | باب ۳، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ:۔

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کرلیں تو بہتر ہے ورنہ پھر اُن کو جبراً بزور قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے"

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوۂ بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذاتِ خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا ہر جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفسر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ باب ۳، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آنیوالے ہیں،

اکیسواں قول | باب ۳ فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا

اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپؐ نے شام کے کئے "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ نو سال کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان دو سفروں کے علاوہ اور کوئی شام کا سفر کرنا آپؐ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد سفروں سے تبدیل کر دیا،

بائیسواں قول باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ:۔

"اور یہ آیت یعنی یونس[1] پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیح نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور

جو انجیل متی باب ۱۲[2] میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اٹھنے کے وقت پالیا "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب و روز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ فصل ۳ میں غلطی[3] نمبر ۶۰ کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

تیئسواں قول باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ:۔

---

[1] مشہور پیغمبر ہیں، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یوناہ اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲ ت

[2] "جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" (متی ۱۲–۴۰)

[3] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

"یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیح کے معجزات کو اُن حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت مسیح کے ساتھ رہتے تھے اور جنھوں نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا"

یہ بھی غلط اور خود اُنہی کے اس بیان کے خلاف ہے جو حل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا۔

چوبیسواں قول

باب ۳ فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

"جو شخص مذہب اسلام سے پھر جاتا تھا مسلمان اس کو قرآنی حکم کی تعمیل میں قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت کو تلوار کے زور سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ کو پہونچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنے ہاتھوں کو بُرے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں"

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت پر واقع ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"جو بتوں کے لئے قربانی[1] کرے وہ واجب القتل ہے"

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:

"موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لاوی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں، چنانچہ انھوں نے تیئیس[2] ہزار آدمی قتل کئے"

[1] اور جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲-۲۰)

[2] اظہار الحق کے تینوں نسخوں میں "ثلاثۃ وعشرین" (۲۳ ہزار) کا لفظ ہی، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے "اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے (خروج ۳۲-۲۸)

نیز کتاب الخروج باب ۳۵ آیت ۲ میں سبت[1] کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہو کہ:

"جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔"

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سنیچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب ۱۵ میں موجود ہے[2]۔

نیز کتاب استثناء باب ۱۳ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نبی غیر اللہ کی دعوت دے اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو[3]، اسی طرح اگر کوئی امتی غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے[4]، خواہ یہ دعوت دینے والا رشتہ دار ہو یا دوست[5]، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، اُن کے ساتھ اُن کے جانور بھی قتل کر دیئے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک آباد نہ ہو سکے[6]،

(بقیہ صفحہ ۴۹) انگریزی ترجمہ میں بھی (about three thousand men) کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار،

[1] سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا، اس لئے انسانوں کے لئے بھی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰ — ۸) ت

[2] "ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر لیجا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا" (گنتی ۱۵ — ۳۶)

[3] مفہوم آیت ۱ و ۵،

[4] مفہوم آیت ۸ و ۹،

[5] مفہوم آیت ۶،

[6] مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۷،

اس کے علاوہ سفر استثناء ہی کے باب ۱۷ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت[1]،

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ اُن کے نزدیک اِن سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب دار دکھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیاء[2] نے وادیِ قیشون میں ایسے چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنھوں نے بعل کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا،

لہٰذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نعوذ باللہ یہ سب

---

[1] ملاحظہ ہو استثناء باب ۱۷ کی آیات ۲ تا ۶،

[2] بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب نجوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انھوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی بعل رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام کے دور میں یہوداہ کے بادشاہ اخی اب نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعوی کر دیا کہ ہم اسی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس پر حضرت الیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ انہیں جھٹلایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب ۱۸ میں دیکھا جا سکتا ہے،

[3] ایلیا علیہ السلام، آپ کا قرآنی نام "الیاس علیہ السلام" ہے، تورات میں ایلیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، پیدائش تقریباً ۹۵۰ ق م، وفات ۸۵۲ ق م.

احمق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھلی ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پولس قورنتیوس[1] والوں کے نام پہلے خط میں .... باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

"خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے"

یعنی مقدس پولس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے[2] سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ کم ہے اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں،

یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۲۵۲ پر (جواب منسوخ ہو چکا ہے) کہا ہے کہ:-

"بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت[3] شریفہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ میں لفظ انشق، سینشق کے معنی میں ہے"

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحبِ کشاف نے بعض

---

[1] قورنتیوس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں (Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا دولتمند شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار پائے جاتے ہیں، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں پولس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

[2] یعنی یہ کہ قتلِ مرتد ناجائز ہونا چاہیے ۱۲

[3] آیت شریفہ کے معنی ہیں "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا" اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے" ۱۲

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آلِ حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جدید نسخہ میں بدل ڈالا،

"حل الاشکال" کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمایئے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں[1] اور گیارھویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم نے بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے:-

"ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم[2] وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان"

یہ خالص مغالطہ ہے، کیوں کہ وجود بغیر تشخص کے نہیں پایا جا سکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا ہے

---

[1] ملاحظہ فرمایئے کتاب ہذا، ص ۲۵۱ و ۲۶۰،

[2] "اقنوم" عبرانی زبان کا لفظ ہے، جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی "اصل" اور "عنصر" کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی جمع "اقانیم" ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوتھرین گرجا کے طریقہ پر عرصۂ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی ہے) اس کے ص ۲۹ و ص ۳۰ پر ہے کہ:۔

"اے مقدس اور مبارک اور عالی شان، تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک خدا ہم پریشان گنہگاروں پر رحم کر"

اس میں تین اشخاص کی تصریح موجود ہے۔

چوتھا قول | صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے:

"بے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی[1] یا عرامائی[2] زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی[3] حواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے"

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۲ مقصد ۳ کے شاہد[4] ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اس کی عبارت

---

[1] اصل میں عبرانی "یہودیوں" کو کہتے ہیں اور یہ "عابر" کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲

[2] عرامائی یا ارامی، زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲ - ۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں (Oxford Bible Coucordance) میں لکھا ہے کہ یہ سوریا کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے۔

[3] متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حواریوں میں سے ایک ہیں، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر وصول کرنے پر مامور تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل آپ ہی کی طرف منسوب ہے، اور اسے عیسائی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ وہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲ ت

[4] ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۱۳، ۷ (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابلِ غور ہیں، اوّل لفظ "بعض علماء کا خیال ہے" دوسرے "شاید" کا لفظ، تیسرے "غالب" کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول صفحہ ۱۲۵ پر کہا گیا ہے :-

"یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل (یعنی مرقس اور لوقا) حواریوں کی نہیں ہیں"

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں :-

"تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعے کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اوّل میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی"

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتبِ اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انھوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انھوں نے گذشتہ قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متی کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عرامائی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعینہٖ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب ۱ فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہودا اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا[1] کا دوسرا و تیسرا رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور ۳۶۳ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹۷ء تک مشکوک النسبۃ تھے، یہاں تک کہ نائس[2] کے جلسے اور لوڈیشیا[3] کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی[4] گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

---

[1] یوحنا (حا مفتوح ہے) (John) جیبب بن زبدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اناجیل اربعہ میں سے چوتھی انجیل آپ ہی سے منسوب ہے، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں تین خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، آپنے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ "المعمد" کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

[2] نائس، روما کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

[3] لوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۶۴ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب التسلیم قرار دی گئی تھیں ۱۲

[4] سریانی در اصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ (تقریباً پانچویں صدی عیسوی) میں انطاکیہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (کچھ فنی مباحث میں) اختلاف کرکے الگ ہو گئے تھے، اس لئے ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسی (Mono physites) ہے، اس فرقہ کے افراد کی تعداد تقریباً چودہ لاکھ ہے، اور یہ فرقہ دوسرے عیسائیوں کی بہ نسبت کسی قدر توحید کی طرف [illegible]

رسالہ اور یہوداہ کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثۂ محرفہ[1] مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اقرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہوداہ کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب ۷ کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت، موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف استفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ:-

"ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے "

چھٹا قول صفحہ ۱۴۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

"سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے "

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ:

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

---

[1] پادری فنڈر کے ساتھ مصنفؒ کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈر نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بہت کچھ تحریف کر دی تھی، مصنفؒ اسے اپنی کتاب "مباحثۂ محرفہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن[ا] نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عنقریب باب ۲ ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر اُن کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء مصنفہ ولیم میور کے باب ۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تحریف کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفلِ مناظرہ میں شریک تھے، اور انھوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبرآباد میں طبع بھی کرایا تھا، انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک محضر لکھا کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً (قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربرآوردہ اور حکومتِ انگریزی کے ارکان تھے)،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے، کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بہانگِ دھل یوں کہہ رہا ہے:-

---

[ا] Origen "متقدمین علماءِ عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے (پیدائش ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء)، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے اکثر مذہب سے متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

"عیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے"

اسی طرح فرقہ مانی کیز کان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں بآواز بلند اعلان کرتا ہے:-

"یہ بات محقق ہو کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے منسوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہِ راست نہیں رکھتا، اور اس نے معتقدین عیسیٰ کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں"

جیساکہ آپ کو باب ۲ کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا۔

ساتواں قول صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے:-

"کسی پیغمبر نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ ؑ کے فرستادہ تھے"

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اوّل تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہو کیونکہ استفسار کے مصنف نے گوسالہ پرستی اور بُت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر پادری صاحب نے بُت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سلیمان علیہ السلام کے متعلق توریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بُت پرستی اختیار کرلی تھی، اور بُت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاوّل کے باب[1] ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارونؑ نبی نہ تھے قطعی باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب ۶ میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

آٹھواں قول پادری صاحب موصوف صفحہ ۱۵۲ پر اگسٹائن[2] کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

"کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا"

اس پر بھی دو اشکال ہیں، اوّل تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد (۱) میں اگسٹائن کا قول یوں بیان کیا گیا ہے:-

"واقعی یہودیوں نے توریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گذر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور مسیحی

---

[1] آیت ۲ تا آیت ۱۳،

[2] آگسٹائن (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور بشپ اور فلاسفر جو افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۳۹۵ء میں ہپّو کا بشپ مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹین" کے نام سے شائع ہو گیا ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۲ ت

مذہب کے عناد و دشمنی نے اُن سے یہ حرکت کرائی۔ قدماء مسیحیین کا نظریہ بھی اسی قسم کا تھا، وہ کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں سنہ ۱۳۰ء میں تحریف کی تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدماء مسیحیین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف سنہ ۱۳۰ء میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر ہے، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر ہے، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے۔ اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بیانگِ دہل یہ کہتے آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے، محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا عہدِ عتیق وجدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، استبشار کے مصنف نے تعجب اور تعریض کرتے ہوئے کہا ہے:-

"معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مصداق کیا ہے، شاید اُن کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جعلسازی کے جرم میں دوامی جیل کی سزا پائے۔"

ضروری نوٹ:- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے دو احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حد درجے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں :-

"کس نے تحریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟"

الحمد للہ: اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور بتادیا کہ یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اور تحریف کا زمانہ سنہ ۱۳۰ء ہے، اور تحریف کا سبب دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تحریف کردہ الفاظ میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا دعویٰ کرنا کہ مسیح نے توریت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج مسیح کے عرصۂ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں بلکہ جمہور قدماء مسیحیین ہیں،

نواں قول

صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں :-

"انجیل بواسطۂ حواریین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے"

پھر کہتا ہے :-

"حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں"

یہ بھی اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ کے بیان میں ذکر کی ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہوگا اس کو اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو، بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کاتبوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت ہو نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھدیتے ہیں، اسی طرح لفظ قضاۃ، راعوث، استیر اور ایوب بھی کتاب القضاۃ، کتاب راعوث کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جارہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونیکی دلیل نہیں ہو سکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجبِ تعجب ہو، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہوجانے کی بناء پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیساکہ استبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ:۔

"ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیساکہ پادری فنڈر ہے"

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفاء کریں،

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کر چکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کردیں تاکہ ناظرین کے لئے موجبِ بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دُوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضہ سے اُن کے حق میں یا اُن کے اہلِ مذہب کے حق میں نکل گئے ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصب شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ[1] ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور برمحل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے بھی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں:

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ا پر کہتے ہیں:۔

"اس مصنف کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے"،

پھر پولس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے:۔

"اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے"

اس عبارت میں انھوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں:۔

"مصنف نے تعصب کی بنا، پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی"

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں:۔

"اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے"

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:۔

"پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے لبریز ہے"

---

[1] یعنی طنزاً ۱۲

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں:۔

"کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے"

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ:۔

"مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا"

پھر صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گمراہی کے جال سے نکالے"

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ:۔

"یہ فقط اس کی جہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے"

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ:

"ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے، اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے"

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ:

"دوسری باطل باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے"

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ:۔

"یہ قول باطل اور بیکار ہے"

صفحہ ۵۰ پر:۔

"یہ بعینہٖ تکبر اور کفر ہے"

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ:۔

تصنیف کا دل تکبر اور عجب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے "

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

"یہ بعینہٖ جہالت اور انتہائی تکبر ہے "

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ :-

"یہ اس کی قطعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے "

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ :-

"اس کا بیان اعتبار کے درجہ سے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے "

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

"یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے "

صفحہ ۸۰ پر ہے کہ :-

"وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن قرار دے محض نامعقول اور حیلہ حوالہ ہے "

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں اُن کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱۷ پر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے "

پھر صفحہ ۱۱۸ پر ہے کہ :

"پھر اب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں"

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :

"انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں "

اپنے آخری خط میں فاضل ممدوح کے حق میں انھوں نے "فرار" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت قبیح ہے کہ اگر کسی دوسرے اُن کے حق

میں نکل جائے، تو شکریہ ادا فرماتے ہیں، اور اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ میں نے یہ الفاظ فاضل ممدوح کے حق میں اس لئے کہے ہیں کہ ان کے قلم سے اسرائیلی پیغمبروں کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تو یہ محض فریب دہی اور مغالطہ ہے، کیونکہ فاضل ممدوح نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ الزامی دلائل میں پادریوں کی تقریروں اور ان کے الزامی، عتراضات کے مقابلہ میں استعمال کئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے اوپر یہ بات لازم آئے گی، حالانکہ میں انبیاء علیہم السلام کے حق میں بدگمانی سے پاک ہوں، جو صاحب چاہیں وہ کتاب کے صفحہ ۸ وصفحہ ۷۷، وصفحہ ۵۰۸ و ۵۹۴ و ۶۰۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء ملاحظہ فرمالیں، انھیں ہمارے بیان کی تائید ملے گی،

کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۸۹ پر تمام مسلمانوں کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ:-

"مسلمان بڑے وسوسوں اور بیشمار باطل باتوں کے معتقد ہیں"

میرے دہلی واپس ہونے کے بعد پادری صاحب اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب کے درمیان ایک تحریری مناظرہ ہوا، جو ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں طبع ہو چکا ہے، اس میں پادری صاحب نے دوسرے خط مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۵۴ء میں یوں لکھا ہے کہ:-

"شاید جناب بھی ان کے ہی زمرہ میں داخل ہیں، (یعنی دہریوں اور لامذہبوں کے) جس طرح مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں لامذہب ہیں"

ڈاکٹر وزیر خان نے اس کے جواب میں چند باتیں لکھی ہیں جن میں یہ دو باتیں بھی ذکر کی ہیں کہ

"تم نے عام مجمع میں اقرار کیا ہے کہ توریت کے احکام ملسوخ ہو چکے ہیں، اور تم نے اس مجمع میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ سات یا آٹھ جگہ پر تحریف ہوئی ہے، اور متعدد

نسخوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کاتب کی وجہ سے حاشیہ کے فقروں اور جملوں کا متن میں داخل ہو جانا، اور بہت سے جملوں کا نکل جانا، اور بدل جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہبِ عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محرّف ہیں، اور ان کا تمھارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر بظاہر میں اس مذہب کو تھامے ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوتھرین کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سرخم کر دیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمھارا ارادہ جیسا کہ مجھ کو تمھارے ایک قلبی و جگری دوست (یعنی پادری فرنچ) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے اُن کی خوشنودیِ مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر ممدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)"

اب ملاحظہ فرمالیجئے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں سنیں تبدیلِ مذہب کی جو دو وجوہات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلِ مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سُنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

جاری کرتے ہیں،

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اور وہ ناپاک الفاظ جو اُس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انھیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقلِ کفر کفر نباشد،

جب ۱۸۴۴ء میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

"ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیمی الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمھارے "پیغمبر" یا "مسلمانوں کے پیغمبر" کا لفظ استعمال کرسکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہے ورنہ ہم گفتگو نہیں کرسکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی"

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۴۴ء میں یہ لکھا ہے:-

"خوب سمجھ لو: ہم تمھارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے "تمھارے پیغمبر یا مسلمانوں کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضیٰ ہوگا یہ بھی کہوں گا کہ محمدؐ رسول نہیں ہیں" یا جھوٹے ہیں۔ لیکن تم ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے ۔

پھر اس خط میں جو ۱۳ جولائی ۱۸۴۷ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے :۔

"یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لائیں ۔"

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۶ اپریل ۱۸۵۴ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے اس کے جواب مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا،

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ ان کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ اُن کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے، کہ" اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے ۔ اور اُس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے"، اور اُس کی غرض و مقصد محض جھگڑا اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند کر دیا ہے، اور قطع نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بُت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لامذہبوں کے گروہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے[1]"

اسی طرح اگر اس کی کتاب میزان الحق کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مغالطوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ:۔ "وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے"۔

اسی طرح اس کی اُس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث کے حق میں صادر ہوئی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ "یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلتِ علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بدفہمی اور تعصب کی دلیل ہے، اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ بعینہٖ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی ناواقفیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے"

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ اُن کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور ہیں، اور مسلمان عالم لائق ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

---

[1] یہ سب پادری صاحب کے الفاظ ہیں جو انھوں نے مسلمان علماء کی شان میں استعمال کئے ہیں، مصنفؒ انھیں الزاماً نقل کر رہے ہیں۔

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہل مذہب کو ایذاء دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

تیسری عادت

پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعوے کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرین قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہار کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء بزبان فارسی باب ۳ فصل ۱ صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸، اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴ صفحہ ۱۵ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زباں دانی کے بل بوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرأت کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گذشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے"

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان ہی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط اُن میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرمادیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم اُن کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل ہادی علی کے حق میں کہی ہے کہ "تکبر اور جہالت انسان کی عقل سلب کرلیتے ہیں، اور اس کی عقل وانصاف کی آنکھیں بند کردیتے ہیں" یا یہ کہہ دیں کہ "یہ عین جہالت اور تکبر ہے" تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہار حق ہوگا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں اُن کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماءِ اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ :-

"جو شخص کج روی کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر کے مطابق اور قوانینِ تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں"

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سُن لیا ہے، اب ہم اُن کے علم و فضل کے تین نمونے (تثلیث کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعووں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟

پہلا شاہد | پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

اُن کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے اُن آیاتِ قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اوّل کی فصل اوّل میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی تو بات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا قصور ہے، یہ نقش تو اُن کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو

دُوسرا شاہد

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے اظہار کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے:-

تمت ھذہ الرسالۃ فی سنۃ ثمانیۃ مائۃ وثلاثون والثلاث
بعد الالف مسیحی بالمطابق مائتان واربعین ثمانیۃ بعد الالف ھجری

اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-

تمت ھذہ الاوراق فی سنۃ ثمانیہ ملۃ وثلاثون السابعۃ بعد الالف
مسیحی وفی سنۃ مائتان اثنا وخمسین بعد الالف من ھجرۃ المحمدیۃ[1]۔

---

[1] افسوس ہے کہ ان عبارتوں سے "لطف اندوز" ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جا سکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذور ہیں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہٖ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

نیز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں مع الف ولام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، اُدھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ موصوف وصفت دونوں کو معرف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف سے الف لام کو ساقط کر دیا، یہ اُن کی تحریری فضیلت وکمال کا عکس ہے[1]،

تیسرا شاہد قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۴۰ پر انھوں نے پہلے سورۃ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ:-

"مریم ابنة عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا"

پھر سورۃ نساء کی آیت:-

"انما المسیح عیسی بن مریم رسول الله وکلمته القاها الی مریم وروح منه"

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی رُوح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس روح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہو، حالانکہ اس قول کا منشاء محض بغض وعداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دوسری آیت میں ہے، اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرفی قاعدہ کے بموجب

---

[1] قیاس کن زگلستان من بہار مرا ۱۲ تقی

فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجع ہیں"

اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اوّل تو ہم یہ معلوم کر کے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم ازکم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہے؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے! محض اس کا نام سُن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاء یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ بالا میں "روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے،

تیسرے سورۂ نساء کی آیت یوں ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوا خَيْرًا
لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَهُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

ترجمہ:- اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے "کلمہ"[۱] ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

---

[۱] "کلمہ" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمۂ "کُن" سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں (باقی صفحۂ آئندہ)

القاء کیا ہے، اور اس کی روح ہیں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے"

اس آیت میں وروح منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق "یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو" یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں؛

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے:۔ "اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آجاؤ اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے" یہ الفاظ اُن کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت کی ہے، مثلاً:۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ (مائدہ، رکوع ۱۲)	"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے"

اور

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (مائدہ ۱۰)	"نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ تھا اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو. عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیا کرتے ہیں، مگر مصنف اظہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب "ازالۃ الشکوک" صفحہ ۳۴ تا ۴۰ جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہو جس میں کلمۃ اللہ کے معنی قرآن، لغت عرب اور کتب مقدسہ کی رو سے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے ؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گذشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؛ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عدیم النظیر اور یکتائے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق و جدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و عہد جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظرِ عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے غور و تأمل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوتِ فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حسنِ ظن ہے کہ ان کے خیال میں اُن کا اردی ترجمہ اور رکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور اُن کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رائی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہوسکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

ثُمَّ سَوّٰاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ، "یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور اپنی روح اس میں پھونک دی"

اور سورۂ حجر اور سورۂ صٓ میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ	"اور جب میں اُسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا"

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے آدمؑ کے نفس ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۂ مریم میں جبرئیل کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :-

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ،	"پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا اپنی روح کو سو وہ اس کے سامنے پورا آدمی بنکر ظاہر ہوا"

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبرئیل ہیں، کتاب حزقیال کے باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیال کے معجزہ سے زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے "اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا" اس میں بھی خدا نے انسان کے نفس ناطقہ[1] پر لفظ "اپنی روح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیالؑ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنا پر جبرئیلؑ و آدمؑ بھی معبود ہوں،

لہٰذا سچی بات یہ ہے کہ وروح منه میں "رُوح" سے مراد نفس ناطقہ ہی ہے، اور مضاف محذوف[2] ہے، یعنی ذو روح منه (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

---

[1] "نفس ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۲

[2] یعنی "اللہ کی جانب سے رُوح والا" ۱۲

اضافت تشریفی ہے، اور بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ (وروح) ای ذو روح (منہ) (صدر منہ لا بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادۃ) "یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی مادہ اور اصل کے صادر ہوئی"۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی نہایت بچکانہ عبارت تھی۔ اور بعض فضلاء کے اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جدید نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال کی، جس کو نقل[2] کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب ہیں ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتے ہیں، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا اور فرمایا "طہر بیتی" (یعنی میرے گھر کو پاک کرو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ محض گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، ورنہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہو، اس اضافت کو "اضافت تشریفی" کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو "روح اللہ" کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ کعبہ کو "بیت اللہ" کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہو کہ بعض اوقات کسی چیز کی پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب فرما دیتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو سورۂ شمس میں "ناقۃ اللہ" (اللہ کی اونٹنی) فرمایا، یعنی وہ اونٹنی جو اللہ نے خلاف عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح "روح اللہ" کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر مادہ اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنفؒ نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۳۱ تا ۴۲ میں بڑی مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہو جس میں "روح" کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ سے ثابت کئے ہیں ۱۲ تقی

[2] اس عبارت کا حاصل یہ ہو کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہٰذا قرآن نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہو، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار کیا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہو، چنانچہ مصنفؒ نے اس کے ایک ایک جزء کی دھجیاں

(باقی برصفحہ آئندہ)

ایک واقعہ طیبیؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، وَكَلِمَتُهُ[1] أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو ہے، اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقدؒ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً، وَسَخَّرَ[2] لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ، اب اگر رُوحٌ مِّنْهُ کے معنی "اس کے جزو" کے لئے جائیں تو جَمِيعًا مِّنْهُ کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لازم آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور ایمان لے آیا۔

دوسرا واقعہ عیسائی فرقہ کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنا دیا کہ قرآن سے سات خداؤں کے وجود پر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بکھیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی "الوہیت" پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالۃ الشکوک کے صفحہ ۴۲ تا ۵۰ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطر میں قیمتی مواد ہے ۱۲

[1] یعنی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں" ۱۲

[2] یعنی "اور اللہ نے تمہارے لئے وہ سب مسخر کر دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ سب اسی کی طرف سے ہے" ت

استدلال کرو، ان نسات خداؤں کا وجود سورۂ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے،۔

حٰمٓ، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمھارے لئے ضروری ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۂ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء ذاتی وصفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگئی، ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے،

اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے ہیں کیا اُن کے پیشِ نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ "یہ مواد جس کی کوئی بنیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلّتِ علم اور باریک بین نہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شُدبُد ہوتی تو وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے" یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بات جائز ہو کہ اگر انھیں اپنے مخالف کے کلام میں پانچ چھ اقوال ایسے مل جائیں جو انکے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں تو مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی باطل اقوال اس مقدار سے چوگنا بھی زیادہ پائیں تو اس کو پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ "وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

جس کے واپس لَوٹانے سے تو عاجز ہو؎"

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت کو نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا احاطہ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفاء کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پروٹسٹنٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہئے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جواب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کرینگے، اور کمزور اور بودے بہانے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہوگا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

؎ عربی کے الفاظ یہ ہیں "لا تغتر باناً یعیبث سالغۃ، ولا تترم سہما یعجزک ردہ" ۱۲

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رَد کا کُل حجم اس حد تک نہیں پہونچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہے دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں

میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں، وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہونچ سکتی ہیں، یا پھر فرقۂ پروٹسٹنٹ کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ دوسرے حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیساکہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں ❊

پہلا باب

بائبل کیا ہے؟

- بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجۂ استناد
- اُن کے باہمی اختلافات
- اُن کی فحش غلطیاں

یہ کچھ نہیں

مگر چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے
رکھ لیے ہیں۔

اللہ نے

ان میں کوئی دلیل
نازل نہیں کی ہے

(النجم)

بابؑ اوّل

عہدِ قدیم وجدید کی کتابیں

پہلی فصل

کتابوں کے نام اور ان کی تعداد

عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ اُن پیغمبروں کے واسطہ سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گذر چکے ہیں،

دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعوی کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں، پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہدِ عتیقؑ اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہد جدید کہتے ہیں، اور دونوں عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبلؑ رکھتے ہیں، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں،

لہ آجکل اُسے پُرانا عہدنامہ Old Testament اور عہد جدید کو "نیا عہدنامہ" New Testament کہتے ہیں ۱۲ تقی سہ Bible

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدماء مسیحیین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

عہد قدیم کی پہلی قسم

اس مجموعہ میں ۳۸ کتابیں ہیں، (۱) سِفْرِ تکوین[1]، اس کا دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج[2]، (۳) سفر احبار[3] (۴) سفر عدد[4] (۵) سفر استثناء[5]،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی مجازاً یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

لہ یہ لفظ سین کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ "سِفْر" ہے جس کے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں ۱۲ ت

ٹہ اردو ترجمہ میں اس کا نام "پیدائش" ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ کی تاریخ ہے، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوگئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲

۳ہ اردو میں اس کا نام "خروج" ہی ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر اُن کی دعوتِ اسلام، فرعون کے غرق اور کوہِ سینا پر اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور تورات کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہوگیا ہے، اسے "خروج" اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲ ت

ٹہ اردو میں بھی اس کا نام "احبار" ہی ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں وہ احکام مذکور ہیں جو بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے دوران انہیں دیئے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں

۵ہ اسے اردو میں "گنتی" کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری سے لیکر اُن کے کنعان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے اردن کے کنارے دیئے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۱۲

لہ اسے اردو میں بھی "استثناء" اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے، اور اس میں وہ احکام اور واقعات مذکور ہیں جو "گنتی" کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک پیش آئے، اس کے کل ۳۴ باب ہیں ۱۲

(۶) کتاب یوشع بن نون (۷) کتاب القضاۃ (۸) کتاب راعوث (۹) سِفر صموئیل اول (۱۰) سِفر صموئیل ثانی (۱۱) سِفر ملوک الاول ---------- -

لہ اس کا نام اردو ترجمہ میں "یشوع" اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر عمالقہ سے جہاد کیا، جس میں کامیاب ہوئے، اس کتاب میں اُن کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

لہ اسے اردو میں بھی "قضاۃ" اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالتِ زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، اُن کی بُت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ اُن پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کردیتا جو اُن پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو اُن کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انھیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ اُن پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ "قاضی" کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام "قضاۃ" ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

لہ اس کا نام اردو میں "روت" اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوث کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی خاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوعز سے شادی کی جن سے عوبید ان سے یسی اور ان سے حضرت داؤد پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

لہ اس کا نام اردو میں "سموئیل" Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طالوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اول میں آپ کی نبوت، طالوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤد کا جالوت کو قتل کرنا اور طالوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں کُل ۳۱ باب ہیں ۱۲

لہ اس کتاب میں طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طالوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

لہ اسے اردو میں "سلاطین" اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، اُن کے دورِ حکومت، انکی وفات اور ان کے بعد اُن کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کُل ۲۲ باب ہیں ۱۲ ت

(۱۲) سفر الملوک الثانی[1] (۱۳) السفر الاول من اخبار الایام[2] (۱۴) السفر الثانی من اخبار الایام[3]، (۱۵) السفر الاول لعزراء[4] (۱۶) السفر الثانی لعزراء، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا[5] بھی ہے،

---

[1] اس میں اخی اب کی وفات سے صدقیاہ کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے کل ۲۵ باب ہیں ۱۲ ت

[2] اس کو اردو میں "تواریخ" اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرۂ نسب، حضرت داؤدؑ تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات مذکور ہیں، اور اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ تقی

[3] اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے احوال صدقیاہ تک مرقوم ہیں، اور بنوکد نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے اس کے کل ۳۶ باب ہیں ۱۲ تقی

[4] اس کا نام اردو میں عزراء اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فارس (جسے تورات میں خورس کہا گیا ہے) کا بنوکد نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن یہودیوں کو وطن واپس لانا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں کل ۱۰ باب ہیں ۱۲ ت

[5] نحمیاہ Nehemiah شروع میں یہ آرتخششتا Artaxerxes شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنوکد نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُجڑنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر میں حصہ لیا اُن کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے کل ۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱۷) کتابؔ ایوب (۱۸) زبورؔ (۱۹) امثالؔ سلیمان (۲۰) کتابؔ الجامعہ (۲۱) کتابؔ نشید الانشاد، ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

لہ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحر میت سے مشرق میں ایک شہر عوض کے نام سے تھا، آپ وہاں پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی، توراۃ میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے، اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوبؑ کے تین دوستوں تیمانی، الیفز، سوخی بلدد اور نعاتی صوفر کے ساتھ مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوبؑ پر یہ بلائیں ان کی کسی خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں ۴۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲ تقی

ٹہ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms ہے، یہ اسی کتاب کی محرف شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی" یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

تہ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Broverbs کہتے ہیں، یہ امثال اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اول (۴-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں

ٹہ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا واعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۲

ھہ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon ہے، اور یہ بقول نصاریٰ ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب سلاطین اول میں ہے کہ: "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۴-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲ ت

(۲۲) کتاب[1] اشعیاء (۲۳) کتاب[2] ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاء[3] ....

---

[1] اس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاء بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سنحیرب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاء علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے، کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت شعیاہؑ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، یہ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیاہ، یوتام، آخز اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

[2] اردو میں اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jermiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت شعیاءؑ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کو روکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہوگیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپنے اس بات کو ظاہر فرمادیا، اور توراۃ کے مطابق انھیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپکو اذیتیں دیں تو بالآخر بنوکدنصر (جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے) نے یروشلم پر حملہ کردیا، اور یہ شہر نیست و نابود ہوگیا، تو آپ مصر تشریف لیگئے، قرآن کریم نے اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ الخ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہو، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بداعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کل ۵۶ باب ہیں ۱۲

[3] اسے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں Lamentations کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہوگیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا، تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحے کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کل ۵ باب ہیں ۱۲ تقی

(۲۵) کتابؔ حزقیال (۲۶) کتابؔ دانیال (۲۷) کتابؔ ہوشع (۲۸) کتابؔ یوایل (۲۹) کتابؔ عاموس

؎ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel ہے، یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پیچھے گذر چکا ہے) اور اس میں اُن کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

؎ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے، یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں توریت کی یہ روایت ہے کہ بخت نصر جن علماء کو یہوداہ سے جلا وطن کرکے بابل لے گیا تھا اُن میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے پر انھیں صوبۂ بابل کا حاکم بنا دیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو اُن کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیالؑ کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۲

؎ اس کا نام اردو میں "ہوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ ہوسیع بن بیری نبی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر ہمیں نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخز، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اسی زمانہ میں یہ کلام اُن پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بداعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۲ ت

؎ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات نبی ہیں، اور اس تین بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بداعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲ ت

؎ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات نبی تھے، شروع میں تقوع شہر Teko'a میں چرواہے تھے، پھر تقریباً ۷۸۳ ق م میں نبی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب اُن پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بدکاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزا میں ان پر شاہ اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲ تقی

(۳۰) کتاب[۱] عبدیاه (۳۱) کتاب[۲] یونان (۳۲) کتاب[۳] میخا (۳۳) کتاب[۴] ناحوم (۳۴) کتاب[۵] حبقوق (۳۵) صفونیا[۶]، . . . .

---

[۱] عبدیاه Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول نصاریٰ حضرت عبدیا علیہ السلام کا ایک خواب ہے، اس خواب میں شہر ادوم Adom کے متعلق کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ب

[۲] اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو مشہور پیغمبر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے نینوا کی جانب مبعوث ہونے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصے سے قدرے مختلف ہے ۱۲

[۳] اسے اردو میں "میکاہ" اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخا مورشتی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے، اور بنی اسرائیل کو اُن کی بداعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کرکے نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین $\frac{۳۲}{۲۹}$ میں اور یرمیاہ $\frac{۲۶}{۱۸}$ میں مذکور ہے، اس کتاب میں ۷ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۲

[۴] ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا کچھ سُراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں اُن کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں نینوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ت

[۵] حبقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانۂ بعثت مشکوک ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنوکد نصر کے حملۂ یروشلم سے قبل تھے، کتاب حبقوق میں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیوں پر توبیخ اور حملۂ بنوکد نصر کی پیشگوئی ہے اس کے ۳ باب ہیں ۱۲

[۶] اردو میں صفنیاہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ جو تین بابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنوکد نصر سے ڈرایا ۱۲ تقی

(۳۶) کتاب[1] حجی (۳۷) کتاب[2] زکریا (۳۸) کتاب[3] ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گذرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدماء مسیحیین کے نزدیک معتمد اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ[4] کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلّم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] حجیؔ، الف مقصورہ کے ساتھ Haggai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ (تقریباً ۵۲۲ ق م) میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو اُبھارا، جیساکہ کتاب عزرا (۵: ۱) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو توبیخ ہے ۱۲ ت

[2] زکریاہ Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی (۳: ۸ و ۹: ۹)، پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح رہے کہ یہ وہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے)

[3] اس کا نام اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ م کی پیشگوئی (۳: ۱) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ت

[4] "سامری" یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامرہ Somaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں سے بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلّمہ کتب کی تعداد، جیساکہ مصنفؒ نے بیان فرمایا ہے، دوسرے عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جرزیم پر عبادت کرتے ہیں جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منسّی نے (جس کا ذکر عزرا ۱۳: ۲۸ میں ہے) ایک ہیکل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

عہدِ عتیق کی دُوسری قسم

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل ۹ کتابیں ہیں:-

(۱) کتاب[۱] آستر (۲) کتاب[۲] باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب[۳] طوبیا (۵) کتاب[۴] یہودیت (۶) کتاب[۵] دانش

---

[۱] اسے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخسویرس Ahasucrus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہوکر اس سے شادی کرلی، اس کے وزیر ہامان نے آستر کے باپ مردکے سے ناراض ہوکر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو رُکوایا یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

[۲] اس کا نام اردو میں "بارُوک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام کے شاگرد اور اُن کے کاتبِ وحی تھے، ہر دُکھ درد میں اُن کے ساتھ رہے، جیساکہ کتاب یرمیاہ ۳۲ : ۱۳ تا ۱۶ اور ۳۶ : ۴ تا ۳۲ اور ۴۳ : ۳ تا ۱۶ اور ۴۵ : ۱ تا ۳) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقہ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں، کیتھولک بائبل میں ہے ۱۲

[۳] طوبیا Tobit نفتالی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں اشور چلا گیا تھا، اس کا لقب "البار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پرخطر سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

[۴] "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے

[۵] اسے دانشِ سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں، یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تقی

(۷) کلیسائی پند و نصائح[1] (۸) کتاب المقابین الاول[2] (۹) کتاب المقابین الثانی[3]

عہد جدید کی کتابیں یہ کل بیس[۲] ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہے یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی[4] (۲) انجیل مرقس[5] (۳) انجیل لوقا[6] --------

---

[1] کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یا واعظ، یہ ۲۰۰ ق م کے ایک شخص مسیح ابن سروش کے پوتے کی طرف منسوب ہے، اور اس میں ابن سروش کی کچھ حکمتیں درج ہیں، اور ادبی اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

[2] مکابیوں کی پہلی کتاب ہے، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگذشت ہے ۱۲ ت

[3] مکابیوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایسڈریس تین بچوں کا گیت، بعل اور اژدہا اور منسی کی دعا، یہ پانچ کتابیں بھی مختلف فیہ ہیں اور انہی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو "اپاکرفا" Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ انھیں الہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲ ت

[4] یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۰۲ کا حاشیہ[۳]) اور اس میں حضرت عیسیٰ ؑ کے نسب نامہ سے لیکر عروج سما تک کے واقعات درج ہیں، ضمناً بہت سے احکام بھی آئے ہیں، اس کے کل باب ۲۸ ہیں ۱۲ ت

[5] یہ مرقس (میم اور قاف پر پیش ہے) یہ حضرت عیسیٰ ؑ کے حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۴۹) کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا کلیسا انھوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں ۶۸ء میں قتل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح ؑ کی تشریف آوری پر ہوئیں اور حضرت عیسیٰ ؑ کے عروج آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ باب ہیں، انگریزی میں اسے Mark کہا جاتا ہے

[6] لوقا Luke اپنے زمانہ میں طیمتھیس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہے جیسا کہ (کلسیوں کے نام ۴: ۱۴) اور (اعمال ۱۶) سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً ۷۰ء میں انتقال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں عروج آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲ تقی

(۴) انجیل یوحنا[1]، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انکلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب[2] اعمال حوارین (۶) پولس[3] کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس[4] کا خط

---

[1] یوحنا (دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہا ہے) کی تشریف آوری کے بعد کے حالات سے حضرت عیسیٰؑ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲ ت

[2] اردو میں اس کا نام "رسولوں کے اعمال" Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰؑ کے بعد حوارین کی کارگذاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روما پہنچنے تک (تقریباً ۶۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲ ت،

[3] The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶ پہ) گذر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخرج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸ : ۲) اس خط میں اولاً تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۱۲ ت

[4] Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اول تو انھیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے پھر باب ۷ میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، باب ۸ سے بت پرستی کی برائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب ۱۲ سے انھیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب ۱۵ میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب ۱۶ میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے ۱۲ تقی

قورنیثوس کی جانب (۸) دوسرا[1] خط انہی کی طرف (۹) پولس[2] کا خط غلاطیہ والوں کیطرف (۱۰) پولس[3] کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلپّس[4] والوں کی طرف (۱۲) پولس کا خط قولاسائس[5] والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی[6] والوں کی جانب،

---

[1] شروع کے ۶ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں، پھر باب ۷ سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ تقی

[2] "گلتیوں کے نام" یہ گلتیہ (Galatia) Galatians کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام انقرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ۵۳ء میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں کے لوگ کسی اور مذہب سے متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انھیں ارتداد سے روکنے اور اپنے مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ ت

[3] افسس Ephesus - ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا، (دیکھئے اعمال ۱۹: ۱۰) ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر مشتمل ہے، انھیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۲

[4] "فلپی" Philippi کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے. جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا (اعمال ۱۶: ۱۲-۴۰) اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

[5] اس کا نام اردو میں "کلسے" Colosae ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر تھا، اس خط میں مسیحیت پر ان کی ہمت افزائی اور بد اعمالیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۲

[6] "تھسلنیکے" Thessalonica مقدونیہ کا ایک شہر جو آجکل ترکی میں ہے اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲ ت

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ[1] ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ[2] تیموتاؤس کی طرف (۱۶) اسی کا دوسرا رسالہ[3] اُسی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ[4] تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ[5] فیلیمون کی جانب (۱۹) پطرس کا پہلا رسالہ[6] (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ[7]، سوائے بعض جملوں کے،

عہدِ جدید کی دوسری قسم

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل سات کتابیں ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اوّل کے :-

(۱) پولس کا رسالہ[8] جو عبرانیوں کی جانب ہے ---

[1] اس خط میں مخاطبین کی نیکیوں پر انکی ہمت افزائی اور انکے طرز عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کُل ۳ باب ہیں ۱۲ تقی

[2] تیمتھیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا (اعمال ۱۶، ۱ ، ۳) و (۱۷ : ۱۴) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱: کرنتھیون ۱۶ ۱۰) و (فلپیون ۲ : ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲ ت

[3] اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتھیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۴ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

[4] ططس Titus یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلتیون ۲ : ۱) پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیون ۲ : ۱۳) پولس نے اسے کریتے شہر Crete میں چھوڑا تھا، تاکہ وہ تبلیغ کرے (ططس ۱ : ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بشپوں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲

[5] فلیمون Philemon پولس کا ہمسفر اور ساتھی تھا، انیسمس کو پولس نے اس کے پاس بھیجتے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲ ت

[6] پطرس Peter تعارف کرایا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ اُن کا عام خط ہے، اور اس کے مخاطب بنطس، گلتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور بتھنیہ کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲ ت

[7] اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ ت [8] اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گذر چکا (دیکھئے صفحہ ۱۷۲ کا حاشیہ) ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ[۱] (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ[۲] (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ[۳] (۵) یعقوب کا رسالہ[۴] (۶) یہودا کا رسالہ[۵] (۷) مشاہدات یوحنا[۶]،

کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء کی مجلسیں

اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ۳۲۵ء میں پادشاہ قسطنطین[۷] کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائس[۸] میں ہوا، تاکہ مشکوک

---

[۱] اس میں جھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت

[۲] یہ خط ایک خاتون کے نام ہے جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اس میں ۱۳ آیتیں ہیں ۱۲ تقی

[۳] یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور ہمت افزائی ہے ۱۲ تقی

[۴] یہ یعقوب James بن یوسف نجار ہیں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں . . . اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حوارئین میں سے ایک یعقوب بن زبدی یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں) اس عام خط میں انھوں نے مختلف اخلاقی ہدایات دی ہیں ۱۲

[۵] یہودا اور تدادس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۱۴: ۲۲) میں ہے، اس خط میں جھوٹے دعویداروں سے اجتناب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرلیا تھا یہ نہیں وہ یہودا اسکریوتی ہے) ۱۲

[۶] یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ت

[۷] یہ قسطنطین اول Cousiantine I ہے، جس کے نام پر بیزنطیہ کو قسطنطنیہ کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۲ ت

[۸] شہر نائس، اس شہر کا مشہور نام نیقیہ Nicaea ہے، اور یہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیقاوی

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیروم[1] نے اس کتاب پر لکھا ہے،'

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۳۶۴ء منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پر سات دیگر کتابوں کا اضافہ کر کے اُن کو واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کا رسالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہوداہ کا رسالہ (۷) پولس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب،'

اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ مؤکد کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسلّمہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی،

اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارتھیج[2] کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکاء میں عیسائیوں کا مشہور فاضل آگسٹائن اور ایک سو چھبیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

---

[1] St. Jerome عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر ۳۴۰ء میں پیدا ہوا، اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اسی سلسلہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں، ۴۲۰ء میں انتقال ہوا، لیکن یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے بظاہر جانس کا شاگرد جیروم متوفی ۱۲۱۶ء مراد ہے،

[2] Carthage

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا:۔

(۱) کتاب دانش، (۲) کتاب طوبیاہ (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسائی پند و نصائح (۵و۶) مقابین کی دونوں کتابیں (۷) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکا نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاہ کا تقریباً جزء قرار دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاہ علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے ان لوگوں نے اسماءِ کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں، مجلسِ ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلسِ ٹرنٹ، ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارتیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا، صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان اسلاف کے فیصلوں سے فرقۂ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۳۰۰ء تک بدستور قائم رہی، یہاں تک کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا، جنھوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرّد اور غیر مسلّم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے فیصلہ کو رَد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں اُن کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۹ ابواب اور باب ۱۰ کی تین آیتوں کے متعلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب التسلیم ہیں. اور باقی چھ ابواب واجب الرّد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کئے :-

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جالدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے.

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ جیروم کہتاہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں.

۵۔ کلوس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں.

میں کہتاہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے اُن کو تسلیم نہیں کیا. یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مآل ایک ہی ہوا،

۶۔ یوسی بیس نے کتاب رابع کے باب ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرّف ہوچکی ہیں خصوصاً مقابین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ۱ اور ۳ و ۶ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور بزرگوں کی بددیانتی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب التسلیم ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور مآخذ ناپید ہوچکے ہوں، ان کے صرف تراجم باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہوچکی ہیں، بالخصوص مقابین کی دوسری کتاب، اب بتایئے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں اُن کے اجماع یا اتفاق کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیتھولک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں.

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے سے لکھی گئی، اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہونچی ہے، اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان و وہم کی بنیاد پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تکوین کی سفر صغیر، کتاب المعراج، کتاب الاسرار، کتاب ٹسٹمنٹ اور کتاب الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سفر رابع عزرا، عزرا کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج اشعیاء اور کتاب مشاہدات اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام کی مشہور کتاب کے علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو اُن کی جانب منسوب ہے، اور متعدد ملفوظات ہیں جو حبقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبوریں ہیں جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب مذکورہ کے کچھ کتابیں ہیں جو ستر سے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریمؑ اور حواریوں کی اور اُن کے تابعین کی جانب منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت اور جھوٹ ہیں، آج اس دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ کے تمام کلیسا متفق ہیں، اسی طرح

عزرا کی تیسری کتاب جو اُن کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک عہدِ عتیق کا جزء اور مقدس و واجب التسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ باب ۲ میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دانش و کتاب پند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزء کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب التسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،

پھر جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی حواری یا نبی کی جانب کرنے سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب التسلیم ہو گئی؟ اسی طرح ہم محض ان کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے بارہا اُن کے بڑے بڑے علماء سے سندِ متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور ایک پادری نے تو اس مناظرہ میں جو میرے اور اُن کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس سند موجود نہ ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ سال تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے اُن کی اسناد کی کتابوں میں بہت کچھ کھود کرید کی، مگر سوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی بنیاد محض ظن اور بعض قرائن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں محض گمان کی کوئی بھی قیمت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہٰذا جب تک وہ لوگ کوئی شافی دلیل اور سندِ متصل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہوگا، دلیل پیش کرنا اصولاً اُن کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی سند پر گفتگو کرنا چونکہ موجبِ تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:۔

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ اُن کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

موجودہ تورات حضرت موسیٰؑ کی کتاب نہیں

اس کے دلائل

پہلی دلیل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلۂ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیاہ[1] بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا[2] ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً - - - - - - - - - - -

---

[1] یوسیاہ　Josiah　یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی

[2] ۲۔ سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یوسیاہ سے بہت پہلے سے توریت کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل صاف کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اُسے اپنا دستور العمل بنالیا، $\frac{23}{21}$ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے "عید فسح" (دیکھئے حاشیہ ص ۳۴۴) اس کتاب کے مطابق نہیں منائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جارہا ہے، جس کا ماننے والا سالہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی

بخت نصر[۱] کے حادثہ سے پہلے ضائع ہو چکا، اس حادثہ میں نہ صرف توریت معدوم ہو گئی، بلکہ عہد عتیق کی تمام کتابیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزرا ؑ نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا[۲] تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول انٹیوکس کے حادثہ[۳] میں ضائع ہو گئیں،

دوسری دلیل

تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب عزرا علیہ السلام نے حجی اور زکریا پیغمبروں کی اعانت سے لکھی ہے،

---

[۱] بخت نصر جسے بنوکدنصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (تورات میں یہی نام مذکور ہے) بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کرکے اسے بری طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشنگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھی ۱۲

[۲] دیکھئے ۲۔ ایسڈریس ۱۴: ۱۹-۴۸ جس میں اُن کتابوں کے نذر آتش ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے (ہماری کتب مقدسہ ص ۴۵) لیکن نحمیاہ کے باب ۸ میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسڈریس کی تائید کرتا ہے، اس سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ کتاب توریت ضائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزرا ؑ نے لکھ کر پھر سب لوگوں کے سامنے اُسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل (Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۳ء) میں بھی ایسڈریس سے وہ باب ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسڈریس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے پاس اگرچہ ایسڈریس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جائے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسڈریس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے: "یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسڈریس ۱۴: ۲۰ تا ۲۹ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ توریت چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزرا ؑ نے اُسے دوبارہ لکھا" (ص ۱۰۵، ج ۳، مقالہ بائبل بحث عہد قدیم فہرست مسلّمہ)، پادری جی ٹی مینلی نے بھی بائبل ہینڈ بک میں ایسڈریس کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے (ص ۴۵)

[۳] انٹیوکس چہارم اپی فینس Antiochus ایشیائے قریب کا مشہور بادشاہ جس نے ۱۶۹ ق م میں یروشلم پر قبضہ کرکے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسکے حملہ کی داستان اور تورات کے جلائے جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیون ۱: ۵۹، تقی

مگر تینوں پیغمبروں کا کلام سفرِ اوّل کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دو اعتبار سے مخالفت کی ہے، اوّل تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ باب ۷[1] سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور باب ۸[2] سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور توراۃ[3] سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفرِ اوّل کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشاء یہ بیان کیا ہے کہ عزرا نے ... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن کو انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پیغمبر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ ع والی توراۃ یہی مشہور توریت مانی جاتی تو یہ تینوں پیغمبر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرائ کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کرکے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرائ نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

---

[1] بنی بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعیل، یہ تینوں (۱- تواریخ ۷: ۶)

[2] اور بنیامین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا، دوسرا اشبیل، تیسرا اخرخ، چوتھا نوحہ اور پانچواں رفا (۸: ۱)

[3] "بنی بنیمین یہ ہیں، بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان، اخی، اور روس، مفیم اور حفیم، اور ارد (پیدائش ۴۶: ۲۱) تقی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰ ؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہے جس کو عزرائے نے لکھا تھا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ ان قصّوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کئے بغیر جمع کر دیا تھا، ان تینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک، پیغمبر جس طرح کبائر کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تحریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اوّل کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

تیسری دلیل

جو شخص بھی کتاب حزقیالؑ کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ[1] کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے، اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں تین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸، آیۃ ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اُٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی"

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

[1] ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہو، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تقی

یہی حق بات ہے، چنانچہ قرآن نے کہا ہے:۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (نجم)	اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۔

چوتھی دلیل جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیا و کتاب ارمیاہ و کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنے حالات یا دیکھے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰؑ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰؑ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰؑ کو تمام مقامات پر غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰؑ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے متکلم کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ متکلم کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایۂ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو شخص ظاہر کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی،

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہوسکتی کہ یہ موسیٰؑ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مؤلف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہوسکتا، بلکہ یا ان کا معصر ہوسکتا ہے: یا اُن کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب ۲ کے مقصد ۲ میں انشاء اللہ تفصیل سے آنیوالے ہیں،

مسیحی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھادیئے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ اُن کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں ہو، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰؑ کی تصنیف نہیں ہے،

چھٹی دلیل

خلاصہ سیف المسلمین کے مصنف نے انسائیکلوپیڈیا پینی جلد سے نقل کیا ہے:-

"ڈاکٹر سکندر گیڈس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہا ہے کہ":

مجھکو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوئی ہیں: (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کنعان یا اورشلیم میں لکھی گئی ہو، یعنی عہد موسوی میں، جب کہ بنی اسرائیل صحرائی زندگی گذار رہے تھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف داؤد علیہ السلام سے پہلے اور حزقیال ؑ کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور ہے، یعنی ولادت مسیح ؑ سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور جس میں ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوئی ہے ''

ساتویں دلیل

فاضل نورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ:-

''توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتدبہ اور کافی فرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۹۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اُس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتدبہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل لیوسلن نے جن کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں ''

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور ظاہر ہے کہ نورٹن اور لیوسلن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

آٹھویں دلیل

کتاب استثناء باب ۲۷ آیت ۵ میں ہے کہ:-

'' اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوہے کا کوئی اوزار اُن پر نہ لگانا"

پھر آیت ۸ میں ہے :-

"اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا"

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں ہے کہ :-

وبرآں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ بحسنِ وضاحت تحریر نما ،	"اوران پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو حُسن وضاحت سے لکھ"

اور ۱۸۴۵ء کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں :-

وبراں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ رابخط روشن بنویس ،	"اوران پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو روشن خط میں لکھ"

اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ :-

"اس نے حضرت موسیٰؑ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراۃ لکھی"

چنانچہ اسی باب کی بتیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے :-

درانجا تورات را براں سنگہا نقل نمود کہ آں را پیش روئی بنی اسرائیل بہ تحریر آوردہ ۔	"اس جگہ موسیٰؑ کی تورات کو ان پتھروں پر نقل کیا، تاکہ اس کو بنی اسرائیل کے سامنے تحریر میں لاتے"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں :-

درانجا براں سنگہا نسخہ تورات موسیٰؑ راکہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت ،	"اس جگہ ان پتھروں پر موسیٰؑ کی تورات کے نسخہ کو جو بنی اسرائیل کی موجودگی میں لکھا گیا تھا، لکھا"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو قربان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اُس کے لئے قربان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے بلفظ دیگر وہی بات ہے جو ہم نمبر ۴ میں بیان کر چکے ہیں،

نویں دلیل

پادری نورٹن کہتا ہے کہ:۔

"موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا"

اس دلیل سے اس کا مقصود یہ ہے کہ جب اُس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوئے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ:۔

"گذشتہ زمانہ میں لوگ لوہے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے اُن تختیوں کے عوض درخت پیپرس کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر برگس میں وصلی ایجاد کی گئی، اور آٹھویں صدی میں رُوئی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرھویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے"

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو نورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

دسویں دلیل

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس عیب سے بلند و بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۴۶، آیت ۱۵ میں ہے کہ:۔

"پس یہ لیاؔ[1] کے وہ بیٹے ہیں جو اُس کے پیٹ سے فدان ارام میں پیدا ہوئے اور دیناؔ اس کی بیٹی بھی، لہٰذا اس کے کُل بیٹا بیٹی ملا کر ۳۳ نفوس تھے "

اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صحیح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف اُن کے مشہور مفسّر ہارسلے نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

"اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دیناؔ کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفاؔ[2] کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سارا بنت آشیر منجملہ ۱۶ کے ایک ہے "

اسی طرح کتاب استثناء کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے "

یہ بھی غلط ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد فارصؔ[3] تک

---

[1] یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے: "یہ سب یعقوب کے اُن بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدان ارام میں لیاؔ سے پیدا ہوئے، اسی کے بطن سے اس کی بیٹی دینہؔ تھی، یہاں تک تو اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا (پیدائش ۴۶ : ۱۵) ۱۲

[2] یعنی لیاؔ کی اولاد بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں زلفہؔ (جو حضرت یعقوبؑ کی باندی تھیں) کی اولاد کا ذکر ہو جن کی تعداد ۱۶ بیان کی گئی ہے، یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک لڑکی ساراؔ کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیاؔ کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے ۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ خود توریت کے الفاظ یہ ہیں: "اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا" اس میں تصریح ہے کہ بیٹیوں کو شامل کیا گیا ہے ۱۲

[3] فارصؔ حضرت داؤدؑ کے نویں باپ ہیں (تواریخ ۲: ۴ تا ۱۶) ۱۲ تقی

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارص ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸[1] میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں[2] پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی ولوقا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہد نمبر ا میں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی،

گنتی کے باب ا میں ہے کہ:-

"سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچسو پچاس تھا، پر لاوی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گنے گئے، (ا: ۴۵ تا ۴۷)"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی، اور لاوی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جانیوالے مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملالیں تو مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے

---

[1] آیات ۱۵ تا ۱۹ و ۲۷ تا ۲۹، ت

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں ہیں، جیسا کہ متی (۱: ۳-۶)، اور لوقا (۳: ۳۱-۳۳) اور ا۔ تواریخ (۲: ۴ تا ۱۵)، سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجوہ سے غلط ہے[1]،

پہلی وجہ بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت کُل ۷۰ تھی، (جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں اور سفر خروج باب آیت ۵ میں، اور سفر استثناء باب ۱۰ آیت ۲۲ میں موجود ہے)، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاہد ۱ میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، ادھر سفر خروج باب[2] میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد، یعنی داخلۂ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت قیامِ مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کر لی جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دوگنے ہو جاتے تھے تب بھی

---

[1] چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، دینر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب کاتبوں اور فقیہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہو گئی۔ جی ٹی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابلِ قبول قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں۔ (دا ئبل ہینڈ بک بذیل کتاب استثناء) لیکن مصنفؒ نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص پانچویں وجہ کے) پیشِ نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، یہ سمجھ سے باہر ہے کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیامِ مصر کے دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھائی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس وقت بڑھائی گئی، جبکہ کثرتِ تعداد ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۲ تقی

[2] کتاب ہذا، ص ۶۹۷ و ۶۹۸ ، ۵۳ آیت ۱۶ ،

اس عرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہونچ سکتے، چہ جائے کہ پچیس لاکھ بن جائیں اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا عقلاً ممتنع ہونا نہایت واضح ہے،

دوسری وجہ یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد اس سے بڑھکر اتنی زیادہ ہو جائے اور ان کے مقابل قبطی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا رہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلاوطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

تیسری وجہ سفر خروج باب ۱۲[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور گائے، بکری بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا[2] کو پار کر لیا تھا، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے[3]، اور کوچ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا[4]،

چوتھی وجہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو اُن کی اور اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ، اسی طرح ایلیم[5] میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہو گئے؟

---

[1] آیت ۳۹　[2] ۱۹/۵　[3] ۲۱/۱۳　[4] ۱/۱۴

[5] ایلیم Elim بحر احمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پاکر پڑاؤ ڈالا تھا، خروج ۲۷/۱۵ ، ت

پانچویں وجہ

کتاب استثناء باب ۷ آیت ۲۲ میں ہے کہ:

" اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع کرے گا، تو ایک ہی دم اُن کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں"

ادھر یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً نوّے میل تھی، جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۵ مطبوعہ ۱۸۴۰ء شہر فانتریں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلّط اور قابض بھی ہو گئے تھے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے[1]، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے (جس کی پیمائش مذکور ہو چکی) کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ[2] میں اس تعداد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے اندر "جنگلی درندے بڑھکر تجھ پر حملہ کرنے لگیں" کے بجائے جنگلی درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں (لئلا یکثر علیک دواب البر) اور انگریزی "Lest the beasts of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر تمام لوگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی [illegible] ان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے تو درندوں سے اُن کو کیسے خطرہ پیش آسکتا ہے؟ ۱۲ ت

[2] صفحہ ۱۳ طبع بیروت ذکر مغالط المورخین، علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیئے ہیں جن میں سے ایک اہم یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایک صف کو دوسری صف کا علم نہ رہیگا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ اُن پر بخت نصر کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، اُن کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا،

کہا ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیل میں صرف تین پشت کا[1] فاصلہ ہے، اور یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اُس تعداد کو پہونچ جائے،

لہٰذا اچھی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی مدّت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہِ مصر اُن پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طورِ سینا کے اِرد گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلّط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ کتاب کے پاس اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، پھر جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر اُن کتابوں کو تسلیم کرنا واجب واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رَدّ کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

کتابِ یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتابِ یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آجتک

---

[1] سب نسخوں میں "ثلاثۃ" کا لفظ ہے، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے۔ تقی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جر ہارڈ اور ڈیوڈ پیوٹ و ہیرک اور ٹاملائن اور ڈاکٹر کری کی رائے یہ ہو کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہو،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فینحاس کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

وانٹل کہتا ہے کہ یہ سموئیل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیاہ علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیاءؑ کے درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فصل ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بیّن دلیل ہو کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اٹکل پچّو اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرائن اس کے پاس ایسے جمع ہو گئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صموئیل ثانی کے باب ۵

لہ انسائیکلوپیڈیا میں ہو "اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہو جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کا عینی شاہد ہو اور وہ شہر اڈیسہ Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برٹانیکا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

لہ فینحاس Phinehas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر گنتی ۲۵/۷ و ۳۱/۶، زبور ۱۰۶/۳۰، یشوع ۲۲/۱۳، قضاۃ ۲۰/۲۸ میں آیا ہے ۱۲ تقی

آیت ۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[1]، اسی لئے تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہا ہے کہ "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[2]"

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب ۱۰ کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات[3] ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں تراجم میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسار اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

---

[1] اس لئے کہ سموئیل ۱۵:۶۳ میں مذکور ہے کہ "یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوتے ہیں" اور کتاب سموئیل ۵: ۶ تا ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یبوسی یروشلیم میں بسے ہوئے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

[2] اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶:۱۰ میں مذکور ہے کہ کنعانی "آج تک" جزر میں بسے ہوئے ہیں، اور ا۔سلاطین ۹:۱۶ میں ہے کہ فرعون نے حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمانؑ سے پہلے لکھی گئی ہے، چنانچہ جی، ٹی، مینلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "۱۵:۶۳ کا ۲ سموئیل ۵:۶ اور ۱۶:۱۰ کا ا۔سلاطین ۹:۱۶ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رحبعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی جا چکی تھی" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۲۶)

[3] ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے "کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟" اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سموئیل ۱:۱۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تقی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے سوائے اس کے کہ سفر صموئیل ثانی، باب ۱ آیت ۱۸[1] سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بناء پر غالب قیاس یہی ہے کہ کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معتبر ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ[2] چند وجوہ سے باطل ہے،

پہلی اور دُوسری وجہ پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

تیسری وجہ اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر پڑیں گی، عیسائی علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے ملحقات[3] میں سے ہے، یہ دعویٰ

---

[1] اس میں بھی کتاب یاشر کا حوالہ دے کر ایک مرثیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ تقی

[2] یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲ ت،

[3] یعنی اصل کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھادیں ۱۲ ت

قطعی غلط اور بلا دلیل ہے، اس کے لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابلِ سماعت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ جملے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ یوشع کی تصنیف نہیں ہے،

چوتھی وجہ اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے:۔

"اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو اُن کے گھرانوں کے مطابق میراث دی، اور اُن کی سرحد یہ تھی، یعزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک عروعیر تک جو ربہ کے سامنے ہے۔"[1]

اور استثناء باب ۲ میں ہے کہ:

"خداوند نے مجھ سے کہا... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو اُن کو مت ستانا، اور نہ اُن کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے"

پھر اسی باب میں ہے کہ:

"خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک"

غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یوشع اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو اُن کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

---

[1] کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تقی

کتاب القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فینحاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی[1]، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاہؑ کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزراؑ کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فینحاس کے درمیان ۹۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اٹکل پچو محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموئیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقہ[2] سے اُس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہوگئیں،

کتاب راعوت کا حال

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب ہو اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ وہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزراؑ کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام مسیحی کہتے ہیں کہ یہ سموئیلؑ کی تصنیف[3] ہے،

---

[1] کیونکہ فینحاس اور حزقیاہ میں سے کوئی نبی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعیاء علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین، ب ۱۸ د تواریخ ب ۳۲) ۱۲ ت

[2] ہماری کتب مقدسہ از میفلی، ص ۱۷۹،

[3] ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۴، ۱۲ ت

کتاب کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ :۔

"بائبل کے مقدمہ میں جو سنہ ۱۸۱۹ء میں اسٹاربرگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتابِ راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

کتابِ نحمیا کا حال

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا کی تصنیف ہے، اتھاناسیس اور اپی فانیس[1]، کریز اسٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی، اسی طرح باب ۱۲ کی ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہوسکتیں[2]، اور نہ آیات کا کوئی بہترین ربط اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۴ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہو کر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

کتابِ ایوب

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سننے کے لائق ہے، اس کی حالت تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت نہایت بدتر ہے، اس میں چھتر[24] بس

---

[1] St. Epiphanius (پ سنہ ۳۱۵ء م سنہ ۴۰۲ء) مشہور بشپ ہو، اور لسے بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال پائی جاتی ہیں ۱۲ تقی

[2] کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو متکلم کا صیغہ تھا اسمیں نحمیا کیلئے غائب کا صیغہ ہے، اور نحمیا حاکم اور عزرا کاہن کے دونوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور ربّ[1] ممانی دیز[2] جو علماء یہود میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکائلس و لیکلرک اور سملر و استناک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کا مقتدیٰ لوتھر کہتا ہے کہ "یہ کتاب[2] خالص افسانہ اور کہانی ہے"

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے، مختلف اشخاص کی جانب بر بناء قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ الیہو[3] کی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسّا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دعوے کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

کتاب زبور

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اور ش

---

[1] ربّ اور ربّی Ribbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۲

[2] سب نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جی ٹی مینلی لکھتا ہے "لوتھر کا خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ پر مبنی ہے" (ہماری کتب مقدسہ صفحہ ۲۰) اور چونکہ فرقہ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ کتاب درست ہے۔ ہمیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی ۱۲ ت

[3] الیہو Elihu ابن براکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱) اس کا ذکر ۱-سموئیل ۱ میں بھی ہے ۱۲ تقی

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدماء مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کریزاسٹم، اگسٹائن، انبروس اور یوتھی میس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، ہلیری، اتھانی شیس جیروم، یوسی بیس[1] وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے،

ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابیین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر تمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ لغایۃ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۷۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان[2] کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ ایتھان[3] کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۱۲۷ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدوتھن[4] کی تصنیف ہیں، ۱۲ زبوریں اساف[5] کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۴، ۷۹ اس کی تصنیف

---

[1] Eusebius فلسطین کا بشپ تھا ۲۶۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہوا، ۳۴۰ء میں انتقال ہوا ۱۲

[2] ہیمان ازراحی Heman the Ezrahite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا جیسا کہ ا۔ سلاطین ۴: ۳۱ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ ت

[3] ایتان ازراحی، یہ بھی ہیمان کی طرح حکیم تھا، ا۔ سلاطین ۴: ۳۱ ۱۲

[4] اس کا نام اردو میں یدوتون Jeduthun لکھا ہوا ہے، کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد کا [illegible] تھا، اس کا ذکر ا۔ تواریخ ۱۶: ۴۱ و ۲۵: ۱ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۹، ۶۲ و ۷۷ اس کی طرف منسوب ہے ۱۲

[5] اس کا نام اردو میں آسف Asaph [illegible] کی روایت ہے [illegible]

نہیں ہیں، اور ۱۱ زبوریں قورح کے تین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتھ کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں[۱]
آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، آصف، ہیمان، جدوتھن، قورح کے تینوں بیٹے، داؤدؑ نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا اُن کے نزدیک داؤدؑ کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جملہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، آصف، ہیمان، اتھان، جدوتھن، قورح کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤدؑ کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیاہ کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں

اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک الہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

---

[۱] ۴۲ تا ۴۹ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۷ ، ۱۲ تقی

تنبیہ زبور نمبر ۲، آیت نمبر ۲۰ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یوں ہے کہ "داؤد بن یسّی کی دعائیں تمام ہوئیں" اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱، ہے، جس کی وجہ مقدمہ میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کردی گئی ہے،[1] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کردیا ہے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیساکہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہرصورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کرکے یا اضافہ کی صورت میں،

امثالِ سلیمان

کتاب امثال سلیمانؑ کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح[3] باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جاسکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں سے پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایۃ ۲۹ حزقیاہ کے دوستوں نے جمع کئے تھے، جیساکہ باب نمبر ۲۵ کی آیت[4] نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدوین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

---

[1] صفحہ ۱۱ ج ۱ [2] عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۲، ہی میں موجود ہے ۱۲

[3] باب ۳۰ کا عنوان ہے "یاقہ کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں" اور باب ۳۱ کا عنوان ہے "لموایل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ماں نے اسے سکھائیں" ۱۲

[4] عنوان "یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی" ۲۵: ۱ ۱۲ ت

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیساکہ عنقریب آپ کو مغالطہ نمبر۲ کے جواب میں مفسر آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموئیل کا تصنیف کردہ ہے لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں حضرات کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نبوت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاساً کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموئیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ :-

"ہولڈن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموئیل، سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید اُن کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموئیل اور کتاب آجور الہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں"

اس میں یہ کہنا کہ شاید اُن کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ اُن کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو اُن کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیساکہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہوگا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

لے پادری مینلی لکھتے ہیں "ہمیں آجور اور لموئیل کے بارے میں جنھوں نے اُن کی تدوین کی کچھ بھی معلوم نہیں" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲ ت

"اس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ لموئیل سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب اُن کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی[1] زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتے"

نیز باب ۳۱ کی نسبت یوں کہتا ہے،

"یہ باب یقینی طور پر سلیمانؑ کی تصنیف نہیں ہو سکتا"

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

"یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی"

باب ۳۰ آیت ۱ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

"این ست کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او برائے ایثیل بلکہ برائے ایثیل واوکال بر زبان آورد"

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

"کلمات آکور پسر یاقہ یعنی وحی کہ آں مرد بہ ایثیئیل واوقال بیان کرد"

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس کو حذف کر دیا ہے اور ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

"ھذہ اقوال الجامع بن القای الرویا التی تکلم بھا الرجل الذی اللہ معہ واذا کان اللہ معہ ایّدہ"

[1] Chaldee کسدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بائبل میں اسے "کسدی" زبان کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اُردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ: یہ جامع کے اقوال ہیں جو اتھائی کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے"

ملاحظہ کیجئے عربی تراجم[2] کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت ۱ میں یوں ہے کہ:۔

"لموئیل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی[3]"

ہمارے بیان کو سمجھ لینے .... کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہوگئی ہوگی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاہ، اشعیاہ اور شاید عزرا نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

کتاب واعظ جہاں تک کتاب واعظ کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور رب قمچی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیاء علیہ السلام کی

لہ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب قسم کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس سے اختلاف بہرحال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

ٹہ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ "کلام اجور بن متقیہ مسا، وحی ہذا الرجل الی ایثیئیل الی ایثیئیل واکال" اس میں "متقیہ" کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور "مسا" کا لفظ ان سے زائد ہے ۱۲

سہ یہ عربی عبارت ترجمہ ہی مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم لکھ چکے ہیں ۱۲ تقی

تصنیف کردہ ہے، تالیمود[1] کے علماء کہتے ہیں کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہی کردہ ہے، ٹمس کہتا ہے کہ ایک شخص زروبابل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابی ہود ہے تصنیف کی تھی، مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بابل کی قید سے آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انتیوکس ایپی فینس کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے بابل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو الہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

غزل الغزلات

اس کی حالت تو بہت ہی ابتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت یہ ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے یا ان کے کسی معاصر کی، ڈاکٹر کنی کاٹ اور بعض متاخرین کی رائے یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ انکی وفات سے عرصۂ دراز بعد لکھی گئی ہے، پادری تھیوڈور جو پانچویں صدی میں گذرا ہے، وہ اس کتاب کی اور کتاب ایوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سیمن اور لیکلرک اس کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وشتن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا بجانا ہے، کتب مقدسہ سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ کاسلی یو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

کتاب دانی ایل

تھیوڈوشن[3] کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

---

[1] تالمود Talmud یہودیوں کی مشہور کتاب جس میں مجموعۂ قدیمہ سے مستنبط احکام و تواریخ ہیں ۱۲

[2] دیکھئے حاشیہ نمبر ۳۲۶، [3] تھیوڈوشن Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا، (بحوالہ کتب مقدسہ)

باب ۱۳ و باب ۱۴ ابھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقۂ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب[1] کرتا ہے،

کتاب آستر اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہو جو عزرا کے عہد سے سیمن کے زمانہ تک ہوئے ہیں۔

فلو یہودی[2] کا قول یہ ہو کہ یہ یہویاکین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع[3] کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا،

آگسٹائن کہتا ہے کہ یہ عزرا کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ مردکے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب ۲ مقصد ۲ شاہد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے،

کتاب یرمیاہ اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہو سکتا، اسی طرح باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہو سکتی، پہلی تو اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں کہا گیا ہے،

"کلمات یرمیاہ تا بدیں جا اتمام پذیرفت"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں،۔"کلمات یرمیاہ تا بدینجا ہست" ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ "یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا"[4]

---

[1] چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۰ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

[2] یہ یہودی علماء میں سے ہے، پ ۲۰ ق م، م ۵۰ء) اور پولس کا معاصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۱۲

[3] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہویاکین، یہویقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں، یہ بابل کی جلاوطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلاطین ۲۴/۸ و ۲۵/۲۷)

[4] مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ "یرمیاہ کی باتیں یہاں تک ہیں" چنانچہ باب ۵۲ کی پہلی آیت میں ہے" اسکی ماں کا نام حموطل تھا، جو لبناہی یرمیاہ کی بیٹی تھی" ظاہر ہو کہ یہ الفاظ خود حضرت ارمیاءؑ کے نہیں ہو سکتے ۱۲ ت

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی[1] زبان میں ہے اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ مسیحی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ عزرا، یا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے"

ہورن جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ پر کہتا ہے کہ:۔

"یہ باب ارمیاہ کی وفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:۔

"اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب ۱۰ کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسدیوں کی زبان میں ہے"

پادری ونا کہتا ہے کہ:۔ "یہ آیت الحاقی ہے"

کتاب اشعیاء

فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:۔

"مشہور فاضل جرمنی اشٹاہلن کہتا ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

[1] کسدستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اسی قوم کا تھا

ابواب نمبر ۶۶ تک ان کی تصنیف نہیں ہے ،،

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب اُن کی تصنیف نہیں ہیں[1]

اناجیلِ اربعہ کی اصلیت

انجیل متیٰ لوقا مرقس

آپ کو عنقریب مقصد ۳ شاہد ۸ میں معلوم ہوگا کہ قدماء مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاقِ رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متیٰ عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہوگئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی اُن کے پاس موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہوسکا صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں۔ کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہوسکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر ۸ میں آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

---

[1] یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ عہد قدیم کی کتابیں پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳۸ ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسیفس تقریباً سنہ ۱۰۰ء میں لکھتا ہے "ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں تمام ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں" (بحوالہ ہماری کتب مقدسہ از پادری ہیبلی ص ۴۴) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور ان ۳۸ کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ "انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور نحمیاہ کو ملا کر ایک، روت اور قضاۃ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور نوحہ کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہو جاتے ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ انھیں ہدایت فرمائے ،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہوسکا، بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ "غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا" مگر بغیر دلیل اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے، بلکہ قابلِ رد ہے۔

انسائیکلوپیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے درمیان تھی، لکھی گئی، لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے۔"

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:۔

"جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۲ کی بعض آیات میں شک تھا، اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی[1] کے نسخہ میں موجود نہیں تھے"

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:۔

"اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے، جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک پائی جاتی ہے، اور کریسباخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا قائل ہے، ایک خالقِ خیر اور ایک خالقِ شر، اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اُسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تحریف کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اسی کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، (ملخص از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈنر وغیرہ) عربی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں "

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خارج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں "

اور کریباخ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو اُن پر یقیناً حجت ہے۔

انجیلِ یوحنا مستند نہیں اُس کے دلائل

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف ہے، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اُس کی تردید کرتی ہیں

پہلی دلیل گذشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور اُن کے بعد تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں ہے کے اندر معلوم ہوچکا ہے۔ اور مزید باب مقصد ۳ شاھد ۱۸ میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی، تاوقتیکہ اُس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو،

دوسری دلیل اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:۔

"یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے "

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے،۔ کہ " یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اُس کی شہادت" (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم (ہم جانتے ہیں) کے الفاظ صیغۂ متکلم کے ساتھ کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

تیسری دلیل

دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں آرینوس[1] جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ[2] کا شاگرد ہو موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سُنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ ارینوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سُنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

---

[1] ارینوس Irenaeus لیون کا مشہور بشپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو سنہ ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً سنہ ۲۰۲ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ آج کل پایا جاتا ہو (برٹانیکا) ۱۲

[2] پولیکارپ Polycarp سمرنہ کا مشہور بشپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے تقریباً سنہ ۶۹ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں ۱۲ ت

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی بیوس اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آرینوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے:-

"میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ کہ کاغذوں پر، اور عرصہ دراز سے میری پرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں"

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ۱۲ کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلسس جو بُت پرست مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیز[1] کان کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے:

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰؑ کو توریت دی اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر ان میں الحاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیز اس فرقہ کا بانی ہے (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈنر) ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیح نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا، تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

چوتھی دلیل

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ۶ جلد، صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے:۔

"استادلن[1] نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلاشک و شبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے"

ملاحظہ کیجئے استادلن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح برملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل

محقق برطشنیدر کہتا ہے کہ:۔

"یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے"

چھٹی دلیل

مشہور محقق کرو دیٹس کہتا ہے کہ:۔

"اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افساس[2] کے گرجے نے اکیسواں باب، یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے"

---

[1] ہاسٹس کا یہ قول مصنف نے ازالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈنر کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تقی

[2] غالباً افسس Ephesus مراد ہے ۱۲ تقی

ساتویں دلیل

دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وجین اس انجیل کے منکر تھے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل

باب۲ مقصد۳ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب۸ کی ابتدائی ۱۱ آیات کا انکار جمہور علماء نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو اُن کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہٰذا سچی بات وہی ہے جو فاضل استادلن اور برطشنیدر کہتے ہیں،

نویں دلیل

اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلاسند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب۲ میں کہتا ہے کہ:-

"ہم کو مورخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آنیوالے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کرلیا۔ اور یہ سچی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت مدید گذر جانے کی وجہ سے اب اُن کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہوگیا ہ"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

"پہلی انجیل سنہ ۳۷ء یا سنہ ۳۸ء یا سنہ ۴۳ء یا سنہ ۴۸ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء

میں تالیف کی گئی، دوسری انجیل سنہ ۵۶ء اور اس کے بعد سنہ ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ سنہ ۶۰ء یا سنہ ۶۳ء میں تالیف ہوئی، تیسری انجیل سنہ ۵۳ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء میں تالیف کی گئی، چوتھی انجیل سنہ ۶۸ء یا سنہ ۶۹ء یا سنہ ۷۰ء یا سنہ ۸۹ء یا سنہ ۹۸ء میں تالیف ہوئی۔

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب[4] کا رسالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۱ کے بعض جملوں کی نسبت حواریین کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ سنہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے، اور بعض مذکورہ[5] جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ عنقریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ سنہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ میں کہتا ہے:۔

"سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ، یہودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، اور مشاہدات یوحنا، انجیل یوحنا کے باب ۸ آیت ۲ لغایۃ ۱۱، اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۱ باب ۵ آیت ۷ بھی موجود نہیں ہیں"

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس لئے حذف کیا کہ وہ ان کے نزدیک ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ سنہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ پر کہتا ہے کہ:۔

"فرقۂ پروٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجرس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو جھوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا:۔

رسالہ عبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہوداکا رسالہ، مشاہداتِ یوحنا"

ڈاکٹر بلس فرقۂ پروٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ:۔

"تمام کتابیں یوسی بیوس کے عہد تک واجب التسلیم نہیں ہیں"

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ:۔

"یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہودا کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں"

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"سرل اور اسی طرح اورشلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اُس نے لکھی تھی"

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے:۔

"مشاہداتِ یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اُس پر بارہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جسو نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالۂ یہودا اور مشاہداتِ یوحنا کو چھوڑ دیا ہے، یہی رائے دوسرے سریانیوں کی بھی ہے"

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

"روز نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانتے، اور پروفیسر ایوالڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہوسکتیں"

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۷ باب ۲۵ میں کہتا ہے :-

"دیونیسیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کردیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھس نے کی ہے، مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہوسکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہوسکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہو، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے۔ شہر افسوس میں دو قبریں موجود ہیں، جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں نامانوس اسلوب استعمال کئے گئے ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالۂ عامہ میں، بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تمہید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب۱ میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا[1] ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی"

اور چوتھی آیت میں ہے کہ "یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام"۔ آیت نمبر۹ میں ہے "میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں"

باب نمبر۲۲ آیت نمبر۸ میں لکھتا ہے کہ "میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا" ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے[2]۔

---

[1] یہ کتاب مکاشفہ باب۱ اوّل آیت۱ کی عبارت ہے ۱۲ تقی

[2] یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحبِ انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تقی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں، کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہو تاکہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو مشخص اور متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ "یوحنا ابن زبدی" یا "یعقوب کا بھائی" یا "یوحنا اپنے رب کا محبوب مرید" وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت "تمہارا بھائی" یا "تمہارا شریکِ غم" اور "شریکِ صبر" ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب باب ۳ میں تصریح کی ہے:۔

"پطرس کا رسالہ ۱ سچا ہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتبِ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا، مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے رسالہ عبرانیہ کو خارج کر دیا ہے۔"

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:۔

"اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ ۲ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ انجیل والوں کے لکھے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمالِ پولس اور باشتر اور مشاہداتِ پطرس اور رسالہ برنبا اور وہ کتاب جس کا نام انستیتوشن حوارین ہے یہ سب جعلی اور فرضی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہداتِ یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار کرنا چاہئے۔"

نیز اپنی تاریخ کی کتاب ۶ باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے:-

"وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ[1] نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے"

ارنیس بشپ لیس جو ۱۷۸ء میں گذرا ہے، اور ہپ پولیٹس جو ۲۲۰ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری نوتیس جو ۲۵۱ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین[2]، کارتھیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنبا کا رسالہ ہے، روم کے پادری کیس متوفی ۲۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرن، کارتھیج کا لاٹ پادری متوفی ۲۴۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا؛ اور سُریانی[3] گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکا لیجر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے:

خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

---

[1] CLEMENT OF ROME ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء ۱۲

[2] Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے موسوم کیا اور اسے عہد عتیق کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا (بائبل ہینڈ بک)

[3] تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہودا کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گرجوں میں اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے"

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ:۔

"کروٹیس کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہودا کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اورشلیم کا پندرھواں پادری تھا"

اور یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا، اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں"

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور فرضی ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے، اور شاید دو چار سطروں کی مقدار ان رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی، ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ:۔

"اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا ہے"

بالکل سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اوّل[1] میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

---

[1] کتاب ہذا، ص ۲۰۱ ج ۱

اور حِن کو ناکس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا، پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی، جو کارتھیج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لی گئی ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اوّل تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو، اور باب ۱۰ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارتھیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب بارو خ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب المقابئین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا پھر تعجب ہے کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق اُن کے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا،

کتاب آستیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیروم کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابئین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کرلیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گُم ہو چکی تھی،

دوسرے اس لئے کہ ہورن کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور واہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کرلیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہونچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کرلیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین و انتظامات ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمایئے،

کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے

۱- یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آرہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرّف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیدیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲- کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آرجن نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کردیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن[1]

[1] تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی میں مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا، یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے ۱۲ ت

کا ترجمہ قبول کرلیا،

۳۔ ارس تیس کا رسالہ سولہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آرہا تھا، جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پاگیا،

۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی، پھر وہی سولہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دیدی گئی،

۶۔ عزرا کی کتاب ۳ کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتبِ مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس[۱] میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کرلیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہوگیا ہوگا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہدِ عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آپ کو باب ۲ . . . . کے مغالطہ ۱۲ کے جواب میں معلوم ہوجائیگی۔

---

[۱] کوڈکس CODEX انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریہ کہلاتا ہے، ریہ برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے، (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۴ و ۳۵)،

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا[1]

پہلا اختلاف

جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف و صریح اختلاف پائے گا[2]،

دوسرا اختلاف

کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جاد کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے[3]،

---

[1] اس قسم میں مصنف نے ۱۲۴ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں،

[2] ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

[3] دیکھئے صفحہ ۳۴۲ ج ۱ مع حاشیہ،

تیسرا اختلاف

کتاب تواریخ اوّل کے باب ۷، و ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے اقرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۱ میں معلوم ہوگا۔[۱]

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف

کتاب تواریخ اول کے باب ۸ کی آیات ۲۹ تا ۳۸ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان ناموں کے بیان میں اختلاف[۲] پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:۔

"علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزراء کو دو کتابیں دستیاب ہوتی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کرسکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا"

پانچواں اختلاف

سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:۔

"یوآب[۳] نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے"

---

[۱] اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے،

[۲] اختلاف کے لئے یہ تفصیل ملاحظہ فرمایئے، متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:۔ ۸ اور جدور اور اخیو اور زکر (۳۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یہونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور تاریع (۳۵)۔۔۔ ۹ اور جدور اور اخیو اور زکریاہ (۳۷) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن (۳۹) میکاہ کے بیٹے فیتون اور ملک اور تحریع (۴۲)۔

۸ اور آخز سے یہوعدہ پیدا ہوا (۳۶) نبعہ کا بیٹا رافعہ (۳۷)

۹ اور آخز سے یعیرہ پیدا ہوا (۴۲) نبعہ کا بیٹا رفایاہ (۴۳)

[۳] یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا ۱۲

اس کے خلاف کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ:-

"یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ شمشیر زن مرد، اور یہوداہ کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے"

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہوداہ کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت پایا جاتا ہے،

چھٹا اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ:-

"سو جاد[ل] نے داؤد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا تیرے[ت] ملک میں سات برس قحط رہے؟"

اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ:-

"یا تو قحط کے تین برس"

دیکھئے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے، اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

ساتواں اختلاف
۲۲ برس یا ۴۲ برس؟

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

"اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:-

"اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

ل جاد علیہ السلام بقول توراۃ نبی تھے جنہیں غیب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲

ت یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلّط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو اختیار کرو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک سات سال قحط میں مبتلا رہے یا کچھ اور؟ ۱۲

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس[1] سال تھی، اور اخزیاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہوگیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دوسال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:-

"یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے: چنانچہ اُس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۱ میں معلوم ہو جائے گا،

نواں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعترافِ تحریف

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت ۸ اور کتاب[2] ملوک من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت بڑا اختلاف[3] ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

---

[1] ۲/۲۱ میں ہے "وہ بتیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی"

[2] سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے "کتاب تواریخ اول باب ۱۱ آیت ۱۱" کیونکہ یہ عبارت اسی جگہ ہے

[3] سموئیل ۸/۲۳ میں یہ ہے "اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں، یعنی تحکمونی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے" اور تواریخ ۱ ۱۱/۱۱ اس طرح ہے "اور داؤد کے سورماؤں کا شمار یہ ہے یسوبعام بن حکمونی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پر اپنا بھالا چلایا اور ان کو ایک ہی وقت میں قتل کیا" اس میں چند در چند اختلاف محتاج تشریح نہیں ۱۲ تقی

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں تین زبردست تحریفیں کی گئی ہیں "

پس اس ایک ہی آیت میں تین اغلاط موجود ہیں،

دسواں اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ "داؤد علیہ السلام فلستیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا تابوت[1] لے کر آئے ہیں" اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۱۳ و ۱۴ میں[2] یہ تصریح موجود ہے کہ داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لائے تھے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں، لہٰذا ایک ضرور اُن میں سے غلط ہے،

گیارہواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۷ کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا یعنی ایک نر دوسرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں[3]،

مگر باب ۷ آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو[4]، غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

---

[1] باب ۵ میں فلسطیوں سے جہاد کا تذکرہ ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے،

[2] کتاب سموئیل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بعینہٖ وہی واقعہ باب ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۴ میں جہاد کا ذکر ہے،

[3] دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوحؑ کو حکم دیا تھا (۷ : ۹)

[4] کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور اُنکی مادہ اور اُنمیں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور اُنکی مادہ اپنے ساتھ

بارہواں اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا،[1] اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیرخوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا[2] تھا، اور نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندی بنا لیا[3] تھا، اس کے برعکس کتاب قضاۃ کے باب ۶ سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک[3] تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اُن کے سامنے عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں ہے

اب غور فرمایئے کہ جب باشندگان مدین عہد موسوی میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک اُن کو عاجز اور مغلوب رکھا۔

کیا مصریوں کے سب چوپائے مرگئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

کتاب خروج باب ۹ میں ہے[4]:-

"اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مرگئے لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مرگئے تھے، پھر اسی باب[5] میں اس کے

---

[1] "اور جیسا خداوند نے موسیٰ ۔ ۔ ۔ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا" (۳۱/۷)

[2] "ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو" (۳۱/۱۷)

[3] "اور مدیانیوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا" (۶/۲)، سو اسرائیل مدیانیوں کے سبب سے نہایت خستہ حال ہو گئے (۶/۶)

[4] آیت ۶ ، [5] آیت ۲۰ و ۲۱ ،

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"سو فرعون کے خادموں میں جو جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں نے اپنے نوکروں اور چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا"

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:۔ "ساتویں مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی آرمینیا کے پہاڑوں[1] پر ٹھہر گئی، اور پانی دسویں مہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں"

ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آرمینیہ کے پہاڑوں پر کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶

سفر سموئیل ثانی کے باب۸ اور کتاب تواریخ اول کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم کلارک کی تفسیر جلد۲ (بہ ذیل عبارت سموئیل) سے نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہمارے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں:۔ "اور ساتویں مہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی ارارات کے پہاڑوں پر ٹک گئی" (۸:۴)۔

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اول باب ۱۸
۱	داؤد نے جزیہ[1] کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے چھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	ھددعزر	۳	ھدرعزر
۴	ایک ہزار سات سو سوار	۴	ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار
۸	اور داؤد بادشاہ بطاہ اور بیروتی سے جو ھددعزر کے شہر تھے بہت سا پیتل لے آیا،	۸	اور ھدرعزر کے شہروں طبحت اور کون سے داؤد بہت سا پیتل لایا،
۱۰	یورام	۱۰	ھدورام
۱۲	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۳	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۷	ابی یاتر کا بیٹا اخیملک کاہن تھے، اور شرایاہ[2] منشی تھا،	۱۷	اور ابیملک بن ابیاتر کاہن تھے اور شوشا منشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں،

اختلاف ۲۷ تا ۳۲

کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب تواریخ اول کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے:-

---

[1] اظہار الحق کے سب نسخوں میں "جزیہ" کا لفظ ہے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں "دار الحکومت" کا لفظ مذکور ہے ۱۲

[2] اظہار الحق میں منقول الفاظ یہ ہیں "اخیملک سرایا الکتاب" جس کا مطلب ہے کہ اخیملک اور شرایاہ دونوں منشی تھے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کئے ۱۲

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اوّل باب ۱۹
۱۶	اور ہدرعزر کی فوج کا سپہ سالار سوبک	۱۶	اور ہدرعزر کا سپہ سالار سوفک
۱۷	حلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار (قتل کرڈالے)	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مارا،
۱۸	اور اُن کی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا	۱۸	اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں چھ اختلافات موجود ہیں،

اختلاف نمبر ۳۳
۴۰ ہزار یا ۴ ہزار؟

کتاب سلاطین اول باب ۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

"اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے۔"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے"

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب تواریخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کرلیا[1]،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شروح کا پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:-

"بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

---

[1] ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ۴ ہزار ہی کا لفظ ہے، "وکان لسلیمان اربعۃ آلاف مذود" انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے"

اعتراف کرلیں۔

لٹو، بیل یا ککڑیاں؟
اختلاف نمبر ۳۴

کتاب سلاطین اول کے باب ۷، آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف[1] موجود ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے:۔

"بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو تسلیم کرلیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بقریم بقعیم کی جگہ استعمال ہوگیا ہو۔"

حالانکہ "بقریم" کے معنی بیل کے ہیں، اور "بقیم" کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کرلیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،

"یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے فرق پیدا ہوگیا۔"

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا
اختلاف نمبر ۳۵

کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:۔

"اور جب وہ (یعنی آخز) سلطنت کرنے لگا تو بیس برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی۔"

---

[1] ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک حوض کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے "اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد دسوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اسے یعنی بڑے حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو دو قطاروں میں تھے، اور جب وہ ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے" (۲۴:۷) اور کتاب تواریخ میں ہے "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد دس ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں، یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اسی کے ساتھ ڈھالے گئے تھے" (۳:۴) یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے "ککڑیاں" ہیں، وہ ترجمہ [illegible] ملاحظہ فرمایئے کہاں لٹو، کہاں بیل اور کہاں ککڑیاں؟ تقی

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہو۔

"جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا"

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا[1]، جو عادت کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے، ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب ۱۶ کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:-

"غالب یہ ہے کہ بجائے تیس کے بیس لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب ۱۸ آیت ۲ ملاحظہ کیجئے"

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶

اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

"آخز بیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یروشلم میں سلطنت کی"

اور باب ۲۹ میں ہے:-

"حزقیاہ پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہو۔

اختلاف نمبر ۳۷، تحریف کا مشورہ

سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۳ کے

[1] کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ آخز چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا، اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تفریق کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے:۔

"کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح بنادیا جائے"

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے[1]، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح بناڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے؛

بعشا کا یہوداہ پر حملہ
اڑتیسواں اختلاف

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے:۔

"شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں سارے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس سلطنت کی"

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ:۔

"آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا"

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

---

[1] چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں "اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پزاوہ میں سے چلوایا الخ" بالکل یہی مفہوم کتاب تواریخ میں بھی ہو، صرف آخری جملہ خط کشیدہ، اس میں موجود نہیں۔

عبارت کے بموجب بعشا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہے، اور آسا کی سلطنت کے چھتیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گذر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا یہوداہ پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے:۔ "ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے"

آدم کلارک جو ایک بڑے پائے کا مسیحی عالم ہے، کہتا ہے کہ:۔

"یہ سال، یعنی چھتیس[1] سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا سال ہے، جو یوربعام کے عہد میں ہوئی تھی"

بہرحال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۲۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ "تقسیمِ بادشاہت" کے بجائے "آسا کی بادشاہت" لکھا گیا۔

اُنتالیسواں اختلاف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:۔

"اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ نہ ہوئی"

یہ بھی سلاطین اوّل باب ۱۵ آیت ۳۳ کے مخالف ہے جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف

سلاطین اوّل کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں[2] کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

---

[1] کیونکہ اس نے ۲۴ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد وہ بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶ سال ہوئے، اور سلاطین اوّل ہی میں ہے کہ بعشا اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا" (۱۶/۶) اور شاہ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال سے بعشا کا بیٹا ایلہ، ترضہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا" (۱۶/۸)

[2] تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۵۳ جلد ۱، [3] "سلیمانؑ کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے" اور تواریخ میں ہے "تین ہزار چھ سو آدمی اُن کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے" ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بُت یا تین ہزار مشکے
اختلاف نمبر ۴۱

سلاطین اول کے باب ۷ آیت ۲۶ میں ہے:۔

"دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا"

اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ:۔

"تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا[1]"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:۔

"دو ہزار بُت دراں گنجید"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ:۔

"دو ہزار خُم آب می گرفت"

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:

"سہ ہزار بُت دراں گنجید"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ "سہ ہزار خُم آب گرفتہ نگاہ میداشت"

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قید سے رہا ہونیوالوں کی تعداد؟ اختلاف ۴۲

جو شخص کتاب عزرا۔ کے باب ۲ کا مقابلہ کتاب نحمیا کے باب ۷ سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

---

[1] یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "اس میں دو ہزار بُت کی سمائی تھی" (۱۔ سلاطین ۲۶:۷)، "اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی" (۲۔ تواریخ ۵:۴)۔

سے قطع نظر بھی کرلیں، تب بھی ایک دوسری غلطی[۱] دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں سے یروشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ افراد تھی، لیکن اگر ہم جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیاہ کے کلام میں، بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نواسی ہوتی ہے،

اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مورخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسیفس[۲] اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:۔

"جو لوگ بابل سے یروشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو باسٹھ افراد تھا"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ،

---

[۱] اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے بیس اختلافات موجود ہیں، جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانیوالوں کی مردم شماری کی گئی ہے:۔

الفاظ کتاب نحمیاہ باب ۷	آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب ۲	آیت نمبر
بنی پخت موآب ..... دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ	۱۱	بنی پخت ..... دو ہزار آٹھ سو بارہ	۶
بنی زتو آٹھ سو پینتالیس	۱۳	بنی زتو، نو سو پینتالیس	۸
بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۲
بنی عدین، چھ سو پچپن	۲۰	بنی عدین، چار سو چوّن	۱۵
بنی حشوم، تین سو اٹھائیس	۲۲	بنی حاشوم، دو سو تیئیس	۱۹
بیت ایل اور عی کے لوگ، ایک سو تیئیس	۳۲	بیت ایل اور عی کے لوگ، دو سو تیئیس	۲۸

[۲] یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ لکھی ہے ۱۲

اس باب میں اور کتاب نحمیا کے باب ۷ میں کاتبوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں[1] کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کردی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہوگیا۔"

اب آپ حضرات غور فرمائیں اُن کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز آن واحد میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ بیچارے جب عاجز ہوگئے تو انھوں نے ان بے گناہ کاتبوں کے سرڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحب ان دو بابوں میں غور کریں گے تو اغلاط اور اختلافات کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے؟

ابیاہ کی ماں کون تھی؟
اختلاف ۴۳

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۲ میں شاہ ابیاہ کی ماں کے بارے میں ہے کہ:-

"اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبعی کی بیٹی تھی۔"

اور باب[2] ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں معکہ ابی سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

---

[1] اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تقریباً بیس اختلافات موجود ہیں، غور فرمائیے کہ بہت سے حصوں کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

[2] نیز ۱۔ سلاطین ۱۵:۲ سے، اس میں ہے کہ "اس کی ماں کا نام معکہ تھا جو ابی سلوم کی بیٹی تھی ۱۲ ت

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام تمر تھا،[1]

اختلاف ۴۴

کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یروشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہو گئے

اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یروشلیم پر نہیں ہوا[2]

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت میں یوں ہے کہ:- "اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا

اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر اُبھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گن"

اور تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان[3] تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

اختلاف ۴۶ تا ۵۱

جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ جو انجیل متی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا ۔

---

[1] "اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام تمر تھا"

[2] "اور یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں"

[3] "اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے"

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی،[۱]

دوسرا اختلاف متی[۲] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا[۳] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء واجداد داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی جلاوطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤدؑ اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص[۴]،

چوتھا اختلاف متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شالتیئل یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے[۵]،

پانچواں اختلاف متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زرّبابل کے بیٹے کا نام ابیہودؔ ہے، اور لوقا سے

---

[۱] یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنھیں انجیل میں حضرت مریمؑ کا شوہر کہا گیا ہے "اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱/۱۶)، "یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳/۲۳)، عربی ترجموں میں "عیلی" کے بجائے "ھالی" ہے۔

[۲] متی ۱/۶ ، [۳] لوقا ۳/۳۱ ،

[۴] چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معروف اشخاص ہیں،

[۵] متی ۱/۱۲ ، لوقا ۳/۲۷ ،

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا[1]، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زرو بابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اوّل کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابی ہود کا، لہذا اچھی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں[2]،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف	متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۴۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال، اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اکھارن[3]، کیسر، ہینس اور ڈیوٹ اور دیز اور فرش، وغیرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

---

[1] متی $\frac{1}{13}$ لوقا $\frac{3}{27}$　　[2] دیکھئے صفحہ ۳۸۹ جلد ہذا، غلطی نمبر ۴۸،

[3] ایکھارن Eichhorn جرمنی کا مشہور پروٹسٹنٹ عالم ۱۲ ت

دوم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجیہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت عذر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۴۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ:-

"نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطاں و پیچاں ہیں۔ لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد یہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمربستہ ہوگئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر رہے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا"

بہرحال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پراگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۱ شاہد ۱۶[1] میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۶۳۴

اور رؤسا کے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف نجار[1] کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے ؟

اور جب تین معتبر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کو غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحبِ الہام ہونے کا علم ہو سکے ؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحبِ الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف نجار کے نسب کے سلسلہ میں مِل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک ورق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے ورق کو پسند کر لیا،

مفسرِ مذکور کی یہ توقع کہ "زمانہ ضرور ایسا کرے گا" ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علومِ عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی وار میں باطل قرار دیدیا،

---

[1] یوسف نجار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصرہ میں بڑھئی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملتِ عیسوی کا مقتدائے اعظم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کردیا کہ وہ مکار و غدار رہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہوگیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجہ میں اصلاح کے بامِ عروج پر پہنچ گئے اور مذہبِ عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہانیوں، اور واہیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیدیا، اب کسی دوسرے دَور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف کی توجیہہ، اور اس کا جواب

آجکل جو مشہور توجیہہ چل رہی ہے وہ یہ ہو کہ ممکن ہو متی نے یوسف کا نسب اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کردی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کرلیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے:

اوّل تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف نجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہوسکتا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیحؑ مسیح نہیں ہوسکتے[1]، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہہ کو رَد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

---

[1] کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جارہی تھیں اُن کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۲

جو شخص مسیح کے نسب سے سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے"

دوسرے یہ کہ یہ توجیہہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تواریخ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں، اور ناتن کی اولاد میں سے تھیں، اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلارک وغیرہ جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا رد کر رہا ہو، یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مضبوط دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح ہے کہ مریمؑ کے والدین کا نام یہویاقیم اور عانا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معاصر عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے، اور اس کا مؤلف قرن اولیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

"مریم علیہا السلام لاوی کی قوم سے تھیں"

یہ چیز اُن کے ناتن کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی میں ہے:-

"اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی" (گنتی ۳۶: ۸، ۹)

اور انجیل لوقا میں ہے:-

"زکریا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھی"

اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت زکریاؑ کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ بھی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریمؑ کے مزعومہ شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارونؑ کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں اُن کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے، اور غالباً یہ اہلِ تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جا سکے، اور یہودی لوگ اُن کے مسیح موعودؑ ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارونؑ کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعودؑ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے،

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامے گھڑ لئے، اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑنے والا دوسرے کی جعلسازی سے واقف نہ ہو سکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی ہوتیں تو یہ امر متقدمین سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکیک توجیہات نہ کرتے، جن کو متأخرین نے رد کیا، اور اُن پر لعنت ملامت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ :۔

"یعقوب اکینس تون یوسف"[1]

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں :۔ "دیوس یوسف توہالی"۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھ رہے ہیں،

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی یہودیوں کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں داخل کرلیا جاتا تھا اور اسے بیٹے کی جگہ لکھا جاتا تھا، مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہو سکی ہے، اور ریپروٹسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور رکیک و باطل استنباط ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں میں سے ہو، یا اس کا استاذ یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور رہو تو اس شخص کی نسبت اس کی جانب ہو سکتی ہے، اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فلاں امیر یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کا شاگرد یا فلاں صاحب کا مرید ہے

---

[1] یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ : "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱:۱۶) "یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳:۲۳)

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے۔ اور سلسلۂ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ اُن کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں مشہور یا معتبر نہ تھی

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ لوقا مسیحؑ کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اگلے پچھلوں کو حیران بنا رکھا ہو، اور ایک دو حروف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دُور ہو سکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳

جو شخص انجیل متی کے باب۲ کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دَو اختلافات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں:۔

ولادت مسیحؑ کے بعد حضرت مریمؑ کہاں رہیں؟

متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے والدین مسیحؑ کی پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر[1] چلے گئے، اور ہیرودیس[2]

---

[1] "پس وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا" (متی ۲۱:۲)

[2] ہیرودیس Herod the great یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زچگی کے دن پورے کرتے ہی یروشلم چلے گئے تھے، اور قربانی کی رسم ادا کرکے ناصرہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل[2] قیام رہا، البتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یروشلیم چلے جاتے تھے، ہاں مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت واطلاع کے بغیر عمر کے بارھویں سال میں یروشلیم میں تین روز قیام کیا[3]، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت اللحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر اُن کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصرہ میں ہوسکتی ہے، کیونکہ راستہ میں اُن کی آمد بہت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ اُن کے والدین مصر آگئے ہوں اور وہیں اُن کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہوداہ کے علاقہ سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب نہ کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیحؑ کا دشمن تھا؟

متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یروشلیم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم[4] نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن[5] تھے،

---

[1] "پھر جب موسیٰؑ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہوگئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں" (لوقا ۲۲/۲)

[2] "اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کرچکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پھر گئے (۳۹/۲) اُس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم جایا کرتے تھے" (۴۱/۲)، [3] لوقا ۲: ۴۲ تا ۵۱،

[4] باب ۲، آیت ۱ تا ۱۲،

[5] "ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اُسے ہلاک کرے" (۱۳/۲)

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زچگی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے یروشلیم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیح کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے[1]،

اسی طرح حناہ نبیہ[2] اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلیم میں مسیح کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلیم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جائے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یروشلیم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، فاضل نورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

اختلاف ۵۶ انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جماعت کو "وعظ تمثیلات"[3] کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

---

[1] ۲: ۲۵ تا ۳۲ [2] ۲: ۳۶ تا ۳۸

[3] "وعظ تمثیلات" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس وعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حقائق کو تمثیلات کے پیرایہ میں بیان فرمایا تھا، اور "پہاڑی وعظ" سے مراد وہ وعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ وعظ متی ۵ و ۶ و ۷ میں موجود ہے، تقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب ۸ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے "پہاڑی وعظ" کے بعد پیش[1] آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے، لہٰذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا اُن کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی قرار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵

مرقس باب ۱۱ میں لکھتا ہے کہ مسیحؑ اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلیم پہونچنے کے تین دن بعد پیش[2] آیا تھا، اس کے برعکس متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گذشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جلد ۴ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۶ پر کہتا ہے:۔

"ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔

اختلاف ۵۶

متی باب ۸ میں "پہاڑی وعظ" کے بعد پہلے کوڑھی کو صحتیاب کرنے کا واقعہ لکھتا[3] ہے، پھر حضرت عیسیٰؑ کے کفرناحوم پہنچنے[4] کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا[5]، پھر پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا[6] ہے،

---

[1] باب ۸، آیت ۲۳ تا ۲۷،

[2] یروشلیم پہونچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۷ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہے اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے [3] آیت ۲، [4] آیت ۵ [5] آیت ۱۳ [6] آیت ۱۶

اس کے برعکس لوقا سب سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء[1] دینا بیان کرتا ہے، پھر باب[5] میں کوڑھی کو شفاء دینا، پھر باب[7] میں صوبیدار کے غلام کو شفاء[2] دینا بیان کررہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیاء کون تھا؟ اختلاف ۵۷

یہودیوں نے کاہنوں اور لاوی کی اولاد کو یحییٰؑ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ "تو کون ہے؟" چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ "کیا تو ایلیاء ہے؟" یحییٰؑ نے جواب دیا کہ "میں ایلیاء نہیں ہوں"

جس کی تصریح انجیل یوحنا، باب[3] میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول حضرت یحییٰؑ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"اور چاہو تو مانو، ایلیاء جو آنے والا تھا یہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ[5] کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاء کا پہلے آنا ضرور ہے، اس نے جواب میں کہا کہ ایلیاء البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاء تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا، تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ[6] دینے والے کی بابت کہا ہے" (آیات ۱۰ تا ۱۳)

---

[1] (۴ : ۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام شمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲

[2] آیت ۱۳، [3] آیت ۱۰، [4] آیت ۱۹ تا ۲۱،

[5] "فقیہ" اور "کاتب" سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲

[6] انجیل میں حضرت یحییٰؑ کا نام "یوحنا المعمد" مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یحییٰؑ ہی موعود ایلیاہ ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاریٰ کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے

اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰؑ مسیح موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہویقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو بارُوخ علیہ السلام نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا[1] جلا ڈالا، تو ارمیاہ علیہ السلام کی جانب یہ وحی آئی:

"شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے"

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۳۶ میں کی گئی ہے، حالانکہ مسیح کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہے جیسا کہ لوقا نے حضرت جبرئیلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ "اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا"

دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہؑ کے آنے پر مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیا نہیں آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا ظا

---

[1] حضرت ارمیاہ علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بخت نصر کے عذاب کی پیشگوئی تھی، بادشاہ وقت یہویقیم نے جب اسے سنا تو اُسے جلا ڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول یوں نقل کیا ہے:۔

"کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں"

اور تھسلنیکے والوں کے نام دوسرے خط کے باب۲ آیت ۹ میں پولس کا قول دجال کے حق میں مذکور ہے کہ:۔

"جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ"

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو توریت کے حکم کے بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویدار تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے) اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہویقیم کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان سے پہلے ایلیاہ بھی نہیں آئے، جیسا کہ یحییٰؑ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں، اس کے خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ ماننے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات عقلاً

محال ہو کہ ایلیاہ خدا کا پیغمبر اور صاحبِ الہام ہو، اور خود اپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس لئے دوسری مقدمہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ ع نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ واجب القتل[1] ہوتے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اوّل تو مخالفین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں ہو سکتے، چہ جائے کہ اُن کو دلیلِ نبوّت مانا جائے، لہٰذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی قصوروار نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہی، جبکہ دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلّمہ طور پر صاحبِ معجزات بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہو کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ خدا کے سچے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے، اس سلسلہ میں عیسائیوں نے اُن پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

اختلاف ۵۸ تا ۶۳	انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱ اور انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے:-

[1] خاک بدہن گستاخ ۱۲

"دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا"
تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعوے کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی باب ۳ آیت ا سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے :-

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا"

دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اول تو لفظ "تیرے آگے" تینوں انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیاہ علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے ملاخیاہ کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر متکلم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہورن اپنی تفسیر جلد میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

"مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے"

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

اختلاف ۶۴ تا ۶۷ انجیل متی باب ۲ کی آیت ۶، کتاب میکاہ کے باب ۵ آیت ۲ کی مخالف ہے اور کتاب اعمال الحوارئین کے باب ۲ کی ۴ آیات نمبر ۲۵ تا ۲۸، عربی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱۵ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے زبور نمبر ۱۶ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالف ہیں .... اور عبرانیوں کے نام خط

۱؎ مگر مرقس نے تصریح کی ہو کہ یہ قول یسعیاہ نبی کی کتاب سے ماخوذ ہو (ملاحظہ) باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

۲؎ اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ،

۳؎ کتاب اعمال میں ہے "میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہے تاکہ مجھے جنبش نہ ہو اسی سبب سے میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا..... تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں" (۲: ۲۵ و ۲۸) اور زبور میں ہے "میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

باب ۱ کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی رُو سے) زبور نمبر ۳۹ یا (دوسرے تراجم کے اعتبار سے) زبور نمبر ۴۰ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں،[۱]

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں[۲]، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں،

اختلاف ۶۸ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۲ کی آیت ۹ میں ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ وہ میرا داہنا ہاتھ ہے اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب سے میرا دل خوش اور میری روح شادماں ہے، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا.... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا" (۱۶: ۸ تا ۱۱) خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

[۱] عبرانیوں کے نام: "تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں" (۱۰: ۵ تا ۷) اور زبور میں ہے: "قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی....... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہے، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے" (۴۰: ۶ تا ۸)

[۲] کتاب اعمال: "میں پھر آکر داؤد کے گرے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کر کے اُسے کھڑا کروں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں" اور عاموس: "میں اس روز داؤد کے گرے ہوئے مسکن کو کھڑا کر کے اس کے رخنوں کو بند کروں گا، اور اس کے کھنڈر کی مرمت کر کے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کروں گا، تاکہ وہ ادوم کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میری نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں" (۹: ۱۱ و ۱۲) اختلاف ظاہر ہے،

"بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہوکہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں،
نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کردیں"

عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کیونکہ ابتدا ہی سے نہ کسی نے سُنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے
تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کردکھائے"

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں، اور تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

اختلاف ۶۹

متی نے اپنی انجیل کے باب ۲۰ میں لکھا ہے کہ :۔

"عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا
ہوا دیکھا اور اُن کو اندھے پن سے شفاء دی[۱]"

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۰ میں یوں لکھا ہے :۔

"تو تمائی کا بیٹا برتمائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا"

پھر اُسے شفاء دینے کا واقعہ مذکور ہے،

اختلاف ۷۰

متی نے باب ۸ میں[۲] لکھا ہے کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی
ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں
کو شفاء دی"

---

[۱] یہ آیات ۲۹ تا ۳۴ کا مفہوم ہے ۱۲ [۲] آیت ۲۸

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب[1] ۸ میں لکھا ہے کہ:۔

"ان سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انھوں نے اس کو شفا دی"

اختلاف ۱[م] متی نے باب[ٹ] ۲۱ میں لکھا ہے کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام نے دو شاگردوں کو گدھی اور اس کا بچہ لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے"

اور باقی ان تینوں انجیل[ع] والوں نے لکھا ہے کہ:۔

"صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے"

اختلاف ۲ مرقس نے باب[ثلہ] اوّل میں لکھا ہے کہ:۔

"یحییٰ ٹڈیاں اور جنگل کا شہد کھایا کرتے تھے"

اور متی باب[ث] میں لکھا ہے کہ:۔

"وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے"

اختلاف ۳ تا ۵ جو شخص انجیل مرقس کے باب[ا] اور انجیل متی کے باب[۴] اور انجیل یوحنا کے باب[ا] کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل[تین] اختلافات نظر آئیں گے:۔

متی[ب] اور مرقس[ش] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

---

[1] مرقس ۵: ۲ و لوقا ۸: ۲۷، یاد رہے کہ اردو ترجموں میں "دیوانہ" کی بجائے "جس میں بدروحیں تھیں" کے الفاظ ہیں ۱۲ [2] آیت ۲، [3] مرقس ۱۱: ۱تا۱۰ و لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸ و یوحنا ۱۲: ۱۴، [4] آیت ۶، [5] آیت ۱۸ و ۱۹، [6] آیات ۱۸ تا ۲۲، [7] آیت ۱۶ تا ۲۰،

[ع] یہاں سے اختلاف نمبر ۸ تک کسی جگہ اناجیل کی عبارتیں بعینہٖ نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اگرچہ وہ واوین کے درمیان ہوں،

"عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل
کی جھیل کے کنارے ہوئی، مسیح نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیح
کی اتباع کی"

اور یوحنا[1] کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

"یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی"

(۲) متی اور مرقس کہتے ہیں کہ :-

"پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جھیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب
اور یوحنا اسی جھیل پر ملے"

اور یوحنا لکھتا ہے کہ :-

"پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی...
اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیح نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ
کیا تو فیلپس آکر ملا، پھر اس کی ہدایت پر نتن ایل حاضر ہوا"[2]

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

(۳) متی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ :-

"مسیح جب اُن سے ملے ہیں تو ہم لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے"

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ :-

"یوحنا اور اندراوس نے یحییٰ سے عیسیٰ کی تعریف سُنی اور دونوں خود مسیح کی خدمت

---

[1] آیات ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود رہنے کے وقت بیان کیا ہے،

[2] آیات ۴۲ تا ۵۱،

یں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا"

لڑکی کو زندہ کیا یا شفاء دی
اختلاف ۶۷

جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے باب ۵ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:۔

"رئیس مسیح کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مرگئی"[1]

دوسری انجیل کہتی ہے:۔

"وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب[2] ہے، پھر عیسیٰؑ اس کے ہمراہ گئے، پھر جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انھوں نے اس کے مرنے کی خبر دی[3]"

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ مجمل حال نہ لکھتا، لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا[4]

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت آج تک معمہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مرگئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندر اس کی موت کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مُردہ نظر آتی تھی

---

[1] متی ۹: ۱۸، [2] مرقس ۵: ۲۳، [3] آیت ۳۵،

[4] لوقا ۸: ۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تقی

واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میثر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سورہی ہے[1] ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مُردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت اختلاف نمبر ۷۶

انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو اُن کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا[2]، انجیل مرقس باب ۶ آیت ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی[3]،

حضرت یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو کب پہچانا؟ اختلاف ۷۷،

انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-

"جب عیسیٰؑ یحییٰؑ کے پاس اصطباغ[4] کے لئے آئے تو یحییٰؑ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود آپ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰؑ نے اُن سے اصطباغ لیا، اور

---

[1] لوقا ۸: ۵۳ و مرقس ۵: ۳۹،

[2] "راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دو دو کُرتے، نہ جوتیاں، نہ لاٹھی" (۱۰: ۱۰)

[3] "راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو" (مرقس ۶: ۸)

[4] اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہو کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں یا کسی رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دُھلتے ہیں، کوئی شخص نیا نیا عیسائی ہوتو اس کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو "بپتسمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کردی ہے ۱۲ تقی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی "

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں[1] ہے کہ:۔

"یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے، اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے "

اور انجیل متی کے باب ۱۱ میں یوں ہے:۔

"اور یوحنا[2] نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنکر اپنے شاگردوں کی معرفت پچھوا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں "

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰؑ عیسیٰؑ کو نزولِ روح کے پہلے سے جانتے تھے[3] اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ روح سے پہلے بالکل واقف نہ تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو نہیں پہچانا[4]،

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں کی ایسی توجیہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

---

[1] آیت ۳۲ و ۳۳،

[2] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲

[3] کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بناء پر انکار کیا ۱۲

[4] اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۱۲

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب "ازالۃ الشکوک" میں کی ہے[1]، چونکہ توجیہہ مذکور رکمزور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا، اس لئے میں نے تطویل کے اندیشے سے اسے یہاں ترک کردیا۔

اختلاف ۷۹

انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:-

"میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں"

اور اسی انجیل کے باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-

"اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے"

اختلاف ۸۰

انجیل متی باب ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفا کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی[2]،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومیت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سور فینیقی تھی[3]،

حضرت عیسیٰؑ نے کتنوں کو شفا دی؟ اختلاف ۸۱

مرقس باب ۷ میں لکھا ہے:-

"عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا تھا جو بہرا اور گونگا تھا"[4]

اس کے برخلاف متی نے باب ۱۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ:-

---

[1] ص ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنفؒ نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،
[2] "اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ" (۱۵: ۲۲)　[3] آیت ۲۶،
[4] آیات ۳۲ تا ۳۵،　[5] آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

"ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور اُن کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے انھیں اچھا کر دیا۔"

انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی | یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ چوتھی انجیل والے نے اپنی انجیل کے آخر میں کیا[1] ہے کہ :۔

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔"

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پردازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ یہ لوگ عیسائیوں کے نزدیک صاحبِ الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۸۲ | انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیحؑ نے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا :۔

"تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا، وہ بہت دل گیر ہوئے، اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے، وہی مجھے پکڑوائے گا ..... یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی: کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا۔"

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

[1] یوحنا ۲۱ : ۲۵ ،

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوندا وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا"

اختلاف نمبر ۸۳ متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے ہوئے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ :-

"یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کرلینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کرلیا"[1]

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۱۸ میں اس طرح[2] ہے کہ :-

"پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی

---

[1] یہ آیت ۴۸ تا ۵۰ کا مفہوم ہے ۱۲ [2] آیات ۳ تا ۱۲ ۔

ہی ہوں، وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں نے تم سے کہہ تو چکا... کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جانے دو .... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا۔"

پطرس کا انکار اختلاف نمبر ۸۴

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار[1] کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ سے اختلاف کر رہے ہیں۔

(۱) متی[2] اور مرقس[3] کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰؑ کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی روایت کے مطابق[4] ایک باندی اور دو مرد تھے،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بروایت انجیل) گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا کہ تم مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچاننے سے انکار کرو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہے، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰؑ کا ساتھی ہونے اور آپ کو پہچاننے سے انکار کیا، اتنے میں مرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰؑ کی کہی ہوئی بات یاد آئی، مصنفؒ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تقی

[2] ۲۶: ۶۹ تا ۷۵،

[3] مرقس ۱۴: ۶۶ تا ۷۲، میں مذکور ہے کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

[4] لوقا ۲۲: ۵۶ تا ۶۰،

(۲) پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس ۔ مکان کے صحن[۱] میں تھے، اور لوقا[۲] کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں[۳] اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر[۴]،

(۳) پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا[۵] ہے،

(۴) مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا[۱] یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

(۵) متی اور لوقا بتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے[۶] گا، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے[۷] گا،

(۶) پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے" اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف "میں نہیں ہوں" تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب "میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے" اور لوقا کے بیان کے موافق "اے عورت میں اس کو نہیں جانتا"

---

۱ آیت ۶۹، ۲ آیت ۵۵، ۳ آیت ۶۶، ۴ یوحنا ۱۸: ۱۶، ۱۷،

۵ یوحنا میں ہے کہ "کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟" ۱۸: ۱۷، لوقا میں ہے کہ لونڈی نے سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا" مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا "تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا"،

۶ متی ۲۶: ۳۵ و لوقا ۲۲: ۳۴،

۷ مرقس ۱۴: ۳۰،

(۷) متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھاکر اس طرح دیا "میں اس آدمی کو نہیں جانتا" اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ "میں نہیں ہوں" اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق "میاں میں نہیں ہوں"

(۸) کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

اختلاف نمبر ۸۵ انجیل لوقا باب[۱] ۲۳ میں ہے کہ:۔

"اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انھوں نے شمعون نام ایک کرینی[۲] کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے"

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:۔

"پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے"

اختلاف نمبر ۸۶ پہلی تینوں انجیلوں[۳] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۶ بجے کے قریب صلیب پر تھے،

---

[۱] آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۳۲ و مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھائے کھوپڑی کی جگہ تک گیا ۱۲ [۲] قیروان شہر کی جانب منسوب ہے۔

[۳] متی ۲۷: ۴۵ و مرقس ۱۵: ۳۳ و لوقا ۲۳: ۴۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھایا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر "چھ بجے" کے بجائے "دوپہر کے قریب" کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحنا[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطس[2] نبطی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸۷ متی اور مرقس[3] ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیح کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ:

"وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے"

لیکن لوقا کا بیان[4] یہ ہے کہ ایک نے مسیح کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلّا کر کہا

"اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا"[5]

پھر مسیح نے اس کو جواب دیا کہ:

"آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا"

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء کے مترجموں نے متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تثنیہ کو مفرد سے بدل دیا[6]، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

---

[1] یوحنا ۱۹: ۱۴ کے اردو ترجمہ میں بھی "چھٹے گھنٹے" کے الفاظ ہیں ۱۲

[2] پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۲

[3] متی ۲۷: ۴۴، مرقس ۱۵: ۳۲،

[4] ۲۳: ۴۲، ۴۲ و ۴۳،

[5] صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے جھڑک کر جواب دیا کہ "کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ" (۲۳: ۴۰)

[6] مگر موجودہ اردو ترجموں میں تثنیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اریحا سے روانہ ہو کر یروشلیم پہونچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۱ و ۱۲[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افرائیم سے چل کر بیت عنیاہ پہونچے جہاں پر رات گذاری، پھر یروشلیم آئے،

حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ان اناجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مُردوں کو زندہ کیا، اول رئیس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلوں والے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مُردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۷[2] میں نقل کرتا ہے تیسرا لعزر جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱[3] میں نقل کرتا ہے،

مگر کتاب الاعمال باب ۲۶[4] میں کہا گیا ہے کہ:-

"مسیح کو دُکھ اٹھانا ضرور ہے، اور سب سے پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا"

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:-

"مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پھل ہوا"

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ:-

"مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پھل مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ"

---

[1] آیت ۵۴،　　[2] آیات ۱۱ تا ۱۵،

[3] آیات ۱۴ تا ۴۴،　　[4] آیت ۲۳،

اور کلسیّوں کے نام پولس کے خط کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا، تاکہ سب مُردوں میں اس کا اول درجہ ہو"

یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اُٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب سے پہلے اُٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب سے مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ :-(۱) وہ مُردوں میں سب سے پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلوٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلوٹھا ہے اور مُردوں میں پہلا ہے،

اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے:

"اور یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا"

اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے،

"جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اُترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا، وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی" (آیات ۹ تا ۱۰)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں:

"ابر پراگندہ شدہ نابود می شود بہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخانہ اش دیگر بر نخواہد گردید و مکانش دیگر دیرا نخواہد شناخت"

ترجمہ "بادل پراگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پہچانے گی"

اور اسی کتاب کے باب ۱۴ آیت ۱۳ [1] میں ہے کہ:-

[1] کذا فی جمیع النسخ، صحیح ۱۲ ہے جیسا کہ مراجعت سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

"ویسے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے۔"

پھر آیت ۱۳ میں ہے:

اگر آدمی مرجائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے:

"انسان بخوابد و نخواہد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواہد شد و از خواب برنخواہد برخاست۔"

ترجمہ:۔ "انسان سوجاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اٹھے گا۔"

اور چودھویں آیت میں ہے:

"آدمی ہرگاہ بمیرد، آیا زندہ می شود؟" "جب آدمی مرجاتا ہو تو کیا وہ زندہ ہوتا ہو؟"

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ سے کبھی بھی مُردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۶۷ میں معلوم ہی ہوچکا ہے[1]،

نیز ایوب کے اقوال[2] سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ مسیحؑ کا مُردوں کے درمیان اُٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سُولی دیئے جانے کا واقعہ ان

---

[1] کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

[2] یہ بات قدرے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہوسکتی ہو، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا ۱۲ تقی

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ محض الزامی طور پر کہا ہے، جیساکہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جاچکا ہے،

حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ زندہ ہونا، اختلاف ۹۰

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے[۱] کہ مریم مگدلینی اور دوسری مریم[۲] جب قبر کے پاس پہونچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا، اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ[۳]،

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس پہونچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا[۴]،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہونچیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل ہوگئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہوگئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں[۵]،

۱؎ یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیرو تھیں، (اور بزعم نصاریٰ) آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آئی تھیں،

۲؎ انھیں متی ۲۷: ۵۶ میں یوسیس کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۶: ۱ میں یعقوب کی ماں ۱۲

۳؎ پورے الفاظ یہ: "تم نہ ڈرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جاکر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے" (۲۸، ۵ تا ۷)

۴؎ ۱۶: ۴ و ۵، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۲۸: ۵ سے ہم نے نقل کی ۱۲ ۵؎ لوقا ۲۴: ۲ تا ۴،

اختلاف نمبر ۹۱

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے جب دونوں عورتوں کو خبر دی کہ مسیح زندہ ہو گیا ہے تو وہ دونوں واپس ہوئیں، اور راستہ میں اُن سے مسیح کی ملاقات ہوئی، مسیح نے اُن کو سلام کیا، اور کہا کہ تم جاؤ اور میرے بھائیوں کو کہدو کہ وہ گلیل چلے جائیں، وہاں مجھ کو دیکھ سکیں گے،[1]

اور لوقا کہتا ہے[2] کہ ان عورتوں نے جب دو شخصوں سے سُنا تو واپس ہوئیں اور گیارہ اشخاص اور تمام شاگردوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی، مگر انھوں نے ان عورتوں کے بیان کو سچا نہیں مانا۔

اور یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کی ملاقات مریم[3] سے قبر کے پاس ہوئی[4]،

ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟ اختلاف ۹۲

انجیل لوقا کے باب ۱۱[5] میں لکھا ہے کہ:-

ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریاہ کے خون تک جو قربان گاہ اور مقدس کے بیچ میں ہلاک ہوا

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے باز پُرس کی جائے گی "

اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کے عوض ماخوذ نہ ہوگا[6]،

اسی طرح تورات کے اکثر مقامات میں لکھا ہے کہ اولاد تین یا چار پشتوں تک باپ دادا کے گناہوں کے عوض ماخوذ ہوگی۔

---

[1] ۲۸: ۸ تا ۱۰ ، [2] ۲۴: ۹ ، [3] یعنی مگدلینی ، [4] یوحنا ۲۰: ۱۳ تا ۱۵ ،
[5] آیت ۵۱ ، [6] "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

اختلاف نمبر ۹۳

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ:۔

"یہ ہمارے منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں۔[1]"

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ:۔

"اسی سبب سے خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب سزا پائیں"

ملاحظہ کیجئے، پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی ہے کہ خدا اُن پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس پر اُن کو سزا دیگا، حالانکہ پروٹسٹنٹ کے علماء بعینہٖ یہی عیب دوسرے مذاہب میں نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے گمراہ کرنا، پھر اُن کو سزا دینا تمہارے نزدیک نجات اور معرفتِ حق حاصل کرنے کی کوئی قسم ہے؟[2]

پولس کے عیسائی ہونے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

کتاب الاعمال کے باب ۹ و باب ۲۲ و باب ۲۶ میں پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے[3]، اور تینوں ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

---

[1] یعنی انسانوں کو سنجیدگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گذارنا (آیت ۲)

[2] یہاں مصنفؒ خاص طور سے علماء پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالق شر نہیں مانتے اور رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے،

[3] اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نور اس پر چمکا، اور اُسے حضرت مسیحؑ کی

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں، ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:۔

۱۔ باب ۹ میں ہے کہ:۔

"جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے"

اور باب ۲۲ میں یوں ہے کہ:۔

"اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سُنی"

دیکھئے پہلی عبارت میں "آواز تو سنتے تھے" اور دوسری میں "آواز نہ سنی"۔ دونوں کس قدر مختلف ہیں!

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:۔

"اُٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا"

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:۔

"خداوند نے مجھ سے کہا اُٹھکر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے مقرر ہوا ہی وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا"

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:۔

"اُٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو اُن کی آنکھیں

لہ آیت ۹۔　　　　لہ آیت ۹۔

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں "

دیکھئے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی تفصیل و توضیح کو شہر میں پہونچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے[ؒ۱]، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تیئیس ہزار یا چوبیس ہزار؟ اختلاف نمبر ۹۷،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

"اور ہم حرامکاری نہ کریں جس طرح ان میں سے بعض نے کی[ؒ۲]، اور ایک ہی دن میں تیئیس ہزار مارے گئے "

اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:۔

"جتنے اس وبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا "

ؒ۱ "جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ" (اعمال ۲۶: ۱۴)

ؒ۲ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شطیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے ان میں کے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تقی

دونوں میں ایک ہزار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے،

حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸

کتاب الاعمال کے باب ۷ آیت ۱۴ میں ہے کہ:۔

"پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور سارے کنبہ کو جو پچھتر جانیں تھیں بُلا بھیجا"

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اُس بُلا بھیجنے سے قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور ان کی اولاد کے باقی خاندانِ یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲۷ میں ہے کہ:۔

"سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے"

اور یوسفؑ اور اُن کے بیٹے ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد میں داخل ہیں، لیّا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راحیل کی ۱۱، بلہا کی ۷ اولاد یہ کُل ۶۶ افراد تھے، پھر جب اُن کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور اُن کے دونوں بیٹوں کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے۔

امن و سلامتی یا جنگ و پیکار؟ اختلاف نمبر ۹۹

انجیل متی کے باب ۵ آیت ۹ میں یوں ہے کہ:۔

"مبارک[1] ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:۔

---

[1] عربی ترجمہ میں "طوبیٰ لہم" کے الفاظ ہیں، جس کے معنی "مبارک ہیں" کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انھیں جنت ملے گی" ۱۲

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں۔"

ملاحظہ کیجیے، دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے! اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰؑ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ ان کو ابن اللہ کہا جائے،

یہوداہ اسکریوتی کی موت اختلاف نمبر ۱۰۰

متی نے یہوداہ اسکریوتی[1] کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور لوقا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اوّل تو یہ کہ پہلے[2] میں تصریح کی گئی ہے کہ "اس نے جاکر اپنے آپ کو پھانسی دی"

دوسرے میں یہ بات[3] صاف طور پر کہی گئی ہے کہ "وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں"

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا[4]،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک، جس نے (بقول انجیل) آخر میں غداری کر کے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰؑ کو پکڑوایا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نادم ہوکر وہ تیس روپے سرداروں کو واپس کر دیئے تھے، (تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۱۶ و ۴۱۷ جلد ہذا)،

[2] متی ۲۷: ۵ [3] اعمال ۱: ۱۸،

[4] "سردار کاہنوں نے روپیہ لیکر کہا ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے، پس انہوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کے لئے خریدا" (متی ۲۷: ۶ و ۷)

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کھیت خریدا تھا[1] مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

"اور یہ یروشلیم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے[2]، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:۔

(۱) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہودا موت سے پہلے اس بات پر نادم ہوا کہ اس نے کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰؑ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

(۲) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہوداہ نے تیس دراہم کاہنوں کے سرداروں اور بوڑھوں کو واپس کر دیئے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلاطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلاطس کے عبادت خانہ

---

[1] "اس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا" (اعمال ۱: ۱۸)

[2] عیسائیوں کے ممتاز عالم اے. لیوکن ولیمز A. Lukyn Williams نے یہوداہ اسکریوتی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو راجح قرار دیا۔ دوسرے اختلاف کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ "متی ۲۷: ۵ اور اعمال ۱: ۱۸ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہوداہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے"۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۶۸، جلد ۱۳ مقالہ Judas Iscariot)

میں عیسیٰؑ کے سلسلہ میں شکایتیں کیا کرتے تھے، مگر وہ عبادت خانہ میں موجود نہ تھے،

③ عبارت کا سیاق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دوسری اور گیارہویں آیت کے درمیان بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہے،

④ یہوداہ کی موت اس رات کی صبح کو واقع ہوئی جس میں عیسیٰؑ کو قید کیا گیا، اور یہ بات نہایت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی قلیل مدت میں اپنے فعل پر نادم بھی ہو جائے اور اپنا گلا گھونٹ لے، کیونکہ اس کو گرفتار کرانے سے پہلے معلوم تھا کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کر دیں گے۔

⑤ اس میں آیت ۹ کے اندر صریح غلطی موجود ہے، جیساکہ آپ کو تفصیل سے باب[1] ۲ میں معلوم ہوگا،

کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱

یوحنا کے پہلے عام خط باب ۲ آیت ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"یسوع مسیح راست باز اور وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی"

اس کے برعکس سفر امثال[2] باب ۲۱ آیت ۱۸ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نیکوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں،

اختلاف نمبر ۱۰۲

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۸ سے اور باب ۸ آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی نہایت کمزور عیب دار

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۷۶، ۶، مقصد ۲، شاہد نمبر ۲۸،

[2] "شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغاباز راستبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا" (۲۱: ۱۸)

اور غیر مفید[1] ہے، اور زبور نمبر ۱۸[2] کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے عیب اور سچی[3] ہے،

اختلاف نمبر ۱۰۳

انجیل مرقس کے باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں[4] جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں[5]" اور یوحنا کی انجیل کے باب ۲۰ سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تاریکی موجود تھی اور آنے والی عورت صرف ایک تھی[6]۔

صلیب پر لٹکائے ہوئے اعلان کی عبارت، اختلاف نمبر ۱۰۴

وہ عنوان جو پیلاطس نے لکھ کر صلیب کے اوپر رکھا تھا، چاروں انجیلوں میں مختلف ہے پہلی انجیل میں[7] اس کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں "یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے" دوسری[8] انجیل میں صرف "یہودیوں کا بادشاہ" تیسری[9] میں "یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے" اور چوتھی[10] میں ہے کہ "یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ"

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی اور معمولی بات بھی ان انجیل والوں کو محفوظ اور یاد نہ رہ سکی، پھر ایسی شکل میں لمبی اور طویل خبروں کی نسبت ان کی یادداشت

---

[1] خط کی عبارت یہ ہے کہ "غرض پہلا حکم کمزور اور بیفائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہوگیا"

[2] سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت زبور نمبر ۱۹ میں ملی ہے، زبور کی ترتیب میں چونکہ کافی گڑبڑ واقع ہوئی ہے، اس لئے شاید مصنف کے نسخہ میں یہ زبور نمبر ۱۸ ہوگا واللہ اعلم ۱۲

[3] خداوند کی شریعت کامل ہے وہ جان کو بحال کرتی ہے، خداوند کی شہادت برحق ہے، نادان کو دانش بخشتی ہے، خداوند کے قوانین راست ہیں" (۱۹: ۷، ۸) یہ عبارت عبرانیوں ۷: ۱۹ کے اس لئے بھی مخالف ہے کہ اس میں ہے" شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا" ۱۲

[4] یعنی مریم مگدلینی وغیرہ، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر اختلاف نمبر ۹۰ میں گذرا ۱۲ [5] (۱۶: ۲)

[6] "مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی" (۲۰: ۱)

[7] متی ۲۷: ۳۷، [8] مرقس ۱۵: ۲۶، [9] لوقا ۲۳: ۳۸، [10] یوحنا ۱۹: ۱۹،

پر کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

حضرت یحییٰؑ کی گرفتاری کا سبب
اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا[1]، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیاس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے[2]۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیاس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰؑ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰؑ سے اپنی بدکاریوں کی بناء پر نالاں اور ناراض تھا[3]،

بارہ حواریوں کے نام
اختلاف نمبر ۱۰۶

متی، مرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں اتفاق رائے رکھتے ہیں، یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدی، یوحنا، فلپس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن حلفی شمعون قنانی، یہوداہ اسکریوتی، لیکن بارھویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

---

[1] "ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے بچائے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سنکر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا" (۶: ۲۰)

[2] ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرا دیا (دیکھئے مرقس ۶: ۱۷)

[3] "اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب بُرائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں الخ" (۳: ۱۹)

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور لقب تدادس تھا[1]، مرقس، تدادس براُن[2] کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی[3]،

اختلاف نمبر ۱۰۷

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰؑ نے اس سے کہا:۔

"میرے پیچھے ہولے، وہ اٹھکر اس کے پیچھے ہولیا"

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقلین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل باب[4] ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب[5] ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب[6] ۵ میں صرف لاوی بغیر ولدیت کے مذکور ہے، اور ان سے اگلے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں سب نے[7] متی کا نام ذکر کیا ہے[8]، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

اعظم الحوارئینؑ یا شیطانؑ؟
اختلاف نمبر ۱۰۸

متی نے اپنی انجیل کے باب[9] ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے پطرس کو اعظم الحوارئین قرار دیا. اس طرح کہ اس سے فرمایا:

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف "تدّی" مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)
[2] اردو ترجمہ میں تدّی مذکور ہے (مرقس ۳: ۱۸) [3] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، (لوقا ۶: ۱۶) اعمال ۱: ۱۳ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، [4] متی ۹: ۹، [5] مرقس ۲: ۱۴، [6] لوقا ۵: ۲۷،
[7] یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے: "اور متی محصول لینے والا" اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲ [8] آیت ۱۸ و ۱۹،
[9] چنانچہ، رومن کیتھولک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اُسے تسلیم نہیں کرتا ۱۲ تقی

"میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا، جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا"

پھر آگے اسی باب[۲] میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰؑ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"

علماء پروٹسٹنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال پطرس کی مذمت میں نقل لئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی بیماری تھی، اور اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا، آگسٹائن کہتا ہے کہ:

"یہ شخص ثابت قدم اور پختہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا"

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا ہے اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن ہے جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پا سکیں؟

اختلاف نمبر ۱۰۹

لوقا نے اپنی انجیل کے باب[۳] ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اور یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:

"اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں[۳] بھسم کر دے"

اس پر حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ:

---

[۱] آیت ۲۳۔ [۲] آیت ۵۴ تا ۵۶۔ [۳] یعنی سامرہ کے باشندوں کو۔

"تم نہیں جانتے کہ تم کیسی رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا"

لیکن پھر باب[1] ۱۲ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے:۔

"میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا"

اختلاف نمبر ۱۱۰

متی و مرقس اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰ پر روح[2] القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ بیان کرنے میں تینوں کا اختلاف ہے،

پہلا کہتا[3] ہے کہ:۔ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"

دوسرا کہتا[4] ہے کہ:۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے جس[5] سے میں خوش ہوں"

تیسرا کہتا[6] ہے کہ:۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں"

اختلاف نمبر ۱۱۱

متی نے باب ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں[7] نے درخواست کی تھی کہ:۔

"میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب اپنی بادشاہت میں جگہ دیں"

---

[1] آیت ۴۹ ، [2] اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۴، جلد ہذا، اختلاف ۱۱۹

[3] متی ۳: ۱۰ ، [4] مرقس ۱: ۱۱ ،

[5] یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے بالکل مطابق ہے ۱۲

[6] لوقا ۳: ۲۲

[7] زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ (متی ۲۰: ۲۰)

اور مرقس نے باب ۱۰ میں نقل کیا ہے کہ یہ درخواست خود زبدی کے[1] بیٹوں نے کی تھی

انجیر کے سوکھنے کا واقعہ

اختلاف نمبر ۱۱۲

متی نے باب ۲۱[2] میں حضرت عیسیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ:

"اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھکر اس کے پاس گیا، اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پاکر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، اور انجیر کا درخت اسی دم سُوکھ گیا، شاگردوں نے یہ دیکھکر تعجب کیا، اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سُوکھ گیا؟"

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب ۱۱[3] میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

"اور وہ دُور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھکر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سُنا"

اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلیم تشریف لے گئے، اور جب شام ہوئی تو شہر سے باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گذر دوبارہ اس درخت پر سے ہوا تو:

"اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا[4]، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سُوکھ گیا ہے"

اس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور فرمائیے دونوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت کا پھل بغیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے سراسر

---

[1] زبدی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آکر کہا الخ (مرقس ۱۰: ۳۵)

[2] آیات ۱۸ تا ۲۰، [3] آیات ۱۳ و ۱۴، [4] آیات ۲۰، ۲۱

مالک کو نقصان دینا مقصد ہو، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات بھی بعید از عقل ہو کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جائے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جائے، بلکہ شان اعجاز کا مقتضیٰ تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعاء کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیحؑ خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انگور والے کی مثال
اختلاف نمبر ۱۱۳

انجیل متی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال[1] بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"پس جب تاکستان کا مالک آجائے گا تو اُن باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں[2]"

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب[3] ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

---

[1] یہ مثال حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہو کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ (تاکستان) لگایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر چلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اُس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اُسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳ تا ۳۹)

[2] آیت ۴۰ و ۴۱ ، [3] (۲۰: ۱۶)

"اب تاکستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کرے گا اور تاکستان اوروں کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سنکر کہا، خدا نہ کرے۔"

ان دونوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آرہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک ان کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف کہا گیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا،[1]

حضرت مسیح کے سر پر عطر ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۴

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ[2] جس نے مسیح پر خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے:-

① مرقس[3] نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عید فسح[4] سے..............

۱؎ عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا حاشا"

۲؎ واقعہ انجیل متی کی رو سے مختصراً یہ ہو کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰؑ بیت عنیاہ میں کھانا کھارہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لاکر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، ورنہ غریبوں کے کام آسکتا تھا، حضرت مسیحؑ نے سنکر انھیں تنبیہ کی کہ غربا، تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۶ تا ۱۳)

۳؎ نیز متی (آیت ۲)

۴؎ عید فسح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نیسان (اپریل) کی چودھویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فسح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے "عید فسح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵،۸ اور گنتی ۲۸: ۱۶، ۲۵ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲ تقی

دو روز قبل کا ہے[1]، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز[2] قبل کا ہے، متی عید[3] سے قبل کی مدت بیان کرنے سے خاموش ہے،

(۲) مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرص کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان[4] ذکر کرتا ہے،

(۳) متی اور مرقس[5] خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں[6] کا ذکر کرتا ہے،

(۴) مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ[7] تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہودا تھا[8]،

(۵) یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سو سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

(۶) تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

---

[1] مرقس ۱۴: ۱،

[2] "پھر یسوع فسح سے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا" (یوحنا ۱۲: ۱)

[3] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲۶: ۲) شاید مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

[4] بائبل میں اگرچہ لعزر کا مکان مذکور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

[5] متی ۲۶: ۸، مرقس ۱۴: ۴،

[6] "یسوع کے پاؤں پر ڈالا" (یوحنا ۱۲: ۳)

[7] "بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے" (۱۴: ۴)

[8] یعنی اسکریوتی (۱۲: ۴)،

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید[1] ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوتِ طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معترضین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰؑ سے اس عورت کے فعل کی درستی، اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰؑ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

عشائے ربانی کا واقعہ اختلاف نمبر ۱۱۵،

جو شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی[2] کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

---

[1] یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

[2] عشاء ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہو کہ گرفتاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہے تھے، کہ آپ نے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ "یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی برصفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے،

(۱) لوقا دو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس[1] کے بعد، اور متی و مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً متی اور مرقس کا بیان درست اور لوقا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر خصوصیت کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے کہ ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پروٹسٹنٹ فرقہ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہو کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہو کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے اُن کے نزدیک عقیدۂ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہو کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہو کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا (یوحنا ۶: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کرکے کھاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہو کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہو جب کوئی پادری "عشائے ربانی" دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "ہاکیست کارپس میئم" یعنی "یہ میرا بدن ہو" تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہو، اور انگور کا رس مسیح کا خون بنجاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔ اس عمل کو "عشائے ربانی" کا نام پولس نے دیا ہے، جیسا کہ ا کرنتھیوں ۱۱: ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے، ، یہ تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ Eucharist اور پادری ایچ، ایس ٹرنبٹ کی کتاب "حقائق بائبل و بدعات روم" صفحہ ۷۱ و ۷۸ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲ سے صفحہ ۸۸۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

[1] کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے الخ (۲۲: ۲۰)

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پیالہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہٰذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر کُل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم[1] کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفاء کر لیا؟

(۲) لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰؑ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا[2] مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰؑ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا[3]، اور متی کی روایت[4] کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عیسیٰؑ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہے، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہائے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دینِ مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اُسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶

انجیل متی باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-
"وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکڑا ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے"

[1] یعنی صرف ایک پیالہ سے "عشائے ربانی" کیوں مناتے ہیں، دو سے کیوں نہیں مناتے؟

[2] "یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے" (لوقا ۲۲: ۱۹)

[3] "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے" (مرقس ۱۴: ۲۴)

[4] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں "عہد کا خون ہے" کے الفاظ ہیں، مصنفؒ کے نسخہ میں صرف "عہد"

اسی انجیل کے باب ۱۱ میں[1] یوں ہے کہ

"میرا جُوا اپنے اوپر اٹھالو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا جُوا ملائم ہے، اور میرا بوجھ ہلکا"

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو[2]،

اختلاف نمبر ۱۱۷

انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے کہ ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے مقدس شہر میں لے گیا، اور انھیں ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[3]، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے[4] اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل[5] کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب ۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ[6] پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[7]، اور حضرت عیسیٰؑ گلیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم دیتے رہے[8]، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی[9]،

---

[1] آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے ۱۲

[2] کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرما رہے ہیں، لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد دنیوی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰؑ اخروی طور پر آسانی کو بشارت دے رہے ہیں ۱۲ تقی

[3] آیت ۵، [4] آیت ۸، [5] آیت ۱۲، [6] آیت ۵، [7] آیت ۹،

[8] آیت ۱۳ تا ۱۵ [9] آیت ۱۶،

صوبہ دار کے غلام کو شفاء دینے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۸

انجیل متی کے باب۸ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صوبہ دار بذات خود مسیحؑ کے پاس آیا اور یہ کہکر اپنے غلام کی شفاء کے لئے درخواست کی،۔

"اے خداوند! میں اس لائق نہیں ہوں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، بلکہ صرف زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا"[1]

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ:۔

"جیسا[2] تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہوا، اور اسی گھڑی خادم نے شفاء پائی"

اور لوقا کی انجیل باب۷ سے معلوم ہوتاہے کہ وہ خود کبھی نہیں آیا، بلکہ اس نے یہودیوں کے بزرگوں[3] کو آپ کے پاس بھیجا، پھر مسیحؑ اُن کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب گھر کے نزدیک پہنچے تو:۔

"صوبہ دار نے بعض دوستوں کی معرفت یہ کہلا بھیجا کہ اے خداوند! تکلیف نہ کر، کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، اسی سبب سے میں نے اپنے آپ کو بھی تیرے پاس آنے کے لائق نہ سمجھا، بلکہ زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا[4]"

پھر یسوعؑ نے اس کی تعریف کی، اور جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ گھر واپس ہوئے تو انھوں نے بیمار غلام کو تندرست پایا،

تجلی کا واقعہ، اختلاف ۱۱۹

متی نے باب ۸ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک فقیہہ کی یہ درخواست نقل کی ہے کہ

---

[1] آیت ۸، [2] آیت ۱۳، [3] آیت ۳، [4] آیت ۶ تا ۸،

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں[۱]، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلّی[۲] کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور راحت طلبی اپنی انجیل کے باب ۹[۳] میں تجلی کے واقعہ[۴] کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

پاگل گونگے کا واقعہ اختلاف نمبر ۱۲۰

متی نے باب ۹[۵] میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے[۶]۔ پھر باب ۱۰ میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماروں کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا پہلے باب ۹ میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ[۷] پھر تجلی کا قصہ[۸]، پھر اس باب میں اور باب ۱۰ میں اور باب ۱۱ کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے[۹]،

---

۱ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرینیوں کے ملک میں تشریف لیجا رہے تھے ۱۲

۲ تجلی کا واقعہ از روئے انجیل مختصراً یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ پطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے پہاڑ پر تشریف لیگئے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰ و الیاس آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر اچانک ایک نورانی بادل نے اُن پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سُنائی دی: "یہ میرا پیارا بیٹا ہے: اور میں اس سے خوش ہوں" ۱۲ تقی جیسا حضرات رُوح القدس سے تعبیر کرتے ہیں

۳ آیت ۵۷ تا ۶۰، ۴ ۹: ۲۸، ۵ آیت ۳۲، ۶ کہ حضرت مسیح نے اُسے اچھا کر دیا،

۷ آیت ۱، ۸ آیت ۲۸، ۹ ۱۱: ۱۴،

اختلاف نمبر ۱۲۱

مرقس نے باب ۱۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین[1] بجے سُولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس اپنی انجیل کے باب ۱۹ آیت ۱۴ میں صاف کہتا ہے کہ:-

"حضرت مسیح ۶ بجے تک پیلاطس کے پاس تھے[2]"

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲

متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے:- "تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا" ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا[3]؟"

اور انجیل مرقس باب ۱۵ میں[4] ہے کہ:-

"الوہی الوہی لما شبقتنی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۳ میں[5] یہ الفاظ ہیں:-

"اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں[6]"

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں "پہر دن چڑھا تھا" کا لفظ ہے ۱۲

[2] اس اختلاف کی مزید تفصیل صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۰ اور اس کے حاشیہ پر گذر چکی ہے ۱۲

[3] آیت ۴۶، [4] آیت ۳۴، [5] آیت ۴۶،

[6] یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے دو مرتبہ زور سے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو مجمل چھوڑ دیا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز بیان کی، تقی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اختلاف نمبر ۱۲۳ متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چوغہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی تھے[1]، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے[2]،

اختلاف نمبر ۱۲۴ مرقس کے کلام[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں[4] کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو سرکہ دیا تھا، اور متی و یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نے وہ سرکہ نوش فرمایا[5]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ بیان کر کے کہا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اس لئے انصاف کی بات یہ ہو کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنفؒ کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان سے چُوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

[1] متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

[2] مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں مطلق "سپاہیوں" کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا ۲۳: ۳۶)

[3] ۱۵: ۲۲، اردو ترجمہ میں "مر ملی ہوئی شراب" کا لفظ ہے،

[4] متی ۲۷: ۴۸، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

[5] یہ عربی ترجمہ کی رُو سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ملی ہوئی شراب کا ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ ہو جس میں اناجیل اربعہ متفق ہیں ۱۲ تقی

تیسری فصل

دوسری قسم

غلطیاں

وَلَتَعرِفَنَّهُم فِی لَحنِ القَولِ ؕ

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو "اختلافات" کے ضمن میں آئی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال[1] ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵ سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۲ کے مقصد ۳ کے شاہد نمبر ۱ میں معلوم ہوگا[2]،

دوسری غلطی کتاب گنتی کے باب ۱ میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

---

[1] "چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا لشکر ملک مصر سے نکل گیا" ۱۲ : ۴۰

[2] دیکھئے صفحہ ۶۹۶، ۶۹۷،

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۲۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیساکہ آپ کو فصل ۲ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے[1]،

تیسری غلطی | کتاب الاستثنا. کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے[2]،

چوتھی غلطی | کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص ہے[3]،

پانچویں غلطی | کتاب سموئیل اوّل باب ۶ آیت ۱۹ میں لفظ "پچاس ہزار مرد" واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب ۲ کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا[4]۔

چھٹی ساتویں غلطی | کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ "چالیس" واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ "ارام" آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ ارام کے ادوم ہے، جیساکہ باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہوگا[5]، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی، | کتاب تواریخ ثانی باب ۳ آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ "اور گھر کے سامنے[6] کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس

---

[1] دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹ جلد ہٰذا [2] اس کی تفصیل صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵ پر گذر چکی ہے ۱۲

[3] اس کی تفصیل بھی صفحہ ۳۳۳ و ۳۴۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے [4] دیکھئے صفحہ ۷۰۶، ۷۰۷ ج ۲ شاہد نمبر ۵

[5] دیکھئے صفحہ ۶۳۲ (جلد دوم) شاہد نمبر ۱۳ و ۱۴،

[6] اس سے مراد وہ ہیکل ہے جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲

اس میں ایک سو بیس کی مقدار بالکل غلط ہے، کیونکہ کوٹھڑی کی اونچائی صرف ۳۰ ہاتھ تھی جیساکہ سلاطین اوّل باب ۶ آیت ۲ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر چھت کی بلندی ۱۲۰ ہاتھ کیونکر ہوسکتی ہے؟ آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہے، اور سریانی اور عربی مترجمین نے تحریف کی اور لفظ ایک سو اڑا دیا، اور کہا کہ اس کی اونچائی بیس ہاتھ ہے۔

بنی بنیامین کی سرحدیں، نویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۱۸ آیت ۱۴ میں بنی بنیامین کی سرحد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:-

"اور دریا کے سامنے[2] سے جھکتی اور مڑ جاتی ہے"

اس میں دریا کے سامنے کا لفظ غلط ہے، کیونکہ ان کی حدیں دریا کا کنارہ نہیں تھا، اور نہ اس کے آس پاس ہی تھا، مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور دونوں نے کہا ہے کہ:-

"وہ عبرانی لفظ جس کا ترجمہ دریا کیا گیا ہے، اس کے معنی دراصل مغرب کے ہیں"

لیکن یہ معنی ہم نے کسی ترجمہ میں نہیں دیکھے، غالباً اصلاح کی غرض سے یہ دونوں صاحبوں کی ایجاد ہے،

یہوداہ کی حد، دسویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۱۹ آیت ۳۴ میں بنونفتالی کی

---

[1] "اور اونچائی تیس ہاتھ تھی" (۶ : ۲)

[2] یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، مگر شاید اردو مترجم کو مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ کی تاویل کی خبر ہوگئی ہوگی، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں "دریا" کے بجائے "مغرب" کا لفظ مذکور ہے، "مغرب کی طرف جنوب کو جھکی" اور انگریزی ترجمہ میں اب بھی Sea کا لفظ موجود ہے، جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں West سے بدل جائے ۱۲ تقی

مد کے بیان میں یوں آیا ہے کہ :

"مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہوداہ کی حد جنوب کی جانب بہت دور تک تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب ۲ میں آپ کو معلوم ہو گا ،

گیارہویں غلطی

مفسر ہارسلے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۳ کی آیت ۷ و ۸ دونوں غلط ہیں[1]،

بارہویں غلطی

کتاب القضاۃ کے باب ۱۷ آیت ۷ میں ہے کہ :-

"اور بیت لحم یہوداہ میں یہوداہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو لاوی تھا، یہ وہیں ٹکا ہوا تھا "

اس میں لفظ "جو لاوی تھا" بالکل غلط ہے. کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لاوی کیسے ہو سکتا ہے ؟ چنانچہ مفسر ہارسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور ہیوبی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

تیرہویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں یوں ہے کہ :-

"اور ابیاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر جو زبردست سورما تھے صف آرائی کی "

پھر آیت ۱۷ میں ہے کہ :

"اور ابیاہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خونریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

---

[1] اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

"اسرائیل کے پانچ لاکھ چُنے ہوئے مرد کھیت آئے"

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسّرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب ماشیہ[1] میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا"[2]

اس میں لفظ "اسرائیل" یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہودا کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا، اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ "اسرائیل" میں تحریف کر کے یہودا بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

پندرھویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"اور اس کے بھائی صدقیاہ کو یہوداہ اور یروشلم کا بادشاہ بنا دیا"[3]

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح[4] ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

---

[1] دیکھئے ص ۶۴۰، مقصد (۱) شاہد (۱۸)　[2] دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸: ۱۹،

[3] یعنی بنوکدنصر شاہ بابل نے یہویاکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا،

[4] چنانچہ ۲ سلاطین ۲۴: ۱۷ میں "اس کے باپ کے بھائی" کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویاکین یہویقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیاہ یہویاکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہویقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اُسے صدقیاہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۲۶: ۱ و ۲۷: ۱)،

لفظ "بھائی" کو "چچا" سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:۔

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو "چچا" کے لفظ سے بدل دیا گیا"

سولھویں غلطی سموئیل ثانی باب ۲۱ آیت ۱۶ و ۱۹ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ کی آیت ۳ و ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ "ہدرعزر"[1] آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "ھدد عزر" دال کے ساتھ ہے،

سترھویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۷ آیت ۱۸ میں لفظ "عکن" نون کے ساتھ آیا ہے حالانکہ صحیح لفظ "عکر"[2] را کے ساتھ ہے،

اٹھارھویں غلطی کتاب تواریخ اول کے باب ۳ آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔ "عمی ایل کی بیٹی بت شوع"[3] حالانکہ صحیح لفظ[4] "الیعام کی بیٹی بت سبع" ہے،

انیسویں غلطی کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ آیت ۲۱ میں لفظ "عزریاہ"[5] استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ "عزیا" بغیر را کے[6] ہے،

---

[1] یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

[2] (قبیلۂ یہوداہ کا ایک شخص)، چنانچہ ۱۔ تواریخ ۲: ۷ میں "عکر" ہی مذکور ہے،

[3] "بت سبع" اوریا کی بیوی جس کے بارے میں توریت کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤد نے ان سے (معاذ اللہ) زنا کیا، اور پھر اوریا کو مروا کر اس سے شادی کرلی، اور حضرت سلیمانؑ ان سے پیدا ہوئے ۱۲

[4] جیسے کہ ۲۔ سموئیل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،

[5] یروشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

[6] جیسا کہ ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱، ۲۔ سلاطین ۱۵: ۱۳ و ۳۰ و ۳۲ و ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

بیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ آیت ۷ میں لفظ "یہو آخز" درج ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ "اخزیاہ"[1] ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں پہلے تو اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلطی نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے:

"اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ تفصیل سے جو صاحب جاننا چاہیں وہ ڈاکٹر کنی کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۶۲ ملاحظہ فرما سکتے ہیں"

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

یہویقیم قید ہوا یا مقتول

اکیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ بابل یہویقیم کو زنجیروں میں قید کر کے بابل لے گیا، جو بالکل غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یروشلم میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر پناہ سے باہر پھینکدی جائے، دفن کئے جانے کی قطعی ممانعت[2] کر دی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب ۱۰ باب ۶ میں لکھا ہے کہ:

"بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہویقیم بھی تھا، اور

---

[1] جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۱ و ۲۔ سلاطین ۸، ۲۵ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، (یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا) ۱۲

[2] یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلا وطنی اس کے کچھ بعد عمل میں آئی ہے ۱۲

اور اس کی نعش شہر پناہ سے باہر پھینکوا دی، اس کا بیٹا ۔۔ اکین تخت نشین ہوا تو تین ہزار مردوں کو قید کیا، جنہیں حزقیال پیغمبر بھی تھے ۔"

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
بائیسویں غلطی

کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ :

" ۶۵ سال بعد ارام[1] مٹ جائے گا ۔"

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ :۔

" ۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا ۔"

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاہ کی تخت نشینی کے چھٹے سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۷ و ۱۸ میں موجود[2] ہے، اس طرح ارام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں مٹ گیا ۔

وٹ رنگا عیسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ :۔

---

[1] یعنی سوریا (Syria) ہمارے پاس کسی ترجمہ میں "ارام" کا لفظ نہیں، بلکہ "افرائیم" ہے، "اور پینسٹھ برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہیگا" اس سے مقصد شاہ اسور (سلمنسر) کا حملہ ہے، جیسا کہ اسی باب کی آیت ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے،

[2] "حزقیاہ کے چھٹے سال جو ہوسیع کا نواں برس تھا، سامریہ لیلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو اسیر کر کے اسور لے گیا" (۱۸: ۱۰، ۱۱)

[3] اس لئے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیاءؑ کی زبانی آخز کے زمانہ میں ہوئی تھی (یسعیاہ ۷:۱) اور آخز کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہوسیع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہے (۲-سلاطین، ۱۷:۱) اور اس کی تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۸: ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا پورے اکیس سال بنے، ۱۲ تقی

"یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخز کی حکومت ۱۶ سال اور حزقیاہ کا دورِ سلطنت ۵ سال"

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب یسعیاہ کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے مترجم نے آیت مذکور نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جبلی عادت سے باز نہیں آتے۔

حضرتِ آدمؑ کو درخت کی ممانعت
تینتیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۱۷ میں ہے کہ "لیکن نیک و بد کی پہچان کا درخت کبھی کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا[1] تو مرا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا، حالانکہ وہ کھانے کے دن نہیں مرے، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

چوبیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:

"تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہے، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی"[2]

اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی عمر ۶۰۰ سال، اور ارفکسد کی عمر ۳۳۸ سال ہوئی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۷۰، ۸۰ تک پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

---

[1] بقول توریت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳: ۳ سے معلوم ہوتا ہے۔

[2] پیدائش ۶: ۳۔

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:۔

"اور میں تجھ کو[۱۵] اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان کا خدا ہوں گا"

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیمؑ کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدتِ مدید گذری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

یہودیوں کی جلا وطنی غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے:۔

"وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہویقیم بن یوسیاہ کے چوتھے برس میں جو شاہ بابل بنوکدنضر کا پہلا برس تھا، یہوداہ کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا"

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔

"یہ ساری زمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں ستر برس تک شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب ستر برس پورے ہوں گے تو میں شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اُجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ ویران رہے" (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ:

"اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر ہو گئے تھے اور کاہنوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنوکدنضر یروشلم سے

[۱۵] یہ خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو خطاب ہے،

اسیر کر کے بابل لے گیا تھا، (اس کے بعد کہ یکونیاہ بادشاہ[1] اور اس کی والدہ اور خواجہ سرا اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کاریگر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے)" (آیات ۱ و ۲)

پھر اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:-

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤنگا اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا"

یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-

"بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من برشما رجوع خواہم کرد"

ترجمہ: "بابل میں ستر سال گذر جانے کے بعد میں تمھاری طرف رجوع کروں گا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ:-

"بعد از تمام شدن ہفتاد سال در بابل شما را باز دید خواہم نمود"	"بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد میں دوبارہ تمہاری طرف رُخ کروں گا"

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:-

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بنوکدر ضر اسیر کر کے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تیئیس یہودی بنوکدرضر کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں سے آٹھ سو بتیس آدمی اسیر کر کے لے گیا، بنوکدرضر کے تیئیسویں برس میں جلوداروں کا سردار نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کر لے گیا، یہ سب آدمی چار ہزار چھ سو تھے" (آیات ۲۸ تا ۳۰)

[1] یہ یکونیاہ بن یہویقیم ہے جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۴:۱)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

(۱) بخت نصر یہویاقیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا، اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"بخت نصر یہویاقیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا"

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاء علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہویاقیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

(۲) ارمیاء علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یکونیا بادشاہ اور رؤساءِ یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

(۳) تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی کُل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلاوطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں:۔

۱۔ یکونیا، بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور کاریگروں کی جلاوطنی مؤرخین کی تصریح کے مطابق ولادت مسیحؑ سے پانچ سو ننانوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہے کہ یہ جلاوطنی مسیحؑ کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور ارمیاء علیہ السلام کا اُن کے پاس کتاب بھیجنا اُن کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بائبل کی رُو سے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہئے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خورس کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال[1] ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الی کتاب المقدس الثمین مطبوعہ ۱۸۵۲ء بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ[2] ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے :-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاہ علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	داریوس کی وفات جو قورش کا ماموں تھا، اور قورش کا اس کی جگہ مادی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہوداہ واپس چلے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲- دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

---

[1] یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۱۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیئے جائیں تو ۶۳ بچتے ہیں، اور ۷۰ سے تفریق کی جائے تو چودہ بچتے ہیں، ۱۲

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بداہۃً غلط ہے، صحیح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صناع کاریگر اُن کے علاوہ تھے[۱]،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری[۲] جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیئیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اُنیسویں سال واقع ہوئی[۳]۔

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیشگوئی، انتیسویں غلطی

کتاب حزقیل کے باب ۲۶ میں ہے کہ:

"اور گیارہویں برس میں مہینہ کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا"

پھر آیت نمبر ۷ میں ہے:-

"خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنوکدرضر کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں، اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انبوہ کے ساتھ شمال سے صور[۴] پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے اردگرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دمدمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں ڈھال اُٹھائے گا، وہ اپنی منجنیق کو تیری شہر پناہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیری

---

[۱] "اور وہ سارے یروشلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور لُہاروں کو اسیر کرکے لے گیا" (۲۔ سلاطین ۲۴: ۱۴)

[۲] یعنی بنوزرادان والی ۱۲

[۳] "اور شاہ بابل بنوکدنضر کے عہد کے اُنیسویں برس کے پانچویں مہینہ کے ساتویں دن الخ (۲۵: ۸)

[۴] صور Tyre ازمنہ قدیم کا ایک ساحلی شہر جو سوریا کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب دفاعی اعتبار سے انتہائی منضبط تھا، آجکل یہ علاقہ لبنان کے حدود میں واقع ہے ۱۲ تقی

برجوں کو ڈھا دے گا، (اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب سے اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے چھپالے گی، جب وہ تیرے پھاٹکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنہ کر کے شہر میں گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سے تیری شہر پناہ ہل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں[1] سے) تیری سب سڑکوں کو روند ڈالیگا، اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے اور وہ تیری دولت لوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر پناہ توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے "

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس[2] ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیل کو عذر کی ضرورت پیش آئی، اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں[3] فرمایا کہ :

"ستائیسویں برس کے پہلے مہینہ کی پہلی تاریخ کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے آدم زاد! شاہ بابل بنوکد رضر نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت کروائی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اس نے اور نہ اس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اس نے اس کی مخالفت میں

---

[1] قوسین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

[2] چھٹی صدی قبل مسیح میں، دیکھئے، برٹانیکا، ص ۶۵۳ ج ۲۲ مقالہ (Tyre)،

[3] آیات ۱۷ تا ۲۰ ،



بائبل سے قرآن تک

اظہار الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ دارالعلوم کراچی

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (الآية)

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد سوم

ترجمہ
مولانا اکبر علی صاحب
استاذ حدیث دار العلوم کراچی

شرح و تحقیق
محمد تقی عثمانی
استاذ دار العلوم کراچی

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ ناشر ﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست المضامین

اظہار الحق جلد سوم

تمت

چوتھی فصل

احادیث پر پادریوں کے پانچ اعتراضات

پہلا اعتراض، راوی حضورؐ کے رشتہ دار تھے

حدیث کے نقل کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اور آپؐ کے عزیز رشتہ دار یا صحابی، اس لئے اُن کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں معتبر نہیں،

جواب

یہ اعتراض تھوڑے سے تغیّر کے بعد خود معترضین پر آپڑتا ہے، کیونکہ مسیحؑ کے حالات اور ان کے اقوال جو موجودہ انجیلوں میں مذکور ہیں اُن کے نقل کرنے والے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں یا اُن کا فرضی باپ یوسف نجار یا آپ کے شاگرد، اس لئے ان لوگوں کی شہادت آپ کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتی،

اور اگر عیسائی حضرات یہ کہیں کہ حضورؐ کے عزیزوں اور صحابہؓ کا ایمان ناقابلِ اعتماد

تھا، کیونکہ یہ لوگ دنیوی ریاست کے حصول کے لئے ایمان ظاہر کرتے تھے، تو یہ احتمال تو قطعی باطل ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کافروں کی ایذارسانی کی بناء پر نہایت کلفت اور مصائب سے بھرپور تھی، اس ساری مدت میں آپؐ کے صحابہ کو بھی کافروں کی ایذا رسانی کا شکار ہونا پڑا، اور ہمیشہ مبتلاءِ مصائب رہے، یہاں تک کہ وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر حبشہ اور مدینہ میں جاکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے، اس عرصے میں ان کی جانب سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کہ ان کو طمع دنیا یا حرصِ ریاست کا خیال آسکے،

مزید برآں یہی احتمال حوارین کی نسبت بھی تو ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ سب نہایت تنگدست اور شکار پیشہ تھے، ان لوگوں نے یہودیوں سے بھی یہی سُن رکھا تھا کہ مسیح عظیم الشان بادشاہ ہوں گے، پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں تو اُن پر یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ آپ کے اتباع کرنے سے بڑے بڑے عہدے ملیں گے، اور مچھلیاں شکار کرنے والے جال کے جھنجھٹ سے چھٹکارا حاصل ہوجائے گا، [1]

نیز جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے یہ وعدہ بھی کیا کہ:

"جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کروگے"

جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۹ آیت [2] میں صاف موجود ہے، نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ بھی فرمایا تھا کہ:

---

[1] یہ غالباً جناب پطرس کی طرف اشارہ ہے جو مچھلیاں پکڑ کر گذارا کیا کرتے تھے ۱۲ تقی [2] آیت ۲۸

"ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانے میں سَو گنا نہ پائے"،

جیسا کہ انجیل مرقس کے باب ۱ میں تصریح ہے، اسی طرح مسیح نے اور بہت سی چیزوں کا وعدہ کیا، اس لئے حوارین کو یقین ہو گیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک صاحبِ ملک بادشاہ بن جائے گا، اور ہر ایک اسرائیل کی ایک ایک نسل پر حکمرانی کرے گا، اور اگر بالفرض یہ چیز نہ بھی حاصل ہوئی تو کم از کم اس دنیا میں آپ کے اتباع کی وجہ سے چھوڑی ہوئی چیز کا اس دنیا میں سَو گنا عوض مل جائے گا، اور یہ چیز اُن کے ذہن و دماغ میں اس قدر پختہ جم گئی تھی، کہ یعقوب و یوحنا نے جو زبدی کے بیٹے ہیں، یا اُن کی والدہ نے دونوں انجیلوں کی مختلف روایتوں کی بناء پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کا مطالبہ بھی کیا، تاکہ ان میں سے ایک مسیح کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں طرف آپ کی بادشاہت میں بیٹھا کریں، چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۰ میں صاف طور پر مذکور ہے، اسی طرح انجیل مرقس کے باب ۱۰ میں،

مگر جب انھوں نے دیکھا کہ ہم کو ہماری خیالی سلطنت نصیب نہیں ہوئی، نہ اس دنیا میں سَو گنا عوض مل سکا، بلکہ مسیح بھی دنیوی دولت سے قطعی محروم اور جُوں کے تُوں، تنگدست اور قلاش رہے، یہودیوں کے خوف سے ڈرتے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھاگتے پھرے، انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہودی مسیح کے پکڑنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں، تب اُن کو ہوش آیا کہ ہم غلط سمجھ رہے تھے، اور مذکورہ وعدے محض سراب کے مانند تھے، جس کو پیاسا غلطی سے پانی سمجھتا ہے، ان میں سے

لہ آیات ۲۹، ۳۰ سلہ یہ واقعہ انجیل متی کے الفاظ میں ص ۴ ج ۲ پر گذر چکا ہے، تقی

ایک صاحب نے تو اس خیالی سلطنت اور دیگر ترقیات کے عوض میں فقط تیس درہم لینے پر قناعت کرکے مسیح کو دشمنوں اور یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار کرادیا، اور اس کے صلے میں یہ قلیل رقم اُن سے وصول کی، اور باقی اصحابِ مسیح کی گرفتاری کے موقع پر نہ صرف یہ کہ اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے، بلکہ تین مرتبہ اُن کو پہچاننے سے بھی انکار کیا، پھر ان میں جو صاحب حوارین میں سے سب سے بلند پایہ اور کلیسا کے بانی اور مسیح کے خلیفہ ہیں یعنی حضرت پطرس، انھوں نے تو صاف طور پر اپنے مسیح پر لعنت فرمائی، اور قسم کھا کر اُن کو پہچاننے سے انکار کیا[1]، غرض کہ مسیح کے سُولی دیئے جانے کے بعد حوارین اپنے فرضی اور خیالی منصوبوں سے ناامید ہوگئے، پھر جب دوبارہ مسیح کو زندہ دیکھا تو انکی امیدوں میں ازسرِ نو جان پڑ گئی، کہ ممکن ہے اس مرتبہ ہم سلطنت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں، چنانچہ مسیح کے آسمان پر چڑھنے کے وقت یہ سب مخلصین پھر مسیح کے گرد جمع ہوکر دریافت کرنے لگے کہ کیا اس وقت کھوئی ہوئی بادشاہت اسرائیل کو پھر ملے گی، جیسا کہ کتاب[2] اعمال کے باب اوّل میں صاف طور پر لکھا ہے،

اور آسمان پر چڑھنے کے بعد تو حوارین کے دلوں میں ایک جدید خیال نے کروٹ لی، جو اُن کے نزدیک اس خیالی سلطنت سے بھی بڑھ کر تھا، جس سے وہ لوگ مسیح کے آسمان پر جانے تک محروم رہے، وہ یہ کہ مسیح دوبارہ عنقریب آسمان سے نازل ہوں گے، اور یہ کہ قیامت بہت ہی نزدیک ہو (جیسا کہ باب اوّل کی فصل ۳ دہم میں معلوم ہوچکا ہے) اور یہ کہ نازل ہونے کے بعد دجّال کو قتل کریں گے، اور شیطان کو

---

[1] متی، ۲۶: ۳۵، لوقا، ۲۲: ۳۴، مرقس، ۱۴: ۳۰، یوحنا، ۱۸: ۱۶،

[2] "اے خداوند کیا تو اسی وقت اسرائیل کو بادشاہی پھر عطا کرے گا" (اعمال ۱/۶)

ہزار سال کے لئے قید کر دیں گے، اور مسیح کے نزول کے بعد ہم لوگ تختوں پر جلوس فرما ہوں گے، اور دنیا میں اس پوری مدت میں عیش کی زندگی گذاریں گے، ..... جیسا کہ کتاب المشاہدات کے باب ۱۹ و ۲۰ سے اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۲ سے مفہوم ہوتا ہے، پھر قیامت ثانیہ آنے پر ان کو جنت میں دائمی اور ابدی مسرت نصیب ہوگی، اس لئے انھوں نے مسیحؑ کے احوال بیان کرنے میں اور ان کی تعریف کرنے میں مبالغہ آمیزی کی، چنانچہ چوتھا انجیلی اپنی انجیل کے آخر میں کہتا ہے کہ:

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوعؑ نے کئے، اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"[۱]

حالانکہ یہ حقیقت ہی کہ یہ محض جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ ہے، یہ لوگ اس قسم کی مبالغہ آمیز باتوں کے ذریعے جاہلوں کو اپنے جال میں پھنسایا کرتے تھے، یہاں تک کہ مر گئے، مگر اپنی مراد کو پھر بھی حاصل نہ کر سکے، اس لئے ان کی شہادت مسیحؑ کے حق میں کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے،

یہ ساری بات الزام کے طریق پر کہی جاتی ہے، خدانخواستہ ہمارا اعتقاد ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ کئی مرتبہ صاف طور پر کہا جا چکا ہے،

پھر جس طرح یہ احتمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے سچے حواریوں کے حق میں غلط اور باطل ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی باطل اور لغو ہے،

صحابۂ کرام کی نسبت شیعوں کے اقوال سے استدلال کا جواب

کبھی کبھی پادری حضرات عوام کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے اُن کے سامنے وہ باتیں

[۱] یوحنا ۲۱: ۲۵،

پیش کرتے ہیں جو شیعہ حضرات نے صحابہ کرامؓ کی شان میں جھوٹی اور بے بنیاد گھڑ رکھی ہیں، اس کے دو جواب ہیں، ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب

الزامی جواب تو یہ ہے کہ مورخ موشیم اپنی تاریخ کی جلد اوّل میں کہتا ہے کہ :

"فرقہ ابیونیہ جو پہلی صدی میں گزرا ہے اس کا عقیدہ عیسٰی علیہ السلام کی نسبت یہ تھا کہ وہ فقط انسان تھے، جو مریمؑ اور یوسف نجار سے دوسرے عام انسانوں کی طرح معمول کے مطابق پیدا ہوئے، اور شریعت موسوی کو ماننا فقط یہودیوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ دوسروں پر بھی اسی طرح ضروری اور واجب ہے، اور نجات کے لئے شریعتِ موسویہ کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، چونکہ پولس اس عقیدے میں ان کا ہمنوا نہ تھا، اور اس معاملے میں ان کے سخت خلاف رہا، اس لئے وہ لوگ اس کی شدید مذمت کرتے اور اس کی تحریروں کو بے حد حقیر خیال کرتے ہیں "

لارڈ نر اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۶ ، ۳ پر کہتا ہے کہ :

"متقدمین نے ہم کو خبر دی ہے کہ یہ فرقہ پولس اور اس کے خطوط کی سخت تردید کرتا ہے "

اسی طرح بل اپنی تاریخ میں اس فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

"یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں میں سے صرف توریت کو تسلیم کرتا ہے، اور سلیمان، داؤد، ارمیاہ، اور حزقیال علیہم السلام سے سخت نفرت رکھتا ہے، عہد جدید کی

کتابوں میں سے صرف انجیل متی کو تسلیم کرتا ہے، اور اس میں بھی اس نے بہت سے مواقع پر تحریف کر دی ہے، یہاں تک کہ اس کے پہلے دو نوں ابواب کو اس سے خارج کر دیا"

نیز یہی بل اپنی تاریخ میں فرقہ مارسیونیہ کے بیان میں یوں کہتا ہے کہ:

"اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا دو ہیں، ایک خالقِ خیر، دوسرا خالقِ شر، اور یہ بھی کہتا ہے کہ توریت اور عہد عتیق کی تمام کتابیں، خالقِ شر کی جانب سے ہیں، جو سب کی سب عہد جدید کی کتابوں کے مخالف ہیں"

پھر کہتا ہے:

"اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیحؑ اپنی موت کے بعد جہنم میں داخل ہوئے، اور وہاں پر انھوں نے قابیل اور اہلِ سدوم کی روحوں کو جہنم کے عذاب سے رہائی دی، کیونکہ یہ لوگ اس کے پاس حاضر رہے، اور خدائے خالقِ شر کی اطاعت انھوں نے نہیں کی، مگر ہابیل و نوحؑ و ابراہیمؑ اور دوسرے صالحین کی روحوں کو بدستور جہنم میں رہنے دیا، کیونکہ یہ سب فریق ان کے خلاف تھے، اُن کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جہان کا خالق، صرف وہی خدا نہیں ہے، جس نے عیسیٰؑ کو بھیجا، اور رسول بنایا، اسی وجہ سے یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں کو الہامی نہیں مانتا، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے صرف انجیل لوقا کو تسلیم کرتا ہے، مگر اس کے پہلے دو نوں بابوں کا انکار کرتا ہے، نیز پولس کے خطوط میں سے صرف دس خطوط کو تسلیم کرتا ہے لیکن جو چیز اُن کی رائے کے خلاف ہو اس کو رد کر دیتا ہے"

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۳ میں فرقہ مانی کیز کے بیان میں آگسٹائن کا قول نقل کرتا ہو کہ

"وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت دی اور اسرائیلی پیغمبروں سے کلام کیا، وہ خدا ہی نہ تھا، بلکہ ایک شیطان تھا، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے، مگر یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے، اور جس حصے کو پسند کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں جھوٹی کتابوں کو ترجیح دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ یقیناً سچی ہیں"

پھر لارڈ نر اسی جلد میں یوں کہتا ہے کہ:

اس فرقے نے کسی زمانے میں بھی عہد عتیق کی مقدس کتابوں کو تسلیم نہیں کیا"

اعمال ارکلاس میں اس فرقے کا عقیدہ یہ لکھا ہے:

"شیطان نے یہودیوں کے پیغمبروں کو فریب دیا، اور شیطان ہی نے موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں سے کلام کیا، یہ فرقہ انجیل یوحنا کے باب ۱۰ آیت ۸ سے استدلال[1] کرتا ہے، کہ مسیح نے اُن کے بارے میں کہا ہے کہ وہ چور اور رہزن تھے، نیز اس فرقے نے عہد جدید کو نکالا"

یہی حال دوسرے فرقوں کا ہے، مگر ہم نے تثلیث کے عدد کی رعایت سے صرف ان تین فرقوں کا حال بیان کرنے پر اکتفا کیا، اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ کیا ان فرقوں کے اقوال پروٹسٹنٹ کے علماء پر پورے پورے صادق آتے ہیں یا نہیں؟ اگر ان پر یہ اقوال پورے اُترتے ہیں تو ان کو بھی حسب ذیل دس چیزوں کو عقیدہ بنانا ہوگا،

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام صرف انسان ہیں، جو یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے،

۲۔ توریت پر عمل کرنا نجات کے لئے نہایت ضروری ہے،

[1] آیت کے الفاظ یہ ہیں: "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں" (یوحنا ۱۰: ۸)

۳۔ پولس بڑا شریر ہے اور اس کے اقوال واجبُ الرّد ہیں،

۴۔ خدا صرف دو ہیں، ایک نیکی کا خالق، دوسرا بدی کا پیدا کرنے والا،

۵۔ قابیل اور سدّوم والوں کی روحوں کو عیسیٰؑ کی موت سے جہنّم کے عذاب سے نجات مل گئی، اور ہابیل و نوحؑ اور ابراہیمؑ کی اور متقدمین بزرگوں کی روحیں عیسیٰؑ کی موت کے بعد بھی بدستور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں،

۶۔ یہ سب کے سب شیطان کی اطاعت کرنے والے تھے،

۷۔ توریت اور عہدِ عتیق کی تمام کتابیں شیطان کی جانب سے ہیں،

۸۔ موسیٰؑ اور اسرائیلی پیغمبروں سے کلام کرنیوالا خدا نہیں تھا، بلکہ شیطان تھا،

۹۔ عہدِ جدید کی کتابوں میں اضافہ کر کے انھیں محرّف کر دیا گیا ہے،

۱۰۔ بعض جھوٹی کتابیں بھی یقیناً سچی ہیں،

اور اگر ان تینوں فرقوں کے اقوال فرقۂ پروٹسٹنٹ والوں کو تسلیم نہیں ہیں تو کسی ایک اسلامی فرقے کا قول جمہور مسلمانوں کے مقابلے میں کیونکر حجت ہو سکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ وہ بات قرآن اور مستند اماموں کے اقوال کے صریح مخالف ہو،

دُوسرا جوابؔ

قرآن کی حقانیت پر شیعہ عُلماء کے اقوال

تحقیقی جواب یہ ہے کہ قرآن مجید تمام اثنا عشری علماء کے نزدیک تغیّر و تبدل سے محفوظ ہے، اور اگر کوئی شخص قرآن میں کسی کمی اور نقصان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا قول ان علماءِ اثنا عشری کے نزدیک مردود اور ناقابلِ قبول ہے،

(۱) محمد بن علی بابویہ کی شہادت

چنانچہ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ جو علمائے امامیہ اثنا عشریہ میں بڑے پایہ کے علماء میں سے ہیں، اپنے رسالے الاعتقادیہ میں کہتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ قرآن کی نسبت یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا وہی موجودہ قرآن ہے، جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، البتہ اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ۱۱۴ ہے، مگر ہمارے نزدیک سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح مجموعی طور پر ایک سورۃ ہیں، اسی طرح لایلاف اور الم ترکیف دونوں ملکر ایک سورۃ ہیں، اور جو شخص ہماری جانب یہ قول منسوب کرتا ہے کہ قرآن اس سے زائد ہے وہ جھوٹا ہے۔"

(۲) سید مرتضیٰؒ کی شہادت

تفسیر مجمع البیان جو شیعوں کی نہایت معتبر تفسیر ہے اس میں سید مرتضیٰ ذو المجد علم الہدیٰ ابوالقاسم علی بن حسین موسوی نے ذکر کیا ہے کہ:

"قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بالکل اسی طرح جیسا کہ آج ہے مجموعے کی صورت میں موجود تھا۔"

اپنے اس دعوے پر علامہ موصوف نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن اس زمانے میں پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا، اور پورا زبانی یاد کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے حفاظ صحابہؓ کی ایک پوری جماعت کی نشان دہی کی ہے، نیز یہ کہ قرآن حضورؐ کو سنایا جاتا اور آپؐ کے سامنے دُہرایا جاتا تھا، اور صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ ہیں متعدد مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے کافی قرآن ختم کئے، یہ سب چیزیں اس امر کی شاہد ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باقاعدہ طور پر مجموعے کی شکل میں موجود اور مرتب تھا، متفرق اور منتشر ہرگز نہیں تھا،

یہ بھی کہتے ہیں کہ فرقۂ امامیہؓ یا حشویہ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ قطعی قابلِ اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس خلاف کا منشاء بعض محدثین کی ضعیف روایتیں ہیں، جن کو انھوں نے صحیح سمجھ کر نقل کر دیا ہے، اس قسم کی روایتوں کی ان روایتوں کے مقابلے میں کوئی بھی حیثیت نہیں ہے جن کی صحت قطعی اور یقینی ہے،

(۳) سید مرتضیٰ ہی کی دوسری شہادت

سید صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"قرآن کی صحت کا علم و یقین اس درجے کا ہے جس طرح دنیا کے بڑے بڑے شہروں یا عظیم الشان حوادث اور مشہور واقعات یا اہلِ عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا یقین، کیونکہ قرآن کی نقل و روایت کی جانب شدید توجہ کی گئی ہے، اور اس کی حفاظت کے بکثرت اسباب موجود تھے کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ احکام دینیہ کا ماخذ ہے، اور مسلمان علماء نے اس کے حفظ کرنے میں اور اس کی جانب توجہ کرنے میں انتہاء کر دی ہو

لہ فرقۂ امامیہ، یہ شیعہ حضرات کا ایک بہت غالی فرقہ تھا جس کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق تھے اور ان کے سوا جتنے حضرات مسندِ خلافت پر بیٹھے وہ معاذ اللہ غلط تھے، ان میں سے بعض لوگ تحریفِ قرآن کے بھی قائل تھے، اور کبار صحابہؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے،

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الملل والنحل للشہرستانی، ص ۲۶۵ تا ۲۵۹ ج اوّل)

یہاں تک کہ قرآن کی ہر ہر چیز مثلاً اس کے اعراب اور قرآتوں حروف و آیتوں تک کی پوری پوری معرفت حاصل کی، پھر اس قدر شدید اہتمام و توجہ تام کے بعد کیونکہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہو یا کمی بیشی ہو"

(۴) قاضی نور اللہ شوستری کی شہادت

قاضی نور اللہ شوستری جو شیعہ علماء میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "مصائب النواصب" میں یوں کہا ہے کہ:

"فرقہ شیعہ امامیہ کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ قرآن کے محرف ہونے کے قائل ہیں، سو جمہور شیعہ کی طرف اس کی نسبت ہرگز درست نہیں ہے، یہ بات ایسے قلیل التعداد نا قابل اعتبار لوگوں کی ہے جن کی کوئی قیمت و پوزیشن شیعوں میں نہیں ہے"

(۵) مُلّا صادق کی شہادت

مُلّا صادق نے کلینی[۱] کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"قرآن اُسی موجودہ ترتیب کے ساتھ بارھویں امام کے ظہور کے وقت ظاہر اور مشہور ہوگا"

---

[۱] محمد یعقوب کلینی، شیعہ فرقہ کے مشہور عالم ہیں، جن کی کتاب الکافی شیعہ فقہ و حدیث کی مستند ترین کتاب ہے، تقی

(۶) عاملی کی شہادت

محمد بن حسن حر عاملی نے جو فرقہ امامیہ کے جلیل القدر محدث ہیں اپنے ایک رسالے میں بعض معاصرین کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"جو شخص واقعات اور تواریخ کی چھان بین کرے گا وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ قرآن تواتر کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا ہوا ہے، ہزاروں صحابہؓ اس کو حفظ کرتے اور نقل کرتے تھے، اور عہدِ رسالتؐ میں وہ جمع اور مدوّن ہو چکا تھا۔"

ان گذشتہ شہادتوں سے پورے طور پر یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ محققین علماء شیعہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ قرآن جسکو اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا وہ بالکل وہی ہے جو اس زمانے میں مجموعے کے طور پر لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، اس سے زائد بالکل نہیں ہے، اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں جمع اور مدوّن ہوگیا تھا، اور ہزاروں صحابہؓ نے اس کو یاد اور نقل کیا، صحابہؓ کی بڑی جماعت نے جن میں عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ بھی شامل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن سُنایا، اور بارہویں امام کے ظہور کے وقت بھی قرآن اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر اور مشہور ہوگا، اور جو تدرے قلیل شیعہ حضرات اس میں تغیر تبدّل و تحریف کے قائل ہیں، اُن کا قول باطل اور مردود ہے، خود شیعوں میں وہ لائق اعتبار نہیں ہیں، اور جو بعض ضعیف روایتیں تحریف کی نسبت ملتی ہیں وہ ان قطعی اور یقینی روایات کے مقابلے میں قطعی کوئی اعتبار نہیں رکھتیں، جو قرآن کے محفوظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں،

اور یہ بات ہے بھی درست، اس لئے کہ خبر واحد اگر کسی علم کی موجب ہو، لیکن یقینی دلائل میں کوئی چیز اس پر دلالت کرنے والی نہ ہو تو اس کا رد کرنا واجب ہے، چنانچہ اس کی تصریح ابن مطہر الحلی نے اپنی کتاب مبادی الوصول الی علم الاصول میں خوب اچھی طرح کی ہے، اور خود قرآنی شہادت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی تفسیر میں علماء شیعہ کی سب سے معتبر تفسیر صراط مستقیم میں کہا گیا ہے کہ:

"یعنی ہم قرآن کی حفاظت کریں گے، تحریف اور تبدیل سے کمی اور بیشی سے"

جب یہ بات ناظرین کے ذہن نشین ہو گئی تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم صاف طور پر صحابہ کرامؓ کی نسبت اعلان کر رہا ہے کہ صحابہؓ سے کبھی کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا جو موجب کفر اور ایمان سے خارج کر دینے والا ہو، چنانچہ حسب ذیل آیات اس کی شاہد ہیں:

صحابۂ کرامؓ کے مومن ہونیکی شہادت قرآن سے؛

پہلی شہادت (۱) سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا	"اور مہاجرین و انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے

اُلْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝	نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ اُن باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے، یہ بڑی کامیابی ہے"

مہاجرین وانصار میں سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں کی نسبت اس آیت میں چار صفتیں ذکر کی گئی ہیں:-

۱۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے،

۲۔ وہ لوگ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں،

۳۔ ان کے حق میں جنت کی خوش خبری دی گئی ہے،

۴۔ جنت کی دوامی اور ابدی رہائش کا اُن سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے ایمان لانے والی جماعت میں سب سے مقدم اور پیش پیش ہیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، لہٰذا اُن سب کے حق میں یہ چاروں مندرجۂ بالا صفات ثابت ہو گئیں، اور ان کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہو گئی، اب کسی معترض اور بدگو کا ان کے حق میں طعن کرنا بالکل باطل اور مردود ہے، بالکل اسی طرح جیسا حضرت علیؓ کی شان میں عیب جوئی یا طعن غلط اور باطل ہے،

دوسری شہادت سورۂ توبہ میں دوسری جگہ یوں فرمایا گیا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ	"وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مال سے جہاد کیا، وہ لوگ اللہ کے نزدیک رُتبے کے اعتبار سے بہت عظیم ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○	اور یہی لوگ کامیاب ہیں، ان کا پروردگار انھیں اپنی رحمت اور رضامندی اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے پائدار نعمتیں ہوں گی، یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، بلاشبہ اللہ کے پاس عظیم اجر ہے"

حق تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں اُن لوگوں کی نسبت جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی، اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دی، چار باتوں کی شہادت دی ہے،

۱- ان کے مراتب و درجات خدا کے یہاں بہت بلند ہیں،

۲- وہ لوگ اپنی مراد و مقصد میں کامیاب ہیں

۳- اُن کو جنّت و رحمت اور اپنی خوشنودی کے مستحق ہو جانے کی بشارت دی گئی،

۴- ان کے حق میں ہمیشہ جنّت کی سکونت اور رہائش کی ضمانت دی گئی ہے،

اور اس چوتھے وعدے کو تین مختلف عبارتوں کے ساتھ مضبوط اور مؤکد فرمایا، یعنی "مقیم" "خالدین فیہا" "ابداً"۔

اور یہ بات یقینی ہے کہ خلفائے ثلٰثہ مؤمن بھی ہیں، مہاجر بھی، جان و مال کی خدا کی راہ میں قربانی دینے والے بھی، بالکل اسی طرح جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لہٰذا ان کے لئے بھی چاروں صفات ثابت ہوئیں،

تیسری شہادت (۳) سورۂ توبہ ہی میں ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ:-

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ	"لیکن رسول نے اور انھوں نے جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ،	جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی جان اور مال سے جہاد کیا، اور انہی کیلئے بھلائیاں ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں، اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے ‘‘

اس میں بھی اللہ نے مومنین مجاہدین کے چار اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ دنیا و آخرت کی جملہ نعمتیں اُن کے لئے مخصوص ہیں،

۲۔ یہ لوگ فلاح و نجات کے مستحق ہیں،

۳۔ جنت کا وعدہ،

۴۔ جنت کی دوامی رہائش کی یقین دہانی،

یقینی بات ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ مومن و مجاہد ہیں تو یہ چاروں وعدے بھی اُن کے لئے ضرور ہیں،

چوتھی شہادت (۴) سورۂ توبہ ہی میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا	اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہو، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں، وعدہ

عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ،	ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے قول میں پورا اللہ سے زیادہ، سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے، اور یہی ہے بڑی کامیابی، وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنیوالے ہیں، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنیوالے بری بات سے، اور حفاظت کرنے والے اُن حدود کی جو باندھی اللہ نے، اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو"

اس سے خدائے تعالیٰ نے مؤمنین مجاہدین کے لئے جنت کا پختہ وعدہ فرمایا، اور ان کے نو اوصاف بیان فرمائے، ثابت ہوا کہ خلفائے صحابہ بھی ان صفات کے ساتھ موصوف اور جنت کے مستحق ہیں،

پانچویں شہادت سورۂ حج[۵] میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلِلّٰهِ	"وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں جگہ دیا کریں تو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور نیکی کا حکم کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے تمام

عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ،	کاموں کا انجام ہے ؏

اس میں "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ ماقبل کی صفت ہے، یعنی "الذین اخرجوا" کی، لامحالہ اس کا مصداق صرف مہاجرین ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ انصار، کیونکہ وہ لوگ اپنے وطن سے بے وطن نہیں کیے گئے، اب اللہ کا ارشاد مہاجرین کی نسبت یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت اور بادشاہت دیدیں تو یہ لوگ چار کام ضرور انجام دیں گے، یعنی نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، نیکی کی تعلیم دینا، برائی اور بدی سے روکنا،

ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ نے خلفائے اربعہ کو زمین کی حکومت وسلطنت عطا فرمائی تھی، تو ضروری ہوگا کہ انھوں نے اللہ کے بیان فرمودہ چاروں کام بھی کئے ہونگے لہٰذا ان سب کا حق پر ہونا ثابت ہوا، نیز وَ لِلّٰہِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پہلے جو حکومت دیئے جانے کا ذکر ہوا ہے وہ یقینی طور پر واقع ہو گی لاکن پھر آخر میں یہ سب حکومت وسلطنت اللہ ہی کی طرف لوٹ جائے گی، جس کی بادشاہت ابدی ہے اور غیر فانی ہے،

چھٹی شہادت سورۃ حج[۶] ہی میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ:۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ	"اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی
هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ	کہ چاہئے اس کے واسطے محنت، اسی نے تم کو
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ	پسند کیا، اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ
اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ	مشکل، دین تمھارے باپ ابراہیم کا، اسی نے
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ	نام رکھا تمھارا مسلمان پہلے سے، اور اس
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ	قرآن میں تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور

تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	تم ہو بتانے والے لوگوں پر، سو قائم
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور مضبوط
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ	پکڑو اللہ کو، وہ تمھارا مالک ہے، سو خوب
فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ	مالک ہے اور خوب مددگار ۔

اس آیت میں اللہ نے صحابہ کو مسلمان کے نام سے موسوم کیا ہے ،

ساتویں شہادت "سورۂ نور میں یوں فرمایا گیا ہے کہ :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	عمل کئے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ	طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا،
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	اور اُن کے لئے اس دین کو قوت عطا کریگا
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور انھیں
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	ان کے خوف کے بعد امن عطا کرے گا
اَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ	وہ میری عبادت کریں گے، اور میرے
بِيْ شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ	ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اس کے بعد جو شخص کفر کرے تو ایسے
الْفٰسِقُوْنَ ۝	لوگ فاسق ہیں ۔

آیت بالا میں "مِنْكُمْ" کا "مِنْ" تبعیض کے لئے ہے، اور "كُمْ" ضمیرِ خطاب ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کے مخاطب وہ بعض مؤمنین ہیں

جواس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، سارے مؤمنین مراد نہیں ہیں، اور لفظ استخلاف بتارہا ہے کہ اس وعدے کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگی، اُدھر یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ چونکہ آپؐ "خاتم الانبیاءؐ" ہیں، اس لئے آپؐ کے بعد کسی نبی کے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لامحالہ استخلاف سے مراد امامت والا طریقہ ہی ہوسکتا ہے، اور وہ ضمیریں جو "لیستخلفنہم" سے لے کر "لایشرکون" تک پائی جارہی ہیں سب کی سب جمع کے صیغے کے ساتھ لائی گئی ہیں، اور جمع کا اطلاق حقیقتاً تین سے کم پر نہیں آتا، تو ضروری ہوا کہ جن اماموں کے لئے یہ وعدہ ہو رہا ہے ان کی تعداد تین سے کسی طرح کم نہ ہو، اسی طرح "لیمکنن لھم" کے الفاظ بتارہے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے قوت و شوکت اور تنفیذِ احکام کا دنیا میں وعدہ فرمایا ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ طاقت اور دبدبہ کے مالک ہوں گے، دنیا میں ان کا حکم چلے گا، اور "دینھم الذی ارتضیٰ لھم" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے مبارک دَور میں جس دین کی اشاعت ہوگی وہ خدا کا پسندیدہ دین ہوگا، اسی طرح "لیبدلنھم من بعد خوفھم امناً" کے الفاظ اس امر پر دلالت کررہے ہیں کہ اُن کو اپنے عہد خلافت میں کسی کا خوف نہ ہوگا، بلکہ مکمل امن وامان کا دَور ہوگا، خوف و دہشت اور تغیر والی زندگی ان کی نہ ہوگی،۔۔۔ اور "یعبدوننی ولایشرکون بی شیئاً" اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے دَورِ خلافت میں بھی صاحبِ ایمان ہوں گے، شرک کرنے والے نہ ہوں گے،

آپ نے دیکھا کہ آیت پورے طور پر ائمۂ اربعہ کی امامت کی صحت پر بالخصوص خلفائے ثلاثہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان ذی النورینؓ کی امامت کے صحیح ہونے پر دلالت کررہی ہے، کیونکہ بڑی بڑی فتوحات اور مضبوط حکومت، دین کا غلبہ اور جو امن وامان

اُن کے مبارک عہد میں ہوا وہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ ہو سکا، کیونکہ ان کا سارا دَور آپس کی خانہ جنگی سے نپٹنے میں ختم ہوگیا، ثابت ہوگیا کہ شیعہ حضرات جو طعنہ و اعتراض خلفائے ثلٰثہ کے حق میں یا خوارج حضرات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے حق میں کرتے ہیں وہ غلط اور ناقابلِ التفات ہیں،

آٹھویں شہادت سورہ فتح (۸) میں ان مہاجرین اور انصار کے حق میں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ	"جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں
قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ	کد، نادانی کی ضد، پھر اتارا اللہ نے اپنی
الْجَاهِلِيَّةِ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	طرف سے اطمینان اپنے رسول پر اور
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى	مسلمانوں پر، اور قائم رکھا ان کو ادب
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ	کی بات پر، اور وہی تھے اس کے
كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ	لائق، اور اس کام کے، اور ہے
بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ	اللہ ہر چیز سے خبردار"
شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝	

اس آیت میں اُن حضرات کے حق میں چار باتوں کی شہادت دی گئی ہے:۔

۱۔ یہ سب لوگ سکینہ کے نزول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے،

۲۔ وہ مؤمن ہیں،

۳۔ تقویٰ اور پرہیزگاری والا کلمہ ان کے وجود کیساتھ ایسا لازم ہے کہ کبھی جدا نہیں ہو سکتا،

۴۔ وہ لوگ اس تقویٰ والے کلمے کے سب سے زیادہ مستحق اور لائق ہیں،

اور یہ بات یقینی ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں شامل ہیں، اس لئے یہ چاروں اوصاف ان میں بھی ثابت ہوئے، اب جو شخص ان کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ باطل اور قرآن کے صریح خلاف ہے،

نویں شہادت (۹) سورۂ فتح میں ...... یوں ارشاد فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ	محمد اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان، تم ان کو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے دیکھو گے، وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کو تلاش کرتے ہیں ان کی علامت اُن کے چہروں پر ہو سجدوں کے اثر سے۔

اس میں صحابہؓ کی تعریف یوں فرمائی گئی ہے کہ وہ کافروں کے لئے سخت اور آپس میں بڑے مہربان اور رکوع و سجود کرنے والے، اللہ کے فضل و رضا کے طالب ہیں، اب اگر کوئی شخص اسلام کا دعویٰ رکھتے ہوئے بھی ان بزرگوں کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ خطاکار ہے،

دسویں شہادت (۱۰) اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات میں یوں فرمایا ہے کہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ	"لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارے لئے محبوب کر دیا، اور اُسے تمھارے دلوں میں مزیّن کر دیا، اور کفر و فسوق اور نافرمانی

اَلْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ،	تمھارے لئے مکروہ کر دیا، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں "

آیت بالا سے حسب ذیل امور کا انکشاف ہوا ،۔

۱۔ صحابۂ کرام کو ایمان محبوب تھا ،

۲۔ کفر و فسق اور گناہ مبغوض و ناپسند تھا ،

۳۔ یہ لوگ راہِ حق پر اور رشد و ہدایت کے ساتھ موصوف تھے ،

اب ان باتوں کے خلاف اُن کے حق میں عقیدہ رکھنا سراسر خطا اور غلطی ہے ،

گیارھویں شہادت سورۂ حشر[۱۱] میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ، وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	" واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنیوالوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی، اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور

خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥

مقدم کہتے ہیں انکو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اُن پر فاقہ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے "

اس میں حق تعالیٰ شانہ، نے مہاجرین و انصار کے چھ اوصاف بیان فرماتے ہوئے ان کی تعریف فرمائی ہے:۔

۱۔ ان مہاجرین کی ہجرت دنیا کے لئے ہرگز نہ تھی، بلکہ محض خالص رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے تھی،

۲۔ یہ لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کے دین کے مددگار تھے،

۳۔ یہ لوگ اپنے قول و فعل میں صادق تھے،

۴۔ انصار اُن لوگوں سے محبت رکھتے تھے جو مدینے ہجرت کر کے آتے تھے،

۵۔ انصار اس وقت مسرور و خوش ہوتے ہیں جب مہاجرین کو کوئی چیز ملتی ہے،

۶۔ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو باوجود اپنی احتیاج کے اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے،

یہ چھ صفات کمال ایمان پر دلالت کرتی ہیں، اب جو شخص اُن کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ سخت غلطی پر ہے، یہ فقرا، مہاجرین جن کے گذشتہ اوصاف قرآن نے بیان کئے ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے یا خلیفۃ رسول اللہؐ، ادھر اللہ اُن کے سچے ہونے کی شہادت دے رہا ہے تو ضروری بات ہے کہ وہ اس قول میں بھی سچے ہوں، اور جب یہ بات ہے تو ان کی امامت کی صحت کا یقین کرنا ضروری ہے،

بارہویں شہادت (۱۲) سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ،	"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

اس میں خدا نے صحابہؓ کی تین صفات بیان کیں :۔

۱۔ یہ لوگ تمام امتوں میں بہترین جماعت ہیں،

۲۔ یہ لوگ ہمیشہ نیکی کی تعلیم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں،

۳۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان لانے والے تھے،

غرض اس قسم کی اور دوسری آیات بھی موجود ہیں، مگر میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور بارہ اماموں کی شمار کے مطابق صرف بارہ قرآنی آیتیں پیش کر رہا ہوں، البتہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پانچ اقوال پنجتن کے عدد کی موافقت کرتے ہوئے نقل کرتا ہوں :۔

اہل بیت کی شہادتیں خلفائے ثلثہ کے حق میں

پہلی شہادت (۱) شیعوں کی نہایت ہی معتبر کتاب نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

"فلاں شخص کتنا اچھا اور بہترین ہے، کیونکہ اس نے (۱) کجی کو سیدھا کیا، (۲) سنگین[1] بیماری کا علاج کیا (۳) سنت کو قائم اور جاری کیا، (۴) بدعت کی

[1] اصل میں لفظ یہ ہیں: "وداوی العمد" عمد (ض) عمد کے معنی ہیں "بیماری کا کسی کو کمزور کردینا" اسی مناسبت سے یہاں ترجمہ "بیماری" سے کردیا گیا ہے، ۱۲ تقی

مخالفت کی (۵) دنیا سے پاکدامن گیا (۶) بہت کم عیب والا تھا (۷) بہترین افعال کرتا رہا (۸) برے افعال سے محترز رہا (۹) اللہ کی فرمانبرداری کرتا رہا (۱۰) اللہ سے اس کے حقوق میں سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا، خود تو چلا گیا، لیکن لوگوں کو منتشر اور پراگندہ چھوڑ گیا، کہ اس میں گمراہ کے لئے کوئی ہدایت حاصل کرنے کی صورت اور ہدایت یافتہ کے لئے کوئی یقین کی شکل نہیں۔

اس کلام میں "فلاں شخص" سے مراد اکثر شارحین کے نزدیک بالخصوص شارح بحرانی کی رائے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور بعض شارحین کے نزدیک اس کا مصداق عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے، غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکرؓ یا عمرؓ کے دس اوصاف اس ارشاد میں شمار کئے جن کا پایا جانا ان میں ضروری ہے۔ اور چونکہ یہ اوصاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرار کے مطابق ان حضرات کی وفات کے بعد بیان کئے جا رہے ہیں، اس لئے اُن کی خلافت کے صحیح ہونے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں رہتی،

دوسری شہادت(۲) شیعوں کے بڑے فاضل معتمد علی بن عیسیٰ اردبیلی اثنا عشری کی تصنیف کشف الغمۃ میں لکھا ہے کہ:

"امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے جڑاؤ تلوار کی نسبت مسئلہ پوچھا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ بیشک جائز ہے، کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے بھی جڑاؤ تلوار استعمال فرمائی ہے۔ راوی نے کہا کہ کیا آپ اس قسم کی بات کہتے ہیں؟ یہ سنکر امام موصوف جوش میں آکر اپنی مسند سے کود پڑے، اور فرمایا کہ بیشک وہ صدیق ہیں، بے شک وہ صدیق ہیں، بے شک وہ صدیق ہیں، جو

اُن کو صدیق نہ مانے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی بات نہ مانے "

امام موصوف کے اعتراف سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابو بکرؓ یقیناً صدیق ہیں اور ان کی اس صفت کا انکار کرنے والا دنیا و آخرت میں جھوٹا ہوگا،

تیسری شہادت حضرت علیؓ کے بعض خطوط میں جو شارحینِ نہج البلاغہ نے نقل کئے ہیں، ابو بکرؓ و عمرؓ کے حق میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

"مجھ کو اپنی زندگی کی قسم اسلام میں ان دونوں بزرگوں کا پایہ بہت بلند ہے، اسلام کے لئے ان دونوں کی شہادت بہت بڑا نقصان ہے، اللہ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اور ان کے بہترین اعمال کا ان کو صلہ عطا کرے"

چوتھی شہادت شیعہ اثنا عشریہ کے بہت بڑے عالم مصنّف کتاب الفصول نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے کہ:

"امام موصوف نے اُن لوگوں سے جو ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف تھے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو یہ بات نہ بتاؤ گے کہ تم ان مہاجرین میں سے ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے، اور اللہ اور رسول کی مدد کے لئے جدا کر دیئے گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم ان لوگوں میں داخل نہیں ہیں، فرمایا تو کیا تم اُن لوگوں میں سے ہو جو مدینہ میں مہاجرین کی آمد سے قبل مقیم چلے آتے تھے، اور ایمان لا چکے تھے، اور جو مہاجر ان کے پاس پہنچتا تھا وہ اس سے محبت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا ہم لوگ اُن میں سے بھی نہیں ہیں، فرمایا کہ تم نے خود اعتراف کر لیا کہ تم ان دونوں جماعتوں میں داخل نہیں ہو، اور میں گواہی

دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت اللہ نے فرمایا کہ :-

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[1]

اب ظاہر ہے کہ صدیقؓ، فاروقؓ اور ذی النورینؓ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ان تینوں جماعتوں سے خارج ہوئے، جن کی اللہ نے مدح فرمائی ہے، اور جس کی شہادت امام موصوف بھی دے رہے ہیں،

پانچویں شہادت وہ تفسیر[2] جو امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے اس میں یوں کہا گیا ہے کہ :

"اللہ نے آدمؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد اصحاب سے محبت رکھنے والے ہر شخص پر اتنی رحمت نازل کروں گا کہ اگر اس کو تمام مخلوق پر تقسیم کیا جائے جو ابتداء دنیا سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہو اگرچہ وہ کافر ہی ہوں تو وہ اس رحمت کی بناء پر مومن اور نیک انجام ہو کر مستحق جنت بن جائیں گے، اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یا اصحاب سے یا ان میں سے کسی ایک سے بغض و دشمنی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا شدید عذاب دے گا کہ اگر اس کو ساری مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو سب کو ہلاک کر دے "

---

[1] آیت کا ترجمہ یہ ہے :- "اور وہ لوگ جو انکے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے، اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ رکھ، اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ آپ مہربان اور رحیم ہیں" تقی

معلوم ہوا کہ محبت وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اصحاب دونوں سے ہو، نہ کہ صرف ایک سے، اور یہ کہ اولاد یا اصحاب میں سے کسی ایک سے دشمنی اور بغض ہلاکت کے لئے کافی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو صحابہ کرامؓ یا اہلِ بیت عظام میں سے کسی کے اعتقاد اور بدگمانی کرنے سے بچائے، اور ہمارے قلوب میں مرتے دم تک ان کی محبت باقی رکھے۔ ان بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور صحیح احادیث کی بنا پر اہلِ حق نے صحابہ کرام کی تعظیم و احترام و ادب کو واجب قرار دیا ہے،

احادیث پر دُوسرا اعتراض

محدّثین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد پیدا ہوئے،

حدیث کی کتابوں کے مؤلفین نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور معجزات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے نہیں کیا، اور نہ آپؐ سے آپ کے اقوال بلا واسطہ سُنے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سو دو سو سال بعد وہ اقوال تواتر کے ساتھ سُنے اور ان کو جمع کر لیا، بلکہ ان میں سے نصف مقدار معتبر نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دی،

جواب

یہ بات تیسری فصل میں ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے کہ زبانی روایت جمہور اہلِ کتاب کے نزدیک معتبر ہے، اور اس کا معتبر ہونا اُس موجودہ انجیل سے بھی ثابت ہے جو آجکل رائج ہے، اور فرقۂ پروٹسٹنٹ تو بے شمار چیزوں میں جن کی تعداد مائی سیک اسقف کے اقرار کے مطابق چھ سو ہے، زبانی روایت کا اعتبار کرنے پر مجبور ہے، نیز یہ کہ

سفر امثال کے پورے پانچ باب حزقیاہ کے زمانے میں سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بھی دو سو ستر سال بعد زبانی روایتوں سے جمع کئے گئے ہیں، اسی طرح انجیل مرقس اور انجیل لوقا اور کتاب الاعمال کے ۹ ا باب صرف زبانی روایتوں سے لکھے گئے ہیں،

یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ اہم اور عظیم الشان واقعات و معاملات محفوظ بھی رہتے ہیں، اور زمانے کا امتداد بھی اُن پر اثر انداز نہیں ہوتا، اور یہ کہ تابعین حضرات نے احادیث کو کتابوں میں جمع کرنا شروع کر دیا تھا، البتہ انھوں نے فقہی ابواب کی ترتیب کے موافق اپنی کتابوں کو ترتیب نہیں دیا تھا،

ان کے بعد تبع تابعین نے فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا، پھر ان سب کے بعد بخاریؒ اور دوسری صحاح کے مؤلفوں نے صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفار کیا، اور کمزور حدیثوں کو ترک کر دیا، نیز صحاح کے ہر مؤلف نے ہر ہر حدیث کو اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند کے ساتھ نقل کیا، اسی طرح اسماء الرجال کے نام سے عظیم الشان فن قائم کیا، اور کتابیں تصنیف کیں، جس کے ذریعے حدیث کے ہر راوی اور ناقل کا پورا پورا حال بآسانی معلوم ہو سکتا ہے، نیز یہ کہ مسلمان صحیح حدیث کا کیونکر اعتبار کرتے ہیں؟

ان جملہ امور کے معلوم ہونے کے بعد مسلمانوں پر اس سلسلہ میں کوئی بھی اعتراض واقع نہیں ہو سکتا، اس طرح اُن کا یہ کہنا کہ ساری روایتیں تواتر کے ساتھ سُنی اور لصف عقداً غلط اور معتبر نہ ہونے کی وجہ سے ساقط کر دی یہ بات غلط ہے، اس لئے محدثین کسی ایسی حدیث کو جو تواتر کے ساتھ سُنی گئی ہو معتبر نہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں کر سکتے، کیونکہ ایسی حدیث تو محدثین کے نزدیک واجب الاعتبار ہے، ہاں بیشک

ان ضعیف حدیثوں کو ضرور چھوڑ دیا جن کی سندیں کابل نہ تھیں اور اُن کا چھوڑنا مُضر نہیں، جیسا کہ ناظرین دوسرے باب میں آدم کلارک کی شہادت سے معلوم کر چکے ہیں، وہ کہتا ہے کہ:

"یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں عہدِ مسیحی کی ابتدائی صدیوں میں رائج تھیں، ان غیر صحیح اور جھوٹی روایات کی کثرت نے لوقا کو جدید انجیل مرتب کرنے پر آمادہ کیا، اور اس قسم کی جھوٹی انجیلوں کی تعداد ۷۰ سے زیادہ مذکور پائی جاتی ہے، اس قسم کی جھوٹی انجیلوں کے بہت سے اجزاء آج بھی باقی ہیں چنانچہ فابریکا یوس نے ان جھوٹی انجیلوں کو جمع کر کے تین جلدوں میں طبع کیا ہو"

تیسرا اعتراض

بعض احادیث خلافِ واقعہ ہیں؛

یہ کہ ہر عاقل غیر متعصب جان سکتا ہے کہ اکثر حدیثوں کے معانی صادق اور واقع کے مطابق نہیں ہیں،

جواب

یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس قسم کی پیش نہیں کی جاسکتی جس کا مضمون ممتنع اور عقل کے خلاف ہو، اب رہے وہ معجزات جو عادات کے خلاف ہیں یا جنت و دوزخ کے بعض حالات یا فرشتوں کے احوال جن کی نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے، سو اگر وہ ان چیزوں کو اس لئے مستبعد اور بعید سمجھتے ہیں کہ وہ دلائل کی بناء پر محال ہیں، تو

عیسائی حضرات کے ذمہ اُن دلائل کا پیش کرنا ضروری ہوگا، اور ہمارے ذمے اُن کا جواب دینا بیشک لازمی ہوگا،

اور اگر وہ محض اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ باتیں محض عادت کے خلاف ہیں، یا اس دنیا میں ان کی مثالیں یا نظیریں نہیں پائی جاتیں، تو یہ چیز ہمارے لئے بالکل مضر نہیں ہے، کیونکہ اگر معجزہ عادت کے موافق ہو تو وہ حقیقت میں معجزہ ہی نہیں ہو سکتا، بھلا بتایئے کہ لاٹھی کا اژدہا بن جانا، اور پھر اس کا تمام جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا، پھر اس کا بغیر حجم میں کمی بیشی کے اپنی پہلی حالت پر واپس ہو کر لاٹھی بن[1] جانا، اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزے عادت کے خلاف نہیں ہیں؟ اسی طرح کیا اُس دوسرے عالم کو اس دنیا پر اور وہاں کی اشیاء کو یہاں کی چیزوں پر قیاس کرنا یہ غلط قیاس نہیں ہے؟ بے شک اگر کوئی قطعی دلیل ایسی موجود ہے جس سے عالمِ آخرت میں اس شے کے یقینی طور پر محال ہونے پر دلالت ہو رہی ہو تو بے شک اس حالت کو محال تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن بغیر کسی قطعی دلیل کے عالمِ آخرت میں اس کے وجود سے انکار کی جرأت نہیں کی جا سکتی،

کیا ایسی موٹی بات ان لوگوں کو نظر نہیں آتی کہ دنیا کے مختلف حصوں اور اقلیموں[2] کا حال یکساں نہیں ہے، ایک چیز جو ایک اقلیم میں پائی جاتی ہے اس کا دوسری اقلیم میں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا، اب اگر ایک اقلیم کا شخص بعض ایسی عجیب چیزوں کا حال

---

[1] دیکھئے خروج ۴: ۱ تا ۴،

[2] قدیم علمائے جغرافیہ نے زمین کو اس کی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے سات حصوں پر منقسم کیا تھا، ان میں سے ہر حصے کو "اقلیم" کہا جاتا ہے، تقی

سنتا ہے، جو دوسری اقلیم کے ساتھ مخصوص ہیں تو اس کو ضرور وہ مستبعد اور بعید معلوم ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کا انکار کرنے لگتا ہے، مگر یہ بات تب ہوتی ہے جب کہ اس نے بلا تواتر یہ بات سنی ہو،

اسی طرح بعض چیزیں جو کسی ایک زمانے میں بعید معلوم ہوتی ہیں دوسرے وقت میں مستبعد نہیں معلوم ہوتیں، چنانچہ سمندری راستوں کو اس قدر تیزی کے ساتھ مشینی جہازوں کے ذریعہ یا خشکی کی مسافت کو اتنی تیزی کے ساتھ موٹروں کے ذریعے طے کر لینا جو ہمارے زمانے میں ایک عام بات ہو چکی ہے، ان جہازوں اور موٹروں کی ایجاد سے پہلے لوگوں کے نزدیک نہایت بعید اور مستبعد سمجھا جاتا تھا، اسی طرح ٹیلیگرام یا تار برقی کے ذریعے ایک ڈیڑھ سیکنڈ میں ہزاروں میل دور کی خبر کا پہونچ جانا ان آلات کی ایجاد سے پہلے یقیناً لوگوں کی نظروں میں مستبعد تھا، لیکن ان چیزوں کی ایجاد اور ان کے مشاہدہ اور امتحان کے بعد اب وہ بعید اور مستبعد نہیں رہا،

مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ معترضین عیسائی حضرات کی یہ پرانی عام عادت ہے کہ وہ انصاف کی آنکھ بند کر کے ہر اس چیز کی نسبت جو اُن کی نگاہ و خیال میں مستبعد معلوم ہوتی ہے محال ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، علمائے پروٹسٹنٹ نے یہ نامعقول عادت اپنی قوم کے ان لوگوں سے سیکھی ہے جن کو "ملحد" اور "بددین" کہتے ہیں، مگر ان علماء پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ خود اُن کی کتابیں بے شمار غلط چیزوں سے بھری پڑی ہیں، جن کا کچھ نمونہ باب اول کی تیسری فصل میں ہم نقل کر آئے ہیں، ان معترضین کو اپنے ہم قوم لوگوں کے استبعاد سے ہوش نہ آیا، اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو اُن دہریوں نے معترضین کے ساتھ کیا تھا، حالانکہ ان ملحدوں نے عیسائیوں کے عقیدوں اور روایتوں

کو جو عقل کے خلاف سمجھا تھا وہ یقیناً زیادہ وزنی تھا، اور یہ عیسائی حضرات جو اعتراضات حدیثوں پر کرتے ہیں وہ ان کی نسبت سے بہت کمزور ہیں،

ہم نمونے کے طور پر اُن مقامات کو ذکر کرتے ہیں جن کا مذاق دہریوں اور ملحدوں نے اڑایا ہے، مثلاً

عیسائی تعلیمات پر دہریوں اور مُلحدوں کا استہزاء

پہلی شہادت (۱) کتاب گنتی باب ۲۲ آیت ۲۸ میں ہے:

"تب خداوند نے گدھی کی زبان کھول دی اور اس نے بلعام[1] سے کہا میں نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے، کہ تو نے مجھے تین بار مارا؟ بلعام نے گدھی سے کہا اس لئے کہ تو نے مجھے چڑایا، کاش، میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تجھے ابھی مار ڈالتا، گدھی نے بلعام سے کہا، کیا میں تیری وہی گدھی نہیں ہوں جس پر تو اپنی ساری عمر آج تک سوار ہوتا آیا ہے؟ کیا میں تیرے ساتھ پہلے کبھی ایسا کرتی تھی؟ اس نے کہا نہیں۔"

(آیات ۲۸ تا ۳۰)

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۶۳۶ میں لکھتا ہے کہ کافر لوگ کچھ دنوں سے گدھی کے بلعام سے باتیں کرنے کا انکار کرنے لگے ہیں، اور اس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں،

---

[1] بلعام بن بعور جسے موآبیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف لڑنے کے لئے بلایا تھا، بائبل میں ہے کہ جب بلعام اُن کی دعوت پر موآب جارہا تھا، تو راستے میں اس کی گدھی خدا کے فرشتے کو دیکھ کر رُک گئی، بلعام نے اُسے مارا تو اس نے یہ بات کہی،

دوسری شہادت | کتاب سلاطین اوّل کے باب ۱۷ میں ہے کہ: کوّے عرصۂ دراز تک ایلیا پیغمبر کے لئے گوشت اور روٹی لاتے رہے، اور یہ چیز ان کے ہم قوموں کے خیال میں محض ایک گپ ہے، جس پر وہ ہنستے ہیں، یہاں تک کہ ان کا مشہور محقق ہورن بھی اُن کا ہم خیال ہوگیا، اور اپنے مفسرین اور مترجمین کو تین وجوہ سے احمق اور بے وقوف قرار دیا، جیسا کہ آپ کو باب ۱ کی تیسری فصل میں معلوم ہوچکا ہے،[1]

تیسری شہادت | کتاب حزقی ایل باب ۴ آیت ۴ میں جو واقعہ ہے ہم اسے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق نقل کرتے ہیں:

"پھر تو اپنی بائیں کروٹ پر لیٹ رہ،[2] اور بنی اسرائیل کی بدکرداری اس پر رکھ، جتنے دنوں تک تو لیٹا رہے گا تو ان کی بدکرداری برداشت کرے گا، اور میں نے اُن کی بدکرداری کے برسوں کو ان دنوں کے شمار کے مطابق جو تین سو نوّے دن ہیں تجھ پر رکھا ہے، سو تو بنی اسرائیل کی بدکرداری برداشت کرے گا، اور جب تو اُن کو پورا کرچکے تو پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ رہ، اور چالیس دن تک بنی یہوداہ کی بدکرداری کو برداشت کر، میں نے تیرے لئے ایک ایک سال کے بدلے ایک ایک دن مقرر کیا ہے، پھر تو یروشلم کے محاصرے کی طرف مُنہ کر، اور اپنا بازو ننگا کر، اور اس کے خلاف نبوّت کر، اور دیکھ میں تجھ پر بندھن ڈالوں گا کہ تو کروٹ نہ لے سکے، جب تک اپنے محاصرے کے دنوں کو پورا نہ کرلے۔

---

[1] دیکھئے صفحہ ۴۸۱ جلد اوّل،

[2] یہ بائبل کے بقول حضرت حزقی ایل علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم سنایا جارہا ہے،

اور تو اپنے لئے گیہوں اور جو اور باقلا[1] اور مسور اور چنا اور باجرا لے، اور اُن کو ایک ہی برتن میں رکھ، اور ان کی اتنی روٹیاں پکا جتنے دنوں تک تو پہلی کروٹ پر لیٹا رہے گا، تو تین سو نوے دنوں تک اُن کو کھانا، اور تیرا کھانا وزن کر کے بیس مثقال روزانہ ہوگا جو تو کھائے گا، تو گاہے گاہے کھانا، تو پانی بھی ناپ کر ایک ہین کا چھٹا حصہ پئے گا، تو گاہے گاہے پینا، اور تو جو کے پھلکے کھانا اور تو اُن کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے اُن کو لتھیڑنا[2]" (آیات ۹ تا ۱۲)

اس میں اللہ تعالیٰ نے حزقیال علیہ السلام کو تین حکم دیئے

۱۔ اپنی بائیں کروٹ پر تین سو نوے دن تک سوتے رہیں، اور اولادِ اسرائیل کے گناہوں کو برداشت کریں، پھر داہنی کروٹ پر چالیس دن تک سوئیں، اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادیں،

۲۔ اور شلیم کے محاصرے کے وقت سامنے کی جانب مُنہ رکھیں اس حالت میں کہ ہاتھ بندھے ہوں، اور جب تک محاصرے کی مدت پوری نہ ہو ایک جانب سے دوسری جانب متوجہ نہ ہوں،

۳۔ ۳۹۰ دن تک روزانہ ایک روٹی کو انسان کا پاخانہ لگا کر کھاتے رہیں،

ان کے ہم قوم ان احکام کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اُن احکام کے منجانب اللہ

---

[1] یعنی لوبیہ۔

[2] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے: (تلطخه بزبل يخرج من الانسان) لیکن موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں "انسان کی نجاست سے اُن کو پکانا" جس سے مفہوم بالکل ہی بدل جاتا ہے، تقی

ہونے کو مستبعد سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں واہیات اور عقل کے خلاف ہیں، اللہ تو اپنے کسی مقدس پیغمبر کو یہ حکم ہرگز نہیں دے سکتا کہ تین سو نوّے دن تک روزانہ ایک روٹی انسان کی غلاظت لگا کر کھاتا رہے، کیا سوائے اس ترکاری کے کوئی اور سالن موجود نہ رہا تھا؟ ہاں بے شک ایک صورت ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ پاک لوگوں کے لئے پاخانہ بھی پاک بنا دیا گیا ہے، چنانچہ ان کے مقدس پولس کے کلام سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ طِطُس کے نام اس کے خط کے باب اوّل آیت ۱۵ میں صاف طور پر موجود ہے[1]۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ ہو کہ کتاب حزقی ایل ہی کے باب ۱۸ آیت ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کے واسطے سے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ:

"بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"

پھر اس کے بعد خود حضرت حزقیل ہی کو چار سو تیس دن تک اسرائیل اور یہوداہ کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟

چوتھی شہادت کتاب یسعیاہ کے باب ۲۰ میں ہے کہ اللہ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ تین سال تک ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہو، اور اسی حالت میں چلو پھرو[2]، عیسائیوں کے ہم قوم اس حکم کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اور استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جو صحیح العقل ہے، مجنون بھی نہیں ہے، ایسا حکم دے رہا ہے کہ وہ تین برس تک

---

[1] "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں" (طِطُس ۱:۱۵)

[2] "جس طرح میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا" (یسعیاہ ۲۰:۳)

تمام مردوں عورتوں کے سامنے مادرزاد ننگا پھرتا رہے؟

پانچویں شہادت | ہوسیع[۵] کی کتاب کے باب اوّل میں لکھا ہے کہ:

"جا، ایک بدکار بیوی اور بدکار کی اولاد اپنے لئے لے[۱]"

پھر اسی کتاب کے باب[۲] میں ہے کہ:

"جا، اُس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہے محبت رکھ"

دوسری طرف کتاب احبار کے باب ۲۱ آیت ۱۳ میں کاہن کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"اور وہ کنواری عورت سے بیاہ کرے جو بیوہ یا مطلّقہ یا ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے، بلکہ وہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے"

اور انجیل متّی کے باب ۵ میں ہے کہ:

"جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا[۳]"

پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو مذکورہ باتوں کا حکم دیدیا ہو!

اسی قسم کی اور بھی مستبعد باتیں ہیں، اگر کوئی صاحب دیکھنا چاہیں تو عیسائیوں کے ہم قوموں کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں،

---

۱ آیت ۲، ۲ آیت ۱،

۳ متی ۵: ۲۸،

چوتھا اعتراض

حدیثیں قرآن کے مخالف ہیں

اکثر حدیثیں قرآن کے مخالف ہیں، کیونکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا، اور حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ سے بے شمار معجزے ظاہر ہوئے، قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار تھے، اور حدیثیں دعویٰ کرتی ہیں کہ آپ معصوم تھے، قرآن اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں گمراہی اور جہالت میں مبتلا تھے، (نعوذ باللہ) جیسا کہ سورۂ والضحیٰ میں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى[1] یا سورۂ شوریٰ میں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا[2] میں یہ بات صاف طور پر موجود ہے، اس کے برعکس حدیثیں یوں کہتی ہیں کہ آپ خلقی اور پیدائشی طور پر ایمان کے ساتھ موصوف تھے، اور اسی لئے آپ سے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے، قرآن و حدیث کے درمیان تعارض اور مخالفت ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثبوت بہم پہونچایا ہے،

جواب

پہلی دو چیزیں چونکہ ان بڑے مطاعن اور عیوب میں عیسائیوں کے نزدیک

---

[1] "اور اللہ نے آپ کو بے راہ پایا پھر ہدایت دی" (ضحیٰ : ۷)

[2] "آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اُسے ایک نور بنا دیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں" (شوریٰ : ۵۲)

شمار کی جاتی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نکالے جاتے ہیں، اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں سے باب ۵ میں بحث کریں، جو مطاعن کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اُسی موقع پر دونوں کا جواب دیا جائے گا،

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کی تفسیر

البتہ تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں "ضال" سے مراد "ضال عن الایمان"[1] نہیں ہے کہ کافر کے معنی میں ہو سکے، اور عیسائیوں کے لئے موجب اعتراض بنے، بلکہ اس آیت کی چند تفسیریں ہیں،

اوّل مرفوع روایت میں منقول ہے "کہ میں بچپن میں اپنے دادا عبد المطلب سے راستہ بھول کر الگ ہو گیا تھا، قریب تھا کہ شدتِ بھوک سے جان جاتی رہے کہ اللہ نے صحیح راستے پر ڈال دیا، اور میں دادا کے پاس پہونچ[2] گیا"،

دوسرے مطلب یہ ہو کہ ہم نے آپ کو اپنی شریعت سے ناواقف پایا، یعنی آپ کو اپنی شریعت کا علم الہام الٰہی کے بعد ہوا، یا وحی کے ذریعے، غرض خدا نے ہی شریعت کی جانب کبھی وحیِ جلی کے ذریعے اور کبھی وحیِ خفی کے ذریعے سے آپ کی رہنمائی کی، جلالین اور بیضاوی دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کو حکم و احکام کے علم سے ناواقف پایا، پس خدا نے آپ کی رہنمائی کی اور وحی کے ذریعے حکم و احکام کی تعلیم دی، اور غور و فکر کی توفیق عطا فرمائی، اسی قسم کا ارشاد موسیٰ علیہ السلام کے حق

---

[1] یعنی ایمان سے بھٹکا ہوا،

[2] قلت لم أجده مرفوعاً فیما قلّبت ونظرت وانما رواه ابن عباسؓ بطریق وکعبؓ بطریق آخر کما ذکره القرطبیؒ وابن کثیرؒ والبغویؒ (راجع تفسیر القرطبی ص ۹۷ و ۹۸ ج ۲۰ وتفسیر ابن کثیر ص ۵۲۳، ج ۴)،

میں آیت ذیل میں فرمایا گیا ہے: "فعلتها اذا وانا من الضالین"

تیسرے یہ کہ عربی کا اس قسم کا محاورہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ" "یعنی پانی دودھ میں گھل مل گیا" لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہو کہ پہلے آپ مکہ کے کافروں میں گھلے ملے تھے، اور ممتاز و نمایاں اور ان سے الگ نہ تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت ور بنا دیا جس سے آپ نے خدا کے دین کو چمکا دیا، اسی معنی میں آیتِ ذیل میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: "ءَ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ"[1]

چوتھے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس سے قبل نبوت کے ملنے کی کوئی توقع یا امکان نظر نہ آتا تھا، بلکہ اس کا تصور و خیال بھی آپ کو نہ ہوا تھا، کیونکہ یہود و نصاریٰ میں یہ بات عام طور پر مشہور چلی آتی تھی کہ نبوت صرف اسرائیل کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہے، پس ہم نے آپ کے لئے نبوت کی راہ کھول دی جس کی آپ کو کچھ بھی توقع نہ تھی،

پانچویں یہ کہ آپ اس سے پہلے ہجرت اور ترکِ وطن کے مجاز نہ تھے، نہ آپ کو اس کا علم تھا نہ اس کی توقع کہ وطن چھوڑنے کی اجازت اور حکم ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اذن و اجازت کے ساتھ ہجرت کی راہ کھول دی،

چھٹے یہ کہ اہلِ عرب ایسے درخت کو جو کسی چٹیل میدان میں یکہ و تنہا پایا جائے "ضالّۃ" کہا کرتے تھے، اب آیت شریفہ کے معنی یہ ہوئے کہ گویا حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ عرب کا علاقہ اس چٹیل بیابان کی طرح تھا جس میں کوئی ایسا درخت جس پر ایمان کا پھل آتا ہو سوائے آپ کی ذات گرامی کے کوئی نہ تھا، گویا آپ جہل و ضلالت کے

[1] اس آیت میں ہے کہ کیا جب ہم زمین میں گھل مل جائیں گے تو کیا پھر نئی پیدائش میں ہوں گے؟ (سجدہ: ۱۰)

صحرا میں پائے جانے والے یکتا ایمان کے درخت تھے، پس ہم نے آپ کے ذریعے مخلوق کی رہنمائی کی، اسکی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملتی ہے، چنانچہ فرمایا: "اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ"[1]

ساتویں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ قبلہ کی نسبت متحیر و حیران تھے، کیونکہ آپ کی پرانی آرزو تھی کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا جائے، لیکن آپ کو پتہ نہ تھا کہ یہ آرزو پوری ہوگی یا نہیں؟ اس تحیّر کو ضلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا، پھر اللہ نے اس کا پتہ آپ کو اس ارشاد سے کر دیا کہ "فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا"[2]

آٹھویں ضلال کے معنی عربی زبان میں محبت کے بھی آتے ہیں، چنانچہ آیت اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ[3] میں محبت ہی کے معنی مراد ہیں، اب مطلب یہ ہوا کہ آپ محب اور اللہ کے عاشق تھے، پس ہم نے آپ کی رہنمائی ان احکام شرعیہ کی جانب کی جن کے ذریعے آپ کو اپنے محبوب کے تقرب کی دولت نصیب ہو جائے۔

نویں یہ مطلب ہے کہ ہم نے آپ کو اپنی قوم میں کس مپرسی کی حالت میں پایا کہ وہ لوگ آپ کو اذیتیں دیتے چلے جاتے تھے، اور آپ کی شخصیت کا قطعی احترام و لحاظ نہ کرتے تھے، پس آپ کے مشن اور تحریک کو طاقتور بنا کر آپ کو ان کا حاکم اور والی بنا دیا

---

[1] "حکمت کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے" رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ بسند فیہ وہن ولفظہ "الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن" ذکرہ التبریزی فی کتاب العلم من مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۴، طبع کراچی۔

[2] "ہم آپ کو ایسا قبلہ دیدیں گے جو آپ کو پسند ہوگا" (البقرۃ)

[3] "بلاشبہ تم اپنی پرانی گمراہی میں ہو" (یوسف) یہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے کہا تھا، اور یہاں ظاہر ہے کہ ضلال سے مراد محبت ہے، تقی

دسویں یہ کہ اس سے قبل آپ کو آسمانی راستوں اور راہوں کا پتہ نہ تھا، شبِ معراج کے ذریعہ ہم نے آپ کی رہنمائی آسمانی راستوں کی جانب فرمائی،

گیارہویں یہ کہ ہم نے آپ کو بھولنے والا پایا، پس آپ کو یاد دلادیا، یعنی شب معراج میں حضوری کے وقت اللہ کی ہیبت اور خشیت کی وجہ سے اس موقع پر دربارِ شاہی کے آداب کے تحت جو کچھ آپ کو عرض کرنا چاہیے تھا وہ آپ بھول گئے تھے، اللہ نے آپ کو خدا کی حمد و ثنا کا مضمون یاد دلادیا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "لا احصی ثناء علیک"، اس معنی کے لئے اس آیت میں ضلال کا لفظ استعمال ہوا ہے، "ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ"[1]

بارہویں حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ آپ کو احکامِ قرآنی کے بیان و توضیح میں متحیر اور حیران پایا، پس آپ کو اس کی توضیح و تفسیر کا طریقہ بتادیا، آیت ذیل اس پر شاہد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[2]

نیز آیت ذیل بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ[3]

---

[1] گواہ عورتیں دو کیوں ہونی چاہئیں! اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں ہے "کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے"

[2] "اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اُتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر وہ باتیں بیان فرمادیں جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں" (نحل)

[3] روایات میں ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت آپ قرآنی آیات کو یاد کرنے کے لئے انہیں ساتھ ساتھ دُہراتے تھے کہ بھول نہ جائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اپنی زبان کو اس (قرآن) کے ساتھ حرکت مت دو تاکہ تم اس کے ساتھ جلدی کرو، بلاشبہ ہمارے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے، پھر جب ہم اسے پڑھلیں تو آپ اس کے پڑھنے کی اتباع کیجئے، پھر اس کی تشریح و تبیین بھی ہمارے ذمے ہے" (قیامہ)

بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ، اسی طرح آیت ذیل، وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[1]،

غرض کسی صورت میں بھی اس آیت سے عیسائیوں کا استدلال اپنے دعوے پر صحیح نہیں ہے، آیت مذکور کی تفسیر ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک طریق سے کرنا ضروری ہے، یا پھر اُن معانی کے ساتھ جن کو مفسرین نے آیت ذیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہو "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى[2]" کیونکہ اس سے بلاشبہ دینی امور میں ضلالت اور غوایت کی نفی مقصود ہے، مطلب یہ ہو کہ نہ آپؐ سے کفر کا صدور رہوا اور نہ اس سے کم چیز، یعنی فسق کا،

دوسری آیت[3] میں کتاب سے مراد قرآن اور ایمان سے مراد احکامِ شرعیہ کی تفصیلات ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اس کے پڑھنے .... اور جملہ فرائض واحکام کی تفصیلات کا علم آپ کو نہ تھا، یہ بات قطعی صحیح ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نازل ہونے سے قبل توحید پر اجمالی طور پر ایمان رکھتے تھے، اسکی اور جملہ احکامِ شرعیہ کی تفصیلات کا حال آپ کو معلوم نہ تھا، جو آپؐ کو نزولِ وحی کے بعد حاصل ہوا،

---

[1] "اور آپؐ قرآن (کو پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے، قبل اس کے کہ اس کی وحی آپؐ پر پوری ہو جائے، اور یہ کہئے کہ اے میرے پروردگار علم کے اعتبار سے مجھ میں اضافہ فرمائیے" (طٰہٰ، ۱۱۴)

[2] "نہ تمہارے ساتھی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھٹکے، نہ گمراہ ہوئے" (النجم)

[3] یعنی ماکنت تدری ما الکتاب الخ میں، ت

یا پھر ایمان سے مراد نماز ہے جیسا کہ آیت ذیل وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ[1]
میں ایمان سے مراد نماز ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ قرآن اور نماز سے واقف
نہ تھے، اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے قبل اس نماز کی کیفیت
کا جو بعد کو آپ کی شریعت میں مشروع ہوئی ہے علم نہیں تھا، یا پھر ایمان سے مضاف محذوف
ہونے کی بناء پر اہلِ ایمان مراد ہیں، یعنی آپ کو قرآن اور اہلِ ایمان کا علم نہ تھا، کہ کون لوگ
آپ پر ایمان لائیں گے، اور مضاف کا محذوف ہونا کتب مقدسہ میں بکثرت موجود ہے
چنانچہ :-

مُضاف محذوف ہونیکی شہادت کتب مقدسہ سے

زبور نمبر ۸، آیت نمبر ۲۲[2] میں ہے :

"پس خداوند یہ سُنکر غضبناک ہوا، اور یعقوب کے خلاف آگ بھڑک اٹھی، اور
اسرائیل پر قہر ٹوٹ پڑا"

اور کتاب یسعیاہ باب نمبر ۱۷، آیت نمبر ۴ میں ہے :

"اور اس وقت یوں ہوگا کہ یعقوب کی حشمت گھٹ جائیگی، اور اس کا چربی دار بدن
دُبلا ہو جائے گا"

اور یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۲۲ میں ہے :

"تو بھی اے یعقوب! تو نے مجھے نہ پکارا بلکہ اے اسرائیل! تو مجھ سے تنگ آگیا"

---

[1] "اور اللہ تمھارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے" (البقرہ : ع ۱۷)

[2] موجودہ زبور ۷۸ : ۲۱،

اور آیت ۲۸ میں ہے:

"اس لئے میں نے مقدس کے امیروں کو ناپاک ٹھہرادیا، اور یعقوب کو لعنت اور اسرائیل کو طعنہ زنی کے حوالے کیا۔"

اور کتاب یرمیاہ باب نمبر ۳ آیت نمبر ۶ میں ہے:

"اور یوسیاہ بادشاہ کے ایام میں خداوند نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تونے دیکھا برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے؟ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی، اور جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا وہ میری طرف واپس آئے گی، پر وہ نہ آئی، اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ نے یہ حال دیکھا، پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دیدی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا، تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری، بلکہ اس نے بھی جاکر بدکاری کی،...... اور خداوند فرماتا ہے کہ باوجود اس سب کے اس کی بے وفا بہن یہوداہ سچے دل سے میری طرف نہ پھری، بلکہ ریاکاری سے.... اے برگشتہ اسرائیل واپس آ۔" (آیات ۶ تا ۱۲)

اور کتاب ہوسیع باب نمبر ۴ آیت نمبر ۱۵ میں ہے:

"اے اسرائیل! اگرچہ تو بدکاری کرے تو بھی ایسا نہ ہو کہ یہوداہ بھی گنہگار ہو،..... کیونکہ اسرائیل نے سرکش بچھیا کی مانند سرکشی کی ہے....... افرائیم بتوں سے مل گیا ہے۔" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور ہوسیع باب نمبر ۸ میں ہے:

"اسرائیل نے بھلائی کو ترک کر دیا۔"....... "اسرائیل نگلا گیا، اب وہ

قوموں کے درمیان ناپسندیدہ برتن کے مانند ہوں گے...... افرائیم نے گنہگاری کے لئے بہت سی قربان گاہیں بنائیں........ اسرائیل نے اپنے خالق کو فراموش کر کے بُت خانے بنائے ہیں " (علی الترتیب آیات ۳، ۸، ۱۱، ۱۴)

اب اِن عبارتوں میں مضاف کا حذف ماننا نہایت ضروری ہے، ورنہ خدا کی پناہ یہ لازم آئے گا کہ یعقوب علیہ السّلام مغضوب علیہ اور کم بزرگی والے اور خدا کی طرف دعوت نہ دینے والے اور قاتل و ناشکرے اور ان کی نافرمان بیوی ہر درخت کے نیچے زنا کرنے والی تھی، اور وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے نہ تھے، اور سرکش بچھیا کی طرح تھے، اور نیکی کو حقیر سمجھنے والے تھے، اور ناپاک برتن کی مانند اور خدا کو بھُولے ہوئے تھے،

پانچواں اعتراض

حدیثوں میں تعارض واختلاف

حدیثوں میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے،

جَواب

ہمارے نزدیک معتبر حدیثیں وہ ہیں جو کتبِ صحاح میں منقول ہیں، اور جو حدیثیں ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں نہ وہ ہمارے نزدیک معتبر ہیں، اور نہ صحیح حدیثوں سے ان کا تعارض ممکن ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ ابتدائی صدیوں میں ستّر سے زیادہ پائی جانے والی انجیلیں عیسائی حضرات کے نزدیک موجودہ چار انجیلوں کی

معارض نہیں ہو سکتیں[1]،

اور صحیح حدیثوں میں اگر کہیں تعارض بظاہر نظر آتا ہے تو وہ عموماً معمولی تامل کے بعد دور ہو جاتا ہے، اور پھر بھی یہ اختلاف اتنا شدید نہیں ہو سکتا جس قدر ان کی مقدس کتابوں کی روایتوں میں آج تک چلا آرہا ہے، چنانچہ پہلے باب میں اس کے ۱۲۴ نمونے آپ دیکھ چکے ہیں، اور اگر ہم ان کی مقبول کتابوں میں سے ایسے اختلاف نقل کرنے لگیں جس قسم کے عیسائی لوگ بعض صحیح حدیثوں میں ثابت کرتے ہیں تو کوئی باب بھی اس قسم کے اختلاف سے خالی نہیں ملے گا،

جن لوگوں کو علمائے پروٹسٹنٹ ملحد اور بد دین کہتے ہیں انھوں نے اس قسم کے اختلافات بہت کچھ نقل کئے ہیں، اور ان کا خوب مذاق اڑایا ہے، اگر کوئی صاحب دیکھنے کا شوق رکھتے ہوں تو وہ ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں، ہم بھی بطور نمونے کے جان کلارک کی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۹ء لندن سے اور کتاب اکیہومو مطبوعہ لندن ۱۸۱۳ء وغیرہ سے ۲۵ اختلافات جو اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں ہیں دونوں عہدوں کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور صرف اختلافات کے نقل کرنے پر اس لئے اکتفاء کرتے ہیں کہ معترضین (خدا ان کو ہدایت دے) نے اگرچہ ان اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے ادب کے حدود سے تجاوز کیا ہے، مگر یہ تجاوز اس گستاخی اور بے ادبی سے پھر بھی کم ہے، جو اُن کے کلام میں

---

[1] نصاریٰ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتداء میں بہت سے لوگوں نے انجیلیں لکھی تھیں، ان انجیلوں میں بہت سی باتیں اناجیلِ اربعہ کے خلاف بھی ہیں لیکن وہ لوگ چار انجیلوں کی بات کو درست قرار دیکر باقی تمام روایات کو رد کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اناجیلِ اربعہ سنداً قوی ہیں، اور باقی انجیلیں ان کے مقابلے میں کمزور، اس لئے کوئی تعارض نہیں،

انبیاء علیہم السلام پر طعن وتشنیع کرتے وقت بالخصوص مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے وقت کی جاتی ہے، چنانچہ اختلاف نمبر ۲۴ میں جو قول ہم ضمناً نقل کریں گے اس سے آپ کو یہ بات واضح ہو جائے گی، اور یہ اعتراضات ہم نے صرف ناظرین کی بصیرت میں اضافہ کرنے کی غرض سے نقل کئے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ علمائے پروٹسٹنٹ جس قسم کے اعتراضات صحیح حدیثوں پر کرتے ہیں وہ ان اعتراضات سے بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں جس قسم کے اعتراض ان کے ہم قوم مقدس کتابوں کے مضامین پر کرتے ہیں، میں نے اُن اعتراضات کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک وہ ٹھیک اور مناسب ہیں، بلکہ ہم تو دونوں فریق کی لغویات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، اور پناہ مانگتے ہیں، مگر نقلِ کفر کفر نباشد کے ماتحت بیان کئے جاتے ہیں،

مقدس کتابوں کے اختلافات جو ملحدین نے بیان کئے ہیں

اختلاف نمبر ۱ :-

زبور نمبر ۱۴۵ کی آیت ۸ میں ہے :

"خداوند رحیم وکریم ہے، وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے، خداوند سب پر مہربان ہے" (آیات ۸ و ۹)

اور کتاب سموئیل اوّل باب نمبر ۶ آیت نمبر ۱۹ میں ہے :

"اور اس نے (یعنی خدا نے) بیت شمس کے لوگوں کو مارا، اس لئے کہ انھوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا، سو اُس نے اُن کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے"

ذرا خدا کی بیشمار "رحیمی" اور "بُردباری" ملاحظہ کیجئے، کہ خاص اپنی قوم کے پچاس ہزار ستر انسانوں کو کس بیدردی کے ساتھ معمولی خطا پر قتل کر ڈالا ؟

اختلاف نمبر ۲ :-

کتاب استثنار باب نمبر ۳۲ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"وہ خداوند کو ویرانے اور سونے ہولناک بیابان میں ملا[1]، خداوند اس کے چوگرد رہا اس نے اس کی خبر لی اور اسے اپنی آنکھ کی پتلی کی طرح رکھا"

اور کتاب گنتی باب نمبر ۲۵ آیت نمبر ۴ میں ہے:

"تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا، اور خداوند نے موسیٰؑ سے کہا قوم کے سب سرداروں کو پکڑ کر خداوند کے حضور دھوپ میں ٹانگ[2] دے، تاکہ خداوند کا شدید قہر اسرائیل پر سے ٹل جائے"

پھر اسی باب کی آیت نمبر ۹ میں ہے:

"اور جتنے اُس وبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا"

ذرا ملاحظہ کیجئے اپنی قوم کی کس طرح اپنی آنکھوں کے برابر حفاظت کی ہے کہ موسیٰؑ کو حکم دیدیا کہ قوم کے سارے رئیسوں کو پھانسی چڑھا دو، اور چوبیس ہزار انسان ہلاک کر دیئے،

اختلاف نمبر ۳ :-

کتاب استثنار کے باب نمبر ۸ آیت نمبر ۵ میں ہے:

"اور تو اپنے دل میں خیال رکھنا کہ جس طرح آدمی اپنے بیٹے کو تنبیہ کرتا ہے ویسے ہی خداوند تیرا خدا تجھ کو تنبیہ کرتا ہے"

---

[1] بائبل کے بیان کے مطابق یہ حضرت موسیٰؑ کا کلام ہے جس میں وہ بنی اسرائیل پر خدا کی شفقتوں کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اللہ نے ان کی کیسی خبرگیری فرمائی،

[2] یعنی سُولی دے دے،

اور کتاب گنتی باب نمبر ۱۱ آیت ۳۳ میں ہے:

"اور اُن کا گوشت انھوں نے دانتوں سے کاٹا ہی تھا اور اُسے چبانے بھی نہ پائے تھے،

کہ خداوند کا قہر ان لوگوں پر بھڑک اٹھا، اور خداوند نے ان کو بڑی سخت وبا سے مارا۔"

کیا کہنے ہیں باپ کی طرح سزا دینے کے، وہ بیچارے بھوکے فاقہ مست لوگ جب اُن کو گوشت نصیب ہوا تو ابھی انھوں نے کھانا ہی شروع کیا تھا کہ ایک دم غریبوں پر اتنی سخت مار پڑی،

اختلاف نمبر ۴:-

کتاب میکاہ کے باب نمبر ۷ کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کی نسبت یوں فرمایا گیا ہے:

"وہ شفقت کرنا پسند کرتا ہے۔"

اور کتاب استثناء کے باب نمبر ۷ آیت نمبر ۲ میں یوں کہا گیا ہے:

"اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مارلے تو

تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا، تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ اُن پر رحم کرنا۔"

اور اسی باب کی آیت نمبر ۱۶ میں ہے:

"اور تو ان سب قوموں کو جن کو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کر دے گا نابود کر ڈالنا،

تو اُن پر ترس نہ کھانا۔"

ذرا دیکھیے اللہ کو کس قدر رحم و کرم کو پسند فرمارہا ہے کہ بنی اسرائیل کے سات عظیم الشان قبیلوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے، اور ان پر قطعی رحم نہ کرنے کا اور معاف نہ کرنے کا،

اختلاف نمبر ۵:-

رسالہ یعقوب کے باب نمبر ۵ آیت نمبر ۱۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"اور خداوند کی طرف سے اس کا جو انجام ہوا اسے بھی معلوم کر لیا جس سے خداوند کا

بہت ترس اور رحم ظاہر ہوتا ہے ۔

اور کتاب ہوسیع کے باب نمبر ۱۳ آیت نمبر ۱۶ میں یوں ہے کہ:

"سامریہ اپنے جرم کی سزا پائے گا، کیونکہ اس نے اپنے خدا سے بغاوت کی ہے، وہ تلوار سے گر جائیں گے، ان کے بچے پارہ پارہ ہوں گے، اور باردار عورتوں کے پیٹ چاک کئے جائیں گے "

معصوم بچوں اور حاملہ عورتوں کے حق میں کتنی شفقت اور رحم کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے[1]،

اختلاف نمبر ۶:-

نوحہ یرمیاہ کے باب نمبر ۳ آیت نمبر ۳۳ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ وہ بنی آدم پر خوشی سے دُکھ اور مصیبت نہیں بھیجتا "

لیکن اُس کا بنی آدم پر دُکھ، مصیبت نہ بھیجنا اس درجے کا ہے کہ اس نے

---

[1] واضح رہے کہ اسلام نے دشمن کے ساتھ کبھی اس قسم کی بدسلوکی کو روا نہیں رکھا، اسلام کے اصولِ جنگ کا پہلا سبق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا بَعَثَ جَیْشًا قَالَ اِنْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا تَقْتُلُوْا شَیْخًا فَانِیًا وَلَا طِفْلًا صَغِیْرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ،

رواہ ابوداؤد (جمع الفوائد، ص ۸ ج ۲)

ترجمہ:- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے تو (ان سے) فرماتے کہ اللہ کے نام پر جاؤ، اور نہ کسی بہت عمر رسیدہ بوڑھے کو قتل کرنا، نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ کسی عورت کو، اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور اپنے مالِ غنیمت کو جمع کرنا، اور اصلاح کرنا اور اچھا سلوک کرنا، بلاشبہ اللہ نکوکاروں کو پسند کرتا ہے ۔

(جمع الفوائد، صفحہ ۸، جلد ۲)

اشدودیین[1] کو بواسیر میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا چنانچہ اس کی تصریح سفر سموئیل اول کے باب ۵ میں موجود ہے[2]، اسی طرح پانچوں بادشاہوں کے لشکر کے ہزاروں انسانوں کو آسمان سے بڑے بڑے پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالا جن کی تعداد ان مقتولین کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے، جن کو بنی اسرائیل نے تلوار سے قتل کیا جیسا کہ کتاب یوشع کے باب نمبر ۱۰[3] میں صاف طور پر لکھا ہے، اسی طرح بے شمار بنی اسرائیل کو سانپوں اور اژدہوں کو بھیج کر ہلاک کر دیا، جیسا کہ کتاب گنتی کے باب نمبر ۲۱[4] میں مصرح ہے،

اختلاف نمبر ۷:-

کتاب تواریخ اول کے باب ۱۶ آیت ۴۱ میں ہے:

"کیونکہ اس کی یعنی خدا کی شفقت ابدی ہے۔"

اور زبور نمبر ۱۴۵ کی آیت ۹ میں اس طرح ہے:

"خداوند سب پر مہربان ہے، اور اس کی رحمت اس کی ساری مخلوق پر ہے۔"

مگر اس کی دائمی مہربانی اور عام شفقت ساری مخلوق پر اس درجہ کی ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام کے عہد میں سوائے کشتی والوں کے سارے حیوانات اور انسانوں کو طوفان کے

---

[1] اشدودیین، فلسطین کے شہر اشدود (Ashdod) کی طرف منسوب ہیں، ایک زمانے میں صندوق شہادت اس شہر میں لایا گیا تھا جس کی بنا پر یہاں کے باشندوں کو وبائے عام میں گرفتار کیا گیا (کتاب یشوع، باب ۵)

[2] "اس شہر کے لوگوں کو چھوٹے سے بڑے تک مارا اور ان کے گلٹیاں نکلنے لگیں" (۱۔ سموئیل ۵: ۹)

[3] یشوع ۱۰: ۱۱،

[4] گنتی ۲۱: ۶،

ذریعے ہلاک کر ڈالا، اور سدوم اور عامورہ اور اس کے علاقے کے تمام باشندوں کو آسمان سے آگ اور گندھک کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا، جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب ۱ و ۱۹ میں اس کی تصریح موجود ہے،

اختلاف نمبر ۸

کتاب استثناء کے باب ۲۴ آیت ۱۶ میں ہے:

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں، نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں، ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے"

اور کتاب سموئیل ثانی کے باب ۲۱ میں یوں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے شاؤل کی اولاد میں سے سات آدمیوں کو خدا کے حکم سے جبعون والوں کے حوالے کر دیا تاکہ وہ شاؤل کے جرم کے بدلے میں ان کو قتل کر ڈالیں، چنانچہ انھوں نے ان ساتوں کو سولی دیدی[1]، حالانکہ داؤد علیہ السلام نے شاؤل سے عہد کیا تھا اور قسم کھا کر کہا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کو ہلاک نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ کتاب سموئیل اول کے باب[2] ۲۴ میں صاف لکھا ہے، ملاحظہ کیجئے خدا کے حکم سے عہد شکنی کی جارہی ہے،

اختلاف نمبر ۹
باپ دادوں کا گناہ بیٹوں پر

کتاب خروج باب ۳۴ آیت ۷ میں کہا گیا ہے کہ:

"باپ دادا کے گناہ کی سزا اُن کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے"

---

[1] ۲ سموئیل، ۲۱ : ۹ ،

[2] "سو اب مجھ سے خداوند کی قسم کھا کہ تو میرے بعد میری نسل کو ہلاک نہیں کرے گا ...... سو داؤدؑ نے شاؤل سے قسم کھائی" (۱۔ سموئیل ۲۴ : ۲۱ و ۲۲)،

اور کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"

معلوم ہوا کہ بیٹے باپ کے قصور کے ذمے دار ایک پشت میں بھی نہیں ہیں، چہ جائیکہ چار پشتوں تک، اور یہ بوجھ لادنا اگر چار پشتوں تک ہی رہتا تب بھی غنیمت تھا، لیکن خدائے معبود نے اس حکم کو توڑ ڈالا، اور حکم دے ڈالا کہ باپوں کے جرم کے بدلے میں پشتہا پشت تک ان کی اولاد ذمہ دار ہوگی، اور باپ دادوں کے گناہ کا بوجھ اُٹھائے گی، چنانچہ سفر سموئیل اوّل کے باب ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ مجھے اس کا خیال ہے کہ عمالیق[1] نے اسرائیل سے کیا کیا، اور جب یہ مصر سے نکل آئے تو وہ راہ میں اُن کا مخالف ہو کر آیا، سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اُن کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے، اور اُن پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت

---

[1] عمالیق یا عمالقہ (Amalek) ایک قوی ہیکل قوم جو جنوبی فلسطین پر قابض ہو گئی تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مصر سے نکال کر لائے تھے تو اُس نے اُن کا راستہ روکا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے حضرت یوشعؑ نے اُن کا مقابلہ کر کے انھیں شکست دی تھی، (خروج ۱۷: ۸ تا ۱۳) اس وجہ سے اُن کے خلاف دائمی اعلانِ جنگ کر دیا گیا (خروج ۱۷: ۱۶ و استثناء ۲۵: ۱۷) پھر طالوت یا شاؤل نے اُن سے جہاد کیا (۱۔سموئیل ۱۴: ۴۸، ۱۵: ۸) اور حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے سردار جالوت کو قتل کر دیا (۱۔سموئیل ۲۷: ۹ و ۳۰: ۱۷)، اس واقعہ کے بعض اجزاء کی تصدیق قرآن کریم نے بھی سورۂ بقرہ میں کی ہے، تقی

ننھے بچے اور شیر خوار، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال"

(آیات ۲ و ۳)

ملاحظہ کیجئے خدا کو اپنی قوتِ حافظہ پر زور دے کر چار سو سال پیچھے یاد آیا، کہ عمالقہ نے بنی اسرائیل پر کیا کیا مظالم کئے تھے، اب اس قدر طویل مدت گذرنے کے بعد ان کی اولاد سے انتقام لینے اور ان کے مرد و عورت اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور گائے، بکری، اور گدھوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے، اور چونکہ شاؤل نے اس خدائی فرمان پر عمل نہ کیا تو خدا اس کو بادشاہ بنانے پر پشیمان ہوا[1]،

اور اکلوتا بیٹا جو معبودِ ثانی بھی ہے وہ تو چار قدم اور آگے بڑھ گیا، اور اسنے چار ہزار سال بعد باپ دادوں کے گناہ اولاد پر ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۳ میں یوں ہے کہ:

"تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے، راست باز ھابل کے خون سے لیکر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربانگاہ کے درمیان قتل کیا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانے کے لوگوں پر آئے گا" (آیات ۳۵، ۳۶)

پھر باپ جو معبودِ اوّل ہے، وہ اور چار قدم آگے بڑھتا ہے، اور سوچتا ہے کہ آدمؑ کا گناہ موجودہ عہد تک کی تمام اولاد کو اٹھانا چاہئے، حالانکہ اس واقعہ کو چار ہزار تین سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور آدمؑ سے مسیحؑ تک ستر پشتیں گزر چکی ہیں (جیساکہ لوقا کی

[1] یہ بائبل کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے "تب خداوند کا کلام سموئیل کو پہونچا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے شاؤل کو بادشاہ ہونے کیلئے مقرر کیا، کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا" (۱-سموئیل ۱۵: ۱۱)

انجیل کے باب ۲ میں اس کی تصریح ہے، اور یہ رائے قائم کی کہ اگر آدم کے اس گناہ کا کوئی عمدہ کفارہ نہ ہوا تو اولاد آدم سب کی سب جہنم کی مستحق ہے، پھر اس کے سوا اور کوئی شکل نظر نہیں آئی کہ اپنے بیٹے کو جو معبود ثانی ہے اور کفارے کے لئے اس سے بہتر اور لائق نہیں ہو دنیا کے کمینے انسانوں یعنی یہودیوں کے ہاتھوں سُولی دلائی جائے، اس کے سوا اولادِ آدم کی نجات کی اور کوئی صورت خدا کی سمجھ میں نہیں آئی چنانچہ اس کو سُولی دیئے جانے کا حکم صادر کر دیا، اور دشمنوں کے ہاتھوں میں ڈال کر تکلیف کے وقت اس کی فریاد بھی سُنکر نہ دی، اور غریب بیٹا شدّتِ تکلیف سے چلّا چلّا کر باپ کو یہ کہکر پکارتا رہا کہ اے میرے معبود تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ پھر دوبارہ چلّایا اور مر گیا[۱]، پھر مرنے کے بعد ملعون ہو کر جہنم میں داخل ہو گیا[۲] (نعوذ باللہ منہ)

زکریاہ بن برکیاہ کا قتل، انجیل متّی کی ایک اور تحریف،

اس کے علاوہ عہد عتیق کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زکریاہ بن برکیاہ عبادت گاہ اور قربان گاہ کے درمیان قتل کئے گئے ہوں، البتہ کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۴ میں تصریح کی ہے کہ زکریاہ بن یہویدع کاہن خدا کے گھر کے صحن میں یوآش بادشاہ کے عہد میں قتل کیا گیا[۳]، پھر بادشاہ کے غلاموں نے اس کو زکریاہ کے خون کے عوض میں قتل کر دیا[۴]،

۱؎ ملاحظہ ہو انجیل متی ۲۷: ۳۲ تا ۵۱، لوقا ۲۲: ۱۵، ۳۸، ۴۴، ۴۶، مرقس ۱۵: ۲۲ تا ۳۸، یوحنا ۱۹: ۱۷ تا ۱۹،

۲؎ دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۹۳۰ جلد ۲،

۳؎ ۲ تواریخ ۲۴: ۲۱،

۴؎ ۲ تواریخ ۲۴: ۲۵،

پس انجیل نے یہویدع کو برکیاہ سے بدل کر تحریف کر دی[1]، اسی لئے لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں صرف زکریا کے نام پر اکتفا کیا ہے، اور باپ کا نام ذکر نہیں کیا، اب آپ ان مذکورہ

---

[1] یعنی واقعہ تو زکریاہ بن یہویدع کا تھا، انجیل متی میں اسے زکریاہ بن برکیاہ کی طرف منسوب کر دیا گیا، بائبل کے شراح اس مقام پر اس کی توجیہ میں حیران ہیں، اور اس غلطی کی عجیب تاویلیں کرتے ہیں، آرائے ناکس تفسیر عہد نامہ جدید میں لکھتا ہے:

"لوقا کے برخلاف متی میں یہاں زکریاہ کو برکیاہ کا بیٹا کہا گیا ہے، حالانکہ درحقیقت جس شخص کو خدا کے گھر میں قتل کیا گیا وہ زکریاہ بن یہویدع تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برکیاہ یہویدع ہی کا کوئی دور دراز کا جدِ امجد ہوگا جس کی طرف زکریاہ کو منسوب کر دیا گیا، کیونکہ دُو اور مقامات پر بھی زکریاہ کو بن برکیاہ کہا گیا ہے، حالانکہ خاندان ایک ہی ہے، (دیکھئے یسعیاہ ۸ : ۲ اور زکریاہ ۱:۱) لیکن اس کے بعد مزید تحقیق کی گئی تو اسی جیسا ایک اور واقعہ تاریخ میں ملا، اور وہ یہ کہ زکریاہ بن بارُوک نامی ایک شخص کو بھی اسی طرح ظلماً قتل کیا گیا اور یہ واقعہ ۶۸ء میں یروشلم کی تباہی سے بہت پہلے کا نہیں ہے، جیسا کہ مورخ یوسیفس نے ذکر کیا ہے، اس لئے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ انجیل متی کے کسی بہت ہی پرجوش ناقل نے غلطی سے یہاں اپنی طرف سے ابن برکیاہ بڑھا دیا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ اگرچہ واقعہ ہمارے خداوند کے بعد کا ہے مگر ہمارے خداوند نے پہلے ہی اس واقعہ کو معلوم کر لیا ہوگا جو ۶۸ء میں"

ناکس صاحب نے مندرجہ بالا عبارت میں جو دُو تاویلیں کی ہیں ان میں سے دوسری تو نہ صرف یہ کہ انتہائی دور از کار مضحکہ خیز اور انجیل متی کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے (کیونکہ متی میں ماضی میں ہونے والے قتل کا تذکرہ ہے مستقبل کا نہیں) بلکہ خود انجیل کے نقل کرنیوالوں کی جلد بازی اور بے احتیاطی کا کھلا ثبوت ہے، رہا یہ کہنا کہ زکریاہ بن یہویدع کا کوئی دور دراز کا باپ برکیاہ ہوگا، سو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یسعیاہ و زکریاہ کے جو حوالے انھوں نے پیش کئے ہیں وہ اس لئے غلط ہیں کہ جس زکریاہ بن برکیاہ کا وہاں ذکر ہے وہ بالکل دوسرے ہیں، اُن کے قتل کا واقعہ بائبل میں نہیں ہے، چنانچہ مونسگر ناکس نے ترجمۂ بائبل کے حاشیے پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس مقام پر یسعیاہ ۸ : ۲ اور زکریاہ ۱ : ۱ کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا،

(کیتھولک بائبل متی ۲۳ : ۳۵) ۱۲ تقی

نمونوں کو ملاحظہ فرما کر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان سے اللہ کی بے شمار رحمت اپنی مخلوق پر کس طرح ثابت ہوئی؟

اختلاف نمبر ۱۰:-

زبور نمبر ۳۰ آیت ۵ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے"

اور کتاب گنتی کے باب ۳۲ آیت ۱۳ میں یوں ہے کہ:

"سو خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا، اور اُس نے ان کو بیابان میں چالیس برس تک آوارہ پھرایا، جب تک کہ اس پشت کے سب لوگ جنھوں نے خداوند کے روبرو گناہ کیا تھا نابود نہ ہوگئے"

ذرا دیکھنے کے لائق ہے یہ ایک گھڑی کا غضب کہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟

اختلاف نمبر ۱۱:-

کتاب پیدائش کے باب ۱۷ آیت اوّل میں یوں ہے کہ:

"میں خدائے قادر ہوں"

اور کتاب القضاۃ کے باب ۱ آیت ۱۹ میں یوں ہے:

"اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا، سو اُس نے کوہستانیوں کو نکال دیا، پر وادی کے باشندوں کو نکال نہ سکا، کیونکہ اس کے پاس لوہے کے رتھ تھے"

خدا کی قدرت کا اندازہ دیکھئے کہ وہ بیچارا اس وادی کے رہنے والوں کو محض اس لئے ہلاک نہ کرسکا کہ ان کے پاس بے شمار لوہے کی بنی ہوئی سواریاں تھیں،

اختلاف نمبر ۱۲:-

کتاب استثنار کے باب۱۰ آیت ۱۷ میں ہے کہ :-

"کیونکہ خداوند تمہارا خدا الٰہوں کا الٰہ خداوندوں کا خداوند ہے، وہ بزرگوار اور قادر اور مہیب خدا ہے"

اور کتاب عاموس کے باب۲ آیت ۱۳ ترجمہ عربی ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ :

"یاد رکھو[۱]! میں تمہارے نیچے ایسا چپکا ہوں جیسے پولوں سے لدی ہوئی گاڑی چپکی ہوتی ہو"

ترجمہ فارسی ۱۸۳۸ء میں لکھا ہے :

"اینک من در زیر شما چسپیدہ شدہ ام چنانچہ ارابہ پُراز اقد چسپیدہ می شود"

ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ اپنی تمام عظمت وجباریت کے باوجود بنی اسرائیل کے ساتھ کیسا چپکا ہوا ہے،

اختلاف نمبر۱۳

کتاب یسعیاہ کے باب ۴۰ آیت ۲۸ میں ہے کہ :

"خداوند خدائے ابدی وتمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اور ماندہ نہیں ہوتا"

اور کتاب القضاۃ کے باب۵ آیت ۲۳ میں یوں ہے کہ :

"خداوند کے فرشتے نے کہا تم میروز پر لعنت کرو، اس کے باشندوں پر سخت لعنت کرو، کیونکہ وہ خداوند کی کمک کو زور آوروں کے مقابل خداوند کی کمک کو نہ آئے"

غور کیجئے : خدا کی طاقت وقوت کا عالم کیسا نرالا ہے ؟ اور اس کا کمزور و ضعیف نہ ہونا کیسا کچھ نظر آرہا ہے، کہ وہ زبردستوں کے مقابلے میں امداد کا محتاج تھا، اور جو اس کی مدد کو نہیں پہنچا،

[۱] یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ اردو ترجمے کی عبارت اس کے خلاف یہ ہے : "میں تم کو ایسا دباؤں گا جیسے پولو سے لدی ہوئی گاڑی دباتی ہے"

اس پر لعنت کرتا ہے،

کتاب ملاکی کے باب ۳ کی آیت ۹ میں یوں ہے کہ :

"پس تم سخت ملعون ہوئے کیونکہ تم نے بلکہ تمام قوم نے مجھے ٹھگا"

یہ بھی اس امر پر دلالت کرر ہا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے خدا کو لوٹ لیا تھا، اور وہ ان پر لعنت برساتا تھا، ان چاروں مثالوں سے اللہ کی بیان کردہ قدرت کا حال پورے طور پر منکشف ہو رہا ہے،

اختلاف نمبر ۱۴ :-

کتاب امثال کے باب ۱۵ آیت ۳ میں یوں ہے کہ :-

"خداوند کی آنکھیں ہر جگہ ہیں، اور نیکوں اور بدوں کے نگراں ہیں"

اور کتاب پیدائش کے باب ۳ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ :-

"تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے ؟"

ذرا دیکھئے : خدا کے ہر جگہ آنکھوں سے دیکھنے کی کیفیت، کہ اس کو آدمؑ سے جب کہ وہ جنت کے درخت کے درمیان جا کر چھپ گئے تھے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ آپ کہاں تھے؟

اختلاف نمبر ۱۵ :-

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۶ آیت ۹ میں ہے کہ :

"خداوند کی آنکھیں ساری زمین پر پھرتی ہیں"

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۱ آیت ۵ میں یوں ہے کہ :

"اور خداوند اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بنانے لگے دیکھنے کے لئے گیا"

کیا کہنے ہیں، خداوند کے تمام زمین کو اپنی نگاہ میں رکھنے کے کہ اس کو اترنے اور دیکھنے کی

ضرورت پیش آرہی ہو، تاکہ شہر اور برج کا حال معلوم کرے،

اختلاف نمبر ۱۶ :۔

زبور نمبر ۱۳۹ کی آیت ۲ میں اس طرح ہے کہ :۔

"تو میرا اُٹھنا بیٹھنا جانتا ہے، تو میرے خیال کو دُور سے سمجھ لیتا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کے تمام طریقوں کو جانتا ہے، اور ان کے افعال سے باخبر ہے۔

اور کتاب پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے :

"پھر خداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور بڑھ گیا، اور ان کا جرم نہایت سنگین ہوگیا ہے، اس لئے میں اب جاکر دیکھوں گا کہ کیا انھوں نے سراسر ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہونچا ہے اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کروں گا"

(آیات ۲۰ و ۲۱)

ذرا ملاحظہ ہو کہ اللہ کو کس قدر اپنے بندوں کے اعمال و افعال سے واقفیت حاصل ہو، کہ وہ یہ بھی جاننے کے لئے کہ سدوم و عمورہ کے باشندوں کے بارے میں جو شور ہو وہ واقعی ہے، اور وہ کام بھی ایسے ہی کررہے ہیں یا محض مصنوعی اور جھوٹا ہے، زمین پر اُترنے اور دیکھنے کا محتاج ہورہا ہے،

اختلاف نمبر ۱۷ :۔

زبور مذکور کی آیت[1] ۵ میں یوں ہے کہ :

"یہ عرفان میرے لئے نہایت عجیب ہے، یہ بلند ہو، میں اس تک نہیں پہونچ سکتا"

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر موجودہ زبور میں یہ آیت نمبر ۶ ہے، تقی

اور کتاب خروج باب ۳۳ آیت ۵ میں ہے:

"سو تو اپنے زیور اُتار ڈال تاکہ مجھے معلوم ہو کہ تیرے ساتھ کیا کرنا چاہتے"

ماشاء اللہ خدا کا علم کیسا عظیم الشان ہے کہ جو اس کی فہم سمجھ سے خارج ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، جب تک وہ اپنے لباس نہ اُتار دیں،

اور کتاب خروج باب ۱۶ آیت ۴ میں ہے:

"تب خداوند نے موسیٰ سے کہا میں آسمان سے تم لوگوں کے لئے روٹیاں برساؤں گا سو یہ لوگ نکل نکل کر فقط ایک دن کا حصہ ہر روز بٹور لیا کریں کہ اس سے میں اُن کی آزمائش کروں گا کہ وہ میری شریعت پر چلیں گے یا نہیں"

اور کتاب استثناء باب ۸ آیت ۲ میں ہے:

"اور تو اس سارے طریق کو یاد رکھنا جس پر ان چالیس برسوں میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو اس بیابان میں چلایا تاکہ وہ تجھ کو عاجز کرکے آزمائے، اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ تو اس کے حکموں کو مانے گا یا نہیں؟"

تو گویا خدائے تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کے جاننے کے لئے امتحان کے محتاج ہیں اس لئے اُن پر روٹیاں برسا کر اور چالیس سال چٹیل میدان میں سزا دے کر ان کا امتحان کیا، ان چھ مثالوں سے خدا کے عالم الغیب ہونے کا حال خوب اچھی طرح معلوم ہوگیا،

اختلاف نمبر ۱۸ :-

کتاب ملاکی باب ۳ آیت ۶ میں ہے:

لہ اظہار الحق میں یہ حوالہ ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت باب آیت ۲ میں ملی، غالباً اصل نسخے میں یہاں کتابت کی غلطی ہے،

"کیونکہ میں خداوند لاتبدیل ہوں"

اور کتاب گنتی کے باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے:

"اور خدا[1] نے رات کو بلعام کے پاس آکر اسے کہا کہ اگر یہ آدمی تجھے بلانے کو آئے ہوئے ہیں تو تُو اُٹھ کر ان کے ساتھ جا، مگر جو بات تجھ سے کہوں اسی پر عمل کرنا، سو بلعام صبح کو اٹھا اور اپنی گدھی پر زین رکھ کر موآب کے امراء کے ہمراہ چلا اور اس کے جانے کے سبب سے خدا کا غضب بھڑکا"

ملاحظہ کیجئے خدا کے عدم تغیر کو کہ وہ رات کے وقت بلعام کے پاس آتا ہے، اور اس کو موآب کے بڑے لوگوں کے ہمراہ جانے کا حکم دیتا ہے، پھر جب بلعام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے تو خدا ناراض ہوتا ہے،

اختلاف نمبر ۱۹:

رسالہ یعقوب کے باب کی آیت ۱۷ میں خدا کے بارے میں ہے کہ:

"جس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ گردش کے سبب سے اس پر سایہ پڑتا ہے"

نیز اس نے عہد عتیق کی کتابوں کے اکثر مقامات میں سبت کی محافظت کا حکم دیا، اور کہہ دیا کہ یہ حکم ابدی ہے جس کی تصریح ان مقدس کتابوں میں ہے[2]، مگر پادریوں نے شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل ڈالا، پس عیسائیوں کو اقرار کرنا ضروری ہوا کہ اس میں تغیر ہوا،

---

[1] اس عبارت کا مطلب پوری طرح سمجھنے کے لئے دیکھئے ص ۱۲۷ جلد ۲ کا حاشیہ، ت

[2] دیکھئے خروج ۳۱: ۱۳ تا ۳۵: ۲ و گنتی ۱۵: ۳۲ تا ۳۶ و پیدائش ۲: ۳ و احبار ۱۹: ۳ و ۲۳: ۳ و استثناء ۵: ۱۲ تا ۱۵ و یرمیاہ باب ۱۷ و یسعیاہ باب ۵۶ و نحمیاہ باب ۹ و حزقی ایل باب ۲۰،

اختلاف نمبر ۲۰ :-

کتاب پیدائش کے باب۱ آیت ۳۱ میں آسمان، اور ستاروں اور حیوانات کی نسبت کہا گیا ہے کہ "یہ خوب صورت اور اچھے ہیں"، اور پھر کتاب ایوب کے باب ۱۵ کی آیت ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ "آسمان بھی اس کی نظر میں پاک نہیں"

اور باب ۲۵ آیت ۵ میں یوں ہے :

"اور تارے اس کی نظر میں پاک نہیں"

نیز کتاب احبار کے باب ۱۱ میں بہت سے جانور پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی نسبت یہ کہا گیا ہے : کہ "وہ قبیح اور حرام ہیں"

اختلاف نمبر ۲۱
عیسوؔ کے ساتھ کھلی ناانصافی

کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۵ میں ہے :

"اے بنی اسرائیل سنو تو! کیا میری روش راست نہیں، کیا تمھاری روش ناراست نہیں؟"

اور کتاب ملاکی باب اوّل آیت ۲ میں ہے :

"میں نے تم سے محبت رکھی تو بھی تم کہتے ہو تو نے کس بات میں ہم سے محبت ظاہر کی؟ خداوند فرماتا ہے کیا عیسوؔ[1] یعقوب کا بھائی نہ تھا؟ لیکن میں نے یعقوب سے محبت

---

[1] عیسو (Esau) حضرت اسحٰق علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحبزادے (پیدائش ۲۵ : ۲۵) اور ادومیوں کے جدامجد ہیں (پیدائش ۳۶ : ۴۳) بائبل میں اُن کے بارے میں ایک عجیب غیر منصفانہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، بائبل کا بیان ہے کہ تورات اور اس سے پہلے کے قانون میں سب سے بڑی اولاد (پہلوٹھی) کو کچھ مخصوص حقوق حاصل ہوتے تھے (استثناء ۲۱ : ۱۵ و عبرانیوں ۱۲ : ۱۶) جو عیسو کو پہلوٹھا ہونے کی بنا پر حاصل تھے، لیکن ایک دن وہ جنگل سے تھکے ہوئے آئے، بھوک بہت لگ رہی تھی، اُن کے بھائی یعقوب علیہ السلام نے دال پکائی ہوئی تھی، عیسو نے اُن سے دال مانگی، تو حضرت یعقوبؑ (باقی بر صفحہ ۶۷)

رکھی، اور عیسوؔ سے عداوت رکھی، اور اس کے پہاڑوں کو ویران کیا، اور اس کی میراث

بیابان کے گیدڑوں کو دی" (آیات ۲ و ۳)

ذرا خدا کے راستے کی استقامت ملاحظہ فرمائیے کہ عیسوؔ سے ناحق دشمنی کرتا ہے اس کے پہاڑوں کو چٹیل میدان اور اس کی میراث جنگل کے گیدڑوں کے لئے تجویز کرتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦) نے اس شرط پر دال کھلانے کا وعدہ کر دیا کہ عیسو پہلوٹھے کے حقوق سے ان کے حق میں دستبردار ہو جائیں، عیسوؔ نے سخت بھوک کی وجہ سے یہ منظور کر لیا، اور اس طرح اُن کا حق حضرت یعقوبؑ کو مل گیا، (پیدائش ۲٦: ۲۹ تا ۳۴) پھر جب حضرت اسحٰقؑ، ضعیف اور نابینا ہو گئے تو ایک دن انھوں نے عیسو سے کہا کہ تم میرے لئے جنگل سے شکار لاؤ، اور میری حسب منشاء مجھے پکا کر کھلاؤ، میں تمھیں برکت کی بہت دعاء دوں گا، عیسوؔ اس حکم کی تعمیل کرنے جنگل چلے گئے، حضرت اسحٰقؑ کی بیوی ربقہ کو حضرت یعقوبؑ سے زیادہ محبت تھی، جب عیسو جنگل چلے گئے تو انھوں نے یہ چال چلی کہ دو بکری کے اچھے اچھے بچے لے کر انھیں بہت عمدہ طریقے سے پکایا، اور حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ تم یہ کھانا لے کر حضرت اسحٰقؑ کو کھلا دو اور ان پر یہ ظاہر کرو کہ تم ہی عیسو ہو، اور جنگل سے شکار مار کر لائے ہو، حضرت یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا، اور (معاذ اللہ) جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عیسو ظاہر کیا حضرت اسحٰقؑ چونکہ نابینا تھے، اس لئے انھوں نے حضرت یعقوبؑ کے ہاتھ کو ٹٹول کر دیکھا، کیونکہ عیسوؔ کی علامت یہ تھی کہ اُن کے ہاتھ پر بڑے بڑے بال تھے، مگر ربقہ نے پہلے ہی یعقوب علیہ السلام کو بکری کی کھال پہنا دی تھی، اس لئے وہ دھوکا کھا گئے، اور برکت کی تمام دعائیں بھی انھیں دیں اور انہی کو اپنا جانشین بنایا، جب عیسو جنگل سے آئے اور یہ ماجرا دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوئے، حضرت اسحٰقؑ نے بھی اس پر صرف تعجب کا اظہار کیا، اور کہا کہ اب میں برکت کی تمام دعائیں یعقوب کو دے چکا ہوں (کتاب پیدائش ۲۷)

یہ تھا بیچارے عیسو کا قصور، جس کی بنا پر کتاب ملاکی میں کہا جا رہا ہے کہ خدا کو اس سے عداوت ہو گئی، اور جس کی وجہ سے "پولس مقدس" صاحب اسے "بددین" کا خطاب دیتے ہیں (عبرانیوں ۱۲: ۱٦)

غور فرمائیے! کہ اس قسم کے قصے خدا کے عدل و انصاف اور انبیاء علیہم السلام کے کردار کے بارے میں کیا تصور پیش کرتے ہیں؟ اس پر بھی یہ اصرار ہے کہ انھیں الہامی مانو اور سماوی یقین کرو، سبحان اللہ، ہذا بہتان عظیم ۱۲ تقی

اختلاف نمبر ۲۲ :-

مکاشفہ کے باب ۱۵ آیت ۳ میں ہے کہ :

"اے خداوند خدا قادر مطلق. تیرے کام بڑے اور عجیب ہیں"

کتاب حزقیال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں ہے کہ :

"سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں"

اختلاف نمبر ۲۳ :-

زبور نمبر ۱۱۹ کی آیت ۶۸ میں کہا گیا ہے کہ :

"تو بھلا ہے اور بھلائی کرتا ہے، مجھے اپنے آئین سکھا"

باب ۹ آیت ۲۳ میں یوں ہے کہ :

"تب خدا نے ابی ملک اور سکم کے لوگوں کے درمیان ایک بُری رُوح بھیجی، اور اہل سکم ابی ملک سے دغابازی کرنے لگے"

ملاحظہ ہو خدا کی نیکی اور اصلاح پسندی کا ریکارڈ کہ محض فتنہ انگیزی کے واسطے ایک کمین رُوح کو مسلّط کر دیا،

اختلاف نمبر ۲۴ :-

اکثر آیتوں میں زنا کی حرمت ثابت[1] ہے، اور اگر پادری صاحبان کو ان کے قول میں سچا مانا جائے .... پھر تو لازم آئے گا کہ خود خدا نے یوسف نجار کی بیوی سے زنا کیا، اور وہ اس زنا سے حاملہ بھی ہوئی، (خدا کی پناہ) اس مقام پر ملحدین تو

---

[1] دیکھئے خروج ۲۰ : ۱۴، استثناء ۵ : ۱۸، متی ۱۹ : ۱۸، رومیوں ۱۳ : ۹، گلتیوں ۵ : ۱۹، وغیرہ،

حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور اتنا فحش استہزاء کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، میں صرف ناظرین کی آگاہی کے لئے صرف صاحب اکسیہومو کا قول نقل کرتا ہوں، اور اس کے استہزاء سے قطع نظر کرتا ہوں، یہ ملحد اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۱۳ء کے صفحہ ۴۴ میں کہتا ہے:

"اس انجیل میں جس کا نام ٹی ٹی اور ٹی آف میری ہے اور جس کا شمار اس دور میں جھوٹی انجیلوں میں کیا جاتا ہے لکھا ہے کہ مریم علیہا السلام کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد اور وقف کر دیا گیا تھا، اور وہ سولہ برس تک وہاں رہیں، اس قول کو فادر جیروم زلدیر نے قبول اور پسند کیا ہے، اور وہ اس کی صحت کا معتقد ہے لہٰذا اس صورت میں کہ مریم بیت المقدس کے کسی کاہن سے حاملہ ہوئی ہوں، اور اس کاہن نے مریمؑ کو یہ ترکیب سکھائی ہو، کہ تم یہ کہہ دینا کہ میں روح القدس سے حاملہ ہوں"

اس کے بعد اس ملحد نے لوقا کی تحریر کا شدید مذاق اڑایا ہے، اور کہا ہے:

"یہ واقعہ یہودیوں کے نزدیک بالکل اسی طرح ثابت ہے کہ ایک سپاہی کا لڑکا مریمؑ کا عاشق ہو گیا تھا، اور اسی کی شنیع حرکت سے عیسائیوں کا مسیح پیدا ہوا، اسی بنا پر مریمؑ پر یوسف نجار بگڑا، اور غضبناک ہو کر اپنی اس خائن بیوی کو چھوڑ دیا، اور بابل چلا گیا، اِدھر مریمؑ یسوع کو لے کر مصر چلی گئیں، وہاں رہتے ہوئے یسوع نے جادو کا علم[1] سیکھا، اور سیکھ کر یہودیہ آگیا تاکہ لوگوں کو دکھائے"

[1] اظہار الحق میں اصل سے یہ ہے کہ "تعلم یسوع هناك النيرنجات" اس کا ترجمہ ہم نے اندازہ سے "جادو کا علم" کیا ہے، انگریزی مترجم نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے "النیرنجات" کے صحیح اور یقینی معنی ہمیں معلوم نہیں ہو سکے ۱۲ تقی

پھر کہتا ہے کہ :-

"بت پرستوں میں اس قسم کی بے شمار بیہودہ اور واہیات روایتیں مشہور اور رائج ہیں مثلاً یہ کہ ان کا اعتقاد ہے کہ ان کا معبود منروا[1] ہے جو جیوپیٹر[2] کے دماغ سے پیدا ہوا، اور بیکس جیوپیٹر کی ران میں تھا، اور جو چین والوں کا معبود ہے، ایک کنواری عورت سے پیدا ہوا جو سورج کی شعاع سے حاملہ ہوئی تھی"

اس مقام کے مناسب وہ واقعہ ہے جس کو جان ملٹر نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں نقل کیا ہے کہ :-

"جونا ساؤتھ کاٹ نے اب سے کچھ مدت پہلے الہام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی عورت ہوں جس کی نسبت خدا نے سفر تکوین کے باب ۳ آیت ۱۵ میں فرمایا ہے، "یہ مستحق ہے تیرے[3] سر کی" اور اسی کے حق میں مکاشفہ کے باب ۱۲ میں یوں ہے کہ "پھر آسمان پر ایک

---

[1] منروا (Minerva) عہد قبل مسیح میں اسے اطالوی باشندے اپنی دیوی (goddess) مانتے تھے، اطالوی زبان میں "منس" کے معنی دماغ کے ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ منروا جیوپٹر کے دماغ سے پیدا ہوئی اس لئے اس کا نام منروا رکھا، ۲۰۷ق م تک روم میں اس کے نام کا ایک بڑا مندر موجود تھا، جہاں ۱۹ مارچ کو منروا کا مقدس دن منایا جاتا تھا (برٹانیکا، ص ۵۳۳ ج ۱۵)

[2] جیوپیٹر ( ) رومیوں اور اطالویوں کا سب سے بڑا دیوتا جسے وہ آسمانی دیوتا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ قحط کے ایام میں بارش وہی برساتا ہے، روم کے بعض علاقوں میں اس کے نام کے بعض قدیم مندر اب بھی موجود ہیں، یہ لوگ دنیا میں سب سے مقدس شخص کو اس کا خلیفہ مانتے تھے، ۱۳ ستمبر کو اس کی پوجا کا جشن منایا جاتا تھا، منروا اور جونو اس دیوتا کے ماتحت سمجھے جاتے تھے (برٹانیکا، ص ۸۷، ۸۸ ج ۱۳)

[3] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے "وَهِيَ تَسْحَقُ رَأْسَكَ" اور موجودہ اردو ترجمے کی عبارت یہ ہے:- "وہ تیرے سر کو کچلے گا"

بڑا نشان دکھائی دیا، یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی، اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا، اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر، وہ حاملہ تھی، اور درد زہ میں چلاتی تھی، اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی" اور مجھ کو عیسیٰؑ کا حمل ہوا، بہت سے مسیحی اس کے تابع ہو گئے، اور اس حمل سے ان کو بے حد خوشی ہوئی، اور سونے چاندی کے برتن بنائے"

مگر ہم نے آج تک کسی سے نہیں سنا کہ اس کے اس حمل سے برکت والا بچہ پیدا بھی ہوا یا نہیں؟ اور اگر پیدا ہوا تو اس کو بھی باپ کی طرح الوہیت اور خدائی کا مرتبہ ملا یا نہیں؟ اور اگر ملا ہو تو کیا اس نے اپنے معتقدوں کے عقیدۂ تثلیث کو تربیع سے بدلا یا نہیں؟ اور کیا اس نے اللہ کا لقب یعنی باپ کو "دادا" کے لقب سے تبدیل کیا نہیں؟

اختلاف نمبر ۲۵:

کتاب گنتی کے باب ۲۳ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"خدا انسان نہیں کہ جھوٹ بولے، اور نہ وہ آدم زاد ہے، کہ (شرمندہ ہو)[1]"

اور کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۶ میں ہے:

"تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا، اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا، انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک، کیونکہ میں اُن کے بنانے سے ملول ہوں"

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ لفظ ہیں، "اپنا ارادہ بدلے"

اختلاف نمبر ۲۶ خدا پچھتاتا ہے،

کتاب سموئیل اوّل باب ۱۵ آیت ۲۹ میں ہے:

"اور جو اسرائیل کی قوت ہے وہ نہ تو جھوٹ بولتا ہے، اور نہ پچھتاتا ہے، کیونکہ وہ انسان نہیں ہے کہ پچھتائے"

اور اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:

"اور خداوند کا کلام سموئیل کو پہنچا، کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے مقرر کیا، کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے" (آیات ۱۰ و ۱۱)

اور آیت ۳۵ میں ہے:

"اور خداوند ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کرکے ملول ہوا"

اختلاف نمبر ۲۷:-

کتاب امثال باب ۱۲ آیت ۲۲ میں ہے:

"جھوٹے لبوں سے خداوند کو نفرت ہے"

اور کتاب خروج باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے:

"اور میں نے کہا ہے کہ میں تم کو مصر کے دکھ میں نکال کر کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں لے چلوں گا، جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے، اور وہ تیری بات مانیں گے، اور تو اسرائیلی بزرگوں کو ساتھ لے کر مصر کے بادشاہ کے پاس جانا، اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا کی ہم سے ملاقات ہوئی، اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیابان میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں"

اور اسی کتاب کے باب ۵ آیت ۳ میں ہے:

"تب انھوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے، سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جاکر خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں تا نہ ہو کہ وہ ہم میں وبا بھیج دے، یا ہم کو تلوار سے مروا دے"

اور اسی کتاب کے باب ۱۱ آیت ۲ میں حضرت موسیٰؑ سے خطاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے"

اور خروج باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے کہ:

اور بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے"

ملاحظہ ہو خدا کی جھوٹ سے نفرت کی کتنی عمدہ تصویر پیش کی گئی ہے، کہ اس نے موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کو فرعون کے سامنے جھوٹ بولنے کا حکم دیا، چنانچہ ان دونوں نے جھوٹ بولا، اسی طرح بنی اسرائیل کے ہر مرد و عورت نے جھوٹ بولا، فریب دہی اور دھوکہ بازی سے پڑوسیوں کا مال لینے اور اس میں تصرف کرنے کا حکم دیا، حالانکہ توریت کے بہت سے مقامات پر پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید پائی جاتی ہے، کیا حقوق کی ادائیگی کا طریقہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟ جس کا حکم ان کو مصر سے نکلنے کے وقت دیا گیا، اور کیا خدا کے لئے یہ زیبا ہے کہ ان کو خیانت اور بدعہدی کی تعلیم دے؟

اور کتاب سموئیل اوّل کے باب ۱۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے فرمایا:

"تو اپنے سینگ میں تیل بھر اور جا، میں تجھے بیت لحمی یسّی[1] کے پاس بھیجتا ہوں، کیونکہ میں نے اس کے بیٹوں میں سے ایک اپنی طرف سے بادشاہ چُنا ہے، سموئیل نے کہا میں کیونکر جاؤں؟ اگر ساؤل سُن لے گا تو مجھے مار ہی ڈالے گا، خداوند نے کہا ایک بچھیا اپنے ساتھ لے جا، اور کہنا کہ میں خداوند کے لئے قربانی کو آیا ہوں......

اور سموئیل نے وہی جو خداوند نے کہا تھا کیا اور بیت لحم میں آیا" (آیات ۱تا۴)

تو گویا اللہ نے سموئیل کو حکم دیا کہ جھوٹ بولے، کیونکہ اس کو تو داؤد کے چُھونے اور اس کو بادشاہ بنانے کے لئے بھیجا تھا، نہ کہ قربانی کے لئے،

اس سے قبل تیسرے اعتراض کے جواب کے سلسلے میں اسی باب کی دوسری فصل میں معلوم ہو چکا ہے[2]، کہ اللہ نے گمراہی کی روح کو چھوڑ دیا، تاکہ وہ چار سو پیغمبروں کے مُنہ میں جھوٹ ڈالے، اور ان کو گمراہ کرے، پھر وہ جھوٹے ہیں،

ان چاروں مثالوں سے خدا کے جھوٹے ہونٹوں سے نفرت کرنے کی حقیقت کا پول اچھی طرح کُھل گیا ہوگا۔

اختلاف نمبر ۸۰
خدا عورتوں کو برہنہ کرتا ہے

سفر خروج کے باب ۲۰ آیت ۲۶ میں یوں ہے کہ:-

"اور تو میری قربان گاہ پر سیڑھیوں سے نہ چڑھنا، تا نہ ہو کہ تیری برہنگی اس پر ظاہر ہو"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو مرد کا پوشیدہ حصّہ کُھلنا ناپسند ہے، چہ جائیکہ عورت کا پوشیدہ حصّہ۔

---

[1] یسّی حضرت داؤد علیہ السلام کے والد کا نام ہے، اور ان کے جس بیٹے کو بادشاہ بنانے کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے، ان سے مراد بھی حضرت داؤد علیہ السلام ہیں،

[2] دیکھئے ص ج ۲،

اب ملاحظہ کیجئے کتاب اشعیا کے باب ۳ آیت ۱۷ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"خداوند[1] صیتون کی بیٹیوں کی پردہ دری کرے گا"

اور کتاب یسعیاہ باب ۴۷ آیت ۲ میں ہے:

---

[1] اظہار الحق میں بائبل کے جس عربی ترجمے سے عبارت نقل کی گئی ہے، یہ اس کا ترجمہ ہے، عربی الفاظ یہ ہیں: ویقلع الرب عورات بنات صیھون" لیکن ہمارے پاس بائبل کے جتنے تراجم ہیں ان میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے مختلف ہے، اردو ترجمہ میں ہے "خداوند صیتوں کی بیٹیوں کے سر گنجے اور یہوواہ ان کے بدن بے پردہ کرے گا" اور عربی ترجمے مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ہے "یُصلع السیّد ھامۃ بنات صیھون و یعرّی الرّب عوراتھن" یعنی "آقا صیتوں کی بیٹیوں کے سر گنجا کرے گا، اور خدا ان کے بدن بے پردہ کرے گا" اور انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) میں ہے،

" Lord Will Smite with a scate the crown of daughters of Zion and the lord will discover their secret parts".

یعنی "خداوند کھنڈ کی ایک سخت ضرب کے ذریعے صیتون کی بیٹیوں کے سر کے تاج اتار دے گا، اور خداوند اُن کے پوشیدہ مقامات کو برہنہ کر دے گا"— اور کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں یہ آیت نمبر ۱۶ ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"Ay! but the lord has his doom ready for them, bald of head and teem of temples the women of sion shall known".

یعنی "سنو! کہ مگر خداوند نے ان (صیتون کی بیٹیوں) کے لئے بڑا انجام تیار کر لیا ہے، صیتون کی بیٹیاں اپنی حرکتوں کو گنجے سر اور ننگی کنپٹیوں کے ساتھ جائیں گی"

ان میں سے ہر ترجمے کی عبارت دوسرے سے کس قدر مختلف ہے؟

"چکی لے اور آٹا پیس، اپنا نقاب اُتار اور دامن سمیٹ لے، ٹانگیں ننگی کر کے ندیوں کو عبور کر، تیرا بدن بے پردہ کیا جائے گا، بلکہ تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا، میں بدلہ لوں گا، اور کسی پہ شفقت نہ کروں گا" (آیات ۲ و ۳)

اور کتاب پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۸ میں ہے:

"کیونکہ خداوند نے ابرہام کی بیوی سارہ کے سبب سے ابی ملک کے خاندان کے سب رحم بند کر دیئے تھے"

اور باب ۲۹ آیت ۳۱ میں ہے:

"اور جب خداوند نے دیکھا کہ لیاہ سے نفرت کی گئی تو اس نے اس کا رحم کھولا، مگر راخل بانجھ رہی"

اور باب ۳۰ آیت ۲۲ میں ہے:

"اور خدا نے راخل کو یاد کیا، اور خدا نے اس کی سُن کر اس کے رحم کو کھولا"

ذرا خدا کی مردوں کے کشفِ عورت سے نفرت ملاحظہ فرمایئے، اور پھر عورتوں کے عیبوں کی پردہ دری، ان کو برہنہ کرنا، ان کے رحموں کو کھول دینا اور بند کر دینا پیش نظر رکھئے۔

اختلاف نمبر ۲۹
خدا صادقوں پر بھی تلوار چلاتا ہے

کتاب یرمیاہ کے باب ۹ آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"میں ہی خداوند ہوں، جو دنیا میں شفقت، عدل اور راستبازی کو عمل میں لاتا ہوں"

لہ یہ خدا کا دختر بابل کو خطاب ہے۔

ٓٓلہ رحم کو کھولنے اور بند کرنے سے مراد چونکہ بچہ پیدا کرنا اور بانجھ بنانا ہے، اس لئے یہ اعتراض ہماری ناقص رائے میں درست نہیں ہے، تقی

حالانکہ اس کے رحم و شفقت کو پسند کرنے اور سچائی سے خوش ہونے کا حال تو آپ معلوم ہی کر چکے ہیں، اب اس کے عدل و انصاف کو ملاحظہ فرمائیں، کتاب حزقیال کے باب ۲۱ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:

"اور اس سے خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں، اور اپنی تلوار میان سے نکالوں گا، اور تیرے صادقوں اور تیرے شریروں کو تیرے درمیان سے کاٹ ڈالوں گا، اور چونکہ میں تیرے صادقوں اور شریروں کو کاٹ ڈالوں گا اس لئے میری تلوار اپنے میان سے نکل کر جنوب سے شمال تک تمام بشر پر چلے گی"

پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شریر کا قتل علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک عین انصاف ہے، مگر نیک کا قتل کیونکر عدل بن سکتا ہے!

اور کتاب یرمیاہ باب ۱۳ آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

"تب تو ان سے کہنا خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں اس ملک کے سب باشندوں کو، ہاں ان بادشاہوں کو جو داؤد کے تخت پر بیٹھتے ہیں، اور کاہنوں اور نبیوں اور یروشلم کے سب باشندوں کو مستی سے بھر دوں گا، اور میں ان کو ایک دوسرے پر یہاں تک کہ باپ بیٹوں پر دے ماروں گا۔ خداوند فرماتا ہے میں نہ شفقت کروں گا، نہ رعایت اور نہ رحم کروں گا کہ ان کو ہلاک نہ کروں"

پہلے سارے ملک کے باشندوں کو مستی سے بھر دینا اور پھر ان کو قتل کرنا کونسا نرالا انصاف ہے؟

اور کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۲۹ میں ہے:

"اور آدھی رات کو خداوند نے ملکِ مصر کے سب پہلوٹھوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پہلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانے میں تھا اس کے پہلوٹھے

تک بلکہ چوپاؤں کے پہلوٹھوں کو بھی ہلاک کر دیا "

مصر کے تمام پہلوٹھوں کو اور چوپاؤں کو قتل کر دینا کہاں کا انصاف ہو سکتا ہے، کیونکہ مصر کے پہلوٹھوں میں ہزاروں چھوٹی عمر کے معصوم بچے بھی ہیں، اور اسی طرح چھوٹی عمر کے چوپائے بھی سب بے گناہ ہیں،

اختلاف نمبر ۳۰

کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۳ میں ہے:

"خداوند خدا فرماتا ہے کیا شریر کی موت میں میری خوشی ہے، اور اس میں نہیں کہ وہ اپنی روش سے باز آئے اور زندہ رہے"؟

اور باب ۳۳ آیت ۱۱ میں ہے:

"تو ان سے کہہ خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آئے اور زندہ رہے"

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شریر کی موت کو پسند نہیں کرتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ وہ توبہ کرے اور نجات پائے، لیکن کتاب یوشع کے باب ۱۱ کی آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ یہ خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ ان کے دلوں کو سخت کر دیا، اور انھیں ہلاک کر ڈالا[1]"

اختلاف نمبر ۳۱

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۴ میں ہے:

[1] یہ اظہار الحق کی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں میں عبارت یوں ہے کہ: کیونکہ خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ وہ جنگ میں اسرائیل کا مقابلہ کریں تاکہ وہ ان کو بالکل

"وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہونچیں"۔

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۱ میں ہے کہ:

"اسی سبب سے خدا اُن کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا، تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں، اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں وہ سب سزا پائیں"

اختلاف نمبر ۳۲ کفارہ کون ہے؟

کتاب امثال باب ۲۱ آیت ۱۸ میں ہے:

شریر صادق کا فدیہ ہوگا، اور دغاباز راستبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا"۔

اور یوحنا کے پہلے خط باب ۲ آیت ۲ میں ہے:

"اور وہی[1] ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے ہی گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی"۔

پہلی آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بدکار لوگ نیکوکاروں کا کفارہ بنیں گے، اور دوسری آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسیح علیہ السلام جو عیسائیوں کے نزدیک معصوم ہیں وہ بدکاروں کے لئے کفارہ بن گئے،

فائدہ

بعض پادری حضرات جو دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی عمدہ قسم کا کفارہ نصیب نہیں یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اگر امثال کی عبارتوں کے حکم میں غور کریں، اور بنی نوع انسان کے مختلف طبقات کو پیشِ نظر رکھیں تو ہم کو یہ چیز صاف طور پر ملتی ہے

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام،

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کے متعدد کفارے مسلمان کے ہر ہر فرد کے لئے کارآمد اور مفید ہیں، اس کے علاوہ جب مسیح تمام عالم کے انسانوں کے لئے ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں جیسا کہ یوحنا کا اقرار ہے تو ان مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ کیونکر نہ ہوں گے، جو خدا کی توحید اور مسیحؑ کی نبوت، اُن کی سچائی، اُن کی والدہ کی سچائی اور پاکدامنی کے معتقد ہیں، بلکہ اگر کوئی شخص انصاف سے کام لے تو سمجھ سکتا ہے کہ ابدی زندگی کے مستحق صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ اور کوئی، جیسا کہ باب چہارم سے معلوم ہو چکا ہے،

اختلاف نمبر ۳۳:۔

کتاب خروج باب ۲۰ میں ہے کہ:

"تو خون نہ کرنا، تو زنا نہ کرنا[1]"

اور کتاب زکریاہ باب ۱۴ آیت ۲ میں ہے:

"میں سب قوموں کو فراہم کروں گا کہ یروشلم سے جنگ کریں، اور شہر لے لیا جائیگا اور گھر لوٹے جائیں گے، اور عورتیں بے حرمت کی جائیں گی"

دیکھئے خدا وعدہ کرتا ہے کہ تمام قوموں کو اس لئے جمع کرے گا کہ وہ خاص اس کی قوم کو قتل کریں، اُن کی عورتوں کو رسوا کریں اور ان کے ساتھ زنا کریں، اور پہلی آیت میں اس کے برعکس ہے،

اختلاف نمبر ۳۴:۔

کتاب حبقوق باب آیت ۱۳ میں ہے:

"تیری آنکھیں ایسی پاک ہیں کہ تو بدی کو نہیں دیکھ سکتا، اور کج رفتاری پر نگاہ نہیں کر سکتا"

---

[1] آیات ۱۳ و ۱۴،

اور کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۷ میں ہے:

میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں، میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں، میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔

اختلاف نمبر ۳۵:

زبور نمبر ۳۴ کی آیت ۱۵ میں ہے:

"خداوند کی نگاہ صادقوں پر ہے، اور اس کے کان ان کی فریاد پر لگے رہتے ہیں ..... صادق چلاتے اور خداوند نے سُنا اور ان کو ان کے سب دُکھوں سے چھڑا دیا، خداوند شکستہ دلوں کے نزدیک ہے، اور خستہ جانوں کو بچاتا ہے" (آیات ۱۵ تا ۱۸)

اور زبور نمبر ۲۲ آیت ۱ میں ہے:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا! میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا، اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا۔"

اور انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶ میں ہے:

"اور (نوبجے)[1] کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

کوئی بتائے کہ کیا داؤد علیہ السلام و مسیح علیہ السلام نیکوں میں شامل نہیں ہیں؟ اور شکستہ دل اور متواضع جان والوں میں داخل نہیں ہیں؟ پھر خداوند نے اُن کو کیوں

---

[1] موجودہ اردو ترجمے میں یہاں "نوبجے" کے بجائے "تیسرے پہر" کا لفظ ہے، اس اختلاف کی تفصیل پیچھے صفحہ ۷۱۹ ج ۱ پر نمبر ۸۶ کے تحت گزر چکی ہے۔ تقی

چھوڑ دیا ! اور ان کی چیخ و پکار اور فریاد کیوں نہیں سنی ؟

اختلاف نمبر ۳۶ :-

کتاب یرمیاہ کے باب ۲۹ آیت ۱۳ میں ہے :

"تم مجھے ڈھونڈھو گے، اور پاؤ گے، جب پورے دل سے میرے طالب ہوگے "

اور کتاب ایوب باب ۲۳ آیت ۳ میں ہے :

"کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ مجھے کہاں مل سکتا ہے ؟ تاکہ میں عین اس کی مسند تک پہنچ جاتا "

حالانکہ ایوب علیہ السلام کے حق میں خدا نے شہادت دی تھی، کہ وہ نیک اور راہ راست پر ہیں، اللہ سے ڈرنے والے اور بدی سے دُور ہیں، جیسا کہ ان کی کتاب کے باب ۱ درم میں تصریح [1] ہے، اس کے باوجود اس مقدس کو اللہ کے پانے کے راستے کا علم نصیب نہیں ہوا، چہ جائیکہ خدا کا پانا،

اختلاف نمبر ۳۷

کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۴ میں ہے :

"تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے "

اور اسی کتاب کے باب ۲۵ آیت ۱۸ میں ہے :

"اور سونے کے دو کرّوبی سرپوش کے دونوں سروں پر ....

---

[1] "عوض کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا. وہ شخص کامل اور راستباز تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا" (ایوب ۱:۱)

گھڑ کر بنانا[1]۔

اختلاف نمبر ۳۸

یہوداہ کے خط کی آیت ۶ میں ہے کہ:

"اور جن فرشتوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا، بلکہ اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا اس نے ان کو دائمی قید میں تاریکی کے اندر روز عظیم کی عدالت تک رکھا ہے"

معلوم ہوا کہ شیاطین بڑی بڑی زنجیروں میں قیامت تک کے لئے مقید کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ کتاب ایوب کے باب ۱ اور ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان مقید نہیں ہے، بلکہ آزاد ہے اور خدا کے پاس حاضر رہتا ہے[2]،

اختلاف نمبر ۳۹ :-

پطرس کے دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۴ میں ہے کہ:

"خدا نے گناہ کرنے والے فرشتوں کو نہ چھوڑا، بلکہ جہنم میں بھیج کر تاریک غاروں میں ڈال دیا تاکہ عدالت کے دن تک حراست میں رہیں"

---

[1] اس آیت میں صندوقِ شہادت بنانے کا طریقہ بتلایا جارہا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ صندوق کے دونوں سروں پر دو فرشتوں کی مورتیں بنانا، پہلی آیت میں مورت بنانے کو قطعی ناجائز کہا گیا تھا، اس میں باقاعدہ حکم دیا جارہا ہے، تقی

[2] "اور ایک دن خدا کے بیٹے آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں، اور ان کے درمیان شیطان بھی آیا۔" (ایوب ۱:۶، ۲:۱)

اور انجیل متی کے باب ۴ میں ہے کہ:

"شیطان نے عیسیٰ علیہ السلام کو آزمایا"

اختلاف نمبر ۴۰:-

زبور نمبر ۹۰ آیت ۴ میں ہے کہ:

"کیونکہ تیری نظر میں ہزار برس ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گذر گیا، اور جیسے رات کا ایک پہر"

اور پطرس کے دوسرے خط کے باب ۳ آیت ۸ میں ہے:

"خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر"

اس کے باوجود کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ:

"اور کمان بادل میں ہوگی، اور میں اس پر نگاہ کروں گا، تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جاندار کے درمیان ہے[1]"

قوس کا کسی عہد کے لئے علامت ہونا کوئی صحیح بات نہیں ہے، کیونکہ قوس ہر بادل میں نہیں ہوتی، بلکہ جب بادل رقیق ہو اس وقت ہوتی ہے، اور یہ وقت اتنی کثرت سے بارش ہونے کا نہیں ہوتا، جس سے طوفان کا خطرہ ہو سکے، لہٰذا ضرورت کے وقت یہ

---

[1] کتاب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد سے یہ عہد کیا تھا کہ جیسا طوفان بھائے زمانے میں آگیا ویسا آئندہ کبھی نہ آئے گا، اس عہد کی نشانی یہ مقرر کی کہ آسمان پر بادل کے اندر قوسِ قزح (دھنک) ظاہر ہوگی، اور یہ اُس عہد کے تازہ رہنے کی علامت ہوگی، تقی

چیز علامت نہیں ہوگی، بلکہ بعد از ضرورت بے موقع واقع ہوگی[۱]

کیا خدا کو دیکھنا ممکن ہے
اختلاف نمبر ۱۴۱

کتاب خروج باب ۳۳ آیت ۲۰ میں ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا"

لیکن کتاب پیدائش باب ۳۲ آیت ۳۰ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"میں نے خدا کو روبرو دیکھا، پھر بھی میری جان بچی رہی"

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے خدا کو آمنے سامنے دیکھا، اور پھر بھی زندہ رہے، اور جس قصے میں یہ قول واقع ہوا ہے اس میں کچھ اور بھی ناقابلِ بیان باتیں ہیں، اوّل یہ کہ اللہ اور یعقوبؑ کے درمیان باقاعدہ کشتی ہوئی، دوسرے یہ کہ کشتی اور مقابلہ صبح تک جاری رہا، تیسرے یہ کہ اس مقابلے میں کوئی کسی پر غالب نہ آسکا، بلکہ کشتی برابر رہی، چوتھے یہ کہ خدا خود سے اپنے آپ کو نہ چھڑا سکا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو چھوڑ دے، پانچویں یہ کہ یعقوبؑ نے خدا کو بغیر معاوضہ لئے ہوئے نہ چھوڑا، اور معاوضہ یہ لیا کہ خدا نے انھیں برکت دی، چھٹے خدا نے یعقوبؑ سے اُن کا نام دریافت کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو ان کا نام معلوم نہ تھا[۲]

---

[۱] مطلب یہ ہو کہ طوفان کے نہ ہونے کے عہد کو تو اس وقت تازہ کرنا چاہئے جب طوفان کا خطرہ ہو، اور جب آسمان پر قوس قزح ظاہر ہوتی ہے تو طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا، اُس وقت اس عہد کو تازہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تقی

[۲] یہ پورا واقعہ بائبل کی زبانی ص ۸۶۶ ج دوم پر گذر چکا ہے، تقی

اختلاف نمبر ۴۲ :

یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے کہ :

"خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا ۔"

اور سفر خروج کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے کہ :

"تب موسیٰ اور ہارون اور ندب اور ابیہو اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگ اوپر گئے، اور انھوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا، اور اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترا سا تھا جو آسمان کے مانند شفاف تھا، اور اس نے بنی اسرائیل کے شرفاء پر اپنا ہاتھ نہ بڑھایا، سو انھوں نے خدا کو دیکھا، اور کھایا اور پیا۔"

معلوم ہوا کہ موسیٰ اور ہارون نیز ستر مشائخ بنی اسرائیل نے نہ صرف خدا کو دیکھا، بلکہ اللہ کے ساتھ دعوت بھی اڑائی، اور خوب کھایا پیا،

ہم گذارش کریں گے کہ اوّل تو آخری جملہ بظاہر اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ انھوں نے خدا ہی کو کھایا پیا تھا، لیکن مقصود غالباً وہی ہے جو معترضین نے سمجھا ہے، دوسرے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا خدا نعوذ باللہ ہندوستان کے مشرکین کے خداؤں مثل رامچندر اور کرشن کی شکل و صورت کا ہے، کیونکہ ان کے خداؤں کا رنگ جیسا کہ ان کی کتابوں میں تصریح ہے آسمانی رنگ ہے،

اختلاف نمبر ۴۳ :-

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۱۶ میں ہے کہ :

"نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔"

اور مکاشفہ کے باب ۴ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ :

یوحنا نے آسمان پر خدا کو سنگِ یشب اور عقیق کے مشابہ شکل میں دیکھا تھا، کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے[1]"

اختلاف نمبر ۴۴ :-

انجیل یوحنا کے باب ۵ آیت ۳۷ میں یسوع کا قول یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے یوں ہے کہ :-

"تم نے نہ کبھی اس کی آواز سنی ہے اور نہ اس کی صورت دیکھی"

حالانکہ ابھی ابھی گذشتہ امثال میں آپ خدا کے دیکھے جانے کا حال سن چکے ہیں، اب رہا اس کی آواز سننے کا معاملہ سو سفر استثنار کے باب ۵ آیت ۲۴ میں یوں ہے کہ ،

"خداوند ہمارے خدا نے اپنی شوکت اور عظمت ہم کو دکھائی، اور ہم نے اس کی آواز آگ میں سے آتی سنی"

اختلاف نمبر ۴۵ :-

انجیل یوحنا کے باب ۴ آیت ۲۴ میں ہے کہ :-

"خدا روح ہے"

اور انجیل لوقا کے باب ۲۴ آیت ۳۹ میں اس طرح ہے کہ :

"روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خدا کے نہ گوشت ہے، اور نہ ہڈی، حالانکہ عیسائیوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ خدا کے تمام اعضاء سر سے پاؤں تک ہیں، انھوں نے ان اعضاء کو ثابت کرنے کے لئے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں، جو آپ کو چوتھے باب کے مقدمہ

---

[1] دیکھئے مکاشفہ ۴: ۲ تا ۴ ۔

میں معلوم ہو چکی ہیں[1]

پھر اس کے بعد خود ہی مذاق اڑاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خدا یا باغبان ہے؟ یا معمار؟ یا کمہار؟ یا درزی؟ یا جرّاح؟ یا نائی؟ یا دائی؟ یا قصائی؟ یا کاشتکار یا دوکاندار؟ وغیرہ، کیونکہ اس معاملہ میں ان کی کتابوں کے اقوال میں بہت کچھ اختلاف ہے،

کتاب پیدائش کے باب ۲ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:

"خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا باغبان ہے، اس کی تائید کتاب اشعیاء کے باب ۴۱ آیت ۱۹ سے بھی ہوتی ہے، مگر کتاب سموئیل اوّل کے باب ۲ آیت ۳۵ میں ہے کہ:

"میں اس کے لئے ایک پائیدار گھر بناؤں گا"

اس کی تائید کتاب سموئیل ثانی کے باب ۷ آیت ۱۱ و نمبر ۲۷ اور سفر ملوک اوّل باب ۲ آیت ۳۸ سے اور زبور نمبر ۱۲۷ کی آیت ۱ سے بھی ہوتی ہے، ان تمام روایتوں سے پتہ چلا کہ خدا معمار ہے، مگر کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:

"تو بھی اے خداوند! تو ہمارا باپ ہے، ہم مٹی ہیں، اور تو ہمارا کمہار ہے، اور سب کے سب تیری دستکاری ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کمہار ہے، مگر کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے کہ:

"اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر ان کو پہنائے"

---

[1] دیکھئے ص ۸۵۶ جلد دوم، مقدمہ امر سوم

اس سے معلوم ہوا کہ خدا خیاط ہے، لیکن کتاب یرمیاہ باب ۳۰ آیت ۱۷ میں یوں ہے کہ:

"تیرے زخموں سے شفا بخشوں گا" اس سے معلوم ہوا کہ خدا جراح ہے،

مگر کتاب اشعیاء باب ۷ آیت ۲۰ میں اس طرح ہے کہ:

"اسی روز خداوند اس استرے سے جو دریائے فرات کے پار سے کرایہ پر لیا، یعنی اسور کے بادشاہ سے سر اور پاؤں کے بال مونڈے گا، اور اس سے ڈاڑھی بھی کھرچی جائے گی"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا (نعوذ باللہ) حجام ہے، لیکن کتاب پیدائش باب ۲۹ آیت ۳۱ سے اور باب ۳۰ آیت ۲۲ میں لکھا ہے کہ "خدا نرس اور دائی ہے" یہ دونوں چیزیں ابھی ابھی اختلاف نمبر ۲۸ میں گذر چکی ہیں[1]،

لیکن کتاب یسعیاہ باب ۳۴ آیت ۶ میں ہے کہ:

"خداوند کی تلوار خون آلودہ ہے، وہ چربی اور برّوں اور بکروں کے لہو سے اور مینڈھوں کے گردوں کی چربی سے چکنا گئی ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا قصاب ہے، لیکن کتاب یسعیاہ باب ۴۱ آیت ۱۵ میں ہے:

"دیکھ میں تجھے گاہنے کا نیا اور تیز دندانے دار آلہ بناؤں گا، تو پہاڑوں کو کوٹے گا، اور ان کو ریزہ ریزہ کرے گا، اور ٹیلوں کو بھوسے کی مانند بنائے گا"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کاشتکار ہے، مگر کتاب یوایل باب ۳ آیت ۸ میں ہے کہ:

"تمہارے بیٹے بیٹیوں کو بنی یہوداہ کے ہاتھ بیچوں گا"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا دکاندار ہے، لیکن کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱۳ میں ہے:

[1] دیکھئے ص ۱۲۲۴ جلد ہذا،

"اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا معلّم ہے، لیکن کتاب پیدائش باب[ل] ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پہلوان ہے،

اختلاف نمبر ۴۶ :-

سفر سموئیل ثانی باب ۲۲ آیت ۹ میں یوں ہے کہ:

"اس کے نتھنوں سے دُھواں اٹھا، اور اس کے مُنہ سے آگ نکل کر بھسم کرنے لگی، کوئلے اس سے دہک اُٹھے"

اور کتاب ایوب باب ۳۷ آیت ۱۰ میں یوں ہے کہ:

"خدا کے دم سے برف جم جاتی ہے، اور پانی کا پھیلاؤ تنگ ہو جاتا ہے"

اختلاف نمبر ۴۷ :-

کتاب ہوسیع باب ۵ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ:

"میں افرائیم کے لئے کیڑا ہوں گا، اور یہوداہ کے گھرانے کے لئے گھن"

اور اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:

"میں اُن کے لئے شیر ببر کی مانند ہوا، چیتے کی مانند راہ میں اُن کی گھات میں بیٹھوں گا"

سبحان اللہ! کبھی تو خدا اتنا کمزور اور ضعیف الخلقت اور نحیف الجسم کہ کیڑے اور گھن کی طرح، یا پھر دوسرے وقت شیر اور چیتے جیسا طاقتور شہنشاہِ حیوانات،

اختلاف نمبر ۴۸ :-

مراثی ارمیاہ باب ۳ آیت ۱۰ میں یوں ہے کہ:-

ل اس باب میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدا کے ساتھ کشتی لڑنے کا قصہ مذکور ہے جو ص ۸۶۶ ج ۲ میں گزر چکا ہے

"وہ میرے لئے گھات میں بیٹھا ہوا ریچھ اور کمینگاہ کا شیر ببر ہے"

اور کتاب اشعیاء باب ۴۰ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

"وہ چوپان کی مانند اپنا گلہ چرائے گا"

خدا بھی عجیب ہے کبھی شیر اور درندہ ہوتا ہے اور کبھی محافظ چرواہا،

اختلاف نمبر ۴۹:-

سفر خروج باب ۱۵ آیت ۳ میں یوں ہے کہ: "خداوند صاحبِ جنگ ہے"

اور عبرانیوں کے نام باب ۱۳ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ: "خدا اطمینان کا چشمہ ہے"

اختلاف نمبر ۵۰:-

یوحنا[1] کے باب ۴ آیت ۸ میں یوں ہے کہ: "خدا محبت ہے"

اور کتاب یرمیاہ باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ:

"میں آپ اپنے بڑھائے ہوئے ہاتھ سے اور قوتِ بازو سے تمہارے خلاف لڑوں گا"

چونکہ پچاس اختلافات[2] نقل کئے جا چکے ہیں، اس لئے ہم تطویل کے اندیشے سے اتنی

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل یوحنا کی عبارت ہے، لیکن یہ درست نہیں، یہ عبارت یوحنا کے پہلے خط کی ہے، غالباً یہاں کاتب سے سہو ہوا ہے۔

[2] یہاں ایک بار پھر یہ تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ ان پچاس اعتراضات میں سے بعض ہمارے نزدیک غلط بلکہ لغو بیہودہ اور مہمل ہیں، اور بہت سے درست بھی ہیں، لیکن ان کو نقل کرنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ جس قسم کے اعتراضات نصاریٰ احادیث پر کرتے ہیں اس قسم کے اعتراضات انہی کے ملحدین اور آزاد خیال ( ) لوگوں نے بائبل پر کئے ہیں، پادری حضرات ان اعتراضات کو غلط قرار دیتے ہیں، مگر پھر اسی قسم کے اعتراض احادیث پر کرتے ہیں، تقی،

مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں، اگر کسی صاحب کو مزید شوق ہو تو معترضین عیسائیوں کی کتابوں کی چھان بین سے اس قسم کے بے شمار اختلافات اس کو مل جائیں گے۔

تعدّدِ ازواج، غلامی اور اختصار بائبل کی نظر میں؛

کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۱۵ میں ہے:
"اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ الخ"

اور کتاب یشوع باب ۹ آیت ۲۷ میں ہے:

"اور یشوع نے اسی دن ان کو جماعت کے لئے اور اس مقام پر جسے خداوند خود چُنے اس کے مذبح کے لئے لکڑہارے اور پانی بھرنے والے مقرر کیا"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت یوشعؑ نے اہل جبعون کو غلام بنالیا تھا[1]، اور کتاب یسعیاہ باب ۵۶ میں ہے:

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ وہ خوجے[2] جو میرے سبتوں کو مانتے ہیں اور ان کاموں کو جو مجھے پسند ہیں اختیار کرتے ہیں، اور میرے عہد پر قائم رہتے ہیں میں ان کو اپنے گھر میں اپنی چار دیواری کے اندر ایسا نام و نشان بخشوں گا جو بیٹوں اور بیٹیوں سے بھی بڑھکر ہوگا، میں ہر ایک کو ایک ابدی نام دوں گا جو مٹایا نہ جائے گا"

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ نے تعدّدِ ازدواج کو جائز فرمایا ہے، اور غلامی کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور وہ خصی لوگوں سے بھی راضی ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں انگریزوں کے نزدیک

---

[1] اس لئے کہ اس سے پہلی آیات میں تصریح ہے کہ اہل جبعون حضرت یوشعؑ کے ہاتھ میں جنگی قیدی تھے، جنھیں انھوں نے قتل کرنے کی بجائے غلام بنالیا۔

[2] خوجے یعنی خصی لوگ۔

مذموم اور معیوب ہیں، یا شرعی نقطۂ نگاہ سے یا عقلی فیصلہ کی بنا پر،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۵ میں ہے:

"کیونکہ خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے"

اور کتاب حزقی ایل باب ۱۴ آیت ۹ میں ہے:

"اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا"

ان دونوں آیتوں سے اللہ کی بیوقوفی اور انبیاء کو گمراہ کرنے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

(نعوذ باللہ منہ)

جان کلارک ملحدان بعض اقوال مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"بنی اسرائیل کا یہ خدا نہ صرف قاتل، ظالم، جھوٹا اور احمق ہی ہے، بلکہ وہ جلانے والی آگ بھی ہے، جیسا کہ پولس نے رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۲، آیت ۲۹ میں کہا کہ "ہمارا خدا بھسم کرنے والی آگ ہے" اور اس معبود کے ہاتھوں پڑ جانا خوفناک ہے، جیسا کہ پولس رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۰ آیت ۳۱ میں کہتا ہے کہ: "زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے" لہٰذا اس قسم کے خدا کی غلامی سے جس قدر ممکن ہو عجلت کے ساتھ آزادی میسّر ہو جائے تو بہتر ہے، کیونکہ جب اس سے اس کا اکلوتا اور چہیتا بیٹا بھی نہ بچ سکا تو اور کون ہے، جس کو اس کی رحمت کی توقع ہو سکے؟ اور یہ خدا جس کی نسبت یہ کتابیں اس کے خدا ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں، قابلِ اعتماد خدا نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کی کوئی حقیقت ثابت نہیں، اور اضداد اور اوہام کا مجموعہ یا پیغمبروں کو گمراہ کرنے والا ہے"

دیکھ لیا آپ نے ان پادری صاحبان کے ہم قوم لوگوں کے خیالات کو کہ انکی نوبت کہاں تک جا پہونچی،

یہ بات واضح رہے کہ عیسائی حضرات کے اعتراضات انگریزی وغیرہ ترجموں کے مطابق ہیں، اس لئے اگر ناظرین کسی آیت کے عدد میں، یا بعض مضامین عربی ترجمے کے خلاف پائیں تو اس کا سبب ترجموں کا اختلاف ہوگا ؛

باب ششم

محمد رسول اللہ ﷺ

باب ششم

محمد رسول اللہ

پہلی فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات

اس فصل میں چھ مسلک[1] ہیں

پہلا مسلک، معجزات!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بے شمار معجزات صادر ہوئے۔ ہم اس مسلک میں قرآن اور صحیح حدیثوں سے حذف اسناد کے بعد نمونے کے طور پر تھوڑے سے ذکر کرتے ہیں، جن کو ہم دو قسموں میں بیان کریں گے،

باب پنجم کی فصل نمبر ۳ میں ہم پوری تفصیل کے ساتھ یہ چیز ثابت کر چکے ہیں[2] کہ زبانی

---

[1] یعنی چھ مختلف طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا گیا ہے۔

[2] دیکھئے ص ۱۱۵ ج ۲،

روایتوں کا اعتبار کرنا عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے کوئی قباحت نہیں رکھتا، بشرطیکہ اُن شرائط کے مطابق ہوں جو ہمارے علماء نے روایت کے اعتبار کے لئے مقرر کی ہیں،

پہلی قسم
ماضی یا مستقبل کی صحیح خبریں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبریں زمانہ ماضی یا آئندہ سے متعلق ہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام کے واقعات، گزشتہ امتوں کے قصے، جن کو نہ آپ نے کسی سے سُنا اور نہ کسی کتاب کے ذریعہ وہ آپ کو حاصل ہوئے، چنانچہ باب پنجم کی فصل ۱ کے امر رابع سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ انہی واقعات کی طرف اللہ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاۤءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ،

"یہ منجملہ اُن غیبی خبروں کے ہے جنھیں ہم بذریعے وحی آپ پر اُتارتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ اُن خبروں سے واقف تھے اور نہ آپ کی قوم "

رہا وہ اختلاف جو بعض واقعات کی نسبت قرآن کریم اور اہلِ کتاب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اس کا جواب دوسرے اعتراض کے جواب کے سلسلے میں باب نمبر ۵ فصل نمبر ۲ میں دیا جا چکا ہے[۲]،

انحضرتؐ کی پیشین گوئیاں

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریں دی ہیں، وہ بھی بے شمار ہیں، مثلاً :

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۱۰۱۸ جلد ۲ [۲] دیکھئے ص ۱۰۶۶ ج ۲ ،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا:

قَامَ فِينَا مَقَامًا فَمَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَهُ حَفِظَهُ مَنْ حفظه وَنَسِيَهُ مَنْ نسيه، قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ فَأَعْرِفُهُ وَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عنه ثُمَّ إِذَا رَآهُ عرفه،

(رواه البخاريؒ ومسلمؒ)[1]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدت تک ہمارے پاس تشریف فرما رہے، آپؐ نے اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پیش آنے والا کوئی واقعہ ایسا نہیں چھوڑا جسے بیان نہ فرمایا ہو جس کو یاد رکھنا تھا اس نے اسکو یاد رکھا، اور جس نے بھلانا تھا اس نے بھلا دیا، میرے یہ ساتھی سب اس چیز کو جانتے ہیں، جب اُن واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آتا ہے، تو میں فوراً اس کو پہچان لیتا ہوں، اور وہ مجھے اس طرح یاد آجاتا ہے جس طرح ایک بار دیکھے ہوئے انسان کی صورت ایک عرصہ غائب رہنے کے بعد دوبارہ سامنے آنے پر پہچانی جاتی ہے" (بخاری و مسلم)

باب پنجم فصل ۱ امر ۳ کے ذیل میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم میں اس نوع کی دی ہوئی خبریں ۲۲ ہیں، اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] للشیخینؒ وابی داؤدؒ، کذا فی جمع الفوائد (ص۔۱۹۰ ج ۲) کتاب المناقب باب من اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمغیبات،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ، اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ،	"کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے، کب آوے گی اللہ کی مدد، سُن رکھو! اللہ کی مدد قریب ہے"

اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ تم کو خوب جھنجھوڑا جائے گا، اس حد تک کہ خدا سے مدد اور نصرت کے طالب ہو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ:

"قبائلِ عرب کے تم پر ہجوم کرنے اور حملہ آور ہونے کی وجہ سے تم سخت مشقت میں ڈالے جاؤ گے، مگر انجام کار فتح تم کو ہی ہوگی"

نیز فرمایا:

"متعدد گروہ حملہ آوروں کے تمھاری سمت آنے والے ہیں"

اللہ اور اس کے رسولؐ کے وعدے کے موافق وہ گروہ حملہ آور ہوئے جو دس ہزار کی تعداد میں[1] تھے، جنھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا، ایک ماہ تک شدید لڑائی جاری رہی، مسلمان بیچارے سخت تنگی اور پریشانی نیز مرعوبیت کا شکار تھے، مگر کہا تو

---

[1] یعنی غزوۂ احزاب کے موقع پر،

یہی کہا کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا ہم سے خدا اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا، اور خدا اور اس کا رسولؐ سچے ہیں، اس چیز نے اُن کے یقین و ایمان، اطاعت و انقیاد میں اور ترقی کر دی"[1]

ائمہ حدیث نے روایاتِ ذیل نقل کی ہیں[2]:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مکہ[3]، بیت المقدس[4]، یمن، شام و عراق کی فتوحات کی خبر دی[5]،

۲۔ امن وامان کی پیشنگوئی کی کہ اس حد تک ہو جائے گا کہ تن تنہا ایک عورت حیرہ سے مکہ تک اس طور پر سفر کرے گی کہ خدا کے سوا اس کو اور کسی کا

---

[1] صحابہؓ کا یہ قول خود قرآن کریم نے سورۂ احزاب میں نقل فرمایا ہے،

[2] مصنفؒ نے ان احادیث کے مآخذ بیان نہیں فرمائے۔ ہم حاشیے پر روایات کے الفاظ اور ان کے مآخذ دے رہے ہیں، اس میں اس بات کی کوشش کریں گے کہ جن الفاظ کے ساتھ مصنف نے روایت نقل کی ہو، اسی کی تخریج کی جائے، تاہم بعض جگہوں پر مجبوراً معنی کی رعایت کی گئی ہے ۱۲ تقی

[3] فتح مکہ کی پیشنگوئی کئی روایات میں ہے، غالباً سب سے پہلے پیشنگوئی آپ نے کعبے کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ کے سامنے ہجرت سے بھی پہلے فرمادی تھی، اخرجہ ابن سعدؒ عن الواقدیؒ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۶۷ ج اول)

[4] اخرج البخاریؒ والحاکمؒ وصححہ عن عوف بن مالک الاشجعیؓ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعدد ستا بین یدی الساعۃ موتی ثم فتح بیت المقدس الحدیث (الخصائص الکبریٰ للسیوطیؒ ص ۱۱۰ ج ۲)

[5] اخرج الشیخانؒ عن سفیان بن ابی ہبیرۃؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول تفتح الیمن فیأتی قوم یبسون ..... ثم تفتح الشام فیأتی قوم یبسون ..... ثم تفتح العراق الحدیث (ایضاً ص ۱۱۰ ج ۲)

ڈر نہ ہوگا،[1]

۳۔ خیبر کی نسبت اطلاع دی کہ کل آئندہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوجائے گا،[2]

۴۔ روم اور فارس کی نسبت پیشینگوئی فرمائی کہ دونوں سلطنتوں کے خزانے مسلمان تقسیم کریں گے،[3]

۵۔ فارس کی لڑکیاں مسلمانوں کی خادمہ بنیں گی،[4] یہ تمام خبریں آپ کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق صحابہ ہی کے زمانے میں بعینہٖ واقع ہوئیں،

۶۔ میری امت تہتّر فرقوں پر بٹ جائے گی،[5]

۷۔ اہلِ فارس سے ایک یا دو لڑائیاں ہوں گی، پھر کبھی قیامت تک اُن کو سلطنت نصیب نہ ہوگی، اور رومیوں کی سلطنت چند صدیوں تک جاری رہے گی،

---

[1] اخرجہ الطبرانی وعبدالرزاق عن جابر بن سمرۃ یوشک ان تخرج الظعینۃ من المدینۃ الی الحیرۃ لاتخاف احداً الا اللہ (کنز العمال ص ۹۴، ج ۶) والحدیث لہ طرق اخریٰ وروی عدی بن حاتم ترحل من الحیرۃ حتی تطوف بالبیت (کنز العمال)

[2] اخرج الشیخانؒ عن سلمۃ بن الاکوع فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ فاذا نحن بعلیؓ وما نرجوہ فقالوا ہذا علیؓ فاعطاہ الرایۃ ففتح اللہ علیہ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۵۲ ج اول)

[3] اخرج الطبرانی والحاکم وغیر واحد عن عبداللہ بن حوالۃ فی حدیث مرفوع "لتفتحن لکم الشام والروم وفارس" حتی یکون لاحدکم من الابل کذا وکذا الحدیث (کنز العمال کتاب الفضائل ص ۹۳ ج ۶ برمز حم طب ک ق عن)

[4] ان اللہ تعالیٰ وعدنی فارس ثم الروم نساؤہم وابناؤہم الحدیث اخرجہ نعیم بن حماد فی الفتن عن صفوان بن عمیر مرسلاً (کنز العمال ص ۹۳ ج ۶)

[5] تفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ اخرجہ الحاکم والبیہقی عن ابی ہریرۃؓ ومعاویۃؓ (الخصائص ص ۱۴۶، ج ۲)

ہر قرن کے خاتمے پر دوسرا اس کی جگہ لے لے گا۔[1]

رومیوں سے مراد اہلِ یورپ اور عیسائی ہیں، حضورؐ کی دی ہوئی خبر کے مطابق فارس کی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا، اس کے برعکس رومیوں کی سلطنت اگرچہ دورِ فاروقی میں ملکِ شام سے مٹ گئی، اور ہرقل شکست کھا کر شام سے فرار ہوگیا، اور اپنی سلطنت کے آخری حصے میں پناہ گزین ہوا، مگر ان کی سلطنت پورے طور پر نہیں مٹی۔ بلکہ ایک قرن کے خاتمے پر دوسرا قرن اس کی جگہ لیتا چلا گیا،

۸۔ خدا نے میرے لئے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں، اور سمیٹ دیا ہے، جس سے میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا، میری امت کی بادشاہت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹ دیئے گئے ہیں[2]،

مطلب یہ ہے کہ خدا نے میرے لئے تمام زمین کو سمیٹ دیا ہے، اور اس کے دور دراز علاقوں کو قریب کر دیا ہے، یہاں تک کہ میں انکے تمام حالات پر مطلع ہوگیا ہوں، اور میری امت اس تمام علاقے کو رفتہ رفتہ تدریجاً فتح کرتی جائے گی، یہاں تک کہ اس تمام زمین کی مالک بن جائے گی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق ومغرب کے دونوں حصوں کے ساتھ فتوحات کو مقید کر دیا، اس وجہ سے آپؐ کی امت مشرق ومغرب میں پھیل گئی، یعنی سرزمینِ ہند

---

[1] الفارس نطحة او نطحتان ثم لا فارس بعد ہذا ابداً والروم ذوات القرون کلما ہلک قرن خلفہ قرنٌ اخرجہ الحارث ابن ابی اسامۃ عن ابن محیریز (الخصائص ص ۱۱۳ ج ۲)

[2] ان اللہ تعالیٰ زوی لی الارض فرأیتُ مشارقہا ومغاربہا وان ملک امتی سیبلغ ما زوی لی منہا، فی حدیث طویل اخرجہ کثیر من المحدثین منہم الامام مسلم وابوداؤد والترمذی عن ثوبان (کنز العمال ص ۹۳ ج ۶ کتاب الفضائل)

سے لے کر جو مشرق کا آخری سرا ہے، بحر طنجہ تک جو مغرب کا آخری حصّہ ہے، مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، جنوب و شمال میں مسلمانوں کا عمل دخل اس شان و کیفیت سے نہیں ہوا جیسا کہ مغرب و مشرق میں ہوا، شاید "مشارق" صیغۂ جمع لانے میں اور اس کو ذکراً مقدم رکھنے میں اشارہ ان واقعات کی جانب ہے جو وہاں پیش آنے والے ہیں، نیز اس طرف بھی کہ وہاں دوسرے ملکوں کی نسبت علماء زیادہ ہوں گے، چنانچہ مشرق کے علماء مغرب کے علماء سے کمّاً و کیفاً زیادہ ہوئے ہیں،

۹۔ "مغرب کے باشندے حق پر غالب رہیں گے، قیامت تک"[1] ایک دوسری روایت میں جو ابو امامہؓ سے منقول ہے یوں ہے کہ: "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے (یعنی قیامت تک) وہ اسی حالت پر رہیں گے، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ وہ لوگ کہاں کے ہوں گے؟ فرمایا کہ بیت المقدس کے[2]"

جمہور علماء کے نزدیک اہلِ مغرب سے مراد شام کے لوگ ہیں، اس لئے کہ وہ ملک حجاز سے مغرب کی سمت ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ شام کے باشندے ہوں گے،

۱۰۔ "یہ کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں، فتنے اپنا سر نہیں اٹھائیں گے[3]"

اور ایسا ہی ہوا بھی، کہ عمر فاروقؓ کی ذات گرامی فتنوں کے باب کے لئے دیوار بنی رہی،

---

[1] اخرجہ مسلم عن سعد مرفوعاً "لایزال اہل الغرب ظاہرین علی الحق حتی تقوم الساعۃ" (جمع الفوائد ص ۲۳۹ ج ۲ فضائل ہذہ الامۃ)

[2] اما الروایۃ فمعروفۃ عند البخاری وغیرہ عن المغیرۃ بن شعبہؓ "ولیس فیہا زیادۃ اہل بیت المقدس ولم اجد ھذہ الزیادۃ فیما بحثت،

[3] عن ابی ذرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتصیبنکم فتنۃ ما دام ہذا فیکم یعنی عمرؓ۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط و ۳ فی الباب عن حذیفہؓ وعثمانؓ بن مظعون (الخصائص الکبریٰ ص ۱۳۵ ج ۲)

۱۱۔ امام مہدی ظاہر ہوں گے[۱]،

۱۲۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے،

۱۳۔ دجال نکلے گا، یہ تینوں چیزیں انشاء اللہ اپنے وقت پر ظاہر ہوں گی۔

۱۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے شہید کئے جائیں گے[۲]،

۱۵۔ بدترین انسان وہ ہوگا جو اُس کو اس سے رنگ دے گا، یعنی حضرت علیؓ کی ریش مبارک کو ان کے سر کے خون میں لتھیڑے گا، یعنی شہید کرے گا[۳]۔

یہ دونوں بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق شہید کئے گئے۔

۱۶۔ اور یہ کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ شہید کرے گا[۴]، چنانچہ اُن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے شہید کیا،

۱۷۔ میرے بعد میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد دنیوی[۵]

---

[۱] اس بارے میں احادیث معنیً متواتر ہیں، واوضح شیٔ فی ہذا الباب حدیث النواس بن سمعان الطویل وفیہ ذکر المہدی وعیسیٰ والدجال، اخرجہ الشیخان (جمع الفوائد ص ۲۹۴ ج ۲)

[۲] شہادت کی خبر تو حضرت انسؓ وغیرہ سے کئی روایتوں میں مروی ہے (کنز، ص ۳۸۱ ج ۶ برمز ابن عساکرؒ) لیکن اس میں تلاوت قرآن کا ذکر نہیں ہے، کنز اور جمع الفوائد میں بلیغ جستجو کے باوجود ہم اسے نہیں پاسکے واللہ اعلم ۱۲ تقی

[۳] "الا احدثکم باشقی الرجلین احیمر ثمود الذی عقر الناقۃ والذی یضربک یا علیّ علی ہذہ حتی یبل ھذہ" اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسرؓ وعن صہیبؓ بلفظ آخر (کنز العمال ص ۴۱۲ ج ۶ وجمع الفوائد ص ۲۱۲ ج ۲)

[۴] "ویح عمارؓ تقتلہ الفئۃ الباغیۃ" اخرجہ احمدؒ عن ابی سعیدؓ (کنز، ص ۱۴۳ ج ۶)

[۵] "الخلافۃ فی امتی ثلثون عاماً ثم یکون ملکاً" اخرجہ ابو داؤد والترمذی وحسنہ والنسائی والحاکم والبیہقی وابو نعیم عن سفینۃؓ (الخصائص الکبریٰ، ص ۱۱۶ ج ۲)

سلطنت میں تبدیل ہو جائے گی"

چنانچہ اسی طرح پر ہوا، کیونکہ خلافتِ حقّہ کا خاتمہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت پر ختم ہو جاتا ہے، یعنی ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کی مدّت دو سال تین ماہ بیس روز ہے اور عمر فاروقؓ کی خلافت کا زمانہ دس سال چھ ماہ چار دن ہے، پھر خلافتِ عثمانؓ کی مدت گیارہ سال گیارہ ماہ اٹھارہ یوم ہے، پھر حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت چار سال دس ماہ یا نو ماہ ہے اور اس کے خاتمے پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے جس کو شامل کرنے کے بعد تیس سال کی مدت پوری ہو جاتی ہے،

۱۸۔ "میری امت کی ہلاکت، قریش کے چند لڑکوں کے ذریعے ہوگی"[۱] جس کا مصداق یزید اور بنی مروان ہیں،

۱۹۔ "انصار کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ جو تناسب کھانے میں نمک کا ہوتا ہو اسی نسبت سے مسلمانوں میں ان کی تعداد رہ جائے گی،[۲] اور ان کی پراگندگی اسی طرح رہے گی کہ اُن کی کوئی قابلِ ذکر جماعت باقی نہ رہے گی" چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔

۲۰۔ "قبیلۂ ثقیف میں ایک کذاب اور دوسرا ہلاکت برسانے والا پیدا ہوگا"[۳] جس کا

---

[۱] "ہلاک امتی علی یدی اُغیلمۃ من قریش" اخرجہ الشیخان عن ابی ہریرۃؓ (الخصائص، ص ۱۳۸ ج ۲)

[۲] "ویقل الانصار حتی یکونوا فی الناس بمنزلۃ الملح فی الطعام" الحدیث اخرجہ البخاری والطبرانی واحمد وابن سعد عن ابن عباسؓ (کنز العمال ص ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ ج ۶ و جمع الفوائد، ص ۲۳۷ ج ۲)

[۳] "اِن فی ثقیف کذّاباً و مبیراً" اخرجہ مسلم عن اسماءؓ، اسی حدیث میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے یہ حدیث حجاج بن یوسف کو سنائی اور کہا کہ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا (غالباً مسیلمۃ الکذاب مراد ہے) رہا ہلاک کرنے والا سو میرے خیال میں وہ تیرے سوا کوئی اور نہیں، واخرج البیہقی عن ابن عمر مرفوعاً مثلہ۔ الخصائص الکبریٰ، ص ۱۳۲ ج ۲)

مصداق اُن کے نزدیک حجاج اور مختار ہیں،

۲۱۔ "دو موتیں یعنی وبا، اور طاعون بیت المقدس کی فتح کے بعد واقع ہوں گی" چنانچہ یہ وبا، دورِ فاروقی میں بیت المقدس کی بستی عمواس میں پھیلی جہاں پر حضرت عمرؓ کا لشکر مقیم تھا، یہ سب سے پہلا طاعون ہے جو اسلام میں واقع ہوا، جس میں مرنے والوں کی تعداد تین دن میں ستر ہزار بیان کی جاتی ہے،

۲۲۔ "مسلمان سمندروں میں جہاد کریں گے اس طرح جس طرح دنیا کے سلاطین تختوں پر" صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ:۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ گاہے گاہے اپنی رضاعی خالہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کے یہاں تشریف لیجایا کرتے تھے، جو بعد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اہلیہ بنیں، حسب معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے یہاں تشریف لے گئے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلایا، پھر آپ کے سرِ مبارک میں جوئیں دیکھنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، اُمّ حرامؓ نے پوچھا کہ آپ کس بنا پر ہنسنے لگے؟ فرمایا کہ کچھ لوگ میری اُمت کے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلیں گے میرے سامنے پیش کئے گئے جو اس سمندر کے بڑے بڑے حصّوں میں تخت نشین بادشاہوں کی طرح سفر کریں گے، اُمّ حرامؓ نے عرض کیا اللہ سے دعاء کر دیجئے کہ مجھے بھی اُن میں شامل فرمادے، فرمایا تم اُن میں سے پہلی جماعت میں ہوگی، چنانچہ حضرت معاویہؓ

لہ فناء امتی بالطعن والطاعون" اخرجہ احمد والطبرانی والبزار ابویعلی والحاکم وابن خزیمہ والبیہقی عن ابی موسیٰؓ (الخصائص، ص ۱۴۴ ج ۲)

کے عہدِ خلافت میں جو مجاہدین کا لشکر بحری سفر کو روانہ ہوا اس میں حضرت اُم حرامؓ بھی تھیں، سمندری سفر کے اختتام کے بعد خشکی میں اپنی سواری پر بیٹھتے ہوئے گر پڑیں، اور وفات پاگئیں[1]"

۲۳۔ "اگر ایمان ستارہ ثریا میں لٹکا ہوا ہو تب بھی اہلِ فارس کی اولاد وہاں سے اس کو حاصل کرے گی[2]" اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے،

۲۴۔ "اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے آپ کی وفات کے بعد آپ سے ملنے والی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوں گی[3]" اس پیشنگوئی کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی وفات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی،

۲۵۔ "اور بیشک یہ میرا بیٹا (یعنی حضرت حسنؓ) سردار ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروادے گا[4]" آپ کی دی ہوئی خبر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے ان کے ماننے والوں اور اہل شام کے درمیان صلح کرادی،

۲۶۔ "ابوذر رضی اللہ عنہ تاحیات بے تعلقی کی زندگی گزاریں گے، اور اسی حالت

---

[1] اخرجہ الشیخان عن انس والبخاری عن عمیر بن الاسود عن ام حرامؓ بتغیر یسیر (الخصائص، ص ۱۱۱ ج ۲)

[2] "لو کان الایمان عند الثریا لذہب بہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ" اخرجہ مسلم عن ابی ھریرۃ (کنز العمال ص ۲۶۴ ج ۶)

[3] "اول من یلحقنی من اہلی انت یا فاطمہ" الحدیث اخرجہ ابن عساکر عن واثلہؓ (کنز، ص ۲۱۹ ج ۶)

[4] "ان ابنی ہذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" اخرجہ البخاری عن ابی بکرۃؓ (الخصائص ص ۱۳۳ ج ۲)،

میں اُن کی وفات ہوگی[1]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

۲۷۔ "وفات کے بعد بیویوں میں سب سے پہلی مجھ سے ملنے والی بیوی وہ ہوگی جس کے ہاتھ سب سے لانبے ہیں[2]"، چنانچہ سب سے پہلے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا کیونکہ وہ صدقہ و خیرات کرنے میں طویل الید تھیں،

۲۸۔ "حضرت حسین رضی اللہ عنہ مقام طف میں شہید ہوں گے[3]" یہ وہی مقام ہے جو کوفہ کے علاقے میں دریائے فرات کے کنارے پر واقع ہے [illegible] کربلا کے نام سے مشہور ہے، اس پیشینگوئی کے موافق حضرت [illegible] ہوئے،

۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "تمھارا کیا حال ہوگا اس وقت جب تم کو کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب وہ کنگن اُن کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنا کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے جس نے کسریٰ سے چھینکر یہ کنگن سراقہ کو پہنائے[4]،

---

[1] "لیموتن رجل منکم بفلاۃ من الارض" قال ابوذر "فانا ذلک الرجل" اخرجہ الحاکم وابونعیم عن ام ذر عن ابی ذر وفی الباب روایات کثیرۃ اخریٰ (راجع الخصائص الکبریٰ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ ج ۲)

[2] "اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا" قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فکانت زینب اطول یدا لانہا کانت تعمل بیدہا وتتصدق، اخرجہ مسلم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا والبیہقی عن الشعبی (الخصائص الکبریٰ ص ۱۲۹ ج ۲)

[3] اخرج البیہقی عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن ان الحسین رضی اللہ عنہ دخل علی النبی ﷺ وعندہ جبریل فی مشربۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا وقال لہ جبریل ستقتلہ امتک وان شئت اخبرتک بالارض التی یقتل فیہا واشار جبریل بیدہ الی الطف (الخصائص ۱۲۵ ج ۲)

[4] اخرج البیہقی عن الحسن رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لسراقۃ بن مالک کیف بک اذا لبست سوارَی کسریٰ؟ قال فلما اتی عمر رضی اللہ عنہ بسوارَی کسریٰ دعا سراقۃ فالبسہ وقال قل الحمد للہ الذی سلبہما کسریٰ بن ہرمز والبسہما سراقۃ الاعرابی" (الخصائص الکبریٰ، ص ۱۱۳ ج ۲)

۳۰۔ جس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اکیدر کے پاس روانہ کیا اور فرمایا کہ "تم اس کو گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے"[۱] چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔

۳۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس کو شیخینؒ نے نقل کیا ہے: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت .... قائم نہ ہوگی جب تک ملکِ حجاز میں ایک ایسی آگ روشن ہوگی جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں [illegible] کی گردنیں [illegible] آئیں گی"[۲]

[illegible] پیشگوئی [illegible] مطابق مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر بڑی زبردست [illegible] گی اس [illegible] یکم جمادی الاخری ۶۵۴ھ میں ہوئی،[۳] جو منگل کے دن تک معمولی رہی پھر تو اس قدر نمایاں ہوئی کہ خاص و عام ہر شخص نے اس کا مشاہدہ کر لیا، گو منگل کے دن تک چونکہ وہ خوب نمایاں نہیں ہوئی تھی اس لئے بعض لوگوں کو پتہ نہ چلا، بدھ کے دن اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ زمین ہلنے لگی، اور لوگوں کی چیخ پکار سے آسمان گونج اٹھا، زمین کی مسلسل جنبش اور زلزلوں سے اہلِ مدینہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا

---

[۱] "کنت فی جیش خالد بن الولیدؓ حین بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الاکیدر ملک دومۃ الجندل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک تجدہ یصید البقر" اخرجہ ابونعیم وابومندۃ وابن عساکر عن بجیر بن بجیرۃؓ (کنز العمال ص ۳۱۵، ج ۵ کتاب الغزوات) واخرج ابن اسحاق مثلہ عن یزید بن رومان وعبداللہ بن ابی بکر (البدایۃ و النہایۃ، ص ۱۷ ج ۵)

[۲] "لا تقوم الساعۃ حتی تخرج نار بارض الحجاز یعنی منہا اعناق الابل ببصریٰ" اخرج الحاکم عن ابی ہریرۃؓ وعن ابی ذرؓ بمثلہ (الخصائص ص ۱۵۰ ج ۲)

[۳] علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں: "قلت قد خرجت ہذہ النار سنۃ اربع وخمسین وستمائۃ" (الخصائص الکبریٰ ص ۱۵۱ ج ۲)

جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت فضا میں ایسا دھواں بلند ہوا جو تہہ بہ تہہ اور عظیم الشان تھا، پھر وہ آگ بلند ہوئی اور پھیلتی چلی گئی، یہاں تک کہ آنکھیں خیرہ ہوگئیں، اور تنعیم کے میدان قریظہ کے قریب حرہ کی جانب ٹھہر گئی، اور ایک بڑے شہر کی صورت میں نظر آتی تھی، جس کو ایک شہر پناہ نے گھیر رکھا ہو، اور اس پر ایسے کنگرے تھے جیسے قلعوں کے ہوتے ہیں، اور بہت سے برج اور منارے بھی تھے، بہت سے لوگ دکھائی دیتے تھے جو اس آگ کو ہنکار رہے تھے، جس پہاڑ سے اس کا گزر ہوتا اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی، اور پگھلا دیتی، اور ان سب چیزوں کے مجموعہ سے ایک سرخ نہر اور دوسری نیلی نظر آتی تھی، بادل کی کڑک کی طرح اس سے آواز نکلتی تھی اس قدر قریب ہونے کے باوجود مدینہ طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں، ۲۷ رجب یعنی شب معراج میں یہ آگ بجھی،

شیخ قطب الدین عسقلانیؒ نے اس آگ کے حالات میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام حل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز رکھا ہے،

غرض یہ پیشگوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان پیشینگوئیوں میں سے ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کے ظہور سے تقریباً چھ سو پچاس سال پہلے اس کے ظہور کی خبر دی تھی، صحیح بخاری میں اس کے ظہور سے چار سو سال قبل یہ روایت لکھی ہوئی موجود تھی، اور صحیح بخاری اپنی تالیف کے زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک مقبول چلی آتی ہے، جس کی سند براہِ راست امام بخاریؒ سے اُن کی حیات میں نوّے ہزار افراد نے لی ہے، اس لئے کسی معاند اور ہٹ دھرم کے لئے اس سچی صریح خبر کی تردید وتکذیب یا انکار کی مجال نہیں ہے،

۳۲۔ امام مسلم نے کتاب الفتن میں عبداللہ بن مسعودؓ سے دجال کے احوال میں نقل کیا ہے، اُن کے شاگرد یسیر بن جابرؒ کہتے ہیں:

"ایک سُرخ آندھی کوفے میں چلی، پس ایک شخص جس کے آنے کی عادت نہ تھی، ابن مسعودؓ کی خدمت میں آیا، اور کہنے لگا قیامت آگئی، راوی کہتا ہے کہ یہ سُنکر ابن مسعودؓ جو تکیہ لگائے بیٹھے تھے، سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میراث ناقابلِ تقسیم نہ ہو، اور مالِ غنیمت پر خوشی منانے والا کوئی نہ ہو، پھر اپنے ہاتھ سے شام کی جانب اشارہ کیا اور کہا کہ شام والوں کے دشمن اور اہل شام ایک دوسرے کے لئے جمع ہوں گے، میں نے کہا رومی لوگ؟ کہا کہ ہاں، اور ان کی لڑائی بہت سخت قسم کی شکست ہوگی مسلمانوں کی ایک جماعت موت کا عہد کرے گی کہ بغیر غلبہ و فتح کے واپس نہیں ہوں گے، پھر فریقین میں بڑے زور کی جنگ ہوگی، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان رات حائل ہو جائے گی، اور کسی فریق کو بھی غلبہ حاصل نہ ہوگا، اور اس روز لڑنیوالی پوری جماعت ختم ہو جائے گی، پھر اگلے روز اسی طرح موت کی شرط کرکے ایک جماعت جنگ کرے گی، اور شام تک شدید جنگ جاری رہے گی، اور کوئی فریق دوسرے پر غلبہ حاصل نہ کرسکے گا، اور وہ جماعت ختم ہو جائے گی، پھر چوتھے روز بقایا مسلمان رومیوں کے مقابلے میں آکر لڑیں گے، اور اللہ تعالیٰ رومیوں کو ہلاک کردے گا، اور رومیوں کے مقتولین کی تعداد اس قدر ہوگی جس کی کوئی نظیر کبھی دیکھنے میں آئی ہوگی، یہاں تک کہ ایک پرندہ اگر ان مقتولین کی نعشوں کو پار کرنا چاہے گا تو چلتا چلتا تھک کر گر پڑے گا، اور مر جائے گا، پس ایک باپ کی اولاد جو اگر سو کی تعداد

میں تھے، سوائے ایک کے سب ہلاک ہوگئے ہوں گے، اس حال میں مالِ غنیمت کو لے کر خوش ہونے والا کون ملے گا؟ اور کونسی میراث ہوسکتی ہے، جس کی تقسیم عمل میں آئے؟ ابھی لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ شور برپا ہوگا کہ ان کے پیچھے دجّال اُن کے گھروں میں گھُس آیا ہے، یہ سُنکر مجاہدین سب کچھ چھوڑ کر اپنے گھروں کی جانب متوجہ ہوں گے[1]"

ناظرینِ کتاب کی بصیرت کے لئے یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ علماءِ پروٹسٹنٹ اپنی پُرانی عادت کے مطابق ناسمجھ عوام کے سامنے قرآن وحدیث میں دی جانے والی خبروں اور پیشینگوئیوں پر غلط اعتراض کر کے ان کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں، اس لئے ہم نمونے کے طور پر کچھ پیشینگوئیاں جو اسرائیلی پیغمبروں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، اُن کی مقدس کتابوں سے نقل کرتے ہیں، صرف اس غرض سے کہ مخاطبین کو معلوم ہوجائے کہ ان کے اعتراضات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کی نسبت قطعی غلط اور بے جا ہیں، ورنہ ہماری نیت خدانخواستہ انبیاء علیہم السلام کے اقوال کے بارے میں ہرگز بُری نہیں ہے، کیونکہ ان روایتوں کی کوئی صحیح سند پیغمبروں تک موجود نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا درجہ ان کمزور ضعیف روایتوں کا ہے، جو احاد کے طور پر منقول ہوں، اب جو اُن میں غلط ہوں گی وہ یقیناً ان پیغمبروں کا قول نہیں ہوسکتا، اس لئے اس پر اعتراض درست ہوگا، اب سنئے:

(مقدس کتابوں کی پیشینگوئیاں اگلے صفحہ پر)

---

[1] دیکھئے "صحیح مسلم مطبوعہ "اصح المطابع" کراچی ص ۳۹۲ ج ۲ ،

مقدس کتابوں کی بیان کردہ پیشینگوئیاں جو غلط نکلیں؛

پہلی وہ پیشگوئی جو کتاب پیدائش کے باب۱۵ میں منقول ہے، دوسری وہ جو کتاب اشعیاء کے باب۷ آیت ۸ میں منقول ہے، تیسری وہ خبر جو کتاب ارمیاء کے باب ۲۹ میں منقول ہے، چوتھے وہ خبر جو کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں اور پانچویں وہ خبر جو کتاب دانیال کے باب۸ میں مندرج ہے، چھٹے وہ خبر جو کتاب مذکور کے باب۹ میں منقول ہے، ساتویں وہ خبر جو کتاب مذکور کے باب ۱۲ میں ہے، آٹھویں وہ خبر جو سفر سموئیل ثانی باب۷ میں ہے، نویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳۹ و ۴۰ میں ہے، دسویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب۱۶ آیت ۲۷ و ۲۸ میں ہے، گیارہویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۲۴ میں ہے، بارہویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب۱۰ میں مذکور ہے،

یہ تمام پیشینگوئیاں غلط اور جھوٹی ثابت ہوئیں، جیسا کہ باب اوّل سے معلوم ہو چکا ہے[1] اب اگر کوئی عیسائی معترض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیشینگوئیوں پر جو آئندہ پیش آنے والے امور کی نسبت آپؐ نے کی ہیں اعتراض کرنے کی جرأت کرے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ پہلے اُن مذکورہ پیشینگوئیوں کی سچائی ثابت کرے، جو کہ اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہیں، تب اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں پر اعتراض کرنے کا حق ہو سکتا ہے،

---

[1] ان پیشگوئیوں کے غلط ہونے کی تفصیل بحث جلد اول، ص ۴۵۷ سے لے کر ص ۴۸۱ اور ص ۵۰۳ سے لے کر ص ۵۳۱ تک گزر چکی ہے

دوسری قسم

عملی معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات صادر ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، ان میں سے چالیس ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

پہلا معجزہ، معراج

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا،	"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں"

یہ آیت اور دوسری صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری معراج جسمانی ہوئی، حدیثوں سے تو بہت ہی واضح طور پر دلالت

ہوتی ہے، نیز آیت شریفہ میں لفظ "عبد" ایسا لفظ ہے جو قطعی طور پر معراج کے جسمانی ہونے ...... پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس کا استعمال جسم و روح کے مجموعے کے لئے ہوتا ہے، جیساکہ آیتِ ذیل میں ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ،	"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز پڑھتے وقت روکتا ہے"

نیز سورۂ جن میں فرمایا:

وَ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا ،	"اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے، لوگوں کو بندھنے لگتا ہو اس پر ٹھٹھ"

بلاشبہ دونوں آیتوں میں عبد کا مصداق جسم اور رُوح دونوں کا مجموعہ ہے، اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہوگا،

دوسری دلیل یہ ہے کہ کافروں نے اس واقعے کو مستبعد قرار دیا اور انکار کیا، اور بعض کمزور عقیدے کے مسلمان بھی اس کو سُنکر مرتد ہوگئے، اب اگر یہ معراج جسمانی نہ تھی، اور بیداری میں بھی نہیں ہوئی تھی، تو پھر اُن کے مستبعد قرار دینے اور انکار کرنے کی کوئی وجہ اور کمزور اعتقاد والے مسلمانوں کے مرتد ہونے اور فتنے میں پڑنے کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ خواب میں اس قسم کے واقعات کا دیکھنا کسی کے نزدیک بھی محال نہیں ہے، اور نہ ایسے خوابوں کو کوئی مستبعد سمجھتا ہے، نہ انکار کرتا ہے، مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں نے خواب میں اپنی جگہ لیٹے لیٹے ایک بار مشرق کا اور دوبارہ مغرب کا چکر لگایا ہے، اور میری کسی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، تو اس خواب کو نہ کوئی مستبعد قرار دے گا، اور نہ انکار کرے گا، نہ اس میں عقلی یا نقلی طور پر کوئی استحالہ

پایا جاتا ہے، عقلاً تو اس لئے کہ عالم کا پیدا کرنے والا ہر ممکن شے پر قادر ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں اتنی تیز حرکت کا پیدا ہو جانا ممکن ہے[1]، لہذا اس پر خدا کا قادر ہونا بھی ممکن ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہونا خلاف عادت ہے، مگر یہ ہمارے حق میں مفید ہوگا، کیونکہ معجزات انہی کاموں کو کہا جاتا ہے جو عادت کے خلاف صادر ہوں، اور نقلی طور پر اس لئے کہ جسم عنصری کا آسمانوں تک چڑھ جانا اہل کتاب کے نزدیک محال نہیں ہے،

معراج جسمانی کے بارے میں ولیم اسمتھ کی رائے

پادری ولیم اسمتھ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حنوک علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے جو مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تین ہزار تین سو بیاسی سال قبل گذرے ہیں، یہ کہتا ہے:

"اللہ نے اُن کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا، تاکہ وہ موت کو نہ دیکھے، جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ گم ہو گئے، کیونکہ ان کو خدا نے زمین سے آسمان کی طرف منتقل کر دیا، پس انھوں نے دنیا کو بغیر بیماری یا درد و تکلیف اور موت کے چھوڑ دیا، اور جسم سمیت آسمانی بادشاہت میں داخل ہو گئے"

اس میں "جیسا کہ لکھا ہے" کے الفاظ سے کتاب پیدائش کے باب ۵ آیت ۲۴ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے[2]،

---

[1] جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے اس حقیقت کا مزید انکشاف ہوتا جاتا ہے، حال ہی میں ایک خلائی مسافر مصنوعی سیارے کے ذریعے خلا میں پہنچا تھا، تو اس نے خلا کے مدار سے صرف ۸۸ منٹ میں پوری دنیا کا چکر لگا لیا تھا، اور جدید سائنس دانوں کا تو یہ کہنا ہے کہ "تیز رفتاری" ایک ایسی صفت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی، تقی

[2] "حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا" (پیدائش ۵: ۲۴)،

عروج آسمانی بائبل کی نظر میں

اور کتاب سلاطین ثانی باب ۲ آیت ۱ میں ہے:

"اور جب خداوند ایلیاہ کو بگولے میں آسمان پر اٹھا لینے کو تھا تو ایسا ہوا کہ ایلیاہ الیشع کو ساتھ لے کر جلجال سے چلا" آیت نمبر ۱۱"
اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے، کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔"

مشہور مفسر آدم کلارک اس مقام کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"بلاشبہ ایلیاہ زندہ آسمان پر چڑھائے گئے"

اور انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹ میں ہے:

"غرض خداوند یسوع ان سے ..... کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا، اور خدا کی داہنی جانب بٹھایا گیا"

پولس، کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب نمبر ۱۲ میں اُن کے آسمان پر چڑھنے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں، چودہ برس ہوئے کہ وہ یکایک تیسرے آسمان پر اٹھا لیا گیا، نہ مجھے یہ معلوم کہ بدن سمیت نہ یہ معلوم کہ بغیر بدن کے، یہ خدا کو معلوم ہے، اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شخص نے (بدن سمیت یا بغیر بدن کے یہ مجھ کو معلوم نہیں خدا کو معلوم ہے) یکایک فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں"

اور یوحنا اپنے مکاشفہ کے باب ۴ آیت ۱ میں کہتا ہے:

"ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں ایک دروازہ

کھلا ہوا ہے، اور جس کو میں نے پیشتر نرسنگے کی سی آواز سے اپنے ساتھ باتیں کرتے سنا تھا وہی فرماتا ہے کہ یہاں اوپر آجا، میں تجھے وہ باتیں دکھاؤں گا جن کا ان باتوں کے بعد ہونا ضروری ہے، فوراً میں روح میں آگیا، اور کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک تخت رکھا ہے اور اس تخت پر کوئی بیٹھا ہے "

یہ تمام چیزیں عیسائیوں کو تسلیم ہیں، اس لئے عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ وہ عقلاً یا نقلاً کسی طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر لب کشائی یا اعتراض کر سکیں، البتہ خود عیسائیوں پر یہ سخت اعتراض واقع ہوگا کہ جدید ہیئت کے فیصلے کے مطابق آسمانوں کا کوئی وجود ثابت نہیں ہے، پھر یہ بات کیسے صحیح اور درست مانی جا سکتی ہے کہ ایلیاہ اور حنوک یا مسیح علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے؟ اور مسیح خدا کے دائیں جانب بیٹھے، اور ان کا مقدس تیسرے آسمان اور فردوس کی طرف اُچک لیا گیا،[1]

ہم کو پاپاؤں کی "طہارت گاہ" اور ان کا جہنم تو معلوم ہوگیا جیسا کہ باب ۵ فصل نمبر ۲ میں گذرا، مگر ابھی تک عیسائیوں کی "فردوس" کو نہیں پہچان سکے کہ کیا وہ بھی اسی تیسرے آسمان پر ہے جس کا وجود جنگلی بھوتوں کے مانند ان کے نزدیک محض وہمی ہے، یا اس سے اوپر ہے؟ یا اس کا مصداق جہنم ہے، جیسا کہ انجیل اور عیسائیوں کے عقائد کی کتابوں سے سمجھا جاتا ہے، کیونکہ مسیح نے اس چور سے جس کو ان کے ساتھ سولی دی گئی، فرمایا تھا کہ

"آج تو ہی میرے ساتھ فردوس میں[2] ہوگا "

---

[1] دیکھئے، ص ۱۰۵۶ ج ۲

[2] لوقا ۲۳: ۴۳ میں ہے کہ: حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو چوروں کو پھانسی دی گئی تھی، اور ان میں سے ایک سے حضرت مسیح نے کہا تھا کہ "آج تو ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا" مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح (معاذ اللہ) اس دور جہنم میں داخل ہوئے (دیکھئے کتاب ہذا ص ۳۹ ج ۲) تو شاید فردوس سے مراد ان کے نزدیک جہنم ہے۔ ت

اور عیسائی حضرات اپنے تیسرے عقیدے میں تصریح کرتے ہیں کہ مسیح جہنم میں داخل ہوا، اب ان دونوں چیزوں کو اگر ہم ملائیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اُن کے نزدیک فردوس کا مصداق جہنم ہے، جوادبن ساباط اپنی کتاب کے دوسرے مقالے میں دلیل نمبر۱۱ کے ذیل میں لکھتا ہے کہ:

"پادری کیاروس نے مترجموں کی موجودگی میں مجھ سے پوچھا کہ مسلمانوں کا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مکہ سے اورشلیم تک اور پھر وہاں سے اسمان ۔۔۔ لی کہنے لگا کہ کسی جسم کا آسمان پر چڑھانا ممکن ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے بعض مسلمانوں سے اس کی نسبت پوچھا تھا، اُن کا جواب یہ ہے کہ بالکل اسی طرح ممکن ہو جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے لئے ممکن ہے، کہنے لگا تم نے یہ دلیل کیوں نہیں پیش کی کہ آسمان کا پھٹنا اور جڑنا محال ہے، میں نے کہا کہ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی جس کا جواب اُس مسلمان نے یہ دیا کہ یہ دونوں باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس طرح ممکن ہیں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ممکن ہیں، کہنے لگا کہ تم نے یہ دلیل کیوں نہیں پیش کی کہ عیسیٰ تو خدا ہو اس کو اپنی مخلوقات میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار و قدرت ہے، تو میں نے کہا کہ میں نے یہی جواب دیا تھا، مگر اس مسلمان نے کہا کہ عیسیٰؑ کی الوہیت باطل ہے، کیونکہ خدا کے لئے عاجزی کی صفتیں جیسے پٹنا اور سولی پر چڑھایا جانا اور مرنا دفن ہونا سب محال ہیں۔"

بعض دوستوں نے بیان کیا کہ بنارس کے ایک پادری نے کسی مجمع میں مسلمان دیہاتیوں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ معراج کے کیونکر معتقد ہو جبکہ یہ بات

مستبعد ہے، جس کا جواب ایک ہندوستانی مجوسی نے یہ دیا کہ معراج کا معاملہ اس قدر مستبعد نہیں ہے جس قدر ایک کنواری لڑکی کا بغیر شوہر کے حاملہ ہو جانا مستبعد ہے،

اب اگر کسی فعل کا مستبعد ہونا اس کے غلط اور کاذب ہونے کو مستلزم ہے تو یہ بھی جھوٹ اور غلط ہوگا، پھر ایسی صورت میں عیسائی اس کے کس طرح معتقد ہیں ؟

اس جواب کے بعد پادری حیران اور لاجواب ہوگیا،

معجزہ ۲، شق القمر

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ	"پاس آگئی قیامت، اور پھٹ گیا چاند اور وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا"

اللہ نے اس آیت میں چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر ماضی کے صیغے سے دی ہے، اس لئے اس کا ماضی میں واقع ہونا ضروری ہے، اس کو زمانۂ آئندہ پر محمول کرنا[1] چار وجوہ سے بعید ہے:

اوّل اس لئے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قرأت "وَقَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ" ہے، جو زمانۂ

---

[1] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن میں اگرچہ "چاند پھٹ گیا" کا لفظ ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ ماضی مستقبل کے معنی میں ہے، اور مراد یہ ہے کہ "قیامت کے وقت چاند پھٹ جائے گا" مصنف رحمہ یہاں سے اس قول کا رد فرما رہے ہیں، تقی

گزشتہ پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قرأتیں مفہوم میں متحد ہوں[1]،

دوسرے یہ کہ اللہ نے ساتھ ہی یہ بھی خبر دی ہے کہ کافر خدا کی آیتوں اور نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں، اور کسی خبر سے حقیقتاً اعراض جب ہی ممکن ہے جب وہ واقع ہو گئی ہو

تیسرے مفسرین نے تصریح کی ہے کہ "انشق" اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ مستقبل کے معنی میں، اور جن لوگوں نے ایسا کہا ان کی تردید کی ہے،

چوتھے صحیح حدیثیں اس کے واقع ہونے پر یقینی اور قطعی طور پر دلالت کر رہی ہیں، اسی بناء پر شارح مواقف نے کہا ہے کہ:

"یہ متواتر ہے، جس کو صحابہ کی بڑی تعداد نے (اور وہ بھی ابن مسعودؓ جیسے حضرات) نے روایت کیا ہے"

علامہ ابو نصر عبدالوہاب بن امام علی بن عبدالکافی بن تمام الانصاری سبکیؒ نے اپنی مختصر ابن حاجب کی شرح اصول میں کہا ہے کہ:

"میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر متواتر اور قرآن میں منصوص اور صحیحین اور دوسری کتابوں میں منقول ہے"

منکرین کے اعتراضات

بڑا معرکۃ الآراء اعتراض منکرین کا یہ ہے کہ اجرام علویہ میں خرق والتئام

---

[1] یعنی قرآن کریم کی مختلف قرأتوں میں یہ ناممکن ہے کہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے ایک قرأت دوسری کے ساتھ متضاد ہو، تقی

ممکن نہیں، دوسرے اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو روئے زمین کے رہنے والے تمام انسانوں سے اس کا پوشیدہ ہونا غیر ممکن تھا، اور ایسے عظیم الشان واقعہ کو دنیا کے مورخین ضرور نقل کرتے،

معترضین کے اعتراض کا جواب

یہ اعتراض عقلی اور نقلی دونوں حیثیت سے بہت ہی کمزور ہے، نقلی حیثیت سے سات وجوہ کی بناء پر ضعیف ہے،

پہلی وجہ اوّل اس لئے کہ طوفانِ نوحؑ کا عظیم الشان حادثہ پورے ایک سال تک جاری اور واقع ہوتا رہا، جس میں ہر جاندار خواہ پرندے ہوں یا چوپائے، خواہ حشرات الارض ہوں یا انسان، غرض تمام مخلوق سوائے کشتی نشین لوگوں کے فنا ہوگئی، اور سوائے آٹھ انسانوں کے کوئی بھی نہیں بچ سکا، جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۷ و نمبر ۸ میں تصریح ہے، اور پطرس کے پہلے خط باب ۳ آیت ۲۰ میں ہے:

"جب خدا نوحؑ کے وقت میں تحمل کر کے ٹھہر رہا تھا، اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی جس پر سوار ہو کر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلے سے بچیں"

لہ یہ قدیم یونانی فلاسفہ کا نظریہ تھا کہ آسمان کا پھٹنا اور پھر جڑنا محال ہو، اس نظریئے کی بنیاد پر معراج اور معجزۂ شق قمر پر اعتراضات کئے جاتے تھے، کہ آسمان کے پھٹے اور جڑے بغیر نہ تو معراج ہو سکتی ہے، اور نہ شقِ قمر اس لئے کہ یونانی فلاسفہ کا نظریہ یہ تھا کہ چاند آسمان میں جڑا ہوا ہے، مسلمان فلاسفہ نے ناقابلِ انکار دلائل سے اس نظریئے کو یکسر باطل قرار دیا ہے، اور اس سلسلے میں فلاسفۂ یونان کے تمام اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا ہے، علم کلام کی کتابیں اس بحث سے بھری پڑی ہیں،

اور دوسرے خط کے باب۲ آیت ۵ میں ہے:

"اور نہ پہلی دنیا کو چھوڑا، بلکہ بے دین دنیا پر طوفان بھیج کر راستبازی کے منادی کرنے والے نوح کو مع اور سات آدمیوں کے بچا لیا"

اس حادثے کو آج تک اہلِ کتاب کے نظریے کے مطابق چارہزار دو سو بارہ سال شمسی گزرے ہیں، مگر اس واقعہ کا کوئی ذکر تذکرہ مشرکینِ ہندوستان کی کتابوں اور تاریخوں میں موجود نہیں ہے، وہ لوگ اس واقعہ کا نہ صرف یہ کہ شدت سے انکار کرتے ہیں، بلکہ اُن کے تمام علماء اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر گزشتہ دور سے قطع نظر بھی کرلی جائے اور کرشن اوتار کے زمانے کو جو اس دن سے اُن کی کتابوں کی شہادت کے مطابق چارہزار نوسو ساٹھ سال مقدم ہے، پیشِ نظر رکھا جائے تو بھی اس عمومی حادثے کی صحت کی کوئی ممکن صورت نہیں، کیونکہ بڑی بڑی عظیم الشان بارشیں اُس عہد سے لے کر اس زمانے تک جو ہوئی ہیں تاریخیں ان کے ذکر سے بھری پڑی ہیں، اُن کی تواریخ کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے کہ عہدِ کرشن سے اس بیان کردہ طوفان کے زمانے تک صرف ہندوستان کے ملک میں ہر زمانے میں بے شمار ملین بارشیں ہوتی رہیں، اُن کا دعویٰ ہے کہ کرشن کے زمانے کا حال تواریخ کی کثرت کی بناء پر ایسا ہے گویا کل گزشتہ کی بات ہو،

ابن خلدون اپنی تاریخ کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:

"فارس اور ہندوستان کے لوگ طوفان سے واقف نہیں ہیں، صرف کچھ اہلِ فارس کی رائے ہے کہ طوفان بابل کے علاقے تک محدود رہا"

علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المعروف بالمقریزیؒ اپنی کتاب مسمّٰی کتاب المواعظ والاعتبار میں نقوش و آثار کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"اہلِ فارس اور آتش پرست اور کلدانی اہل بابل، اور ہندوستان کے لوگ چین کے باشندے اور بہت سی مشرقی قومیں طوفان کے منکر ہیں، اگرچہ بعض اہلِ فارس نے طوفان کا اعتراف کیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ طوفان ملکِ شام اور مغرب میں نہیں پھیلا، اور نہ تمام آبادیوں کو اس نے اپنی لپیٹ میں لیا، اور نہ عمومی طور پر غرق واقع ہوا، بلکہ صرف کچھ لوگ غرق ہوئے، اور حلوان کی گھاٹی سے آگے نہیں بڑھا، اور نہ مشرقی ممالک تک پہنچ سکا"

خود پادریوں کے ہم قوم حضرات اس طوفان کے منکر ہیں، اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ہم جان کلارک ملحد کا قول اس کے رسالے نمبر ۳ سے جو اس کی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں شامل ہے، نقل کرتے ہیں، وہ صفحہ ۴۵ پر کہتا ہے:

"یہ یعنی طوفان والی بات فلاسفہ کی شہادت کی بنا پر درست نہیں ہو سکتی، اور مجھکو تعجب ہو کر کیا اس طوفان کے پانی میں مچھلیاں بھی ...... مرگئی تھیں؟ اور جب سِفر تکوین باب ۶ آیت ۵ کے فیصلے کے مطابق انسان کے دلوں کے خیالات خراب اور گندے ہو چکے تھے، پھر خدا نے کس لئے آٹھ افراد کو باقی رکھا؟ اور کیوں نہ سب کو ہلاک کرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کیا؟ اور کیوں گزشتہ سرمایہ اور ذخیرے کو جس کے سبب سے گندے اور خراب افکار و خیالات باقی رہیں باقی رہنے دیا؟ کیونکہ یہ بات واضح ہو کہ خراب درخت سے عمدہ پھل کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتا؟ جیسا کہ انجیل متی باب ۷ آیت ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ "کیا جھاڑیوں سے انگور..... یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں" اور نوح علیہ السلام (نعوذ باللہ منہ) خود شرابی اور چوپائے اور ظالم تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب ۹ آیت ۲۱ و ۲۵ سے ثابت

ہو، تو پھر اُن سے یہ کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ان کی نسل صالح اور نیک ہوگی، چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ ایسا نہیں ہوا، اور صالح اولاد نہ ہوئی، جیسا کہ افسیوں کے نام پولس کے خط کے باب ۲ آیت ۲ سے اور طِطُس کے نام خط کے باب ۳ آیت ۳ سے اور پطرس کے خط نمبر ا باب ۴ آیت ۳ سے اور زبور نمبر ۵۱ کی آیت نمبر ۵ سے ثابت ہے "

پھر جان کلارک نے صفحہ ۹۳ پر بے شمار مذاق اڑایا ہے، جو بے ادبی کا شاہکار ہے، اس لئے ہم ایسے قبیح کلام کے نقل کرنے کی جسارت نہیں کرتے[1]،

دُوسری وجہ کتاب یشوع (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق) کے باب نمبر ۱۰ آیت ۱۲ میں ہے:

"اور اس دن جب خداوند نے اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا، یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا اے سورج! تو جِبعون پر اور اے چاند! تو وادیِ ایالون پر ٹھہرا رہ، اور سورج ٹھہر گیا، اور چاند تھما رہا، جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے[2]؟ اور سورج آسمانوں کے بیچوں بیچ ٹھہرا رہا، اور تقریباً سارے دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی" (آیات ۱۲ تا ۱۳)

---

[1] اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ مورخین کا کسی واقعہ کو نقل نہ کرنا اس کے حقیقتاً نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے، ورنہ طوفانِ نوح جو مسلمان اور عیسائیوں میں متفقہ طور پر مسلّم ہے کہ اس کا مؤرخین کے یہاں تذکرہ نہیں ملتا، اور دنیا کی بہت سی قومیں اس کا انکار کرتی ہیں،

[2] موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے، اس لئے ہم نے یہ عبارت وہیں سے نقل کی ہے،
[3] اظہار الحق میں اس کی جگہ "سفر الابرار" کا لفظ ہے، تقی

اور کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۶ء حصہ نمبر ۳ کے باب ۱۲ صفحہ ۳۶۲ میں یوں ہے کہ:

"یوشع کی دعا سے سورج چوبیس گھنٹے کھڑا رہا"

ظاہر ہے کہ یہ حادثہ بڑا عظیم الشان تھا، اور عیسائی نظریے کے مطابق مسیحؑ کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو پچاس سال قبل پیش آیا، اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم روئے زمین کے تمام انسانوں کو ہونا ضروری تھا، بڑے سے بڑا بادل بھی اس کے علم سے مانع نہیں ہو سکتا تھا، اور نہ افق کا اختلاف اس میں مزاحم، اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بعض مقامات پر اس وقت رات تھی تب بھی اس کا ظاہر ہونا اس لئے ضروری تھا کہ ان کی رات اس دن چوبیس گھنٹے رہی ہو، نیز یہ زبردست حادثہ نہ تو ہندوستان کی تواریخ میں کہیں موجود ہے، نہ اہلِ چین و اہلِ فارس کی کتابوں میں کہیں اس کا تذکرہ ہے ہم نے خود مشرکینِ ہندوستان کے علماء سے اس کی تکذیب سنی ہے، اور ان کو اس کے غلط ہونے کا یقین کامل ہے، خود عیسائیوں کے ہم قوم اس کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، بلکہ چند اعتراض بھی کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

اوّل یہ کہ یوشع کا یہ کہنا کہ "اے سورج! تو حرکت مت کیجئے" اور پھر یہ بات کہ سورج رُک گیا اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ سورج متحرک اور زمین ساکن ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "اے زمین تو حرکت مت کر، پھر یہ کہ زمین رُک گئی" اور یہ بات جدید علمِ ہیئت کے قطعی خلاف ہے، جس پر اس زمانے کے تمام اہلِ یورپ کو اعتماد ہے، کیونکہ ان کا خیال اور عقیدہ یہ ہے کہ یہ قدیم قول سورج کی حرکت کا باطل ہے[1]، شاید یوشع کو

[1] یہ خود قدیم اہلِ یورپ کا اعتراض ہے جو ہماری نظر میں درست نہیں ہے جدید سائنس کی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زمین کی طرح سورج بھی حرکت کرتا ہے،

اس حالت کا پتہ نہیں تھا، یا پھر یہ قصہ ہی سرے سے جھوٹا ہے؛

دوسرا اعتراض یہ کہ یہ کہنا کہ "سورج آسمان کے بیچ میں کھڑا ہو گیا" بتا رہا ہے کہ وہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، یہ بات بھی چند وجوہ سے کمزور اور بودی ہے:

اوّل تو اس لئے کہ بنی اسرائیل اپنے ہزاروں مخالفین کو قتل کر چکے تھے، اور پوری شکست دے چکے تھے، اور پھر جب وہ لوگ بھاگنے لگے تو خدا نے مزید آسمان سے بڑے بڑے پتھر برسا کر ان کو ڈھیر کر دیا، چنانچہ ان پتھروں سے مقتول ہونے والوں کی تعداد بنی اسرائیل کے ہاتھوں مارے جانے والوں سے بہت زیادہ تھی، اور یہ سب کام نصف النہار سے پہلے انجام پا چکا تھا، جیسا کہ اس باب میں اس کی تصریح موجود ہے، ایسی صورت میں پھر یوشعؑ کے اس قدر اضطراب کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ فاتح بنی اسرائیل بہت زیادہ اور باقی رہ جانے والے مخالفین بہت قلیل التعداد تھے، اور ابھی آدھا دن باقی تھا جس میں بڑی آسانی سے ان کا قتل کیا جانا ممکن تھا،

دوسرے اس لئے کہ جب وہ وقت دوپہر کا تھا تو اس وقت ان لوگوں نے چاند کو کیسے دیکھ لیا؟ پھر اس کا ٹھیرنا بھی فلسفہ کے قواعد کے بموجب غلط ہے،

تیسرے اس لئے کہ جب وہ نصف النہار کا وقت تھا، اور بنی اسرائیل لڑائی اور بھاگ دوڑ میں مشغول تھے، اور ان کو بقیہ دن کے حصے میں کوئی شک بھی نہ تھا، اور نہ اُن کے پاس اُس زمانے میں گھڑیاں موجود تھیں، تو ان کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ سورج ٹھیک نصف النہار کے دائرے میں بقدر ۱۲ گھنٹے کے کھڑا ہے، اور اس وقت تک مغرب کی طرف مائل نہیں ہوا، تیسرا اعتراض یہ کہ جان کلارک کہتا ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ دنیا کے تمام ایام خواہ بونے کا زمانہ ہو یا کھیتی کاٹنے کا، سردی ہو یا گرمی، دن ہو یا رات، غرض کوئی وقت ہو وہ کبھی کل نہیں ہو گا، نہ ٹھیریگا جیسا کتاب پیدائش کے باب

آیت ۲۲ میں صاف طور پر لکھا ہے[1] پھر جب اس مکّرہ مدّت تک سورج غروب نہیں ہوا، تو گویا اس وقت میں رات ٹھہر گئی، اور ساکن ہوگئی،

تیسری وجہ کتاب اشعیاء باب ۳۸ آیت ۸ میں حضرت اشعیاء کے معجزے رجوعِ شمس کے سلسلہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"چنانچہ آسمان جن درجوں سے ڈھل گیا تھا، ان میں کے دس درجے پھر لوٹ گیا"

یہ حادثہ بھی بڑا عظیم الشان ہے، اور چونکہ دن میں پیش آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر انسانوں کو اس کا علم ہو، مسیح کی ولادت سے سات سو تیرہ سال شمسی قبل واقع ہوا، مگر نہ تو اس کا کوئی تذکرہ ہندوستانیوں کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے، اور نہ اہلِ چین اور اہلِ فارس کی کتابوں میں اس کا کوئی نشان ملتا ہے، نیز اس سے سورج کا حرکت کرنا اور زمین کا ساکن ہونا مفہوم ہو رہا ہے، جو جدید ہیئت کے فیصلے کی بنا پر بالکل غلط ہے،

پھر اگر ہم اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں تین احتمال ہو سکتے ہیں، یا تو دن صرف دس درجے کی مقدار لوٹا ہو، یا اسی مقدار میں آسمان پر سورج لوٹا ..... جیسا کہ ان کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، یا زمین کی حرکت مشرق سے مغرب کی سمت میں اتنی مقدار میں لوٹی ہو، اور یہ تینوں احتمالات فلسفہ کے حکم کے مطابق باطل ہیں،

یہ تینوں مشہور حادثے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مسلّم ہیں، اور باقی حوادث جن کو ہم ذکر کرنے والے ہیں، وہ عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہیں،

---

[1] "جب تک زمین قائم ہے، بیج بونا اور فصل کاٹنا، سردی اور تپش، گرمی اور جاڑا، دن اور رات موقوف نہ ہوں گے" (پیدائش ۸: ۲۲)

چوتھی وجہ

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۱ میں ہے:

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا، اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے" (آیات ۵۱ تا ۵۳)

یہ واقعہ یقیناً جھوٹا اور من گھڑت ہے جیسا کہ آپ کو باب فصل نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے[۱]، نیز مخالفین یعنی رومانیوں اور یہودیوں کی قدیم کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اور نہ مرقس یا لوقا نے پتھروں کا پھٹنا اور قبروں کا کھلنا، اور بہت سے قدیس لوگوں کے اجسام کا قبروں سے برآمد ہو کر شہر میں داخل ہونا بیان کیا ہے، حالانکہ ان واقعات کا ذکر عیسیٰؑ کی چیخ پکار کے ذکر سے زیادہ ضروری تھا، جو مرتے وقت انھوں نے کی تھی، اور جس کے ذکر پر سب کا اتفاق ہے، اور پھر پتھروں کا پھٹ جانا تو اس قسم کا واقعہ ہے کہ جس کا اثر ونشان وقوع کے بعد بھی رہتا ہے،

تعجب یہ ہے کہ متی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ مُردے زندہ ہونے کے بعد کن لوگوں کو نظر آئے تھے؟ مناسب تو یہ تھا کہ یہودیوں کو نظر آتے، اور پیلاطس کو دکھائی دیتے، تاکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی یہی مناسب تھا کہ وہ مُردوں کے درمیان سے کھڑے ہونے کے بعد ان مخالفین کو نظر آتے تاکہ اشتباہ دور ہو جاتا، اور یہودیوں کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوتی، کہ ان کے شاگرد رات

---

[۱] انجیل متی میں یہ واقعہ اس وقت بیان کیا گیا ہے جب (بقول متی) حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) سولی دی گئی،

[۲] دیکھئے صفحہ ۵۰۰ ج اول غلطی نمبر ۵۹،

کی تاریکی میں آئے اور ان کی نعش چرا کرلے گئے،

اسی طرح اس نے یہ بھی ذکر نہ کیا کہ جو مُردے زندہ ہوگئے تھے پھر واپس اپنی قبروں میں چلے گئے، یا زندہ باقی رہے؟ کسی ظریف نے خوب کہا ہے کہ "شاید متی نے یہ تمام باتیں خواب میں دیکھی ہوں گی"

اس کے علاوہ لوقا کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ہیکل کے پردے کا پھٹنا عیسیٰ کی وفات سے قبل پیش آیا ہے جو متی اور مرقس کے بیان کے قطعی خلاف ہے،

پانچویں وجہ انجیل متی اور مرقس و لوقا میں مسیح کے سُولی دیئے جانے کے بیان میں لکھا ہوکہ چھ بجے سے نو بجے تک پورے چار گھنٹے کامل تمام روئے زمین پر اس واقعے سے تاریکی اور اندھیری مسلّط رہی، چونکہ یہ حادثہ دن میں پیش آیا اور سارے روئے زمین تک ممتد رہا، اور تھوڑی دیر بھی نہیں بلکہ پورے چار گھنٹے، اس لئے یہ ناممکن ہو کہ دنیا کے اکثر لوگ اس سے واقف نہ ہوں، حالانکہ اس کا کوئی ذکر اہلِ ہند و فارس و چین کی تواریخ میں نہیں ملتا،

چھٹی وجہ انجیل متی نے بچوں کے قتل کا واقعہ باب ۲ میں ذکر کیا ہے، مگر کسی دوسری انجیل یا تاریخ میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں[1] ملتا،

ساتویں وجہ انجیل متی اور لوقا کے باب ۳ اور انجیل مرقس کے باب ۱ میں یوں لکھا ہے کہ،

---

[1] انجیل متی میں ہو کہ جب ہیرودیس کو حضرت مسیح کی ولادت کی خبر ہوئی تو اس نے: "بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروادیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے" (متی ۲: ۱۶) لیکن اس واقعہ کا تذکرہ کہیں اور نہیں ملتا، چنانچہ آر۔اے ناکس تفسیر عہد نامۂ جدید میں لکھتا ہو: معصوم بچوں کے قتل کا واقعہ کسی غیر عیسائی مصنف کی تحریر میں نہیں ملتا" (ص ۳و۴ ج اوّل)

"اور جب[1] وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے ..... اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا، اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں "

یہ مرقس کے الفاظ ہیں، چونکہ آسمانوں کا پھٹنا دن میں واقع ہوا تو ضروری ہو کہ دنیا کے رہنے والے بیشتر انسانوں سے مخفی نہ ہو، اسی طرح کبوتر کا نظر آنا اور آسمانوں سے اس آواز کا سُنا جانا، حاضرین میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ ہونا چاہئے، حالانکہ اس .... واقعہ کو انجیل والوں کے سوا اور کوئی بھی ذکر نہیں کرتا، جان کلارک اس قصہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ :

"متی نے ہم کو اس عظیم الشان اطلاع سے محروم بنا دیا اور صاف طور پر نہیں بتایا کہ آسمان کے کون سے دروازے کھلے تھے ؟ بڑے دروازے ؟ یا متوسط دروازے ؟ یا چھوٹے ؟ اور کیا یہ دروازے سورج کی اس جانب میں تھے یا دوسری سمت میں ؟ اس بڑی بھول کی وجہ سے بھلے غریب پادری سمت کی تعیین میں حیرانی کے ساتھ سر پھوڑتے ہیں، اور نہ یہ اطلاع دی کہ اُس منزّل من اللہ کبوتری کا ..... کیا حشر ہوا ؟ کیا اس کو کسی نے پکڑ کر پنجرے میں بند کیا ؟ یا آسمان کی طرف واپس ہوتی ہوئی دیکھی گئی ؟ اور اگر لوٹتی ہوئی دیکھی تو ضروری ہے کہ اتنی دیر تک آسمانوں کے دروازے کھلے رہے ہوں ؟ اور سب لوگوں نے آسمانوں کے اندرونی احوال کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیا ہوگا کیونکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس کے اس مقام پر پہنچنے تک ان دروازوں پر کوئی سنتری یا سپاہی موجود ہو، شاید یہ کبوتری کوئی جن ہو "؛

---

[1] یہ حضرت مسیح پر روح القدس کے اترنے کا قصہ ہو جو پہلے کئی بار گذر چکا ہے،

اِس اعتراض کے عقلی جوابات؛

اس اعتراض کا عقلی طور پر باطل ہونا آٹھ وجوہات کی بناء پر ثابت ہے:

پہلی وجہ شق قمر کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا جو غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے راستوں اور سڑکوں پر سکون اور آمد و رفت بند ہو جاتی ہے، بالخصوص سردی کے زمانے میں لوگ گھروں اور کمروں کے اندر دروازے بند کر کے سوتے ہیں اور آرام کرتے ہیں، ایسی صورت میں آسمان سے تعلق رکھنے والی کسی جدید بات کا علم اطلاع سوائے ان لوگوں کے کسی کو نہیں ہوتی جو پہلے سے اس کے منتظر ہوں، اور چاند گرہن اس کی واضح مثال موجود ہے، کہ وہ اکثر پیش آتا ہے، مگر بہت سے لوگوں کو اس کا علم صبح ہونے اور دوسروں کے اطلاع دینے پر ہوتا ہے، سوتے ہوئے لوگوں کو گرہن کی اطلاع نہیں ہوتی،

دُوسری وجہ یہ حادثہ زیادہ دیر تک ممتد اور مسلسل نہیں رہا، دیکھنے والوں کے لئے بھی اس کے امکانات کم تھے کہ جو لوگ اس مقام سے کافی دُور ہیں، ان کو اس کی اطلاع کریں، یا سونے والوں کو جگائیں اور دکھائیں،

تیسری وجہ پہلے سے اس قسم کا کوئی پروگرام نہ تھا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہوتی اور وہ دیکھنے کا اہتمام کرتے جس قسم کا اہتمام وقت معینہ پر رمضان و عیدین ... اور سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھنے کا لوگ کیا کرتے ہیں، محض اس لئے کہ اس کے دیکھے جانے کے قوی امکانات ہوتے ہیں، پھر ہر شخص کی نگاہ ہر وقت آسمان کی جانب تو دن کے اوقات میں بھی لگی نہیں رہتی، چہ جائیکہ رات کے وقت، اس لئے صرف اُن لوگوں نے دیکھا جو معجزے کے طالب تھے، یا جن لوگوں کی نگاہ اتفاقیہ اس وقت آسمان

کی طرف اُٹھ گئی، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آتا ہے، کہ جب کفارِ مکہ نے اس واقعہ کو دیکھا تو کہنے لگے غالباً ابن ابی کبشہ[1] نے تمہاری نظر بند کردی ہے، ابوجہل نے بھی یہی بات کہی کہ یہ محض جادو اور نظر بندی ہے، اس لئے لوگوں کو تحقیق کے لئے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجو کہ وہ معلوم کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا یا نہیں؟ سب نے بالاتفاق تصدیق کی کہ ہم نے اسی حالت میں دیکھا ہے[2]، کیونکہ اہل عرب عموماً راتوں میں سفر اور دن کو قیام کرتے ہیں، پھر کفار نے مل کر کہا کہ یہ تو جادو ہے، جو مٹنے والا ہے،

نیز تاریخ فرشتہ کے مقالہ نمبر ۱۱ میں لکھا ہے کہ ملیبار کے لوگوں نے بھی ... جو ہندوستان کا علاقہ ہے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے، اور اس علاقے کا راجہ جو بت پرست تھا، اس معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا[3]، حافظ مزیؒ نے ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے ایک شہر میں ایک پرانی عمارت دیکھی، جس پر عمارت کی تاریخِ تعمیر کے سلسلے میں لکھا تھا کہ "یہ عمارت شقِ قمر والی رات میں بنائی گئی"

---

[1] "ابن ابی کبشہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے، آپ کے جدِ امجد وہب بن عبد مناف کا اور آپ کے رضاعی والد (یعنی حضرت حلیمہؓ کے شوہر) کا لقب ابو کبشہ بھی تھا، اسی مناسبت سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا ہے۔

[2] رواہ الترمذیؒ عن جبیر بن مطعمؓ (جمع الفوائد، ص ۲۰۰ ج ۲)

[3] اظہار الحق کے گجراتی مترجم جناب غلام محمد صاحب بن حاجی فقط صادق صاحبؒ نے اس جگہ حاشیے پر لکھا ہے کہ "ہندوؤں کی مشہور کتاب مہابھارت میں بھی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے" (غلام محمد صاحب کا یہ ذیلی حاشیہ اظہار الحق کے انگریزی ترجمے کے حاشیے پر نقل کیا گیا ہے، دیکھئے اظہار الحق انگریزی ترجمہ ص ۱۴۵ ج ۲)۔

چوتھی وجہ کبھی کبھی بعض مقامات اور بعض اوقات میں دیکھنے والے اور چاند کے درمیان ایک گہرا اور غلیظ بادل یا پہاڑ حائل ہو جاتا ہے، بعض اوقات تو ان علاقوں میں جن میں کثرت سے بارشیں ہوتی ہیں اتنا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے کہ ایک جگہ بادل بھی بہت گہرا اور بارش بھی کافی زوردار ہو رہی ہے کہ دیکھنے والوں کو دن میں سورج اور نیلگوں آسمان کا اصلی رنگ مسلسل گھنٹوں تک دکھائی نہیں دیتا، اسی طرح رات کے وقت چاند اور ستاروں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، مگر دوسرے مقام پر نہ کسی بادل کا پتہ ہے نہ بارش کا کوئی اثر، حالانکہ دونوں مقامات میں کچھ زیادہ قابلِ ذکر فاصلہ بھی نہیں ہوتا، شمالی علاقوں کے باشندے روم اور یورپ کے لوگ برف باری اور بارش کے دنوں میں مسلسل کئی کئی دن تک سورج کے دیکھنے کو ترستے رہتے ہیں، چہ جائیکہ چاند کو،

پانچویں وجہ چاند اپنے مطالع کے اختلاف کی وجہ سے تمام روئے زمین والوں کے لئے کسی ایک حد پر نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آج جن لوگوں پر طلوع ہوتا ہے دوسرے ملک یا علاقے کے باشندے اُس وقت اُس کی جھلک دیکھنے سے محروم ہوتے ہیں، کسی ایک افق اور منزل پر نمایاں ہونے پر بعض ملکوں کے لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس وقت دوسرے مقام کے لوگ اس کی جھلک سے قطعی محروم رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چاند گرہن عام نہیں ہوتا، بعض علاقوں میں کامل ہوتا ہے، بعض میں بالکل نہیں ہوتا، یا ناقص طور پر ہوتا ہے، اور بعض مقامات پر اس کی پہچان و شناخت صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جو علمِ نجوم کے ماہر ہیں،

اکثر قابلِ اعتماد علماءِ ہیئت ایسے عجائبات بیان کرتے ہیں جن کا مشاہدہ اُن کو

بڑے بڑے ستاروں اوران کی روشنیوں سے ہوتا ہے، جو رات کے کسی حصے میں ظاہر ہوتے ہیں، اُن کے سوا دوسرے لوگوں کو ان کا قطعی کوئی علم نہیں ہوتا،

چھٹی وجہ اس قسم کے نادر الوقوع واقعات دیکھنے والوں کی تعداد عام طور پر اس قدر نہیں ہوتی، جو یقین کے لئے مقیّد ہو، ادھر مورخین کے یہاں بڑے اور اہم واقعات کے بارے میں بعض عوام کی بیان کردہ خبریں قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں، البتہ ایسے واقعات کی نسبت اُن کے بیانات مان لئے جاتے ہیں کہ جن کے وقوع کے بعد ان کے آثار اور نشانیاں باقی رہ جائیں، جیسے سخت آندھی، بے شمار برف باری، یا ژالہ باری، سخت سردی وغیرہ، اس لئے عین ممکن ہے، اور بعید از قیاس نہیں ہے کہ کسی ملک کے مورخین نے اس حادثے کی نسبت بعض عوام کی بیان کردہ روایت پر وثوق نہ کرتے ہوئے اس کو دیکھنے والوں کی نگاہ کا قصور قرار دیا ہو، اوراس واقعہ کو چاند گرہن کی قسم کا سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو،

ساتویں وجہ مورخین بالعموم زمینی حوادث کو تاریخ کے اوراق میں جگہ دیتے ہیں، اور آسمانی واقعات وحوادث سے شاذ ونادر ہی تعرض کرتے ہیں، خاصکر قدیم مورخین کا تو یہ عام شیوہ ہے، پھر یہ چیز بھی قابلِ لحاظ ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں انگلستان وفرانس میں جہالت عروج پر تھی، اور علوم وفنون کی جو کچھ داغ بیل اور بنیاد یورپ کے ملکوں میں پڑی اور اشاعت ہوئی، وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دَورِ مسعود کے کافی طویل عرصے کے بعد ہوئی ہے، ان حالات میں ان کے یہاں تاریخ نویسی کا کوئی اہتمام اور اس جانب التفات ہی کب ہو سکتا تھا؟

آٹھویں وجہ منکر کو جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ فلاں معجزہ یا کرامت اس شخص

کی ہے جس کا وہ منکر ہے، تو وہ ضرور اس کے اخفاء اور چھپانے کی کوشش کیا کرتا ہے، اور کبھی بھی اس کے ذکر یا کہے جانے پر راضی نہیں ہوتا، جیساکہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ اور کتاب الاعمال کے باب ۴ و ۵ کے مطالعہ کرنے والوں سے یہ چیز مخفی نہیں ہوسکتی

ان وجوہات کی بناء پر ثابت ہوا کہ "معجزۂ شق القمر" پر عقلی یا نقلی غرض کسی طور سے اعتراض درست نہیں ہوسکتا،

مُصنّف "میزان الحق" کے اعتراضات

مصنف میزان الحق نے نسخۂ مطبوعہ ۱۸۴۳ء مرزاپور میں لکھا ہے کہ :

"آیت کے معنی تفسیر کے قاعدے کے بموجب منسوب ہیں یوم قیامت کی طرف کیونکہ لفظ "الساعۃ" معرّف باللام واقع ہوا ہے، جس سے مراد ساعتِ معلومہ اور وقت متعین ہے، یعنی قیامت، جیساکہ یہ لفظ اسی سورۃ کے آخر میں اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اسی لئے اس کی تفسیر بعض مفسّرین نے جن میں قاضی بیضاویؒ بھی ہیں قیامت کے معنی کے ساتھ کی ہے، اور کہا ہے کہ آیت کے بموجب علاماتِ قیامت میں سے یہ علامت بھی ہے کہ چاند زمانۂ آئندہ میں شق ہوگا"

اس میں پادری مذکور نے دو دعوے کئے ہیں، اوّل یہ کہ تفسیر کے قاعدے کے مطابق صحیح یہ ہے کہ اِنْشَقَّ معنی میں سَیَنْشَقُّ کے ہے، دوسرے یہ کہ بعض مفسرین نے جن میں قاضی بیضاویؒ بھی شامل ہیں، اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعی غلط ہیں،

پہلی بات تو اس لئے کہ اِنْشَقَّ ماضی کا صیغہ ہے اس کو سَیَنْشَقُّ کے معنی میں لینا یقیناً مجاز ہے، اور قانون یہ ہے کہ مجازی معنی مراد لینے کی اُس وقت تک بالکل

اجازت نہیں، جب تک اس لفظ کے معنی حقیقی مراد لینا محال نہ ہو جائے، اور یہاں معنی حقیقی مراد لینے میں کوئی بھی دشواری نہیں ہے، اس لئے معنیٰ حقیقی مراد لیا جانا واجب اور ضروری ہے،

رہی دوسری بات تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ قاضی بیضاویؒ پر صریح بہتان اور تہمت ہے، کیونکہ انھوں نے ماضی کے صیغے کی تفسیر مستقبل کے ساتھ ہرگز نہیں کی، بلکہ ماضی کے معنی کے ساتھ کی ہے، البتہ تفسیر کرنے کے بعد کمزور الفاظ میں بعض لوگوں کا قول نقل کر کے اس کی تردید کر دی ہے، لہٰذا یہ قول اُن کے نزدیک بھی مردود ہے،

پھر جب صاحب استفسار نے میزان الحق کے مصنّف کی اس عبارت پر اعتراض کیا اور کہا کہ "پادری مذکور یا تو خود غلطی میں مبتلا ہے یا پھر عوام کو غلطی میں ڈالنا چاہتا ہے،" تو میزان الحق کے مصنف کو ہوش آیا، اور جدید نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء میں اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس عبارت کو بدل دیا اور یوں کہا کہ:

"قرآن کریم میں جس مقام پر بھی لفظ "الساعۃ" معرف باللام اور معرفہ کی صورت میں واقع ہوا ہے، وہاں یوم قیامت کے معنیٰ مراد ہیں، اور اِنْشَقَّ الْقَمَرُ والا جملہ واوِ عطف کی بناء پر اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ والے جملے کے ساتھ ملحق ہے، اور دونوں میں ماضی کا صیغہ ہے، لہٰذا جس طرح پہلا فعل "اقتربت" مستقبل کے معنی میں ہے، یعنی "سیجیئ یوم القیٰمۃ" اسی طرح دوسرا فعل "انشق" بھی معنی میں "سَيَنْشَقُّ" کے ہوگا، یعنی جب قیامت آئے گی تو چاند بھی دو ٹکڑے ہو جائے گا، اور بعض مفسرین نے بھی جیسا کہ زمخشریؒ اور بیضاویؒ ہیں اس طرح تفسیر کی ہے اگرچہ یہ دونوں اپنی تفسیروں میں اس امر کے معتقد ہیں کہ یہ نشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، مگر انھوں نے اس طرح بھی تصریح کی ہے کہ: وَعَنْ بَعْضِ النَّاسِ أَنَّ مَعْنَاهُ سَيَنْشَقُّ يَوْمَ

اُلْقِیَامَۃِ[1] اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "وَ قَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ" پایا جاتا ہے،
یعنی قیامت قریب آگئی ہے، اور اس کے قریب ہونے کی نشانیوں میں سے یہ بھی
ہے کہ چاند ٹکڑے ہوگیا، اور بیضاوی نے کہا ہے کہ وَ قِیْلَ مَعْنَاہُ سَیَنْشَقُّ
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ "

غرض پادری صاحب کو پتہ چل گیا اور انھوں نے عبارت کو بدل ڈالا، مگر انھوں نے کشاف کی عبارت کے خلاصہ کرنے میں کمال کر دیا، یعنی کچھ حصہ سمجھ کر حذف کر دیا کہ یہ غیر مفید ہی، اور صاحب کشاف کا یہ قول نقل کر دیا کہ "حذیفہؓ کی قرأت میں "قد انشق ہے" حالانکہ یہ مقصود کے قطعی مناسب نہیں ہے، کیونکہ حذیفہؓ کی قرأت تو اس کے معجزہ ہونے میں نص[2] ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ قول صرف ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے، تو کہا جائے گا کہ پھر عبارت کے کچھ حصے کو حذف کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ کشاف[3] کی اصل عبارت یوں ہے کہ:

وَعن بعض الناس ان معناہ ینشق یوم القیامۃ وقولہ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، یردہ	"بعض لوگوں نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ چاند قیامت کے دن دو ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن آگے باری تعالیٰ کا ارشاد وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً الخ

[1] یعنی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا"
(کشاف، ص ۴۳۱، ج ۴ و تفسیر بیضاوی مصری ص ج)
[2] اس لئے کہ اس میں لفظ "قد" استعمال کیا گیا ہے جس کے ہوتے ہوئے مستقبل کے معنی کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا،
[3] تفسیر کشاف، ص ۴۳۱ ج ۴ مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ ۱۳۶۵ھ،

وكفى به رداً قراءة حذيفة قد انشق القمر اي وقد حصل من آيات اقترابها ان القمر قد انشق كما تقول اقبل الامير وقد جاء البشير لقدومه وعن حذيفة[1] رضـ انه خطب بالمدائن ثم قال الا ان الساعة قد اقتربت ان القمر انشق على عهد نبيكم،

(یعنی یہ کافر جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چلتا جادو ہے) اس قول کی تردید کرتا ہے، اس کے علاوہ حضرت حذیفہ رض کی قرأت بھی اس کی تردید کرتی ہے، جس میں قَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ کے الفاظ ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی، اور قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے یعنی شقِ قمر ظاہر ہوگئی، باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے تم کہو کہ "امیر آرہا ہے" حالانکہ اس کا پیامبر آرہا ہو نیز حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ انھوں نے مدائن میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سن لو! قیامت قریب آگئی، اور چاند خود تمھارے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں دو ٹکڑے ہوگیا۔

رہا پادری صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ "السَّاعَةُ" معرّف باللام ہے، اسی طرح یہ کہنا کہ جملہ انشق القمر بسبب واوِ عطف کے ماقبل سے ملحق ہے، سو ان دونوں چیزوں سے ان کا مقصود قطعی حاصل نہیں ہوتا، غالباً وہ یہ سمجھے کہ لفظ "الساعۃ" کے معنی چونکہ

---

[1] قال الحافظ ابن حجرؒ: "اخرجه الحاكم والطبراني وابو نعيم عن ابن عبد الرحمن بهذا واتمّ" (الكافي الشاف على هامش الكشاف)

قیامت کے ہیں، اور شقِ قمر اس کی علامات میں سے ہے، اس لئے اس کا اس کے ساتھ متصل ہونا اور اسی روز واقع ہونا ضروری ہے، اس غلط فہمی کا منشا محض تأمل اور غور نہ کرنا ہے،

سورۂ محمدؐ میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا،	"اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آکھڑی ہو ان پر اچانک، سو آچکی ہیں اس کی نشانیاں"

س میں "فقد جاء اشراطھا" کے الفاظ اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اسکی علامات واقع ہو چکی ہیں، کیونکہ لفظ "قد" جب فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو وہ صاف اس امر کی ضمانت ہوتا ہے کہ یہ فعل زمانۂ ماضی میں واقع ہو چکا ہے، جو حال کے قریب ہو، اس لئے مفسرین نے اس قول کی تفسیر اس طرح پر کی ہے:۔

بیضاوی میں ہے کہ:

"کیونکہ اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، اور انشقاق قمر"

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ:

"اشراط سے مراد علامات ہیں، مفسرین کہتے ہیں کہ جیسے شقِ قمر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت"

اور جلالین میں ہے کہ:

"یعنی قیامت کی علامتیں جن میں آپؐ کی بعثت اور شقِ قمر اور دخان ہے"

اور حسینی کی عبارت بھی بیضاوی کی طرح ہے،

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ "جس طرح پہلا فعل اقتربت الساعۃ مستقبل کے معنی میں ہو الخ"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ وہ بھی ماضی ہی کے معنی میں ہے، اور فارسی میں اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ

"روزِ قیامت خواہد آمد"[1] درست نہیں ہے، اور بعض لوگوں کا یہ قول مفسرین کے نزدیک

باطل اور مردود ہے، پھر پادری صاحب کہتے ہیں کہ:

"اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ شقِ قمر واقع ہوا تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو اس آیت میں نہ کسی دوسری آیت میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ معجزہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ظاہر ہوا"

جواباً ہم گذارش کریں گے کہ دوسری آیت اور صحیح احادیث اس کے معجزہ ہونے پر

دلالت کرتی ہیں، ان روایات کی صحت عقلی ضابطے کے مطابق ان محرّف اور اغلاط و

اختلافات سے بھری ہوئی انجیلوں سے کہیں زیادہ ہے، جن کی روایتیں آحاد کے ذریعے

اور وہ بھی بغیر سندِ متصل کے مروی ہیں، جیسا کہ آپ کو باب نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہو چکا ہے،

پھر پادری صاحب کہتے ہیں کہ:

"دوسری آیت کا پہلی آیت سے تعلق[2] یہ ہے کہ مسکرین آخری زمانے میں قیامت کی علامتوں کو دیکھیں گے، مگر ان پر ایمان نہ لائیں گے، گزشتہ کافروں کی عادت کے مطابق کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور کچھ بھی نہیں"

---

[1] یعنی قیامت آئے گی

[2] اس عبارت میں پادری صاحب مفسرین کی اس دلیل کا جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں انھوں نے کہا تھا کہ اگر شقِ قمر کا معجزہ واقع نہیں ہوا تو اگلی آیت وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً الخ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

یہ بات بھی دو وجہ سے غلط ہے، اوّل تو اس لئے کہ منکر عناد کی بناء پر انکار اسی وقت کیا کرتا ہے، اور کافر کسی خلاف عادت واقع ہونے والے کام کو جادو جب ہی کہا کرتا ہے جب کہ کوئی شخص اس خلافِ عادت صادر ہونے والے کام کی نسبت یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا معجزہ یا کرامت ہے، پھر جب آخری زمانے میں قیامت کی علامتیں بغیر اس دعوے کے پائی جائیں گی تو پھر منکرین کو انکار کی کیا ضرورت ہے، اور یہ کہنے سے کیا حاصل کہ یہ کھُلا ہوا جادو ہے، ؟

دوسرے یہ کہ شقِ قمر زمانۂ مستقبل میں قیامت ہی کے روز ہو سکتا ہے، پھر عین قیامت کے روز جب کافر اپنی آنکھوں سے قیامت کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے، اس وقت یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شخص پادری صاحب کی طرح عاقل معاند ہو تو شاید وہ اپنے زعم کی بناء پر ایسی بات کہہ دے، یا خود پادری صاحبؔ اور ان جیسے دوسرے علماء پروٹسٹنٹ اپنی قبروں سے زندہ نکلنے کے بعد یہ اعتراض کر دیں، کیونکہ ان کے دلوں میں دین محمدی کا بغض وعناد کوٹ کوٹ بھرا ہے، پھر پادری صاحب لکھتے ہیں :

"اور اگر یہ معجزہ آپ کے ہاتھوں ظاہر ہوا ہوتا تو آپؐ اُن مخالفین و معاندین کو اطلاع دیتے جو آپؐ سے معجزے کے طالب تھے کہ دیکھو میں نے فلاں وقت چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس لئے اب تم کو کفر سے باز آجانا چاہئے "

اس کے مکمل جواب کے لئے ناظرین کو فصل دوم کے انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑے گی، انشاء اللہ وہاں اس کا تفصیلی جواب دیا جائے گا ۔

ایک اور پادری صاحب کے اعتراضات

مصنف وجہۃ الایمان نے اس معجزے کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"بہت سے مفسرین جیسے زمخشری اور بیضاوی نے اس مقام پر یہ تفسیر کی ہے کہ چاند قیامت کے روز شق ہوگا، اور اگر یہ واقعہ واقع ہو چکا ہوتا تو سارے جہان میں اس کی شہرت عام ہوتی، کسی ایک ملک میں اس کے مشہور ہونے کے کوئی معنی نہیں"

ہمارے پچھلے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ دونوں باتیں یقینی طور پر غلط ہیں، یہ پادری صاحب میزان الحق کے مصنف سے بھی بہت آگے بڑھ گئے ہیں، کہ انھوں نے عقلی اور نقلی دلیل بھی پیش کر ڈالی، اور کشاف کے نام کی تصریح بھی کر دی، شاید انھوں نے میزان الحق کے پرانے نسخے کو دیکھ لیا ہوگا، جس میں کالبیضاوی وغیرہ لکھا ہو اور یہ سمجھا کہ وغیرہ سے مراد کشاف ہے، کیونکہ بیضاوی کو بمقابلہ دوسری تفسیروں کے کشاف سے بہت زیادہ مناسبت ہو، اس لئے کشاف کی تصریح کر دی، تاکہ میزان الحق کے مصنف سے ان کی فضیلت بڑھ جائے، حالانکہ صاحبِ کشاف نے اس سورۃ کی تفسیر کے شروع میں کہا ہے کہ:

"انشقاقِ قمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں اور آپؐ کے روشن معجزات میں سے ہے"

اور اس رسالے کے مصنف نے جو مولانا نعمت علی ہندی کے مکتوب کے جواب میں تالیف کیا گیا ہے اس معجزے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ معجزہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا، اور نہ تفسیروں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے"

سبحان اللہ! یہ صاحب تو اپنے دونوں پیشروؤں سے چار قدم آگے بڑھ گئے، ان صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بات کسی تفسیر سے ثابت نہیں ہوتی، غالباً پہلے پادری صاحب کے متعلق انھوں نے یہ قیاس کیا کہ پہلے پادری صاحبان نے جو کہا تھا کہ "بیضاوی وغیرہ کی طرح مفسرین نے یہی لکھا ہے" تو انھوں نے اسے سچ سمجھ لیا، پھر ان دونوں تفسیروں پر تمام تفسیروں کو قیاس کر ڈالا، اور دعویٰ کر دیا کہ کسی تفسیر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، تاکہ دونوں پیشروں پر اس کی فوقیت ثابت ہو جائے، اور اپنی قوم کے سامنے اس کا تبحر ظاہر ہو کہ ماشاء اللہ انھوں نے تمام تفسیروں کا مطالعہ کر لیا ہے،

غرض ہر پیچھے آنے والے نے اپنے پیشرو سے کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا، مگر یہ بات عیسائیوں کی عادت مستمرہ سے کوئی عجیب نہیں ہے، کیونکہ قرن اوّل میں عیسائیوں کے یہاں یہ طریقہ عام رہا ہے، جیسا کہ حواریوں کے رسالہ جات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے اور قرن ثانی عیسوی میں یہ چیز مستحسن قرار پا گئی تھی، جیسا کہ مورخ موشیم دوسری صدی کے علماء کی حالت بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۲ء جلد اوّل صفحہ ۶۵ میں کہتا ہے کہ:

"افلاطون اور فیثاغورس کے ماننے والوں میں یہ مقولہ مشہور ہے، کہ جھوٹ اور فریب سچائی کے بڑھانے اور اللہ کی عبادت کے لئے نہ صرف جائز ہیں بلکہ قابلِ تحسین ہیں، سب سے پہلے مصر کے یہودیوں نے مسیح سے قبل یہ مقولہ ان سے سیکھا، چنانچہ قدیم کتابوں سے یقینی طور پر یہ امر واضح ہوتا ہے، پھر اس ناپاک اور مہلک وبا کا اثر عیسائیوں میں داخل ہوا، جیسا کہ اُن کی بہت سی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے جو بڑے لوگوں کی جانب جھوٹ منسوب کی گئی ہیں،

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۶ میں گلتیوں کے نام پولس کے خط کے باب کی شرح میں کہتا ہے کہ:

"یہ چیز محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں ابتدائی مسیحی صدیوں میں رائج تھیں، اور جھوٹے قصوں کی کثرت ہی نے لوقا کو انجیل لکھنے پر آمادہ کیا، اس قسم کی جھوٹی انجیلوں میں ستر سے زیادہ انجیلوں کا ذکر پایا جاتا ہے، ان جھوٹی انجیلوں کے بہت سے اجزاء اب بھی باقی اور موجود ہیں"

پھر جب اُن کے پہلوں نے ستر سے زیادہ انجیلوں کو بالکل خلاف واقعہ غلط طور پر مسیح و مریم و حوارئین کی جانب منسوب کر دیا، تو اگر یہ تینوں پادری صاحبان عامۂ مسلمین کو گمراہ کرنے اور مغالطے میں ڈالنے کے لئے بعض چیزوں کو قرآن کی تفسیروں کی طرف منسوب کر رہے ہیں، تو کوئی بھی تعجب نہ ہونا چاہئے،

آخری رسالے کی ہندوستان میں بڑی شہرت رہی، اور پادری لوگ مختلف شہروں میں بکثرت اس کو تقسیم کیا کرتے تھے، مگر جب بہت سے علمائے اسلام نے اس کا رد لکھا، اور ان کی تحریریں شہرت پذیر ہو گئیں، تب پادریوں نے اس کی تقسیم و اشاعت روک دی، اس کی تردید میں لکھی جانے والی تین کتابیں طبع ہوئیں، اوّل تحفۂ مسیحیہ، مصنفہ سید الدین ہاشمی، دوم تائید المسلمین، جو مجتہد شیعہ لکھنؤ کے کسی عزیز کی تصنیف ہے، سوم خلاصہ سیف المسلمین، جو فاضل حیدر علی قرشی کی تصنیف ہے،

معجزہ نمبر ۱۳، کنکریوں سے کفار کی ہلاکت

بیضاوی میں ہے کہ:

"منقول ہے کہ جب قریش ایک ٹیلے سے نمودار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریش ہیں جو تکبر اور فخر کے ساتھ تیرے رسول کی تکذیب کرتے آئے ہیں، اے اللہ! میں آپ سے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر جبریلؑ حاضرِ خدمت ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ایک مٹھی خاک کی لے کر ان کافروں کے مار دیجئے، پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باریک کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کے چہروں پر دے ماری، اور فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" اس کے بعد کوئی کافر ایسا نہ تھا جو اس وقت آنکھوں سے معذور نہ ہوگیا ہو، اور نتیجۃً کفار کو شکست فاش ہوئی، اور مسلمانوں نے ان کو قید اور قتل کرنا شروع کر دیا، پھر جب کفار مکہ واپس لوٹے تب بھی شیخی بگھارتے ہوئے ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا[1]"۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" یعنی اے محمدؐ آپ نے ان کو (ایسی) کنکریاں نہیں ماریں (جو ان کی آنکھوں تک پہنچ سکتیں، نہ آپؐ کو اس کی قدرت تھی جب کہ بظاہر آپ ہی مار رہے تھے) بلکہ اللہ نے اس پھینکنے کا نتیجہ مرتب فرما دیا (یعنی ان سب کی آنکھوں تک پہنچا دیا، یہاں تک کہ ان کو شکست ہوگئی، اور تم ان کی جڑ کاٹنے پر قادر ہوگئے)، امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ:

---

[1] تفسیر بیضاوی ص ۲۲ ج ۳ تفسیر سورہ انفال المطبعۃ العامرۃ استنبول ۱۳۱۴ھ،

"زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ یہ آیت بدر کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، ورنہ قصہ کے درمیان میں ایک بے جوڑ بات کا داخل کرنا لازم آئے گا، جو مناسب نہیں ہے، بلکہ کوئی بعید نہیں ہر کہ اسی کے تحت بقیہ واقعات بھی ہوں[1] اس لئے کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا۔"

ادھر مقدمہ میں آپ کو صاحب میزان الحق کے اعتراضات کا حال معلوم ہو چکا ہے جو انہوں نے اس معجزے پر کئے ہیں، اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے[2]،

معجزہ نمبر ۴، زوراء کے مقام پر انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا،

اکثر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کا ابلنا اور بہنا ثابت ہے، اپنی جگہ پر یہ معجزہ پتھر سے چشمہ جاری ہونے کے اس معجزے سے عظیم تر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا، کیونکہ پتھروں سے پانی کا نکلنا فی الجملہ عادت کے موافق ہے، مگر خون اور گوشت سے پانی کا برآمد ہونا سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی سے ثابت نہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عصر کی نماز کا وقت تھا، میں نے حضور کو دیکھا کہ لوگ آپ کے لئے پانی تلاش کر رہے ہیں مگر پانی نہیں ملتا تھا، اتفاق سے کچھ پانی

---

[1] مطلب یہ ہو کہ اگرچہ یہ آیت نازل بدر کے موقعہ پر ہوئی، لیکن اس میں کنکریاں مارنے کے وہ واقعات بھی داخل ہو گئے جو بدر کے علاوہ دوسرے مقامات پر پیش آئے، مثلاً غزوۂ حنین کے بارے میں بھی روایت ہے کہ آپ نے اسی طرح کنکریاں پھینکی تھیں،

[2] دیکھئے ص ۲۶۱ جلد اول،

دستیاب ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس برتن سے وضو کرنا شروع کردیں، اس دوران میں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی اُبل رہا ہے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے وضو کرلیا اور کوئی بھی محروم نہیں رہا، یہ معجزہ مقام زوراء میں مدینہ کے بازار کے قریب واقع ہوا[1]،

معجزہ نمبر ۵، حُدَیبیہ کے مقام پر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "حدیبیہ والے روز سب لوگ پیاس کی وجہ سے پریشان تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھوٹا سا مشکیزہ تھا، جس سے حضور ؐ نے وضو فرمایا، سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارے پاس ذرہ برابر پانی موجود نہیں ہے، سوائے اس مشکیزے کے، آپ نے اپنا دستِ مبارک مشکیزے میں رکھدیا، پھر کیا تھا، پانی آپؐ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح اُبل کر نکلنے لگا[2] وہاں حاضرین کی تعداد چودہ سو تھی،

---

[1] "اخرجہ الشیخان من طریق قتادۃ عن انس" (الخصائص الکبریٰ، ص ۲۰۰ ج ۲)

[2] "عطش الناس یوم الحدیبیۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین یدیہ رکوۃ فتوضأ منہا ثم اقبل علی الناس فقال مالکم قالوا لیس عندنا ماء نتوضأ بہ ولا نشرب الا ما فی رکوتک فوضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فی الرکوۃ فجعل الماء یفور من بین اصابعہ کامثال العیون" اخرجہ البخاری عن جابرؓ،
(الخصائص الکبریٰ، ص ۲۶۵ ج اول)

معجزہ نمبر ۶، غزوۂ بواط میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے جابر پانی کے لئے اعلان کر دو"، پھر طویل حدیث بیان کرتے ہوئے کہا "سوائے ایک سوکھے مشکیزے جس کے مُنہ میں ایک قطرہ پانی کا نظر آیا اور کہیں پانی کا وجود نہ تھا، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے اُس کو ڈھک کر کچھ پڑھا جس کا مجھ کو علم نہیں، پھر فرمایا کہ بڑا پیالہ منگاؤ، میں لے کر حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے رکھ دیا، حضور نے اس پیالے میں اپنی انگلیاں کشادہ فرما کر ہاتھ رکھ دیا،" اور حضرت جابرؓ نے وہ قطرہ آپ کے ہاتھ پر نچوڑا، پھر بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کو جوش مارتے اور اُبلتے ہوئے دیکھا، پھر پیالہ اُبلنے اور گھومنے لگا، یہاں تک کہ لبریز ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا، یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے، میں نے اعلان کیا کہ کسی اور صاحب کو پانی کی ضرورت ہے؟ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس سے اٹھالیا، اور وہ بدستور لبریز تھا۔[1] یہ معجزہ غزوۂ بواط میں صادر ہوا،

معجزہ نمبر ۷، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک کے قصے میں منقول ہے کہ: "لوگ ایک ایسے چشمے پر پہونچے جس میں بقدر تسمہ کے پانی بہہ رہا تھا، لوگوں نے چلّو

[1] اخرجہ مسلم فی باب حدیث جابر الطویل، ص ۴۱۵ ج ۲،

بھر بھر کر کچھ پانی جمع کیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روئے مبارک اور ہاتھوں کو دھویا، اور وہ دھوون اُس پانی میں ڈال دیا، پھر کیا تھا، بے شمار پانی بہنے لگا، یہاں تک کہ لوگ سیراب[1] ہوگئے، ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ "اُس دن اس قدر پانی نکلا کہ اس کی آواز پر بجلیوں کے کوندنے کا شبہ ہوتا تھا" پھر فرمایا کہ اے معاذؓ اگر تمھاری عمر طویل ہوئی تو تم عنقریب اس مقام کو دیکھو گے کہ باغات سے بھرا پڑا ہے،

معجزہ نمبر ۸، حضرت عمرانؓ کی حدیث

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو شدید پیاس نے پریشان کیا تو آپ نے دو صحابیوں کو یہ کہہ کر روانہ کیا کہ تم کو فلاں مقام پر ایک عورت ملے گی جس کے اونٹ پر دو مشکیزے پانی کے لدے ہوئے ہیں، ان دونوں صاحبوں نے اس عورت کو لاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مشکیزوں سے کچھ پانی نکال کر ایک برتن میں ڈالا، پھر اس پر کچھ کلمات پڑھے، پھر وہ پانی بدستور اُن مشکیزوں میں ڈال دیا اور دونوں کے مُنہ کھول دیئے گئے، آپ نے لوگوں کو حکم دیا، اور انھوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے، یہاں تک کہ کوئی برتن باقی نہیں رہا جس کو انھوں نے بھر نہ لیا ہو،

---

[1] اَنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی عین تبوک وہی تبضّ بشیئٍ من ماء فغرفوا بایدیہم من العین قلیلاً حتی اجتمع شیئٌ فغسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ یدیہ ووجہہ ثم اعادہٗ فیہا فجرت العین بماءٍ کثیر فاستقی الناس" اخرجہ مالکؒ عن معاذ بن جبلؓ (جمع الفوائد ص ۱۵۴ ج ۲) وزاد فیہ ابن اسحٰق "فانخرق من الماء حتّی کان یقول من سمعہ ان لہ حسًا کحسّ الصواعق ثم قال یوشک یا معاذؓ ان طالت بک الحیاۃ ان تری ما ہہنا ملئ جنانًا (الخصائص ۲۷۳ ج ۱)

عمران رضی اللہ عنہ کا بیان ہے مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ دونوں مشکیزے بدستور بھری ہیں، پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا، اور اس عورت کے لئے کچھ کھانا اور توشہ جمع کیا گیا، یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر گیا، پھر حضور ؐ نے اس سے فرمایا کہ اب تم جا سکتی ہو، ہم نے تمھارے پانی میں سے کچھ بھی نہیں لیا، بلکہ اللہ نے ہم کو سیراب کیا ہے[۱]،

معجزہ نمبر ۹، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بارش کی دُعا،

جیشِ عسرت[۲] والے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی پیاس کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرتا تھا، اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر اس سے جو گندہ پانی نکلتا تھا اس کو پی لیتا تھا[۳]، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء

---

[۱] اخرجہ الشیخان مطولاً عن عمران بن حصین رضؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۳ ج ۲)

[۲] "جیش عسرت" کے لغوی معنی ہیں "تنگی کا لشکر" اور یہ غزوۂ تبوک کا لقب ہے جو مسلمانوں کی تنگدستی کی بناء پر غالباً خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا تھا،

[۳] یہ ایک روایت میں ہے، اور زیادہ صحیح روایات میں یہ آیا ہے کہ صحابہؓ نے پیاس کی شدت سے عاجز آکر اسے پی لینے کی اجازت چاہی تھی، مگر ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسا نہ کیا جائے، بلکہ جس جس کے پاس جتنا توشہ ہو وہ لاکر آپؐ کے پاس جمع کردے، اور آپؐ اس میں برکت کی دعاء فرمائیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، (اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ، کذا فی الخصائص ص ۲۷۳، ج اول) خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا مصنفؒ نے تذکرہ فرمایا ہے، اس کے جو الفاظ علامہ سیوطیؒ نے ابن راہویہ، ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن عساکر کے حوالے سے نقل کئے ہیں اس میں بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے، (دیکھئے خصائص ص ۲۷۴، ج اول) (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کیلئے عرض کیا آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ابھی آپ نے دعا ختم بھی نہ کی تھی کہ بارش برسنا شروع ہوگئی، لوگوں نے اپنے اپنے تمام برتن پانی سے بھر لئے، مگر بارش کا سلسلہ مسلمانوں کے لشکر تک محدود رہا، اور کسی جگہ بارش کا نشان و اثر تک نہ تھا،

معجزہ نمبر ۱۰ ایک شخص کے کھانے میں برکت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ سے کھانے کا سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آدھا وسق جو کھانا عطا فرمایا جس میں سے وہ شخص مدت تک خود بھی اور اس کی بیوی بھی نیز آیا گیا مہمان بھی برابر کھاتے رہے، اور کبھی اُس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے ناپا اور اندازہ کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس کو نہ ناپتے تو اسی طرح ہمیشہ کھاتے رہتے، اور وہ تمہارے پاس باقی رہتا[1]،

معجزہ نمبر ۱۱ چند روٹیاں اسّی آدمیوں نے کھائیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۸۶) چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا، سب نے تھوڑا تھوڑا کھانا لاکر جمع کر دیا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی، اور اس طرح بھوک کا علاج ہوگیا، پھر حضرت ابوبکرؓ کی درخواست پر آپ نے بارش کی دعا فرمائی، اور اس کے بعد بارش ہوئی، (کنز العمال ص ۲۷۰، ج ۶ بحوالہ بزار وغیرہ، والخصائص بحوالہ ابی نعیم عن عباس بن سہلؓ، ص ۲۷۵، ج اوّل)

[1] "جاء رجل یستطعمہ فاطعمہ شطر وسق شعیر فما زال ذٰلک الرجل یأکل منہ وامرأتہ وضیفہما حتی کالہ ففنی"، الحدیث اخرجہ مسلم عن جابرؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶، ج ۲)،

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند جَو کی روٹیاں جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغل میں دبا کر لائے تھے، اسّی صحابیوں کو کھلائیں، اور سب شکم سیر ہوگئے[1]

معجزہ نمبر ۱۲، حضرت جابرؓ کے کھانے میں برکت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق والے دن ایک ہزار مجاہدین کی کثیر جماعت کو صرف ایک صاع جَو کی روٹیاں اور ایک بکری کے چھوٹے بچے کا گوشت کھلایا، حضرت جابرؓ قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اس پورے لشکر نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، پھر بھی کھانا اسی طرح بچا رہا اور سالن کی ہانڈی بدستور سابق کھول رہی تھی، اور آٹے سے بدستور روٹیاں پک رہی تھیں، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے میں اور ہانڈی میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا تھا، اور دعاء برکت کی تھی[2]

معجزہ نمبر ۱۳، حضرت ابو ایوبؓ کی دعوت میں کھانے کی زیادتی

ابو ایوب انصاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اندازے سے صرف اس قدر کھانا تیار کیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے کافی ہوجائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرفائے انصار کے تیس ۳۰ افراد کو طلب فرمایا، اور ان کو بھی

---

[1] اخرجہ الشیخانؒ و مالکؒ فی الموطا، و الترمذیؒ، عن انسؓ فی حدیث طویل (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)

[2] اخرجہ الشیخان عن جابر فی قصۃ طویلۃ (جمع الفوائد، ص ۱۹۵ ج ۲)،

دعوت میں شریک فرمایا، سب لوگ شکم سیر ہو کر فارغ ہوگئے، مگر اس کھانے میں کوئی فرق نہ آیا، پھر فرمایا کہ ساٹھ آدمی اور بلائے جائیں، وہ بھی آئے اور کھا کر فارغ ہوگئے، پھر فرمایا کہ ستر آدمی اور بلاؤ، وہ بھی آئے اور پیٹ بھر سب نے کھانا کھایا، اور وہ کھانا بدستور سابق موجود تھا، اس معجزے کو دیکھ کر آنے والوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو اسلام نہ لایا ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت نہ کی ہو، ابوایوب رضؓ فرماتے ہیں کہ اس طرح میرے اس قلیل مقدار کھانے کو ایک سو اسی (۱۸۰) آدمیوں نے کھایا[1]،

معجزہ نمبر ۱۴، حضرت سمرہ رضؓ کی روایت

سمرۃ بن جندب رضؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ گوشت کسی نے ہدیۃً پیش کیا، حضورؐ صبح سے شام تک تمام آنے والوں کو یکے بعد دیگرے اس میں سے کھلاتے رہے، ایک گروہ کھا کر فارغ ہوتا تو دوسری جماعت بیٹھ جاتی، یہ سلسلہ تمام دن جاری رہا[2]۔

معجزہ نمبر ۱۵، حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی حدیث

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضورؐ کی مجلس میں ایک بار ایک سو تیس

---

[1] صنعت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً ولأبی بکر رضؓ قدر ما یکفیہما فأتیتہما بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذہب فادع لی ثلثین من اشراف الانصار (وفیہ) فاکلوا حتی صدروا ثم شہدوا انہ رسول اللہ" الحدیث اخرجہ البیہقی والطبرانی وابونعیم عن ابی ایوب رضؓ (الخصائص ص ۴۷، ج ۲)

[2] "کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نتداول من قصعۃ من غدوۃ حتی اللیل تقوم عشرۃ وتقعد عشرۃ" اخرجہ الترمذی عن سمرۃ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)

زاد تھے کہ ایک صاع گندم کا آٹا گوندھا گیا، اور ایک بکری کی کلیجی بھونی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک شخص کو اس میں کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا، پھر اس کو دو پیالوں میں کر دیا، جس کو ہم ایک سو تیس آدمیوں نے کھایا، خدا کی قسم اہم شکم سیر ہوگئے، اور دونوں پیالوں میں پھر بھی کچھ بچ گیا جس کو میں نے اپنے اونٹ پر رکھ لیا۔[1]

معجزہ نمبر ۱۶، غزوۂ تبوک کا واقعہ

سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ، اور عمر بن خطابؓ تینوں صاحبوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے فاقے اور بھوک کی شدت کا حال بیان کرتے ہوئے جس کی نوبت کسی غزوہ میں پیش آئی تھی ذکر کیا ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے جو مقدار کھانے کی جس کے پاس فاضل تھی طلب کی، کسی کے پاس ایک مٹھی، کسی کے پاس کچھ زیادہ، سب سے بڑھ کر جو شخص لایا وہ ایک صاع خشک کھجور تھی، یہ سب چیزیں چمڑے کے دسترخوان پر جمع کر دی گئیں حضرت سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے سارے ڈھیر کا تخمینہ لگایا تو اتنا اونچا تھا جس قدر بیٹھی ہوئی بکری کی اونچائی ہوتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع برتنوں کے طلب کیا، اور جس قدر ظروف اور برتن لشکر میں تھے سب اس ڈھیر سے بھر لیے گئے، مگر پھر بھی باقی بچ گیا۔"[2]

---

[1] اخرجہ الشیخان عن عبد الرحمن بن ابی بکرؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)

[2] اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ و ابن راہویہ و ابویعلیٰ و ابو نعیم و ابن عساکر عن عمر بن الخطابؓ (الخصائص، ص ۱۶۳ ج ۱) والشیخانؒ عن سلمۃ بن الاکوعؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۵ ج ۲)

معجزہ نمبر ۱۷ حضرت زینبؓ کی رخصتی کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو مجھ کو حکم دیا کہ فلاں فلاں شخص کو جن کے نام حضورؐ نے بتا دیئے بلا لاؤ، چنانچہ سب لوگ آگئے، اور پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا پیالہ جس میں تقریباً ایک مُد کی مقدار کھجوروں کا حلوا تیار کیا گیا تھا پیش کیا، اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈبو دیں، لوگ کھا کر فارغ ہوتے رہے، اور جاتے رہے، یہاں تک کہ تمام مہمان کھا چکے، مگر پیالے میں جس قدر مقدار تھی اس میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا"[۱]

معجزہ نمبر ۱۸ حضرت فاطمہؓ کے کھانے میں برکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہم دونوں کے لئے ایک ہانڈی سالن پکایا، اور مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا، تاکہ حضورؐ بھی ہمارے ساتھ شریکِ طعام ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ نے تمام ازواجِ مطہراتؓ کے لئے ایک ایک بڑا پیالہ جس سے پانچ آدمی بفراغت سیر ہو سکتے ہیں بھر بھر کر دیا، پھر ایک پیالہ حضورؐ کے لئے پھر حضرت علیؓ کے لئے، اسی طرح ایک پیالہ

---

[۱] اخرجہ ابو نعیم و ابن عساکر عن انس فی حدیث طویل (الخصائص، ص ۴۶ ج ۲)

خود اپنے لئے بھرا، پھر بھی ہانڈی کو جب اٹھایا گیا تو وہ بدستور لبریز تھی، اور ہم سب نے جس قدر خدا کو منظور تھا کھایا[1]"

معجزہ نمبر ۱۹، حضرت جابرؓ کے پھلوں میں برکت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے ذمہ جو لوگوں کا قرض تھا اس کی ادائیگی کا عجیب واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

"میں نے قرضخواہوں کو اصل مال ادا کرنے کی پیشکش کی جس کو انھوں نے منظور نہیں کیا، اور باغ کے پھلوں کی پیداوار میں پورا قرض ادا ہونیکی صلاحیت نہیں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب پھلوں کو توڑنے اور ان کو درختوں کی جڑوں میں ڈھیر لگانے کا حکم دیا، اور تشریف لاکر اس کے ارد گرد پھر کر دعاء برکت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض خواہوں کا پورا قرض اس میں سے ادا کر دیا، پھر بھی اس قدر بچ گیا جس قدر ہر سال بچتا تھا[2]"

معجزہ نمبر ۲۰، حضرت ابوہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ لوگوں پر بھوک اور فاقہ کی شدت غالب ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم،

---

[1] "یا رسول اللہ عندنا طعام فہلم نجاء والقدر تفور فقال اغرفی لعائشۃ فغرفت فی صحفۃ ثم قال اغرفی لحفصۃ فغرفت فی صحفۃ حتی غرفت لجمیع نسائہ التسع ... وفیہ ثم رفعت القدر وانہا لتفیض فاکلنا منہا ماشاء اللہ" (اخرجہ ابن سعد عن علیؓ (الخصائص ص ۴۸، ۴۹ ج ۲)

[2] اخرجہ الشیخان والحاکم والبیہقی عن جابرؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۵۲، ۵۳ ج اوّل)

نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کچھ موجود ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مشکیزہ میں تھوڑی کھجوریں ہیں، فرمایا: میرے پاس لاؤ، پھر اپنا ہاتھ اس میں ڈالا، اور ایک مٹھی بھر کر نکالی، اور پھیلا کر دعائے برکت فرمائی، پھر فرمایا دس آدمیوں کو بلا لاؤ، چنانچہ آنے والے شکم سیر ہو کر چلے گئے، پھر اسی طرح دس آدمیوں کو بلایا، وہ بھی فارغ ہو گئے، یہاں تک کہ سارے لشکر نے پیٹ بھر لیا، پھر مجھ سے فرمایا: جس قدر تم لائے تھے اُس قدر لیلو، اور اُسے اُلٹنا نہیں، اپنا ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر لو، میں جس قدر لایا تھا اُس سے زیادہ مٹھی بھر کر نکال لی، اس بابرکت غلّہ میں سے میں خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں، پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں کھاتا رہا، اور دوسروں کو بھی کھلاتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جب میرا سامان لُٹ گیا، تو وہ غلّہ بھی لوٹ لیا گیا، اور میں اس سے محروم ہو گیا[1]

اور کھانے کی مقدار کا غیر معمولی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے بڑھ جانے کا معجزہ دس صحابیوں سے زیادہ اشخاص سے منقول ہے، ان سے نقل کرنیوالے تابعین صحابہؓ سے بھی دوگنے ہیں، اور ان کے بعد اس واقعہ کو

---

[1] اخرجہ البیہقی وابو نعیم عن ابی ہریرۃؓ (الخصائص ص ۵۱ ج ۲) جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس دن حضرت ابوہریرۃؓ یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ الْيَوْمَ هَمَّان ٭ فَقْدُ الْمَزَادِ وَقَتْلُ الشَّيْخِ عُثْمَانْ

یعنی "آج لوگوں کو تو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں، ایک مشکیزے کی گمشدگی اور دوسرے حضرت عثمانؓ کی شہادت" اس شعر میں حضرت ابوہریرۃؓ نے جو مشکیزے کی گمشدگی کے غم کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مشکیزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ اور بہت بابرکت تھا،

نقل کرنے والے اتنے بے شمار ہیں کہ ان کی گنتی مشکل ہے، پھر یہ واقعات عام اور مشہور اجتماعات میں پیش آئے جن کو سچائی کے ساتھ نقل کرنا ضروری ہے، ورنہ دوسرے لوگوں کی جانب سے تکذیب کا خطرہ ہوتا ہے،

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں تھوڑی مقدار کھانے، یا پانی کو منگا کر اس کو زیادہ کیا، ابتداء ہی سے بہت سا کھانا یا پانی عدم سے وجود میں کیوں نہیں لائے؛ اس کا منشاء محض صورتاً ادب کا لحاظ رکھنا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل موجد باری تعالیٰ ہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے محض برکت حاصل ہوئی، اگرچہ زیادتی اور تکثیر بھی ایجاد کی طرح حقیقتاً اللہ ہی کی جانب سے ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کا شیوہ اس معاملے میں ادب ہی کا رہا ہے، جیسا کہ الیاس علیہ السلام کا معجزہ بیان کیا جاتا ہے جن کی برکت سے ایک بیوہ کے گھر میں آٹے اور تیل کی مقدار بڑھ گئی تھی، جیسا کہ کتاب سلاطین اوّل کے باب ۱۷ میں تصریح موجود ہے، یا الیسع علیہ السلام کا معجزہ جن کی دعاء سے ایک رُومال بھر کر آٹے کی پکی ہوئی صرف بیس روٹیاں ایک سو آدمیوں کو کافی ہوگئیں، اور پھر بھی بچ گئیں، جیسا کہ کتاب سلاطین دوم باب ۴ میں صاف لکھا ہے، یا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں میں برکت واقع ہوگئی، جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۴ میں تصریح ہے،

معجزہ نمبر ۲۱، درخت کی شہادت

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

نزدیک آیا، آپؐ نے اس سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے گھر جارہا ہوں فرمایا کہ کیا تجھ کو مجھ سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی رغبت ہے؟ اس نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دیہاتی بولا آپ کے دعوے کا کیا ثبوت ہے؟ اور اس پر کون شاہد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کے کنارے کھڑے ہوئے ایک درخت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیری کا درخت شاہد ہے، یہ کہتے ہی فوراً وہ درخت زمین پھاڑتا ہوا حضورؐ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، آپؐ نے اس سے تین مرتبہ گواہی کا مطالبہ کیا، اور اس نے ہر بار شہادت دی کہ آپؐ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپؐ نے فرمایا، پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا[۱]"

معجزہ نمبر ۲۲، درخت تابع فرمان ہوگئے،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے، مگر اس میدان میں کوئی چیز پردے کی نہ تھی، میدان کے کنارے دو درخت کھڑے

---

[۱] الحدیث طویل وفیہ: قال ہل من شاہد علی ما تقول، قال ہذہ الشجرۃ فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی بشاطئ الوادی...... حتی جارت بین یدیہ فاستشہدہا ثلثا فشہدت انہ کما قال ثم رجعت الی منبتہا" اخرجہ الدارمی وابویعلی والطبرانی والبزار وابن حبان والبیہقی وابونعیم بسند صحیح عن ابن عمرؓ، (الخصائص الکبریٰ ص ۳۶ ج ۲)

تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کی جانب بڑھے، اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر فرمایا، کہ خدا کے حکم سے میری مطیع بن جا، وہ ٹہنی حضورؐ کے ساتھ ساتھ اس طرح تابع ہو کر چلنے لگی جس طرح وہ اونٹ اپنے مالک کا مطیع بن کر چلتا ہے جس کی ناک میں لکڑی ڈالدی گئی ہو، پھر آپؐ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا، یہاں تک کہ جب دونوں درختوں کے درمیان آپؐ کھڑے ہوگئے تو فرمایا: "اب تم دونوں اللہ کے حکم سے آپس میں مل کر مجھ پر جھک جاؤ، چنانچہ وہ دونوں شاخیں باہم مل گئیں، اور حضورؐ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ گئے، میں اس حیرت خیز معاملے کو دیکھ کر ایک جگہ بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا، کہ اچانک حضورؐ کو آتا ہوا دیکھا، اور وہ دونوں درخت حسب معمول سابق الگ الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ آگئے تھے"[1]

معجزہ نمبر ۲۳، درخت خرما نے آپؐ کو سلام کیا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ اگر میں اس درخت خرما کے گچھے کو بلاؤں (اور وہ آجائے) تو کیا تم میری رسالت کا اقرار کروگے؟" اس نے کہا "بے شک" آپؐ نے کھجوروں کے گچھے کو بلایا، اور وہ آپؐ کے پاس آگیا، پھر فرمایا کہ واپس چلا جا، تو وہ اپنی جگہ واپس ہوگیا۔[2]

---

[1] سرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزلنا وادیاً الخ فذھب صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ" الحدیث طویل اخرجہ مسلم وزاد فیہ الدارمی قصۃ الشجرتین (جمع الفوائد، ص ۱۹۹، ۲۰۰ ج ۲، بیان معجزات متنوعہ)

[2] یہ روایت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ درخت نے آکر آپؐ کو سلام کیا، اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ خود اعرابی نے یہ مطالبہ کیا تھا (جمع الفوائد، ص ۱۹۲ ج ۲ من کلام الحیوانات)

معجزہ نمبر ۲۴، ستون کا آپؐ کے لئے رونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"مسجد نبویؐ کی چھت کھجوروں کے تنوں پر قائم تھی، ان میں سے ایک تنے کے سہارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکڑی کا منبر تیار کر لیا گیا، تو ہم نے اس تنے میں سے ایسی دردناک آواز سنی جیسا کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی آواز ہوتی ہے[1]"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "اس کی آواز سے تمام مسجد گونج گئی[2]" اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "لوگ بھی اس کی حالت کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑے[3]"

اور مطلب[4] کی روایت میں ہے کہ: "یہاں تک کہ کھجور کا وہ تنہ شدتِ صدمۂ فراقِ نبویؐ کی وجہ سے پھٹ گیا، پھر جب حضورؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا

---

[1] کان جذع یقوم الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما وضع لہ المنبر سمعنا للجذع مثل اصوات العشار" الحدیث اخرجہ البخاری عن جابر بن عبداللہؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۷۵، ج ۲)

[2] حتی ارتج المسجد بخوارہ" اخرجہ الدارمی والترمذی وابو یعلی والبیہقی وابو نعیم عن انس (الخصائص ۷۶، ج ۲)

[3] فرقوا من خنینہا حتی کثر بکاؤہم" اخرجہ ابن سعد وابن راہویہ فی مسندہ والبیہقی عن سہل ابن سعد الساعدی (الخصائص)

[4] حتی تصدع وانشق حتی جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمسحہ بیدہ حتی سکن" اخرجہ الشافعی واحمد والدارمی وغیرہ عن ابی بن کعبؓ، (کنز العمال ص ۲۹۲، ج ۶، والخصائص ص ۷۶، ج ۲) ولم أر فی حدیث المطلب ہذا اللفظ ولیس عندہ ذکر التصدع والانشقاق، فلعل المصنفؒ سامح فی ہذہ واللہ اعلم،

اس کو سکون ہوا"

اس تنے کے رونے اور بلبلانے کی روایت سلف و خلف سب کے نزدیک اپنے مبنیٰ کے لحاظ سے تو مشہور ہے، مگر بلحاظ اپنے معنیٰ کے متواتر ہے، جو علمِ یقینی کے لئے مفید ہے، جس کو دس صحابہؓ سے زیادہ حضرات نے روایت کیا ہے، جن میں اُبی ابن کعب، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد الساعدی ابوسعید خدری، بریدہ، ام سلمہ، مطلب بن وداعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے بزرگ بھی ہیں، یہ سب حضرات معنیٰ حدیث بیان کرنے میں متحد ہیں، اگرچہ الفاظ اُن کے مختلف ہیں، اس لئے تواترِ معنوی حاصل ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے،

معجزہ نمبر ۲۵، بُت اشارے سے گر پڑے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بیت اللہ کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے، جن کے پاؤں پتھروں میں سیسہ ڈال کر جمائے گئے تھے، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے، آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے بُت کی طرف اشارہ کرتے ..... اور پڑھتے جاتے تھے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، کسی بُت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، مگر جس بُت کے مُنہ کی طرف اشارہ ہوتا تھا وہ اُلٹا ہو کر گرتا جاتا تھا، اور جس کی گدّی کی جانب اشارہ کرتے تھے وہ اوندھے مُنہ گر پڑتا تھا یہاں تک کہ تمام بُت گر پڑے[1]"

[1] اخرجہ البیہقی وابونعیم وابن اسحٰق وابن مندہ عن ابن عباسؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۶۴ ج اول) وفی الباب عن ابن عمر وغیرہ

معجزہ نمبر۲۶- مُردوں کا بولنا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی، وہ کہنے لگا کہ میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جبتک میری مُردہ لڑکی کو زندہ نہ کردیں، حضورؐ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر دکھاؤ، اس نے لڑکی کی قبر دکھائی، حضورؐ نے آواز دی کہ اے فلانی! قبر میں سے آواز آئی کہ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ، حضورؐ نے پوچھا کہ کیا تو دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے؟ لڑکی نے جواب دیا، نہیں، خدا کی قسم! یارسول اللہؐ اپنے خدا کو اپنے ماں باپ سے بہتر اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا[1]"

معجزہ نمبر۲۷، بکری زندہ ہوگئی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کی، اور پکا کر ایک پیالہ میں ثرید بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک کے سب حاضرین نے اس کو کھایا، حضورؐ فرماتے جاتے تھے کہ خوب کھاؤ، لیکن ہڈی مت توڑنا، فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہڈیوں کو جمع فرما کر کچھ پڑھا، فوراً وہ بکری زندہ ہوکر کان ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی[2]"

---

[1] لم أجد هذه الرواية في الكنز ولا في الخصائص ولا في جمع الفوائد، واللّٰه أعلم،

[2] أنه جمع العظام في وسط الجفنة فوضع يده عليها ثم تكلم بكلام لم اسمعه فاذا الشاة قد قامت تنفض اذنيها۔ الحديث اخرجه ابونعيم عن كعب بن مالك (الخصائص ص ٦٧ ج ٢)

معجزہ نمبر ۲۸، غزوۂ اُحد کے دو واقعات

سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو تیر دیتے جاتے تھے جس میں پیکان نہ تھی، اور فرماتے جاتے تھے کہ مارو، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی کمان سے برابر تیر مارتے رہے، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی[1]،

اسی روز اتفاق سے حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ بھی کسی زد میں آکر نکل پڑی، اور ان کے رخسار پر لٹک گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھ اس کی جگہ رکھدی کہ پہلے سے بھی زیادہ حسین اور خوبصورت ہوگئی[2]"

معجزہ نمبر ۲۹۔ نابینا کو شفا ہوگئی،

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ایک نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری بینائی کی واپسی کے لئے خدا سے دعاء فرمادیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرکے دو رکعت پڑھو، پھر یوں دعاء مانگو کہ اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آپ کے نبی کے وسیلے سے جن کا نام محمدؐ ہے، اور جو رحمت والے نبیؐ ہیں، اے محمدؐ میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بینائی لوٹا دے، اے اللہ ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرمائیے، وہ کہتے ہیں کہ

---

[1] اخرجہ الشیخان عن سعدؓ (جمع الفوائد، ص ۴۶، ج ۲)

[2] اخرجہ الطبرانی وابونعیم عن قتادہؓ (الخصائص ص ۲۱۸، ج ۱ و جمع الفوائد، ص ۴۸ ج ۲)،

وہ نابینا اس حال میں واپس گئے کہ اُن کی بینائی لوٹ آئی تھی[۵۱]۔

معجزہ نمبر ۳۰، مریضوں کی شفاء کے مزید واقعات

ابن ملاعب الاسنہ استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، انھوں نے کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے کے لئے بھیجا، حضورؐ نے زمین سے ایک مٹھی خاک کی اٹھا کر اس پر اپنا لعابِ دہن ڈال دیا، اور آنے والے قاصد کو دی، اس نے بڑی حیرانی کے ساتھ لے لی، اور یہ خیال کیا کہ اس کے ساتھ حضورؐ نے مذاق کیا ہے چنانچہ وہ اس کو لے کر مریض کے پاس آیا، اُس نے اس مٹی کو پانی میں ڈال کر پی لیا، اللہ نے اس کو شفاء عطا فرمائی[۵۲]۔

معجزہ نمبر ۳۱

حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں[۵۳] کہ میرے والد نابینا ہو گئے، یہاں تک کہ دونوں آنکھوں سے نظر آنا بالکل بند ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر پھونک ماری

---

۵۱ اخرجہ الحاکم فی المستدرک (ص ۵۲۶، ج اوّل)

۵۲ اخرجہ الواقدی وابونعیم عن عروۃؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۷۱، ج ۲، آیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابراء المرضیٰ)

۵۳ اَنّ اباہ خرج بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعیناہ مبیضتان لایبصر بہما شیئاً..... فنفث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عینیہ فابصر فرأیتہ وہو یدخل الخیط فی الابرۃ وانہ لابن ثمانین سنۃ" الحدیث اخرجہ ابن ابی شیبۃ وابن السکن والبغوی والبیہقی والطبرانی وابونعیم عن حبیب بن فدیکؓ (الخصائص ص ۶۹، ج ۲)

جن سے اُن کو نظر آنے لگا، یہاں تک کہ میں نے اُن کو بڑھاپے کے زمانے میں اسّی سال کی عمر میں سوئی پروتے ہوئے دیکھا۔

معجزہ نمبر ۳۲

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں جنگِ خیبر کے موقع پر تکلیف تھی، آپ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں پر لگا دیا[۱] جس سے وہ بالکل ٹھیک ہوگئیں۔

معجزہ نمبر ۳۳

اسی جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کے زخم پر آپ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، جس سے وہ بالکل اچھا ہوگیا[۲]۔

معجزہ نمبر ۳۴

قبیلہ بنی خثعم کی ایک[۳] عورت اپنے بچے کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئی جو کسی اُفتاد کی بناء پر بولنے پر قدرت نہ رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگاکر

۱؎ "قال این علی بن ابی طالبؓ؟ قالوا یشتکی عینیہ قال فارسلوا الیہ فاتی بہ فبصق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عینیہ ودعا لہ فبرأ" اخرجہ الشیخان عن سلمۃ بن الاکوعؓ (خصائص ۲۵۱، ج اوّل)

۲؎ "ضربۃ اصابتنی یوم خیبر۔۔۔ فأتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنفث فیہ ثلث نفثات فما اشتکیت منہا حتی الساعۃ" رواہ البخاری عن یزید بن ابی عبید (خصائص ص ۲۵۵ ج اوّل)

۳؎ اخرجہ البیہقی من طریق شمر بن عطیۃ عن بعض اشیاخہ ولیس فیہ لبعض ما ذکر المصنفؒ (خصائص، ص ۶۹ ج ۲)

کلی کی، اور ہاتھ دھوئے، اور وہ غسالہ اس عورت کو دے کر فرمایا کہ یہی اس بچے کو پلاؤ، اور یہی اس کے بدن کو لگاؤ، چنانچہ وہ لڑکا نہ صرف یہ کہ اچھا ہو گیا، بلکہ اس قدر ذکی اور فہیم ہو گیا کہ بہت سے لوگوں سے اس وصف میں فائق تھا،

معجزہ نمبر ۳۵

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ایک عورت ایک مجنون لڑکے کو لیکر حاضر خدمت ہوئی، آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیر دیا، جس سے اس کو ایک اُلٹی ہوئی، جس میں ایسی کوئی چیز نکلی جیسے جانور کی جُگالی کی ہوئی اور کوئی سیاہ چیز... پھر وہ لڑکا بالکل ٹھیک ہو گیا[1]"

معجزہ نمبر ۳۶

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ جب چھوٹے سے بچے تھے اُن کے ہاتھ پر پکتی ہوئی ہانڈی اُلٹ پڑی، آپؐ نے اس مقام پر ہاتھ پھیرا، دُعا کی، اور اپنا لعاب دہن لگا دیا، اسی وقت وہ ٹھیک ہو گیا[2]"

معجزہ نمبر ۳۷

حضرت شرحبیل جعفی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں ایک رسولی پیدا ہو گئی تھی، جو ہاتھ

---

[1] اخرجہ احمد والدارمی والطبرانی والبیہقی وابونعیم عن ابن عباسؓ (خصائص، ص ۷۰، ج ۲)

[2] اخرجہ البیہقی والبخاری فی تاریخہ عن محمد بن حاطبؓ (خصائص، ص ۶۹ ج ۲)

میں تلوار پکڑنے اور گھوڑے کی لگام سنبھالنے میں مانع اور مزاحم ہوتی تھی، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس قدر رگڑا کہ وہ صاف ہوگئی، اور اس کا نشان بھی باقی نہ رہا،"[1]

معجزہ نمبر ۳۸، قبولیتِ دعا کے واقعات

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "میری والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے خادم انسؓ کے حق میں کچھ دعا فرمادیں، حضورؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اس کے مال واولاد میں زیادتی اور ترقی دے، اور جو چیز آپ عطا کریں اس میں برکت دیجئے، انسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا مال بے شمار ہے، اور میرے بیٹے پوتے اس وقت ایک سو سے زیادہ ہیں"[2]

معجزہ نمبر ۳۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ فارس کے حق میں اس وقت جب اس نے آپؐ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا تھا، بد دعا کی اور فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پارہ پارہ کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، نہ تو اس کی بادشاہت باقی رہی اور نہ اہلِ فارس کی کوئی ریاست دنیا کے کسی حصہ میں رہی[3]

---

[1] اخرجہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی وابن السکن وابن مندہ والبیہقی عن شرحبیل الجعفی رضی اللہ عنہ، (الخصائص الکبریٰ، ص ۶۹ ج ۲)

[2] اخرجہ الشیخان عن انس رضی اللہ عنہ (الخصائص ۱۶۸ ج ۲)

[3] اخرجہ البخاریؒ والائمۃ اجمعون (الخصائص ص ۹ ج ۲)

معجزہ نمبر ۴۰

اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ نے ایک سبز رنگ کا جبہ نکالا اور فرمایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے، ہم اس کو دھو کر اس کا پانی حصولِ شفار کے لئے مریضوں کو پلاتے ہیں جس سے بیمار اچھے ہو جاتے ہیں"[1]

یہ وہ معجزات[2] ہیں کہ اگرچہ علیحدہ علیحدہ انفرادی طور پر ہر ایک معجزہ تو بیشک متواتر نہیں ہے، مگر ان سب کا قدر مشترک یقیناً متواتر ہے، اور اتنا ہی یقینی ہر جس قدر حضرت علیؓ کی بہادری اور حاتم کی سخاوت، اور اتنی بات کافی ہے، اس کے برعکس جو واقعات وحالات مرقس یا لوقا نے بیان کئے ہیں وہ سب کے سب اخبار احاد ہیں، اُن کا پایہ عہتبار واعتماد میں ان صحیح حدیثوں جیسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جو ایسے احاد کی روایت سے ثابت ہیں، جن کی سندیں متصل ہیں، بلکہ وہ واقعات جن کی نقل پر چاروں انجیلوں کا اتفاق ہے، وہ بھی سب احاد ہیں جس کا عہتبار ہمارے نزدیک خبر واحد سے زیادہ نہیں ہے،

---

[1] لم اجد ھذہ الروایۃ ،

[2] یہ چالیس معجزات جو مصنفؒ نے ذکر فرمائے ہیں مُشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ آپ کے معجزات بے شمار ہیں، مختلف علمار نے ان کو جمع کرنے کے لئے ضخیم کتابیں لکھی ہیں، ضرورت ہو تو امام ابونعیمؒ کی دلائل النبوۃ اور علامہ سیوطیؒ کی الخصائص الکبریٰ ملاحظہ فرمائی جائیں ، ت

دُوسرا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جو بلند اخلاق اور بہترین اوصاف علمی اور عملی کمالات اور وہ خوبیاں جن کا تعلق جسم و روح اور نسب و وطن کے ساتھ ہے، اجتماعی طور پر پائی جاتی ہیں، عقل کا فیصلہ یہی ہے، کہ یہ تمام کمالات نبی کے سوا کسی انسان میں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے، یہ بات تو بیشک مانی جا سکتی ہے کہ یہ اوصاف انفرادی طور پر انبیاء کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی کسی میں کوئی، کسی میں کوئی پایا جا سکتا ہے، لیکن یہ سب اوصاف اجتماعی حیثیت سے سوائے پیغمبروں کے کسی دوسرے انسانی فرد میں اکٹھے نہیں ہو سکتے، اس بناء پر ان کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں آپ کی نبوّت کی یقیناً دلیل ہے، پھر یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ مخالفین بھی ان میں سے بہت سے اوصاف کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی میں پائے جانے کا اعتراف کرتے ہیں، اُن کا یہ اعتراف بالکل غیر شعوری اور اضطراری ہے،

حُضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق غیروں کی نظر میں

مثلاً آسپان ہمیس مسیحی ان لوگوں میں سے ہے جو پیغمبر اسلام کے شدید دشمنوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور آپ کے حق میں طعن اور اعتراض کرنے میں معروف ہے، اگر یہ کٹر دشمن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ان بہت سے اوصاف کے پائے جانے کا اقرار

واعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا، چنانچہ سیل نے اپنے ترجمۃ القرآن کے مقدمہ صفحہ ۲ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے حد حسین اور ذکی تھے، آپؐ کا طریقہ نہایت پسندیدہ تھا، مساکین اور محتاجوں کے ساتھ حُسنِ سلوک آپؐ کی خصلت تھی، سب لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، دشمنوں کے مقابلے میں بڑے بہادر اور اللہ کے نام کی بڑی تعظیم کرنے والے، افترا اور جھوٹ بولنے والوں پر بہت سخت گیر تھے، پاک دامن لوگوں پر بہتان رکھنے والوں، زانیوں، قاتلوں اور آوارہ گرد لوگوں، لالچ خوروں، جھوٹی گواہی دینے والوں پر بہت تشدد کرتے تھے، عام طور پر آپؐ کا وعظ صبر، سخاوت، رحم، نیکوکاری، احسان، والدین کی تعظیم اور بڑوں کی توقیر و تکریم کے بارے میں ہوتا تھا، بہت عبادت کرنے والے، بڑے نفس کو کچلنے والے تھے[1]"۔

تیسرا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پاکیزہ شریعت

جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی روشن شریعت کا غائر نگاہ سے مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہے گا کہ اس کے جس قدر احکام بھی ہیں، خواہ اعتقادات وعبادات ہوں، یا معاملات وسیاسیات اور آداب

---

[1] یہ تو ایک نمونہ ہے جن غیر مسلموں نے آپؐ کے مکارمِ اخلاق کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے ان کی تعداد بیشمار ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "حقانیت اسلام" میں ان میں سے بعض کو جمع کیا گیا ہے۔

حکم، وہ یقیناً خدا کے ہی مقرر کردہ ہو سکتے ہیں، اور آسمانی وحی سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، اور جو اُن کو لے کر آیا ہے وہ یقیناً نبیؐ ہے، نیز باب پنجم میں آپ کو احکامِ شریعت کے بارے میں عیسائیوں اور پادریوں کے اعتراضات کی کمزوری اور لغویت کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا منشا سوائے خالص عناد و تعصب کے اور کچھ بھی نہیں ہے،

چوتھا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی اشاعت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کے سامنے جن کے پاس کوئی کتاب تھی، نہ حکمت، یہ دعویٰ فرمایا کہ میں تمہارے پاس خدا کی جانب سے ایک روشن کتاب اور واضح حکمت دے کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں سارے عالم کو ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ منور کر دوں، سوچنے کی بات ہے کہ آپ باوجود اپنی کمزوری، تنگدستی، اور مددگاروں کی قلت کے رُوئے زمین کے تمام انسانوں کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، جن میں معمولی لوگ بھی ہیں، اوسط درجے کے انسان بھی، اور دنیا کے جابر قاہر سلاطین اور بادشاہ بھی ہیں، آپ ان سب کی رائے کو غلط، اور سب کو بیوقوف اور احمق گردانتے ہیں، آپ ان سب کے مذاہب کو باطل اور اُن کی حکومتوں اور سلطنتوں کو مٹا دیتے ہیں، آپ کا دین تھوڑی سی قلیل مدت میں مشرق سے مغرب تک تمام مذاہب کو شکست دے کر اُن پر غالب آجاتا ہے، زمانوں اور قرنوں کے گزرنے کے باوجود اس میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے، اس کے دشمن

باوجود اپنی کثرتِ تعداد اور بے شمار اسباب وسامان کے، باوجود اپنی شوکت اور انتہائی تعصب وحمیّت کے آپؐ کے دین کی روشنی کو بجھانے اور مذہب کے آثار مٹانے کی مساعی میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے،

یہ بات بغیر خدائی نصرت وامداد اور آسمانی تائید کے ممکن نہیں ہو، یہودیوں کے معلّم گملی ایل[1] نے حواریوں کے بارے میں کتنی اچھی بات کہہ دی ہے[2]:

"اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا، کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں[3]،

---

[1] گملی ایل (Gamaliel) ایک فریسی عالم جو پولس کا استاد رہا ہے (اعمال ۲۲:۳) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شخص خفیہ طور پر عیسائی ہو چکا تھا،

[2] گملی ایل کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جو یہودی حواریوں کو ستانا چاہتے تھے، اس نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم انھیں مت ستاؤ، بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ اگر ان کی دعوت باطل ہوگی تو یہ خود ہی مٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ انھیں سرخرو نہیں ہونے دے گا، یہ کہہ کر اس نے تھیوداس اور یہوداہ گلیلی کا حوالہ دیا کہ چونکہ ان دونوں نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس لئے وہ آخرکار نیست ونابود ہو گئے، اگر حواریوں کا دعویٰ جھوٹا ہوگا تو یہ بھی نابود ہو جائیں گے،

مصنفؒ نے گملی ایل کی یہ عبارت نقل کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور صحابہؓ کے برحق ہونے پر یہ استدلال کیا ہو کہ اس عبارت کے بموجب اگر معاذ اللہ آنحضرتؐ اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو آپؐ کی تحریک چاردانگِ عالم میں نہ پھیلتی،

[3] اس موقع پر بائبل کے پایۂ اعتبار سے متعلق ایک دلچسپ بحث کا ذکر کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گملی ایل نے یہ تقریر حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی سے کچھ ہی عرصے کے بعد کی تھی، جبکہ حواری زندہ تھے، پھر اس عبارت میں تھیوداس کے دعویٰ نبوّت کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اس کا واضح مطلب (باقی برص ۱۷۶)

اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہوگئے تھے، مگر وہ مارا گیا، اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے، اور مٹ گئے، اس کے بعد یہوداہ گلیلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵) یہ ہو کہ تھیوداس اس تقریر سے پہلے فنا ہو چکا تھا، گویا اعمال کی اس عبارت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ تھیوداس زیادہ سے زیادہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے متصل بعد ظاہر ہوگیا تھا،

لیکن دوسری طرف مشہور مورخ یوسیفس تقریباً ۹۰ء میں لکھتا ہے کہ تھیوداس ۴۴ء سے پہلے نہیں ہوا، یوسیفس کی اس تصریح سے کتاب اعمال کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ وہ تھیوداس کو حضرت مسیحؑ کے متصل بعد قرار دیتی ہے،

کتاب اعمال کی عبارت پر یہ زبردست اعتراض بائبل کے مفسرین کے لئے سخت مشکل کا باعث بنا ہوا ہے، اور اس کا جواب دینے کے لئے انھوں نے عجیب تاویلیں کی ہیں جن میں سے بعض تو انتہائی مضحکہ خیز ہیں، متاخرین میں سے رانلڈ اے ناکس نے بھی اس اعتراض کے جواب میں مختلف تاویلیں کی ہیں، ان تاویلات میں سے دو تاویلیں بہت قابلِ غور ہیں، پہلے تو وہ لکھتا ہے:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اعمال کے اس متن میں ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں متن کو ارامائی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبارت لوقا کی نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے کسی اور مصنف کی ہو، اس لئے لوقا کو اس غلطی کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا"

A New Testament Commentbry P. 14 V. 2

اگر ناکس صاحب کی یہ بات تسلیم کرلی جائے تو اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ کتاب اعمال کو جو لوقا کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے، اس کی تردید ہو جاتی ہو، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس میں لوقا کے علاوہ دوسرے لوگوں کی عبارتیں بھی داخل ہوگئی ہیں،

دوسری بات یہ ہو کہ اگر یہ عبارت لوقا کے علاوہ کسی اور کی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس عبارت کے مصنف نے یہ عبارت الہام سے لکھی ہوگی یا بغیر الہام کے، اگر یہ عبارت

(باقی برصفحہ ۱۷۷)

اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کرلئے، وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے، پس اب میں تم سے کہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶) الہامی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بائبل الہامی نہیں ہے، بلکہ دوسرے لوگوں نے اپنے غیر ذمہ دارانہ خیالات بھی اس میں شامل کر دیئے ہیں، اور اب یہ کتاب کسی طرح قابلِ اعتماد نہیں رہی، اور اگر یہ عبارت الہامی ہے .... تو پھر وہی اعتراض لوٹ آتا ہے کہ ایک الہامی عبارت میں یہ فحش غلطی کیسے ہوئی!

اس کے بعد چند اور کمزور قسم کی تاویلات پیش کرکے آخر میں ناکس صاحب نے جس بات پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے:

"بعد میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یوسیفس نے جس مدعیِ نبوت کا تذکرہ کیا ہو اس کے ساتھ "تھیوداس نامی" کا لفظ یوسیفس کے بجائے کسی اور عیسائی شخص نے بڑھا دیا ہو جو غلطی سے یہ چاہتا تھا کہ تھیوداس کی دریافت کا سہرا کتاب اعمال ہی کے سر رہے"

مطلب یہ ہے کہ یوسیفس نے تو محض ایک جھوٹے نبی کا حال ذکر کیا تھا، اور اس کا نام نہیں بتلایا تھا، بعد میں کسی عیسائی نے اس کے ساتھ "تھیوداس نامی" کا لفظ بڑھا دیا، تاکہ یوسیفس کی تاریخ سے کتاب اعمال کی تصدیق ہو جائے، اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ تھیوداس بائبل کا کوئی خیالی کردار نہیں ہے، بلکہ یوسیفس جیسے مورخ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ـــــ یہ جواب نقل کرکے ناکس صاحب لکھتے ہیں،

"یہ بات کہ یوسیفس کے متن میں اس قسم کے الحاقات کئے گئے ہیں شک و شبہ سے بالاتر معلوم ہوتی ہے" (نیوٹسٹامنٹ کمنٹری، ص ۱۵ ج ۲)

کیا یہ اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیوں میں تحریف و ترمیم کی عادت اسی بری طرح رچ بس گئی تھی کہ بائبل سے گزر کر دوسروں کی تصنیفات بھی ان کی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکیں اور وہ اس قدر بیباکی کے ساتھ تحریف کرتے تھے کہ انھیں اس بات کا بھی خیال نہ رہتا تھا کہ اس کے اثرات کس قدر دور رس نکلیں گے! اور بعض اوقات وہ اس طرح (باقی برصفحہ ۱۷۸)

کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو، اور ان سے کچھ کام نہ رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو، کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائے گا، لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے"

(کتاب الاعمال باب ۵ آیات ۳۵ تا ۳۹)

اور زبور نمبر ۵ کی آیت نمبر ۶ میں ہے:

"تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں ھلاک کرے گا"

اور زبور نمبر ۳۷ آیت نمبر ۱۷ میں ہے:

"کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے، لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے، .... لیکن شریر ہلاک ہوں گے، خداوند کے دشمن چراگاہوں کی سرسبزی کی مانند ہوں گے وہ فنا ہو جائیں گے، وہ دُھوئیں کی طرح جاتے رہیں گے" (آیات ۱۷ تا ۲۰)

اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدیقین میں شامل نہ ہوتے تو خدا ان کے طریقے کو مٹا دیتا، ان کو ذلیل کرتا، اور ان کے ذکر کو روئے زمین سے مٹا دیتا، اور ان کے بازوؤں کو شکستہ کر کے دُھوئیں کی طرح فنا کر دیتا، مگر خدا نے ان باتوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷) تحریف اور الحاق کر گزرتے تھے کہ اس سے خود ان کی بائبل کی صداقت متاثر ہوتی تھی، غور فرمائیے کہ جس شخص نے یوسیفس کی عبارت میں یہ اضافہ کیا، اسے اتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے اس عمل سے کتاب اعمال کو فائدہ پہنچے گا یا نقصان؟ اور اسے بائبل کی صداقت ظاہر ہوگی یا جھوٹ؟ اس سے بعض عیسائی علماء کا یہ عذر بھی غلط ہو جاتا ہے کہ بائبل میں جو الحاقات کئے گئے ہیں وہ بھی علماء بلکہ صاحبِ الہام پیغمبروں نے کئے ہیں،

ایک طرف بائبل کی یہ الجھنیں دیکھئے، اور دوسری طرف قرآن کریم کو دیکھئے جس میں چودہ سو سال گزرنے پر بھی ایک نقطے یا شوشے میں کوئی فرق نہیں نکل سکا، محمد تقی عفی عنہ

سے کوئی ایک بات بھی نہیں کی، معلوم ہوا کہ آپ صدیقین میں داخل ہیں، واللہ! یہ علمائے پروٹسٹنٹ دین محمدی کی تکذیب کرنے میں خدا سے جنگ کر رہے ہیں، مگر وقت بہت قریب آرہا ہے، ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا:- "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ[1]، اور یہ دشمنانِ دین کبھی بھی نورِ اسلام کو بجھانے میں بموجب وعدۂ خداوندی کامیاب نہ ہوں گے، جیساکہ فرمایا:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورۃ الصف)	"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مُنہوں سے (یعنی اپنے باطل اقوال کے ذریعہ) بجھادیں، اور اللہ تو اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، اگرچہ یہ بات کافروں (یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین) کو ناگوار گزرے"

کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

الا قل لمن ظل لی حاسدا　　أتدری علی من اسأت الادب

اسأت علی اللہ فی فعلہ　　لانک لم ترض لی ما وھب[2]

---

[1] یعنی "اور یہ ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ انھیں کونسے انجام کی طرف لوٹنا ہے"

[2] یعنی "جو شخص مجھ سے حسد کرتا ہے اس سے کہدو کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے مجھ سے حسد کر کے کس کی شان میں گستاخی کی ہے، ؟ تم نے درحقیقت اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے، اس لئے کہ اس نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا تھا تم اس پر راضی نہیں ہوئے"

پانچواں مسلک

آپ کا ظہور ایک ایسے زمانے میں ہوا جبکہ لوگ ہدایت کے پیاسے اور ایسے رہنما کے محتاج تھے جو اُن کو صراطِ مستقیم پر لے چلے، اور دینِ مستقیم کی دعوت دے، اس لئے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے باشندوں کا حال اس معاملے میں عجیب متلون تھا، اہلِ عرب اگر بُت پرستی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے خوگر تھے، تو اہلِ فارس دو معبودوں سے کم پر راضی نہ تھے، اور ماؤں بہنوں کو اپنے نکاح میں لانے اور بیوی بنانے سے اُن کو کوئی عار نہ تھا، ترکوں کا حال یہ تھا کہ خوں ریزی اور سفاکی اور بندگانِ خدا کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا، اور ہندوستانیوں کی حماقت تو اپنے انتہائی درجے پر پہونچی ہوئی تھی، گائے کی پوجا، درختوں اور پتھروں کی عبادت اُن کے خمیر میں داخل تھی، یہودی حضرات کا سوائے حق اور اہلِ حق کے انکار اور خدا کو ایک مجسّم اور انسان کے مشابہ اعتقاد کرنے اور من گھڑت اور طبع زاد قصے کہانیوں کی ترویج و اشاعت کے کوئی اور کام نہ تھا، عیسائی دنیا میں تثلیث کا عقیدہ، صلیب کی پرستش اور قدیس مردوں اور عورتوں کی تصویروں اور مورتیوں کی پوجا پر جان دیتے تھے،

غرض دنیا کے تمام انسان ضلالت و گمراہی اور حق سے انحراف میں ڈوبے ہوئے تھے، اللہ کی حکمت بالغہ کے شایانِ شان یہ بات نہیں ہے کہ ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی وہ کسی ایسی جلیل القدر اور معظم ہستی کو دنیا میں اپنا رسول بنا کر نہ بھیجے جو جہان والوں کے لئے سراپا رحمت ہو، اور اس آن بان کا رسول جو گمراہی

کی راہوں کو مٹا کر دین قویم کی بنیاد کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرے، محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی پیدا نہیں ہوا، آپ نے باطل رسموں اور فاسد عقیدوں کو مٹا کر توحید کا سورج اور تنزیہ و تقدیس کا چاند روشن کیا، شرک و بت پرستی، تثلیث و تشبیہ کی جڑیں کاٹ ڈالیں، چنانچہ آپ کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَّلَا نَذِيرٍ، فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،	اے اہل کتاب: تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آگیا جو پیغمبروں کے انقطاع کے وقت میں تمہارے سامنے (حق و صداقت کو بیان کرتاہے) تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ نہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا آیا تھا اور نہ ڈرانیوالا، تو (لو:) اب تمہارے پاس خوشخبری دینے اور ڈرانیوالا آگیا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فائدہ فترت کے زمانے میں یہ ہوا کہ گزشتہ شریعتوں میں طویل زمانہ گزر جانیکی وجہ سے جو بیشمار تغیر و تبدل اور تحریف ہوگئی تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حق و باطل میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، جھوٹ اور سچ مخلوط ہو چکا تھا، اور لوگوں کے عبادت سے اعراض کرنے اور نفرت کے لئے یہ چیز ایک بڑا عذر اور بہانہ بنگئی تھی، انکو آخرت میں جوابدہی کے وقت یہ کہنے کی گنجائش ہوگئی تھی کہ اے ہمارے معبود! ہم یہ بات تو بیشک جانتے تھے کہ آپکی عبادت کرنا ضروری ہے لیکن ہم کو عبادت کا طریقہ نہ آتا تھا کہ کیسے کیجائے؟ اس لئے جیسے ہماری سمجھ میں آیا ہم نے کیا، لہٰذا ہم غلط روی میں معذور و مجبور ہیں اللہ نے ان کے اس باطل عذر کی گنجائش ختم کرنے کیلئے ایسے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا؛

چھٹا مسلک

کتب سماویہ میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی بشارتیں

وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ[1]

تمہید کے طور پر آٹھ اہم باتیں

اب ہم وہ خبریں اور پیشین گوئیاں بیان کرتے ہیں جو گزشتہ پیغمبروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت کے بارے میں کی ہیں، چونکہ پادری لوگ اس باب میں غیر تعلیم یافتہ عوام کو سخت مغالطے میں ڈالتے ہیں، اس لئے اُن کے بیان کرنے سے قبل ہم آٹھ ضروری باتوں کی جانب ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں، جن سے اُن کو بصیرت حاصل ہو سکتی ہے:-

---

[1] "اور بلا شبہ آپؐ کا ذکر پچھلوں کے صحیفوں میں ہے۔" (شعراء)

پہلی بات

اکثر اسرائیلی پیغمبروں نے جیسے اشعیاہ، ارمیاہ، دانیال، حزقیال، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ نے آنے والے حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی خبریں دی ہیں، مثلاً بخت نصر کا حادثہ، قادس اور سکندر اور اس کے جانشینوں کے حالات، ملک ادوم و مصر و نینوی اور بابل کے حوادث وغیرہ، اب یہ چیز بالکل بعید اور ناممکن ہے کہ یہ لوگ ظہور مہدی کے بارے میں کسی قسم کی خبر و پیشگوئی نہ کرتے، جن کا دین ظہور کے وقت چھوٹی سبز بالی کی طرح تھا، پھر وہ ترقی کرتا ہوا اتنا زبردست عظیم الشان درخت بنگیا جس کی شاخوں میں آسمانی پرندے پناہ لیتے ہیں، جس نے بڑے بڑے سلاطین اور جابر بادشاہوں کی شوکت اور سطوت خاک میں ملادی، اور ان کی گردنوں میں اسلام کا طوق ڈال دیا، جس کا دین مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں غرض دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے میں پھیل گیا، اور برابر بڑھتا اور ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اب اس کے ظہور کو ایک ہزار دو سو اسی سال ہو چکے ہیں، اور خدا نے چاہا تو قیامت تک اسی طرح پھولتا اور پھلتا رہے گا، آپ کی امت میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں علماءِ ربانی، بے شمار حکماء اور اولیاء بڑے بڑے سلاطین پیدا ہوئے، اور یہ واقعہ کوئی معمولی اور سرسری واقعہ نہ تھا، اور یقیناً ملک ادوم اور نینوی کے حوادث اور واقعات سے اس کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی، پھر عقلِ سلیم کیونکر اس بات کو جائز مان سکتی ہے کہ اُن پیغمبروں نے ایسے چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات کی تو خبریں اور پیشنگوئیاں بیان کی ہوں اور جو حادثہ تمام حوادث سے عظیم الشان اور اہم تھا اس کی نسبت ایک حرف بھی نہ کہا ہو

بشارت کے لئے مفصّل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں؛ دوسری بات،

یہ ہے کہ جانیوالا پیغمبر آنیوالے پیغمبر کی نسبت جب کوئی خبر یا اطلاع دیتا ہے تو ضروری نہیں کہ پوری تفصیلات بیان کرے، کہ وہ فلاں خاندان میں پیدا ہوگا، فلاں سال ظاہر ہوگا، اور اس کی صفات ایسی ایسی ہونگی بلکہ اس قسم کی خبریں عوام کو اجمالی طور پر دیجایا کرتی ہیں، البتہ خواص کو کبھی تو قرائن کی بناء پر بالکل ظاہر اور عیاں ہو جاتی ہیں، اور کبھی ان کا مصداق اُن پر بھی اُس وقت تک مخفی رہتا ہے جب تک آنے والا پیغمبر نبوّت کا دعویٰ نہیں کرتا، کہ جانے والے پیغمبر نے میری ہی نسبت خبر دی تھی، پھر اس کے دعوے کی سچائی اور تصدیق معجزات اور علاماتِ نبوت کے ذریعے ثابت بھی ہو جائے، پھر تو اُن کے نزدیک بھی بلاشبہ وہ خبر ظاہر اور یقینی بن جاتی ہے، اسی وجہ سے وہ عتاب کے مستحق بنتے ہیں، جس طرح کہ حضرت مسیح نے علماء یہود پر عتاب کیا تھا، اور کہا تھا کہ:-

"اے شرع کے عالمو! تم پر افسوس! کہ تم نے معرفت کی کنجی چھین لی، تم آپ بھی داخل نہ ہوئے اور داخل ہونے والوں کو بھی روکا" (لوقا، باب ۱۱[1])

اور عیسائی نظریئے کے مطابق تو اس قسم کی خبر کبھی کبھی انبیاء کے لئے بھی مخفی اور پوشیدہ بن جاتی ہے، چہ جائے کہ علماء کے لئے، بلکہ اُن کے زعم کے مطابق تو کبھی کبھی خود اس نبی کو بھی جس کے متعلق خبر دی گئی تھی، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں ہی اس کا مصداق ہوں، چنانچہ انجیل یوحنا کے باب اوّل آیت نمبر ۱۹ میں یوں ہے کہ:-

"اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ

[1] آیت نمبر ۵۲۔

پوچھنے کو اس کے پاس[1] بھیجے کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انھوں نے اس سے پوچھا: پھر کون ہے ؟ کیا تو ایلیاہ[2] ہے ؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا تو وہ نبی ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، پس انھوں نے اس سے پھر کہا پھر تو ہے کون ؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا، میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں، کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو، یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے، انھوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے ؟" (آیات ۱۹ تا ۲۶)

اور الف لام جو النبی میں آیت ۲۱ و ۲۵ میں واقع ہوا ہے وہ عہد کا ہے، اور مراد اس سے وہ مخصوص نبی ہے جس کی خبر و اطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے، جیسا کہ کتاب استثناء کے باب ۱۸[3] میں علماء مسیحین کی تصریح کے مطابق موجود ہے،

اب یہ کاہن اور لاوی جو علماء یہود میں سے تھے، اور اپنی کتابوں سے خوب واقف بھی تھے، اور ان کو یحییٰ علیہ السلام کی نسبت یقینی طور پر معلوم تھا کہ وہ

---

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس،

[2] عہد نامہ قدیم میں یہ مذکور ہو کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، اور کتاب ملاکی میں ان کے دوبارہ آنے کی ان الفاظ میں خبر دی گئی ہے: "ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا" (ملاکی ۴: ۵)

[3] "میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا" (استثناء ۱۸: ۱۸)

نبی ہیں، مگر پھر بھی انھوں نے اس باب میں شک کیا کہ وہ مسیح ہیں یا ایلیاء ہیں، یا وہ مخصوص نبی جس کی اطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں پیغمبروں کی علامات ان کی کتابوں میں تصریح کے ساتھ صاف صاف مذکور نہیں تھیں جس سے کم ازکم خواص کو اشتباہ پیدا نہ ہو، عوام کا تو کہنا کیا اسی لئے ان لوگوں نے پہلے یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ مسیح ہیں؟ ان کے انکار پر پھر دریافت کیا کہ کیا آپ ایلیاء ہیں؟ جب انھوں نے ایلیاء ہونے کا بھی انکار کیا، تب پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص نبی ہیں جن کی اطلاع دی گئی ہے، اور اگر علامات صاف طور پر لکھی ہوئی ہوتیں تو شک کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ....

تھی بلکہ اس سے تو معلوم ہوا کہ خود یحییٰ علیہ السلام کو بھی اپنے متعلق یہ علم نہ تھا کہ میں ایلیاء ہوں، چنانچہ انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں ایلیاء نہیں ہوں، حالانکہ ان کے ایلیاء ہونے کی شہادت خود عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے، چنانچہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے "

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ایلیاہ البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا ہے، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُنکے ہاتھ سے دکھ اٹھائیگا"

آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ علماءِ یہود نے ان کا ایلیاءؑ ہونا نہیں پہچانا، اور جیسا چاہا ان کے ساتھ برتاؤ کیا، اور حواریوں کو بھی اُن کا ایلیاء ہونا معلوم نہیں ہوسکا، حالانکہ یہ لوگ عیسائی نظریے کے مطابق پیغمبر ہیں، اور نہ صرف پیغمبر بلکہ رُتبے میں موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ہیں، نیز یہ لوگ یحییٰ علیہ السلام پر اعتماد بھی کرتے تھے، بارہا ان کو دیکھا بھی تھا، اور ان کا آنا ان کے معبود اور مسیح سے پہلے ضروری تھا انجیل یوحنا باب اوّل آیت ۳۳ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ارشاد اس طرح منقول ہے:

"اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا، اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے، وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے"

پادریوں کے کلام کے مطابق "میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا" والے کلام سے مراد یہ ہو کہ پورے اور ٹھیک طور پر میں نے نہیں پہچانا کہ وہ "مسیح موعود" ہے،

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام کو عیسیٰؑ کے "مسیح موعود" ہونے کی یقینی طور پر.... تیس سال تک پہچان نہ ہوسکی، جب تک روح القدس ان پر نازل نہیں ہوئی غالباً مسیح علیہ السلام کا کنواری لڑکی سے پیدا ہونا مسیح ہونے کی کوئی مخصوص علامت نہیں تھی، ورنہ یہ بات کیونکر ممکن ہوسکتی ہے؟

مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے مطابق اسرائیلی پیغمبروں میں اشرف ترین پیغمبر تھے، جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں مصرح ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے دعوے کے بموجب

اُن کے خدا اور معبود تھے، اور ان کا آنا بھی مسیح کی آمد سے پہلے ضروری تھا، اور ان کا ایلیا، ہونا بھی یقینی تھا، پھر کیسی حیرتناک اور عجیب بات ہے یہ کہ خود یحییٰ علیہ السلام باوجود اشرف الانبیاء ہونے کے آخر عمر تک خود کو نہ پہچان سکے، اور نہ تیس سال تک اپنے معبود کو شناخت کر سکے؟ یہی حال حواریوں کا ہے، کہ جو موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل شمار کئے جاتے ہیں انھوں نے بھی اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں نے بھی یحییٰ علیہ السلام کی تمام زندگی میں یہ نہ جانا کہ وہ ایلیا، ہیں،

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پھر علماء اور عوام بچارے ان کے نزدیک آئیو الے نبی کے متعلق ان خبروں سے جو جانے والا نبی دے گیا ہے کیا پہچان سکتے ہیں؟ اور ان کے تردد کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ کاہنوں کا رئیس یعنی کائفا، یوحنا کی شہادت کے مطابق پیغمبر ہے، جیساکہ اس کی انجیل کے باب ۱۱ آیت ۵۱ میں تصریح ہے[1]،

مگر ان ہی حضرات نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ دیا، اور ان کو نبی ماننے سے انکار کیا، اور توہین کی، جیساکہ اس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں ہے، اب اگر مسیح کی علامتیں ان کی کتابوں میں صاف طور سے موجود مذکور تھیں، جن سے ذرہ برابر کسی کو اشتباہ نہ ہو سکے، تو اس نبی کو جس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ دیا، اور کفر کیا، کیا ایسا فتویٰ دینے اور کفر کرنے کی مجال ہو سکتی تھی؟

نیز متی اور لوقا نے اپنی انجیلوں کے باب ۳ میں اور مرقس و یوحنا نے اپنی انجیلوں کے باب ۱ میں یحییٰ ؑ کے حق میں اشعیاء کی دی ہوئی خبر نقل کی ہے، اور یہ کہ یحییٰ ؑ نے اقرار

---

[1] "اُس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا" (یوحنا ۱۱: ۵۱)

گیا کہ یہ خبر میرے حق میں ہے، جیسا کہ یوحنا نے تصریح کی ہے[1]، اور یہ خبر کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:

"پکارنے والے کی آواز: بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو، صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو۔"

مگر نہ تو اس میں یحییٰ علیہ السلام کے مخصوص حالات کا ذکر ہے، نہ ان کی صفات کا بیان ہے، نہ یہ کہ ان کے خروج کا زمانہ اور جگہ کونسی ہے، تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، اور اگر خود یحییٰ علیہ السلام یہ دعویٰ نہ کرتے کہ یہ خبر میرے حق میں ہے، اسی طرح عہد جدید کے مؤلفین یہ بات ظاہر نہ کرتے تو مسیحی علماء، اور ان کے خواص کو بھی اس کا علم نہ ہوتا، غریب عوام کو تو بھلا کیونکر ہو سکتا تھا؟ کیونکہ اس قسم کی غیبی پکار اکثر اسرائیلی پیغمبروں کے حق میں جو اشعیاء علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں ثابت ہے، کیونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ وہ بھی یحییٰ علیہ السلام کی طرح یہ منادی کرتے تھے کہ:

"توبہ کرو، کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک آرہی ہے۔"

نیز ناظرین کو باب ۳ سے ان خبروں کا حال معلوم ہو جائے گا، جو انجیل کے مؤلفین نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کی ہیں کہ گذشتہ پیغمبر اُن کے حق میں یہ کہہ گئے ہیں،

اس لئے ہم ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کہ جن انبیاء علیہم السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خبریں یا پیشینگوئیاں بیان کی ہیں، ان میں سے ہر ایک میں

[1] اس کی عبارت ص۱۳۳۵ پر گذر چکی ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلی صفات مذکور ہیں کہ جس کی بنا پر مخالف کو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی،

امام رازیؒ کا ارشاد

امام رازیؒ نے باری تعالیٰ کے ارشاد: لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا ہے کہ:

"ظاہر یہی ہے کہ بالباطل میں جو با ہے وہ استعانت کے معنی میں ہے، بالکل اسی طرح جیسے "کتبت بالقلم" میں، اور مطلب یہ ہے کہ حق کو سامعین کے سامنے ان شبہادت کی بنا پر جو ان کے سامنے پیش کرتے ہو مشتبہ مت بناؤ، کیوں کہ جو نصوص توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وارد ہوئی ہیں اپنے خفی ہونے کی وجہ سے استدلال اور دلیل کی محتاج تھیں، مگر یہودی اُن کے بارے میں بیجا جھگڑتے اور غور و تأمل کرنے والوں کو شبہات میں ڈال کر ان نصوص کی دلالت کے طور و طریق میں تشویش پیدا کرتے تھے"

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا ارشاد

علامہ موصوف اپنے بیضاوی کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

"جو چیز مزید شرح کی محتاج ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہر نبی نے تعریض و اشارہ والے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کو صرف گہری نگاہ رکھنے والے علماء سمجھ سکتے ہیں، ضرور اس میں کوئی نہ کوئی خدائی حکمت ہے، علماء کا ارشاد ہے کہ کوئی بھی نازل شدہ آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر مشتمل نہ ہو، مگر یہ سب کچھ اشارات کے ذریعہ سے ہے"

اور اگر عوام کے لئے صاف صاف اور کھلا ہوا ہوتا، تو پھر ان کے علماء کو چھپانے پر عتاب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، پھر ان اشارات میں مزید خفاء اور پیچیدگی کا بڑا سبب ایک زبان سے دوسری زبان میں اس کا منتقل کرنا، اور ترجمہ کرنا ہے، پہلے عبرانی سے سریانی میں پھر سریانی سے عربی زبان میں میں نے توریت و انجیل کے الفاظ کا جو خلاصہ اور ما حصل ذکر کیا ہے، جب تم اس پر غور کروگے تو آسانی سے اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر دلالت کرنا معلوم ہو سکتا ہے، مگر تعریض اور اشارے کے طور پر گہری نگاہ والے علماء کے لئے تو یقینی اور ظاہر ہے، مگر عوام کے لئے خفی اور غیر ظاہر۔

اہلِ کتاب کو مسیح اور ایلیاء کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا، تیسری بات

یہ دعویٰ کرنا کہ اہلِ کتاب سوائے مسیحؑ اور ایلیاء کے اور کسی نبی کے منتظر نہیں تھے، یہ ایسا باطل دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ لوگ ان دونوں پیغمبروں کے علاوہ تیسرے نبی کے بھی منتظر تھے، ابھی ابھی آپ نمبر ۲ میں معلوم کر چکے ہیں[۱]، کہ جو علماء یہود مسیح کے معاصر تھے انھوں نے یحیٰی علیہ السلام سے پہلے سوال کیا کہ کیا آپ مسیح ہیں! جب انھوں نے انکار کیا تو پھر پوچھا کہ کیا آپ ایلیاء ہیں؟ جب انھوں نے اس کا بھی انکار کیا تو پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص اور معیّن نبی ہیں جن کی خبر موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں[۲]؟

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۱۳۲۵ ج ھذا

[۲] عیسائی علماء تسلیم کرتے ہیں کہ یوحنا ۱: ۲۱ میں جو لفظ "وہ نبی" استعمال کیا گیا ہو (باقی برصفحہ آئندہ)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مسیحؑ اور ایلیاؑ کی طرح اس نبی کا بھی انتظار کر رہے تھے بلکہ وہ ان کے درمیان اس قدر مشہور تھا کہ اس کے نام لینے کی بھی ضرورت نہ ہوتی تھی، بلکہ اس کی طرف اشارہ ہی کافی تھا، انجیل یوحنا کے باب ۷ آیت ۴۰ میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ،

"پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُنکر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے، اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو نبی اُن کے ذہنوں میں معہود اور معیّن تھا، "وہ مسیح" کے علاوہ کوئی دوسرا ہے، اس لئے اس کو مسیح کے مقابلہ میں ذکر کیا،

حضرت عیسیٰؑ خاتم الانبیاء نہ تھے، چوتھی بات

یہ دعویٰ کرنا بھی قطعی غلط اور باطل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، ابھی آپ نمبر ۳ میں معلوم کر چکے ہیں کہ وہ لوگ نبی آخر الزماں کے منتظر رہا کرتے تھے، جو مسیح اور ایلیاء کے سوا تیسرا شخص تھا، اور چونکہ دلائل سے اس نبی معہود کی آمد مسیحؑ سے قبل ثابت نہیں ہے، لہٰذا یقیناً وہ مسیحؑ کے بعد آنے والا ہی ہو سکتا ہے،

پھر دوسرے عیسائی حضرات مسیحؑ کے بعد حواریوں اور پولس کی نبوت کے دعویدار ہیں، بلکہ ان کے علاوہ دوسرے اشخاص کی نبوت کے بھی قائل ہیں، چنانچہ کتاب اعمال

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس سے مراد وہی نبی ہیں جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا، چنانچہ آر۔ اے ناکس اپنی تفسیر میں کہتا ہے: "آیت ۲۱ میں استثناء ۱۵:۱۸ کا حوالہ ہے" (ص ۱۹۹ ج اول) نیز تمام حوالے والی بائبلوں میں اس لفظ پر استثناء ۱۵:۱۸ کا حوالہ دیا گیا ہے،

باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے:

"انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں سے ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا، کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا، اور یہ کلودیس کے عہد میں واقع ہوا" (آیات ۲۷، ۲۸)

یہ تمام لوگ بائبل کے فیصلہ کے مطابق انبیاء تھے، جن میں سے ایک کا نام اگبس تھا، اس نے ایک زبردست قحط کی پیشینگوئی کی تھی، پھر اسی کتاب اعمال کے باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے:

"اور جب ہم وہاں بہت روز رہے، تو اگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمربند لیا، اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمربند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔" (آیات ۱۰، ۱۱)

اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ اگبس نبی تھا،

کبھی کبھی عیسائی حضرات حضرت مسیح کو خاتم الانبیاء ثابت کرنے کے لئے ان کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں، جو انجیل متی باب ۷ آیت ۱۵ میں اس طرح منقول ہے:

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں"

اس قول سے اپنے دعوے پر عیسائیوں کا استدلال کرنا بھی عجیب ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام نے جھوٹے پیغمبروں سے احتراز کرنے اور بچنے کا حکم دیا ہے،

نہ کہ سچے نبی سے بھی اسی لئے انھوں نے اپنے کلام میں جھوٹے کی قید لگائی ہے ہاں اگر یہ فرماتے کہ "میرے بعد ہر ایک مدعیِ نبوت سے بچو" تو بے شک یہ دعویٰ بظاہر درست تھا، اگرچہ عیسائیوں کے لئے پھر بھی مذکورہ حضرات کی نبوّت کے ثبوت کے لئے واجب التاویل ہوتا، اور جھوٹے پیغمبر مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد طبقہ اولیٰ میں بے شمار پیدا ہوئے، جیساکہ عہد جدید کے موجودہ رسائل سے یہ بات واضح ہے،

کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۱۱ آیت ۱۲ میں ہے:

"لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا تاکہ موقع ڈھونڈنے والوں کو موقع نہ دوں بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں"

دیکھئے: عیسائیوں کا مقدس رسول بہانگِ دہل اعلان کر رہا ہے کہ جھوٹے اور غدار پیغمبر خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکے ہیں، جنھوں نے مسیح کے سچے رسولوں کا بھیس اختیار کر لیا ہے،

آدم کلارک مشہور مفسر اس مقام کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم مسیح کے رسول ہیں، حالانکہ وہ لوگ واقع میں مسیح کے رسول نہ تھے، وہ لوگ وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے، اور مجاہدات بھی، مگر ان کا مقصد تمامتر جلب منفعت تھا"

یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ میں ہے کہ:

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ، کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوتے ہیں"۔

ان دونوں عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ حواریوں ہی کے زمانے میں بکثرت نبوّت کے جھوٹے دعوے دار پیدا ہو چکے تھے،

اور کتاب اعمال کے باب ۸ آیت ۹ میں ہے کہ:

"اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا، اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا، اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں، اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے، اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں"

اسی کتاب کے باب ۱۳[1] میں ہے کہ:

"اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے، وہاں انھیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا"

اسی طرح کے دوسرے بہت سے دجالوں اور نبوّت کے جھوٹے دعویداروں کے ظاہر ہونے کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل متی کے باب ۲۴[2] میں دی ہے:

"خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کردے، کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں، اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے"

---

[1] آیت نمبر ۶　　[2] آیت نمبر ۴ و ۵،

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود ان جھوٹے پیغمبروں اور کاذب مسیحوں سے لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے، نہ کہ سچے پیغمبروں سے بھی روکنا، اسی لئے باب[۱] نمبر۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

"کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟"

رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ، سو آپ سچے پیغمبروں میں سے ہیں، جیسا کہ اس دعوے پر آپ کے پھل[۲] شاہد ہیں، جیسا کہ گزشتہ مسلکوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے اور اس معاملہ میں منکرین کے مطاعن اور اعتراضات کی کوئی بھی قیمت نہیں ہے، جیسا کہ فصل دوم سے معلوم ہو سکتا ہے، اور اس لئے بھی کہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور تکذیب کرنے والے ہیں، بلکہ اُن کے نزدیک مسیح سے زیادہ ابتداء دنیا سے ان کے ظہور کے وقت تک کوئی بدکار نہیں ہوا،

نیز ہزاروں علماء اور حکماء جو سب پادریوں ہی کے ہم قوم ہیں، اور مسیحی ہی تھے، مگر انھوں نے اس مذہب کی قباحت محسوس کر کے اس کو چھوڑ دیا، اور اب اس کے منکر ہیں، اور اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اور اس مذہب کا بھی، ان لوگوں نے اپنی رائے کے اثبات کے لئے بہت سے رسالے بھی تالیف کئے، اور یہ رسالے

---

[۱] آیت نمبر ۱۶،

[۲] "آپ کے پھل شاہد ہیں" مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متی ۷: ۱۶ میں جھوٹے اور سچے [illegible] میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جس طرح جھاڑیوں سے انگور نہیں توڑا جا سکتا، اسی طرح جھوٹے نبی کو کبھی وہ اوصاف حاصل نہیں ہو سکتے، جو سچے نبی میں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اوصاف تھے اور جن کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں آیا ہے، وہ درحقیقت شجرہ [illegible] ہی کے پھل پھول ہیں، جو آپ کے نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں،

اطرافِ عالم میں پھیل چکے ہیں اور یورپ کے ملکوں میں اُن کے ماننے والے دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں، پھر جس طرح یہودیوں اور ان حکماء و علماء کا انکار عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل ہے، اسی طرح اہلِ تثلیث کا انکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہمارے نزدیک قطعی قبول کے لائق نہیں ہوسکتا،

حضرت مسیح کی بشارتوں کو یہودی نہیں مانتے، پانچویں بات

وہ پیشنگوئیاں جن کو عیسائی حضرات مسیح علیہ السلام کے حق میں نقل کرتے ہیں، یہودیوں کی تفاسیر اور تاویلات کے تحت وہ مسیح پر صادق نہیں آتیں، اس لئے یہودی مسیح کے منکر ہیں، مگر مسیحی علماء اس باب میں یہودیوں کی تفسیروں اور تاویلوں کو نظر انداز کرکے اُن کی تفسیر ایسے انداز میں کرتے ہیں، جس سے اُن کے خیال میں ان کا مصداق قطعی طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں، صاحب میزان الحق نے باب اول فصل ۳ صفحہ ۶۴ نسخہ فارسی مطبوعہ سنہ ۱۸۴۹ء میں کہا ہے کہ:

"مذہب عیسوی کے علمائے متقدمین نے یہ بالکل صحیح دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے ان آیات کو جن میں یسوع مسیح کی جانب اشارہ تھا، غیر صحیح تاویلات کے ساتھ مؤول کیا، اور ایسی تفسیر کی جو واقع کے خلاف ہے"

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ان کا یہ دعویٰ قطعی صحیح ہے یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ قدیم علماء نے جہاں... یہ دعویٰ کیا ہے وہاں یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے کتابوں میں تحریف لفظی کی ہے، جیسا کہ باب ۲ میں معلوم ہوچکا ہے،

مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح یہودیوں کی تاویلیں مذکورہ آیات میں عیسائیوں کے نزدیک ناقابلِ قبول اور مردود وغیر صحیح اور غیر لائق ہیں، بالکل اسی طرح عیسائیوں کی تاویلات ان پیشینگوئیوں کے بارے میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں ہمارے نزدیک مردود و باطل اور ناقابلِ قبول ہیں، عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو پیشینگوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہم لوگ نقل کرتے ہیں، وہ ان خبروں کی نسبت جو انجیل والے مسیح علیہ السلام کے حق میں نقل کرتے ہیں زیادہ واضح طور پر صادق ہیں، اس لئے اگر ہم عیسائیوں کی فاسد تاویلات کی جانب التفات نہ کریں تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا، اور جس طرح یہودیوں نے ان بعض پیشینگوئیوں کی نسبت جو عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح کے حق میں ہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمارے مسیح منتظر کے حق میں یا کسی دوسرے کے حق میں ہیں، یا کسی کے حق میں بھی نہیں ہیں، اور عیسائی پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسیح کے حق میں ہیں، اور یہودیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے . . . . . .
اسی طرح ہم بھی اُن پیشینگوئیوں کی نسبت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں عیسائیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے، جو کہتے ہیں کہ اُن کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہیں، ناظرین عنقریب مشاہدہ کرلیں گے کہ ان پیشینگوئیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آنا بہ نسبت مسیح کے حق میں صادق آنے کے زیادہ لائق اور درست ہے، اس لئے ہم اس دعوے کے زیادہ مستحق ہیں، نہ کہ عیسائی،

حضرت مسیح کی بشارتیں عہد جدید میں

چھٹی بات

عیسائیوں کے عقیدے کے بموجب عہد جدید کے مؤلفین صاحبِ الہام ہیں، مسیح

کے حق میں بیان کی جانے والی پیشینگوئیاں انہی لوگوں سے منقول ہیں، اس لحاظ سے یہ تمام پیشنگوئیاں عیسائی نظریہ کے مطابق الہامی قرار پاتی ہیں، ہم ان میں سے کچھ پیشینگوئیاں نمونہ کے طور پر اس لئے ذکر کرتے ہیں، تاکہ ناظرین ان پیشینگوئیوں کا موازنہ اور مقابلہ ان پیشینگوئیوں کے ساتھ کر سکیں جن کو اس مسلک میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان کریں گے،

اور اگر کوئی پادری صاحب بے راہی اختیار کر کے ہماری نقل کردہ پیشینگوئیوں کی تاویل کے درپے ہوں تو ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ پہلے اُن پیشنگوئیوں کی توجیہ کریں، جن کو عہد جدید کے مؤلفین نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے، تاکہ عقلمند، منصف مزاج لوگوں پر فریقین کی بیان کردہ پیشینگوئیوں کا حال روشن ہو جائے، اور دونوں کا مقابلہ قوت وضعف کے لحاظ سے کر سکیں،

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ جو پیشنگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بیان کی جاتی ہیں، ان کی تو کوئی معقول توجیہ کی نہ گئی، اور صرف ان پیشنگوئیوں میں تاویل کرنے پر اکتفار کیا گیا جن کو اس مسلک میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان کر رہے ہیں، تو اس کو سوائے اس کے کہ پادری کے بے جا تعصب اور شکست پر محمول کیا جائے، اور کوئی صورت نہ ہوگی، کیونکہ ہم نمبر ۱ و ۵ میں وضاحت سے کہہ چکے ہیں کہ مخالف کے لئے اس قسم کی پیشنگوئیوں میں تاویل کی کافی گنجائش ہے، ہم نے نمونے کے طور پر عہدِ جدید کے مؤلفین کی بیان کردہ چند پیشنگوئیوں پر اس لئے اکتفار کیا ہے کہ جب یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ ان میں بعض پیشنگوئیاں یقینی طور پر غلط ہیں، اور بعض محرّف ہیں، اور بعض ایسی ہیں کہ وہ کسی طرح مسیحؑ پر

صادق نہیں آتیں، سوائے اس کے کہ زبردستی اور ہٹ دھرمی سے اُن کو مسیحؑ پر چسپاں کیا جائے، تو اس سے ان پیشینگوئیوں کی حالت کا بھی اندازہ کیا جاسکے گا، جن کے نقل کرنے والے الہامی اور صاحبِ وحی لوگ نہیں ہیں، وہ یقیناً ان سے زیادہ بدتر ہوں گی، اس لئے اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں،

پہلی پیشینگوئی:۔

وہ ہے جو انجیل متی کے باب ۱ میں منقول ہے، جس کا ذکر باب ۱ فصل نمبر ۳ کی پچاسویں غلطی کے بیان میں ہو چکا ہے[۱]،

یہ اس بناء پر غلط ہے کہ مریمؑ کا حاملہ ہونے کے زمانے میں کنواری ہونا یہودیوں اور مخالفین منکرین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اور ان کے مقابلے میں عیسائیوں کے پاس مریمؑ کے کنواری ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ مریمؑ مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے انجیل اور مسیحؑ کے معاصر یہودیوں کی تصریح کے مطابق یوسف نجار کے نکاح میں تھیں، جو مسیحؑ کو یوسف نجار کا بیٹا کہا کرتے تھے، جیسا کہ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۵۵ اور انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ میں صاف طور پر مذکور ہے، اور اب تک یہودی یہی کہتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت باتیں کہتے ہیں، نیز اس پیشینگوئی میں کوئی ایسی علامت مذکور نہیں ہو جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہو[۲]،

---

[۱] دیکھئے ص ۴۹۱ ج اول

[۲] بلکہ اس کے برخلاف ایک ایسی علامت ہو جو ہرگز حضرت مسیحؑ میں نہیں پائی جاتی، اور وہ یہ کہ اس پیشینگوئی میں پیدا ہونے والے نبی کا نام "عمانوایل" بتلایا گیا ہے، حالانکہ حضرت مسیحؑ کو کسی نے عمانوایل کہہ کر کبھی نہیں پکارا،

دوسری پیشنگوئی :-

وہ ہے جو انجیل متی باب ۲۲ آیت ۶ میں منقول ہے، اور جس سے کتاب میخا کے باب ۵ آیت ۲ کی جانب اشارہ ہے، مگر متی کی عبارت میخا کی عبارت کے مطابق نہیں ہے، اور یقیناً دونوں میں سے ایک محرّف ہے،

نیز باب ۲ کے مقصد شاہد نمبر ۳۳ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عیسائیوں کے محققین نے میخا کی عبارت کی تحریف کو ترجیح دی ہے[1]، مگر ان کا یہ دعویٰ محض انجیل کے بچاؤ اور تحفظ کے لئے ہے، اس لئے مخالفین کے نزدیک غلط اور باطل ہے،

تین اور پیشنگوئیاں :-

مندرجہ ذیل پیشنگوئیاں غلط ہیں :

۱۔ جو انجیل متی کے باب مذکور آیت ۱۵ میں منقول ہے[2]،

۲۔ جو باب مذکور کی آیت ۱۷ و ۱۸ میں منقول ہے[3]،

۳۔ جو باب مذکور کی آیت ۲۳ میں منقول ہے[4]،

اور یہ تینوں پیشنگوئیاں غلط ہیں، جیسا کہ باب اوّل کی فصل نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے،

---

[1] متی اور میکاہ کے اس اختلاف کا ذکر مقدمہ کے ص ۱۲۵۸ اور اس کے حاشیہ پر پہلے باب میں اختلاف نمبر ۶۴، ص ۲۰۶ جلد اول پر اور دوسرے باب میں ص ۶۲۲ و ۶۴۳ ج دوم پر گذر چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمایا جائے،

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۹۴ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۱،

[3] دیکھئے ص ۴۹۵ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۳،

[4] دیکھئے ص ۴۹۶ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۴،

چھٹی پیشینگوئی :-

وہ ہے جو انجیل متّی کے باب ۲۷ آیت ۹ میں منقول ہے، ناظرین باب ۲ مقصد ۲ شاہد نمبر ۲۹ میں معلوم[1] کر چکے ہیں کہ یہ اس بناء پر غلط ہے کہ یہی صورت کتاب زکریا کے باب ۱۱ میں موجود ہے، مگر اس میں اور اُس واقعہ میں جس کو متّی نے نقل کیا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ زکریا علیہ السلام نے دونوں لاٹھیوں کے نام اور ریوڑ کے چرنے کے ذکر کے بعد یہ کہا ہے :

"اور میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری نظر میں ٹھیک ہو تو میری مزدوری کے لئے تیس روپے تول کر دیئے، اور خدا نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار کے سامنے پھینک دے، یعنی اُس بڑی قیمت کو جو انھوں نے میرے لئے ٹھہرائی، اور میں نے یہ تیس روپے لے کر خداوند کے گھر میں کمہار کے سامنے پھینک دیئے"

(آیات ۱۲ و ۱۳)

زکریا علیہ السلام کے ظاہر کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک حالت کا بیان ہے، نہ کہ کسی مستقبل میں پیش آنے والے واقعہ کی پیشینگوئی، اور یہ کہ دراہم کے لینے والے نیکوں میں سے تھے، جیسے کہ زکریا علیہ السلام، نہ کہ کافروں میں سے جیسے یہوداہ اسکریوتی۔

ساتویں پیشینگوئی :-

وہ ہے جس کو عیسائیوں کے مقدس پولس نے رسالہ عبرانیہ کے باب ۱ آیت ۶

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۶۴، ۶۵ و ۶۶ جلد دوم اور اس کا حاشیہ۔

میں نقل کیا ہے، جس کا حال آپ فصل نمبر ۳ میں معلوم کر چکے ہیں کہ یہ قطعی غلط ہے[1]، اور عیسیٰ علیہ السلام پر ہرگز صادق نہیں آتی۔

آٹھویں پیشینگوئی :-

انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۵ میں ہے :

"تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو، کہ میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا میں اُن باتوں کو ظاہر کروں گا جو بنائے عالم سے پوشیدہ رہی ہیں"

یہ زبور نمبر ۷۸ کی آیت ۲ کی طرف اشارہ ہے، لیکن اسے حضرت مسیح پر چسپاں کرنا بے دلیل دعویٰ اور خالص ہٹ دھرمی ہے، اس لئے کہ زبور کی عبارت اس طرح ہے:

"میں تمثیل میں کلام کروں گا، اور قدیم معمے کہوں گا، جن کو ہم نے سُنا، اور جان لیا، اور ہمارے باپ دادا نے ہم کو بتایا، اور جن کو ہم اُن کی اولاد سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے، بلکہ آئندہ پشت کو بھی خداوند کی تعریف اور اس کی قدرت اور عجائب جو اس نے کئے بتائیں گے، کیونکہ اس نے یعقوب میں ایک شہادت قائم کی، اور اسرائیل میں شریعت مقرر کی، جن کی بابت اس نے ہمارے باپ دادا کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو ان کی تعلیم دیں، تاکہ آئندہ پشت یعنی وہ فرزند جو پیدا ہوں گے اُن کو جان لیں، اور وہ بڑے ہو کر اپنی اولاد کو سکھائیں کہ وہ خدا پر آس رکھیں، اور اس کے کاموں کو بھول نہ جائیں، بلکہ اس کے حکموں پر عمل کریں، اور اپنے باپ دادا کی طرح سرکش اور باغی نسل نہ بنیں، ایسی نسل جس نے اپنا دل درست نہ کیا، اور جس کی رُوح خدا کے حضور وفادار نہ رہی" (آیات ۲ تا ۸)

[1] دیکھئے ص ۷۷، ۲۴ جلد اوّل، غلطی نمبر ۳۵،

یہ آیتیں صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ان آیات میں لفظ "میں" سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، اسی لئے انھوں نے اپنے آپ کو صیغۂ متکلم سے تعبیر کیا ہے، اور ان آیات میں وہ ان روایات اور حالات کو بیان فرمارہے ہیں، جو انھوں نے اپنے آباء و اجداد سے سُنے تھے، تاکہ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق آنے والی نسلوں تک یہ پیغام پہنچا دیں، اور روایت پوری طرح محفوظ رہجائے

اس کے بعد آیت نمبر ۱۰ سے آیت نمبر ۶۵ تک انھوں نے اللہ کے انعامات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات، بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کے سبب سے ان پر واقع ہونے والی مصیبتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور پھر کہا ہے کہ:-

"تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا، اُس زبردست آدمی کی طرح جو مے کے سبب سے للکارتا ہو، اور اس نے اپنے مخالفوں کو مار کر پسپا کر دیا، اس نے اُن کو ہمیشہ کے لئے رسوا کیا، اور اس نے یوسف کے خیمے کو چھوڑ دیا، اور افرائیم کے قبیلہ کو نہ چُنا، بلکہ یہوداہ کے قبیلہ کو چُنا، اسی کوہِ صیون کو جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے مقدس کو پہاڑوں کے مانند تعمیر کیا، اور زمین کے مانند جسے اس نے ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے، اس نے اپنے بندے داؤدؑ کو بھی چُنا، اور بھیڑ سالوں میں سے اُسے لے لیا، وہ اسے بچے والی بھیڑوں کی چوپانی سے ہٹا لیا تاکہ اس کی قوم یعقوب اور اس کی میراث اسرائیل کی گلہ بانی کرے، سو اس نے خلوص دل سے اُن کی پاسبانی کی، اور اپنے ماہر ہاتھوں سے اُن کی رہنمائی کرتا رہا"

یہ آخری آیتیں بھی صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ زبور

خود حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے، اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں،

نویں پیشینگوئی

انجیل متی باب ۴ آیت ۱۴ میں ہے:

تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا، وہ پورا ہو کہ زبولون کا علاقہ اور نفتالی کا علاقہ دریا کی راہ یردن کے پار غیر قوموں کی گلیل جو لوگ اندھیرے میں بیٹھے تھے، انھوں نے بڑی روشنی دیکھی، اور جو موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے تھے اُن پر روشنی چمکی۔"

یہ کتاب یسعیاہ باب ۹ آیت ۱ و ۲ کی طرف اشارہ ہے، جس کی عبارت یوں ہے:

"اس نے قدیم زمانے میں زبولون اور نفتالی کے علاقوں کو ذلیل کیا، پر آخری زمانے میں قوموں کے گلیل میں دریا کی سمت یردن کے پار د بزرگی دی[1]، جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے انھوں نے بڑی روشنی دیکھی، جو موت کے سایہ کے ملک میں

---

[1] "بزرگی دی" اظہار الحق میں یہ لفظ ماضی ہی کے صیغے سے ذکر کیا گیا ہے، اور انگریزی ترجموں میں بھی یہاں ماضی ہی کا صیغہ ہے، (اگرچہ متن میں یہاں اس کے بالکل برخلاف ایک عبارت ذکر کی گئی ہے، مگر متبادل عبارتوں کی فہرست میں اس کی جگہ بعینہٖ وہ مفہوم ذکر کیا گیا ہے، جو مصنف نے نقل کیا ہے) لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس لفظ کو مستقبل کے ساتھ بدل دیا گیا ہے، اس میں "بزرگی دی" کی جگہ "بزرگی دے گا" کے الفاظ مذکور ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں بھی یہی مستقبل کا صیغہ مذکور ہے، غالباً اس حرکت کا مقصد بھی یہی ہوگا، کہ اس عبارت کو آسانی سے حضرت مسیح کی پیشگوئی قرار دیا جا سکے۔

رہتے تھے، ان پر نور چمکا"

ان دونوں عبارتوں میں بڑا بھاری فرق ہے، اس لئے یقیناً ان میں سے ایک تحریف شدہ ہے، اور پھر اگر اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو اشعیاء کے کلام میں ہرگز کوئی دلالت کسی شخص کے ظہور کی نہیں ہے، بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشعیاء علیہ السلام خبر دے رہے ہیں کہ ملک زبولون اور نفتالی کے باشندے گذشتہ زمانے میں بڑی گری ہوئی حالت میں تھے، پھر وہ خوش حال ہو گئے، اس لئے اس امر پر ماضی کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں، یعنی "ذلیل کیا" "بزرگی دی"، "روشنی دیکھی" اور "نور چمکا"۔

اور اگر ہم ان الفاظ کے ظاہری مصداق سے ہٹ کر مجازاً ان کو مستقبل کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہے کہ روشنی کا ان کو نظر آنا اور چمک دکھائی دینا بتا رہا ہے کہ ان کے ملک میں صلحاء اور نیک لوگوں کا گذر ہوگا، پھر یہ دعویٰ کرنا کہ اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یہ خالص زبردستی اور ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ اکثر صلحاء اور بزرگوں کا اُس علاقہ میں گذر ہوا ہے، خصوصاً صحابۂ کرامؓ اور امتِ محمدیہ کے اولیائے کرام کا بھی، جن کی برکت سے اس علاقے سے کفر اور تثلیث کی ظلمت اور اندھیری دور ہو کر توحید کی روشنی پھیل گئی، اور مسیح کی تصدیق پورے طور پر ظاہر ہو گئی،

اس موقع پر ہم تطویل کے اندیشہ سے صرف اس مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی اسی قسم کی پیشینگوئیاں ہم اپنی تالیف ازالۃ الاوہام وغیرہ میں بیان کر چکے ہیں، اور ان کی کمزوری کی نشاندہی بھی اس مقام پر کر دی ہے،

بائبل کے مترجمین ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں؛ ساتویں بات

اہل کتاب خواہ اگلے ہوں یا پچھلے، ان کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ

کرتے ہیں، اور اصل ناموں کے عوض میں اُن کے معانی بیان کرتے ہیں، یہ بڑا بھاری خبط ہے، جو تمام خرابی کی بنیاد ہے، کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں جو اُن کے نزدیک خدائی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھا دیتے ہیں، اور دونوں میں امتیاز کے لئے کسی قسم کا اشارہ بھی نہیں کرتے، یہ دونوں چیزیں تقریباً ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہیں اور جو شخص اُن کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں میں غور کرے گا اس کو ہمارے اس دعوے کے بہت سے شواہد مل سکتے ہیں۔ ہم بھی نمونہ کے طور پر اس معلم پر کچھ نقل کرتے ہیں:

ترجموں میں تحریف کی مثالیں

پہلی مثال:

کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"اسی سبب سے اس کنویں کا نام (زندہ اور دیکھنے والے کا کنواں) پڑ گیا"[1]

پس عبرانی زبان میں جو کنویں کا نام تھا اس کا ترجمہ ان لوگوں نے عربی میں کر ڈالا،

دوسری مثال:

پیدائش کے باب ۲۲ آیت ۱۴ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہو کہ:

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ اصل نام یعنی "بیرلحی روئی" لکھا ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کا انگریزی ترجمہ مذکور ہے،

"ابراہیم نے اس مقام کا نام ایسا مکان (جس کی زیارت[1] کرنے والے پر اللہ رحم فرماتے) رکھا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے :

"اس موضع کا نام ایسا خدا جو دیکھ رہا ہے" رکھا"

پس پہلے مترجم نے عبرانی لفظ کا ترجمہ "ایسا مکان جس کے زائر پر خدا رحم فرمائے" کیا اور دوسرے مترجم نے "ایسا خدا جو دیکھ رہا ہے" کے ساتھ ترجمہ کیا،

تیسری مثال :

پیدائش باب ۳۱ آیت ۲۰ کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"پھر یعقوب نے اپنا حال اپنے سالے سے چھپایا[2]"

اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں بجائے "سالے" کے لفظ "لابان" ہے، پس عربی مترجمین نے نام کی جگہ لفظ "سالا" لکھ دیا ہے ،

چوتھی مثال :

پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں ہے کہ :

---

[1] یہاں بھی اردو ترجمہ میں اصل نام "یہوداہ یری" لکھا ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہی جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق ہے،

[2] موجودہ اردو اور انگریزی ترجمے میں اس کی جگہ یہ عبارت ہے:

"اور یعقوب لابن ارامی کے پاس سے چوری سے چلا گیا" لیکن کیتھولک بائبل میں اس کی جگہ ہی کا لفظ اب بھی موجود ہے ،

"اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ وہ آجائے[1] جس کے لئے سب کچھ ہے) اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی"

اس میں لفظ "اَلَّذِیْ لَہُ الْکُلُّ" لفظ "شیلوہ" کا ترجمہ ہے، یہ ترجمہ یونانی ترجمہ کے بے شک موافق ہے، مگر عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ وہ آجائے (کہ وہ جس کے لئے ہے)، تمام قبیلے اس پر جمع ہوجائیں گے"

اس مترجم نے لفظ "شیلوہ" کا ترجمہ "الذی ہولہ" کے ساتھ کیا ہے، یہ ترجمہ سریانی ترجمہ کے مطابق ہے، عیسائیوں کے مشہور محقق لیکلرک نے اس لفظ کا ترجمہ "انجام" کے ساتھ کیا ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں لفظ "شیل" استعمال کیا گیا ہے، اور لاطینی ترجمہ میں "وہ جو عنقریب بھیجا جائے گا" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا، گویا ہر ترجمہ کرنیوالے نے اس لفظ کا ترجمہ وہ کیا جو اس کے نزدیک ظاہر و راجح تھا، حالانکہ یہ لفظ اصل میں اس شخص کے نام کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، جس کی بشارت دی گئی تھی،

پانچویں مثال:

کتاب خروج باب ۳ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

"پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ "اَہْیَہْ اَشَرْ اَہْیَہْ"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

---

[1] اردو وانگریزی ترجموں میں یہاں بھی اصل لفظ "شیلوآجائے" مذکور ہے، لیکن کیتھولک بائبل میں اس کا ترجمہ کردیا گیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی مصنفؒ کے نقل کردہ ترجمہ سے مختلف ہے، اس نے "شیلوہ" کا ترجمہ "جسے ہماری طرف بھیجا جائے گا" سے کیا ہے۔

"خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ وہ ازلی جو کبھی فنا ہونے والا نہیں ہے"

پس لفظ آہیہ اشر اہیہ" بمنزلہ اسم ذات سے استعمال ہوا تھا، جس کو دوسرے مترجم نے ازلی غیر فانی کے ساتھ ترجمہ کر ڈالا[2]،

چھٹی مثال ؛

سفر خروج باب ۱۵ آیت ۱۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ :-

دریا ہی میں[3] رہا کریں گے "

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں اس طرح پر ہے کہ :

"فقط نیل میں باقی رہیں گے "

ساتویں مثال ؛

سفر خروج باب ۱۷ آیت ۱۵ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ :

"موسیٰ نے ایک قربان گاہ بنائی، اور اس کا نام پروردگار میری عظمت ہے' رکھا"

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ :

"اور اس نے ایک قربان گاہ تعمیر کی جس کا نام اللہ میرا علم ہے' رکھا"

اردو ترجمہ اس دوسرے ترجمہ کے مطابق ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بات بہرحال اپنی جگہ قطعی ثابت ہے کہ مترجمین نے عبرانی نام کا ترجمہ

لہ بات پوری طرح سمجھنے کے لئے اس عبارت کا سیاق و سباق ص ۸۶۸ تا ۸۹۹ / ج ۲ اور اس کے حاشیہ پر دیکھئے ،

سے موجودہ انگریزی اور اردو ترجموں میں اس کی جگہ اس کا ترجمہ " میں جو ہوں سو میں ہوں" سے کیا گیا ہے،

سے موجودہ اردو، اور انگریزی ترجمے اسی کے مطابق ہیں،

کر ڈالا[1]،

آٹھویں مثال:

سفر خروج باب ۳۰ آیت ۲۳ دونوں مذکورہ ترجموں میں یوں ہے کہ:

"خوشبودار مصالحے[2] لینا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"خالص مشک لینا"

اور مصالحہ میں اور مشک میں بہت بڑا فرق ہے، مگر مترجمین نے عبرانی نام کی تفسیر اُن معنی کے ساتھ کی جو جن کے نزدیک راجح تھا،

نویں مثال:

کتاب استثناء باب ۳۴ آیت ۵ دونوں مذکورہ ترجموں میں یوں ہے کہ:

"پس خداوند[3] کے بندہ موسیٰ نے .... وفات پائی"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں اس طرح ہے کہ:

"پھر موسیٰ نے انتقال کیا، اس جگہ جو خدا کا رسول تھا"

غور کیجئے! اگر اس قسم کے مترجمین محمدی بشارتوں میں رسول اللہ کے لفظ کو اگر کسی

---

[1] موجودہ انگریزی اور اردو ترجمہ میں عبرانی لفظ "یہوواہ نسی" لکھا ہے، جس کا ترجمہ حاشیہ پر "یہوواہ میرا جھنڈا ہے" دیا گیا ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں عبرانی لفظ کے بجائے اس کا یہ ترجمہ دیا ہے: "خدا مجھے بلند کرتا ہے"۔

[2] اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے،

[3] موجودہ تمام ترجمے اسی کے مطابق ہیں،

دوسرے لفظ سے بدل ڈالیں، تو اُن سے کیا بعید ہے؟

دسویں مثال:

کتاب یوشع کے باب ۱۰ آیت ۱۳ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"کیا یہ نیکوں کی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے"؟

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

"کیا یہ سفرِ مستقیم میں لکھا ہوا نہیں ہے"؟

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں لفظ "یا صار" ابرار یا مستقیم کی جگہ موجود ہے، نیز فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں لفظ "یاشر" اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں لفظ "یاشا" ہے، غالباً یاصار، یا یاشا، یا یاشر کتاب کے مصنف کا نام ہے، عربی مترجمین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کا ترجمہ ابرار یا مستقیم کے ساتھ کر ڈالا[1]،

گیارہویں مثال:

کتاب یسعیاہ باب ۸ آیت ۱ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں یوں ہے کہ:

"خداوند نے مجھے فرمایا کہ ایک بڑی تختی لے، اور اس پر صاف صاف لکھ مہیر شالال حاش بز کے لئے"

اردو ترجمہ[2] مطبوعہ ۱۸۲۵ء اس کے موافق ہے، لیکن عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں "آشر کی کتاب" کا لفظ ہے،

[2] موجودہ انگریزی اور اردو ترجمے اس کے مطابق ہیں، اردو ترجمہ کے حاشیہ پر اس کا ترجمہ ان الفاظ میں دیا گیا ہے: "یعنی جلد لوٹ شتاب غارت کر" اور کیتھولک بائبل عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے موافق ہے،

"اور مجھ سے خدا نے کہا کہ ایک بڑی کتاب لو اور اس میں انسانی تحریر کے طرز پر یہ لکھو کہ بہت جلد لوٹ لو بہت جلد سامان چھین لو"

آیت ۳۔ "اس کا نام جلد لوٹ لو اور بہت جلد لوٹ لو رکھنا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

"اور مجھ سے خدا نے کہا کہ ایک صحیح کتاب کو یعنی ایک جدید اور بڑی کتاب اور اس میں انسانی تیز تحریر میں لکھو کہ "مال غنیمت لوٹ لو کیونکہ وہ سامنے ہے"۔

دیکھئے بیٹے کا نام "مہر لال جاشبز" تھا، عربی مترجمین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کا ترجمہ کر ڈالا، جو موجبِ اختلاف ہوا، اس اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے عربی ترجمہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے کچھ الفاظ اپنی جانب سے بڑھا دیئے،

پھر بتایئے کہ اس قسم کے مترجمین اگر محمدی بشارتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کسی نام میں کمی بیشی کر ڈالیں، تو ان سے ذرا بھی بعید نہیں، کیونکہ وہ لوگ اس قسم کی حرکات میں اپنی عادت سے مجبور ہیں،

بارہویں مثال:

انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے[1]، طے شدہ ہے"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں یہ ہے کہ:

"پھر اگر تم اس کو قبول کرنا چاہو تو وہ یہی ہے جس کا آنا طے شدہ ہے"۔

---

[1] موجودہ سب ترجمے اس کے مطابق ہیں،

غور کیجئے اس مترجم نے کس ہوشیاری سے ایلیاہ کے لفظ کو ہذا کے ساتھ تبدیل کردیا، ایسے لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نام کو بشارت میں بدل ڈالیں تو کوئی بھی حیرت کی بات نہ ہوگی،

تیرہویں مثال؛

انجیل یوحنا باب ۴ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:-

"جب کہ یسوع کو معلوم ہوا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:

"جب خداوند[1] کو معلوم ہوا"

ان آخری دونوں مترجموں نے لفظِ یسوع کو جو عیسیٰ علیہ السلام کا نام تھا، لفظ خداوند کے ساتھ تبدیل کردیا جو تعظیمی الفاظ میں سے ہے، پھر اس طرح یہ لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو اپنی ناپاک عادت اور عناد کی وجہ سے تحقیری الفاظ کے ساتھ بدل دیں تو کیا تعجب ہوسکتا ہے؟

یہ شہادتیں صاف طور سے اس امر پر دلالت کررہی ہیں کہ یہ لوگ ناموں اور اسماء کے ترجمہ کردینے اور ان کے بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرنے میں کس قدر بیباک ہیں،

---

[1] موجودہ انگریزی اور اردو ترجموں میں "خداوند" ہی کا لفظ ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کی جگہ "یسوع" لکھا ہے،

اصل الفاظ کی جگہ اُن کے ترجمے لکھنے کی مثالیں

پہلی مثال؛

انجیل متی باب ۲۷ میں ہے کہ:

"اور (نو[1] بجے کے قریب) یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا: ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا: تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اور انجیل مرقس باب ۱۵ میں ہے:

"اور (نو بجے) یسوع ... بڑی آواز سے چلّایا کہ: الوہی الوہی لما شبقتنی؟ جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اس میں الفاظ "ای ایلی لما ذا ترکتنی" انجیل متی میں اور اسی طرح الفاظ جس کا ترجمہ ہے: "اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" انجیل مرقس میں، یقیناً اس شخص کے نہیں ہو سکتے جو سولی دیا گیا، بلکہ اس کے کلام میں شامل کئے گئے ہیں،

دوسری مثال؛

انجیل مرقس باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"جن کا نام بوانرگس یعنی گرج کے بیٹے رکھا"

اس میں لفظ "گرج کے بیٹے" عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں، بلکہ الحاقی ہے،

تیسری مثال؛

انجیل مرقس باب ۵ آیت ۴۱ میں یوں ہے کہ اس سے کہا:

[1] یہاں موجودہ اردو ترجمہ میں اور مرقس کے آئندہ حوالے میں قوسین کی عبارت کی جگہ "تیسرے پہر" کا لفظ ہے؛

"تلیتا قومی: جس کا ترجمہ ہے اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ"۔

یہ تفسیر ضرور الحاقی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔

چوتھی مثال:

انجیل مرقس باب ۷ آیت ۳۴ ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں یوں ہے کہ:

"اور آسمان کی طرف دیکھا اور آہ کی، اور کہا افتا، یعنی کھل جا"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"اور آسمان کی طرف دیکھا، اور چلایا اور کہا افاتا، وہ جس کے معنی انفتح کے ہیں"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یہ ہے کہ:

"آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ بھری، اور اس سے کہا: انفتح یعنی کھل جا"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:

"اور نگاہ اٹھائی آسمان کی جانب، اور رو دیا اور اس سے کہا کہ افتا یعنی کھل جا"۔

اس عبارت سے اگرچہ صحیح طور پر عبرانی لفظ کا پتہ نہیں چلتا، کہ وہ افتا ہے یا افاثیا انفتح کیونکہ تراجم مختلف ہیں، اور منشا اختلاف کا اصل لفظ کا صحیح نہ ہونا ہے، مگر یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ لفظ ای انفتح یا الذی ہو انفتح۔ یہ ضرور الحاقی ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا بہر حال جزو ہرگز نہیں ہے،

یہ چاروں قسم کی اقوال جو مثال اول سے یہاں تک ہم نے نقل کئے ہیں، اس امر پر بخوبی دلالت کر رہے ہیں کہ مسیح علیہ السلام عبرانی زبان ہی میں کلام کیا کرتے تھے،

لے موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے،

جو آن کی اپنی قومی زبان تھی، نہ کہ یونانی زبان میں، اور یہ چیز قرین عقل و قیاس بھی ہے، کیونکہ آپ عبرانی ہیں، عبرانیہ کے بیٹے ہیں، پرورش اور نشوونما بھی آپ کی اپنی قوم عبرانیوں میں ہوئی، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان انجیلوں میں اُن کے اقوال کو یونانی زبان میں نقل کرنا نقل بالمعنی کے طور پر ہے، اور یہ بات علاوہ اس کے کہ ان کے اقوال آحاد کی روایت سے منقول ہیں ایک امر زائد ہے،

پانچویں مثال :

انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۳۸ میں یوں ہے کہ :

"انھوں نے اس سے کہا اے ربّی : (یعنی اے استاد!)"

اس میں "یعنی اے استاد" کے الفاظ یقیناً الحاقی ہیں ان دونوں کا کلام ہرگز نہیں ہے،

چھٹی مثال :

باب مذکور کی آیت ۴۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۴۴ء میں کہا گیا ہے کہ :

"ہم نے مسّیا کو جس کے معنی مسیح ہیں پایا"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ : "ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرسطوس ہے پایا"[ل] اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۴ء فارسی ترجمہ کے مطابق[ع] ہے، لہٰذا دونوں ترجموں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لفظ اندراوس نے کہا تھا وہ مسی ہے، اور مسیح اس کا ترجمہ ہے، اس کے برعکس فارسی اور اردو ترجموں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل لفظ مسیح ہے اور کرسطوس اس کا ترجمہ ہے اور ترجمۂ اردو مطبوعہ ۱۸۳۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ خرستس ہے، اور مسیح اس کا

ل "ما مسیح را کہ ترجمہ اش کرسطوس می باشد یافتیم"

ع موجودہ اردو ترجمہ میں اس کے برعکس عبارت یہ ہے: "ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا"

ترجمہ ہے، غرض اُن کے کلام سے یہ چیز نہیں معلوم ہوتی کہ اصل لفظ کونسا ہے، اسی ہی، یا سوح یا خرستس، ان الفاظ کے معنی خواہ ایک ہی ہوں، مگر بلاشبہ اندراس نے جو کہا ہے، وہ بھی یقیناً تینوں میں سے ایک ہے،

اصول تو یہی ہے کہ جب کوئی لفظ مع اپنی تفسیر کے ذکر کیا جائے، تو ضروری ہے کہ پہلے اصل لفظ کو ذکر کیا جائے، پھر اس کی تفسیر، لیکن ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تفسیر مشکوک کوئی سی بھی ہو، بہرحال وہ الحاقی ہے، اندراوس کے کلام کا جزء نہیں ہے،

ساتویں مثال :

انجیل یوحنا باب آیت ۴۲ میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول پطرس حواری کے حق میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ :

"تجھ کو پطرس کے نام سے پکارا جائے گا، جس کے معنی پتھر ہیں"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ :

"تیرا نام صفا رکھا جائے گا جس کی تفسیر پطرس ہے"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ :

"تجھ کو کیفاس کے نام سے جس کا ترجمہ پتھر ہے لوگ پکاریں گے"[1]

اللہ پتھر برسائے ان کی تحقیق اور تیج پر کہ اُن کے کلام سے یہ بات صاف نہیں ہوتی ... کہ اصل لفظ کیا ہے؟ اور تفسیر کیا؟ مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ ان تینوں کے برخلاف یوں ہے: "تو کیفا یعنی پطرس... کہلائے گا"

یہ تفسیر بہر صورت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے، بلکہ الحاقی ہے، اور جب کہ اُن کی تحقیق اور ترجموں کا حال اپنے معبود.. اور اس کے خلیفہ کے لقب میں یہ ہے، پھر کیونکر ان سے ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ محمدؐ یا احمدؐ کے لفظ یا آپؐ کے کسی لقب کو صحیح سالم باقی رکھیں گے ؟

آٹھویں مثال :

انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۲ میں ایک حوض کا تذکرہ کرتے ہوئے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ :

"عبرانی میں بیت صیدا نام ہے "

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے[1] :

"عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے "

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یہ ہے کہ :

"عبرانی زبان میں بیتِ حصدا کہا جاتا ہے، یعنی رحمت کا گھر "

دیکھئے الفاظ صیدا، حسدا اور حصدا میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کا منشاً عیسائیوں کی آسمانی کتابوں میں تصحیح کرنا ہے، مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخری مترجم نے اپنی جانب سے اس کلام میں تفسیر کا اضافہ کر دیا، جو اُن کے نزدیک اللہ کا کلام ہے، اب اگر یہ لوگ محمدیؐ بشارتوں میں بھی تفسیر کے طور پر کوئی چیز بڑھا دیں تو ان سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

[1] موجودہ اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے ؛

نویں مثال؛

کتاب الاعمال باب نمبر ۹ آیت نمبر ۳۶ میں یوں ہے کہ:

"اور یافا میں ایک شاگرد تبیتا نام جس کا ترجمہ ہرنی ہے"۔

دسویں مثال؛

کتاب الاعمال باب ۱۳، آیت ۸ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

"مگر الیماس جادوگر نے (کیونکہ اس کے نام کا ترجمہ ہے) اُن کی مخالفت کی"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں ہے کہ:۔

"پھر ان دونوں کا مقابلہ علیم جادوگر نے کیا، کیونکہ اس کے نام کا ترجمہ اسی طرح ہے"

اور اردو کے بعض ترجموں میں الماس یا الما۔ پایا جاتا ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس کے نام کا ترجمہ محض الحاقی ہے،

گیارہویں مثال؛

ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء اور ۱۸۴۴ء کے مطابق کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے اخیر میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون[1] ہو، مارناتا[2]"

---

[1] ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق یہاں ملعون کے بجائے محروم کا لفظ ہے ۱۲ از مصنف

[2] "مارناتا" (   ) یونانی اور لاطینی زبان میں اس لفظ کا ترجمہ ہے "خدا آنے والا ہے" آرلے ناکس لکھتا ہو کہ یہ جملہ پہلے زمانے کے عیسائیوں میں ایک نعرہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور اکثر و بیشتر ایک دوسرے سے ملنے کے وقت یہ نعرہ بولا کرتے تھے، چنانچہ فلپیوں ۴: ۵ اور یعقوب ۵، ۸ میں بھی یہ جملہ استعمال ہوا ہے، (دیکھئے تفسیر عہد نامہ جدید از ناکس، ص ۲۷۱، جلد ۲) گویا یہ جملہ ایسا ہی تھا جیسے "مسلمان" "سبحان اللہ" وغیرہ استعمال کرتے ہیں ۱۲

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا وہ اناثیما[1] ہو، مارناتا[2]"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا وہ مجرم ہو، مارناتا، یعنی خداوند آگیا"[3]

اصل لفظ کی صحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آخری مترجم نے اپنی طرف سے تفسیر کا اضافہ کردیا اور کہا "یعنی خداوند آگیا"۔

مذکورہ بالا تمام شواہد تفسیر کے تھے، لہٰذا ہمارے گزشتہ بیان سے ثابت ہوگیا کہ اعلام واسماء اور ناموں کا ترجمہ کردینا یا ان کو دوسرے الفاظ میں تبدیل کردینا یا اپنی جانب سے تفسیر کا الحاق، یہ ان کے اگلوں پچھلوں سب کی جبلّی خصلت ہے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ایسے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کسی نام کا ترجمہ کر ڈالیں، یا کسی دوسرے لفظ سے بدل دیں، یا تفسیر کے طور پر بڑھا دیں، یا بغیر تفسیر ہی کوئی چیز ایسی بڑھا دیں جس کی موجودگی میں بظاہر استدلال کرنے میں خلل اور کھنڈت پڑ جائے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ بعض مترجمین نے تو اس جملے کو جوں کا توں رکھ دیا، اور بعض نے اس کا ترجمہ کر ڈالا،

[1] "اناثیما" (　) یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی "ملعون" اور "مستحق عذاب" کے آتے ہیں، (آکسفورڈ بائبل کنگارڈنس ص ۱۱) یہاں مترجم نے یہ لفظ جوں کا توں رکھدیا ہے، اور دوسروں نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

[2] قدیم انگریزی ترجمہ اسی کے مطابق ہے،

[3] موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ان تینوں کے برخلاف یوں ہے: "جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو۔ ہمارا خداوند آنے والا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۲۲)

اور ظاہر بات ہو کہ یہ تحریف و ترمیم کا اہتمام عیسائیوں نے جس قدر مسلمانوں کے خلاف کیا ہے وہ خود اپنے مخالف فرقوں کے خلاف تحریف کے اہتمام سے کہیں زیادہ ہو[1]، اور آپ دوسرے باب[2] میں دیکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے مخالف فرقوں کے مقابلہ میں کتب مقدسہ کی تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ ہورن کہتا ہے :-

"یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ بعض جانی بوجھی تحریفات کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا ہے جو اہلِ دیانت اور دیندار کہلاتے ہیں، پھر اُن کے بعد یہ تحریفیں اس لئے قبول کرلی گئیں تاکہ ان کے ذریعہ کسی مسلّم اور مقبولِ عام مسئلہ کی تائید کی جاسکے یا اس پر واقع ہونے والا کوئی اعتراض دور کیا جاسکے، مثلاً انجیل لوقا کے باب ۲۲ کی آیت ۴۳ قصداً حذف کردی گئی[3]، کیونکہ بعض دینداروں کو خیال ہوا کہ فرشتہ کا

---

[1] یعنی یہ بات ثابت ہے کہ عیسائیوں نے خود اپنے بعض فرقوں کا رد کرنے کے لئے بائبل میں تحریفیں کی ہیں، تو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تو اس قسم کی تحریفیں یقیناً زیادہ کی گئی ہوں گی،

[2] دیکھئے صفحہ ۵۰، جلد دوم،

[3] اس آیت میں کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح گرفتار ہونے سے ایک رات پہلے نہایت پریشانی کے عالم میں جبلِ زیتون پر تشریف لے گئے، اور چونکہ آپ پریشان تھے، اس لئے ایک فرشتہ آپ کو تقویت اور تسلّی دیتا تھا، عیسائیوں کے جو فرقے حضرت مسیح کو خدا نہیں مانتے تھے، وہ اس آیت سے استدلال کرکے یہ کہتے تھے کہ اگر مسیح علیہ السلام خدا ہوتے تو نہ آپ پریشان ہوتے اور نہ کوئی فرشتہ آپ کو تسلّی دیتا، اس کے برخلاف جو فرقے حضرت مسیح کو خدا مانتے تھے انھوں نے اس دلیل کا کوئی جواب نہ پاکر اس آیت کو سرے سے حذف ہی کردیا، اور عرصۂ دراز تک یہ آیت بائبل کے نسخوں سے خارج رہی، بعد میں اسے پھر داخل کرلیا گیا، اپنے باطل نظریات کو منوانے کے لئے اس آیت کے ساتھ جو کھیل کھیلا گیا اس کی داستان متاخرین میں سے بائبل کے مفسّر آر اے ناکس نے خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ ہم یہاں اس کے الفاظ جوں کے توں نقل کر رہے ہیں : (باقی برصفحۂ آئندہ)

خدا کو تقویت دینا خدا کی خدائی کے منافی ہے، اسی طرح انجیل متی باب اول آیت ۱۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"On the genunineness of these two verses our authorities are much divided; before the end of the fourth century, on the testimony of St. Hilary and St. Jerome, there were manuscripts in circulation which omitted them. *The probability is that they were omitted in some early copies as being of doubtful theological tendency*; the idea that our Lord could show weakness to such an extreme degree, or need the consolation of an angel *seemed to play into the hands of these heretics who denied His Divinity.* In such cases an omission is alway more likely than an insertion It is difficult to imagine an orthodox copyist having. ....the skill to write it exacly in the style and vocabulary of Luke." (Italiks mine)_ (commentory P. 187 V. I)

یعنی "ان دو آیتوں کی اصلیت کے بارے میں ہمارے مستند مآخذ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے سینٹ ہلیری اور سینٹ جیروم کی شہادت کے مطابق چوتھی صدی کے خاتمہ سے پہلے بائبل کے ایسے نسخے رائج تھے جن میں یہ آیتیں حذف کردی گئی تھیں، یہ بات قرین قیاس ہے کہ انھیں اس لئے حذف کیا گیا ہوگا کہ یہ دو آیتیں کچھ مشکوک قسم کا مذہبی رجحان رکھتی ہیں، یہ خیال کہ "ہمارا خداوند اس قدر انتہائی درجہ کی کمزوری دکھا سکتا ہے، یا اسے کسی فرشتہ کی تسلّی کی ضرورت ہو سکتی ہے" اس نظریئے کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ یہ ان بدعتی فرقوں کے ہاتھوں پڑ سکتا ہے، جو ہمارے خداوند کی خدائی کے منکر ہیں، اور اس قسم کی صورتوں میں کسی آیت کا حذف کر دینا زیادہ آسان ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ کوئی آیت بڑھائی جائے، اس لئے کہ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ایک پرانے زمانے کا کاتب اتنی مہارت رکھتا ہوگا کہ وہ لوقا کی زبان اور اس کے اسلوب تحریر میں کچھ لکھ سکے" (تفسیر عہد نامہ جدید، ص ۱۸۷ ج ۱)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سے "ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے" کا لفظ حذف کر دیا گیا، نیز اس باب کی آیت ۲۵ سے "پہلا بیٹا" کا لفظ مٹا دیا گیا، تاکہ مریم کی دائمی بکارت پر کوئی حرف نہ آئے[1] اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں "بارہ" کے بجائے "گیارہ" کا لفظ لکھ دیا گیا، تاکہ پولس پر جھوٹ کا الزام نہ لگ سکے، کیونکہ یہوداہ اسکریوتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیکھئے: اس عبارت میں یہ مفسر جو اکثر مقامات پر بائبل کی غلطیوں کی تاویل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتا ہے، یہاں واضح الفاظ میں اس بات کا اعتراف کر رہا ہے، کہ محض اپنے نظریہ کو ایک مخالف فرقے کے اعتراض سے بچانے کے لئے اس عبارت کو بائبل سے حذف کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آخری جملوں میں اس نے وضاحت کے ساتھ یہ بات بھی بتلادی کہ اگر تحریف کرنے والے کاتب کے لئے ممکن ہوتا تو وہ یہاں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھانے میں بھی دریغ نہ کرتا، لیکن مشکل یہ پیش آگئی کہ اس بیچارے میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ لوقا جیسی زبان اور اس کا جیسا اسلوبِ تحریر اختیار کر سکتا، اس لئے اس نے کوئی عبارت بڑھانے کے بجائے اس آیت کو حذف کر دینے ہی میں عافیت سمجھی، ــــــــــ اب خدا را غور فرمائیے کہ جس کتاب کے ساتھ اس قسم کی ستم ظریفیاں محض فرقہ وارانہ اختلافات میں اپنی رائے منوانے کے لئے روا رکھی گئی ہوں اس میں ایک غیر مذہب کے دلائل کو توڑنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟ اور کیا ایسی کتاب پر دین و مذہب جیسے اہم معاملے میں کوئی اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یوسف نجار نے جب حضرت مریمؑ کو حاملہ پایا تو انھیں اپنے گھر لے آئے اور "اس کو نہ جانا جب تک اس کے (پہلا) بیٹا نہ ہوا" اس عبارت میں "پہلا" کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ حضرت مریمؑ سے حضرت یسوعؑ کے بعد دوسرے بیٹے بھی ہوئے ہیں، لہٰذا اس سے اس عیسائی نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت مریمؑ ہمیشہ باکرہ رہی ہیں، اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد بھی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس لئے اس عبارت میں سے "پہلا" کا لفظ سرے سے اڑا دیا گیا، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں یہ لفظ نہیں ہے، جب کہ انگریزی ترجمہ میں اب تک firstborn کا لفظ موجود ہے۔ (دیکھئے کنگ جیمس ورژن مطبوعہ ۱۹۵۸ء)

پہلے مرچکا تھا[۱]، اسی طرح انجیل مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں بعض الفاظ چھوڑ دیئے گئے، اور یہ الفاظ بعض مرشدین نے بھی اس خیال سے چھوڑ دیئے کہ ان سے فرقۂ ایرین کی تائید ہوگی[۲]، نیز انجیل لوقا باب ۱ آیت ۳۵ کی سریانی، فارسی، عربی اور ایتھوپک وغیرہ ترجموں میں اور بہت سے مرشدوں کی عبارتوں میں بعض الفاظ بڑھا دیئے گئے[۳]، تاکہ فرقۂ یوٹی کینس کا مقابلہ کیا جاسکے جو حضرت عیسیٰ میں دو صفتیں ملنے سے کرتا تھا۔

غور فرمایئے کہ جب دیندار طبقوں کی یہ کیفیت ہو تو بددینوں کا کیا حال ہوگا؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تحریف قصدی خواہ تبدیل کی صورت میں ہو یا کمی زیادتی کی شکل میں، یہ تو تمام عیسائیوں کی عادت ثانیہ ہو، اس لئے بعض وہ پیشینگوئیاں اور خبریں جو متقدمین علماءِ اسلام نے جیسے امام قرطبیؒ

---

[۱] اس عبارت میں پولس حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا" (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۵) یعنی بارہ حواریوں کو نظر آئے، حالانکہ اس وقت بارہ میں سے ایک یعنی یہوداہ اسکریوتی مرچکا تھا (دیکھئے متی ۲۷: ۵)، چونکہ اس سے لازم آتا تھا کہ پولس نے ایک غلط بات کہی، اس لئے یہاں بارہ کے بجائے "گیارہ" کا لفظ لکھ دیا گیا چنانچہ کیتھولک بائبل میں یہاں eleven یعنی گیارہ" کا لفظ لکھا ہوا ہے، اگرچہ باقی تمام ترجموں میں لفظ "بارہ" اب تک موجود ہے،

[۲] اس آیت میں حضرت مسیح کا قیامت کے بارے میں یہ ارشاد مذکور ہے کہ "اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا، مگر باپ" اس سے لازم آتا ہے کہ بیٹا باپ کی طرح خدا نہ ہو، چنانچہ فرقۂ ایرین حضرت مسیح کے خدا نہ ہونے پر اس سے استدلال کرتا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے یہاں "نہ بیٹا" کے لفظ کو اڑا دیا، تاکہ یہ اعتراض نہ ہوسکے۔ ــــــ بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ لفظ متی ۲۴: ۳۶ میں بھی موجود تھا، اور کسی نے وہاں سے بھی اسے اسی وجہ سے حذف کر دیا (دیکھئے تفسیر عہدنامۂ جدید از ناکس، ص ۱۰۵ جلد ۱)

[۳] دیکھئے تفسیر عہدنامہ جدید، از ناکس ص ۱۲۰ جلد اول)

وغیرہ، بیان کئے ہیں مگر وہ ان کے بعض الفاظ مشہور زمانہ تراجم کے موافق نہیں ہیں، اس کی بڑی وجہ غالباً یہی تحریف و تغیر ہے، کیونکہ ان علمائے اسلام نے وہ بشارتیں عربی ترجمہ سے نقل کی ہیں، جو ان کے عہد میں رائج تھا، اور بعد میں اس ترجمہ میں حذف و اضافہ تغیر و تبدل کر دیا گیا، ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب ترجموں کا باہمی اختلاف بھی ہو لیکن پہلی وجہ قرین صواب ہے، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ تحریف کی مذموم عادت ان کے تراجم اور رسالوں میں آج بھی جاری ہے، میزان الحق کو ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ اس کے تین نسخے ہیں، پہلا نسخہ قدیم ہے، جس کا رد صاحب استفسار نے لکھا، جب اس کا علم مصنف میزان الحق کو ہوا تو اس نے فوراً قدیم نسخہ کی اصلاح کر لی، اور بعض مقامات پر اضافہ اور بعض میں کچھ حذف، اور کہیں پر تبدیلی کا عمل کیا، پھر اصلاح شدہ نسخہ طبع ہو گیا، جس میں استفسار کا جواب بھی شامل ہے، اس دوسرے نسخہ کا ہم نے معدّل اعوجاج المیزان کے نام سے رَد لکھا، اور اس میں ان تمام مقامات کی ہم نے نشان دہی کی جہاں جدید نسخہ قدیم نسخہ کے خلاف تھا، اگرچہ میری یہ کتاب بعض موانع کی وجہ سے ہندوستان میں ابھی تک طبع نہ ہو سکی، مگر ایک دوست نے حلّ الاشکال کا رَد استبشار کے نام سے لکھا ہے، جو نہ صرف شائع ہو چکا ہے بلکہ ہندوستان میں اس نے کافی شہرت اور مقبولیت حاصل کی، مزہ کی بات یہ ہے کہ جس وقت رَد چھپا اور شائع ہو کر جگہ جگہ مشہور ہو رہا تھا، اس وقت مصنف میزان الحق خود ہندوستان میں موجود تھے،

اس کی طباعت کو بھی دس سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، لیکن آج تک مؤلف میزان الحق کو اس کے جواب میں ایک حرف لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی، مجھ کو بعض معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مؤلف میزان الحق

نے تیسری مرتبہ اپنی کتاب میں اصلاح کر ڈالی، اور ترکی میں اس کو طبع کرایا،

اس تیسرے نسخہ میں مصنف نے جہاں جہاں تغیر ضروری تھا اصلاح جیسے باب اوّل کی دوسری فصل کی ابتداء میں، اسی طرح دوسرے مقامات پر، اب جس شخص نے محض استفسار کا مطالعہ کیا ہو اور میزان الحق کا قدیم نسخہ اس کی نظر سے نہ گذرا ہو، بلکہ صرف دوسرا یا تیسرا نسخہ اس کے پیشِ نظر ہو، اور وہ مصنف استفسار کے بیان کردہ نقل کی تصحیح جو میزان الحق کے کلام سے متعلق ہے ان دونوں نسخوں سے کرنا چاہے تو بعض مقامات پر وہ اس نقل کو ان دونوں نسخوں کے مطابق نہیں پائے گا،

اسی طرح اگر کوئی معترل اعوجاج المیزان کو دیکھے، اور اتفاق سے اس کی نظر سے میزان کا پہلا اور دوسرا نسخہ نہ گذرا ہو، بلکہ اس نے صرف تیسرا نسخہ مطبوعہ ترکیہ مطالعہ کیا ہو، اور وہ اس نقل کی تصحیح مطبوعہ ترکیہ سے کرنا چاہے، تو یقیناً بعض جگہوں پر نقل کو اس نسخہ کے مطابق نہ پائے گا، اب اگر اس کو عیسائیوں کی اس عادت کا علم نہیں ہو کہ وہ اصل میں تغیر و تبدّل کرتے رہتے ہیں، تو وہ ضرور گمان کرے گا کہ رد کرنے والے ناقل نے نقل کرنے میں غلطی کی ہے، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ یہ نتیجہ ہے اس شخص کی تحریف و تغییر کا جس کے کلام کا رد کیا گیا ہو اور رد کرنے والا ناقل اپنی نقل میں سچا ہے، غرض کہنا یہ ہو کہ یہ تحریف اور تغیر و تبدّل

کا سلسلہ اُن کے ترجموں اور کتابوں، رسالوں میں آج تک چلا آرہا ہے،

پولس ہمارے نزدیک معتبر شخص نہیں
آٹھویں بات

آٹھویں بات یہ ہے کہ پولس عیسائیوں کے نزدیک حواری کے رتبہ اور درجہ کا شخص ہے مگر ہمارے نزدیک نہ تو وہ مقبول ہے نہ ہم اس کو سچا عیسائی مان سکتے ہیں، اس کے برعکس وہ ہمارے خیال میں پکا منافق، اعلیٰ درجہ کا جھوٹا، اور جھوٹ کی تعلیم و تلقین کرنے والا اور اُن فریب کاروں اور غداروں میں سے ہے جو مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد بڑی کثرت سے برساتی کیڑوں کی طرح نمایاں ہو گئے تھے، جیسا کہ نمبر ۸ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے، یہی وہ شخص ہے جس نے مسیحی مذہب کا بیڑا غرق کیا، اور اس کے ملنے والوں کے لئے حرام چیزوں کو حلال بنا ڈالا،

یہ شخص شروع شروع میں اول طبقہ کے عیسائیوں کو کھلم کھلا اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا رہا، مگر جب اس نے محسوس کیا کہ علانیہ ایذا رسانی سے اپنی توقع کے مطابق خاطرخواہ فائدہ نہیں پہونچ سکے گا تو وہ منافقانہ طور پر اس مذہب میں داخل ہو گیا، اور مسیح کے نائب اور رسول ہونے کا مدعی بن گیا، ساتھ ہی زہد و اتقاء کی کافی نمائش کی، غرض اس پردہ میں اس نے وہ کچھ کیا جو روشن ہے، عیسائیوں میں یہ شخص اپنے ظاہری زہد و اتقاء کی وجہ سے مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، نیز اس سبب سے بھی کہ اس نے عیسائیوں کو تمام تکالیف شرعیہ سے بے نیاز اور سبکدوش[1] کر دیا تھا، جس طرح قرن ثانی کے بہت سے عیسائیوں میں "منتس" نامی شخص نے اپنے زاہد و ریاضت گزار ہونے کی وجہ سے قبولیت حاصل کر لی تھی، اور پھر دعویٰ کر بیٹھا کہ میں ہی "فارقلیط موعود" ہوں، عیسائیوں نے اس کے زہد و ریاضت

---

[1] یعنی شریعت کے تمام احکام منسوخ کر دیئے تھے، (دیکھئے کتاب اعمال ۱۵: ۲۸، ۲۹)

کی بنا پر سچا مان لیا، جیسا کہ بشارت نمبر ۱۸ میں آنے والا ہے،

محققینِ علماء اسلام نے اگلے ہوں یا پچھلے غرض سب ہی نے اس کو رد کیا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں مسئلہ صوم کی بحث میں بعض پادریوں کو جواب دیتے ہوئے اس پولس کے حق میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی پولس ہی وہ ذات شریف ہے جس نے تمہارے دین کو برباد اور تمہاری عقلوں کو اندھا کر دیا، یہی وہ شخص ہے جس نے صحیح دین مسیحی کو بدل ڈالا، جس کے حق میں نہ تم نے کوئی خبر سنی ہے اور نہ کوئی نشان ملتا ہے، اس شخص نے تم کو تمہارے قبلہ سے منحرف کیا، اور ہر وہ چیز جو مذہب میں حرام تھی اس کو حلال کر ڈالا، اس لئے اس کے احکام تمہارے یہاں بے شمار رائج ہو گئے۔

اسی طرح مصنف تخجیل من حرف الانجیل نے اپنی کتاب کے باب ۹ میں عیسائیوں کے عیوب بیان کرتے ہوئے اس پولس کے حق میں یوں فرمایا ہے:

"اس پولس نے بڑی لطیف تدبیر اور مکاری سے عیسائیوں کے دین کو ملیا میٹ کر ڈالا کیونکہ اس نے دیکھا کہ عیسائیوں کی عقلیں اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ جو بات بھی اُن کے سامنے پیش کی جائے وہ بڑی آسانی سے اس کو قبول کر لیتے ہیں، اس خبیث نے توریت کے تمام آثار و نشانات کو مٹا دیا۔"

ہمارے دوسرے علماء بھی یہی فرماتے ہیں، ان حالات میں ہمارے نزدیک اسکی بات قطعی مردود اور نا قابلِ قبول ہے، اور اس کے خطوط جو عہدِ جدید میں موجود ہیں سب کے سب واجب الرد ہیں، ہم اس کی بات پھوٹی کوڑی کے عوض بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے ہم اس مسلک میں اس کی کوئی بات نقل نہیں کریں گے، نہ اس کا کوئی قول

ہمارے مقابلہ میں حجت ہو سکتا ہے،

اب جب آپ مذکورہ بالا آٹھ باتوں کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں، تو یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو بشارتیں اور پیشنگوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واقع ہوئی ہیں، ان میں سے بیشتر آج تک باوجودیکہ ان کتابوں میں بے شمار تحریف ہو چکی ہے موجود ہیں، اور جس شخص کو جانے والے پیغمبر کی پیشنگوئی اور بشارت کا طریقہ آنے والے پیغمبر کی نسبت معلوم ہو چکا ہے، پھر یہ شخص انصاف کی نگاہ سے ان بشارتوں کو دیکھے، اور ان کا مقابلہ ان بشارتوں سے کرے جن کو انجیل والوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے، اور جن میں سے کچھ نمبر ۵ میں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں، وہ ضرور یہ اعتراف اور یقین کرنے پر مجبور ہوگا کہ محمدی بشارتیں بہت قوی اور مضبوط ہیں، ہم اس مسلک میں علماءِ پروٹسٹنٹ کی معتبر کتابوں سے صرف ۱۸ بشارتیں ذکر کرتے ہیں:۔

حضورؐ کی تشریف آوری کی پہلی پیشنگوئی

کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۷ا میں ہے:۔

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں اُن کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سُنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا، لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے، اور اگر تو

اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے، اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بنکر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا" (آیات ۱۷ تا ۲۲)

یہ بشارت نہ یوشع کی بشارت ہے جیساکہ آجکل کے علماء یہود کا خیال ہے، اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے جیساکہ علماء پروٹسٹنٹ کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ دس وجوہ کی بناء پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے،

پہلی دلیل؛

ناظرین کو نمبر ۳[1] سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے، وہ ایک دوسرے نبی کے منتظر تھے، جس کی اس باب[2] میں بشارت دی گئی تھی، اُن کے نزدیک یہ شخص جس کی بشارت دی گئی عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا ہی تھا، لہٰذا یہ نبی جس کی بشارت دی گئی تھی، یوشعؑ ہو سکتے ہیں، اور نہ عیسیٰؑ ہو سکتے ہیں،

دُوسری دلیل؛

اس بشارت میں لفظ "تیری مانند" واقع ہوا ہے، اور یوشعؑ اور عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہوں، اوّل تو اس لئے کہ یہ دونوں

---

[1] دیکھئے کتاب ہٰذا، ص ۱۳۲۱ ج ھٰذا، اور اس کا حاشیہ۔

[2] مفسرین بائبل متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ علماء یہود نزولِ مسیحؑ کے وقت حضرت مسیح کے علاوہ جس نبی کے منتظر تھے وہ وہی نبی تھا جس کی بشارت استثناء ۱۸: ۱۷ میں دی گئی ہے، مثلاً دیکھئے، ناکس کی تفسیر، ص ۹۹، جلد اول۔

بزرگ اسرائیلی ہیں، اور یہ بات غیر ممکن ہو کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ جیسا کوئی دوسرا پیدا ہو سکے،
جیسا کہ سفر استثناء باب ۳۴ کی مندرجہ ذیل آیت ۱۰ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ :

"بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں،
نہیں اٹھا"،

اب اگر کوئی شخص موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں ان جیسا پیدا ہو جائے تو اس قول کا جھوٹا
ہونا لازم آئے گا،

دوسرے اس لئے کہ موسیٰ اور یوشع میں کوئی بھی مماثلت موجود نہیں ہے، کیوں کہ
موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب اور ایسی نئی شریعت رکھتے ہیں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہو،
اس کے برعکس یوشع ایسے نہیں ہیں، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے،

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کامل طور پر مماثلت
نہیں پائی جاتی، کیونکہ عیسیٰ عیسائی نظریہ کے مطابق خدا اور رب ہیں، اور موسیٰ ان کے محض
ایک بندے ہیں، اسی طرح عیسائی مسلک کے مطابق عیسیٰ مخلوق کی شفاعت کی بناء پر ملعون
ہو چکے ہیں، جیسا کہ پولس نے گلتیوں کے نام خط کے باب نمبر۳ میں تصریح کی ہے[۱]، اور موسیٰ
ملعون نہیں ہوئے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اپنے مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوئے،
جیسا کہ عیسائیوں کے عقائد میں اس کی تصریح ہے[۲]، بخلاف موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ جہنم
میں داخل نہیں ہے، اسی طرح مسیح کو عیسائی خیال کے مطابق سولی دی گئی تھی، تاکہ وہ اپنی
امت کے لئے کفارہ بن جائیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے کفارہ کے طور پر سولی

---

۵۱ "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں ۳ : ۱۳)

۵۲ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۳۹۰ جلد دوم ۔

نہیں دی گئی، نیز موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حدود و تعزیرات اور غسل، طہارت کے احکام نیز کھانے اور پینے والی حرام چیزوں پر مشتمل ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اس قسم کے احکام سے خالی ہے جس کی شہادت موجودہ مروجہ انجیلیں دے رہی ہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں رئیس اور مطاع تھے اپنے احکام اپنی قوم اور امت پر پوری قوت سے جاری کرتے تھے اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام میں یہ وصف موجود نہیں تھا[1]

تیسری دلیل :

اس بشارت میں لفظ "انہی کے بھائیوں میں سے" واقع ہوا ہے، بلاشبہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان حاضر اور موجود تھے، اب اگر اس بشارت کا مقصد یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیلی ہوگا تو پھر یہ کہنا مناسب تھا کہ "ان ہی میں سے" نہ یہ کہ "ان کے بھائیوں میں سے" اس لفظ کا حقیقی استعمال یہی ہو سکتا ہے کہ اس بشارت والے نبی کا کوئی تعلق اور رشتہ صلبی یا بطنی بنی اسرائیل کے ساتھ نہ ہو، چنانچہ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں جو وعدہ کیا گیا تھا اس میں یہ لفظ اپنے اسی حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے، کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے:

"اور اپنے سب بھائیوں کے سامنے (مضارب[2]) نصب کرے گا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا"

---

[1] کیونکہ ان کے چند متبعین کے سوا دوسرے لوگ اُن کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔

[2] یہ لفظ اظہار الحق میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے: "قبالة جميع اخوته ينصب المضارب" مگر ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ موجودہ اردو ترجمہ اور انوار ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مطابق ہے ۱۲ تقی

اسی طرح حضرت اسمٰعیل ہی کے حق میں کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۸ میں ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے آگے میں رہا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے"[1]

یہاں "بھائیوں" سے مراد عیسو اور اسحٰق علیہ السلام کی نسل کے لوگ ہیں جو ابراہیم کے بیٹے تھے، اور کتاب گنتی باب ۲۰ آیت ۱۴ میں ہے:

"اور موسیٰ نے قادس سے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے، اور کہلا بھیجا کہ تیرا بھائی اسرائیل یہ عرض کرتا ہے کہ تو ہماری سب مصیبتوں سے جو ہم پر آئیں واقف ہے"

اور کتاب استثناء باب ۲ آیت ۲ میں ہے:

"تب خداوند نے مجھ سے کہا کہ تم اس پہاڑ کے باہر باہر بہت چل چکے، شمال کی طرف مڑ جاؤ، اور تو ان لوگوں کو تاکید کر دے کہ تم کو بنی عیسو تمہارے بھائی جو شعیر میں رہتے ہیں اُن کی سرحد کے پاس سے ہو کر جانا ہے"

اس مقام پر بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنو عیسو ہیں، یہ صحیح ہے کہ لفظ "بنی اسرائیل کے بھائیوں" خود بعض بنی اسرائیل کے لئے توریت کے بعض مقامات پر استعمال کیا گیا ہے، مگر یہ استعمال مجازی ہے، اور حقیقی استعمال کو ترک کرکے مجازی استعمال اس وقت

---

[1] یہ موجودہ اردو ترجمے کی بھی عبارت ہے جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مطابق ہے۔

تک اختیار کرنا جائز نہیں جب تک معنی حقیقی پر محمول ہونے کے لئے کوئی قوی مانع موجود نہ ہو، اور یوشع اور عیسیٰؑ دونوں اسرائیلی ہیں، اس لئے یہ بشارت اُن پر ہرگز صادق نہیں آسکتی،

چوتھی دلیل؛

اس بشارت میں لفظ "برپا کروں گا" پایا جارہا ہے، یوشع علیہ السلام اُس وقت موسیٰؑ کے پاس موجود ہیں، بنی اسرائیل میں داخل ہیں، اور اسی زمانے میں نبی بھی تھے، ان پر یہ لفظ کیونکر صادق آسکتا ہے ؟

پانچویں دلیل؛

اس بشارت میں لفظ "اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا" پایا جاتا ہے، یہ اُس چیز کی جانب اشارہ ہے کہ اُس نبی پر کتاب نازل ہوگی، اور یہ کہ وہ اُمّی[1] ہوگا، اور کلام کو محفوظ کرے گا، یہ چیز یوشعؑ پر صادق نہیں آتی، کیونکہ اُن میں دونوں باتیں موجود نہیں ہیں،

چھٹی دلیل؛

اس بشارت میں ایک جملہ یہ ہے، "اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا (انتقام[2]) اس سے لوں گا" اور اس جملہ کا مقصد اس نبی کی عظمت ظاہر کرتا ہے، جس کی بشارت دی جارہی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وہ نبی

---

[1] اس سے معلوم ہوگیا کہ اس بشارت سے حضرت عیسیٰؑ مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ لوقا ۴: ۱۶ اور ۱۷ میں تصریح ہے کہ آپ نے کتاب یسعیاہ پڑھی تھی اور اُمّی نہ تھے،

[2] اظہار الحق میں جس ترجمہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس میں انتقام ہی کا لفظ ہے، مگر موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "حساب" کا لفظ مذکور ہے،

اس وصف میں دوسرے پیغمبروں سے امتیازی درجہ رکھتا ہو،

اس کے ساتھ ہی یہاں جس انتقام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب یا وہ دنیوی مصیبتیں نہیں ہو سکتیں جو غیب سے منکرین کو پیش آئیں، کیونکہ اس قسم کا انتقام کسی خاص نبی کے انکار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر نبی کے انکار کا نتیجہ یہی ہوگا، ایسی صورت میں انتقام سے مراد تشریعی انتقام ہی ہو سکتا ہے[1]، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نبی اللہ کی طرف سے اپنے منکرین سے انتقام لینے کے لئے مامور ہوگا، پھر ایسی حالت میں اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام کیونکر ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کی شریعت حدود اور سزاؤں قصاص و جہاد سے قطعی خالی ہے،

ساتویں دلیل؛

کتاب اعمال باب ۳ آیت ۱۹ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق[2] اس طرح ہے:

"پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں، اور وہ اس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے، یعنی یسوع کو بھیجے، ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے، جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں، چنانچہ موسیٰؑ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا

---

[1] یعنی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اس نبی کے احکام کو نہ مانیں، ان کے لئے اس کی شریعت میں مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہوں گی، [2] موجودہ اردو ترجمہ اس کے بالکل مطابق ہے، اس لئے ہم نے اسی کی عبارت نقل کر دی ہے،

اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست ونابود کردیا جائیگا۔"

(آیات ۱۹ تا ۲۳)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۴ء میں یہ عبارت اس طرح ہے:

"توبہ نمائید وبازگشت کنید تاکہ گناہان شما محو شوند تاکہ زمانِ تازگی از حضورِ خداوند بیاید، ویسوع مسیح راکہ ندا بشما می شود باز فرستد، زیراکہ باید کہ آسمان اورا نگاہ دارد تا وقتِ ثبوت آنچہ خداوند بزبانِ پیغمبرانِ مقدس خود از ایام قدیم فرمودہ است کہ موسیٰ بپدران ما گفت کہ خدائے شما خداوند پیغمبرے را مثل من از برائے شما از میانِ برادرانِ شما مبعوث خواہد نمود وہرچہ او بشما گوید شمارا است کہ اطاعت نمائید، وایں چنیں خواہد بود کہ ہرکس کہ سخنِ آں پیغمبر رانشنود از قوم بریدہ خواہد شد۔"

غور فرمایئے یہ عبارت خاص کر فارسی ترجموں کے پیشِ نظر صاف وصریح اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ یہ نبی مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، اور مسیح کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُس نبی کے ظہور کے وقت تک آسمان ہی میں قیام پذیر رہیں، مسیحیوں میں سے جو لوگ تعصب کی عینک اُتار کر پطرس کی عبارت میں غور کرے گا تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ پطرس کا یہ قول علماء پروٹسٹنٹ کے اُس دعوے کی دھجیاں اڑا رہا ہے کہ یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے،

یہ ساتوں دلائل کامل ومکمل طور پر بتارہے ہیں کہ یہ بشارت پورے طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ غیر مسیح بھی ہیں، اور بہت سی چیزوں میں

---

[1] کتاب اعمال کی یہ عبارت پطرس کی ایک تقریر کا جُز تھی،

موسیٰ علیہ السلام کے مماثل بھی، مثلاً :

① اللہ کا بندہ اور رسول ہونا ،

② دونوں کا ماں باپ سے پیدا ہونا ،

③ دونوں کا شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونا ،

④ دونوں کی شریعت کا سیاستِ مدنی پر مشتمل ہونا ،

⑤ دونوں کی شریعت میں جہاد کا حکم ،

⑥ دونوں کی شریعت میں عبادت کے وقت پاک وصاف ہونا ،

⑦ ناپاک حائضہ اور نفاس والی عورت پر دونوں شریعتوں میں غسل کا واجب ہونا

⑧ کپڑوں کے بول وبراز سے پاک ہونے کی شرط ،

⑨ بغیر ذبح کیے ہوئے جانور اور بت کی قربانی کا حرام ہونا ،

⑩ آپ کی شریعت کا بدنی عبادتوں اور جسمانی ریاضتوں پر مشتمل ہونا ،

⑪ زنا کی سزا کا حکم دینا ،

⑫ حدود اور قصاص اور سزاؤں کی تعیین ،

⑬ آپ کا ان سزاؤں کے جاری کرنے پر قادر ہونا ،

⑭ سود کو حرام کرنا ،

⑮ آپ کا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والے کے انکار کا حکم دینا ،

⑯ توحید خالص کا حکم دینا ،

⑰ آپ کا اپنی امت کو یہ حکم دینا کہ مجھ کو اللہ کا صرف بندہ اور رسول کہو نہ کہ خدا کا بیٹا یا خدا ،

(۱۸) آپ کی وفات کا بستر پر ہونا،

(۱۹) موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کا مدفون ہونا،

(۲۰) اپنی امت کی وجہ سے آپ کا ملعون[1] نہ ہونا،

غرض اسی قسم کی اور بہت سی مشترک چیزیں ہیں جو غور کرنے سے دونوں کی شریعتوں میں پائی جاتی ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا، [2]	"بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جو تم پر گواہ ہے، جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔"

آپ[3] بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے بھی ہیں، اس لئے کہ آپ اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہیں، آپ پر کتاب بھی نازل ہوئی، آپ اُمّی بھی تھے، اللہ نے اپنا کلام آپکے مُنہ میں ڈالا، آپ وحی کے مطابق کلام کرتے تھے، چنانچہ ارشاد باری ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" آپ کو جہاد کا حکم بھی دیا گیا تھا، آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سرداران قریش قیصر و کسریٰ جیسے سلاطین سے انتقام لیا، اور مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے سے قبل مبعوث ہوئے، حضرت مسیح کے لئے ضروری ہوا کہ وہ آپ کے ظہور تک آسمان میں رہیں،

---

[1] جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے،

[2] مزمل،

[3] مولانا سید ناصر الدینؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نوید جاوید" میں ص ۳۴۴ سے ۳۶۶ تک حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمیں[؟] سے زیادہ مشابہتیں مدلل طور پر بیان فرمائی ہیں، اور اس سلسلہ میں مختلف پادریوں کے اعتراضات کا مفصل اور تشفی بخش جواب دیا ہے، یہ پوری بحث نہایت قابلِ قدر ہے،

تاکہ ہر چیز اپنی اصل کی جانب لوٹ جائے، اور شرک و تثلیث و بت پرستی مٹ جائے،

اس آخری دور میں عیسائیوں کی کثرت سے کسی شخص کو شبہ نہ ہونا چاہیے، کیونکہ ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بڑی تفصیل کے ساتھ یقینی طور پر اطلاع دی ہے کہ مہدی رضی اللہ عنہ کے زمانے کے قریب اس قوم کی بڑی کثرت ہو گی، اور یہ وقت بالکل قریب ہے، انشاء اللہ عنقریب امام موصوف کا ظہور ہونیوالا ہے، اور حق غالب ہونے والا ہے، اور دین تمام اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جانے والا ہے، اللہ ہم کو اپنے دین کے مددگاروں میں شامل فرمائے،

آٹھویں دلیل

اس بشارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جو نبی اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جن کا خدا نے حکم نہیں دیا، وہ مارا جائے گا، اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہ ہوتے تو آپ ہلاک کر دیئے جاتے، اللہ نے قرآن عزیز میں یہی فرمایا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ،	"اور اگر یہ رسول ہماری طرف بعض باتیں جھوٹی منسوب کرتے تو ہم ان سے قوت سلب کر کے ان کی رگِ قلب کاٹ ڈالتے"[1]

حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ خدا نے آپ کے حق میں فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ،	"اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا"

چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اور کسی شخص کو آپ کے ہلاک کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، اس کے برعکس عیسیٰؑ اہلِ کتاب کے نظریہ کے مطابق قتل بھی کئے گئے

[1] ہم نے اس آیت کا ترجمہ مصنف کی دوسری ۱۳۴۰ کتاب ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۴ کے مطابق نقل کیا ہے، ورنہ آیت کا دوسرا ترجمہ بھی ممکن ہے۔

سُولی پر بھی چڑھائے گئے، نعوذ باللہ

نویں دلیل

خدا نے جھوٹے نبی کی یہ علامت بیان فرمائی کہ اس کی دی ہوئی خبریں اور آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں سچی نہیں ہو سکتیں، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مستقبل کے واقعات کی خبریں اور پیشگوئیاں بیان کیں، جیساکہ مسلک اوّل سے معلوم ہو چکا ہے ان خبروں میں آپ کا سچا ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے قاعدہ کے بموجب آپ سچے نبی ہوئے نہ کہ جھوٹے،

دسویں دلیل

علمائے یہود نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ تسلیم کیا کہ توریت میں آپ کی بشارتیں موجود ہیں، مگر ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا، اور بعض اپنے کفر سابق پر قائم رہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ کائفا، جو کاہنوں کا سردار تھا، اور یوحنا کے دعوے کے مطابق نبی تھا، اس نے یہ جاننے کے باوجود کہ عیسیٰ ہی درحقیقت "مسیح موعود" ہیں آپ پر ایمان نہیں آیا، بلکہ آپ کے کافر ہونے اور قتل کا فتویٰ دیا، جیساکہ اس کی تصریح یوحنا نے اپنی انجیل کے باب ۱۱ و نمبر ۱۲ میں کی ہے،

مخیریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا ایک بڑا زبردست عالم اور دولت مند تھا، آپ کی صفات کی بنا پر آپ کو پہچانتا تھا، کہ واقعی آپ ہی وہ نبی آخر الزماں ہیں، مگر اپنے دین کی محبت اس پر غالب آگئی اور اپنے مذہب پر قائم رہا، یہاں تک کہ جنگِ احد کے موقع پر اتفاق سے یوم السبت تھا، کہنے لگا کہ اے یہودیو! خدا کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمدؐ کی نصرت و اعانت تم پر فرض ہے، یہودیوں نے جواب دیا کہ آج تو یوم السبت ہے، کہنے لگا سبت کوئی چیز نہیں،

اور یہ کہہ کر ہتھیار سنبھال کر نکلا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چلا، اور اپنے بعد کے لئے اپنی قوم کو وصیت کر گیا کہ اگر آج میں مارا گیا تو میرا تمام مال محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، آپ کو اختیار ہے کہ اللہ جیسا کہ آپ کو کہے تصرف کریں، پھر لڑتے ہوئے مارا گیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخیریق یہودیوں میں سب سے بہتر شخص تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے اموال اپنے قبضہ میں لے لئے، مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر داد و دہش اور خیرات و صدقات اسی مال سے ہوتی تھی،

اہلِ کتاب نے آپؐ کی تصدیق کی تین واقعات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی مذہبی درس گاہ میں تشریف لے گئے، اور فرمایا تم اپنے سب سے بڑے عالم کو پیش کرو، لوگوں نے کہا ایسا شخص عبداللہ بن صوریا ہے، آپؐ نے اس کو خلوت میں لے جاکر اس کو اس کے مذہب کا واسطہ اور ان انعامات کا جو یہودیوں پر اللہ نے کئے، اور منّ و سلویٰ کے عطیہ اور بدلی کے سایہ کا واسطہ دیا، اور قسم دی کہ کیا تجھ کو یقین ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ کہنے لگا بے شک، اور سارے یہودی بھی ایسا ہی علم و یقین رکھتے ہیں، جیسا کہ میں رکھتا ہوں، اور آپ کے اوصاف اور حالات توریت میں مذکور ہیں، مگر یہودیوں نے آپ پر حسد کیا، آپؐ نے فرمایا کہ پھر تجھ کو کونسی چیز مانع ہے؟ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا، اور مجھے امید ہے کہ یہ لوگ آپؐ کا اتباع کریں گے اور اسلام قبول کریں گے پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا،

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، اور قباء میں آپؐ کا قیام ہوا، آپؐ کے پاس میرے باپ حیی بن اخطب اور میرے چچا ابویاسر بحالت مغلسی حاضر ہوئے، اور غروبِ شمس تک وہاں سے واپس نہیں ہوئے، پھر دونوں اس حالت میں آئے کہ بہت سُست اور گرتے پڑتے کمزور چال سے چلتے تھے، میں نے ان کی دلبستگی اور دلجوئی کی کوشش کی، مگر دونوں میں سے ایک نے بھی میری جانب اس فکر کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا تھے التفات نہیں کیا، پھر میں نے اپنے چچا کو باپ سے یہ کہتے سُنا کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کی بشارت توریت میں دی گئی ہے؟ میرے والد نے جواب دیا، بیشک، چچا نے کہا، کیا تم کو اس کا یقین اور وثوق ہے؟ کہا ہاں، کہنے لگے تمہارے دل میں ان کی طرف سے کس قسم کا خیال ہے؟ کہا، خدا کی قسم! جب تک زندہ ہوں عداوت ہی رہے گی،

اب دس دلائل اس پیشینگوئی کے سلسلہ میں پورے ہو چکے ہیں،

ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "بنی اسرائیل کے بھائی" بنی اسمٰعیل میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عیسو کی اولاد اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی قطورا کے بیٹوں کی اولاد بھی تو سب کے سب بنی اسرائیل ہی کے بھائی ہوتے ہیں، تو پھر اس کا مصداق کیا ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں؟

جواباً گذارش ہے کہ بیشک یہ لوگ بھی بنی اسرائیل کے بھائی ہوتے ہیں مگر اوّل تو ان میں کوئی ایسا شخص ظاہر نہیں ہوا، جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا، دوسرے اللہ کا کوئی وعدہ اس قسم کا ان کے لئے نہ تھا، اس کے برعکس

بنی اسمٰعیل کے حق میں ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؑ سے خدا نے وعدہ کیا تھا،[۱] پھر تیسرے اس لئے بھی کہ اسحٰقؑ کی دعا کے مقتضٰے کے موافق اس خبر کے مصداق بنو عیسو نہیں ہو سکتے، جس کی تصریح سفر تکوین باب ۲۷ میں موجود ہے،[۲]

اس بشارت پر فنڈر کے دو اعتراض،

اس موقع پر علماء پروٹسٹنٹ کے دو اعتراض جن کو صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں نقل کیا ہے، مع جواب ناظرین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں،

اوّل یہ کہ کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا۔"

اس میں لفظ "تیرے ہی درمیان سے" صاف اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا، بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہوگا،

دوسرے اس بشارت کو حضرت عیسیٰؑ نے خود اپنی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۴۶ میں فرمایا کہ:

"اس نے میرے حق میں لکھا ہے۔"

جواب: ہماری گذارش یہ ہے کہ کتاب استثناء کے مذکورہ الفاظ ہمارے مقصود کے قطعی خلاف نہیں ہیں، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، جہاں آپؐ کے مشن کی تکمیل ہوئی، اس وقت مدینہ کے اطراف وجوانب میں یہودیوں کی بستیاں خیبر، بنی قینقاع، بنی نضیر وغیرہ آباد تھیں، لہٰذا "تیرے ہی درمیان سے" کا قول صادق ہوا، اور اس لئے بھی کہ آپؐ انکے

[۱] دیکھئے کتاب پیدائش ۱۶: ۱۰ تا ۱۲،
[۲] بائبل کے مطابق حضرت اسحٰق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں تو اس بات کی دعا فرمائی تھی کہ ان کی اولاد بڑھے گی اور وہ اپنے بھائیوں کے سردار ہوں گے، لیکن عیسو کے حق میں یہ دعا کی تھی کہ وہ اپنے بھائی کی خدمت کریں، انکی نسل کے بڑھنے اور سردار ہونے کی دعا نہیں کی گئی تھی، ملاحظہ ہو پیدائش ۲۷: ۲۷ تا ۲۹ و ۳۹ و ۴۰ (مزید دیکھئے کتاب ہذا ص [illegible] کا حاشیہ)

بھائیوں میں سے بھی ہیں،

نیز اس وجہ سے بھی کہ لفظ "من بین اخوتک" ابن حاجب کی رائے کے مطابق لفظ "من بینک" سے بدل اشتمال واقع ہوا ہے، جن کے نزدیک اس قسم کے بدل ہونے کے لئے کلیّہ اور جزئیّہ کا تعلق دونوں کے درمیان پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان ادنیٰ تعلق کافی ہے جیسے جَاءَنِی زَیْدٌ اَخُوْہُ یا جَاءَنِی زَیْدٌ غُلَامُہٗ، یا پھر ابن مالک کی رائے کے مطابق بدلِ احزاب ہے، اور بہر صورت مبدل منہ یقیناً مقصود نہیں ہے، اس کے مقصود نہ ہونے پر یہ چیز مزید شاہد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے اس وعدہ کا اعادہ کیا تو اس میں لفظ "تمھارے درمیان سے" سرے سے موجود ہی نہیں ہے،

نیز پطرس حواری نے اس قول کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا ہے جیسا کہ دلیل نمبر ۲[1] سے معلوم ہو چکا ہے، اسی طرح استفانوس نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے، اس میں بھی ان الفاظ کا کوئی ذکر نہیں جیسا کہ کتاب الاعمال کے باب نمبر ۷ میں مصرح ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ:

"یہ وہی موسیٰؑ ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا"

اِن مقامات میں اس لفظ کو ساقط کر دینا بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ مقصود نہیں ہے، اس لئے بدل ہونے کا احتمال زیادہ قوی ہے،

بشارت کے الفاظ میں تحریف ہوئی ہے، اس کی تین دلیلیں

صاحبِ استفسار نے فرمایا ہے کہ لفظ "تمھارے درمیان سے" الحاقی ہے، جو تحریف کے طور پر

[1] دیکھیے ص جلد ہٰذا

بڑھایا گیا ہے، جس کی تین دلیلیں ہیں،

۱۔ اس موقع پر تمام بنی اسرائیل اللہ کے کلام کے مخاطب ہیں، نہ کہ کچھ لوگ اس لئے "تمہارے درمیان سے" کا خطاب ساری قوم کو ہوگا، لہٰذا تمہارے بھائیوں میں سے" کا لفظ قطعی لغو اور بیکار بن جاتا ہے[1]، مگر چونکہ یہ لفظ دوسرے مقامات پر بھی استعمال کیا گیا ہے اس لئے اس کو صحیح ماننا پڑے گا، اس کی بجائے لفظ من بینک کو الحاقی تسلیم کرنا پڑے گا، جس کو تحریف کے طور پر بڑھایا گیا ہے،

۲۔ موسیٰ علیہ السلام جب اپنے دعوے کے ثابت کرنے کے لئے اللہ کے کلام کو نقل فرما رہے ہیں، تو اس موقع پر یہ لفظ ذکر نہیں فرماتے[2]، اور یہ امر قطعی غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ موسیٰؑ کا قول خدا کے قول کے خلاف ہو،

۳۔ حواریوں نے جب کبھی اس کلام کو نقل کیا ہے اس میں کسی جگہ "تمہارے درمیان سے" کا لفظ نہیں پایا جاتا[3]،

اگر کوئی صاحب اس پر یہ اعتراض کریں کہ کسی کو اگر تحریف کرنا تھی تو سارے کلام کو محرّف کر سکتا تھا، صرف ایک لفظ کی تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟

جواباً یہ عرض کیا جائے گا کہ ہم نے ہمیشہ عدالتی محکموں میں یہ دیکھا ہے کہ جن دستاویزوں میں تحریف اور تغیر کیا جاتا ہے اس میں محرف الفاظ کی تبدیلی اور

---

[1] اس لئے کہ جب یہ کہہ دیا گیا کہ وہ نبی تمہارے درمیان سے مبعوث کیا جائے گا اور مخاطب بنی اسرائیل ہیں، تو لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا، پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی،
[2] یعنی استثنا ۱۸: ۱۸ میں پوری عبارت صفحہ ۱۳۴۰ جلد ہذا پر گذر چکی ہے،
[3] دیکھئے اعمال باب ۳ اور ۳: ۱۹ ۔

تحریف کو اسی دستاویز کے دوسرے حصے اور مقامات عموماً ثابت کر دیتے ہیں، اسی طرح جھوٹے گواہ خود اپنے بیان کے دوسرے حصوں کے جھوٹے اور دروغ گو ثابت ہو جاتے ہیں،

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی عادت اور سنت یوں ہی جاری ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کی تدابیر کو فیل اور ناکام بنا دیا کرتے ہیں، اور خدا کی مہربانی سے دین میں خیانت کرنے والوں کی خیانت کا بھانڈا سرِ راہ پھوٹ جاتا ہے، اللہ کی اس عادت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خیانت کرنے والوں سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے یا کوئی چُوک ہو جائے جس سے ان کی خیانت الم نشرح ہو جائے،

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی مذہب نہیں ہے جس میں سَو فی صدی لوگ خائن ہوں، اور کوئی بھی دیانتدار نہ ہو، اس لئے جن خائنوں اور دھوکہ بازوں نے دونوں عہدوں کی کتابوں میں تحریف و تغیر کیا تھا ان کی تاک میں کچھ دیانتدار لوگ بھی آخر دنیا میں موجود تھے، اس اندیشے کی وجہ سے پورے کلام اور تمام عبارت کو بدلنے اور تحریف کرنے کی ان خائنوں کو جرأت نہ ہو سکی، ہمارے خیال میں یہ جواب اہلِ کتاب کی عادت کے پیشِ نظر دیا گیا ہے، جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہے،

دُوسرے اعتراض کا جواب

اب رہا دوسرا اعتراض اس کے جواب میں ذیلی شہادت ملاحظہ فرمائیے، انجیلِ یوحنا کی پوری عبارت اس طرح ہے:

"اگر تم موسیٰؑ کی تصدیق کرتے تو میرا بھی یقین کرتے، اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے"

اس میں اس بات کی کسی درجہ میں بھی تصریح نہیں کی گئی... کہ موسیٰؑ نے فلاں مقام پر عیسیٰؑ کے حق میں لکھا ہے، بلکہ اس عبارت سے صرف اتنی بات

سمجھ میں آتی ہے کہ موسیٰ ؑ نے کسی مقام پر عیسیٰ ؑ کے حق میں بھی لکھا ہے، یہ اُس صورت میں بھی صحیح ہوگا جب کہ توریت میں کسی جگہ بھی اس کی جانب اشارہ کیا گیا ہو، اتنی بات ہم بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں، جیسا کہ خود ناظرین کو بشارت نمبر ۳ کے ذیل میں عنقریب معلوم ہو جائے گا، اگر ہم کو اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم بیان کرچکے ہیں، اس چیز کا انکار ہے کہ ان کے قول کا اشارہ اُس پیشینگوئی کی جانب ہو جس کی گفتگو ہو رہی ہے،

حالانکہ یہ معترض صاحب میزان الحق باب ۲ فصل نمبر ۳ میں یہ دعویٰ کرچکے ہیں کہ سفر تکوین باب ۳ آیت ۱۵ کا اشارہ حضرت عیسیٰ ؑ ہی کی طرف ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی تصریح کے لئے اتنی بات کافی ہے[1]، بیشک اگر عیسیٰ علیہ السلام یوں فرماتے کہ موسیٰ ؑ نے اپنی پانچوں کتابوں میں سے کسی کتاب میں میرے سوا کسی پیغمبر کی جانب اشارہ نہیں کیا، تو اس صورت میں اس وہم کی گنجائش نکل سکتی تھی،

دوسری بشارت
استثناء کی ایک اور عبارت

کتاب استثناء باب ۳۲ آیت ۲۱ میں ہے:

"انھوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا، سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی

---

[1] عیسائی علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب پیدائش ۱۲: ۳ اور ۱۸: ۱۸ اور ۴۹: ۱۰ میں حضرت مسیح کی پیشینگوئی مذکور ہو جو ظاہر ہو کہ (ان کے خیال کے مطابق) حضرت موسیٰ ؑ ہی نے کی تھی، پھر حضرت مسیح کا یہ ارشاد کہ موسیٰ ؑ نے میرے آنے کی پیشینگوئی کی ہو' ان آیتوں کی طرف اشارہ کیوں نہیں ہو سکتا؛ حضرت مسیح نے یہ کب کہا ہو کہ استثناء ۱۸: ۱۵ کی آیت میرے حق میں ہو،

بلکہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح نے تو اس بشارت کے اپنے حق میں ہونے سے صاف انکار کیا ہو، یوحنا ۱: ۹ میں صاف لکھا ہو کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ پوچھا کہ کیا آپ وہی نبی ہیں جس کی بشارت حضرت موسیٰ ؑ نے استثناء ۱۸: ۱۵ میں دی تھی تو حضرت مسیح نے صاف انکار کر دیا، تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے ص ۳۳۴ و ۳۴۲ و ۱۳۶۹، جلد ہذا اور ان کے حواشی،

امت نہیں، ان کو غیرت اور ایک نادان[1] قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا"

اس میں نادان قوم سے مراد عرب ہیں کیونکہ یہ لوگ انتہائی گمراہ اور جاہل تھے، ان کو کوئی علم بھی نصیب نہ تھا، نہ علومِ شرعیہ، نہ علومِ عقلیہ، سوائے بت پرستی کے اور کچھ نہ جانتے تھے، ادھر یہودیوں کی نگاہ میں یہ لوگ اس لئے بے انتہا حقیر و ذلیل تھے کہ وہ باندی یعنی حضرت ہاجرہؑ کی نسل سے تھے،

اب آیت کا مقصود یہ ہوا کہ چونکہ بنی اسرائیل نے اپنے باطل معبودوں کی عبادت کی بنار پر مجھ کو غیرت پر برانگیختہ کیا ہے، اس لئے میں بھی ایسے لوگوں کو منتخب اور مقبول بنا کر ان کو غیرت دلاؤں گا، جو اُن کی نگاہ میں سخت حقیر و ذلیل ہیں، چنانچہ اللہ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ اہلِ عرب میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے صراطِ مستقیم کی جانب لوگوں کی رہنمائی کی، جیسا کہ سورۂ جمعہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، (آیت ۲)	"باری تعالیٰ وہ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کرے اور انھیں پاک و صاف بنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے"

جاہل قوم سے مراد یونانی لوگ ہرگز نہیں ہیں، جیسا کہ پولس کے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۰ سے مفہوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یونانی لوگ مسیحؑ کے ظہور سے

[1] مصنف اظہار الحق نے جس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں یہاں "نادان" کے بجائے "جاہل قوم" کا لفظ ہے،

تین سو سال قبل ہی علوم و فنون میں دنیا کی تمام اقوام سے فائق ہو چکے تھے، تمام بڑے بڑے مشاہیر حکماء سقراط و بقراط و فیثا غورس و افلاطون و ارسطا طالیس و ارشمیدس و بلنیاس و اقلیدس و جالینوس وغیرہ جو علومِ الٰہیات و ریاضیات اور طبیعیات اور ان کی فروع کے امام ہیں مسیح سے پیشتر ہو چکے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اپنے فنون میں کمال کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے، اس کے ساتھ ہی یہ لوگ توریت کے احکام اور اس کے قصوں سے اور عہد عتیق کی تمام کتابوں سے ہفتادی ترجمہ کے ذریعہ جو یونانی زبان میں مسیح سے ۲۸۶ سال قبل معرضِ وجود میں آچکا تھا، کامل طور پر واقفیت رکھتے تھے، لیکن یہ لوگ مذہب موسوی کے معتقد نہ تھے، بلکہ اشیاء کی جدید حکمت کی تحقیق و جستجو کے درپے رہتے تھے، چنانچہ یہی "مقدس" پولس صاحب" کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اول آیت ۲۲ میں رقمطراز ہیں:

"اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں، مگر ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں، جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور (یونانیوں[1]) کے نزدیک بیوقوفی ہے"

اس لئے استثناء کی مذکورہ بالا عبارت میں جاہل قوم سے مراد یونانی ہرگز نہیں ہو سکتے، اور پولس نے رومیوں کے نام خط میں جو کچھ کہا ہے وہ یا تو قابلِ تاویل ہے، یا باطل اور مردود، اور ہم نمبر ۸ میں بیان ہی کر چکے ہیں، کہ پولس کی کوئی بات ہمارے نزدیک لائقِ اعتبار نہیں،

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، قدیم و جدید انگریزی ترجمے بھی اسی کے مطابق ہیں، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں "یونانیوں" کے بجائے "غیر قوموں" کا لفظ لکھ دیا گیا ہے،

استثنا کی تیسری بشارت فاران سے جلوہ گر ہو گا، کتاب استثناء کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے باب ۳۳ میں ہے:

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاراں سے جلوہ گر ہوا، اور (ہزاروں[1]) قدسیوں میں سے آیا، اس کے دلہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"

خداوند کے سینا[2] سے آنے کا مطلب ہے، خدا کا موسیٰ کو توریت عطا فرمانا اور کوہِ شعیر[3] سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا عیسیٰ کو انجیل عطا فرمانا، کوہِ فاران[4]

---

[1] اظہار الحق میں یہی لفظ ہے، کیتھولک بائبل اس کے مطابق ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "لاکھوں" کا لفظ ہے، اور انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) میں دس ہزار مذکور ہے،

[2] سینا کوہِ طور کا دوسرا نام ہے،

[3] کوہِ شعیر ( ) شام میں ایک پہاڑ ہے، جسے آجکل جبل الخلیل کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے، (از الاجوبۃ الفاخرۃ للقرافی علیٰ ہامش الفارق ص ۲۳۸) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ "ساعیر" (شعیر) کے نام سے آج تک وہاں ایک بستی موجود ہے (ہدایۃ الحیاریٰ، ص ۳۶۲)

[4] "فاران" (Paran) یہ پیشگوئی شاید تمام پیشگوئیوں میں سب سے زیادہ صریح ہے، اس لئے کہ اس میں کوہِ فاران کا لفظ موجود ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں،

لفظ فاران کی تحقیق چونکہ اس عبارت میں لفظ "فاران" صراحۃً موجود ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ اس کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں، ان کی طرف سے "فاران" کے چار محلِ وقوع بیان کئے گئے ہیں:-

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سے جلوہ گر ہونے سے اللہ کے قرآن نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ فاران

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۱) بیت المقدس کا نام ہے (از کتاب الفارق بین المخلوق والخالق، مصنفہ باچہ جی زادہ ص ۲۰۵ مصر ۱۳۲۲ھ)

(۲) اُس وسیع میدان کا نام فاران ہے جو قادس سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے، اور جس کی شمالی حد کنعان، جنوبی حد کوہ سینا، مغربی حد ملکِ مصر اور مشرقی حد کوہ شعیر ہے، اور اس صحراء کے اندر صور، سینا، سن وغیرہ کے نام سے چھوٹی چھوٹی وادیاں شامل ہیں (دیکھئے نقشہ بائبل مرتبہ جان اسٹرلنگ، شائع کردہ لندن جیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ متضمنہ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس نقشہ نمبر ۲، بی ۳ و ۴)

(۳) قادس ہی کا نام فاران ہے (از خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں ص ۹۹، مطبوعہ نفیس اکاڈمی کراچی ۱۹۶۴ء)

(۴) فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے (ایضاً)

لیکن ہماری نظر میں یہ چاروں توجیہات بالکل غلط ہیں، پہلی تو اس لئے کہ آج تک کسی مغربی یا مشرقی جغرافیہ داں کا یہ دعویٰ ہمیں نہیں مل سکا کہ بیت المقدس کا دوسرا نام فاران ہے، اس کے علاوہ ظاہر ہے کہ اگر تورات کی پیشگوئی میں فاران سے مراد بیت المقدس ہو تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوگا، حالانکہ "شعیر سے آشکار" ہونے کا مطلب بھی حضرت عیسیٰؑ ہی کی بشارت ہے، اس صورت میں یہ بلاوجہ تکرار ہوگا، پھر "فاران" کے لغوی معنی "صحراء" ہیں، اور پیدائش ۲۱: ۲۰ و گنتی ۱۰: ۱۲ وغیرہ میں بھی تصریح ہے کہ وہ ایک "بیابان" ہے، حالانکہ بیت المقدس نہایت سرسبز و شاداب خطہ ہے، اُسے بیابان نہیں کہا جا سکتا،

دوسری توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ "فاران" ایک بڑا صحرا ہے، جس کے تحت "صور"، سینا وغیرہ سب داخل ہیں، اس پر پہلا اعتراض تو یہ وارد ہوتا ہے کہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ "فاران سے جلوہ گر" ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول مراد ہے، حالانکہ یہ بات اس سے پہلے "خداوند سینا سے آیا" والے جملہ میں کہی جا چکی ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ) اور بہت واضح انداز میں کہی جا چکی ہے، اب ایک مبہم جملہ میں اس کا اعادہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، بالخصوص جبکہ دونوں جملوں کے درمیان "شعیر سے ان پر آشکارا ہوا" کا جملہ بھی حائل ہے،

نیز توریت کی بہت سی عبارتیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ "فاران" صور، سینا وغیرہ کے صحراؤں سے بالکل الگ ایک صحرا ہے، صور، سینا وغیرہ اس کا جزء نہیں ہیں مثلاً کتاب گنتی میں ہے: "بنی اسرائیل دشتِ سینا سے کوچ کر کے نکلے اور وہ ابر دشتِ فاران میں ٹھہر گیا" (گنتی ۱۰: ۱۲ مزید دیکھئے پیدائش ۱۴: ۶، گنتی ۱۲: ۱۶، ۱۳: ۱۶، ۱۳: ۳، ۱۳: ۲۵ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ دشتِ سینا الگ ہے، اور دشتِ فاران الگ،

تیسری توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ قادس کا دوسرا نام فاران ہے، اس کی تردید کے لئے کتاب پیدائش کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے "اور حواریوں کو ان کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ہوا ہے، لے آئے، پھر وہ لوٹ کر عین مصفات یعنی قادس پہنچے" (پیدائش ۱۴: ۶و ۷، مزید ملاحظہ ہو گنتی ۱۳: ۲۶) اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ قادس اور فاران الگ الگ وادیاں ہیں،

چوتھی توجیہ کے سلسلے میں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ بلاشبہ بعض جغرافیہ دانوں نے بیان کیا ہے کہ کوہِ سینا کے قریب ایک صحرا فاران کہلاتا تھا، لیکن تحقیق اس بات کی کرنی ہے کہ آیا اس پیشینگوئی میں وہی فاران مراد ہے یا کوئی اور؟

اس بات کو تو عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس پیشینگوئی میں جس فاران کا تذکرہ ہے اس سے وہی فاران مراد ہے، جس کے بارے میں کتاب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس میں سکونت اختیار کی تھی، (دیکھئے آکسفورڈ سائیکلوپیڈیا کی بائبل کنکارڈنس، ص ۲۱۷، لفظ Paran) اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کون سے دشتِ فاران میں سکونت اختیار کی تھی؟ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سو اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تمام مستند مورخین حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت کی جگہ "حجاز" قرار دیتے ہیں، اور قدیم کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی، چنانچہ ایوکریفا کی کتاب بارُوخ میں ہے:

" In Theman none had caught sight of it, even the sons of Ager, so well schooled in earthly wisdom."

یعنی "تیمان میں بھی کسی نے اسے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ہاجرہ کے بیٹوں نے بھی جو دنیوی عقل و ہوش کے اعتبار سے بہت قابل ہیں" (بارُوخ ۳: ۲۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہاجرہ کے بیٹے حضرت بارُوخ علیہ السلام کے زمانے میں "تیمان" میں آباد تھے، تیمان، یمن کا قدیم نام ہے، جو حجاز سے بالکل متصل ہے، اور حضرت بارُوخ علیہ السلام کے زمانے تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد حجاز سے وہاں تک یقیناً پھیل گئی ہوگی،

یہی وجہ ہے کہ توریت سامری کا وہ عربی ترجمہ جسے آر کوئی ٹن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈ لی بنادرم شائع کیا تھا، اس میں "فاران" سے ارضِ حجاز مراد لی ہے، اور فاران کے لفظ کے آگے قوسین میں حجاز کا لفظ لکھ دیا ہے، اس ترجمہ کی عبارت یہ ہے:

"اسکن فی بریۃ فران (الحجاز) واخذت لہ امّہ امرأۃ من ارض مصر" (منقول از خطبات احمدیہ ص ۹۸)

اس کے علاوہ مشرقی جغرافیہ نگار فاران کے دو محلِ وقوع بیان کرتے ہیں، ایک ارضِ حجاز اور دوسرے سمرقند کے قریب ایک علاقہ (دیکھئے معجم البلدان للشیخ یاقوت الحموی ص ۲۲۵ ج ۴ بیروت ۱۳۷۶ھ) ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمرقند کے علاقہ میں آباد نہیں ہوتے، تو اب ارضِ حجاز متعین ہے،

(باقی بر صفحہ آئندہ)

"اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا، اور تیر انداز بنا، اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا، اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اُس کے لئے بیوی لی"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جن عیسائی علماء نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کوہ سینا کے مغربی نشیب پر سکونت پذیر ہوئے تھے، ان کے دلائل کا تفصیلی رد سر سید احمد خاں صاحب نے بہت مدلّل طور سے کردیا ہے، (دیکھئے خطبات احمدیہ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۱۰ و ۴۳۶ تا ۴۴۷) یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، جو صاحب چاہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں ـــــ بہرکیف یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ اس پیشگوئی میں "فاران" سے مراد "حجاز" یا "مکہ مکرمہ کے پہاڑ" ہیں، اب یہ پیشگوئی کئی اعتبار سے قرآن کریم کے مطابق ہوگئی،

اس لئے کہ اس بشارت میں "خداوند کے سینا سے آنے" کا ذکر ہے، جو حضرت موسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے، پھر "شعیر سے آشکارا" ہونے کا تذکرہ ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی طرف تلمیح ہے، اور آخر میں "فاران سے جلوہ گر" ہونے کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے، قرآن کریم نے اسی بشارت کو سورۂ تین میں بالفاظ ذیل ادا کیا ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ	قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی، اور اس امن والے شہر کی"

سب جانتے ہیں کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے، اور وہی کوہِ شعیر کا مبدأ ہے، "طور سینا" حضرت موسیٰؑ سے عبارت ہے، اور "بلد امین" سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، پھر ایک اور بات پر غور فرمایئے، اس پیشگوئی کے پورے الفاظ یہ ہیں:

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت (استثناء ۳۳: ۲)

یہ بات یقینی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت مکہ میں رہی ہے، یہ مطلب لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ جو آگ جس وقت طورِ سینا سے روشن ہوئی، اسی

ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے" (استثناء ۳۳: ۲، ۳)

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبرؐ کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہِ فاران سے نورِ الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری کے ساتھ چار باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآنِ مجید کے سورۂ فتح والے بیان کے عین مطابق ہیں،

(۱) "وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا"

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ،	"محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں"

واضح رہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر صحابہ کی تعداد دس ہزار تھی، جو فاران سے طلوع ہونے والے اس نورانی پیکر کے ساتھ شہرِ خلیل میں داخل ہو رہے تھے،

(۲) "اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی"

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ،	"وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے"

(۳) "وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا"

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ،	"آپس میں ایک دوسرے پر مہرباں ہوں گے"

(۴) "(اے خدا) اس آنے والے پیغمبرؐ کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے"

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ،	"دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے، خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلبگار ہیں، اطاعت اور عبادت کے اثر سے ان کے چہروں میں نورانیت ہے" (الفتح آیت ۲۹)

وقت کوہ شعیر سے ظاہر ہوئی، اور کوہِ فاران سے بھی، اور وہ آگ بہ یک وقت ان تمام مقامات پر پھیلی، کیونکہ خدا اگر کسی جگہ صرف آگ کو پیدا کر دے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ "خدا اس مقام سے آیا" مگر اسی وقت جبکہ اس واقعہ کے بعد اس مقام پر وحی کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیا اس تجزیہ کے بعد بھی اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے؟

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ "یہ اُن کا حال ہے تورات میں"!

اس بشارت میں تراجم کی تحریفیں تورات کی یہ بشارت چونکہ خاصی صریح تھی، اس لئے اس کی عبارت میں ترمیم و تحریف کی بھی خاصی مشق کی گئی ہے، پہلے تو "دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا" والے جملے میں ترمیم کی گئی ہے، قدیم اردو ترجموں میں یہ جملہ اسی طرح مذکور ہے (دیکھئے تفسیر حقانی ختم سورۂ شعراء آیت وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ، اور سیرۃ النبیؐ، مولانا سید سلیمان ندویؒ ص ۱۴۸ ج ۳) انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں بھی یہی الفاظ ہیں، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ لکھ دیا گیا ہے" اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" یہاں سے "دس ہزار" کا لفظ اڑا دیا گیا ہے، غالباً اس لئے کہ اس سے فتح مکہ کے وقت صحابہ کی تعداد ظاہر ہوتی تھی، اور کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں "دس ہزار" اور "لاکھوں" کے بجائے "ہزاروں" کا لفظ لکھ دیا گیا ہے،

پھر اسی پر بس نہیں، علامہ سید باجہ جی زادہؒ نے نقل کیا ہے کہ ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت ۱۳۱۳ھ میں یہ پورا جملہ ہی سرے سے حذف کر دیا گیا ہے، اور اس کی جگہ ایک ایسا جملہ بڑھا دیا ہے جس کا کوئی ذکر سابقہ ترجموں میں نہیں تھا، اس میں یہ جملہ ہے: "واتی من ربوات القدس" یعنی "وہ قدس کے ٹیلوں سے آیا" (ملاحظہ ہو الفارق بین المخلوق والخالق، ص ۳۸۵)

تحریف کی دوسری مشق تیسرے جملہ یعنی "اپنے لوگوں سے محبت کرے گا" پر ہوئی ہے، یہ الفاظ قدیم اردو ترجموں کے ہیں (سیرۃ النبیؐ، ص ۱۴۸ ج ۳) موجودہ کیتھولک بائبل میں بھی یہی الفاظ ہیں، مگر جدید اردو اور انگریزی ترجموں میں اسے بدل کر یہ جملہ لکھ دیا گیا ہے" وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے"۔ ——— اور اس طرح اس جملہ کو قرآنی (باقی بر صفحہ آئندہ)

نزول بھی ہو، یا کسی عتاب وعقوبت کا، ادھران لوگوں کو یہ تسلیم ہے کہ اس حلقہ کے بعد طور سینا میں وحی کا نزول ہوا، اس لئے ضروری ہوگا کہ اسی طرح کوہ شعیر اور فاران پر بھی وحی کا نزول ہو،

چوتھی بشارت

کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں جو وعدہ فرمایا اس کی عبارت ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے:

"اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سُنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"

اس میں ایک "بڑی قوم" کا لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کر رہا ہے، اس لئے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں کوئی شخص حضورؐ کے سوا موجود نہیں ہو کہ جو بڑی قوم والا ہو، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ نے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعاء کو نقل فرمایا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دونوں باپ بیٹوں نے اللہ سے مانگی تھی، اور وہ یہ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ	اے ہمارے پروردگار: ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے بھیجئے، جو اُن کے سامنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جملے "رحماء بینہم" سے جو مطابقت تھی وہ ختم ہوگئی، یہ تو وہ تبدیلیاں ہیں جن سے بشارت کے اصل مفہوم پر اثر پڑتا ہے، اور اس کے علاوہ اسی ایک جملہ میں بائبل کے تراجم میں جو بے پناہ اختلافات ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے شاید کئی صفحات درکار ہوں ۱۲ محمد تقی،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝	تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور انھیں پاک و صاف کر دے، بلاشبہ آپ عزت و حکمت والے ہیں ؛

امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب کی قسم ثانی فصل اوّل میں لکھا ہے کہ :

"بعض سمجھ دار لوگوں نے جو یہودیوں کی زبان سے واقف اور اُن کی بعض کتابیں پڑھے ہوئے تھے، اپنی ہوشیاری سے معلوم کر لیا کہ توریت کی مذکورہ عبارت کے دو موقعوں سے اعداد کے اس قاعدہ کے بموجب جس کو یہودی اپنے یہاں بکثرت استعمال کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکلتا ہے، اول تو "ادا" کے لئے اس زبان میں "بماد ماد" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور ان حروف کے اعداد کل ۹۲ ہوتے ہیں، اس لئے کہ بآء کے دو ہیں اول میم کے چالیس الف کا ایک، دال کے چار، دوسرے میم کے چالیس، الف کا ایک، دوسری دال کے چار، کل ۹۲، اسی طرح لفظ "محمدؐ" کے اعداد بھی ۹۲ ہوتے ہیں، اس لئے کہ میم کے چالیس، حآء کے آٹھ اور دوسرے میم کے چالیس، دال کے چار، کل ۹۲،

اِسی طرح دوسرا لفظ "بڑی قوم" لغتِ یہود میں اس کی جگہ "لغوی غدل" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس میں لآم کے تیس اور غین کے تین ہیں، کیونکہ یہود کے یہاں غین کا استعمال جیم کی جگہ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ان کی لغت میں جیم اور ضاد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، اور واؤ کے ۶ اور یآء کے دس پھر

عین کے تین اور دال کے چار، واو کے چھ اور لام کے تیس، ان سب کا مجموعہ بھی ۹۲ ہی ہوتا ہے"

حضرت سلطان بایزید خاں مرحوم کے عہد میں عبد السلام نامی ایک یہودی عالم مشرف باسلام ہوا، اور ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کیا، جس کا نام "الرسالۃ الہادیۃ" رکھا، اس میں کہتا ہے کہ:

"یہودیوں کے بڑے بڑے عالموں کی اکثر دلیلیں بڑے جملوں کے حروف سے ماخوذ ہوتی ہیں، یعنی حروف ابجد کے قاعدے سے، کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو علمائے یہود ان کے پاس جمع ہوئے، اور کہا کہ یہ عمارت چار سو دس سال قائم رہے گی، پھر ویران ہو جائیگی یہ بات انھوں نے لفظ "بزات" کے اعداد سے نکالی،

پھر امام موصوف کہتے ہیں کہ:

"اس دلیل پر معترضین نے اعتراض کیا کہ "بماد ماد" میں جو با ہے وہ نفس کلمہ کی نہیں ہے، بلکہ یہ ادات ہے، اور حروف صلہ میں سے ہے، اب اگر اس سے محمدؐ کے نام کی تخریج کی جائے گی، تو ایک دوسری با کی ضرورت پیش آئے گی، اور یوں کہنا پڑے گا "بماد ماد" جواباً یہ کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی کلمہ میں ایسی دو با جمع ہو جائیں جن میں ایک ادات ہو اور دوسری نفس کلمہ کی ہو تو ادات کو حذف کر دیا جائے گا اور کلمہ والی با کو باقی رکھا جائے گا، اس قاعدہ پر اکثر و بیشتر مقامات میں معترضین کے یہاں بھی عمل در آمد پایا جاتا ہے، اس لئے یہ اعتراض لغو ہے"

ہم کہتے ہیں کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے "ماد ماد" بھی ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ کی شفاء میں صاف طور پر مذکور ہے[1]

پانچویں بشارت

کتاب پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ ترجمہ عربی ۱۸۲۲ء، ۱۸۳۱ء، ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی، اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہونگی"

لفظ شیلوہ کے معنی میں اہل کتاب کا بڑا شدید اختلاف ہے، جو ساتویں بات میں آپ کو معلوم[2] ہو چکا ہے،

عبد السلام مذکور نے رسالہ ہادیہ میں یوں کہا ہے کہ:

"اس آیت میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی حکومت کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، کیونکہ حاکم سے مراد موسیٰؑ ہیں، اس لئے کہ یعقوبؑ کے بعد موسیٰؑ تک کوئی شخص صاحبِ شریعت نہیں آیا،[3] اسی طرح "قانون دینے والا" سے مراد عیسیٰؑ ہیں، کیونکہ موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ تک اُن کے سوا کوئی صاحب شریعت نہیں آیا، اور ان دونوں کے

---

[1] شرح شفاء، ص

[2] دیکھئے صفحہ ۳۶۳ جلد ۱ اور اس کا حاشیہ،

[3] صاحب رسالہ ہادیہ نے اس پیشگوئی کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں ایک جملہ یہ ہے: "یہوداہ سے حاکم نہیں ہٹے گا، اور نہ اس کے پاؤں سے راسم ہٹے گا" راسم کے معنی انگریزی ترجموں میں صاحب شریعت (Law-giver) مذکور ہیں،

بعد سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی صاحب شریعت نہیں ہوا، یعقوبؑ علیہ السلام کے قول فی آخر الایام[1] سے معلوم ہوا کہ اس کا مصداق ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے کہ حاکم اور صاحب شریعت کے حکم ختم ہو جانے کے بعد آخری دور میں سوائے آپؐ کے اور کوئی نہیں آیا، نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ لفظ "وہ آجائے جس کے لئے وہ ہے" سے مراد حکم ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق یہی بتاتا ہے، اور لفظ "اور تمام قومیں اس کی مطیع ہوں گی" یہ اس بات کی صریح علامت ہے اور واضح دلیل ہے کہ اس کا مصداق یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کیونکہ تمام قومیں آپ کے سوا کسی کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئیں،

البتہ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس عبارت میں کسی جگہ زبور کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیان ترتیب میں اس کا نمبر ہے، تو بڑی وجہ اس کی یہ ہے کہ زبور میں اوّل تو سرے سے احکام ہی نہیں ہیں، پھر داؤد علیہ السلام خود صاحب شریعت مستقلہ نہیں ہیں، بلکہ موسیٰؑ کے تابع ہیں، اور اس مقام پر یعقوبؑ کی پیشگوئی میں صاحب احکام لوگوں کا بیان ہو رہا ہے،

ہم کہتے ہیں کہ حاکم کا مصداق موسیٰؑ اس لئے ہیں کہ آپ کی شریعت جبری

---

[1] "فی آخر الایام" اظہار الحق کے عربی نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں بائبل کا کوئی ترجمہ ایسا نہیں مل سکا جس میں "شیلوہ" کے ساتھ "فی آخر الایام" کا لفظ ہو، ممکن ہے کہ صاحب رسالہ ہادیہ جس بائبل سے نقل کر رہے ہیں اس میں یہ لفظ موجود ہو،

اور انتقامی ہے، اور راسم یعنی صاحبِ شریعت سے مراد عیسیٰؑ ہیں، اس لئے کہ آپ کی شریعت جبری نہیں ہے، نہ انتقامی ہے، اور اگر لفظ عصا سے مراد دنیوی سلطنت ہو اور اسی طرح مدبر سے مراد دنیوی حاکم ہو، جیسا کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے پادریوں کے رسالوں اور ان کے بعض ترجموں سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ لفظ "شیلوہ" سے نہ تو مسیح یہود[1] مراد لینا درست ہے، جیسا کہ یہودی دعویٰ کرتے ہیں، نہ اس کا مصداق عیسیٰؑ ہو سکتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا دعویٰ ہے،

پہلی بات تو اس لئے غلط ہے کہ دنیوی سلطنت اور دنیوی حاکم تو یہوداہ کے خاندان سے بخت نصر کے زمانے سے ختم ہو چکے ہیں، جس کو اب دو ہزار سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور آج تک کبھی مسیح یہود کی بھنک تک کان میں نہیں پڑی،

رہی دوسری بات، سو وہ اس لئے غلط ہے کہ یہ دونوں چیزیں خاندانِ یہوداہ سے عیسیٰؑ کے ظہور سے چھ سو سال قبل ہی مٹ چکی تھیں، جب کہ بخت نصر نے یہوداہ کی اولاد کو بابل کی طرف جلاوطن کیا، اور تقریباً ۶۳ سال ان کی یہی حالت رہی نہ کہ ستر سال، جیسا کہ بعض علماءِ پروٹسٹنٹ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں،

پھر اُن لوگوں پر انٹیوکس کے عہد میں جو مصیبتیں پڑیں وہ دنیا کو معلوم ہیں، کیونکہ اس نے اونیاس عالم یہود کو اس کے منصب سے معزول کر کے اس کے بھائی یاسون کے ہاتھ اس عہدہ کو ۳۶۰ اشرفیوں کے عوض فروخت کر دیا، اس

[1] "مسیح یہود" یہودی کہتے ہیں کہ جس مسیح کے آنے کا عہد نامہ قدیم میں تذکرہ ہے وہ ابھی تک نہیں آیا، ابھی اس کا انتظار ہے،

... طرح کہ وہ یہ ٹیکس کی رقم سالانہ ادا کیا کرے، پھر اس کو بھی معزول کرکے اس کے بھائی مینالاؤس کے ہاتھ ۶۶۰ اشرفیوں کے عوض یہ منصب فروخت کر دیا، پھر جب اس کی موت کی خبر مشہور ہوئی تو یاسون نے اپنے لئے اس عہدے کی واپسی کا مطالبہ کیا، اور اورشلیم میں ہزاروں کا لشکر لے کر داخل ہوا، اور جس شخص پر بھی اسے اپنے مخالف اور دشمن ہونے کا گمان ہوتا اس کو قتل کر دیتا تھا، حالانکہ مینالاؤس کے مرنے کی خبر غلط تھی، یہ سُنکر انطیوکس نے اورشلیم کا محاصرہ کرلیا، اور ۱۷۰؁ قبل مسیح میں دوبارہ اس کا مالک بن گیا، وہاں کے باشندوں میں سے چالیس ہزار انسانوں کو قتل کیا، اور اتنے ہی لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کرڈالا، کتاب مرشد الطالبین مطبوعہ ۱۸۵۲؁ء جلد ۲ فصل ۲۰ تاریخی جدول کی بحث میں صفحہ ۴۸۱ پر لکھا ہے:

"اس نے اورشلیم کو خوب لوٹا، اور اسّی ہزار انسانوں کو قتل کرڈالا"

صرف اس قتلِ عام پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ عبادت خانوں میں جو بیش قیمت سامان موجود تھا جس کی قیمت اندازاً آٹھ سو اشرفیاں تھی، اس سب کو لُوٹ لیا اور قربان گاہ کی اہانت کے لئے وہاں ایک خنزیر کو ذبح کیا، پھر انطاکیہ کی طرف لوٹا، اور ایک نہایت کمینے شخص فیلبّس کو یہودیوں کا حاکم بنادیا، اور اپنے چوتھے سفرِ مصر کے وقت ابولونیوس کو بیس ہزار کا لشکر دے کر اورشلیم کی جانب روانہ کیا، اور حکم دیا کہ اورشلیم کو اجاڑ دے، وہاں کے باشندوں میں سے تمام مردوں کو قتل کرے، اور عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنالے، چنانچہ یہ لشکر روانہ

لہ دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب، باب اول و دوم،

ہوا، اور ایسی بے خبری کی حالت میں جب کہ اہلِ شہر یوم السبت کے متبرک دن میں نماز کے لئے اکٹھے ہو رہے تھے، اچانک اُن پر حملہ کر دیا، اور سوائے اُن چند لوگوں کے جو کسی پہاڑ یا غار میں بھاگ کر روپوش ہو گئے، اور کوئی شخص نہیں بچ سکا، شہر والوں کے اموال کو خوب لوٹا، پوری بستی میں آگ لگا دی، ستونوں کو گرا دیا، مکانات کو اجاڑ ڈالا، انہی منہدم شدہ مکانات کے ملبہ سے اکرا پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بنایا، جہاں پر فوجی پہرہ عبادت خانہ کے اطراف و جوانب کی نگرانی کے لئے لگا دیا گیا، اور جو شخص بھی عبادت خانہ کے قریب آتا فوراً قتل کر دیا جاتا،

پھر انتیوکس نے اثانیوس کو اس کام کے لئے بھیجا، کہ وہ یہودیوں کو یونانی بت پرستی کی تعلیم دے، اور جو شخص اس حکم کی تعمیل میں چون و چرا کرے وہ قتل کر دیا جائے، چنانچہ اثانیوس اورشلیم پہونچا، جس کے ساتھ کچھ کافر یہودی بھی معین و مددگار بن گئے، اور ذبیحہ مقررہ کو حکماً روک دیا گیا، اور یہودی مذہب کی عبادت کے تمام طریقوں کو منسوخ قرار دیا، عہد عتیق کے تمام نسخے جس قدر تلاش سے مل سکے سب کو جلا دیا، اور ہیکل کی عمارت کو جیوپیٹر کی عبادتگاہ[1] بنا دیا اور یہودیوں کی قربان گاہ پر جیوپیٹر کا بت نصب کر دیا، اور جس شخص کو انتیوکس کا مخالف پایا قتل کر ڈالا،

اس قیامتِ صغریٰ میں صرف متاثیاس کاہن مع اپنے پانچ بیٹوں کے کسی نہ کسی طرح بچ کر اپنے وطن کی جانب بھاگ گئے، اور اپنے قریبی خاندان کے

[1] دیکھئے صفحہ ۱۲۳ جلد ۲ کا حاشیہ،

لوگوں میں پناہ لے کر قوت اور طاقت پیدا کی، اور ان کافروں سے اپنی قوت و طاقت کے بقدر بدلہ لیا جیسا کہ تواریخ کی کتابوں میں ان واقعات کی تصریح موجود ہے[1]،

ایسی حالت میں یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکر صادق آسکتی ہے؟ اور اگر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ سلطنت اور حکومت[2] کے باقی رہنے کا مطلب بشارت میں امتیاز قومی[3] ہے، جیسا کہ آجکل بھی کچھ لوگ اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اُس وقت بھی اس بشارت سے مراد حضرت عیسیٰؑ نہیں ہوسکتے، یہ صورتِ حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک باقی چلی آتی تھی، ملکِ عرب کے مختلف حصوں میں ان لوگوں کے بکثرت مضبوط قلعے اور املاک موجود تھیں، اس طرح یہ لوگ کسی کے ماتحت اور مطیع نہیں تھے، جیسا کہ خیبر وغیرہ کے یہودیوں کی نسبت تاریخ شاہد ہے، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان یہودیوں پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی، اور ہر ملک میں دوسروں کی ذلیل رعایا بن گئے، اِس لئے "شیلوہ" کا صحیح مصداق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں، نہ تو مسیح یہود اس کا مصداق ہے، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام،

---

[1] دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۲: ۲ و ۳،

[2] یعنی مطلب یہ ہو کہ سلطنت کے باقی رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کا قومی امتیاز باقی رہے گا، اور بحیثیت قوم انھیں عزت و شوکت نصیب رہے گی،

[3] لہٰذا اگر "شیلوہ" سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہوتے تو آپ کی تشریف آوری کے بعد یہودیوں کا قومی امتیاز ختم ہوجانا چاہیے تھا، اس لئے کہ بشارت میں یہ کہا گیا ہو کہ "یہودیوں کا قومی امتیاز شیلوہ" کے آنے تک باقی رہے گا، جب حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی سینکڑوں سال تک ان کا قومی امتیاز باقی رہا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح "شیلوہ" نہیں تھے،

چھٹی بشارت

زبور نمبر ۴۵ میں اس طرح ہے:

"میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے میں وہی مضامین سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کئے ہیں، میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے، تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے، تیرے ہونٹوں (پر نعمت بٹی[1] ہے) اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا، اے زبردست تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر، اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو، اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا، تیرے تیر تیز ہیں، وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں لگے ہیں، امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں، اے خدا تیرا تخت ابد الآباد ہے، تیری سلطنت کا عصاء راستی کا عصاء ہے، تو نے صداقت سے محبت رکھی، اور بدکاری سے نفرت، اسی لئے خدا! تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے، تیرے ہر لباس سے مر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے، ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تار دار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے، تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں، ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے، اے بیٹی سن! غور کر اور کان لگا، اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا، اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا،

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں قوسین کی جگہ "میں لطافت بھری ہے" کے الفاظ ہیں،

کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے، تو اسے سجدہ کر، اور صور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی قوم کے دولت مند تیری رضاجوئی کریں گے، بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن افروز ہے، اس کا لباس زربفت کا ہے، وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور میں پہچانی جائے گی، اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی، وہ اُن کو خوشی اور خرمی سے لے آئیں گے، وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوں گی، تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے، جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا، میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا، اس لئے امتیں ابدالآباد تیری شکر گذاری کریں گی" (آیات ا تا ۱۷)

یہ بات تمام اہل کتاب کو تسلیم ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس زبور میں ایک ایسے نبی کی بشارت دی ہے جو ان کے بعد ظاہر ہوگا، اور یہودیوں کے نزدیک اس وقت تک کوئی ایسا نبی جو ان صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو ظاہر نہیں ہوا، علماء پروٹسٹنٹ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی عیسیٰ ہیں اور مسلمانوں کا اگلے ہوں یا پچھلے یہ دعویٰ ہے کہ اس نبی کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

ہمارا خیال یہ ہے کہ اس زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کی حسب ذیل صفات کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) وہ بے انتہا حسین ہوگا۔

(۲) وہ تمام انسانوں میں افضل ہوگا،

(۳) نعمت اس کے دونوں ہونٹوں سے بہے گی،

(۴) وہ برکتوں والا ہوگا،

(۵) وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا،

(۶) وہ طاقتور ہوگا،

(۷) حق و صداقت اور وقار و سکون والا اور سچائی کا علمبردار ہوگا،

(۸) اُس کے ہاتھ سے عجیب طور سے ہدایت ہوگی،

(۹) اُس کا تیر تیز ہوگا،

(۱۰) قومیں اس کے ماتحت ہو جائیں گی،

(۱۱) وہ نیکی کو پسند کرنے والا اور گناہ کو مبغوض رکھنے والا ہوگا،

(۱۲) بادشاہوں کی بیٹیاں اس کی خدمت گذار ہوں گی،

(۱۳) تحفے اور ہدیے اس کو پیش کئے جائیں گے،

(۱۴) قوم کے دولتمند اس کے مطیع ہو جائیں گے،

(۱۵) اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی،

(۱۶) اس کا نام تمام نسلوں میں یکے بعد دیگرے مشہور اور مذکور ہوگا،

(۱۷) قومیں اس کی ہمیشہ مدح و ثنا کریں گی،

یہ تمام خوبیاں اور اوصاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ صرف موجود ہیں، بلکہ کامل اور مکمل طور پر نمایاں ہیں،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بشارت کا صحیح مصداق ہونا

نمبر ۱۲ کی دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ،

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت اور حسین کسی کو نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آفتاب آپ کے روئے مبارک سے طلوع ہو رہا ہے، جب آپ مسکراتے تھے تو دیوار تک چمک جاتی تھی،

ام معبد رضی اللہ عنہا آپ کے کچھ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: دُور سے آپ تمام انسانوں سے زیادہ جمیل اور نزدیک سے آپ تمام دنیا سے زیادہ حسین اور شیریں نظر آتے تھے۔

نمبر ۲ کی شہادت کے لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ذیل کافی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا کہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ،	"ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ" کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی اللہ نے آپ کو متعدد وجوہ سے تمام نبیوں سے بلند کیا ہے،

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں اس آیۃ شریفہ کی تفسیر میں خوب سیر حاصل بحث فرمائی ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ،[۲]	"میں قیامت کے روز آدمؑ کے بیٹوں کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں"

---

[۱] "ما رأیت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان الشمس تجری فی وجہہ" اخرجہ الترمذیؒ وابن سعدؒ والبیہقیؒ عن ابی ہریرۃؓ (جمع الفوائد، ص ۲۷۹، ج ۲ والخصائص الکبریٰ ص ۷۲، ج ۱) "ولم اجد واذا ضحک یتلألأ فی الجدار" فی ہذہ الروایۃ وانما ہٰذہ روایۃ اخریٰ، اخرجہا البزارؒ والبیہقیؒ عنہ (الخصائص الکبریٰ صفحہ ۷۳، جلد ۱)

[۲] اخرجہ احمدؒ والترمذیؒ عن ابی سعیدؓ (کنز العمال، ص ۱۰۱، ج ۶)

یعنی یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اللہ کی نعمت کے اعتراف کے طور پر کہتا ہوں،

نمبر۳، اس کے ثبوت دینے یا دلیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا موافق و مخالف سب کو اعتراف و اقرار ہے، راویوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام و گفتگو کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ صحیح اور سچ لہجے والے تھے، اس لئے آپؐ فصاحت کے لحاظ سے افضل و اکمل مرتبہ رکھتے تھے،

نمبر۴۔ کے ثبوت کے لئے اللہ کا ارشاد قرآن کریم میں موجود ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، "بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمت بھیجتے ہیں"

لاکھوں کروڑوں انسان پانچوں نمازوں میں آپؐ پر درود شریف پڑھتے ہیں،

نمبر۵ بھی ظاہر اور عیاں ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مجھ کو خدا نے تلوار دے کر بھیجا ہے"[۱]

نمبر۶ کا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ کی قوتِ جسمانی کمال درجہ پر تھی، مشہور واقعہ ہے کہ رکانہ جو عرب کا نامی گرامی اور مشہور پہلوان تھا اور جس کی جسمانی قوت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مسلمان ہونے سے قبل ایک مرتبہ تنہائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کی کسی گھاٹی میں ملا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو خدا

۱؎ "انا الرسول بالسیف" لم اجدہ، وانما المعروف "انا نبیّ الملحمۃ" اخرجہ الحکیم عن حذیفۃؓ (کنز، ص ۱۱۱ ج ۶)۔

سے نہیں ڈرتا؟ اور میری دعوت قبول نہیں کرے گا؟ کہنے لگا اگر مجھ کو آپؐ کے سچا ہونے کا یقین ہوجائے تو بیشک میں آپؐ کی اتباع کے لئے تیار ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اگر میں تجھ کو پچھاڑ دوں تو کیا پھر تجھ کو میرے سچا ہونے کا یقین آجائے گا؟ کہنے لگا ضرور، آپؐ نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا، اور بالکل بے بس کر دیا، اس نے کہا کہ اے محمدؐ! ذرا دوبارہ گرا کر دکھایئے، آپؐ نے دوبارہ بھی اس کو پٹخ دیا، کہنے لگا، اے محمدؐ: بڑی ہی عجیب بات ہے، آپؐ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو میں تجھ کو اس سے بھی زیادہ عجیب چیز... دکھا سکتا ہوں بشرطیکہ تو خدا سے ڈر کر میری پیروی کرے، کہنے لگا وہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے سامنے اس درخت کو بلاتا ہوں، چنانچہ آپؐ نے درخت کو بلایا، وہ آپؐ کے قریب آکر کھڑا ہوگیا، پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ واپس چلا جا، وہ اپنی جگہ لوٹ گیا،

رکانہ یہ معجزات دیکھ کر جب اپنی قوم کے پاس گیا تو کہنے لگا کہ اے بنی عبد مناف! میں نے محمدؐ سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہیں دیکھا، اور پھر جو کچھ واقعہ گذرا تھا وہ سنایا[1]

رہی آپؐ کی شجاعت و بہادری سو اس کی شہادت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حسب ذیل قول دے رہا ہے:

"میں نے آپؐ سے زیادہ نہ کسی کو بہادر دیکھا نہ دلیر، اور نہ آپؐ سے زیادہ کسی کو سخی پایا[2]"

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] اخرجہ البیہقیؒ وابو نعیمؒ عن ابی امامہ (الخصائص الکبریٰ ص ۱۲۹ و ۱۳۰ ج اول)
[2] اخرجہ الدارمیؒ عن ابن عمرؓ (خصائص، ص ۲، ج اول)

"جب لڑائی کی آگ بھڑک جاتی تھی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے بچنے کی کوشش کرتے تھے، ایسے موقع پر ہم سب میں آپؐ ہی دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے، مجھ کو وہ منظر یاد ہے جب کہ بدر کے دن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لئے ہوئے تھے، اور آپ ہم سب میں سے دشمن کے زیادہ قریب تھے، اس روز آپؐ نے سب لوگوں سے زیادہ شدید جنگ کی"[1]

نمبر ۷، امانت اور سچائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلیل القدر صفات میں سے ہیں، چنانچہ نضر بن حارث نے قریش سے کہا تھا کہ:

"محمدؐ نے تم میں بچپن سے نشوونما پائی ہے، اس تمام دور میں وہ تم میں مقبول اور پسندیدہ اور بات کے سچے پکے، امانت میں اونچے درجے کے ثابت ہوئے اب جب انکے بالوں میں سفیدی آگئی اور جو کچھ بھی وہ تمھارے پاس لائے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں، نہیں! خدا کی قسم! وہ ہرگز جادوگر نہیں ہیں"[2]

ہرقل شاہ روم نے ابو سفیان سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا تو پوچھا کہ "محمدؐ نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے، کیا اس سے پہلے تم نے ان کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے پایا ہے"؟ انھوں نے جواب دیا کہ "نہیں"[3]

نمبر ۸ کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے جنگِ بدر اور جنگِ حنین کے موقع پر خاک

---

[1] اخرجہ احمدؒ والطبرانیؒ فی الاوسط عن علیؓ (خصائص، ص ۲۰۳، ج ۱)

[2] "لقد کان محمدؐ فیکم غلاماً حدثاً ارضاکم فیکم واصدقکم حدیثاً واعظمکم امانۃً الخ" اخرجہ ابن اسحٰق والبیہقی وابونعیم عن ابن عباسؓ (الخصائص، ص ۱۱۴ ج ۱)

[3] الحدیث طویل معروف اخرجہ البخاریؒ،

کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کے منہ اور چہروں پر دے ماری، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک کافر بھی ایسا نہ تھا جو اس کی زد سے بچ رہا ہو، بلکہ سب کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی، اور شکست کھا کر بھاگے، اور مسلمانوں نے ان کو قتل اور قید کیا[1]، اس قسم کے واقعات یہ آپ کے ہاتھوں کی عجیب ہدایت و رہنمائی ہے جس سے گمراہ کو ہدایت نصیب ہو سکتی ہے،

نمبر ۹ کا ثبوت یہ ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد قدیم زمانے سے تیر اندازی کی ماہر چلی آتی تھی، جس کو دنیا جانتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کام بڑا مرغوب تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ: "عنقریب[2] تم لوگ رومیوں پر فتح حاصل کر دگے اور اللہ تمھارے کام کی کفایت کرے گا، اس لئے تم میں سے کوئی شخص تیر اندازی کے کھیل سے عاجز نہ رہے"، دوسری جگہ فرمایا: "اے بنی اسمٰعیل! تیر اندازی کیا کرو کیونکہ تمھارے باپ بھی تیر انداز تھے[3]"، اور فرمایا کہ: "جس نے تیر کا فن سیکھا پھر اس کو چھوڑ دیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں[4]"

نمبر ۱۰ کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں اللہ کے دین یعنی اسلام میں لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج داخل ہونے لگے تھے، اور صرف دو سال سے بھی کم مدت میں مسلمان ہزاروں سے

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۲۹۷، ۱۲۹۸ جلد ہذا،

[2] لم اجدہ،

[3] "ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا" اخرجہ البخاری عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً (جمع الفوائد صفحہ ۱۹ ج ۲)

[4] "من تعلم الرمی ثم ترکہ فلیس منی" اخرجہ مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً (ایضاً)

متجاوز ہو کر لاکھوں ہو گئے،

نمبر ۱۱ تو اس قدر معروف و مشہور ہے کہ جس کا اقرار و اعتراف کٹر سے کٹر مخالفین کو بھی ہے، جیسا کہ مسلک نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نمبر ۱۲، یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہزادیاں اور امیر زادیاں طبقۂ اولیٰ کے مسلمانوں کی حرم سرا میں داخل ہوئیں، اور ان کی خادمائیں بننے کا فخر حاصل کیا، اُن میں سے شہر بانو جو یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی تھیں، امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں،

نمبر ۱۳ و ۱۴ کے ثبوت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساوی بحرین کا حکمران اور سلطان عمان مطیع و فرمانبردار ہو کر اسلام میں داخل ہوئے، نیز ہرقل قیصر روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ ارسال کیا، قبطیوں کے بادشاہ مقوقس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین باندیاں، تین حبشی غلام، ایک خوب صورت خچر اور دراز گوش گھوڑا اور بیش قیمت کپڑے بطور ہدیہ ارسال کئے،

نمبر ۱۵ کی دلیل یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بہت سے خلیفہ بنے، اور مختلف ممالک حجاز و یمن، مصر و مغرب، شام و فارس، ہندوستان وغیرہ میں ہزاروں امراء و سلاطین آپ کی نسل سے ہوتے رہے، اور آج تک حجاز و یمن اور دوسرے بعض ملکوں میں بے شمار امراء و حکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کے پائے جاتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ امام مہدیؑ بھی آپ ہی کی نسل سے ظاہر ہوں گے اور دنیا میں خدا کے خلیفہ بنیں گے، آپ کے مبارک عہد ہی میں اللہ کا دین تمام

دینوں پر غالب ہو کر رہے گا،

نمبر ۱۶ او ۱۷ کی شہادت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہزاروں لاکھوں انسان مختلف قوموں اور قبیلوں کے پانچوں وقت بلند آواز سے مختلف ملکوں میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، کی صدائیں لگاتے ہیں اور ان پانچوں اوقات میں آن گنت اور بے شمار نمازی آپؐ پر درود پڑھتے ہیں، اور لاکھوں حافظ و قاری آپؐ کے منشور کو حفظ کرتے ہیں، مفسّرین آپؐ کے لائے ہوئے قرآن کے معانی کی تفسیر اور واعظ لوگ آپؐ کے وعظ کی تبلیغ کرتے ہیں، بڑے بڑے علماء اور سلاطین روضۂ مبارک پر حاضر ہوتے اور دروازے کے باہر سے آپؐ پر درود پڑھتے ہیں، اور اپنے چہروں کو روضۂ اقدس کی مبارک خاک سے رگڑتے ہیں، اور آپؐ سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں،

اس کے برعکس یہ شہادت کسی طرح پر بھی علمائے پروٹسٹنٹ کے باطل دعوے کے مطابق عیسٰے علیہ السلام کے حق میں صادق نہیں آتی، اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۵۳ میں دی ہوئی بشارت بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے، اور اس کی عبارت یہ ہے:

"نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے، نہ خوب صورتی، اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حُسن وجمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں، وہ آدمیوں میں حقیر ومردود، مردِ غمناک اور رنج کا آشنا تھا، لوگ اس سے گویا روپوش تھے، اس کی تحقیر کی گئی، اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی"

غور کیجئے! یہ اوصاف "زبور" کے بیان کردہ اوصاف کی ضد اور برعکس ہیں،

اس لئے عیسیٰ علیہ السلام پر حسین اور طاقت ور ہونا صادق نہیں آئے گا، نہ اُن پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا، اور نہ یہ کہ اس کا تیر بھال والا ہوگا، نہ یہ کہ دولت مند لوگ اس کے مطیع بنیں گے، نہ یہ کہ اس کی خدمت میں ہدایا اور تحفے بھیجے جائیں گے،

اس کے برعکس عیسائی نقطۂ نظر کے مطابق لوگوں نے عیسیٰؑ کو گرفتار کیا، ذلیل کیا، اُن کا مذاق اڑایا، کوڑوں سے اُن کو مارا، پھر اُن کو سُولی پر لٹکایا، اسی طرح نہ اُن کے بیوی تھی، نہ بیٹا، لہٰذا یہ بات بھی صادق نہ آسکے گی، کہ بادشاہوں کی بیٹیاں اس کے گھر میں داخل ہوں گی، نہ یہ کہ اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ زمین کی بادشاہ ہوگی،

ایک ضروری تنبیہ ترجمہ آیت نمبر ۸ جو ہم نے نقل کیا ہے وہ زبور کے اس فارسی ترجمہ کے مطابق ہے جو ہمارے پاس تھا، اسی طرح زبور کے اردو ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے، اور پولس نے اس آیت کو اپنے عبرانیوں کے نام خط کے پہلے باب ترجمۂ عربی ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے:

"تُو نے راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی، اسی سبب سے خدا یعنی تیرے خدا نے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء .... عربی ترجمہ کے مطابق ہیں، اس لئے جو

ترجمہ میری نقل کے مخالف ہو گا وہ درست نہ ہو گا، اور اس کی تردید کے لئے ان کے مقدس کا کلام کافی ہو گا،

ادھر آپ حضرات باب ۴ کے مقدمہ میں یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ لفظ "معبود" اور "رب" وغیرہ کا استعمال عوام کے لئے بھی ہوا ہے، چہ جائیکہ خواص لوگ، زبور ۸۲ کی آیت نمبر ۶ میں یوں ہے کہ:

"میں نے کہا تھا کہ تم الٰہ ہو، اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو"

اس لئے صاحب مفتاح الاسرار کا یہ اعتراض قابلِ پیش رفت نہیں ہو سکتا کہ زبور کی آیت مذکورہ میں اس طرح ہے کہ:

"تو نے راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی، اسی سبب سے اے اللہ تیرے معبود نے تجھے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا"

اور مسیح کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے کہ "اے اللہ"، اوّل تو ہم کو اس ترجمہ کی صحت تسلیم نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ترجمہ ان کے مقدس کے کلام کے خلاف ہے،

دوسرے اگر ہم اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو بھی ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ دعویٰ صریح طور پر باطل ہے، اس لئے کہ لفظ "اللہ" اس مقام پر حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہو رہا ہے، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں، اس کی دلیل لفظ "تیرا معبود" ہے، کیونکہ حقیقی خدا کا کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا[1]، پھر جب معنی مجازی مراد ہوئے تو جس طرح

[1] مطلب یہ ہے کہ صاحب مفتاح الاسرار نے زبور کی عبارت جس طرح نقل کی ہو (باقی بر صفحہ آئندہ)

عیسیٰؑ کے حق میں صادق آسکتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی صادق ہوگا،

زبور کی ایک اور عبارت بشارت نمبر، زبور نمبر ۱۴۹ آیت ایں ہے:

خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو، اسرائیل اپنے خالق میں شادماں رہے، فرزندانِ صیون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادماں ہوں، وہ ناچتے ہوئے اس کے نام کی ستائش کریں، وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں، کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے، وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا، مقدس لوگ جلال پر فخر کریں، وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں، ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دودھاری تلوار ہو، تاکہ قوموں سے انتقام لیں، اور امتوں کو سزا دیں، ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں، اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں، تاکہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے" (آیت ۱ تا ۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس میں تو اللہ کو خطاب کرکے یہ کہا جارہا ہے کہ "اے اللہ! تیرے معبود نے تجھے خوشی کے تیل سے زیادہ مسح کیا ہو" اس میں اللہ کا ایک معبود ثابت کیا گیا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس عبارت میں لفظ "اللہ" سے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ اللہ کا کوئی معبود نہیں ہوتا، جو اسے مسح کرے، لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ یہاں "اللہ" سے مراد اس کے مجازی معنی یعنی حضرت عیسیٰؑ کی ناسوتی حیثیت ہے، اور اس طرح لفظ "اللہ" بائبل کی زبان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، جیسا کہ زبور ۸۲ : ۶ کی مثال ابھی مصنفؒ نے بیان فرمائی،

دیکھئے اس زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کو بادشاہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس کے فرمانبرداروں کو مقدس لوگ کہا گیا ہے، اور ان کے اوصاف میں سے ان کا تسبیح و تحمید پر فخر کرنا، اور ان کے منہ میں خدا کی تحمید ہونا، اور دو دھاری تلواریں ان کے ہاتھوں میں ہونا، ان کا دوسری قوموں سے انتقام لینا، اور ملامت کرنا، نیز ان کا بادشاہوں اور اشراف کو لوہے کی زنجیروں اور طوقوں میں مقید کرنا ذکر کیا گیا ہے،

اب دیکھئے صاف طور پر اُس نبی کا مصداق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں، جن پر یہ تمام مذکورہ اوصاف سو فی صدی صادق آتے ہیں،

سلیمان علیہ السلام کو اس کا مصداق قرار دینا اس لئے درست نہیں کہ اہلِ کتاب کے نظریہ کے مطابق ان کی سلطنت اپنے باپ کی سلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہوسکی، اور اس لئے بھی کہ وہ ان کے عقیدہ کے مطابق (نعوذ باللہ) آخر عمر میں مرتد اور بُت پرست ہو چکے تھے[1]

عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کا مصداق اس لئے نہیں ہو سکتے کہ وہ تو ان اوصاف مذکورہ سے کوسوں دور ہے، کیونکہ وہ گرفتار کئے گئے، اور ان کے خیال کے بموجب قتل کر دیئے گئے، اسی طرح ان کے اکثر حواریوں کو زنجیروں اور طوقوں میں مقید کیا گیا، پھر کافر بادشاہوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے،

[1] دیکھئے ۱-سلاطین ۱۱:۱، ۹، ۱۴، ۳۱، ۴۱ و ۲ تواریخ ۹: ۲۹ و نحمیاہ - ۱۳: ۲۶،

آٹھویں بشارت کتاب یسعیاہ سے

کتاب یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۹ میں ہے:

"دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں، اور میں نئی بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں:

اے سمندر پر گذرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیروں اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، (سلع) کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں' وہ

لہ "سلع" اظہار الحق میں مصنف نے جس عربی ترجمہ سے نقل کیا ہے اس میں (سلع) کی جگہ (چٹان) کا لفظ ہے، موجودہ انگریزی ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہاں "سلع" کا لفظ ہے، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل عبرانی میں یہاں لفظ "سلع" ہی ہے، مگر چونکہ "سلع" کے معنے چٹان کے ہیں، اور بائبل کے مترجمین اکثر مقامات کے ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے انھوں نے اس کی جگہ "چٹان" لکھ دیا، اس تحقیق سے یہ پیشگوئی اور زیادہ قطعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو جاتی ہے کیونکہ "سلع" مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جو قدیم اہلِ عرب میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، قیس بن ذریح کا شعر ہے ؎

لعمرك انني لاحب سَلعًا ؛ لرؤيته ومن اكناف سَلعِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی "سلع" کے نام سے مشہور و معروف تھا، باقی بر صفحہ آئندہ

خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں، خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (دیکھئے صحیح مسلم میں غزوۂ تبوک کے تحت حضرت کعبؓ کی مشہور طویل حدیث) اور آج بھی سلع کے نام سے مشہور ہے، اب اس جملہ پر غور فرمائیے جو کتاب یسعیاہ میں مذکور ہے، "سلع کے بسنے والے گیت گائیں" آپ کو معلوم ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گا رہی تھیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ٭ مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودہویں کا چاند طلوع ہوا ہے؛

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ثنیات الوداع درحقیقت کوہ سلع ہی کے سلسلہ کی گھاٹیاں ہیں جن کا آج بھی ہر شخص مدینہ طیبہ میں مشاہدہ کر سکتا ہے،

یہ درست ہے کہ سلع کے نام سے ایک قلعہ شام کی وادیٔ موسیٰ میں بھی واقع تھا (معجم البلدان حموی، ص ۲۳۷ ج ۳ والقاموس المحیط، ص ۳۹، ج ۳) لیکن کئی وجوہ سے کتاب یسعیاہ کی مذکورہ پیشنگوئی میں وہ سلع مراد نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس کے مؤلفین اس لفظ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"ادوب کا قدیم مرکزی شہر جس کی بنیاد بنی عیسو نے رکھی تھی، (ص ۲۶۵، لفظ)

واضح رہے کہ حضرت عیسو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے داماد تھے (پیدائش ۲۸: ۹، و ۲۵: ۱۳ و ۳۶: ۳) اور وادیٔ موسیٰ کا قلعہ شام میں ہے، اسے عرب کا شہر نہیں کہا جا سکتا دوسرے اس لئے کہ اس پیشنگوئی میں لفظ سلع سے پہلے یہ جملہ ہے کہ "قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں" جس سے معلوم ہوا کہ سلع سے مراد وہ سلع ہے جو قیدار کی بستیوں کے قریب ہو، قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام تھا، (۱۔ تواریخ ۱: ۳۰) اور ان کی اولاد ملکِ عرب کے بیابان میں آباد تھی، جیسا کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا، میں بہت
مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا، اور ضبط کرتا رہا، پر اب میں دردِ زہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کتاب یسعیاہ ۲۱ : ۱۳ تا ۱۷، اسے صاف ظاہر ہوتا ہے، اسی صورت میں سلع سے مراد شام کا کوئی علاقہ مراد نہیں ہو سکتا،

تیسرے اس لئے کہ جو بشارت حضرت اشعیاؑ کے واسطے سے اس باب ۴۲ میں بیان کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ پہلے باب نمبر ۴۱ آیت ۲ میں اس طرح ہے کہ:

"کس نے مشرق سے اس کو برپا کیا جس کو وہ صداقت سے اپنے قدموں میں بلاتا ہے"

اس جملہ میں کہا گیا ہو کہ وہ نبی مشرق سے مبعوث ہوگا، اور مشرق کا لفظ تورات میں عام طور سے ملکِ عرب کے لئے استعمال ہوا ہے، (دیکھئے ارض القرآن مولانا سید سلیمان ندویؒ)

چوتھے اس لئے کہ اگر سلع سے مراد شام والا سلع ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہوں گے، حالانکہ اس بشارت میں یہ کہا گیا ہے کہ "خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائیگا" یہ اس جملہ اور اس کے بعد کے تمام جملے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے وہ جہاد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو تہس نہس کر ڈالے گا، اور حضرت عیسیٰؑ نے نہ صرف یہ کہ جنگ نہیں کی، بلکہ عیسائیوں کا نظریہ تو یہ ہے کہ انھیں ان کے دشمنوں نے سُولی دیدی تھی، (معاذاللہ)

پانچویں اس لئے کہ اس بشارت کا آخری جملہ پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے، اس کا خصوصی مشن بت پرستی کا استیصال کرنا ہوگا، اور اسے زیادہ تر بت پرستوں سے واسطہ پڑے گا، حالانکہ عیسیٰؑ کی کم و بیش پوری زندگی یہودیوں کے مقابلے میں گذری ہے، بت پرستوں سے آپ کو کوئی قابلِ ذکر واسطہ نہیں رہا، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عرب میں مبعوث ہوئے تھے جہاد کے ذریعے دشمنانِ خدا کو ذلیل و خوار بھی کیا، اور آپؐ کی مکی زندگی کے تیرہ سال (باقی بر صفحہ آئندہ)

والی کی طرح چلاؤں گا، میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا. میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا، اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کر دوں گا، اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا. اور تالابوں کو سکھادوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں اُن کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا، میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کر دوں گا، میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں گا، جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے، اور بہت شرمندہ ہوں گے " (آیات ۹ تا ۱۷)

یہ عبارت آیت ۹ کی جس جملے سے شروع ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اشعیاء علیہ السلام پہلے کچھ زمانۂ ماضی کی خبریں دے چکے ہیں اور اس کے بعد زمانۂ آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں[۱]، اور جس کی پہلے خبر دی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پورے کے پورے بت پرستوں سے مقابلہ کرنے میں صرف ہوئی، اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پورے جزیرۂ عرب میں کوئی ایک بھی بت پرست باقی نہیں رہا تھا، ان ناقابلِ انکار وجود کی بنا پر اس پیشگوئی کا مصداق سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہو سکتا (حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] مصنف کا خیال یہ ہے کہ اس باب نمبر ۴۲ میں آیت ۹ سے پہلے جس نبی کی علامات ذکر کی گئی ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہیں، بلکہ کسی اور نبی کی ہیں، لیکن بعض دوسرے اہل علم مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ وہ علامات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہیں، اور ہمیں بھی یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے، باب ۴۲ کی ابتدائی آٹھ آیتیں یہ ہیں:

"دیکھو میرا خادم جسکو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس کے حالات اس نبی کے برعکس ہیں جس کی ... خیر اس باب کے آخر تک دی گئی ہے چنانچہ اس باب کی آیات نمبر ۲۳ میں ارشاد ہے کہ :

"تم میں کون ہے جو اس پر کان لگائے ؟ جو آئندہ کی بابت توجہ سنے"

اور نئے گیت سے مراد عبادات کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعتِ محمدیؐ میں پائے جاتے ہیں، اور روئے زمین کے آخری حصہ کے باشندوں اور جزیروں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس سے میرا دل خوش ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کریگا، وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا، اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی، وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا، اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا. وہ ماندہ نہ ہوگا، اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے، جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا. جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے، یعنی خداوند خدا یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا. اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے، یہوواہ میں ہی ہوں، یہی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روا نہ رکھوں گا "

ہمارے نزدیک یہ عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حق میں ہے، اور اس کے بعد جو جملہ ہے کہ " دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی بتاتا ہوں " (باقی بر صفحہ آئندہ)

شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے، بالخصوص لفظ قیدار اس کی طرف قوی اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں، اسی طرح "پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں" کے الفاظ اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانے میں ادا کی جاتی ہے، جس میں لاکھوں انسان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ درحقیقت ایک جملہ معترضہ ہے، جس کا مقصد اپنی اس پیشینگوئی کی اہمیت کو اس طرح واضح کرنا ہے کہ میں نے جو پچھلی پیشینگوئیاں اس سے پہلے کی تھیں وہ واقع ہو کر رہیں، اس لئے یہ بھی ضرور واقع ہوگی،

مذکورہ عبارت کئی وجوہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہیں ہو سکتی، اوّل تو اس لئے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ "... ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے" حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی عدالت اور حکومت سے پہلے ہی آسمان پر تشریف لے گئے،

دوسرے اس لئے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ "میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا" حالانکہ عیسائی نظریہ کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھتے وقت خدا کو چلا کر پکارتے ہی رہ گئے، یہاں تک کہ (معاذ اللہ) ان کا انتقال ہو گیا، اور اسلامی عقیدے کے مطابق بھی انھیں حکومت کم از کم حاصل نہ ہو سکی،

تیسرے اس لئے کہ اس عبارت کا آخری جملہ بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے وہ خاص طور سے بُت پرستی کا خاتمہ کرنے کو اپنا مقصد بنائے گا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُت پرستوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا، اس کے برخلاف یہ بشارت سو فی صدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کے دور میں ایک مشہور (باقی بر صفحہ آئندہ)

لبّیک اللّٰہم لبّیک کی صدا لگاتے ہیں، اسی طرح "جزیروں میں اُن کی ثنا خوانی کریں" کے الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ لاکھوں کروڑوں انسان دنیا کے مختلف حصّوں میں پانچوں وقت بلند آواز سے اذان کہتے ہیں،

اسی طرح "خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھلائے گا" ان الفاظ سے جہاد کے مضمون کی جانب جسین اشارہ کیا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، ان سے جب پوچھا گیا کہ تورات کی کونسی عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتی ہے؟ تو انھوں نے ایک عبارت کا عربی ترجمہ کرکے بتلایا، وہ عبارت کتاب یسعیاہ کی اس عبارت کے سوفی صد مطابق ہے،

ہم بخاری کی کتاب التفسیر سے حضرت کعبؓ کی بیان کردہ عبارت ایک ایک جملہ کرکے نقل کرتے ہیں، اسے کتاب یسعیاہ کے ایک ایک جملے سے ملاتے جائیے:

(۱) قال فی التوراۃ یآ ایھا النبیّ انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا،	"تورات میں اللہ نے کہا ہو کہ اے نبی! ہم نے تمھیں بھیجا ہے درانحالیکہ تم شاہد اور خوشخبری دینے والے ہو"

یسعیاہ میں ہے "وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا"

(۲) وحرزا للأمیین،	"امیوں کی پناہ ہو، (اُمّی سے مراد وہ ہیں جنھیں پہلی شریعت نہ ملی ہو)"

یسعیاہ میں ہو "ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا"

(۳) آنت عبدی ورسولی ،	"تم میرے بندے اور میرے رسول ہو"

یسعیاہ کے شروع میں ہے: "دیکھو میرا خادم" اور پھر ہے "میں نے اپنی روح اس پر ڈالی"

(باقی برصفحہ آئندہ)

یعنی آپ کا اور آپ کے متبعین کا جہاد محض خدا کے لئے ہوگا، اور اسی کے حکم سے ہوگا، نفسانی خواہشات کی لذتوں سے خالی ہوگا، اس لئے اللہ نے اس نبی کے اور اُس کے متبعین کے خروج کو اپنے خروج سے تعبیر فرمایا۔

اسی طرح آیت نمبر ۱۴ میں جہاد کی مشروعیت کی وجہ پر روشنی ڈالی، اور آیت نمبر ۱۶ میں اہلِ عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا، کہ یہ لوگ احکامِ خداوندی سے قطعاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۴) سمّیتك بالمتوکل ، | "میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا"،

یسعیاہ میں ہے "میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں . . . میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا"،

(۵) لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ولیصفح ، | "وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا (یعنی) کمزوروں کو نہ ستائے گا) اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا، بلکہ معاف کرے گا"،

اشعیاء علیہ السلام تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں "وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑیگا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا"

(۶) ولا سخاب بالاسواق ، | "اور نہ وہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا"

یسعیاہ میں ہے: "وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دیگی"

(۷) ولن یقبضه الله حتّٰی یقیم به الملة العوجاء ، | "اور خدا اس وقت تک اس کی رُوح قبض نہ کریگا جب تک کہ اس کے ذریعہ وہ کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا"

یسعیاہ میں ہے: "وہ ماندہ نہ ہوگا، اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے"

(باقی برصفحہ آئندہ)

ناواقف تھے، بت پرستی کرنے اور گندی جاہلی رسموں میں مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حق تعالیٰ نے ان کے حق میں شہادت دی ہے کہ اگرچہ وہ اس سے پہلے بالکل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(۸) فیقولوا لا الٰہ الا اللہ ۔	یہاں تک کہ لوگ کہہ اٹھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

یسعیاہ میں ہے: "یہوواہ میں ہوں، یہی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روا نہ رکھوں گا" (واضح رہے کہ بائبل میں "یہوواہ" کا لفظ "اللہ" کی جگہ استعمال ہوتا ہے)

(۹) فیفتح بہ اعیناً عمیاً واٰذاناً صماً وقلوباً غلفاً،	وہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا"
بخاری تفسیر سورہ فتح بروایت ابن عمروؓ)	

یسعیاہ میں ہے: "لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ہیں قید خانہ سے چھڑائے"

اس پیشگوئی کا ایک ایک حرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث اور بائبل کی عبارت میں کہیں کہیں تقدیم و تاخیر یا صیغوں کا فرق ضرور ہے، مگر اتنا فرق تو بائبل کے تقریباً ہر نسخہ میں دوسرے نسخہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے،

پھر اسی عبارت میں آنے والے نبی کے لئے "خادم" یا "بندہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے، دوسرے انبیاء میں سے کسی کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے، کسی کو "روح اللہ" اور کسی کو "خلیل اللہ"، لیکن "عبداللہ" کا خصوصی ... خطاب حضور ختم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا ہے، اس کے ساتھ لفظ "برگزیدہ" استعمال کیا گیا ہے، جو "مصطفیٰ" کا ترجمہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معروف لقب ہے (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے سیرۃ النبیؐ ص ۸۰۰ ج ۳)

ناواقف اور کھلی گمراہی میں تھے، میں ان کو ترک نہ کروں گا" کے الفاظ سے اس امت کے مرحوم ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے، "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" اسی طرح آپؐ کی شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، پھر "جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو، وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے" ان الفاظ سے خدا کی جانب سے وعدہ کیا جارہا ہے کہ بت پرست اور صنم کے پجاری یعنی عرب کے مشرکین اور صلیب کی عبادت کرنے والے قدیسیوں کی تصویروں کی پوجا کرنے والوں کو بڑی ذلت و رسوائی نصیب ہوگی۔

پھر جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا بھی فرما دیا، کیونکہ عرب کے مشرکین اور ہرقل... شاہ روم، کسریٰ شاہ فارس نے نور محمدیؐ کے بجھانے میں کوئی بھی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، مگر ان کو سوائے ناکامی اور رسوائی کے اور کچھ پلے نہیں پڑا۔ یہاں تک کہ عرب کا خطہ شرک کے اثر سے پاک ہوگیا، کسریٰ کی سلطنت قطعی اور کلی طور پر پاش پاش ہوگئی، اور شام کے عیسائیوں کی حکومت بھی ملیا میٹ ہوگئی، دوسرے ملکوں میں سے بعض جیسے بخارا، کابل، وغیرہ ان کا عمل دخل قطعی ختم ہوگیا، اور بعض ممالک میں برائے نام اثر باقی رہ گیا، جیسے ہند، سندھ وغیرہ، اور توحید کے جھنڈے مشرق سے مغرب تک گڑ گئے،

نویں بشارت کتاب یسعیاہؑ سے

کتاب یسعیاہؑ باب ۵۴ آیت ۱ میں ہے :

"اے بانجھ : تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر، تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا، خوشی سے گا، اور زور سے چلا، کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے، اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کردے اور اپنی میخیں مضبوط کر، اس لئے کہ تو داہنی اور بائیں طرف بڑھے گی، اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی، اور ویران شہروں کو بسائے گی، تو نہ گھبرا، کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی، اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی، اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی، کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے، اس کا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے، وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا، کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے، میں نے ایک دم کے لئے تجھے چھوڑ دیا، لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا، خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں میں نے ایک دم کے لئے تجھ سے منہ چھپایا، پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، کیونکہ میرے لئے یہ طوفانِ نوح کا سا معاملہ ہے، کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئے گا، اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا، اور تجھ کو نہ جھڑکوں گا، خداوند تجھ پر

ہاں اپنے رسول کی [illegible] پچھلا دور بھی [illegible]

رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں، اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن میری شفقت کبھی تجھ پر سے جاتی نہ رہے گی، اور میرا صلح کا عہد نہ ٹلے گا، اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم! دیکھ! میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا، تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا، میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیلیں بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا، اور تیری سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے، او تیری فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی، تو راست بازی سے پائیدار ہو جائے گی، تو ظلم سے دور رہے گی کیونکہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی، کیونکہ . . . .

وہ تیرے قریب نہ آئے گی، (یاد رکھ وہ پڑوسی آئیگا جو تیرے ساتھ نہیں تھا، اور جو قریب تھا وہ تجھ سے قریب ہو جائے گا) دیکھ! میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کے لئے ہتھیار نکالتا ہے، اور غارت گر کو میں نے ہی پیدا کیا کہ لوٹ مار کرے، کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئے گا، اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی، خداوند فرماتا ہے یہ میرے بندوں کی میراث ہے، اور ان کی راست بازی مجھ سے ہے"۔ (یسعیاہ ۵۴: ۱ تا ۱۷)

ان آیات کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ "بانجھ" سے مراد مکہ مکرمہ ہے

لہ اس جملے کے ترجمے میں بائبل کے تراجم کے اندر بہت اختلاف پائے جاتے ہیں، مصنف نے یہ جملہ اسی طرح نقل کیا ہے، مگر موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے" ممکن ہے کہ وہ کبھی اکٹھے نہ ہوں، پر میرے حکم سے نہیں جو تیرے خلاف جمع ہوں گے، وہ تیرے ہی سبب سے گر پڑیں گے" انگریزی ترجمہ بھی اس کے مطابق ہے، البتہ کیتھولک بائبل کی عبارت قریب قریب وہی ہے جو مصنف نے نقل فرمائی ہے۔

اس لئے کہ اس مقام پر اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نہ تو کوئی پیغمبر آیا نہ وحی نازل ہوئی، بخلاف اورشلم کے کہ وہاں بکثرت پیغمبر آتے رہے، اور وحی نازل ہوتی رہی، " بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد" سے مراد حضرت ہاجرہؑ کی اولاد ہے، کیونکہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اس مطلقہ عورت کی طرح تھیں جس کو گھر سے نکال دیا گیا ہو اور وہ جنگل میں رہنے لگی ہو، اور اسی وجہ سے اللہ کے اس وعدہ میں جو ہاجرہؑ سے اسمٰعیل کے حق میں کیا گیا تھا، یہ الفاظ کہے گئے تھے " وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا " جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۱۶ میں صاف لکھا ہے، اسی طرح " شوہر والی کی اولاد" سے مراد حضرت سارہ کی اولاد ہے،

گویا خدا نے سرزمینِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے تسبیح و تہلیل اور شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ اولادِ ہاجرہؑ میں سے بہت سے افراد کو سارہؑ کی اولاد سے فضیلت عطا کی گئی، لہٰذا اپنے باشندوں کی فضیلت کی بناء پر خود مکہ کو بھی فضیلت نصیب ہوئی، پھر جو کچھ خدا نے وعدہ کیا تھا اس کو اس طرح پورا فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور افضل البشر خاتم النبیین بنا کر ہاجرہؑ کی نسل سے پیدا کیا، آپ ہی اس آیت کے مصداق ہیں کہ ..... : میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ کو دھونکتا ہے" اور آپ ہی بائبل کی زبان میں وہ غارت گر ہیں جن کو مشرکین کے ہلاک کرنے کے لئے خدا نے پیدا کیا۔

پھر اس پیغمبر کی بدولت مکہ کو کشادگی اور فراخی ایسی نصیب ہوئی جو دنیا کے کسی عبادت خانے کو میسر نہیں ہوئی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے اِس زمانے تک دنیا میں کوئی عبادت خانہ کعبہ کی شان

کا نظر نہیں آتا، اور جو تعظیم و تکریم ۱۲۸۰ سال سے متواتر سالانہ حجاج کی طرف سے اس کو برابر حاصل ہوتی رہی ہے، وہ بیت المقدس کو اس کی پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ نصیب ہوئی ہے، ایک بار تو اس وقت جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے، پھر دوسری بار یوسیاہ کی حکومت کے اٹھارہویں سال میں[1]، اور خدا نے اگر چاہا تو مکہ کی تعظیم قیامت تک باقی رہے گی، جیسا کہ خدا کا وعدہ ہے کہ: "تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا، اور ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا اور نہ تجھ کو گھڑکوں گا، اور میری شفقت کبھی تجھ سے جاتی نہ رہے گی، اور میرا صلح کا عہد کبھی نہ ٹلے گا۔"

دنیا کو معلوم ہے کہ مکہ کے فرزندوں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی، اور بائیس سال کے قلیل عرصہ میں زمین کے ایک بڑے حصہ پر اپنی فتوحات کے پرچم لہرائے اور ویران زمینوں کو آباد کیا، غور فرمائیے اس قسم کا غلبہ اور تسلط عہد آدمؑ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اتنی قلیل مدت میں کسی ایسے شخص کے لئے سننا نہیں گیا جس نے نئے دین کا دعویٰ کیا ہو، یہ اللہ کے اس فرمان کا ثمرہ ہے کہ "تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران زمینوں کو بسائے گی" اسلامی سلاطین نے اگلے ہوں یا پچھلے ہمیشہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی اور اس کی آرائش میں جان توڑ کوششیں کیں، مکہ میں اور اس کے آس پاس تالاب اور کنویں ... چشمے بنوائے، عرصہ دراز سے یہ خدمت جلیلہ

[1] جب یوسیاہ کو گم شدہ تورات کا نسخہ اچانک مل گیا تھا (دیکھئے ۲۔سلاطین، باب ۲۲)

سلاطینِ آلِ عثمان کے متعلق چلی آرہی ہے، خدا اُن کے اسلاف کی مغفرت فرما کران سے راضی ہو، اور ان کی آنے والی اولاد کے اقبال کو ترقی عطا فرمائے، ان کی سلطنت کو ترقی اور ان کو عدل وانصاف اور نیک کاموں کی توفیق بخشے، یہ لوگ برابر حرمین شریفین کی خدمت اُسی زمانے سے آج تک کرتے آئے ہیں، یہاں تک کہ ان کا لقب ہی خادم الحرمین ہوگیا، جو اُن کے لئے باعثِ فخر اور ان کی نگاہوں میں سب سے زیادہ معزز لقب ہے،

اسلام کے ظہور سے اس زمانے تک باہر کے لوگ مکہ کا قرب اور نزدیکی کو محبوب رکھتے ہیں، بالخصوص اس زمانے میں ہر سال مختلف ممالک اور دور دور علاقوں سے لاکھوں کی تعداد میں شمعِ حرم کے پروانے مکہ پہنچتے ہیں، اور خدا نے جو وعدہ اپنے اس کلام میں فرمایا تھا کہ "کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئیگا" وہ اس طرح پورا کیا کہ مخالفین میں سے جو شخص بھی اس کی مخالفت کے لئے کھڑا ہوا خدا نے اس کو ذلیل کردیا،

اصحابِ فیل کا قصہ کون نہیں جانتا، کہ ابرہہ بن صباح اشرم جب نجاشی شاہِ حبشہ کی جانب سے ملکِ یمن کا حکمران بنا تو اُس نے دارالسلطنت صنعاء میں قلیس نامی ایک عمارت کعبۃ اللہ کے مقابلے میں بنوائی، اس کی خواہش تھی کہ قبائلِ عرب کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر میری خود ساختہ عبادت گاہ کا طواف اور حج کیا کریں، جب اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو جذبۂ انتقام کے ماتحت خانۂ کعبہ کے منہدم کرنے کا ناپاک جذبہ پیدا ہوا، اور اس کے گرانے کا حلف اٹھایا، اسی مذموم ارادہ کے ساتھ ایک زبردست فوج ہاتھیوں کی لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا، وہ

خود جس ہاتھی پر سوار تھا اس کا نام محمود تھا، جو بڑا قوی ہیکل اور تمام ہاتھیوں میں نمایاں تھا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب کو اس خطرے کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے، اور اس کے سامنے ملک تہامہ کی آمدنی کا ایک ثلث اس شرط کے ساتھ پیش کرنا چاہا کہ ابرہہ واپس لوٹ جائے، مگر اس نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ہاتھی کو حملے کے لئے آگے بڑھایا، لیکن جب اس کو حرم کی جانب چلانا چاہا تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا اور ہرگز نہ ہلتا، اس کے برعکس جب یمن... یا اور کسی جانب اس کا رُخ موڑ دیا جاتا... تو نہایت تیزی کے ساتھ دوڑنے لگتا، اسی موقع پر اللہ نے پرندوں کا لشکر بھیج دیا، جس میں سے ہر ایک پرندے کی چونچ میں ایک پتھر اور دو دو پتھریاں دونوں پنجوں میں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے چھوٹی موجود تھی، اور پرندوں نے وہ پتھریاں برسانا شروع کیں، جس کسی کے سر میں وہ پتھری لگتی بدن کے پار ہو کر سُرین سے نکلتی، ہر پتھری پر اس شخص کا نام کندہ ہوتا تھا، جس کے لگنی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور راستہ ہی میں ہلاک اور برباد ہو گئی، خود ابرہہ کی موت بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ اس طرح ہوئی کہ تمام بدن گل گیا اور انگلیاں جھڑ گئیں، جوڑ الگ ہو گئے، دل پھٹ گیا، اس کا وزیر ابو یکسوم اسی افراتفری میں بھاگتا ہوا نجاشی کے پاس اس حال میں پہونچا کہ ایک پرندہ اس کے سر پر حلقہ کئے ہوئے تھا، اس نے نجاشی کو یہ واقعہ سنایا ادھر اس نے داستانِ درد انگیز ختم کی اور پرندے

نے پتھری اس کے سر پر دے ماری اور وہ وہاں پر ڈھیر ہو کر رہ گیا، حق تعالیٰ سبحانہٗ نے سورۂ فیل میں اسی واقعہ پر روشنی ڈالی ہے،

نیز اس وعدۂ مذکورہ کی بناء پر کانا دجال مکہ کی حدود میں داخل نہ ہوسکے گا، اور نامراد واپس ہوگا، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے،

دسویں بشارت، کتاب اشعیاء سے

کتاب یسعیاہ باب ۶۵ آیت ۱ میں ہے:

"جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا، جنھوں نے مجھے ڈھونڈھا نہ تھا مجھے پا لیا، میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا، دیکھ میں حاضر ہوں، میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے، ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں، جو قبروں میں بیٹھتے اور بت خانوں[1] میں پوشیدہ جگھوں میں رات کاٹتے اور سؤر کا گوشت کھاتے ہیں، اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے، جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ، میرے نزدیک نہ آ، کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں، یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں، دیکھو

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ یہ لفظ ہے: "پوشیدہ جگھوں میں سوتے"

میرے آگے یہ قلمبند ہوا ہے، پس میں خاموش نہ رہوں گا بلکہ بدلہ دوں گا،

خداوند فرماتا ہے ہاں ان کی گود میں ڈال دوں گا" (آیات ۱ تا ۶)

غور فرمائیے "جو میرے طالب نہ تھے": "جنھوں نے مجھے ڈھونڈھا نہ تھا" ان سے مراد کون ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اہلِ عرب ہیں، کیونکہ یہ بیچارے خدا کی ذات وصفات اور اس کی شریعتوں سے قطعی ناواقف تھے، اس لئے وہ تو نہ اللہ کے متعلق کوئی سوال کرتے تھے اور نہ اس کے طالب تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ، نے اہلِ عرب کی اُس حالت کا نقشہ آیتِ ذیل میں یوں کھینچا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"

ظاہر ہے کہ اس کا مصداق یونانی لوگ نہیں ہو سکتے، جیسا کہ بشارت ۱۲[1] سے معلوم ہو چکا ہے، اور جو وصف آیت نمبر ۲ و ۳[2] میں مذکور ہے وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے، اور جو اوصاف آیت نمبر ۴[3] میں مذکور ہوئے ہیں وہ عیسائیوں کی حالت پر خوب چسپاں ہوتے ہیں، جس طرح آیت کا بیان کردہ وصف یہود پر زیادہ فٹ ہوتا ہے، پس اللہ نے ان کو رد کیا، اور امتِ محمدیہ کو پسند فرمایا،

---

[1] دیکھئے صفحہ ۱۳۹۷ جلد ہذا،

[2] یعنی "میں نے سرکش لوگوں کی طرف" الخ [3] یعنی جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ الخ

گیارہویں بشارت حضرت دانیال کا خواب

کتاب دانی ایل باب ۲ میں ہے کہ شاہ بابل بخت نصر نے ایک خواب دیکھا اور بھول گیا، پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ وہ خواب اور اس کی تعبیر معلوم ہوگئی، جسے آپ نے بادشاہ کے سامنے اس طرح بیان فرمایا:

اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی، تیرے سامنے کھڑی ہوئی، اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی، اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اس کا سینہ اور بازو چاندی کے اور اس کا شکم اور اس کی رانیں تانبے کی تھیں اس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے، تو اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا، اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا، اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہوئے، اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا، اور تمام زمین میں پھیل گیا، وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں،

اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے، جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی اور توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے، اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ

کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے، وہ سونے کا سر تو ہی ہے، اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی، اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی، اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی، اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے، ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی، اور کچل ڈالے گی، اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا، مگر جیسا کہ تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا، اس میں لوہے کی مضبوطی ہوگی، اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں اس لئے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی، اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے، لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسا ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے، اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا، جو تا ابد نیست نہ ہوگی، اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی، بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی، اور وہی ابد تک قائم رہے گی، جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا، اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے، اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی" (آیات ۳۱ تا ۴۵)

غرض پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کی بادشاہت ہے، اور دوسری سلطنت کا مصداق مادیین[1] کی حکومت ہے، جو بلشا صر بن بخت نصر کے قتل کے بعد مسلّط ہو گئے تھے، جیسا کہ کتاب مذکورہ کے باب نمبر ۵ میں صاف مذکور ہے، مگر ان کی سلطنت کلدانیوں[2] کی نسبت کمزور تھی، تیسری۔ . . . . بادشاہت سے مراد کیانیوں کی حکومت ہے، اس لئے کہ ایران کا بادشاہ خورش (جو پادریوں کے دعوے کے مطابق کیخسرو ہے) حضرت مسیح کی ولادت سے ۵۳۶ سال قبل بابل پر مسلّط ہو گیا تھا، اور چونکہ کیانیوں کی حکومت بڑی طاقتور تھی، اس لحاظ سے گویا ان کا تسلّط ساری روئے زمین پر تھا،

چوتھی حکومت سے مراد اسکندر بن فیلفوس رومی کی سلطنت ہی، جو مسیح کی ولادت سے ۳۳۰ سال قبل ملک فارس قابض ہو گیا، اور قوت و طاقت کے لحاظ سے لوہے کے مانند تھا، سکندر نے فارس کی سلطنت کے ٹکڑے کر کے چند بادشاہوں کو بانٹ دی، جس کی وجہ سے یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک برابر کمزور رہی، البتہ ساسانیوں کے دور میں پھر مضبوط اور طاقتور ہو گئی، پھر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہوتی رہی. یہاں تک کہ عہدِ نوشیروان میں محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اللہ نے آپ کو

---

[1] مادیین (Medes) صوبۂ مادیٰ کے باشندوں کو کہا جاتا ہی، یہاں مشہور بادشاہ دارا حکومت کرتا تھا، اور اس نے بابل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا (دیکھئے عزرا۔ ۶: ۲، و ۲ سلاطین ۱۷، ۶، و یسعیاہ ۲۱: ۲ و دانی ایل ۵: ۳۱،

[2] کلدانی، یعنی وہ قوم جسے بائبل میں "کسدی" (chaldee) کہا گیا ہی، بخت نصر انہی میں سے تھا.

ظاہری اور باطنی بادشاہت اور حکومت عطا کی، آپؐ کے متبعین قلیل مدت میں مشرق و مغرب پر چھا گئے، اسی طرح فارس کے ان تمام علاقوں پر بھی قابض ہو گئے جن سے اس خواب اور اس کی تعبیر کا تعلق ہے،

غرض یہی وہ ابدی بادشاہت ہے جو کبھی نہ مٹے گی، اور یہ حکومت کبھی دوسری قوم کو نصیب نہ ہوگی، اس کا کمال و عروج عنقریب امام مہدی رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں ہوگا، مگر اس سے .. قبل کچھ عرصہ کے لئے کمزوری اور ضعف ضرور واقع ہوگا، چنانچہ اِس زمانے میں اس کی بعض علامات کا مشاہدہ ہو رہا ہے اُن کے ظہور پر یہ نقص ختم ہو جائے گا، اور دین تمام تر اللہ کے لئے ہو کر رہے گا، لہذا یہی وہ پتھر ہے جو پہاڑ سے جدا ہو گیا تھا، اور جس نے ٹھیکرے، لوہے، تانبے، چاندی، سونے کو پیس ڈالا تھا اور خود بڑا بھاری پہاڑ بن گیا تھا، اور تمام رُوئے زمین پر چھا گیا تھا، اس کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے،

بارہویں بشارت، حنوک علیہ السّلام کی زبانی

یہوداحواری نے اپنے خط میں اس چیز کا ذکر کیا ہے جو حضرت حنوک علیہ السلام نے دی تھی، حضرت حنوک، حضرت آدمؑ سے ساتویں پشت میں ہیں، اور عیسائی مؤرخین کے مطابق ان کے عروجِ آسمانی کے تین ہزار سترہ سال کے بعد حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے تھے، یہ عبارت ہم عربی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۴ء سے نقل کرتے ہیں:

"خداوند اپنے مقدس جماعتوں[1] کے ساتھ آیا، تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں کے سبب سے جو انھوں نے بے دینی سے کئے ہیں، اور ان سب سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گنہگاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھیرائے[2]"۔

آپ کو چوتھے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ "خداوند" کا اطلاق بائبل میں بکثرت "مخدوم" اور "معلم" کے معنی میں کیا گیا ہے، اس بحث کے اعادے کی ضرورت نہیں، البتہ لفظ "مقدس" عہد قدیم اور عہد جدید دونوں میں ان نیک مؤمنین کے لئے استعمال ہوا ہے جو زمین پر موجود ہوں، مندرجہ ذیل عبارتیں اس پر گواہ ہیں:

۱۔ کتاب ایوب باب ۵ آیت ۱ میں ہے:

"ذرا پکار کیا کوئی ہے جو تجھے جواب دے گا؟ اور مقدسوں میں سے تو کس کی طرف پھرے گا؟"

اس آیت میں "مقدسوں" سے مراد زمین کے مؤمنین ہیں علماء پروٹسٹنٹ نظریئے کے مطابق تو ظاہر ہے، اور علماء کیتھولک کے لئے بھی اس سے زمین ہی کے مقدس لوگ مراد لینا ضروری ہے، کیونکہ وہ مطہر[3] جس میں ان کے نزدیک مقدسوں کی ارواح غم و آلام کا شکار رہتی ہیں، اور پاپا کے مغفرت نامہ دیئے بغیر

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا" کا لفظ ہے،
[2] آیت ۱۴ و ۱۵،
[3] یعنی جہنم، تفسیر کے لئے دیکھئے ص ۴۴۴ جلد ہٰذا کا حاشیہ،

نجات نہیں پاسکتیں، وہ مظہر تو حضرت مسیحؑ کے بعد وجود میں آیا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت اس کا وجود نہ تھا،

(۲) کرنتھیوں کے نام پہلے خط، باب اوّل آیت نمبر ۲ میں ہے:

"خدا کے اس کلیسیا کے نام جو کرنتھس میں ہے، یعنی ان کے نام جو یسوع مسیح میں پاک کئے گئے، اور مقدس لوگ ہونے کے لئے بلائے گئے"

اس آیۃ میں بھی ان لوگوں کو "مقدس" کہا گیا ہے جو کرنتھس میں موجود تھے،

(۳) رومیوں کے نام خط باب ۱۲ آیت نمبر ۱۳ میں ہے "مقدس" کی احتیاجیں رفع کرو"

(۴) اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۲۵ میں ہے:

"لیکن بالفعل تو مقدسوں کی خدمت کرنے کے لئے یروشلیم کو جاتا ہوں کیونکہ مکدینہ اور اخیہ کے لوگ یروشلیم کے غریب مقدسوں کے لئے کچھ چندہ کرنے کو رضامند ہوئے"

یہاں مقدسوں سے مراد یروشلیم میں موجود مقدس لوگ ہیں؛

(۵) فلپیوں کے نام خط کے باب اول آیت ۱ میں ہے:

"مسیح یسوع کے بندوں پولس اور تیمتھیس کی طرف سے "فلپی" کے سب مقدسوں کے نام جو مسیح یسوع میں ہیں"

یہاں "مقدس" سے مراد فلپی کے باشندے ہیں،

(۶) تیمتھیس کے نام پہلے خط باب ۵ آیۃ ۱۰ میں ڈیکنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"مقدسوں کے پاؤں دھوئے ہوں"

اس موقع پر مقدسوں کا مصداق وہ مؤمنین ہیں جو دنیا میں موجود تھے، اس کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو یہ کہ مقدس جو آسمان پر موجود ہیں وہ ایسی ارواح ہیں جن کے پاؤں نہیں ہوتے، دوسرے ٹڈیوں کے لئے آسمان پر جانا ممکن نہیں،

جب قارئین کو الفاظ رب، مقدس، قدیس کے استعمال کا حال معلوم ہو چکا، تو اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ "خداوند" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مقدس جماعتوں کا مصداق صحابہ کرام ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو بصیغۂ ماضی یعنی "آیا" کے ساتھ تعبیر اس لئے کیا گیا کہ آپؐ کی بعثت یقینی تھی، پھر آپؐ اپنے صحابہ میں تشریف فرما ہوئے، اور کفار سے بدلہ لیا، منافقین اور خطاکاروں کو ان کی منافقانہ حرکتوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں گستاخیاں کرنے پر ملامت اور مذمت کی، مشرکین کو اللہ کی توحید اور اس کے پیغمبروں کی رسالت تسلیم نہ کرنے اور بت پرستی پر سرزنش کی، یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مریمؑ کے حق میں بے جا الزامات لگانے اور دوسرے بعض واہیات عقائد رکھنے پر ملامت کی، عیسائیوں کو خدا کی توحید میں خلل اور کوتاہی پر، نیز عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط پر اور بعض عیسائیوں کو صلیب پرستی اور مورتی پوجا اور واہیات عقائد پر ملامت کی،

تیرہویں بشارت، آسمانی بادشاہی

انجیل متی باب ۳ آیت ا میں ہے،

"اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا، اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی

کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے ؟

اور متی باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے:

جب اس نے (حضرت عیسیٰؑ نے) سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا ۔۔۔۔ آیت ۱۷: اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے ۔۔۔ آیت ۲۳: اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا ؟

اور متی ہی کے باب ۶ میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو نماز کا طریقہ بتلاتے ہوئے یہ دعا سکھائی:- "تیری بادشاہی آئے"۔

اور انجیل متی کے باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے اسرائیلی شہروں میں بھیجا تو منجملہ دوسری وصیتوں کے ایک نصیحت یہ بھی کی کہ:

"اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے ؟

اور انجیل لوقا باب ۹ آیت ۱ میں ہے کہ:

"پھر اس نے ان بارہ کو بلا کر انہیں سب بدروحوں پر اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے قدرت اور اختیار بخشا، اور انہیں خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا ؟

۔۔۔ باب ۱۰ میں ہے:

"ان باتوں کے بعد خداوند نے ستر آدمی اور مقرر کئے، اور جس جس شہر اور جگہ کو

خود جانے والا تھا، وہاں انھیں دو دو کر کے اپنے آگے بھیجا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آیۃ ۸: "جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمھیں قبول کریں تو جو کچھ تمھارے سامنے رکھا جائے کھاؤ، اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمھارے نزدیک آپہونچی ہے، لیکن جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں، تو اس کے بازاروں میں جاکر کہو کہ ہم اس گرد کو بھی جو تمھارے شہر سے ہمارے پاؤں میں لگی ہے تمھارے سامنے جھاڑے دیتے ہیں، مگر یہ جان لو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آپہنچی ہے"

معلوم ہوا کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں بزرگوں نے، نیز ان کے حواری اور ستر شاگردوں نے آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سُنائی، اور عیسیٰ علیہ السلام نے بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ بشارت دی جن الفاظ سے یحییٰ علیہ السلام نے خوشخبری دی تھی، ظاہر ہے کہ وہ بادشاہت جس طرح عہدِ یحییٰ میں ظاہر نہیں ہوئی، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھی ظاہر نہیں ہوئی، اور نہ ہی حواریوں اور ستر شاگردوں کے دَور میں بلکہ ان میں سے ہر ایک اس کی بشارت دیتا گیا اور اس کی خوبیاں بیان کرتا رہا، اس کی آمد کا متوقع رہا، اس لئے آسمانی بادشاہت کا مصداق وہ طریقۂ نجات ہرگز نہیں ہوسکتا جو شریعتِ عیسوی کی شکل میں ظاہر ہوا، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواری اور ستر شاگرد یوں نہ کہتے کہ وہ قریب آنے والا ہے، اور نہ ان کو نمازوں میں پڑھنے کے لئے تعلیم دیتے کہ "اور تیری بادشاہی آئے"

کیونکہ یہ طریقہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کے دعویٰ کرنے کے بعد ان کی شریعت کی شکل میں ظاہر ہی ہوچکا تھا،

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کا مصداق درحقیقت وہ طریقۂ نجات ہی جو شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ سب حضرات اسی عظیم الشان طریقہ کی بشارت دیتے رہے، اور خود آسمانی حکومت یا بادشاہت کے الفاظ بھی اس امر پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بادشاہت حقیقۃً سلطنت اور قوت ... کی شکل میں ہو سکتی ہے کہ عاجزی اور کمزوری کی صورت میں، اسی طرح مخالفین کے ساتھ جنگ وجدل اسی سبب سے ہوگا،

نیز یہ الفاظ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے قوانین کی بنیاد ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہو، اور یہ تمام باتیں صرف شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آتی ہیں،

عیسائی علماء اگر یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہت سے ساری دنیا میں ملتِ مسیحؑ کا پھیل جانا اور اس کا نزولِ عیسیٰؑ کے بعد ساری دنیا پر چھا جانا مراد ہے، تو یہ تاویل بالکل کمزور اور ظاہر کے خلاف ہے اور وہ مثالیں جو عیسیٰ علیہ السلام سے انجیلِ متی کے باب ۱۳ میں منقول ہیں وہ اس خیال کی تردید کرتی ہیں، مثلاً آپ نے فرمایا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کے مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا، پھر فرمایا کہ:

"آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا"

پھر فرمایا کہ:

"آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا"

غور کیجئے کہ آسمانی بادشاہت کو ایک ایسے انسان سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ جس نے کھیتی بوئی، نہ کہ کھیتی بڑھنے اور کاٹنے کے ساتھ، اسی طرح رائی کے دانہ سے تشبیہ دی، نہ کہ اس کے عظیم الشان درخت بننے سے، اسی طرح خمیر کیساتھ اس کی تشبیہ دی گئی نہ کہ سارے آٹے کے خمیر بننے کے ساتھ،

اسی طرح انجیل متی کے باب ۲۱ میں جو تمثیل بیان کی گئی ہے وہ بھی اس تاویل کو غلط قرار دیتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی"[1]

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے مراد بذات خود نجات کا طریقہ ہے، تمام عالم میں اس کا پھیلنا اور سارے جہان پر چھا جانا مراد نہیں، ورنہ پھر اس کی اشاعت کا ایک قوم سے چھن جانا اور دوسری قوم کو دیا جانا کچھ بھی مطلب نہیں رکھتا، سچی بات تو یہ ہے کہ اس بادشاہت سے مراد وہی بادشاہت ہے جس کی خبر دانیال علیہ السلام اپنی کتاب کے باب ۲ میں دے گئے ہیں،[2] اس لئے اس بادشاہت کا اور سلطنت کا صحیح مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سوا اور کوئی نہیں ہے،

چودھویں بشارت آسمانی بادشاہی کی مثال

انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یوں ہے:

---

[1] آیت ۴۳، [2] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۳۴۷ جلد ہذا،

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں[1]"

لہٰذا آسمانی بادشاہت ... وہی طریقۂ نجات ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ظاہر ہوا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم میں نشو و نما پائی جو ساری دنیا کے نزدیک کاشتکار اور فلاح تھے، اس لئے ان میں اکثر لوگ دیہات کے باشندے تھے، علوم اور صنعتوں سے بے بہرہ، جسمانی لذتوں اور دنیوی

---

[1] یہ وہی بشارت ہو جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا:

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ، (فتح: ۴۰)	"اور ان کی مثال انجیل میں کھیت کی مانند ہو جس نے اپنی بال نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر موٹا ہوا، پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو مسرور اور خوش کر رہا ہے۔"

یہی تمثیل مرقس ۴: ۳۰ تا ۳۲ اور لوقا ۱۳: ۱۸ و ۱۹ میں بھی بیان کی گئی ہے، اور مرقس ۴: ۲۶ کے یہ الفاظ قرآنی الفاظ کے زیادہ قریب ہیں:

"اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، اور پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔"

تکلفات اور آرائشوں سے آزاد تھے، خصوصاً یہودیوں کے نقطۂ نگاہ سے، اس لئے کہ یہ لوگ حضرت ہاجرہؑ کی اولاد سے تھے، آپ کی بعثت اسی قوم میں ہوئی، لہٰذا آپ کی شریعت ابتداء میں رائی کے دانہ کی مانند بظاہر چھوٹی سی شریعت تھی، مگر وہ اپنے عام اور عالمگیر ہونے کی وجہ سے قلیل مدت میں ترقی پاکر اتنی بڑی ہوگئی کہ تمام مشرق و مغرب کا احاطہ کرلیا، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند اور مطیع نہ ہوتے تھے وہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے،

پندرہویں بشارت متیں اور انکی مزدوری

انجیل متی باب ۲۰ آیت ا میں ہے:

"آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا، تاکہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے، اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھیراکر انھیں اپنے تاکستان میں بھیج دیا، پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا، اور ان سے کہا: تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ، جو واجب ہے تم کو دوں گا، پس وہ چلے گئے، پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا، اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا، اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے؟ انھوں نے اس سے کہا، اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا، اس نے ان سے کہا کہ تم بھی تاکستان میں جاؤ۔

تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دیدے، جب وہ گھر آئے جو گھنٹہ بھر

دن بھر لگائے گئے تھے تو ان کو ایک ایک دینار ملا، جب پہلے مزدور آئے تو انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ایک ہی دینار ملا، جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے، کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا، جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی، اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا، میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا، کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھیرا تھا؟ جو تیرا ہے اٹھا لے ... اور چلا جا، میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں، کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے؟ اس طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اوّل آخر،" (آیات ۱تا۱۶)

ملاحظہ فرمایئے کہ آخر دن کا مصداق بلاشبہ امّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے[1]، یہ لوگ ہی اجرت میں مقدم کئے جائیں گے، یہی لوگ باوجود پچھلے ہونے کے اوّل

---

[1] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مثال بعینہٖ اس طرح دی ہے، صحیح بخاری میں بالکل صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انّما بقاءکم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس اوتی اھل التوراۃِ التوراۃ فعملوا حتی اذا انتصف النھار ثم عجزوا	تمھاری مدّتِ قیام گزشتہ امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت، تورات والوں کو تورات دی گئی، تو انھوں نے عمل کیا، یہاں تک کہ جب آدھا دن گذر گیا تو وہ عاجز ہو گئے، اور انھیں ایک ایک

ہوں گے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ہم پچھلے ہونے کے ساتھ پہلے ہیں[1]" نیز فرمایا کہ: "جنت تمام پیغمبروں کے لئے اس وقت تک حرام کردی جائیگی جب تک کہ میں داخل نہ ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام کردی جائے گی جب تک اس میں میری امت داخل نہ ہو جائے[2]"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اھل الانجیل الانجیل فعملوا الی صلوٰۃ العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اھل الکتٰبین ای ربنا اعطیت ھؤلاء قیراطین قیراطین واعطیتنا قیراطاً قیراطاً وکنا اکثر عملاً قال اللہ عزوجل ھل ظلمتکم من اجرکم من شیء قالوا لا، قال ھو فضلی اوتیہ من اشاء، (صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب من ادرک رکعۃ من العصر، ص ۷۹ ج ۱ اصح المطابع کراچی)

قیراط دیا گیا (قیراط سونے چاندی کا ایک وزن ہے) پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی انھوں نے نماز عصر تک کام کیا، پھر عاجز ہو گئے، تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا پھر ہمیں قرآن دیا گیا ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے، اس پر پہلی دو کتابوں والے کہنے لگے کہ پروردگار! آپنے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے جواب میں فرمایا کہ کیا میں نے تمھاری اجرت کے معاملہ میں تم پر کوئی ظلم کیا؟ وہ کہنے لگے نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بس یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں "

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے، امام مالکؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ معجم طبرانیؒ میں حضرت سمرہؓ سے بھی ایک روایت اسی قسم کی منقول ہے جس کا مفہوم تقریباً یہی ہے (کنز العمال ص ۲۲۴ ج ۶ فضائل الامۃ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ " اخرجہ ہنادؒ والخطیبؒ عن ابی ہریرۃؓ (کنز العمال ص ۲۳۳ ج ۶)،

[2] لم اجدہ،

سولھویں۱۶ بشارت، آخری قوم

انجیل متی باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے :

"ایک اور تمثیل سنو! ایک گھر کا مالک تھا، جس نے تاکستان لگایا، اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور بُرج بنایا، اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا، اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا، اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا، اور کسی کو قتل کیا، اور کسی کو سنگسار کیا، پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا، جو پہلوں سے زیادہ تھے، اور انھوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے، جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا، یہی وارث ہے، آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں، اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا، اور قتل کر دیا، پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اس کو پھل دیں، یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ:

جس پتھر کو معماروں نے رَد کیا،

وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا،

یہ خداوند کی طرف سے ہوا ،

اور ہماری نظر میں عجیب ہے ؟

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا، اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہو۔"

(آیات ۲۱ تا ۴۵)

ذرا غور کیجئے: اس تمثیل میں مالک مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، اور باغ سے شریعت کی جانب اشارہ ہے، اور اس کا احاطہ گھیرنے اور اس میں شیرۂ انگور کے لئے حوض کھدوانے اور بُرج بنوانے سے محرمات اور مباحات اور اوامر و نواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، سرکش مالیوں سے مراد جیسا کہ کاہنوں کے سرداروں نے سمجھا یہودی ہیں اور بھیجے ہوئے نوکروں کا مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں بیٹے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور باب ۲ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لفظ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور ان کے نظریہ کے مطابق یہودیوں نے ان کو قتل بھی کیا، اور وہ پتھر جس کو معماروں نے رَد کر دیا تھا، یہ کنایہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور وہ اُمت جو اس کے پھل لائے گی اس کا اشارہ امتِ محمدیہ کی جانب ہے، اور یہی وہ پتھر ہے کہ جو اس پر گرا ریزہ ریزہ ہو گیا، اور جس شخص پر یہ پتھر گرا وہ پس گیا،

رہا عیسائی علماء کا یہ بے بنیاد دعویٰ کہ اس پتھر کا مصداق حضرت مسیح ہیں، جو یہ

چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے:

پہلی وجہ داؤد علیہ السلام نے زبور نمبر ۱۱۸ میں یوں فرمایا ہے کہ:
"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے"

اب اگر اس پتھر کا مصداق حضرت مسیح کو مانا جائے جو نسلاً خود بھی یہودی ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا اور خود داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، تو پھر یہودیوں کی نگاہوں میں یہ عجیب کیوں نظر آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کونے کے سرے کا پتھر بن گئے؟ بالخصوص داؤد علیہ السلام کی نظر میں اس کے عجیب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ عیسائیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنی زبور میں عیسیٰ علیہ السلام کی بے حد تعظیم کرتے تھے، اور ان کے خدا ہونے کے معتقد تھے، ہاں یہ بات بنی اسمٰعیل کے کسی فرد کے بارے میں درست ہو سکتی ہے، اس لئے کہ یہودی بنی اسماعیل کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان میں سے کسی شخص کا ترقی پاکر "کونے کے سرے کا پتھر" بن جانا ان کے لئے یقیناً تعجب خیز ہو سکتا ہے،

دوسری وجہ یہ کہ اس کلام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جو شخص اس پتھر پر گرے گا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اور جس پر وہ پتھر گرے گا اس کو پیس دے گا" یہ وصف کسی صورت میں حضرت مسیحؑ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ مسیحؑ کا قول ہے:

لہ بائبل کے شراح اس بات پر متفق ہیں کہ انجیل متی کی مذکورہ عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب مقدس کی جس عبارت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ زبور ۱۱۸: ۲۲ کی یہی عبارت ہے،

"اگر کوئی میری باتیں سن کر ان پر عمل نہ کرے تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا[1] کیونکہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں، بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں"

جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ۱۲ میں موجود ہے، اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا صادق آنا محتاجِ بیان نہیں ہے، کیونکہ آپؐ بدکاروں شریروں کی تنبیہ پر مامور تھے، لہٰذا اگر وہ آپؐ پر گریں گے تب بھی شکستہ اور ریزہ ریزہ ہوں گے اور اگر وہ ان پر مسلط ہوں گے تو پیس دیں گے،

تیسری وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "میری اور دوسرے پیغمبروں کی مثال ایسی محل کی ہے جس کی عمارت بڑی خوبصورت ہو، مگر اس کے کسی حصہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، دیکھنے والے آتے ہیں، اور عمارت کی خوب صورتی کو دیکھ کر عش عش کرتے اور حیرت کرتے ہیں سوائے اس ایک اینٹ کی جگہ کے، اس عمارت کی تکمیل مجھ سے ہوئی، اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا[2] ہے"

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت دوسرے دلائل سے ثابت ہے، جیسا کہ نمونہ کے طور پر کچھ گذشتہ مسلکوں میں ہم نے ذکر کئے ہیں، اس بنا پر اس بشارت کے سلسلہ میں اگر آپؐ کے قول سے بھی استدلال کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا،

[1] یہاں مجرم ٹھہرانے سے مراد سزا کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا ہی، چنانچہ موجودہ عربی ترجمہ میں یہاں "لَا اَدِیْنُہٗ" کا لفظ ہو جس کے معنی ہیں "میں اسے سزا نہیں دیتا" اور انگریزی ترجموں میں کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہیں "میں اس کے لئے سزا کا فیصلہ نہیں کرتا"،

[2] رواہ البخاریؒ فی کتاب الانبیاء، ومسلمؒ فی الفضائل واحمدؒ فی مسندہٖ (جمع الفوائد، ص ۱۰۷ ج ۲)

چوتھی وجہ خود حضرت مسیحؑ کے ظاہر کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر بیٹا نہیں ہو سکتا،[1]

بشارت ۱۷، مکاشفہ کی پیشینگوئی

کتاب مکاشفہ باب ۲ آیت ۲۶ میں ہے:

"جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دوں گا، اور وہ لوہے کے عصاء سے ان پر حکومت کرے گا جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے، اور میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا، جس کے کان ہوں وہ سُنے کہ رُوح کلیساؤں سے کیا فرماتا ہے" (آیات ۲۶ تا ۲۹)

دیکھئے یہ غالب جس کو تمام امتوں پر قوت اور تسلط عطا کیا گیا، اور جس نے لوہے کی لاٹھی سے ان کی نگرانی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ، نے آپؐ کے حق میں فرمایا ہے کہ:

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا　　"اور (تاکہ) اللہ آپ کی مدد کرے غلبہ والی"

مشہور کاہن سطیح، صاحب الہراوۃ نے آپؐ ہی کو اس کا مصداق ٹھہرایا تھا منقول ہے کہ شب ولادت میں کسریٰ نوشیرواں کا ایوان پھٹ گیا، اور اس کے چودہ[۱۴] کنگرے گر پڑے، نیز فارس کی آگ بجھ گئی، جو ایک ہزار برس سے کبھی نہیں بجھی تھی،

---

[1] اس لئے کہ آپ نے "بیٹے" اور "پتھر" دونوں کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ کیا ہے،

اور ساوہ کا چشمہ بالکل خشک ہوگیا، موبزان نے خواب میں دیکھا کہ بڑے قوی اونٹ عربی اونٹوں کو لئے جارہے ہیں، اور دریائے دجلہ کو پار کرکے اس کے قریبی شہروں میں پھیل گئے،

ان مسلسل واقعات کے پیش آنے پر کسریٰ نے بدحواس اور خوف زدہ ہوکر عبدالمسیح کو سطیح کاہن کے پاس بھیجا، جو شام میں مقیم تھا، عبدالمسیح جب اس کے پاس پہنچا تو وہ سکرات موت میں مبتلا تھا، اس نے سطیح کو یہ تمام واقعات سنائے جس کا جواب سطیح نے یہ دیا کہ،

"جب تلاوت کی کثرت ہو، لاٹھی والا ظاہر ہوجائے، ساوہ کا چشمہ خشک ہوجائے، اور فارس کی آگ بجھ جائے، تو اس کے بعد اہل فارس کے لئے بابل میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ سطیح کے لئے شام میں کسی خواب گاہ کی، اہل فارس میں آئندہ چند مرد وعورت بادشاہ ہوں گے، جو کنگروں کی شمار کے مطابق ہوں گے، اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہوکر رہے گا"

یہ کہتے ہی سطیح کی روح قفسِ عنصری سے جدا ہوگئی، عبدالمسیح نے واپس آکر نوشیرواں کو سطیح کی تعبیر سے مطلع کیا، تو کسریٰ کہنے لگا کہ چودہ[۱۴] بادشاہوں کی بادشاہت کے لئے بڑا طویل عرصہ درکار ہے[ل]، اتنے وقت میں تو بہت سے کام انجام پا سکتے ہیں،

ل سطیح کاہن نے یہ کہا تھا کہ قصرِ کسریٰ کے کنگروں کی تعداد کے مطابق چند بادشاہ حکومت کریں گے، پھر کسریٰ کی سلطنت ختم ہوجائے گی، کسریٰ کے محل میں چودہ[۱۴] کنگرے تھے، اس لئے نوشیرواں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ابھی اس سلطنت کے خاتمہ کے لئے بہت مدت درکار ہے،

مگر ہوا یہ کہ دس بادشاہ تو یکے بعد دیگرے صرف چار سال کی قلیل مدت میں ختم ہو گئے، اور باقی بھی خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کی خلافت تک ختم ہو گئے، ان کا سب سے آخری بادشاہ یزدگرد نامی خلافتِ عثمانی میں ہلاک ہوا،

مکاشفہ کی مذکورہ بشارت میں صبح کے ستارہ کا مصداق قرآن کریم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا،	"اور ہم نے تمھارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی"

اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا گیا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا،	"پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا"

اس بشارت کو نقل کرنے کے بعد صولت الضیغم کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"میں نے پادری ویٹ اور دلیم سے مناظرہ کے وقت کہا کہ لوہے کی لاٹھی والے کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ بات سنتے ہی دونوں پادری گھبرا گئے، پھر کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشگوئی تھواتیرہ کے لوگوں کے سامنے کی ہے[1]، اس لئے اس شخص کا ظہور تھواتیرہ میں ہونا چاہئے، حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تھواتیرہ (Thyatira) روم میں صوبۂ کِدُنیہ کے قریب ایک شہر تھا، (اعمال ۱۶: ۱۴) اور مکاشفہ کی اس عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے الہام کے ذریعے یوحنا کو ایک عبارت لکھوا کر یہ کہا کہ یہ پیغام تھواتیرہ کے کلیسا کو پہنچا دو (مکاشفہ ۲: ۱۷) اس پیغام میں یہ پیشگوئی ذکر کی گئی ہے، پادریوں کے اعتراض کا مطلب یہی ہے کہ جب اس پیشگوئی کے مخاطب تھواتیرہ کے لوگ ہیں تو مسلمانوں کی حکومت وہاں تک پہنچنی چاہیے،

کو وہاں جانیکا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا، میں نے پوچھا کہ یہ کنیسہ کس مقام پر ہے؟ انھوں نے لغت کی کتابوں میں دیکھ بھال کر کہا کہ یہ مقام استنبول کے قریب روم کے علاقہ میں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ صحابۂ کرام عمر فاروق رضؓ کے دور میں اس مقام پر نہ صرف گئے ہیں، بلکہ اس کو فتح کیا ہے، اور صحابہ کے بعد عموماً وہاں پر مسلمانوں ہی کا تسلط اور حکومت رہی ہے، پھر آلِ عثمان رضؓ عرصۂ دراز سے اس پر قابض ہیں، اور آج تک انہی کی حکومت قائم ہے، یہ پیشنگوئی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صریح ہے "

تنبیہ فاضلِ عباس علی جاجموی ہندی نے پہلے عیسائیوں کے رد میں ایک بڑی کتاب صولۃ الضیغم علیٰ اعداء ابن مریم کے نام سے تصنیف کی تھی، پھر انھوں نے پادری وینٹ اور پادری ولیم سے شہر کانپور میں مناظرہ کیا، جس میں دونوں پادریوں کو لاجواب اور قائل ہونا پڑا، پھر اپنی کتاب کا خلاصہ بنام خلاصہ صولۃ الضیغم تصنیف کیا، یہ مناظرہ مصنف میزان الحق کے مناظرہ سے جو اکبر آباد میں ہوا تھا، بائیس۲۲ سال قبل ہوا ہے۔

اٹھارہویں بشارت، فارقلیط

یہ پیشنگوئی انجیل یوحنا کے آخری ابواب میں درج ہے، ہم عربی تراجم مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۲۱ء و سنہ ۱۸۳۱ء و سنہ ۱۸۴۴ء سے اس کو نقل کرتے ہیں، انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

" اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے[1]، اور میں باپ سے

---

[1] اظہار الحق میں جس نسخہ سے نقل کیا گیا ہو ۱۴۷ اس میں ایسا ہی ہے، موجودہ ترجموں میں یہاں

درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا (فارقلیط) بخشے گا، کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے، یعنی سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی، کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے، تم اسے جانتے ہو، کیونکہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے، اور تمھارے اندر ہوگا۔

(آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور اسی باب کی آیت ۲۶ میں ہے:

"لیکن (فارقلیط) یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

پھر آیت ۳۰ میں ہے:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔"

اور انجیل یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶ میں ہے:

"لیکن جب وہ (فارقلیط) آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا، اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

---

(۲) قدیم تراجم میں یہاں "فارقلیط" ہی کا لفظ مذکور ہے، لیکن موجودہ اردو ترجموں میں اس کی جگہ "مددگار"۔ "وکیل" یا "شفیع" کے الفاظ ہیں، عربی ترجموں میں "معزّی" (تسلّی دینے والا) کا لفظ ہے، اور انگریزی ترجموں میں بھی (کے الفاظ مذکور ہیں، درحقیقت فارقلیط کے یہ تمام ترجمے غلط ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہوگا۔

اور باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمھارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیجدوں گا، اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں تصور وار ٹھہرائے گا، گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا، اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا، وہ جلال ظاہر کریگا، اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کرکے تمھیں خبریں دیگا کہ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمھیں خبریں دیگا" (آیات تا ۱۶)

ان عبارتوں سے استدلال کرنے سے پہلے ہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، پہلی تو یہ کہ آپ تمہید کے ساتویں امر میں معلوم کرچکے ہیں کہ اہل کتاب اگلے ہوں یا پچھلے عموماً اسماء اور ناموں کا ترجمہ کرنے کے عادی ہیں[1] ادھر عیسیٰ علیہ السلام طرانی ..... زبان بولتے تھے نہ کہ یونانی، اس کے بعد اس بات میں کوئی بھی شک باقی نہیں رہتا کہ حضرت عیسیٰ نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی،

---

[1] دیکھئے جلد ہٰذا، ص ۱۳۵۶،

چوتھے انجیلی نے اس کے نام کا اپنی عادت کے مطابق یونانی میں ترجمہ کر ڈالا، پھر عربی ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ کو معرّب کر کے فارقلیط بنادیا[1]، ہم کو ایک اردو رسالہ جو کسی پادری کا لکھا ہوا ہے ۱۲۶۸ھ میں ملا، جو کلکتہ میں طبع ہوا تھا، اور جس میں لفظ فارقلیط کی تحقیق کی گئی تھی، اس کے مؤلف نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا مقصود اس رسالے کی تحریر سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو فارقلیط کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ :-

"یہ لفظ یونانی لفظ سے عربی بنایا گیا ہے، لہٰذا اگر ہم یہ فرض کریں کہ اصل یونانی لفظ "پاراکلی طوس" ہے تو اس کے معنی معین و مددگار اور کارساز و وکیل کے ہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ اصل لفظ "پیرکلوطوس" ہے تو پھر اس کے معنی محمدؐ اور "احمد" کے قریب ہو جاتے ہیں، علماء اسلام میں سے جس کسی نے اس بشارت سے استدلال کیا ہے، یہ ہی سمجھ کر کیا ہے کہ اصل لفظ "پیرکلوطوس" ہے جس کے معنی "محمد" اور "احمد" کے معنی کے قریب ہیں، اس لئے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے "محمد" اور "احمد" کی پیشینگوئی کی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ پاراکلی طوس ہے"

ہم کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں میں بہت ہی معمولی سا فرق ہے، کیونکہ یونانی حروف آپس میں بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں، اس لئے "پیرکلوطوس" کسی نسخہ

---

[1] گویا مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل میں حضرت عیسیٰؑ نے آنے والے کا نام "احمد" ذکر کیا تھا، لیکن چونکہ عہد قدیم وجدید کے مصنفوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں اس لئے انھوں نے یونانی زبان میں لفظ "احمد" کا ترجمہ "پیرکلوطوس" سے کردیا، عربی مترجمین اس لفظ کو معرب کر کے "فارقلیط" بنادیا، ۱۴۲۴

میں "پاراکلی طوس" سے بدل گیا، پھر عیسائی حضرات نے اس نسخہ کو دوسرے نسخوں پر ترجیح دینی شروع کردی، اور جو شخص بھی اس کتاب کے باب ۲ اور مسلک نمبر ۹ کے امر نمبر ۷ میں انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا وہ یقینی طور پر مان لے گا کہ اس قسم کی چیز دیندار عیسائیوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے یہاں اس کو مستحسن اور بہتر شمار کیا جاتا ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ظہورِ محمدی سے قبل اس امر کا دعویٰ کیا کہ لفظ فارقلیط کا مصداق ہم لوگ ہیں، مثلاً دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس[1] نامی عیسائی نے جو بڑا ریاضت گذار، عابد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا متقی تھا، ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء کے قریب دعویٰ کیا کہ فارقلیط موعود جس کے آنے کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام کر گئے ہیں میں ہی ہوں، اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہوگئے، جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے، ولیم میور نے بھی اپنی تاریخ بزبان اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء کے باب ۳ میں اس کا اور اس کے ماننے والوں کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے اپنے متعلق "فارقلیط" ہونے کا دعویٰ کیا تھا، یعنی منسوب ہونے والی پاک روح" یہ شخص بڑا متقی اور بہت

---

[1] مونٹینس (Montanus) دوسری صدی عیسوی کا ایک مدعی نبوت ہے، جس کے پیرو فرقے کو مونٹینسٹ کہا جاتا ہے، اس نے کلیسا کے عام روزوں میں بھی اضافہ کردیا تھا، یہ خشک غذاؤں کے علاوہ ہر چیز سے اجتناب کی تلقین کیا کرتا تھا،
(کلیرک: شارٹ ہسٹری، ص ۴۶)

ریاضت کرنے والا تھا، اسی لئے اس کو قبولِ عام حاصل ہوگیا،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فارقلیط کی آمد کا انتظار ابتدائی عیسوی صدیوں میں بڑی شدّت کے ساتھ کیا جارہا تھا[1]، اور اسی لئے لوگ اس کا مصداق ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے، اور بہت سے لوگ ان کے دعویٰ کو قبول کرلیتے تھے،

لب التواریخ کا مصنف کہتا ہے کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی اور عیسائی بھی ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے، اس چیز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا فائدہ پہنچا کیونکہ آپؐ نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ نبی ہوں جس کا انتظار کیا جارہا تھا"

اس کے کلام سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اہلِ کتاب ایک نبی کے آنے کے منتظر تھے جو سچا ہوگا، کیونکہ نجاشی شاہ حبش کے پاس جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہونچا، تو اس نے فوراً کہا "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اہلِ کتاب منتظر تھے" اور جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کیا کہ:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے آپؐ سے اور آپؐ کے چچازاد بھائی یعنی جعفر بن ابی طالبؓ سے بیعت کرلی ہے، اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا"

---

[1] سر سید احمد خاں نے گاڈفری ہیگنس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مونٹینس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کچھ ہی پہلے ایک اور شخص نے بھی فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا تھا، جس کا نام مینس تھا (خطبات احمدیہ ص ۴۵۵)

یہ نجاشی پہلے نصرانی تھا، اسی طرح قبطیوں کے سردار مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جواب میں لکھا کہ:

"یہ خط محمد بن عبد اللہ کے نام ہے، مقوقس شاہ قبط کی طرف سے، آپ پر سلام ہو، اما بعد، میں نے آپ کا خط پڑھا، اور جو مضمون اس میں لکھا تھا اس کو سمجھا، اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو سمجھا، مجھ کو معلوم تھا کہ ایک نبی باقی ہے، جو آنے والا ہے، مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملکِ شام میں مبعوث ہوگا، میں نے آپ کے بھیجے ہوئے قاصد کی عزت کی۔"

یہ مقوقس اگرچہ اسلام نہیں لایا، مگر اس نے اپنے خط میں اس بات کا تو اقرار کیا ہے کہ مجھے یقین ہو کہ ایک نبی باقی ہے، یہ بادشاہ بھی عیسائی تھا، اور ظاہر ہو کہ اُس وقت ان دونوں بادشاہوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرنے یا خوف کھانے کا کوئی امکان نہ تھا، کیونکہ آپ کو کوئی دنیوی شوکت اُس وقت حاصل نہ تھی، اسی طرح جارود بن العلا، مع اپنی قوم کے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، اور کہا کہ:

"خدا کی قسم! آپ حق کو لے کر آئے ہیں، اور سچی بات کہی ہے، قسم ہو اس خدا کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے آپ کے اوصاف انجیل میں پڑھے ہیں، اور بتول کے بیٹے نے آپ کی بشارت دی ہے، بہت سی سلامتی ہو آپ کے لئے، شکر ہو اس ذات کا جس نے آپ کو عزت دی، مشاہدہ کے بعد سننے کی گنجائش نہیں، اور نہ یقین کے بعد شک کی، اپنا دستِ مبارک بڑھائیے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں

اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"

پھر اس کی ساری قوم مسلمان ہوگئی، یہ جارود بڑا زبردست عیسائی عالم تھا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ بتول کے بیٹے یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی ہے معلوم ہوا کہ عیسائی لوگ بھی اس نبی کے آنے کے منتظر تھے، جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے،

اس تنبیہ کے بعد اب ہماری گذارش یہ ہے کہ وہ اصل عبرانی لفظ جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا قطعی معدوم ہے، اور جو یونانی لفظ موجود ہے وہ صرف ترجمہ ہے، مگر ہم اصل لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہوئے اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں، کہ اگر اصل یونانی لفظ "پیرکلوطوس" ہے، تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو "محمد" و "احمد" کے قریب قریب ہم معنی ہے، یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر قرین قیاس ہے، مگر ہم اس احتمال کو چھوڑتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں مخالفین پر پورے طور پر حجت قائم نہ ہوسکے گی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپ ہی کا دعویٰ کہ اصل یونانی لفظ "پاراکلی طوس" ہے، اگر مان لیا جائے تب بھی ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کے معنی "منسوب کیا گیا" اور "مددگار" اور "وکیل" کے ہیں، یا پھر اس کے معنی "سفارش کرنے والا"، جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں موجود ہے، اور یہ سب اوصاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے پورے صادق آتے ہیں،

اب ہم اولاً ثابت کریں گے کہ وہ فارقلیط نبی جن کی بشارت دی گئی تھی اس کا

مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں نہ کہ وہ روح جو پینٹکُسٹ[1] کے دن حواریوں پر نازل ہوئی تھی، اور جس کا ذکر کتاب الاعمال[2] کے باب ۲ میں آیا ہے، پھر ہم اس سلسلہ میں عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب پیش کریں گے، پہلے دعوے کے حسبِ ذیل دلائل ہیں:-

---

[1] پینٹکُسٹ (Pentecost) یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار جسے "ہفتوں کی عید" (Feast of weeks) بھی کہا جاتا ہے، یہ تہوار گیہوں کی فصل کاٹنے کی خوشی میں منایا جاتا تھا، جس کے تفصیلی احکام تورات میں دیئے گئے ہیں (دیکھئے خروج ۳۴: ۲۲ و ۲۳: ۱۶) گنتی ۲۸: ۲۶ تا ۳۱، احبار ۲۳: ۱۵ تا ۲۱ و استثناء ۱۶: ۹ تا ۱۲)۔ پینٹی کوسٹ کے معنی یونانی زبان میں "پچاسویں دن" کے ہیں، اور چونکہ یہ تہوار عید فسح کے پچاسویں دن منایا جاتا تھا، اس لئے اسے پینٹی کوسٹ کہتے ہیں، ۱۶ ر نیسان (اپریل) کے بعد پورے سات ہفتے دن گذار کر یہ دن آتا تھا، اور اس میں شکرانہ کے طور پر مختلف رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

[2] کتاب اعمال باب ۲ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے بعد جب عید پینٹکُسٹ کا دن آیا تو یکایک آسمان سے عجیب قسم کی آوازیں آئیں، لوگوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آگ کے شعلوں کی مانند پھٹتی ہوئی زبانیں نظر آئیں، اور ہر ایک کو یہ محسوس ہوا کہ کوئی ان کی اپنی مادری زبان میں خدا کی عظمت وجلال کے کام بتلا رہا ہے، لوگ سخت حیرت میں تھے کہ پطرس حواری نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ یہ روح القدس ہی، جو یسوع مسیح کے حکم سے تم پر نازل ہوئی ہے، اور اس کا مطالبہ یہ ہو کہ تم سب ایمان لے آؤ، چنانچہ تین ہزار یہودی فوراً مسلمان ہوگئے، (اعمال ۲: ۱ تا ۴۲)

بائبل کے تمام شارحین یہ کہتے ہیں کہ انجیل یوحنا میں جس فارقلیط کی تشریف آوری کا وعدہ کیا گیا ہو اس سے مراد یہی روح القدس ہے (مثلاً دیکھئے ناکس کی تفسیر، ص ۲۵۰ جلد اول) مصنف عیسائیوں کے اس دعویٰ کا رد فرما رہے ہیں۔

فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں، آنحضرتؐ ہیں،

پہلی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط کی بشارت دینے سے قبل فرمایا کہ:

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو[1]"

اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ آگے فارقلیط کی جو بشارت دی جارہی ہے حواری اسے توجہ کے ساتھ سنیں، اور ذہن نشین رکھیں، اور یہ سمجھ لیں کہ آگے بیان کی جانے والی بات نہایت اہم اور ضروری ہے،

اب اگر فارقلیط سے عیسیٰ علیہ السلام کی مراد وہ روح تھی جو پینٹیکُست کے دن نازل ہونے والی تھی، تو اس فقرہ کے کہنے کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی، کیونکہ اس بات کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حواری اپنے اوپر اس روح کے دوبارہ نازل ہونے کو مستبعد خیال کریں گے، جب کہ اس سے قبل وہ اس سے مستفیض ہوچکے تھے، بلکہ اس استبعاد کی قطعاً گنجائش نہیں، کیونکہ وہ رُوح جب کسی پر نازل ہوگی اور اس میں سمائے گی تو اس کا نمایاں اثر خود ظاہر ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سے متاثر ہونے والے کے لئے انکار کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، اور پھر عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق اس کا ظہور کسی ایسی شکل میں ہرگز نہیں ہوسکتا، جس میں استبعاد کا احتمال ہوسکے، اس لئے یقیناً اس سے مراد وہی نبی ہے

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں "عمل کروگے" کا لفظ ہے، جس کی وجہ سے مصنفؒ کا استدلال اتنا واضح نہیں رہتا، قدیم تراجم میں "عمل کرو" ہی کے الفاظ ہیں،

جس کی بشارت دی گئی،

اب اصل حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے وہ یہ کہ جب حضرت مسیحؑ نے تجربات کی روشنی اور نورِ نبوّت کے ذریعہ یہ سمجھ لیا کہ ان کی اُمت کے بیشتر افراد اس نبیؐ کی نبوّت کا انکار اس کے ظہور کے وقت کریں گے جس کی بشارت دی جارہی ہے، اس لئے انھوں نے سب سے پہلے اس فقرہ کے ساتھ اس کی تاکید کی، پھر ان کی آمد کی اطلاع دی،

دُوسری دلیل رُوح القدس عیسائیوں کے نزدیک اپنے باپ کے ساتھ مطلقاً متحد ہے، اور بیٹے کے ساتھ اس کی لاہوتی حیثیت سے حقیقی اتحاد رکھتی ہے، اس لئے اس کے حق میں "دوسرا فارقلیط" کا عنوان صادق نہیں آتا[1] اس کے برعکس جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے، اس کے حق میں یہ قول بلا تکلف صادق آتا ہے،

تیسری دلیل وکیل ہونا یا سفارشی ہونا نبی کے خواص میں سے ہے، یہ لفظ اس رُوح پر صادق نہیں آسکتا جو خدا کے ساتھ متحد ہے، لہٰذا یہ دونوں صفات رُوح پر صادق نہیں آسکتیں، اور یقیناً اس نبیؐ پر جس کی بشارت دی گئی، بلا تکلف صادق آتی ہیں،

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط کے آنے کی خوش خبری دی تو لامحالہ فارقلیط کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہئے جو حضرت عیسیٰؑ سے جُدا ہو، حالانکہ رُوح القدس عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی لاہوتی حیثیت سے جدا نہیں ہے،

چوتھی دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"وہ تمھیں سب باتیں سکھلائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا"[۱]

عہد جدید کے کسی رسالہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکی کہ حواری اُن باتوں کو بھول گئے تھے جو مسیح نے کہی تھیں، اور اس رُوح نے جو یوم الدار میں نازل ہوئی ان کو یاد دلائی ہوں،

پانچویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہوجائے تو تم یقین کرو"[۲]

یہ کلام واضح طور سے اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد وہ روح نہیں ہوسکتی، کیونکہ دلیل اوّل میں آپ کو معلوم ہی ہوچکا ہے کہ حواریوں کی جانب سے اس کو نہ ماننے کا گمان کیا ہی نہیں جاسکتا تھا، لہٰذا اس کہنے کی قطعی ضرورت نہ تھی، اور حکیم دانشمند کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی فضول بات کہے، چہ جائیکہ ایک عظیم الشان نبی، اب اگر ہم اس کلام سے وہی نبی مراد لیں جس کی بشارت دی گئی تھی تو کلام اپنے صحیح مقام پر رہے گا، اور بہت ہی پسندیدہ ہوگا، کیونکہ دوبارہ ایک مضمون کی تاکید پر مشتمل ہے.

چھٹی دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"وہ میری گواہی دے گا"[۳]

---

[۱] یوحنا ۱۴: ۲۶ ، [۲] یوحنا ۱۴: ۳۰ ، [۳] یوحنا ۱۵: ۲۶ ،

دیکھئے اس رُوح نے کسی کے سامنے مسیح کے حق میں کوئی شہادت نہیں دی، اس لئے کہ جن شاگردوں پر وہ روح نازل ہوئی، ان کو کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ وہ مسیح کو کما حقہٗ پورے طور پر جانتے پہچانتے تھے، پھر ایسے لوگوں کے سامنے شہادت دینا محض بیکار ہے، رہے وہ منکرین جن کو واقعی شہادت کی ضرورت تھی، سو اس رُوح نے ان میں سے کسی کے سامنے شہادت نہیں دی، اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح کے لئے اور ان کے سچے ہونے اور اس الوہیت کے دعوے کرنے سے برأت کی شہادت دی، جو کفر و گمراہی کی سب سے بڑی قسم ہے، قرآن کریم کے متعدد مواقع پر ماں بیٹے دونوں کی برأت اور پاکدامنی مذکور ہے، اور احادیث میں تو بکثرت ملتی ہے،

ساتویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

"اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو[1]"

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں لفظ ایضاً کا ترجمہ بھی موجود ہے، لہٰذا لفظ ایضاً ان تراجم میں جن سے ہم نے یوحنا کی عبارت نقل کی ہے قصداً یا سہواً چھوٹ گیا ہے[2]، یہ قول واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ حواریوں کی شہادت فارقلیط کی شہادت کے علاوہ دوسری شہادت ہے، لیکن اگر اس سے مراد وہ رُوح لی جائے جو پنتیکست کے دن نازل ہوئی تو دونوں شہادتیں پھر الگ الگ نہ ہو سکیں گی، کیونکہ اس رُوح نے بعینہ وہی شہادت دی جو حواریوں نے

---

[1] یوحنا ۱۵: ۲۶،
[2] موجودہ ترجموں میں یہ لفظ موجود ہے،

دی تھی، کوئی مستقل شہادت نہیں تھی، اس لئے کہ یہ روح معبود اور معبود کے ساتھ متحد تھی، اور نزول، حلول، استقرار اور شکل وصورت جیسے جسمانی عوارض سے پاک تھی، اس لئے بائبل کی تصریح کے مطابق یہ ایک تیز آندھی کی طرح آتشیں زبانوں کی صورت میں نمودار ہوئی تھی، پھر کتاب اعمال کی تصریح کے مطابق تمام لوگوں پر مستقر ہوگئی، لہٰذا جن لوگوں پر یہ رُوح نازل ہوئی تھی ان کی کیفیت بعینہ اُس شخص کی طرح تھی جس پر جِنّ مسلّط ہوگیا ہو، جس طرح ایسی حالت میں جِن کا کلام بعینہ اس شخص کا کلام بن جاتا ہے، اسی طرح رُوح کی شہادت بعینہ حواریین کی شہادت بن گئی تھی، لہٰذا دونوں کی شہادت کو الگ الگ شہادتیں نہیں کہا جاسکتا،

اس کے برخلاف اگر فارقلیط سے مراد نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے تو دو شہادتیں مانی جاسکتی ہیں، حواریوں کی الگ اور فارقلیط کی الگ،

آٹھویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا،

"اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمھارے پاس نہیں آئے گا.

لیکن اگر جاؤں گا تو تمھارے پاس بھیجدوں گا"

ملاحظہ کیجئے! اس میں حضرت مسیح اس کی آمد کو اپنے جانے پر معلق کر رہے ہیں، حالانکہ وہ روح حواریوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی ہی میں نازل ہوچکی تھی، جب کہ آپ نے ان کو اسرائیلی شہروں کی جانب روانہ کیا تھا، اس وقت روح کا نزول عیسیٰ ؑ کی روانگی پر موقوف نہیں کیا گیا تھا، نتیجہ صاف ہے کہ فارقلیط سے مراد وہ رُوح ہرگز نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا مصداق یقیناً وہی شخص ہوسکتا ہے جس سے حواریوں نے عیسیٰ ؑ کے آسمان پر جانے سے قبل کسی قسم کا فیض حاصل نہیں

کیا، اور اس کی آمد مسیح کی روانگی پر موقوف ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ پوری بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ کی تشریف آوری عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد ہوئی، اور آپ کی آمد عیسیٰ ؑ کی روانگی پر موقوف بھی تھی، اس لئے کہ دو مستقل شریعتوں والے پیغمبروں کا وجود ایک زمانہ میں ممکن نہیں ہے، ہاں اگر دوسرا پہلے رسول کی شریعت کا متبع ہو یا دونوں کسی ایک شریعت کے تابع ہوں تو بیشک اس طرح کے دو یا دو سے زیادہ بھی پیغمبر ایک زمانہ اور ایک مقام پر آسکتے ہیں، اس قسم کے بے شمار انبیاء حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان میں آچکے ہیں،

نویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ دنیا کو ملامت کرے گا"

یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصِ جلی کے درجہ میں ہے، کیوں کہ آپ ہی ایسے شخص ہیں جنھوں نے سارے جہان کو للکارا، اور ملامت کی، بالخصوص یہودیوں کو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر ایسی ملامت کی جس میں شاید کوئی کٹر معاند اور متعصب دشمن ہی شک کرسکتا ہے، اور آپ ہی کے خلف الرشید امام مہدیؑ کانے دجال اور اس کے ماننے والوں کے قتل کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق اور معاون ہوں گے، بخلاف نازل ہونے والی رُوح کے کہ اس کا ملامت کرنا کسی اصول کے ماتحت درست نہیں ہوتا، اور اس کے نزول کے بعد بھی حواریوں کا منصب ملامت کرنے کا نہ تھا، اس لئے کہ وہ لوگ قوم کو ترغیب اور وعظ کے ذریعہ دعوت دیتے تھے،

لیکن پادری رانگین اپنی کتاب موسوم بدافع البہتان میں جو اردو زبان میں ہے، اور خلاصہ صولۃ الضیغم کے رد میں لکھی گئی ہے، اس کے جواب میں کہتا ہے:

"ملامت کرنے کے الفاظ نہ تو انجیل میں موجود ہیں، اور نہ ہی انجیل کے کسی ترجمہ میں، بلکہ اس کو مدعی نے محض اس لئے بڑھا دیا ہے تاکہ یہ بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح طور پر صادق آجائے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت اور دھمکی بہت دی، مگر اس قسم کا مغالطہ دینا اور دھوکہ دہی مومنین اور اللہ سے ڈرنے والوں کی شان سے بعید ہے"

یہ بات قطعی باطل اور غلط ہے، اس لئے کہ یہ پادری یا تو جاہل دھوکہ باز ہو، یا ایسا شخص ہو جو نہ صرف یہ کہ مغالطہ دینا چاہتا ہے بلکہ ایمان سے بھی خالی اور خوفِ خداوندی سے بھی عاری ہے، اس لئے کہ یہ الفاظ ان عربی تراجم میں جن سے میں نے یوحنا کی عبارت نقل کی ہے موجود ہیں،

نیز اس عربی ترجمہ مطبوعہ روما عظمی ۱۶۷۱ء میں بھی پائے جاتے ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت ۱۸۶۰ء کی عبارت اس طرح ہے کہ:

"اور جب وہ آئے گا تو گناہ پر ملامت کریگا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء میں اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء میں الزام کا لفظ موجود ہے[1]، اور تبکیت اور الزام دونوں الفاظ توبیخ اور ملامت کے قریب قریب ہیں، مگر اس پادری کی کیا شکایت کی جائے، جبکہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کے مطابق تمام علماء پروٹسٹنٹ کی یہ عام

[1] موجودہ ترجموں میں "قصوروار ٹھیرائے گا" کے الفاظ موجود ہیں،

عادت بن گئی ہے، اسی وجہ سے فارسی اور اردو کے ترجموں نے فارقلیط کو چھوڑ دیا، مسلمانوں میں یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مشہور ہو چکا ہے، کیونکہ یہ لوگ جو اس کے اسلاف ہیں انھوں نے بھی رُوح کی جانب مؤنث ضمیریں راجع کیں، تاکہ عوام کو اس اشتباہ میں مبتلا کیا جائے کہ اس کا مصداق کوئی مؤنث ہے نہ کہ مذکر،

دسویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے[1]"

یہ قول اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط منکرین عیسیٰ پر ظاہر ہو کر ان کو مسیح پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ملامت کریں گے، یہ بات نازل ہونے والی رُوح پر قطعی صادق نہیں آتی، کیونکہ وہ لوگوں پر ملامت کرنے کے لئے ظاہر نہیں ہوئی،

گیارہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے"

اس جملے کی روشنی میں بھی فارقلیط سے رُوح مراد نہیں لی جا سکتی، کیونکہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے احکام میں کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا، اس لئے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اس نے حواریوں کو تثلیث کے عقیدے اور سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم دیا تھا، ایسی شکل میں اس نے عیسیٰ علیہ السلام

[1] یوحنا ۱۶: ۹،

کے ان اقوال میں جو آپؑ نے عروج آسمانی تک ارشاد فرمائے تھے، کون سی زائد بات کا اضافہ کیا ؟

بلکہ اس رُوح کے نزول کے بعد ان لوگوں نے سوائے بعض احکام عشرہ کے جو سفر خروج کے باب۲ میں مذکور ہیں جملہ احکامِ توریت کو ختم کر دیا، تمام محرمات کو حلال کر ڈالا[1]، ایسی صورت میں ان کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس کے برداشت کی استطاعت نہیں رکھتے، کیونکہ ان لوگوں کو تو تعظیم سبت جیسے عظیم الشان حکم کو ختم کر دینے کی بھی استطاعت حاصل ہوئی، جو توریت کا بڑا حکم تھا، اور یہودی محض اس وجہ سے عیسیٰؑ کو مسیح موعود تسلیم نہیں کرتے تھے، انھوں نے اس حکم کی کوئی رعایت نہیں کی تھی، لہٰذا ان لوگوں کے لئے تمام احکام کو ختم کر دینے کا قبول کر لینا آسان تھا، البتہ ایمان کی کمزوری اور ضعفِ قوت کی وجہ سے جو عیسیٰؑ کے عروج تک رہی، احکام کی زیادتی کو قبول کرنا یقیناً ان کی استطاعت سے خارج تھا، چنانچہ اس کا اعتراف علماء پروٹسٹنٹ بھی کرتے ہیں،

اس تمام گفتگو سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فارقلیط کا مصداق ایک ایسا نبی ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں شریعتِ عیسوی کی نسبت کچھ احکام زائد ہوں گے، اور ان کا اٹھانا کمزور مکلفین کے لئے گراں ہوگا، بلاشبہ ایسے نبی صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

[1] دیکھئے اعمال ۱۵: ۲۹ ،

بارہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

"وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا"[1]

یہ کلام اس امر پر دلالت کررہا ہے کہ فارقلیط ایسا شخص ہوگا جس کی بنی اسرائیل تکذیب کریں گے، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے ضروری سمجھا کہ اس کی سچائی کا حال بیان کریں، اسی بناء پر خصوصیت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی، اس کے برعکس نازل ہونے والی رُوح کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال ہی نہ تھا،

مزید برآں یہ کہ یہ رُوح ان کے نزدیک عین معبود تھی، پھر ایسی صورت میں اس کے حق میں یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ[2] "جو کچھ سنے گا وہی کہے گا" اس لئے اس کا مصداق بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کیونکہ آپ کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال تھا، اور آپ عین خدا بھی نہیں ہیں، اور آپ ہی ایسے شخص ہیں جو وحی کے علاوہ کوئی بات نہیں فرماتے تھے، چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى،	"اور یہ اپنی خواہش سے نہیں کہتا وہ تو صرف وحی ہے جو اس کے پاس آتی ہے"

دوسری جگہ فرمایا:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ،	"میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے،

---

[1] یوحنا ۱۶: ۱۳، [2] اس لئے کہ جب رُوح القدس معبود ٹھہری تو اسے کچھ کہنے کے لئے ... کسی سے سننے کی کیا ضرورت ہے؟

تیرہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

"مجھ ہی سے حاصل کرکے تمھیں خبریں دے گا"

یہ بات رُوح پر ہرگز صادق نہیں آتی، کیونکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ قدیم، غیر مخلوق اور قادرِ مطلق ہے، کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو اس کو فی الحال حاصل نہ ہو، بلکہ اس کی توقع ہو، اس کے جس قدر کمالات ہیں اس میں بالفعل سب موجود ہیں، اس لئے ضروری ہوا کہ جس کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ اس قسم کا ہو جس کے حق میں کمال متوقع ہو،[1]

مگر چونکہ یہ کلام اس امر کا شبہ ڈال رہا تھا کہ شاید وہ نبی شریعت عیسوی کا متبع ہوگا، اس لئے اس کو دُور کرنے کے لئے بعد میں یہ کہہ دیا کہ:

"جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے"

مطلب صاف ہوگیا کہ جو چیز بھی فارقلیط کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوگی گویا کہ وہ مجھ سے حاصل کی، چنانچہ یہ مقولہ مشہور ہے:

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ	"جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا"[2]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب رُوح القدس کو تمام کمالات بالفعل حاصل ہیں تو اسے کسی سے حاصل کرکے خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ بات تو صرف ایسی شخصیت پر صادق آسکتی ہے جسے کمالات بتدریج حاصل ہوتے ہوں، اسے پہلے کسی بات کا علم نہ ہو، بعد میں اسے کوئی علم عطا کرے، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتی ہے،

[2] یہاں تک مصنف نے تیرہ ۱۳ دلائل ذکر فرمائے ہیں، اس کے علاوہ ایک چودہویں دلیل کتاب اعمال کے اس باب کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے، (باقی برصفحہ آئندہ)

عیسائیوں کے پانچ اعتراضات اور اُن کا جواب

پہلا اعتراض:

اب ہم اُن اعتراضات کو زیر بحث لاتے ہیں جو عیسائی حضرات اور بالخصوص پروٹسٹنٹ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فارقلیط ہونے پر وارد کرتے ہیں:

ان میں سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ خود بائبل میں فارقلیط کی تفسیر روح القدس اور روح الحق کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مصداق تیسرا اقنوم ہے، پھر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس میں روح القدس کے نزول کا واقعہ مذکور ہے، اس میں لکھا ہے کہ جب روح القدس آتشین زبانوں کی شکل میں لوگوں کو نظر آئی تو وہ بہت حیران ہوئے اس پر پطرس نے اس کی تشریح کی، اور انھیں بتلایا کہ یہ رُوح القدس ہے، جو تم پر برکت نازل کرنے کے لئے آئی ہے،

سوال یہ ہے کہ اگر فارقلیط سے مراد یہی روح القدس تھی تو جناب پطرس کو سب سے پہلے یہ بات کہنی چاہئے تھی کہ اس رُوح کے نزول سے تعجب کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، اس کے نزول کی بشارت خود حضرت مسیح علیہ السلام دے کر گئے ہیں، حالانکہ جناب پطرس نے اپنی طویل تقریر میں کہیں اس بات کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ وہی فارقلیط ہے جس کا وعدہ حضرت مسیح نے کیا تھا، اگر فارقلیط سے مراد یہ رُوح ہوتی تو جناب پطرس کیلئے یہودیوں کے سامنے حضرت مسیح کی حقانیت ثابت کرنے کا بہترین موقع تھا، بالخصوص جبکہ جناب پطرس کی پوری تقریر یسوع مسیح پر ایمان لانے کی دعوت پر مشتمل ہے، ایسے موقع پر تو وہ ہرگز اس بات کو ذکر کرنے سے نہ چوکتے،

اس کے علاوہ کتاب اعمال کا مبیّنہ مصنّف لوقا خود انجیل کا مصنّف بھی ہے، خود اس نے بھی پینٹی کوسٹ کا یہ واقعہ ذکر کر کے ایک لفظ بھی اس کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

لفظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا کیونکر درست ہے،

جواب یہ ہے کہ مصنف میزان الحق نے اپنی تالیفات میں دعویٰ کیا ہے کہ روح اللہ روح القدس، روح الحق، روح الصدق، روح فم اللہ کے الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں جیسا کتاب مفتاح الاسرار نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء باب ۲ فصل نمبر ۱ صفحہ ۵۳ میں کہتا ہے:

"لفظ روح اللہ اور روح القدس توریت و انجیل میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں"

نیز حل الاشکال فی جواب کشف الاستار میں کہتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متعلق یہ نہیں کہا کہ اس طرح یسوع مسیح کی فارقلیط والی پیشنگوئی پوری ہوگئی، حالانکہ بائبل کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے تمام مصنفین کا یہ معمول ہے کہ جب وہ کوئی ایسا واقعہ ذکر کرتے ہیں جسکی خبر کسی پچھلے نبی نے دی ہو تو اس کا فوراً حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح فلاں نبی کا قول پورا ہوا، (مثلاً دیکھئے انجیل لوقا ۳:۴ و ۱۳:۹ و اعمال ۱:۲۰)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لوقا نے روح القدس کے نزول کا قصہ بیالیس آیتوں میں ذکر کیا کہ مگر ان میں کہیں یہ نہیں کہا کہ اس واقعہ کے ذریعہ یسوع مسیح کی پیشنگوئی پوری ہوگئی ہے،

بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جناب پطرس نے یہاں حضرت یوئیل علیہ السلام کی ایک پیشینگوئی بھی ذکر فرمائی اور کہا کہ:

"یہ وہ بات ہے جو یوئیل نبی کی معرفت کہی گئی ہے" (اعمال ۲:۱۶)

مگر حضرت مسیح کا کہیں نام نہیں لیا، کیا یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جس فارقلیط کی خوشخبری دی تھی اس سے مراد یہ روح القدس کا نزول نہ تھا، بلکہ کچھ اور تھا؟

"جس شخص کو توریت وانجیل سے ذرا بھی مناسبت اور شعور ہوگا، اس کو معلوم ہے کہ الفاظ روح القدس اور روح الحق اور روح فم اللہ وغیرہ یہ سب روح اللہ کے معنی میں ہیں، اسی لئے میں نے اس کو ثابت کرنا ضروری نہیں سمجھا"

اب جب آپ یہ بات سمجھ گئے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم اس دعویٰ کی صحت وعدم صحت سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرلیتے ہیں کہ یہ سب الفاظ مرادف اور ہم معنی ہیں، لیکن ہم یہ بات ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں کہ ان الفاظ کا استعمال دونوں عہد کی کتابوں میں ہر جگہ اقنوم ثالث ہی کے معنی میں ہوا ہے، اس لئے ہم بھی پادری صاحب کی طرح کہتے ہیں کہ جس شخص کو دونوں عہد کی کتابوں کا تھوڑا سا شعور بھی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ الفاظ اقنوم ثالث کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوئے ہیں، کتاب حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ہے کہ جو لوگ حضرت حزقی ایل علیہ السلام کے معجزے سے زندہ ہوگئے تھے ان سے خطاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا:

"اور میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا"

ظاہر ہے کہ اس قول میں اللہ کی روح سے مراد نفسِ ناطقہ انسانی ہے، نہ کہ وہ اقنوم ثالث جو عیسائیوں کے زعم میں عین خدا ہے، نیز یوحنا کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۷۶۰ء[1] کے مطابق اس طرح ہے:

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے

[1] موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے، اس لئے یہ عبارتیں اسی سے نقل کردی گئی ہیں ۱۲ تقی

ہیں، خدا کے روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسّم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے " (آیات ۱ و ۲)

پھر آگے آیت ۶ میں ہے:

"جو خدا کو جانتا ہے وہ ہماری سنتا ہے، جو خدا سے نہیں وہ ہماری نہیں سنتا اسی سے ہم حق کی رُوح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں "

تراجم عربی مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۲۵ء میں بھی اسی کے موافق عبارتیں موجود ہیں، ان میں سے پہلی عبارت میں "خدا کی رُوح" اور آیت ۶ کی عبارت میں "حق کی روح" اقنومِ ثالث بجائے "واعظِ حق گو" کے معنیٰ میں استعمال ہوئی ہیں، اسی لئے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے مترجم نے لفظ "رُوح" کا ترجمہ "واعظ" کے ساتھ کیا ہے، اور پہلی آیت میں لفظ "ارواح" کا ترجمہ "واعظین" کے ساتھ اور دوسری آیت میں لفظ "رُوح" کا ترجمہ "واعظ من جانب اللہ" اور آیت ۶ میں "حق کی روح" کا ترجمہ "سچے واعظ" سے کیا ہے، اسی طرح لفظ "گمراہی کی روح" کا ترجمہ "گمراہ کن واعظ" کیا گیا ہے،

بہرکیف ان عبارتوں میں خدا کی رُوح اور رُوحِ حق سے مراد اقنوم ثالث جو عین خدا ہے نہیں لیا جا سکتا، اگر حضرت عیسیٰؑ نے فارقلیط کو رُوحِ حق قرار دیا ہے تو وہ ہمارے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ دونوں کے معنی واعظ حقانی کے ہیں، جیسا کہ یوحنا کے رسالہ ۱ میں روح اللہ اور روح الحق اسی معنی میں استعمال ہوا ہے[1] لہٰذا ان دونوں الفاظ کا اطلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بلاشبہ صحیح ہے،

[1] یہ تمام بحث اس تقدیر پر ہے کہ مصنفؒ نے روح القدس اور رُوح حق کو ہم معنی قرار دیا ہو، لیکن فاضل آل حسنؒ نے اپنی مشہور کتاب استفسار ص ۴۹۴ پر یہ ثابت کیا ہو کہ ان دونوں الفاظ کے معانی جدا جدا ہیں، اور روحِ حق سے مراد روح القدس نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، (ملاحظہ ہو استفسار بر حاشیہ ازالۃ الاوہام ص ۲۵۴)

دوسرا اعتراض

عیسائیوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فارقلیط کی پیشنگوئی کے مخاطب حواری ہیں، اس لئے فارقلیط کا ظہور ان کے زمانہ میں ہونا ضروری ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے عہد میں ظاہر نہیں ہوئے، اس لئے وہ اس کا مصداق نہیں ہیں،

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بھی بہت کمزور ہے، اس لئے کہ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ خطاب کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ ضمیر خطاب سے ضرور مراد ہوں لیکن یہ بات ہر مقام پر ضروری نہیں ہے؛ مثلاً انجیل متی باب ۲۶ آیت ۶۴ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سردار کاہن اور بڑے بڑوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"[1]

دیکھئے جن لوگوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات فرمائی تھی آج ان کو مرے ہوئے اٹھارہ سَو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے، لیکن انھوں نے کبھی حضرت عیسیٰؑ کو آسمان کے بادلوں پر آتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ انجیل متی کی اس عبارت میں "تم" کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو اس وقت سامنے موجود تھے، بلکہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت دنیا میں موجود ہوں گے۔

[1] اس ارشاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب اپنے نزول کی پیشنگوئی فرما رہے ہیں،

بعینہٖ یہ بات ہم فارقلیط کی بشارت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں، جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں تھے، بلکہ وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے،

تیسرا اعتراض عیسائیوں کا تیسرا اعتراض یہ ہو کہ فارقلیط کے حق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دنیا نہ اس کو دیکھے گی نہ پہچانے گی، اور تم اسے پہچانو گے[1]، یہ چیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتی، کیونکہ آپ کو تو لوگوں نے دیکھا بھی اور پہچانا بھی،

لیکن یہ اعتراض بھی محض لغو اور بے اصل ہے، اس لئے کہ عیسائی بھی اس جملے کو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں، بلکہ وہ ہماری نسبت اس کلام کی تاویل کرنے پر زیادہ مجبور ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک تو روح القدس عین خدا ہے[2] اور دنیا بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کو زیادہ جانتی پہچانتی ہے، اس لئے لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ پہچاننے سے مراد مکمل اور حقیقی معرفت ہے، اس تاویل کے بعد پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے صادق آنے میں کچھ بھی اشتباہ باقی نہ رہے گا اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا اس کی پوری پوری حقیقی پہچان نہیں رکھتی، اور تم اس کی پوری حقیقی پہچان رکھتے ہو، رویت سے مراد بھی معرفت ہی ہو گی،

---

[1] "سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے، تم اسے جانتے ہو الخ" (یوحنا ۱۴: ۱۷)

[2] اور کتاب اعمال میں تصریح ہے کہ روح القدس کو آتشیں زبانوں کی شکل میں سب نے دیکھا اور پہچانا،

اسی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "تم" کے بعد "دیکھنے" کے لفظ کا اعادہ نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ تم اس کو پہچانتے ہو[1]۔ اور اگر دیکھنے سے مراد ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہی لے لیا جائے تب بھی یہاں "نہ دیکھنے" سے مراد بعینہٖ وہ معنی ... ہوں گے جو انجیل متی باب ۱۳ آیت ۱۳ میں لئے گئے ہیں، اس کی عبارت ہم عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء سے نقل کرتے ہیں:

"میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے، اور نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشنگوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے، اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز (تمھیں کچھ نظر نہ آئے گا)[2]"

اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں رہتا[3]، ہم نے اوپر "دیکھنے" اور "جاننے" کے جو معنی بیان کئے ہیں، اگرچہ یہ مجازی معنی ہیں، لیکن ان کا استعمال اس کثرت سے ہوتا ہے کہ حقیقت عرفیہ بن گئے ہیں، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات میں یہ الفاظ اس معنی میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں،

---

[1] یعنی دنیا کے بارے میں تو یہ کہا کہ وہ "اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے"، اور حواریوں سے فرمایا کہ تم اسے جانتے ہو، یہاں دیکھنے کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ دیکھنے سے مراد بھی جاننا ہی ہے،

[2] اظہار الحق میں جن تراجم کے حوالے سے عبارت نقل کی گئی ہے ان میں یہاں لا تبصرون کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ قوسین میں کیا گیا ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں قوسین کی جگہ یہ لفظ ہے: "معلوم نہ کرو گے"۔

[3] گویا جس طرح متی کی اس عبارت میں "نہ دیکھنے سے مراد" "نہ قبول کرنا" ہے، اسی طرح فارقلیط کی پیشنگوئی میں بھی یہی مراد ہو گا،

انجیل متی باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے:

"کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے"۔

اور انجیل یوحنا باب ۷ آیت ۲۸ میں ہے:

"جس نے مجھے بھیجا ہے وہ سچا ہے، اس کو تم نہیں جانتے"۔

اور یوحنا ہی کے باب ۸ آیت ۱۹ میں ہے:

"نہ تم مجھے جانتے ہو، نہ میرے باپ کو، اگر مجھے جانتے تو میرے باپ کو بھی جانتے"۔

اور یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۵ میں ہے "اے عادل باپ! دنیا نے تجھے نہیں جانا، مگر میں نے تجھے جانا"

اور باب ۱۴ آیت ۷ میں ہے:

"اگر تم نے مجھے جانا ہوتا تو میرے باپ کو بھی جانتے، اب اسے جانتے ہو اور دیکھ لیا ہے، فلپس نے اس سے کہا، اے خداوند! باپ کو ہمیں دکھا، یہی ہمیں کافی ہے، یسوع نے اس سے کہا اے فلپس: میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں، کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا، تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟"

آپ نے دیکھا کہ ان تمام اقوال میں جاننے اور پہچاننے سے مراد مکمل معرفت اور دیکھنے سے مراد بھی معرفت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مذکورہ اقوال میں سے ایک بھی درست نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو عام لوگ بھی پہچانتے تھے، چہ جائیکہ یہود کے سردار، کاہن، مشائخ اور حواریین، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اہلِ تثلیث کے یہاں بھی ممکن نہیں ہے،

چوتھا اعتراض

عیسائیوں کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ فارقلیط کے حق میں یہ کہا گیا تھا کہ:

"وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے اور تمھارے اندر ہے"

اس کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فارقلیط اس خطاب کے وقت حواریوں کے پاس موجود اور مقیم تھا، پھر اس کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر ہو سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ بائبل کے دوسرے تراجم اس کے خلاف ہیں، ترجمہ عربی ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء میں ہے کہ:

"وہ تمھارے ساتھ رہنے والا ہے، اور تمھارے اندر ہوگا"[1]

فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ترجمہ اردو مطبوعہ ۱۸۱۴ء و ۱۸۳۹ء سب کے سب ان دونوں ترجموں کے مطابق ہیں، اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں اس طرح ہے:

"وہ ٹھہرنے والا ہے تمھارے ساتھ اور تمھارے اندر ہوگا"[2]

---

[1] اصل عربی عبارت یہ ہے: "لِاَنَّهٗ مُسْتَقِرٌّ مَعَكُمْ وَسَيَكُوْنُ فِيْكُمْ" موجودہ اردو ترجمہ میں یہ عبارت اس طرح ہے: "وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے اور تمھارے اندر ہوگا" قدیم انگریزی ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں یہ جملہ بالکل مختلف ہے: اس کی عبارت یہ ہے:

یعنی "وہ مسلسل تمھارے ساتھ رہے گا، نہیں، وہ تم میں ہوگا" (یوحنا ۱۴: ۱۷)

[2] اصل عربی عبارت "لِاَنَّهٗ مَاكِثٌ مَعَكُمْ وَيَكُوْنُ فِيْكُمْ" موجودہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۶ء میں بھی یہی الفاظ ہیں،

معلوم ہوا کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئندہ تم میں پیدا ہوگا، پھر تو کسی طور پر بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، اب رہا یہ لفظ کہ "مقیم عند کم" تو اس کے معنی ہرگز یہ نہیں لئے جا سکتے کہ وہ فی الحال تم میں مقیم ہے، کیونکہ یہ مسیح کے دوسرے کلام کے معارض اور منافی ہوگا جس میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا (فارقلیط) بخشے گا"[1]

اسی طرح حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد کہ:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرلو"[2]

نیز یہ فرمانا کہ:

اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمھارے پاس نہ آئے گا"[3]

وضاحت کے ساتھ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ فارقلیط زمانہ آئندہ میں آنیوالا ہے، پھر اس کے سوا اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے کہ اپنے بعد میں آنے والے قول کی طرح یہ بھی استقبال کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ "وہ زمانۂ مستقبل میں تمھارے پاس قیام کرے گا" پھر اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آنے میں کوئی خدشہ نہیں ہو سکتا، اور بائبل کے دونوں عہد ناموں میں زمانۂ آئندہ کی باتوں کو حال بلکہ بعض اوقات ماضی کے صیغوں سے بکثرت تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً کتاب حزقی ایل باب ۳۹ کی ابتداء میں حضرت حزقیل علیہ السلام نے یاجوج وماجوج کے نکلنے اور اسرائیلی پہاڑوں پر پہنچ کر اس کے ہلاک ہونے کی خبر دی ہے، اور اس کے بعد

---

[1] یوحنا ۱۴: ۱۵، [2] یوحنا ۱۴: ۳۰، [3] ۱۶: ۷،

آیت ۸ میں فرمایا ہے:

"دیکھ وہ پہنچا اور وقوع میں آیا، خداوند خدا فرماتا ہے، یہ وہی دن ہے جس کی بابت میں نے فرمایا تھا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں یہ جملہ اس طرح ہے:

"اینک رسید و بوقوع پیوست"

دیکھئے! اس جملہ میں کس طرح ایک آئندہ ہونے والے واقع کو صیغۂ ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے اس کا ہونا یقینی اور شک و شبہ سے بالاتر تھا، حالانکہ دو ہزار چار سو پچاس سال گزر جانے کے باوجود اب تک یہ واقعہ ظاہر نہیں ہو سکا،

اسی طرح انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۲۵ میں ہے:

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے، بلکہ ابھی ہے کہ مُردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے، اور جو سنیں گے وہ جئیں گے"

اس عبارت میں "بلکہ ابھی ہے" پر غور فرمایئے کہ اٹھارہ سو سال سے زیادہ مدت گزرنے کے باوجود یہ گھڑی اب تک نہیں آئی، اور اب تک کسی کو معلوم بھی نہیں کہ کب آئے گی،

پانچواں اعتراض

عیسائیوں کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ کتاب اعمال کے باب اول آیت ۴ میں ہے:

"اور ان سے مل کر ان کو حکم دیا کہ یروشلیم سے باہر نہ جاؤ، بلکہ باپ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کے منتظر رہو، جس کا ذکر تم مجھ سے سن چکے ہو، کیونکہ

یوحنا[1] نے تو پانی سے بپتسمہ دیا، مگر تم تھوڑے دنوں کے بعد روح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے ۔"

عیسائی علماء کا کہنا ہے کہ اعمال کی یہ عبارت واضح طور سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فارقلیط سے مراد پینتیکست کے دن نازل ہونے والی رُوح القدس تھی، اس لئے کہ اس عبارت میں باپ کے وعدے سے مراد فارقلیط کا وعدہ ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے وعدے کا مصداق صرف فارقلیط کو قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ تیرہ[1۳] وجوہ سے غلط ہے، جن کی تفصیل قارئین کو معلوم ہو چکی ہے، بلکہ سچی بات یہ ہو کہ فارقلیط کی پیشنگوئی ایک مستقل علیحدہ چیز ہے، اور روح کے دوبارہ نازل کرنے کا وعدہ ایک دوسری مستقل چیز ہے، اللہ نے دونوں وعدے پورے فرما دیئے، پہلے وعدے کو فارقلیط کے آنے سے تعبیر کیا، اور یہاں پر باپ کے وعدے سے تعبیر کیا، زیادہ سے زیادہ یہ نقص لازم آیا کہ فارقلیط کی بشارت یوحنا نے نقل کی اور باقی انجیل والوں نے اس کو نقل نہیں کیا، ادھر لوقا نے صرف اس رُوح کے نازل ہونے کے وعدے کو نقل کیا، جو پینتکست میں نازل ہوئی[2]، مگر یوحنا نے اس کو نقل نہیں کیا، لیکن اس میں کچھ

---

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام، یاد رکھئے یوحنا کے ساتھ بائبل میں جہاں بھی بپتسمہ کا لفظ آجائے تو . . . سمجھ لیجئے کہ اس سے مراد حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں،

[2] "اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا، لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو" (لوقا ۲۴: ۴۹) اس عبارت کا اسلوب بھی یہ بتلا رہا ہو کہ اس سے مراد فارقلیط نہیں ہی، اس لئے کہ یہاں "نازل کروں گا" کہا گیا ہو جبکہ فارقلیط کے لئے "بھیج دوں گا" کہا گیا تھا، نازل کرنے کا اطلاق رُوح القدس پر اور بھیجنے کا اطلاق نبی موعود پر اتنا واضح ہو کہ محتاج تشریح نہیں،

مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ کبھی معمولی باتوں کے نقل کرنے میں متفق ہو جاتے ہیں مثلاً اورشلیم جاتے ہوئے مسیح کا گدھے پر سوار ہونا کہ اس کی روایت پر چاروں انجیلوں کا اتفاق ہے، اور کبھی کبھی بڑے اور اہم معاملات کے نقل کرنے میں آپس میں اختلاف کر جاتے ہیں،

کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ ایک بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنے کا واقعہ صرف لوقا نقل کرتا ہے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا ستر شاگردوں کو بھیجنے کا واقعہ اور دس کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا ذکر بھی صرف لوقا کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور انجیلی ان واقعات میں سے ایک کو بھی بیان نہیں کرتا، حالانکہ یہ عظیم الشان واقعات ہیں،

اسی طرح مقام قانائے گلیل میں دعوتِ ولیمہ کا ذکر صرف یوحنا ہی کرتا ہے، حالانکہ اس میں مسیح علیہ السلام سے پانی کو شراب بنا دینے کا معجزہ ظاہر ہوا، جو مسیح کا سب سے پہلا معجزہ ہے، اور ان کی بزرگی کے ظاہر ہونے کا ذریعہ، اور یہی واقعہ شاگردوں کے ان پر ایمان لانے کا سبب بنا، یا مثلاً اورشلیم کے بیت صیدا میں بیمار کو اچھا کر دینے کا واقعہ صرف یوحنا ذکر کرتا ہے، حالانکہ یہ ایک بڑا معجزہ ہے، اس لئے کہ یہ بیمار ۳۸ سال سے مسلسل بیمار چلا جاتا تھا، یا اس عورت کا واقعہ جو زنا کے الزام میں پکڑی گئی تھی، یا مثلاً مادرزاد اندھوں کو بینائی دینے کا واقعہ جو مسیح کا بڑا معجزہ شمار ہوتا ہے، جس کی تصریح باب ۹ میں ہے، یا مُردوں میں سے عازار کے زندہ کرنے کا واقعہ،

یہ تمام واقعات صرف انجیلِ یوحنا میں ہیں، باوجود عظیم الشان واقعات

ہونے کے ان میں سے کسی واقعہ کو کوئی دوسرا انجیلی قطعی ذکر نہیں کرتا،

یہی حالت متی اور مرقس کی ہے، جو بعض معجزوں اور واقعات کے بیان کرنے میں منفرد ہیں، اور کوئی ان واقعات کو ان کے سوا ذکر نہیں کرتا،

اب چونکہ اس مسلک میں بحث طویل ہوتی جاتی ہے، اس لئے ہم بشارت کے نقل کرنے میں اتنی ہی مقدار کو کافی سمجھتے ہیں، جو ہم نے ان کی معتبر کتابوں سے نقل کردی ہیں، اور وہ بشارتیں جو دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اور جو ہمارے زمانے میں معتبر شمار نہیں کی جاتیں ان کو میں نے نقل نہیں کیا، البتہ ان بشارتوں سے فارغ ہونے کے بعد نمونہ کے طور پر ایک بشارت ان میں سے بھی نقل کرتا ہوں:

دیگر کتبِ مقدسہ سے بشارت کی مثال

پادری سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مجید کے مقدمہ میں انجیلِ برنا باسؒ سے

لہ **انجیلِ برنا باکا تعارف** | برنابا یا برنا باس (Barnabas)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری ہیں، انجیل برنا باس انہی کی طرف منسوب ہے دوسرے حواریوں کی طرح انھوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات اور آپ کے ارشادات کو جمع کیا تھا، لیکن یہ انجیل عرصۂ دراز سے دنیا سے غائب تھی، گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا، جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۲۲۴ جلد اول پر آپ ہومو کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔—— لیکن ۱۷۰۹ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس نے پوری دنیا کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیا، مذکورہ سن میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر کو جس کا نام کریمر تھا، ایمسٹرڈم کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب ہاتھ لگی، جو اطالوی زبان میں تھی، اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برنا باس کی انجیل ہے، اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات درج تھے، اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا مصنف برنا باس ہے، (باقی برصفحہ آئندہ)

ایک بشارت محمدی یوں نقل کی ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ کریمر نے یہ اطالوی نسخہ ایمسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا، جو اسے ایک انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا، کریمر نے یہ نسخہ شہزادہ آیوجین سافوی کو تحفہ کے طور پر دیدیا، اس کے بعد ۱۷۳۸ء میں یہ آسٹریا کے پایۂ تخت وائنا کے شاہی کتب خانہ میں منتقل ہو گیا، اور اب تک وہیں ہے،

اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے اوائل ہی میں ھڈلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برنا باس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا، یہی نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا، جس سے اس نے اپنے ترجمۂ قرآن میں مختلف اقتباسات نقل کئے، اور مصنفؒ نے یہاں یہ اقتباس اسی سے نقل کیا ہے،

مستشرق سیل نے اس ہسپانوی نسخہ پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ اطالوی نسخہ کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو کسی ارغانی مسلمان مصطفےٰ عرندی نے کیا ہے، مصطفےٰ عرندی ہی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے، جس میں اطالوی نسخہ کی دریافت کا پورا حال تحریر ہے،

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً سولھویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آرینوس لشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے، ان خطوط میں سے ایک خط میں آرینوس نے پولس کی خوب قلعی کھولی تھی، اور یہ لکھا تھا کہ انجیل برنا باس میں پولس کی حقیقت پوری طرح واضح کی گئی ہے، اس وقت سے فرامرینو انجیل برنا باس کی تلاش میں تھا، اتفاق سے اسے اس زمانے کے پوپ سکٹس پنجم کا تقرب حاصل ہو گیا، اور ایک دن وہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا، وہاں پہنچ کر پوپ کو نیند آ گئی، فرامرینو نے وقت گزاری کے لئے کتابیں دیکھنے کا ارادہ کیا، حسنِ اتفاق سے اس نے پہلی بار جس کتاب پر ہاتھ ڈالا وہ انجیلِ برنا باس کا اطالوی نسخہ تھا، فرامرینو اسے حاصل کر کے بیحد خوش ہوا، اور اسے آستین میں چھپا کر لے آیا، (باقی بر صفحہ آئندہ)

"اے برنابا! تو (جان لے) کہ گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ اس پر سزا.........

لے انجیل برناباس میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد اس وقت منقول ہے جبکہ (برناباس کی روایت کے مطابق) آپ کو ایک مرتبہ آسمان پر اٹھانے کے بعد حضرت مریمؑ اور حواریوں کی درخواست پر دوبارہ دنیا میں بھیجا گیا، اور حواریوں نے آپ سے سوال کیا کہ سُولی کا اصل واقعہ کیا تھا؟— مصنفؒ کے زمانے میں انجیل برناباس کا عربی ترجمہ نہیں ہوا تھا، اس لئے انھوں نے جارج سیل کے ترجمۂ قرآن سے یہ عبارت نقل کی ہے، اور جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے جارج سیل کے پاس ہسپانوی نسخہ تھا، اس لئے یہ عبارت غالباً ہسپانوی نسخہ کی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس عبارت کے بعض جملے مطبوعہ عربی ترجمہ سے مختلف ہیں، اس لئے کہ عربی ترجمہ اطالوی نسخہ سے کیا گیا ہے، ہم حواشی پر اس اختلاف کی طرف اشارہ کریں گے، جس سے معلوم ہوگا کہ ہسپانوی اور اطالوی نسخوں میں کوئی خاص معنوی تفاوت نہیں ہے،——— یہاں قوسین کی عبارت کی جگہ عربی ترجمہ میں یہ جملہ ہے "تو مجھے سچ جان"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ پوری روایت مستشرق سیل نے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھی ہو اور بتایا ہے کہ مصطفےٰ عرندی نے یہ واقعہ ہسپانوی نسخہ کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے، یہ ہسپانوی نسخہ جو سیل کے پاس تھا، اب گم ہو چکا ہے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ سیل کے پاس سے ۱۷۸۴ء میں یہ نسخہ ڈاکٹر ہیوٹ کے پاس آ گیا تھا، اور اس نے اپنے لکچروں میں بتایا ہو کہ دو جگہ معمولی اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے، اسی سے ڈاکٹر منکھوس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا، پھر مصر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے انگریزی سے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، جسے علامہ رشید رضا مصری نے ۱۹۰۸ء میں اپنے ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا، ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس انجیل کی فصلوں پر آیتوں کے نمبر ڈالے ہیں، اصل نسخہ میں یہ نمبر موجود نہ تھے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

دیتا ہے[۱]، اس لئے کہ اللہ گناہ سے[۲] (راضی نہیں[۳] ہے) (اور[۴]) جب میری ماں اور میرے (شاگردوں[۵]) نے دنیا کی خاطر مجھ سے محبت کی (تو اللہ اس بات[۶] پر ناراض ہوا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ عربی ترجمہ ہندوستان میں پہنچا تو مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا، جو ۱۹۱۶ء میں لاہور سے شائع کیا،

یہ بھی انجیل برناباس کی مختصر تاریخ جو ڈاکٹر خلیل سعادت کے عربی دیباچہ سے ماخوذ و ملخص ہے، یہاں اتنا اشارہ کر دینا اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برناباس معروف اناجیل اربعہ سے مندرجہ ذیل بنیادی اختلافات رکھتی ہے:

۱۔ اس میں حضرت مسیح نے اپنے خدا اور خدا کا بیٹا ہونے سے واضح طور سے انکار کیا ہے،

۲۔ اس میں حضرت مسیح نے بتایا ہے کہ وہ مسیح یا مسیا جس کی بشارت عہد قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

۳۔ برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ان کے بجائے یہوداہ اسکریوتی کی صورت بدل دی گئی تھی، اور اسی کو پھانسی دی گئی،

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحٰقؑ نہیں بلکہ اسمٰعیل علیہ السلام تھے،

یہ امور چونکہ اسلامی عقائد کے سو فی صد مطابق ہیں اس لئے اکثر مسیحی علماء اس انجیل کو کسی مسلمان کی خود ساختہ کتاب قرار دیتے ہیں،

مسئلہ چونکہ اہم ہے اس لئے ہم یہاں اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے آئندہ حواشی میں ہم پہلے اس انجیل کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اس کی اصلیت اور استناد کے مسئلہ پر کچھ عرض کریں گے، واللہ الموفق،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] مطبوعہ عربی ترجمہ میں ہے "سخت سزا دیتا ہے"

[۲] یہاں عربی ترجمہ میں یہ الفاظ ہیں: "غضبناک ہوتا ہے" [۳] عربی ترجمہ: "پس اسی لئے"

[۴] عربی ترجمہ: "میرے ان امانتدار شاگردوں نے جو میرے ساتھ تھے"

[۵] عربی ترجمہ میں یہ جملہ نہیں ہے،

اور اپنے انصاف کے تقاضہ سے اس نے ارادہ کیا کہ ان کو (اس دنیا میں[1]) اس (نا درست عقیدہ پر[2]) سزا دے تاکہ انھیں عذابِ جہنم سے نجات ملے، اور انھیں وہاں تکلیف نہ ہو، اور اگرچہ میں بے قصور ہوں، لیکن جب بعض لوگوں نے میرے بارے میں یہ کہا کہ یہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے، تو (اللہ نے اس بات کو برا سمجھا[3]) اور اس نے ارادہ کیا کہ قیامت کے دن شیطان مجھ پر نہ ہنسیں اور میرا ٹھٹھا نہ کریں، لہٰذا اس نے اچھا سمجھا کہ ہنسی اور ٹھٹھا یہوداہ کی موت کی وجہ سے دنیا میں ہو جائے، اور لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مجھے سُولی دی گئی، لیکن یہ (اہانت اور تمسخر[4]) باقی رہے گا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ آ جائیں، جب وہ آ جائینگے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ کریں گے، اور یہ شبہ لوگوں کے دل سے نکل جائے گا[5]۔"

بلاشبہ یہ بشارت بڑی عظیم الشان بشارت[6] ہے، خواہ عیسائی حضرات کتنا ہی

---

[1] عربی ترجمہ: "دنیوی غم سے"۔
[2] عربی ترجمہ: "اس محبت پر"۔
[3] عربی ترجمہ میں یہ جملہ نہیں ہے،
[4] عربی میں یہ لفظ نہیں ہے،
[5] انجیل برناباس فصل نمبر ۲۲۰ آیات ۱ تا ۲۰ عربی ترجمہ ص ۳۱۸، اردو ترجمہ ص ۳۰۶،
[6] یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنباس کے کچھ اور اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے جائیں، ہمارے پاس اس انجیل کے عربی اور اردو ترجمے ہیں، ہم یہاں ہر اقتباس میں دونوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں، اردو ترجمہ پر اس لئے اکتفاء نہیں کیا گیا کہ وہ ایک مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے، اس کے برخلاف عربی ترجمہ ڈاکٹر خلیل سعادت کا ہے جو عیسائی ہیں:

(۱) لست اھلاً ان احل رباطات	میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

زور لگائیں، اور اعتراض کریں کہ یہ انجیل غیر معتبر ہے، محض اس لئے کہ ہمارے علماء کا سلسلہ

(۱) جرموق او سیور جذاء رسول الله الذی تسمونه مسیّا الذی خلق قبلی ویأتی بعدی (فصل ۴۲ و آیت ۱۴)

رسول اللہ کے جوتے کے بند یعنی کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیا کہتے ہو، وہ جو کہ میرے سے پہلے پیدا کیا گیا اور میرے بعد آئے گا" (عربی ترجمہ ص ۶۴ اردو ترجمہ ص ۶۳)

(۲) ولما رأیته امتلأت عزاء قائلاً یا محمد لیکن الله معك ولیجعلنی اهلاً ان احل سیر حذائك، (فصل ۴۴ آیت ۳۰)

"اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا اے محمدؐ! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں" (عربی ترجمہ ص ۶۹ اردو ترجمہ ص ۷۰)

(۳) الحق اقول لکم متکلماً من القلب انی اقشعر لان العالم سیدعونی الهاً وعلیّ ان اقدم لأجل هذا حساباً لعمر الله الذی نفسی واقفة فی حضرته انی رجل فانٍ کسائر الناس، (فصل ۵۲ آیت ۱۰ تا ۱۳)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں دل سے باتیں کرتا ہوا کہ ہر آئینہ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہوں گے، اس لئے کہ دنیا مجھ کو معبود کہے گی، اور مجھ پر لازم ہوگا کہ اس حضور میں حساب پیش کروں، اللہ کی زندگانی کی قسم ہو، وہ اللہ کہ میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہو کہ بیشک میں بھی ایک فنا ہونے والا آدمی ہوں تمام انسانوں جیسا" (عربی ترجمہ ص ۸۲، اردو ترجمہ ص ۸۲)

(۴) اجاب التلامیذ یا معلم من عسی ان یکون ذلك الرجل الذی تتکلم عنه الذی سیأتی الی العالم أجاب یسوع بابتهاج قلب: انه محمد رسول الله (فصل ۱۶۳ آیات ۲ و ۸)

"شاگردوں نے جواب میں کہا، اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا: بیشک وہ محمد رسول اللہ ہے" (عربی ترجمہ ص ۲۵۳ اردو ترجمہ ص ۲۴۳)

کی مجالس نے اس کو رد کر دیا ہے، اس لئے کہ باب اوّل میں ہم نے جو کچھ اس سلسلے میں عرض کیا ہے اس کے بعد اس سلسلے میں ان کے رد کرنے یا قبول کرنے کا کوئی بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، پھر یہ انجیل ان قدیم انجیلوں میں سے ہے جس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی کی کتابوں میں موجود ہے، اس بنار پر ہم کہتے ہیں کہ اس انجیل نے ظہورِ محمدی سے دو سو سال پہلے یہ سب کچھ لکھ دیا تھا، جب کہ یہ بات کسی کی طاقت میں نہیں ہے کہ بغیر خداوندی الہام کے اس قسم کی سچی خبر اس کے وقوع سے دو سو سال پہلے دے سکے، نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یقیناً یہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے،

اس کے جواب میں اگر عیسائی حضرات یہ مہمل بات پیش کرنے لگیں کہ ممکن ہے ظہور محمدی کے بعد کسی مسلمان نے اس انجیل میں تحریف کر دی ہو، تو میں عرض کروں گا کہ یہ احتمال بہت ہی بعید ہے، مسلمانوں نے تو کبھی موجودہ اناجیلِ اربعہ کی طرف بھی التفات نہیں کیا، برنابا کی غیر مشہور انجیل کی جانب تو وہ کیا توجہ کرتے؟ اور پھر یہ بات اور زیادہ بعید ہے کہ کسی ایک مسلمان کی تحریف برنابا کی انجیل میں اتنی مؤثر ہو جائے کہ عیسائیوں کے یہاں جو نسخے موجود ہیں اُن کو بھی بدل ڈالے، حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ علماء اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں جو مسلمان ہو گئے تھے انھوں نے دونوں عہد کی کتابوں سے بشارتوں کو نقل کیا، اور اس میں تحریف کی، اب ہم ان کے زعمِ فاسد کی بناء پر کہتے ہیں کہ تمھارے دعوے کے مطابق ان علماء نے تحریف کی اور ان کی یہ تحریف ان کتابوں میں جو اُنکے پاس موجود تھیں ان بشارتوں کے مقامات پر مؤثر نہیں ہوئی، تو پھر کسی مسلمان کا انجیل برنابا میں تحریف کر دینا ان نسخوں میں جو اُن کے پاس موجود تھے کیسے مؤثر ہو گیا؟ اس لئے یہ

احتمال محض باطل اور کمزور ہے۱ ؎

۱ ؎ اب ہم قدرے تفصیل سے اس انجیل کی اصلیت پر گفتگو کریں گے، جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہمارے نزدیک اس انجیل کا پایہ اعتبار بائبل کے کسی صحیفہ سے کم نہیں ہے، بلکہ بعض دلائل ایسے ہیں جن کی بناء پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر برناباس حواری ہی کی لکھی ہوئی ہے،

انجیل برناباس کی حقیقت انجیل برناباس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ برناباس کون ہیں؟ حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ ان کے تعارف کا ایک جملہ سب سے پہلے ہمیں لوقا کی کتاب اعمال میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اور یوسف نام ایک لاوی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا، اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔"

(اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے اور اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام "نصیحت کا بیٹا" رکھ دیا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انھوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کردی تھی

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہو کہ انھوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ وہ ساؤل جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے، آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہوسکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمھارے ہم مذہب ہوچکا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ضروری اطلاع

ہم نے یہ بشارات سب سے پہلے کتاب اعجاز عیسوی میں ترجمہ مطبوعہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ لوقا پولس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی"

(اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

"یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرھویں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملہ میں شیر و شکر نظر آتے ہیں لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور تبلیغ و دعوت میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا، یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس قدر ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری پہلے سے اس کا مطلق اندازہ نہیں لگا سکتا، لوقا لکھتے ہیں:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

۱۸۵۰ء سے نقل کیں، اور یہ کتاب ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر

۳۹، ۴۰ "مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے ان کے ساتھ نہ گیا تھا، اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گزرا"

(اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی دراصل کچھ بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای، ایم، بلیک لاک (E. M. Blaiklock) اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایمان داری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال

ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی، اور اس نے شہرت دوام حاصل کی، مگر

کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم K.J.V. نے اس لفظ کے ترجمہ میں لفظ sharp (تیز) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے ـــــــ پولس اور برنباس ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوجاتے ہیں' یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامۂ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۱۴:۱۴ میں ملتا ہے جہاں آسمانوں کے تباہ ہوکر جدا ہونے کا ذکر ہے"۔

(کمنٹری آن ایکٹس مرتبہ آر، وی، جی ٹاسکر، ص ۱۱۸ و ۱۱۹)

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہوسکتا ہو کہ ایک شخص یوحنا کو رفیقِ سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ اس قسم کے اختلافات بلاشبہ بعض اوقات پیدا ہوجاتے ہیں، لیکن ان کی بناء پر ہمیشہ کے لئے کسی دیرینہ رفاقت کو خیرباد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جبکہ یہ رفاقت اس مقصد کیلئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی کے دونوں معترف ہیں، وہ برنباس جو تبلیغِ دین کے لئے اپنی ساری پونجی لاکر حواریوں کے قدموں میں ڈھیر کرسکتا ہو کیا صرف اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ دعوت میں ایسی رخنہ اندازی کو گوارا کرسکتا ہے؟

(۳) پھر لطف کی بات یہ ہو کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کرلیتا ہے، چنانچہ تیمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

"مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے"

(۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس سے پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا، اس لئے اس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کرلیا، (باقی برصفحہ آئندہ)

چونکہ عیسائیوں کے تراجم اور کتابوں کا یہ حال ہے کہ پچھلی مطبوعات میں بہ نسبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن یہ پورے عہدنامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے، اگر جھگڑے کی بناء مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟

۳۔ جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ برنباس سے اس کی ناراضی کا سبب یوحنا مرقس تھا اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا"

(گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

اس عبارت میں پولس دراصل اُس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلیم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلیم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (jei h Christians) اور دوسری قسم کو "غیر قوم کے لوگ" ('entile Christians) (باقی بر صفحہ آئندہ)

سابق مطبوعات کے کچھ نہ کچھ تفاوت اور تغیر ضرور ہوتا ہے، جیسا کہ ہم اس کتاب

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کی تمام رسموں پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور "غیر قوموں" کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" ضروری نہیں، اس لئے انھیں "نامختون" کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملہ میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی تھا، اور ختنہ اور موسوی شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جا بجا مختلف دلائل پیش کئے ہیں، (ملاحظہ ہو رومیوں ۲: ۲۵ و ۳: ۳۰ و ۴: ۹ و ۱۔ کرنتھیوں ۷: ۱۹ و گلتیوں ۵: ۶ و ۶: ۱۵ و فلپیوں ۳: ۳ و کلسیوں ۲: ۱۱ وغیرہ)

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے جناب پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

> "پطرس اسی اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر اُن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلیم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے سے اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنی پڑتی ہے" (حیات و خطوط پولس، ص ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۵۲ء پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، لاہور)

(باقی برصفحہ آئندہ)

کے مقدمہ میں بھی اس پر تنبیہ کر چکے ہیں، اس لئے اگر ناظرین میں سے کوئی صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے بعد ہوئی تھی اور یروشلیم کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۵ اہی میں بیان کئے ہیں،

اس لئے یہ بات انتہائی قرین قیاس ہے کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے نئے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور اس نے چار چیزوں کے سوا ہر گوشت کو حلال کر دیا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا، اور یہ اُس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو، خواہ اُسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔"

(پیدائش ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔" (احبار ۱۲: ۳)

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس بشارت کو کسی دوسرے سال کے مطبوعہ ترجمہ میں جس کا حوالہ ہم نے دیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور خود حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بھی ختنہ کی گئی تھیں، چنانچہ انجیل لوقا میں ہے:

"اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوعؑ رکھا گیا"۔ (لوقا ۲:۲۱)

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے،

لہٰذا یہ بات عین قرینِ قیاس ہے کہ وہ برنباس جس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے براہِ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصۂ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا، شروع میں برنباس نے پولس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے، اور اسی بناء پر پولس گلتیوں کے نام خط میں برنباس کو ملامت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ:

"مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا"۔ (گلتیوں ۲:۱۳)

اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دُور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال (باقی صفحہ آئندہ)

نہ پائیں تو ان کو ہمارے بیان میں شک نہیں کرنا چاہیے، بالخصوص وہ نسخے جو سنہ ۱۸۵۴ء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے" (حیات وخطوط پولس، ص ۸۹ و ۹۰)

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برنباس پر آجایئے، ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے یہ ہے:

ایھا الاعزاء ان اللہ العظیم العجیب قد افتقدنا فی ھذہ الایام الاخیرۃ بنبیہ یسوع المسیح برحمۃ عظیمۃ للتعلیم والآیات التی اتخذھا الشیطان ذریعۃ لتضلیل کثیرین بدعوی التقوی مبشرین بتعلیم شدید الکفر داعین المسیح ابن اللہ ورافضین الختان الذی امر بہ اللہ دائما مجوزین کل لحم نجس الذین ضل فی عدادھم ایضا بولس الذی لا اتکلم عنہ الا مع الاسی وھو السبب الذی لاجلہ اسطر ذلک الحق الذی رأیتہ وسمعتہ اثناء معاشرتی یسوع لکی تخلصوا ولا یضلکم الشیطان فتھلکوا فی دینونۃ اللہ وعلیہ فاحذروا	اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعے جنھیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہو، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے بعد کے طبع شدہ ہیں، اس لئے کہ اگر علمائے پروٹسٹنٹ نے اس بشارت کو ترجمہ مذکور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کل احد یبشر کم
بتعلیم جدید مضاد لما اکتبہ
لتخلصوا خلاصا ابدیا،
(برنباس ۱: ۲ تا ۹)

ہلاک ہوجاؤ، اور اس بنا پر ہر اس شخص سے
بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہو،
جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی
نجات پاؤ"

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بناء پر جدا ہونے کے بعد برنباس نے جو عرصۂ دراز تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے، .... حضرت مسیح کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کرکے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہوں،

یہاں تک ہماری گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ خود بائبل میں برنباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے، اور اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلاف کا ذکر ہے، ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برنباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو، اور وہ مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو،

اگر یہ بات آپ کے ذہن نشین ہوگئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انجیل برنباس کو برنباس کی تصنیف سمجھنے کے راستے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہوگئی، اس لئے کہ عام لوگوں اور بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا ــــ بلکہ شاید سب سے بڑا ــــ شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انھیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اربعہ اور مروجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ اتنی برنباس کی تصنیف ہو، انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار اس انجیل کے

"ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ انجیل برنابا س کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم اس نام سے اطالوی زبان میں ایک طویل صحیفہ آجکل پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے اور جس میں توہم پرستی

سے اپنی طباعت میں حذف کر دیا، تو یہ بات ان کی عادت سے جو تقریباً طبعی ہو چکی ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا ایک مضبوط عنصر موجود ہے، ۱۹۰۷ء میں لانس ڈیل اور لارا نے اسے ایڈٹ کیا تھا، اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا، اور غالباً یہ تیرھویں اور سولہویں صدی کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲ ج ۳ مقالہ برنباس)

آپ نے دیکھا کہ فاضل مقالہ نگار نے اس کتاب کے ناقابلِ اعتبار ہونے پر کوئی ٹھوس دلیل پیش کرنے کے بجائے چھوٹتے ہی اس پر تبصرہ کیا ہے کہ: "جو اسلامی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے" اور اس بات کو کتاب کے جعلی ہونے پر کافی دلیل سمجھ کر آگے یہ بحث شروع کر دی ہو کہ اس کا لکھنے والا کون تھا؟ اور یہ کب لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہو کہ پولس کے نظریات وعقائد اور اس کے بیان کردہ واقعات ذہنوں میں کچھ اس طرح جم بیٹھے ہیں کہ جس کتاب میں ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو، اسے کسی حواری کی طرف منسوب کرنے پر دل آمادہ نہیں ہوتے، لیکن اوپر جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہو کہ اگر برنباس کی کسی تصنیف میں پولس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا، اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ پولس کے نظریات کے خلاف ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ پولس اور برنباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے،

اس بنیادی نکتہ کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے کہ تاکہ انجیلِ برنباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر آ ہی جاتا ہے،

اس کے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برنباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برنباس نے ایک انجیل لکھی تھی، عیسائیوں کے قدیم مآخذ میں برنباس کی انجیل (باقی برصفحہ آئندہ)

کچھ بھی بعید نہ ہوگا، فاضل حیدر علی قرشی اپنی کتاب مسمّٰی بہ سیف المسلمین بزبان اردو کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تذکرہ ملتا ہے، اظہار الحق (ص ۲۳۴ ج ۱) میں اکیہو مو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برنباس کا نام بھی موجود ہے، امریکانا (ص ۲۶۲ ج ۳) کے مقالہ برنباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے،

چونکہ انجیل برنباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پاسکی، اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے ؟ لیکن کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے) ایک پوپ جیلاشیس اوّل کے نام سے گذرا ہے، اس نے اپنے دَور میں ایک فرمان جاری کیا تھا، جو فرمانِ جیلاشیس (   ) کے نام سے مشہور ہے، اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا، ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برنباس بھی ہے (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲ ج ۳ مقالہ برنباس اور چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۹۷ ج ۶ مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برنباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)،

اگرچہ بعض مسیحی علماء نے جیلاشیس کے اس فرمان کو بھی جعلی اور غیر مستند قرار دیا ہو، (مثلاً انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ جیلاشیس) لیکن اس کی کوئی دلیل ہمیں معلوم نہیں ہوسکی اور امریکانا کے مقالہ نگاروں نے اسے تسلیم کیا ہو، وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَی النَّافِی،

بہرکیف! اگر یہ فرمان درست ہے تو سوال یہ ہے کہ جیلاشیس نے انجیل برنباس کے مطالعہ کو کیوں ممنوع قرار دیا ؟ خاص طور سے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ پوپ جیلاشیس بدعتی فرقوں کا مقابلہ کرنے میں بہت مشہور ہے، یقیناً اس نے اس کا مطالعہ اس لئے ممنوع کیا ہوگا کہ اس میں عام عیسائی نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں اور ان سے کسی "فرقے" کی تائید ہوتی تھی،

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صفحہ ۶۳ و ۶۴ پر لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس واقعہ سے اتنا اشارہ اور مل جاتا ہے کہ انجیل برنباس عام عیسائی نظریات کے خلاف تھی، اب تک جتنی باتیں ہم نے عرض کی ہیں وہ خارجی قرائن ہیں جن سے موجودہ انجیلِ برنباس کی اصلیت پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے، اس کے بعد ہم کتاب کے اندرونی قرائن سے بحث کرتے ہوئے مختصراً وہ داخلی شہادتیں بیان کریں گے جن سے اس کتاب کے اصلی یا جعلی ہونے کا پتہ چل سکتا ہے، پہلے وہ قرائن ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اس کتاب کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے،

اگر یہ کتاب اصلی نہیں ہے تو یقیناً کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہوگی ـــــ چنانچہ اکثر نصرانی علماء کا دعویٰ یہی ہے۔ اور لامحالہ اس کے لکھنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ اس کتاب کو برنباس کی تصنیف سمجھ کر لوگ عیسائیت سے برگشتہ ہو جائیں، لیکن اس کتاب میں کئی باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اسے کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے سے انکار کرتی ہیں،

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک درجن سے زائد مقامات پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کا ذکر کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر تو لمبی لمبی فصلیں آپؐ ہی کے ذکرِ جمیل سے بھری ہوئی ہیں، مثلاً دیکھئے ۳۶ : ۹ ، ۳۹ : ۱۴ ، ۴۲ : ۹ ، ۴۴ : ۱۹ ، ۵۲ : ۱۱ ، ۵۴ : ۹ ، فصل نمبر ۷۲ ، ۹۶ : ۸ ، ۹۷ : ۱۷ ، ۱۶۳ : ۸ ، ۱۳۶ : ۱۵ ، ۱۷۶ : ۷ ، ۲۲۰ : ۱۷ ، اب آپ غور فرمائیے کہ جو شخص اتنا ذہین ... اور وسیع المطالعہ ہو کہ انجیل برنباس جیسی کتاب تصنیف کرکے اسے حواریوں کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کر سکتا ہو، کیا وہ اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کثرت کے ساتھ بار بار آپؐ کا اسم گرامی ذکر کرنے سے لوگ شبہ میں پڑ جائیں گے، جو شخص معمولی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا، یہ جعلساز کی فطرت ہے کہ وہ شبہ میں ڈالنے والی کھلی باتوں سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے، ایسے موقع پر اس کے لئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک دو جگہوں پر آپؐ کا اسمِ گرامی ذکر کرتا، اور بس! بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ یہ تھا کہ انجیلِ یوحنا میں فارقلیط کے نام سے جو پیشینگوئی مذکور ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

"پادری ارسگان ارمنی نے کتاب یسعیاہ کا ترجمہ ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں کیا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسے جوں کی توں نقل کرکے فارقلیط کے بجائے آپ کا اسم گرامی لکھ دیتا انجیل برنباس کو پڑھے تو اندازہ ہوگا کہ اس کا لکھنے والا نہ صرف یہ کہ بائبل کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ انتہائی ذہین اور زیرک ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے جوش میں اس نے اس قدر سامنے کی بات کو نظر انداز کر دیا ہو؟

(۲) اگر اس انجیل کا مصنف کوئی مسلمان ہو تو جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے سے اس کا مقصد یقیناً یہ ہو کہ قرآن کریم کی اس آیت کو درست ثابت کرے جس میں کہا گیا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صراحۃً آپ کا نام لے کر آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے ـــــ ایسی صورت میں اُسے چاہئے تھا کہ وہ اس کتاب میں ہر جگہ یا کم از کم ایک جگہ آپ کا نام "اَحْمَدْ" ذکر کرتا، اس لئے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی وہ تصدیق کرنا چاہتا ہے اس میں یہی نام ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ، "اور (میں) اس رسول کی خوش خبری دینے والا بنا کر (بھیجا گیا ہوں) جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمدؐ ہوگا"

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ آپ کا اسم گرامی "مُحَمَّدْ" ذکر کیا گیا ہے، اور کسی ایک جگہ بھی "اَحْمَدْ" کا لفظ موجود نہیں ہے۔

(۳) اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے کہ عہد قدیم کی کتابوں میں جس "مسیح" یا "مسیا" کی بشارت دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں (فصل نمبر ۹۷ آیت ۱۴)۔

اگر اس کتاب کا لکھنے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے یہ بات لکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے، اور اس کے لکھنے سے بھی خواہ مخواہ شبہات پیدا ہو سکتے ہیں بعض حضرات کا کہنا ہو کہ لکھنے والے نے کسی کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں لکھا تھا، بلکہ یہ کتاب دراصل ایک تخیلی (Emaginatory) (باقی برصفحہ آئندہ)

جو ۱۷۳۲ء میں مطبع انٹونی پورٹولی میں چھپا ہے، اس ترجمہ کے باب ۲ ۴ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کتاب ہے، جس میں لکھنے والے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات کیسی ہونی چاہیئے،

یہ بات کسی حد تک قرینِ قیاس ہو سکتی تھی، لیکن انجیل برناباس کو پڑھنے کے بعد اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے، اوّل تو ایسی صورت میں مصنف کو اپنا نام ظاہر کرنا چاہیئے تھا، اس کی بجائے اس نے اسے برناباس کی طرف کیوں منسوب کیا؟ پھر اس کتاب میں بہت سی باتیں اسلامی تصوّرات کے بالکل خلاف ملتی ہیں، ان کی کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً:

(۱) فصل نمبر ۲۰۹ آیت ۴، فصل نمبر ۲۱۵ آیت ۳ اور فصل نمبر ۲۱۹ آیت ۷ میں کچھ فرشتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، جن میں جبریل کے علاوہ میخائیل، رفائیل اور اوریل بھی مذکور ہیں، مؤخر الذکر تینوں ناموں سے اسلامی ادب بالکل ناآشنا ہے،

(۲) فصل نمبر ۲۱۹ و ۲۲۰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے، تاکہ میں اپنی والدہ اور شاگردوں سے مل آؤں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیجا، اور وہ اپنی والدہ اور شاگردوں سے کچھ دیر گفتگو کر کے پھر واپس تشریف لے گئے،

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے، آج تک کوئی مسلمان ہماری نگاہ سے ایسا نہیں گذرا جو حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے واپسی کا قائل ہو،

(۳) فصل ۱۳ آیت ۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

اعطوا اذا ما لقیصر لقیصر وما للہ للہ،	تب تو قیصر کا حق قیصر کو دیدو اور اللہ کا حق اللہ کو ۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ فقرہ موجود ہے کہ خدا کی پاکی بیان کرو، نئے سرے اس کی بادشاہت کا اثر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دین وسیاست کی تفریق کا یہ نظریہ خالصۃً غیر اسلامی ہے، اور علمائے اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں،

(۴) فصل ۱۰۵ آیت ۳ میں آسمانوں کی تعداد نو بتلائی گئی ہے، اگرچہ بعض فلاسفہ اس کے قائل رہے ہیں، مگر مسلمانوں میں مشہور قول سات ہی کا ہے، قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے، اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے ملتے ہیں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں رہے، ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہو کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تخلیق تصنیف ہو،

یہ تھے وہ قرائن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، اب ہم وہ قرائن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جعلی ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہلِ مغرب نے استدلال کیا ہے؛

(۱) جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے جعلی ہونے پر سب سے پہلا شبہ تو یہی ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و نظریات اناجیل اربعہ کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتداء میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ برنباس کی انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کے خلاف کچھ باتیں ہوں تو وہ کسی طرح محلِ تعجب نہیں ہیں، اور تنہا یہ بات اس کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی،

(۲) دوسرا شبہ یہ ہو کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہو، حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئندہ کسی نبی کی پیشنگوئی فرماتے ہیں تو صاف صاف نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا حلیہ اور اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اور وہ بھی عموماً تمثیلات اور اشاروں کنایوں میں، بائبل میں کسی جگہ کسی آنیوالے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا،

لیکن اس میں اوّل تو یہ کہنا ہی غلط ہو کہ بائبل میں کسی آنے والے کا نام مذکور نہیں ہو، اس لئے کہ کتاب یسعیاہ میں حضرت شعیاء علیہ السلام کی زبانی یہ پیشینگوئی بیان کی گئی ہو کہ:

(باقی برصفحہ آئندہ)

کی پشت پر ظاہر ہوا، اس کا نام "احمد" ہے، یہ ترجمہ ارمنیوں کے پاس اب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا پیدا ہوگا، اور اس کا نام عمانوائیل رکھے گی۔" (یسعیاہ ۷: ۱۴)

عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشنگوئی کی گئی ہے، اسی وجہ سے انجیلوں میں اس عبارت کو پیش کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے (دیکھئے متی ۱: ۲۳ اور لوقا ۱: ۳۱ و ۳۴) ۔۔۔۔ اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے شارحین سخت حیران ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی نام عمانوایل تھا یا نہیں؟ لیکن اس سے کم از کم اتنی بات بہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشنگوئی اس کا نام بتا کر بھی کر دی جاتی ہے،

اس کے علاوہ زبور میں ہے:

"قومیں کس لئے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں! خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف" (زبور ۲: ۱ و ۲)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، (دیکھئے آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس، ص ۲۳۶ مطبوعہ لندن) اس پیشنگوئی میں بھی صریح لقب موجود ہے، بلکہ کتاب دانی ایل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدتِ بعثت بھی بیان کر دی گئی ہے:

"اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے گا، اور اس کا کچھ نہ رہے گا" (دانی ایل ۹: ۲۵)

اس کے علاوہ یسعیاہ ۸: ۱ اور یرمیاہ ۲۳: ۵ میں بھی آنے والی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے بہرحال یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آنے والی شخصیت عظیم الشان ہو تو بعض اوقات پیشنگوئی میں اس کا نام بھی ذکر کر دیا جاتا ہے مذکورہ مثالیں تو بائبل کی تھیں، اسلامی ذخیرہ احادیث میں آخر زمانہ کے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہمیں ملتا ہے،

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بھی موجود ہے، اس میں آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اب آپ غور فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کر دیا ہو تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے آپؐ پر نبوّت و رسالت کے مقدس سلسلہ کو ختم ہونا تھا، اور آپؐ کی نبوّت کو کسی خاص خطہ یا قوم کے ساتھ مخصوص کرنے کے بجائے دنیا کے ہر ہر گوشہ کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشینگوئی میں حلیہ اور اوصاف کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین قیاس نہیں ہے؟

(۳) انجیل برنباس کے اصلی ہونے پر تیسرا شبہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس انجیل کا اسلوبِ بیان باقی انجیلوں سے کافی مختلف ہے ــــــ لیکن ہماری رائے میں اوّل تو اسلوبِ بیان کے اختلاف کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جا سکتا، اب تک انجیلِ برنباس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت ہی نہیں ہوا جس سے اناجیلِ اربعہ کا مقابلہ کیا جا سکے، اور ترجموں کے ذریعہ اسلوبِ تحریر کا موازنہ بہت غیر محتاط ہوگا، اسلوبِ تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بناء پر کوئی فیصلہ کیا جا سکے دوسرے اگر واقعی انجیلِ برنباس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے اس کے جعلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہر لکھنے والے کا طرزِ تحریر جدا ہوتا ہے، کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیلِ یوحنا اپنے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے پہلی تینوں انجیلوں سے بیحد مختلف ہے، اور اس بات کو تمام عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں، پادری جی، ٹی مینلی بائبل پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں،

"تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) موردِ اعتراض رہی ہے، کیونکہ یہ اناجیلِ متفقہ سے کئی طرح سے مختلف ہے، بیشک اختلافات تو ہیں لیکن اگر ہم چوتھی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم دید گواہ تھا، یا کسی چشم دید گواہ کے بیانات و مشاہدات کو اس نے قلمبند کیا تھا۔" (ہماری کتب مقدسہ [illegible])

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ مجھ کو اس سلسلے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نیز عہد نامۂ جدید کے مفسّر آر، اے ناکس نے اپنی تفسیر کے شروع میں کسی قدر تفصیل سے انجیلِ یوحنا کے اسلوبِ بیان کا جائزہ لیا ہے (ملاحظہ ہو اے نیو ٹسٹامنٹ کمنٹری، ص ۱۳ جلد اول مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء) لہٰذا اگر انجیل یوحنا باقی تین انجیلوں سے اسلوب کے فرق کے باوجود معتبر انجیل کہلائی جا سکتی ہے تو کیا وجہ ہو کہ انجیل برنباس کے اسلوب تحریر کی وجہ سے اُسے رَد کر دیا جائے؟

(۴) انجیلِ برنباس کے اصلی ہونے پر جو تھا شبہ بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ تجلّی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۴۲ آیت ۱۹ میں اس کا نام "جبلِ طابور" لکھا ہے، حالانکہ بہ تحقیق اناجیلِ اربعہ کے بہت بعد ہوتی ہو کہ اس کا نام "طابور" تھا،

لیکن ظاہر ہو کہ یہ بات انجیل برنباس کی اصلیت کو نقصان نہیں، فائدہ پہنچاتی ہے' اس لئے کہ یہ عین ممکن ہو کہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفین نے ناواقفیت کی بناء پر یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نا ذکر نہ کیا ہو، برنباس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود اناجیلِ ر... ...ہ بکثرت پائے جاتے ہیں،

(۵) انجیل ... باس کی اصلیت پر ایک خاصا وزنی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ اس کتاب کی فصل نمبر ۸۲ آیت نمبر ۱۸ میں ایک جملہ یہ موجود ہے کہ:

حتیٰ اِنّ سنۃ الیوبیل التی تجیٔ الآن کل مائۃ سنۃ سیجعلھا مسیّا کلّ سنۃ فی کُلّ مکان،	"یہاں تک کہ یوبلی کا سال جو اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے، مسیّا اس کو ہر جگہ سالانہ کر دے گا"

اس میں جس جوبلی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک ... ار ... اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ "اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے" ... (باقی بر صفحہ آئندہ)

کوئی واقفیت تھی، مگر شاید فاضل مصنف نے اس کو دیکھا ہوگا، اس میں کوئی بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر پچاس سال کی ابتداء میں منایا جاتا رہا ہے، کتاب احبار ۲۵: ۱۱ میں اس کے لئے پچاس سال ہی کی مدت بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں صرف سنہ ۱۳۰۰ء ایک ایسا سن ہے جس میں پوپ بونی فاشیس ہشتم نے اس جوبلی کی مدت میں اضافہ کرکے اسے ہر صدی کی ابتداء میں منانے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہوسکا اس لئے کہ سنہ ۱۳۰۰ء میں جو پہلی جوبلی منائی گئی اس میں کلیسا مال و دولت سے بہنال ہوگیا، اس لئے پوپ اکلیمنتس ششم نے سنہ ۱۳۵۰ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ یہ تہوار ہر پچاس سال میں ایک مرتبہ منایا جائے، پھر پوپ اربانوس ششم نے اس مدت میں اور کمی کی اور سنہ ۱۳۸۹ء میں یہ حکم جاری کیا کہ یہ تہوار ہر تینتیس سال میں ایک بار منایا جائے، پھر پوپ پولس دوم نے اور کمی کرکے اسے ہر پچیسویں سال منانے کا حکم دیا، ـــــ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پوری تاریخ میں صرف سنہ ۱۳۰۰ء سے سنہ ۱۳۵۰ء تک ایک ایسی مدت گذری ہے جس میں اس جوبلی کو ہر سو سال میں ایک بار منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے انجیل برنباس کا لکھنے والا اسی مدت کا ہونا چاہئے،

لیکن پھر خود ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، اور وہ یہ کہ انجیل برنباس کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم کے تمام صحیفوں سے خوب واقف ہے، اور ان کا وسیع علم رکھتا ہے، اور ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے ایسی فاش غلطی ہوگئی ہو جس کا معمولی طالب علموں سے سرزد ہونا بھی مشکل ہو، لہٰذا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخہ میں یہاں سَو کے بجائے پچاس کا لفظ ہوگا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ ... حروف گھٹا کر اسے سَو بنا دیا. اس لئے کہ اطالوی زبان میں سَو اور پچاس کے لفظوں میں کچھ اتنی بہت مشابہت ہے کہ اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا عین ممکن ہے،

(باقی برصفحہ آئندہ)

شک نہیں کہ یہ فقرہ بہت ہی عظیم الشان اور فائدہ بخش ہے، اگرچہ یہ ترجمہ علمائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کے علاوہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے کسی پڑھنے والے نے یہ جملہ حاشیہ کے طور پر بڑھا دیا ہو، جو غلطی سے متن میں شامل ہو گیا بائبل میں اس طرح کے بے شمار الحاقات ہوتے ہیں، جن کا اعتراف مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو ہے، مثلاً کتاب پیدائش ۱۳: ۱۸ و ۳۵: ۲۷ و ۳۷: ۱۴ میں ایک بستی کا نام حبرون ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس بستی کا نام حبرون کے بجائے قریت اربع تھا، اور جب بنی اسرائیل نے حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فلسطین کو فتح کیا، تب اس کا نام حبرون رکھا تھا، چنانچہ کتاب یوشع میں تصریح ہے کہ:

"اور اگلے وقت میں حبرون کا نام قریت اربع تھا" (یشوع ۱۴: ۱۵)

یہ تو ایک مثال ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے بائبل سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں (ملاحظہ ہو اظہار الحق باب دوم مقصد دوم جلد اول)

اُن تمام مثالوں میں عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ بعد میں کسی نے حاشیہ کے طور پر بڑھائے تھے جو غلطی سے متن میں شامل ہو گئے، یہی بات انجیل برنباس میں اس مقام پر بھی کہی جا سکتی ہے۔

(۶) انجیل برنباس کی اصلیت پر چھٹا اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودھویں صدی کے مشہور شاعر ڈانٹے سے ملتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانٹے کا ہمعصر ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاج بیان نہیں، دو انسانوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لازماً دوسرے سے ماخوذ ہے، ورنہ بقول علامہ رشید رضا یہ ماننا پڑے گا کہ تورات کے تمام قوانین حمورابی کے قانون سے ماخوذ ہیں، پھر اگر توارد مشکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہو کہ ڈانٹے نے اپنے خیالات انجیل برنباس سے مستعار لئے ہوں؟

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پروٹسٹنٹ کے نزدیک معتبر نہ ہو، قرن اوّل کے علماء یہود و نصاریٰ میں سے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۷) ڈاکٹر خلیل سعادت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض بحثیں فلسفیانہ انداز کی ہیں، اور اناجیلِ اربعہ میں یہ انداز نہیں ہے،

لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیلِ یوحنا کو دیکھئے، اس کا شاعرانہ اور تمثیلات سے بھرپور انداز باقی تینوں انجیلوں سے کتنا مختلف ہو، اس کی بہت سی عبارتیں تو ایسی ہیں کہ آج تک یقینی طور پر حل نہیں ہو سکیں، مگر اسے تمام عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں؛

(۸) ہمارے نزدیک انجیل برنباس کے قابلِ اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کسی قابلِ اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پھیلایا اور عام کیا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں ہیں، کہ وہ کس قسم کا انسان تھا، اس نے فی الواقعہ یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طویل عرصہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت معقول اور درست ہیں۔ اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملے اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن بعینہٖ یہ سوالات بائبل کے ہر ہر صحیفہ کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں، جن کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا، لہٰذا جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے لئے انجیلِ برنباس کو ناقابلِ اعتماد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے،

ہم بحث کی ابتداء میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طویل گفتگو سے ہم یہ دعویٰ کرنا نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصلی اور قابلِ اعتماد ہے، نہ ہم اسے یقینی طور پر الہامی اور آسمانی سمجھتے ہیں، نہ ہمارا یہ دعویٰ ہو کہ اس میں جو کچھ لکھا ہو وہ سب صحیح ہے، بلکہ ہماری گذارشات کا حاصل صرف اس قدر ہو کہ اس کا پایۂ اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز کم نہیں ہے، جیسے ناقابلِ اعتماد طریقوں سے بائبل ہم تک پہنچی ہو ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پہنچی ہے، جس طرح انجیلِ برنباس کے سلسلۂ سند کریمر یا راہب فرامرینو (باقی بر صفحہ آئندہ)

مسلمان ہوئے انھوں نے دونوں عہد کی کتابوں میں محمدی بشارتوں کی شہادت دی ہو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پر جاکر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح توریت کی سند ٹوٹتی پھوٹتی ہوئی زیادہ سے زیادہ خلقیاہ کاہن تک پہونچتی ہے، شاہ یوسیاہ کے زمانہ تک اس کا کوئی پتہ نشان نہیں تھا، اچانک یوسیاہ کے زمانہ میں خلقیاہ کاہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے ہیکل کو صفا کرتے وقت تورات مل گئی ہے، اور اس کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کرلیا جاتا ہے (دیکھئے ۲، سلاطین ۲۲: ۳ تا ۲۰)

یہی حال عہدِ قدیم کی دوسری کتابوں کا ہے، کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہی تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اور وہ کس زمانہ میں لکھی گئیں؟

عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت پرانا ہو، خود اناجیلِ اربعہ کا یہی حال ہے کہ نہ انکی کوئی سند موجود ہے، نہ یہ پتہ چلتا ہو کہ وہ واقعی حواریوں یا ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی ہیں بڑے بڑے عیسائی علماء نے انھیں اصلی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ کہہ سکے، اور آخر میں اس بات کا کھلا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی نشان نہیں ملتا، عیسائی علماء کے بے شمار اقوال میں سے ہم یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو اناجیلِ اربعہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی، مسٹر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اناجیلِ اربعہ پر اپنی معروف کتاب (Four Gospels) میں لکھتے ہیں:

"عہد نامہ جدید کی تحریروں کو جو الہامی صحیفوں کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہو، کیا یہ کوئی کلیسائی اعلان تھا جس پر بڑے بڑے کلیساؤں کے ذمہ داروں نے اتفاق کرلیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ۱۸۰ء کے لگ بھگ اناجیلِ اربعہ کو انطاکیہ، افسس اور روم میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔"

(فور گاسپلس، ص ۔ مطبوعہ نیویارک)

(باقی برصفحہ آئندہ)

مثلاً علمائے یہود میں سے عبداللہ بن سلامؓ، شعبہ کے دونوں بیٹے، بنیامین، مخیریق کعب احبار وغیرہ علمائے نصاریٰ میں سے بحیرا اور نسطورا حبشی، جارود، نجاشی، صفاطر یعنی وہ رومی بشپ جو حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا، سوس، اور وہ پادری جو جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ مدینہ میں حاضر ہوئے،

اس کے علاوہ آپؐ کی نبوت کی صداقت اور رسالت کی ہمہ گیری کا اعتراف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گویا ۱۸۰ء سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، اور سٹریٹر نے یہ جو کہا کہ ۱۸۰ء میں اناجیل اربعہ کو انطاکیہ وغیرہ میں تسلیم کرلیا گیا تھا، اس کی بنیاد بھی اگناشس اور کلیمنس وغیرہ کے خطوط ہیں جن میں ان انجیلوں کے حوالے موجود ہیں، لیکن خود یہ خطوط بجد مشتبہ ہیں جیسا کہ مولانا کیرانویؒ نے اظہار الحق میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے،

یہ تو اناجیل اربعہ کی اسناد کا حال ہے، رہیں اندرونی شہادتیں، سو اس معاملہ میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل برنباس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہے، کیونکہ اس میں بے پناہ اختلافات اور غلطیاں موجود ہیں،

لہٰذا ہماری گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اصولِ تنقید کا تعلق ہے ان کی رُو سے تو بلاشبہ انجیل برنباس ایسی کتاب نہیں ہے جس پر یقینی طور سے اعتماد کیا جاسکے، لیکن ان اصول کی روشنی میں پوری بائبل بھی قطعی ناقابلِ اعتبار ہے،

رہے عیسائی حضرات کے وہ اصولِ تنقید جنھوں نے بائبل کو نہ صرف قابلِ اعتبار، بلکہ الہامی اور آسمانی قرار دیا، سو ان کی روشنی میں انجیلِ برنباس بھی قابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے، لہٰذا جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل برناباس کو رَد کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، بلکہ جتنے خارجی اور اندرونی قرائن اس کتاب کی اصلیت پر دلالت کرتے ہیں اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،

ہرقل قیصر روم اور مقوقس شاہِ مصر، ابن صوریا، حیی بن اخطب، ابویاسر بن اخطب جیسے صاحبِ جبروت سلاطین وامراء نے کیا، اگرچہ یہ لوگ بدبختی اور حسد کا شکار ہو کر اسلام کی نعمت سے محروم رہے،

منقول ہے کہ جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے مقابلہ میں دلائل پیش کئے، اور وہ لوگ پھر بھی اپنی جہالت پر جمے رہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم دلیل کو نہیں مانوگے تو میں تم سے مباہلہ[۱] کروں ... وہ کہنے لگے آپ ہم کو مہلت دیں تاکہ ہم اپنے معاملہ میں غور کرلیں، پھر سوچ کر حاضر ہوں گے، واپسی پر ان لوگوں نے باہم مشورہ کیا، اور اپنے سردار سے جو بہت زیرک تھا پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم لوگ محمدؐ کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ اور اس نے تمہارے سامنے ایک فیصلہ کن چیز پیش کردی ہو خدا کی قسم! کبھی کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا، مگر یہ ہوا کہ وہ بُری طرح ہلاک و برباد ہوئے، تم نے صرف اپنے آبائی طریقہ کی اُلفت کی وجہ سے انکار کیا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس شخص سے مصالحت کرلو اور خیریت سے لوٹ جاؤ،

یہ لوگ اگلے دن صبح کو دربارِ رسولؐ میں حاضر ہوئے، اس وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ، ...

---

[۱] مباہلہ کا مطلب یہ ہو کہ فریقین اپنے اہل وعیال سمیت کسی میدان میں جمع ہو کر اللہ سے یہ دُعا کریں کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو ہمیں تباہ و برباد کردے،

ان کے بعد حضرت علیؓ چلے آتے تھے، آپؐ اپنے جگر گوشوں اور اعزّہ کو ہدایت فرما رہے تھے، کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہتے جانا، یہ منظر دیکھ کر عیسائیوں کے پادری نے کہا کہ اے عیسائیو! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اپنے خدا سے یہ سوال کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے تو خدا ضرور پہاڑ کو ہٹا دے گا، اس لئے تم لوگ مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے،

چنانچہ ان لوگوں کی سمجھ میں آگیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو کر دو ہزار سُرخ جوڑے اور تیس ۳۰ زرہیں سالانہ جزیہ کے طور پر ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو انھیں ان کی صورتیں مسخ کر کے خنزیر اور بندر بنا دیا جاتا، اور یہ میدان اُن کے لئے آتش خانہ بن جاتا، اور حق تعالیٰ شانہٗ نجران کی بستی اور وہاں کے باشندوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا، یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی باقی نہ رہتے[1]۔

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر دوٌ لحاظ سے دلالت کرتا ہے،

اوّل تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عذابِ الٰہی نازل ہونے سے ڈرایا، اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پختہ اور کامل یقین اور وثوق نہ ہوتا تو ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل صاف اپنے جھوٹا بننے کی سعی شمار ہوتی، اس لئے کہ اگر مباہلہ کے بعد عذاب نازل نہ ہوتا تو آپؐ کا جھوٹا ہونا دنیا پر روشن ہو جاتا، ادھر یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ عقل و فراست اور دور اندیشی

---

[1] اخرجا ابن اسحٰق فی سیرتہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۸ ج ۱، قاہرہ ۱۳۶۷ھ)۔

میں یکتائے روزگار تھے، اس لئے یہ امر آپؐ کی شان سے عقلاً بالکل بعید ہے کہ آپؐ ایسا کام کریں جو آپؐ کے جھوٹا بننے کو مستلزم ہو، اس کے باوجود جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اصرار کیا تو ہم کو یقین ہوگیا کہ یہ آپؐ کے اس اعتماد اور وثوق کا نتیجہ تھا جو کہ آپؐ کو اللہ کے وعدے پر تھا، دوسرے یہ کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی جانیں اور قیمتی اموال برباد کر رہے تھے، اگر ان کو آپؐ کی نبوت کا یقین نہ ہوتا تو آپؐ کو جھوٹا بنانے کے لئے بڑی آسانی کے ساتھ مباہلہ کے لئے فوراً تیار ہو جاتے، جس میں کسی قسم کا بھی کوئی جانی ومالی خرچ نہ تھا، اور ایسے ارزاں موقع کو نہ چھوڑتے، جس پر ہلدی لگے نہ پھٹکری کی مثال صادق آتی ہے ؛

دوسری فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر عیسائیوں کے اعتراضات اور اُن کے جواب

سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق انبیار علیہم السلام صرف وحی کی تبلیغ کی حد تک معصوم ہوتے ہیں، خواہ وہ تقریراً ہو یا تحریراً، تبلیغ کے علاوہ دوسرے امور میں یہ لوگ نہ نبوت سے قبل معصوم ہیں اور نہ نبی بننے کے بعد ان کا معصوم ہونا ضروری ہے، اس لئے نبوت کے بعد بھی ان سے ہر قسم کے گناہ جان بوجھ کر بھی سرزد ہو سکتے ہیں، چہ جائیکہ غلطی اور بھول سے سرزد ہونا، کہ وہ تو بالکل بھی بعید نہیں، لہذا (معاذ اللہ) ان سے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ زنا بھی صادر ہوتا ہے، چہ جائیکہ اجنبی اور غیر عورتوں سے، ان سے بت پرستی بھی ہوتی ہے، اور بت خانوں کی تعمیر بھی،

اُن کے نزدیک ابراہیمؑ سے لے کر یحییٰ علیہ السلام تک کوئی بھی ایسا نبی نہیں ہوا جو خود زانی یا زانی کی اولاد نہ تھا، (خدائے قدوس ہم کو انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسے گندے عقیدوں سے محفوظ رکھے) قارئین کو مقدمۃ الکتاب کے نمبر، اور باب اوّل کی فصل ۳ و ۴ سے نیز دوسرے باب کے مقصد اوّل سے یہ بات واضح طور پر...... معلوم ہو چکی ہے کہ عیسائی لوگ تبلیغی امور میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی ان کے اصول کے مطابق باطل اور قطعی بے اصل ہے، اور ہم بذات خود اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے ان گناہوں کو اور من گھڑت کفریات کو ان کی کتابوں سے نقل کرنا مکروہ سمجھتے ہیں خواہ الزامی طور پر ہی کیوں نہ ہو، حاشا وکلّا! ہم انبیاء علیہم السلام کی پاک اور مقدس ہستیوں کو ان کفریات سے قطعی طور پر مبرا سمجھتے ہیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء پروٹسٹنٹ اپنی زبانوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سچی اور حقیقی باتوں کی نسبت بھی فحاشی کیلئے دراز کرتے ہیں اور ان عوام النّاس کو مغالطہ اور فریب دینے کے لئے جو اُن کی کتابوں سے ناواقف ہیں رائی کا پہاڑ بناتے ہیں، اور اُن کی باطل اور غلط ملمع کاریوں سے لوگوں کے اشتباہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے، اس لئے بادلِ ناخواستہ ان میں سے کچھ چیزیں الزامی طور پر ہم پیش کرتے ہیں، البتہ ان کے اعتقاد سے ہم ہزار زبان کے ساتھ تبرّی کرتے ہیں، انکا نقل کرنا محض "نقلِ کفر کفر نباشد" کے درجے میں ہے، یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخیاں کرتے ہیں ان کو اور ان کے جوابات کو نقل کرنے سے پہلے ہم ایک جھلک ان عقائد کی دکھلانا چاہتے ہیں جو یہ لوگ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں رکھتے ہیں جن کا نبی ہونا انھیں بھی تسلیم ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی شان میں عیسائیوں کے ناپاک عقیدے اور شرمناک الزامات

پادری ولیم سمتھ نے جو علماء پروٹسٹنٹ میں سے ہے اردو زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جو مرزاپور میں ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی، جس کا نام طریق الاولیاء رکھا، اس میں مصنف نے آدمؑ سے یعقوبؑ تک انبیاء علیہم السلام کے حالات کتاب پیدائش اور اس کی تفسیروں سے جو علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک معتبر ہیں، نقل کرکے لکھے ہیں ہم بعض موقعوں پر اس کتاب سے بھی نقل کریں گے

حضرت آدمؑ نے توبہ نہیں کی، الزام نمبر ۱

آدم علیہ السلام کا واقعہ عیسائیوں میں مشہور اور کتاب پیدائش کے باب نمبر ۳ میں مذکور ہے ان کا اعتراف ہے کہ آدمؑ نے قصداً گناہ کیا، خدا کے مطالبہ کرنے کے بعد بھی انھوں نے اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف نہیں کیا، عیسائیوں کے نزدیک آدمؑ سے تا دم آخر توبہ کرنا ثابت نہیں[۱]، طریق الاولیاء صفحہ ۲۳ میں ہے:

---

[۱] واضح رہے کہ حضرت آدمؑ سے اجتہادی لغزش صادر ہو جانے کے قائل مسلمان بھی ہیں، لیکن اول تو قرآن کریم میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ لغزش ایک اجتہادی غلطی تھی، جان بوجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا، پھر قرآن کریم ہی نے یہ بھی بتلایا ہے کہ حضرت آدمؑ نے اس لغزش پر بھی پورے خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کرلی تھی، (سورۂ بقرہ)

"افسوس صد ہزار افسوس کہ آدمؑ سے توبہ کرنا ثابت نہیں، اور مزید افسوس یہ کہ انھوں نے کبھی ایک بار بھی اپنی خطا کی معافی کی درخواست نہیں کی۔"

حضرت نوحؑ کا شراب پی کر برہنہ ہو جانا؛ الزام نمبر ۲،

کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۱۸ میں ہے:

"نوحؑ کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سِم، حام اور یافت تھے۔ اور حام کنعان کا باپ تھا، یہی تینوں نوحؑ کے بیٹے تھے، اور انہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی، اور نوحؑ کاشتکاری کرنے لگا، اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی، اور اسے نشہ آیا، اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا، اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا، اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔" (آیات ۱۸ تا ۲۲)

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"جب نوحؑ اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا، اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔"

اس میں یہ الزام شرمناک طریقہ پر لگایا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ نوحؑ نے شراب پی، بدمست ہوئے، اور برہنہ ہوگئے، اور سر پیٹنے کا مقام یہ ہے کہ اپنے باپ کو برہنہ دیکھنے کا قصور وار تو حام ہے جو کنعان کا باپ تھا، اور ملعون ہونے کی سزا دی جاتی ہے اس کے بیٹے غریب کنعان کو، ظاہر ہے کہ باپ کے

قصور میں بیٹے کو پکڑنا قطعی عدل وانصاف کے خلاف ہے، جیساکہ اس کی شہادت کے لئے حزقیال پیغمبر کا قول کافی ہے، جو اُن کی کتاب کے باب۱۸ آیت ۲۰ میں اس طرح درج ہے:

"بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان بھی لیں کہ بیٹے پر باپ کا گناہ لادنا انصاف کے خلاف نہیں ہے، تو پھر ہم کو کوئی یہ سمجھادے کہ پھر کنعان ہی کی تخصیص کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ حام کے چار بیٹے تھے، کوش، مصر، فوط اور کنعان جیساکہ باب۱۰ میں تصریح موجود ہے[۱].

حضرت ابراہیم کا شرک، الزام نمبر۳

طریق الاولیاء صفحہ ۴۷ پر ابراہیم علیہ السلام کے احوال میں یوں کہا گیا ہے:-

"ان کی ستر سالہ ابتدائی زندگی کا حال معلوم نہیں ہے، آپکی پرورش بت پرستوں میں ہوئی، عمر کا بیشتر حصہ ان کی صحبت ہی میں بسر ہوا، ان کے باپ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کو نہیں جانتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابراہیم بھی جب تک خدا نے ان کی رہنمائی نہیں کی، بت پرستی کرتے رہے ہوں، پھر جب اُن پر حقیقت منکشف ہوئی تو خدا نے ان کو دنیا والوں میں سے منتخب کیا، اور اپنا خاص بندہ بنالیا"

---

[۱] پیدائش ۱۰: ۶

لیجئے عیسائیوں کے ناپاک حملے سے ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی بھی نہ بچ سکی، اُن کا گمان ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ابتدائی ستر سالہ زندگی میں بُت پرستی کرتے رہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ عیسائی اصول کے مطابق یہ صرف ظن وگمان کا درجہ نہیں ہے، بلکہ قریب قریب یقین کے ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اُس وقت ساری دنیا بت پرست تھی، اور ابراہیمؑ کی نشو ونما بھی انہی میں ہوئی والدین بھی بُت پرست تھے، اور اس وقت تک ابراہیمؑ پر اللہ کی الوہیت اور ربوبیت بھی منکشف نہیں ہوئی تھی، ادھر بُت پرستی سے پاک ہونے کی شرط ان کے نزدیک نبی بننے کے بعد بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ نبوت سے قبل شرط ہو، ان تمام باتوں کے پیش نظر ان کا اس عرصہ میں بت پرستی میں ملوث ہونا تقریباً یقینی ہے، جب انبیاء علیہم السلام کے جدّ امجد کا نبوت سے پہلے کا حال اور ستر سالہ زندگی کا نقشہ آپ دیکھ چکے تو اب نبوت کے بعد کا رخ ملاحظہ فرمائیے:-

حضرت ابراہیمؑ کا لالچ، الزام نمبر۴

کتاب پیدائش باب نمبر۱۲ آیت نمبر ۱۱ میں ہے کہ:

"اور ایسا ہوا کہ جب وہ (حضرت ابراہیمؑ) مصر میں داخل ہونے کو تھا تو اس نے اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں سو وہ مجھے مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے، کہ تو دیکھنے میں خوب صورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اُس کی بیوی ہے۔ تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں، تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو، اور میری جان تیری بدولت بچی رہے" (آیات ۱۱ تا ۱۳)

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے کی وجہ محض خوف ہی نہ تھا، بلکہ بھلائی کے حصول کی توقع اور طمع بھی بڑا سبب تھا، بلکہ وہی بڑا قوی سبب تھا، اسی لئے اس کا ذکر پہلے کیا، چنانچہ وہ متوقع خیر حاصل بھی ہوئی جس کی تصریح آیت ۱۶ میں ہے[۱]، اس کے علاوہ ان کو قتل کا اندیشہ سراسر وہمی تھا، بالخصوص اس حالت میں کہ وہ سارہ کے چھوڑنے پر بھی راضی اور تیار تھے، اس کے بعد تو پھر ڈرانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

اب عقل سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنی بیوی کو چھوڑنے اور کافر دشمنوں کے حوالے کر دینے پر جہاں یقینی طور پر آبروریزی کا خطرہ ہے کیسے راضی اور تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک ادنیٰ غیرتمند شخص بھی اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، تو ابراہیمؑ جیسا باعزت انسان کیونکر اس بے غیرتی کو قبول کر سکتا ہے؟

الزام نمبر ۵

کتاب پیدائش باب ۲۰ آیت ۱ میں ہے:

"اور ابرہام وہاں سے (تیمان[۲]) کی طرف چلا۔ اور قادس اور شور کے درمیان ٹھہرا، اور جرار میں قیام کیا، اور ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے، اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوا لیا۔ لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا اور

---

[۱] "اور اس نے اس کی خاطر ابرام پر احسان کیا، اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈیاں اور گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے" (پیدائش ۱۲: ۱۶)

[۲] موجودہ اردو ترجمہ میں یہاں "تیمان" کی بجائے "جنوب کے ملک" کا لفظ ہے، واضح رہے کہ بائبل میں جنوبی ملک سے مراد ہمیشہ عرب یا یمن ہوتا ہے، اور تیمان یمن کا قدیم نام ہے؛

اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہوگا کیونکہ وہ شوہر والی ہے پر ابی ملک نے اس سے صحبت نہیں کی تھی، سو اس نے کہا اے خداوند کیا تو صادق قوم کو بھی مارے گا؟ کیا اس نے خود مجھ سے نہیں کہا کہ یہ میری بہن ہے؟ اور وہ آپ بھی یہی کہتی تھی کہ وہ میرا بھائی ہے۔" (آیات ا تا ۵)

لیجئے اس جگہ ابراہیمؑ اور سارہؑ نے دوسری بار جھوٹ بولا، غالباً بڑا اور قوی سبب یہاں پر خوف کے علاوہ منفعت کے حاصل ہونے کی توقع اور لالچ تھا جس کی تصریح آیت ۱۴ میں ہے، پھر جبکہ ابراہیم بغیر کسی مزاحمت کے سارہؑ کو حوالہ کرنے پر تیار تھے، پھر تو خوف کی کوئی وجہ ہی نہیں ہوسکتی، چنانچہ طریق الاولیاء صفحہ ۹۹ میں ہے کہ:

"غالباً جب ابراہیمؑ نے پہلی بار سارہ کے بیوی ہونے کا انکار کیا، اس وقت دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ اس قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا مگر پھر غفلت کے سبب شیطان کے پرانے جال میں پھنس گئے۔"

۱؎ یہاں یہ واضح رہے کہ اس جگہ مصنفؒ یہ اعتراض الزامی طور پر کر رہے ہیں، اس لئے کہ خود مسیحی علماء (مثلاً مصنف طریق الاولیاء) نے اسے حضرت ابراہیمؑ کی غلطی قرار دیا ہے، ورنہ جہاں تک نفس واقعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک وہ غلط نہیں ہے، اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کو اپنی بہن قرار دیا، وہ درحقیقت جھوٹ نہ تھا، بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا، اس لئے کہ ایک طرف تو حضرت سارہؑ ان کی علاتی بہن تھیں، دوسری طرف چونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے وہ ان کی تنہا دینی بہن بھی تھیں، بہن سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد یہی تھی، اور جہاں کفار کی طرف سے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو وہاں اس قسم کا توریہ باتفاق جائز، بلکہ بعض حالات میں واجب ہو، (باقی بر صفحہ آئندہ)

الزام نمبر ۶

طریق الاولیاء کے صفحہ ۹۲ و ۹۳ پر لکھا ہے:

"ابراہیمؑ ہاجرہؑ سے نکاح کرنے میں مجرم ہونے سے کسی حال میں نہیں بچ سکتے، کیونکہ ان کو مسیحؑ کا یہ قول جو انجیل میں لکھا ہوا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ "وہ ذات جس نے کائنات کو بنایا اس نے انسان کو مرد و عورت دو قسم کا پیدا کیا اور کہا کہ اسی لئے آدمی اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے، اور بیوی کے ساتھ مل کر دونوں جسد واحد بن جاتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی بعینہٖ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابراہیمؑ سارہؑ سے نکاح کرنے میں بھی اسی طرح مجرم ہونے سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ موسیٰؑ کا قول جو توریت میں لکھا ہے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ:

"تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو، چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ کہیں اور، بے پردہ نہ کرنا[1]"

نیز یہ ارشاد ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہاں مصنفؒ نے اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ پر ایک الزام کی حیثیت سے صرف اس لئے ذکر فرمایا ہو کہ یہ مسیحی علماء کے نزدیک ان کا گناہ تھا، دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علاتی بہن سے نکاح ابراہیمی شریعت میں جائز تھا، اور موسوی شریعت میں اسے منسوخ کر دیا گیا، یہ سطور تحریر کرنے کے بعد اس بات پر مصنف کی ایک عبارت مل گئی وہ ازالۃ الشکوک میں لکھتے ہیں: "اور بعضے ہمارے نزدیک گو خطا نہیں، مگر یہ لوگ جو خطا سمجھتے ہیں، تو الزاماً اس کو بھی نقل کیا گیا۔" (ازالۃ الشکوک، ص ۳۴۸ ج ۲)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] احبار ۱۸: ۹، واضح رہے کہ سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی باپ شریک بہن تھیں، (دیکھئے پیدائش ۲۰: ۱۲)۔

"اور اگر کوئی مرد[1] اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو، لے کر اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے، وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جائیں، اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا، اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا"

اسی طرح توراۃ میں یہ بھی ہے کہ:۔

"لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں[2] کی"

جیسا کہ اس کتاب کے باب ۳ سے واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے[3] اس قسم کا نکاح علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک زنا کے برابر ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ منہ ابراہیم علیہ السلام نبوت سے پہلے بھی زانی تھے، اور نبوت کے بعد بھی زانی رہے، اور ان کی جس قدر اولاد سارہؓ کے بطن سے ہے وہ سب زنا کی اولاد ہوئی، اور اگر اس اعتراض سے بچنے کے لئے عیسائی لوگ یہ بہانہ بنائیں کہ ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کی شریعت میں تعدد ازواج بھی جائز تھا، اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ نہ ہاجرہؓ سے نکاح میں کوئی اعتراض لازم آتا ہے، اور نہ سارہؓ سے نکاح کرنے میں، ہمارے نزدیک یہی مذہب حق ہے،

البتہ عیسائی اصول کی بناء پر یہ بات ضرور لازم آتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسی مقدس ہستی جو انبیاء علیہم السلام کے جدّ امجد ہیں، وہ نعوذ باللہ جس طرح

---

[1] احبار ۲۰: ۱۷، [2] استثناء ۲۷: ۲۲، [3] ص ۸۱۵، ج ۲،

جھوٹے ثابت ہوتے، اسی طرح شروع سے آخر تک ان کی پوری زندگی زناکاری کی نذر ہوئی، اور اس کے باوجود وہ "خلیل اللہ" کے ممتاز منصب پر فائز ہیں، کیا اللہ کے خلیل ایسے ہی ہوتے ہیں؟ ہذا بہتان عظیم،

حضرت لوط کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا، الزام نمبر ۷

کتاب پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ میں ہے:

"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اُسے ضغر میں بستے ڈر لگا، اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے، اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے، آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی، اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی،

سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں، اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا، اور اس کا نام موآب رکھا، وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں، اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا، اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا، وہی بنی عمون کا باپ ہو، جو اب تک موجود ہیں" (آیات ۳۰ تا ۳۸)

طریق الاولیاء کے صفحہ ۱۲۸ میں اس حال کو نقل کرنے کے بعد کہا گیا ہو کہ:

"اس کی حالت پر سخت رونا آتا ہے، ہم سخت افسوس کے ساتھ اپنے دلوں میں خوف اور خشیت لئے ہوئے حیران ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے کہ جو سدوم کی بستی کی تمام بدیوں اور گندگیوں سے پاک دامن رہا تھا، اور اللہ کی راہ چلنے میں بڑا مضبوط تھا، اس شہر کی تمام نجاستوں سے ہزاروں کوس دور رہا تھا، مگر جنگل میں نکل جانے کے بعد اس پر ایک دم بدی اور فسق کا اس قدر شدید غلبہ ہوگیا! پھر اس کے بعد کون شخص ہے جو کسی شہر یا جنگل و غار میں محفوظ رہ سکتا ہو"

اب جبکہ پادری صاحبان لوط کے حال پر خود ہی اس قدر رونا آرہا ہے تو ہم کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی، ان کا رونا ہی کافی ہے، مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موآب اور عمون جو دونوں زنا کی پیداوار ہیں، ان کو تو خدا نے قتل نہ کیا، اور اس بچہ کو جو داؤد علیہ السلام کے اوریا کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا خدا نے قتل کر ڈالا[1]، شاید یہ فرق ہو کہ دوسری کی بیوی سے زنا کرنا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنے کی نسبت عیسائیوں کے یہاں زیادہ شدید و سنگین ہوگا،

اصل یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ اللہ کے مقبول بندے تھے، موآب تو اس لئے کہ عوبید جو داؤد علیہ السلام کے دادا ہیں ان کی والدہ کا نام راعوت[2] تھا (جیسا کہ انجیل متی کے باب میں تصریح ہے) اور یہ راعوت موآبیہ ہیں، یعنی موآب کی اولاد میں،

---

[1] بائبل میں حضرت داؤد پر زنا کی جو من گھڑت تہمت لگائی گئی ہے (جو عنقریب آپ کے سامنے آئے گی) اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد کا گناہ تو معاف کر دیا، اور کہہ دیا کہ: "تو مرے گا نہیں" لیکن: "وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائیگا" (۲ سموئیل ۱۲: ۱۴)

[2] اردو ترجمہ میں ان کا نام روت (Ruth) ہے (تعارف کیلئے دیکھئے ص ۱۵۴۹، ۳۰۰ ج ۱ کا حاشیہ)

اس لئے وہ بھی داؤدؑ وسلیمانؑ وعیسیٰؑ کی دادی ہوتی ہیں، اور داؤدؑ خدا کے نوجوان بیٹے اور سلیمانؑ بھی خدا کے فرزند، اسی طرح عیسیٰؑ بھی خدا کے یکتا سپوت، بلکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خود خدا ہیں،

رہے عمون تو ان کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ رحبعام بن سلیمانؑ جو عیسیٰؑ کے اجداد میں سے ہیں (جیسا کہ انجیل متی کے باب میں تصریح موجود ہے) ان کی والدہ بھی عمونیہ یعنی عمون کی اولاد میں سے ہیں، جس کی تصریح کتاب سلاطین اول باب ۱۴ میں موجود ہے تو یہ بھی اللہ کے یکتا بیٹے کی دادی ہوئیں، بلکہ عیسائی عقیدے کے مطابق خود خدا کی،

اور کتاب استثناء باب ۲ آیت ۱۹ میں ہے کہ:

"اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا، اور نہ ان کو چھیڑنا کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا، اس لئے کہ اسے میں نے بنی لوط کی میراث میں دیا ہے۔"

پھر موآب اور عمون کیلئے جو دونوں ولدالزنا ہیں، اس سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے کہ پہلے کی بیٹیاں اللہ کے بیٹوں بلکہ خود خدا کی نانی قرار پائیں، اور دوسرے کی بعض بیٹیاں اللہ کے یکتا بیٹے کی بلکہ خود خدا کی نانی ہوں، حالانکہ خود خدا نے بنی اسرائیل کو جو توریت کی نص کے مطابق اللہ کے بیٹے ہیں، اس کی اولاد کی زمین کے وارث بنانے سے منع کیا تھا، البتہ ایک خدشہ باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نسب ان دونوں نانیوں کے لحاظ سے موآب اور عمون سے جا ملا تو عیسیٰ علیہ السلام بھی موآبی اور عمانی ہو جاتے ہیں، حالانکہ عمانیوں اور

موآبیوں کے لئے یہ پابندی لگی ہوئی ہے کہ وہ کبھی بھی خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتے، جیسا کہ کتاب استثناء باب ۲۳ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:

"کوئی عمونی یا موآبی خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک ان کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی نہ آنے پائے"

سوال یہ ہے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کس طرح نہ صرف خدا کی جماعت میں داخل ہو گئے بلکہ ان کے سردار ہو گئے؟ بلکہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق خدا کے بیٹے بن گئے؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ نسب میں باپ کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کا، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نہ موآبی ہیں نہ عمانی، تو ہم عرض کریں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو لازم آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ اسرائیلی ہوں، نہ یہودادی، نہ داؤدی، نہ سلیمانی، کیونکہ یہ تمام نسبتیں اور اوصاف بھی ان کو ماں ہی کی جانب سے حاصل ہوتے ہیں، نہ کہ باپ کی طرف سے، لہٰذا اگر ماں کی جانب کا اعتبار کیا جائے تو آپ مسیح موعود[1] بھی نہیں ہو سکتے، ایک طرف آپ کے ابن داؤد ہونے کو ماں کی طرف سے معتبر بھی ماننا، اور دوسری طرف نانیوں کی جانب سے عمونی اور موآبی ہونے کا اعتبار نہ کرنا محض ترجیح بلا مرجح ہے، اور یہی اعتراض بعینہ داؤد و سلیمان ؑ پر بھی راعوت کے اعتبار سے وارد ہوگا، مگر ہم اس بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے، اور اصل واقعہ کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ لوط علیہ السلام جن کا یہ حال مذکور ہوا، عیسائیوں کے نزدیک

---

[1] کیونکہ مسیح موعود کے بارے میں بائبل کی تصریح یہ ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا،

اس لائق ہیں کہ اُن پر رُد دیا جائے، اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ انجیل کے فیصلہ کے مطابق وہ پھر بھی نیک قدیس ہیں، ان کے نزدیک اُن کی قدیسیت میں ذرّہ بھر کمی اور فرق نہیں ہوا باوجود اس کے کہ ایسی شنیع حرکت کے مرتکب ہوئے، جو ایسے کمینہ لوگوں میں بھی کبھی نہیں سُنی گئی جو اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ بھی بدمستی کی حالت میں اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں فرق اور امتیاز کو سمجھتے ہیں،

دوسرے جب شرابی کی حالت شدت نشہ سے اس درجہ پر پہونچ جائے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں تمیز نہ کرسکے تو ایسی حالت میں وہ جماع کرنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا، جیساکہ اس کی شہادت ان لوگوں نے دی ہے، جو دائمی طور سے شراب کے عادی ہیں، ہم نے آج تک ہندوستان میں یہ نہیں سُنا کہ کسی کمینہ انسان نے شراب کی بدمستی میں اس قسم کی حرکت اپنی ماں بیٹی کے ساتھ کی ہو، اگر شراب کی مستی اس درجہ تک پہنچا سکتی ہے تو یورپ کے عیسائیوں کی حالت پر رونے کو جی چاہتا ہے، اور افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے ہاتھوں سے بچنے کی کیونکر امید کرسکتے ہیں؟ کیونکہ ان کی تو عورتیں اور مرد سب ہی اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں، بالخصوص جبکہ ان میں جو کمینے لوگ ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی بھی گارنٹی ان کے محفوظ رہنے کی نہیں ہوسکتی،

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ یہ قدیس[1] پہلی شب میں اس شنیع حرکت

---

[1] یعنی حضرت لوط علیہ السلام،

میں مبتلا ہونے کے باوجود پھر اگلی رات بھی اسی طرح اس میں ملوث ہوجاتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اٹل تقدیری فیصلہ تھا کہ اللہ کے بیٹے بلکہ خود خدا بھی اس کے بعض بیٹوں سے پیدا ہوا، اور وہ خود بھی اللہ کے یکتا بیٹے کے سلسلۂ نسب میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرے، اس قسم کا واقعہ اگر کسی ادنیٰ انسان کو بھی پیش آتا تو اس کے لئے زمین باوجود اپنی فراخی اور کشادگی کے تنگ ہوجاتی، پھر لوطؑ کی ذات پر بڑا ہی تعجب ہے، ہم اس تمام خرافات سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل جھوٹا اور من گھڑت ہے، پطرس کے رسالہ نمبر۲ کے باب۲ آیت ۷ میں ہے کہ:

"اور راست باز لوطؑ کو جو بے دینوں کے ناپاک چال چلن سے دق تھا رہائی بخشی، (چنانچہ وہ راست باز ان میں رہ کر اور ان کے بے شرع کاموں کو دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر گویا ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجہ میں کھینچتا تھا)"۔

اس میں پطرس نے لوط علیہ السلام کے لئے "راست باز" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور ان کی مدح کی ہے، ہم بھی یہی شہادت دیتے ہیں کہ وہ بڑے نیکوکار اور ان الزامات سے پاک اور بری تھے، جو ان کی نسبت دشمنانِ خدا لگاتے ہیں،

حضرت اسحٰق کا جھوٹ
الزام نمبر ۸

کتاب پیدائش باب ۲۶ آیت ۶ میں ہے:

"پس اضحاق جرار میں رہنے لگا، اور وہاں کے باشندوں نے اس سے اس کی بیوی کی بابت پوچھا، اس نے کہا وہ میری بہن ہے، کیونکہ وہ اسے اپنی بیوی بتلاتے ہوئے ڈرا، یہ سوچ کر کہ کہیں ربقہ کے سبب سے وہاں کے لوگ اُسے قتل نہ کر ڈالیں

کیونکہ وہ خوبصورت تھی ؟ (آیات ۶ تا ۸)

دیکھئے! یہاں " اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ " کا کیسا صاف نقشہ نظر آرہا ہے، کہ بیٹے نے بھی جان بوجھ کر باپ کی طرح جھوٹ بولا، اور بالکل اُسی قسم کا، چنانچہ طریق الاولیا صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے:

"اسحاق کا ایمان برباد ہوگیا، کیونکہ اس نے اپنی بیوی کو بہن بتایا "

پھر صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ:

"ہائے افسوس! کسی انسان میں کوئی کمال نہیں پایا جاتا، سوائے وحدہٗ لاشریک بے نظیر کے، اور بڑا تعجب خیز ہے یہ معاملہ کہ وہی شیطانی جال جس میں ابراہیم پھنسے تھے اسی میں اسحاقؑ بھی جا پھنستے ہیں، اور بیوی کو بہن بتلاتے ہیں، بڑا ہی افسوس ہوتا ہے کہ ایسے ایسے مقربین خداوند بھی نصیحت کے محتاج ہیں "

چونکہ پادری صاحبان نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ ان کا ایمان زائل ہوگیا تھا، انھیں کوئی کمال حاصل نہ تھا، وہ اسی شیطانی جال میں پھنس گئے جس میں ابراہیم پھنسے تھے، اور وہ خود وعظ ونصیحت کے محتاج تھے، اس لئے ہم بھی اس گفتگو کو طویل نہیں کرتے[1]،

حضرت یعقوبؑ کی خود غرضی
الزام نمبر ۹

کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۹ میں ہے:

" اور یعقوب نے دال پکائی، اور عیسو جنگل سے آیا، اور بے دم ہو رہا تھا، اور

[1] صفحہ ۱۵۴۵ کے حاشیہ پر ہم نے جو نوٹ دیا ہے یہاں بھی اُسے پیشِ نظر رکھا جائے،

... عیسو نے یعقوب سے کہا کہ یہ جو لال لال ہے مجھے کھلا دے، کیونکہ میں بے دم ہو رہا ہوں، اس لئے اس کا نام ادوم بھی ہو گیا، تب یعقوب نے کہا کہ تو آج اپنا پہلوٹھے کا حق میرے ہاتھ بیچ دے، عیسو نے کہا دیکھ میں تو مرا جاتا ہوں پہلوٹھے کا حق میرے کس کام آئے گا، تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ سے قسم کھا اس نے اس سے قسم کھائی اور اس نے اپنا پہلوٹھے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا، تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی، وہ کھا پی کر اٹھا، اور چلا گیا، یوں عیسو نے اپنے پہلوٹھے کے حق کو ناچیز جانا۔" (آیات ۲۹ تا ۳۴)

ملاحظہ کیجئے: غریب عیسو کی دیانت کو: جو اسحاق کے بڑے بیٹے ہیں کہ انھوں نے پہلوٹھے[1] کے حق جیسی جلیل القدر دولت کو جس کے سبب سے نبوت کے منصب جلیل کا استحقاق ہوتا ہے، اور اس کی برکات کو روٹی اور مسور کی دال کے عوض فروخت کر ڈالا، شاید ان کی نگاہ میں نبوت اور برکت کی قدر و قیمت روٹی اور مسور کی دال سے کم تھی، پھر یعقوب علیہ السلام کی محبت پر بھی نظر ڈالئے اور ان کی سخاوت کا جائزہ لیجئے: کہ وہ اپنے ماں جائے بڑے بھائی کو جس کا بھوک سے دم نکل رہا ہے، اور جو جفاکشی و محنت کی وجہ سے کوفتہ بیختہ اور نڈھال ہے، کھانا دینے پر اس وقت تک راضی اور تیار نہ ہوئے جب تک بھائی نے حقوقِ منصبِ نبوت کو فروخت نہ کر ڈالا، اور رشتۂ اخوت کا یا بلا عوض

---

[1] پہلوٹھے کا حق کتاب استثناء ۲۱: ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسوی شریعت میں کسی شخص کے پہلے بیٹے کو چند مخصوص حقوق حاصل ہوتے تھے، جن میں سے اہم ترین یہ تھا کہ تنہا وہی اپنے باپ ... کا مادی اور روحانی وارث ہوتا تھا، اسی لئے نبوت بھی اسی کو ملتی تھی۔ ۱۲

احسان کرنے کا قطعی لحاظ نہ کیا،

دسواں الزام جس شخص نے بھی کتاب پیدائش کے باب ۲۷ کو دیکھا ہوگا، اس کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا[1]، اور اپنے باپ کو دھوکہ دیا، اور ان کی فریب دہی جس طرح اسحاق کے یہاں کارگر اور موثر ہوگئی، اسی طرح خدا کے یہاں بھی موثر ہوئی .... کیونکہ اسحاقؑ سچے دل سے اپنے بیٹے عیسو کے حق میں دعاء مانگا کرتے تھے، نہ یعقوبؑ کے لئے، پھر جس طرح اسحاق دعاء میں دونوں بھائیوں کے درمیان تمیز نہ کرسکے، اسی طرح دعاء کی قبولیت کے مرحلہ پر خدا بھی دونوں بھائیوں میں امتیاز نہ کرسکا،

حیرت ہے کہ خدا کی ولدیت اور نبوت وصلاح جیسی چیزیں بھی محال ذرائع سے حاصل ہوجاتی ہیں، مجھ کو اس موقع کے مناسب ایک واقعہ بے ساختہ یاد آگیا کہ فرقہ بانو کے ایک بدکار نے اپنے گھوڑے کے لئے کسی گدھے والے سے تھوڑی گھاس مانگی، گدھے والے نے انکار کردیا، اُس نے کہا اگر تو مجھ کو گھاس نہیں دے گا، تو میں گدھے کے لئے بد دُعاء کروں گا، اور آج رات ہی میں مرجائے گا، یہ کہہ کر چلا گیا، اسی رات خود اس کا گھوڑا مر گیا، بیدار ہونے پر اپنے گھوڑے کو مردہ دیکھ کر تعجب سے اپنا سر پکڑ کر آیا اور کہنے لگا ہائے تعجب بالائے تعجب کہ ہمارے خدا کو خدائی کرتے ہوئے لاکھوں سال بیت گئے، مگر آج تک اس کو گدھے اور گھوڑے میں امتیاز اور پہچان نہ ہوسکی، میں نے تو گدھے کو ہلاک کرنے کی دعاء کی تھی اور ہلاک کردیا میرا گھوڑا،

[1] یہ پورا قصہ ہم نے صفحہ ۱۲۱۶ کے حاشیہ پر مفصل طریقہ سے لکھدیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جائے،

اور اگر اسرائیلی پیغمبروں کے جدامجد کی دیانت کا یہ حال ہے، یا خدا کے علم کی یہ کیفیت ہو تو مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ اسرائیلی پیغمبروں کے معاملات کی بنیاد بھی خدا کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ بازی کی اسی طرح ہوسکتی ہے جس طرح ان کے جدامجد کی تھی، اور ممکن ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا سے وعدہ کرلیا ہو کہ اگر آپ مجھ کو کرامات پر قدرت دیدیں تو میں مخلوق کو آپ کی خدائی اور ربوبیت کی طرف بلاؤں گا، لیکن اتفاق سے خدا علیٰ کے سچ اور جھوٹ میں امتیاز نہ کرسکا، اور ان کو قدرت دیدی، عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ شکنی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی خدائی کی دعوت دیدی، اور خدا کی نافرمانی کی، ہم ان خرافات اور
۱۷۹ واہیات باتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، البتہ بعض فقرے طریق الاولیاء صفحہ وصفحہ ۱۸۰ وصفحہ ۱۸۱ سے نقل کرتے ہیں، ابتداء میں کہتا ہے کہ:

"یہ انتہائی خوف کا مقام ہے کہ اس قسم کے شخص نے بھی پے در پے جھوٹ بولا اور اپنی فریب کاری میں خدا کے نام کو شامل کیا"

پھر کہتا ہے کہ:

"یعقوبؑ نے ایک ایسی بات کہی جو انتہائی کفر کی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ میں شکار جلد حاصل کروں"

پھر کہتا ہے کہ:

"اس معاملہ میں ہم یعقوبؑ کی حمایت میں کوئی بھی عذرخواہی کرنا پسند نہیں کرتے، اور ہر شخص کو اس بات سے نفرت کرنی چاہئے، اور ایسی حرکت سے گریز کرنا ضروری ہے"

پھر کہتا ہے:

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس نے بدی کا ارتکاب خیر کے حاصل کرنے کے لئے کیا، اور انجیل کی رُو سے اس قسم کی حرکت پر سزا واجب ہے"

پھر کہتا ہے کہ:

"جس طرح یعقوب نے گناہ کیا اسی طرح اس کی ماں نے اس سے زیادہ گناہ کیا تھا، کیونکہ وہی اس فساد کی بانی تھی، اسی نے یعقوب کو اس قسم کی فریب کارانہ حرکتوں کا حکم دیا تھا"

حضرت یعقوبؑ کے نکاح کا شرمناک قصہ، الزام نمبر ۱۱

کتاب پیدائش باب ۲۹ آیت ۱۵ میں ہے:

"تب لابن[1] نے یعقوب سے کہا، چونکہ تو میرا رشتہ دار ہے، تو کیا اس لئے لازم ہے کہ تو میری خدمت مفت کرے؟ سو مجھے بتا کہ تیری اجرت کیا ہوگی؟ اور لابن کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راحل تھا، لیاہ کی آنکھیں چندھی تھیں، پر راحل حسین اور خوبصورت تھی، اور یعقوب راحل پر فریفتہ تھا، سو اس نے کہا کہ تیری چھوٹی بیٹی راحل کی خاطر میں سات برس تیری خدمت کروں گا، لابن نے کہا اسے غیر آدمی کو دینے کی جگہ تجھی کو دینا بہتر ہے، تو میرے پاس رہ چنانچہ یعقوبؑ سات برس تک راحل کی خاطر خدمت کرتا رہا، پر وہ اسے راحل کی محبت کے سبب سے چند دنوں کے برابر معلوم ہوئے، اور یعقوب نے لابن سے

[1] لابن حضرت یعقوبؑ کے ماموں کا نام ہے ۱۲ منہ

کہا کہ میری مدت پوری ہوگئی، سو میری بیوی مجھے دے، تاکہ میں اس کے پاس جاؤں، تب لابن نے اس جگہ کے سب لوگوں کو بلاکر جمع کیا، اور ان کی ضیافت کی، اور جب شام ہوئی تو اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس لے آیا، اور یعقوب اس سے ہم آغوش ہوا، اور لابن نے اپنی لونڈی زلفہ اپنی بیٹی لیاہ کے ساتھ کردی، کہ اس کی لونڈی ہو، جب صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو لیاہ ہے، تب اس نے لابن سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے جو تیری خدمت کی وہ راخل کی خاطر نہ تھی؟ پھر تو نے مجھے کیوں دھوکا دیا؟ لابن نے کہا ہمارے ملک میں یہ دستور نہیں کہ پہلوٹھی سے پہلے چھوٹی کو بیاہ دیں، تو اس کا ہفتہ پورا کردے، پھر ہم دوسری بھی تجھے دیدیں گے، جس کی خاطر تجھے سات برس اور میری خدمت کرنی ہوگی، یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا، کہ لیاہ کا ہفتہ پورا کیا تب لابن نے اپنی بیٹی راخل بھی اسے بیاہ دی، اور اپنی لونڈی بلہاہ اپنی بیٹی راخل کے ساتھ کردی کہ اس کی لونڈی ہو، سو وہ راخل سے بھی ہم آغوش ہوا، اور وہ لیاہ سے زیادہ راخل کو چاہتا تھا، اور سات برس اور ساتھ رہ کر لابن کی خدمت کی۔" (آیات ۱۵ تا ۳۰)

اس داستان پر تین اعتراض واقع ہوتے ہیں:

۱۔ جبکہ یعقوب علیہ السلام لابن ہی کے گھر میں رہتے تھے، اور اس کی دونوں بیٹیوں کو ہزار بار دیکھا تھا تو ان کو ہر لحاظ سے چہرہ مہرہ بدن اور آواز غرض ہر اعتبار سے جانتے پہچانتے تھے، پھر لیاہ کے چہرہ میں ایک مخصوص علامتی نشان آنکھوں کا چُندھا پن موجود تھا، ایسی صورت میں تعجب اور حیرت

ہوتی ہے کہ لیاہ ان کے پاس ان کے بستر پر تمام رات موجود رہے، اور وہ اس کو نہ پہچان سکیں، اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ وہ بھی لوطؑ کی طرح نشہ میں بدمست ہوں گے، اور جس طرح لوطؑ نے اپنی بیٹی اور غیر عورت میں کوئی تمیز نہ کی اسی طرح یعقوبؑ بھی کوئی تمیز نہ کرسکے،

۲۔ یعقوبؑ کو صرف راحیل سے محبت و عشق تھا، جس کی خاطر انھوں نے اس کے باپ کی سات برس تک خدمت کی، اور اسی لئے اس قدر طویل مدت بھی ان کو چند ایام سے زیادہ محسوس نہیں ہوئی، مگر جب اُن کے خسر لابن نے ان سے دھوکہ کیا تو یعقوبؑ نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا، اور مزید سات سال کی خدمت کے عوض راحیل کو حاصل کر سکے، یہ سب حرکتیں عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق نبوت جیسے جلیل القدر منصب اور ایک عظیم الشان پیغمبر کی شان سے گری ہوئی ہیں، مگر چونکہ یعقوبؑ نے اپنے باپ کو دھوکہ دیا تھا[1]، اس لئے اس کی سزا میں اُن کے خسر نے ان کو دھوکہ دیا،

۳۔ یعقوبؑ نے ایک بیوی پر اکتفا نہیں کیا، حالانکہ دو عورتوں سے نکاح کرنا، بالخصوص دو بہنوں سے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق حرام اور ناجائز ہے[2]،

---

[1] وہی دھوکہ جس کا ذکر ص ۱۲۱۹ کے حاشیہ پر گزرا ہے،

[2] اس کے علاوہ اسی واقعہ کے اندر بائبل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ پہلی مرتبہ لابن کے گاؤں میں پہنچے تو ابھی لوگوں سے ان کے گھر کا پتہ پوچھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں راحل اپنی بکریاں لیکر وہاں پہنچ گئی، اور یعقوبؑ نے راحل کو چوما اور چلّا چلّا کر رو دیا، (پیدائش ۲۹: ۱۰) یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے کا ہے، سوال یہ ہے کہ ایک نامحرم کنواری لڑکی کو چومنا کہاں تک جائز ہے ۱۲

طریق الاولیاء کا جواب

طریق الاولیاء کے مصنف نے صفحہ ۱۸۹ میں حسب ذیل معذرت کی ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اگر یعقوب سے ان کا خسر لابن فریب کاری اور دھوکہ بازی نہ کرتا تو شاید یعقوب دوسرا نکاح نہ کرتے، اس لئے ایسی مجبوری والی صورت کی بناء پر تعدد ازواج کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ نہ تو یہ بات حکم خداوندی کے تحت ہوئی، اور نہ یعقوب کی رضا سے،

جوابُ الجواب

یہ عذرِ لنگ کسی درجہ میں بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا، اور نہ یعقوبؑ کو ارتکابِ حرام کے جرم سے نجات دے سکتا ہے، اس لئے کہ یعقوبؑ دوسرا نکاح کرنے پر کسی طرح بھی مجبور نہیں تھے، نہ اُن پر اس سلسلہ میں کوئی اکراہ یا جبر کیا گیا تھا جس سے معذور خیال کیا جاسکے، ان کا فرض تھا کہ ایک نکاح پر قناعت کرتے، اور مزید ہوس نہ کرتے، اس موقع پر ہم بھی وہی بات کہہ سکتے ہیں جو مصنف طریق الاولیاء نے ابراہیم علیہ السلام کے طعن کے سلسلہ میں کہی تھی، کہ یعقوبؑ کو مسیحؑ کا وہ قول جو انجیل میں لکھا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ جس ذات نے دنیا کو بنایا اسی نے مرد و عورت کو تخلیق کیا، اسی طرح ان کو موسیٰؑ کا وہ قول بھی خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا قطعی حرام ہے، جیسا کہ باب ۳ میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے یقیناً یہ ایک نکاح باطل تھا، اور جس عورت کا نکاح بھی باطل کہا جائے گا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب کا ولد الزنا ہونا لازم آئے گا، اور دونوں صورتوں میں ہزاروں اسرائیلی پیغمبروں کو نعوذ باللہ ولد الزنا تسلیم کرنا پڑے گا،

اب ذرا عیسائیوں کی دیانت داری ملاحظہ کیجئے، کہ محض اپنے فاسد اور غلط

اصولوں کے بچاؤ اور تحفظ کی خاطر کس بے باکی کے ساتھ پیغمبروں پر شرمناک الزام لگانے سے نہیں ڈرتے، اور ایسی گندی باتیں اُن کی مقدس ہستیوں کی طرف منسوب کرنے میں شرم نہیں کرتے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" اس لئے کہ اس کھینچ تان کے باوجود یہ عذرادر بہانہ زلفا اور بلہاہ کے سلسلہ میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہوسکتا جن سے یعقوب نے لیاہ اور راحیل کے اشارے اور کہنے پر نکاح کیا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۳۰ میں موجود ہے، عیسائی اصول کے مطابق ان کی تمام اولاد بھی اسی طرح ولدالزنا قرار پاتی ہے،

راحیل کی چوری، جھوٹ اور بُت پرستی؛ الزام نمبر ۱۲

کتاب پیدائش باب ۳۱ آیت ۱۹ میں ہے:

"اور لابن اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کو گیا ہوا تھا، سو راحل اپنے باپ کے بتوں کو چرا لے گئی۔ اور یعقوب لابن ارامی کے پاس سے چوری سے چلا گیا، کیونکہ اسے اس نے اپنے بھاگنے کی خبر نہ دی، سو وہ اپنا سب کچھ لے کر بھاگا، اور دریا پار ہو کر اپنا رخ کوہِ جلعاد کی طرف کیا اور تیسرے دن لابن کو خبر ہوئی، کہ یعقوب بھاگ گیا تب اس نے اپنے بھائیوں کو ہمراہ لے کر سات منزل تک اس کا تعاقب کیا، اور جلعاد کے پہاڑ پر اُسے جا پکڑا"

پھر آیت نمبر ۲۹[۵] میں ہے:

تب لابن نے یعقوب سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا، کہ میرے پاس سے چوری سے چلا آیا اور میری بیٹیوں کو بھی اس طرح لے آیا گویا وہ تلوار سے اسیر کی گئی ہیں "

[۵] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر صحیح آیت ۲۶ ہے، موجودہ ترجموں میں یہ عبارت آیت ۲۶ میں ہے ۱۲ منہ

پھر آیت نمبر ۳۰ میں ہے:

"خیر اب تو چلا آیا تو چلا آیا، کیونکہ تو اپنے باپ کے گھر کا بہت مشتاق ہے، لیکن میرے بتوں کو کیوں چُرا لایا؟ تب یعقوب نے لابن سے کہا............ اب جس کے پاس تجھے تیرے بت ملیں وہ جیتا نہیں بچے گا، تیرا جو کچھ میرے پاس نکلے اسے ان بھائیوں کے آگے پہچان کر لیلے....... چنانچہ لابن، یعقوب اور لیاہ اور دونوں لونڈیوں کے خیموں میں گیا، پران کو وہاں نہ پایا..... اور راخل ان بتوں کو لے کر اور ان کو اونٹ کے کجاوہ میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی، اور لابن نے سارے خیمہ میں ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا، پر اُن کو نہ پایا، تب وہ اپنے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے بزرگ! تو اس بات سے ناراض نہ ہونا کہ میں تیرے آگے اُٹھ نہیں سکتی، کیونکہ میں ایسے حال میں ہوں جو عورتوں کا ہوا کرتا ہے سو اس نے ڈھونڈا پر وہ بُت اس کو نہ ملے" (آیات ۳۰ تا ۳۵)

غور کیجئے کہ راخیل باپ کے بتوں کو چوری کرنے کے باوجود کس طرح صاف جھوٹ بول رہی ہے، اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے ان بتوں کو عبادت کرنے ہی کی غرض سے چوری کیا تھا، جب کہ کتاب پیدائش باب ۳۵ کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ آنے والے شاہد میں آپ کو معلوم ہو جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ عورت بت پرست گھرانے کی لڑکی تھی، اس کا باپ بھی بت پرستی کرتا تھا جیسا کہ آیت ۳۰ اور ۳۲ اس پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے ظاہر یہی ہو کہ یہ عورت بھی اپنے باپ کے مذہب پر تھی، لیجئے یعقوبؑ کی محبوبہ بیوی چور بھی نکلی، جھوٹی بھی ثابت ہوئی اور بت پرست بھی،

خاندانِ یعقوبؑ کی بُت پرستی
الزام نمبر ۱۳

کتاب پیدائش باب ۳۵ آیت ۲ میں ہے:

"تب یعقوب نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تمھارے درمیان ہیں دُور کرو، اور طہارت کر کے اپنے کپڑے بدل ڈالو، ..... تب انھوں نے سب بیگانہ دیوتاؤں کو جو اُن کے پاس تھے، اور مُندروں[۱] کو جو اُن کے کانوں ... میں تھے یعقوبؑ کو دیدیا، اور یعقوبؑ نے ان کو اس بلوط کے درخت کے نیچے جو سکم کے نزدیک تھا دبادیا"

(آیات ۲ تا ۴)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ کی نہ صرف بیویاں بلکہ پورا گھرانہ اس وقت تک بتکدہ بنا ہوا تھا، اور یہ سب بُت پرستی کر رہے تھے، یعقوبؑ کے گھرانے کی شان کو دیکھئے تو یہ حرکت بڑی ہی شنیع اور قبیح معلوم ہوتی ہے، کیا اس سے پہلے یعقوبؑ نے کبھی ان کو اس شیطانی فعل سے منع نہیں کیا؟ اور پھر جب اُن لوگوں نے تمام بُت یعقوبؑ کے حوالے کر دیئے تھے تو ظاہر یہی ہے کہ راحیل نے بھی وہ مسروقہ بت سپرد کر دیا ہوگا.... اب اصولاً یعقوبؑ پر واجب تھا کہ اس بت کو لابن کے پاس بھیج دیتے، نہ یہ کہ سکم کے پاس جو درخت تھا اس کے نیچے دفن کر ڈالیں، اور راحیل کو بھی اس کے چوری کرنے پر قابلِ معافی قرار دے

حضرت یعقوبؑ کی اولاد پر تہمت
الزام نمبر ۱۴

کتاب پیدائش باب نمبر ۳۴ آیت نمبر ۱ میں ہے:

[۱] مُندرے جو کانوں میں پہنے جاتے ہیں،

"اور لیاہ کی بیٹی دینہ جو یعقوبؑ سے اس کے پیدا ہوئی تھی اُس ملک کی لڑکیوں کو دیکھنے کے لئے باہر گئی، تب اس ملک کے امیر حوی حمور کے بیٹے سکم نے اسے دیکھا اور اسے لے جاکر اس کے ساتھ مباشرت کی اور اُسے ذلیل کیا، اور اس کا دل یعقوب کی بیٹی دینہ سے لگ گیا، اور (خود اس نے دینہ کے دل میں جگہ کرلی[1]) اور سکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لئے بیاہ لادے۔"

آگے آیت میں ہے:

"تب حمور ان سے کہنے لگا (کہ میرا بیٹا[2] سکم تمہاری بیٹی کو دل سے چاہتا ہے اسے اس کے ساتھ بیاہ دو) سب یعقوب کے بیٹوں نے ..... جواب دیا اور کہنے لگے کہ ہم یہ نہیں کرسکتے کہ نامختون مرد کو اپنی بہن دیں کیوں کہ اس میں ہماری بڑی رسوائی ہے، لیکن جیسے ہم ہیں اگر تم ویسے ہی ہو جاؤ کہ تمہارے ہر مرد کا ختنہ کردیا جائے تو ہم راضی ہو جائیں گے۔"

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"ان میں سے ہر مرد نے ختنہ کرایا اور تیسرے دن جب وہ درد میں مبتلا تھے تو یوں ہوا کہ یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے دینہ کے دو بھائی شمعون اور لاوی

---

[1] اظہار الحق میں یہاں یہ الفاظ ہیں: "وَوَقَعَ بِقَلْبِهَا" لیکن موجودہ تمام اردو، عربی، اور انگریزی تراجم میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور اس نے اس لڑکی سے عشق میں میٹھی میٹھی باتیں کیں"

[2] قوسین کی عبارت مصنفؒ نے اختصار کے پیش نظر حذف کردی تھی، مگر چونکہ اردو میں اس کے بغیر مطلب واضح نہ ہوتا اس لئے ہم نے بائبل سے نقل کرکے اُسے بھی لکھ دیا ہے،

اپنی اپنی تلوار لے کر ناگہاں شہر پر آپڑے اور سب مردوں کو قتل کیا، اور حمور اور اس کے بیٹے سکم کو بھی تلوار سے قتل کر ڈالا، اور سکم کے گھر سے دینہ کو نکال کر لے گئے، اور یعقوب کے بیٹے مقتولوں پر آئے، اور شہر کو لوٹا اس لئے کہ انھوں نے ان کی بہن کو بے حرمت کیا تھا، انھوں نے اُن کی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور جو کچھ شہر اور کھیت میں تھا لے لیا اور اُن کی سب دولت لوٹی، اور ان کے بچوں اور بیویوں کو اسیر کر لیا اور جو کچھ گھر میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے "

(آیات ۲۴ تا ۲۸)

ذرا یعقوب کی بیٹی دینہ کی پاک دامنی ملاحظہ کیجئے، جس کا مندرجہ بالا نقشہ عیسائیوں کا کھینچا ہوا آپ کے سامنے ہے، کہ وہ زنا کرتی ہے اور سکم سے عشق بازیاں کرتی ہے، (چنانچہ یہ الفاظ کہ "خود دینہ کے دل میں اس نے جگہ کر لی" اس دعوے کی واضح دلیل ہیں) پھر یعقوبؑ کے بیٹوں کا ظلم اور بربریت دیکھئے کہ شہر کے تمام مردوں کا قتلِ عام کیا، عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا، اور ان کے تمام اموال لُوٹ لئے، ان ظالموں کا ظلم اور زیادتی محتاج دلیل نہیں ہے، البتہ تعجب کا بنیاد یہ ہے کہ یعقوبؑ نے بھی ظلم میں کچھ کسر نہیں اٹھا رکھی، اس لئے کہ انھوں نے ذرہ برابر بھی اپنے بیٹوں کو اس شنیع حرکت کے ارتکاب سے نہیں روکا، اور یہ واقعہ پیش آنے کے بعد قانونی طور پر اس کا قصاص نہیں لیا، اور نہ چھینا ہوا مال واسباب اور لونڈی غلام واپس کرائے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یعقوبؑ اس معاملہ میں قطعی بے بس تھے، اور بیٹوں کی چھینی ہوئی اشیاء کے

واپس کرانے کی ان کو قدرت نہیں تھی تو کم از کم ایسے ظالموں کا بائیکاٹ اور ان سے ترکِ تعلق تو کر سکتے تھے، اور اُن کی ہمراہی اور رفاقت سے دستبردار تو ہو سکتے تھے، پھر یہ بات بھی بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ اکیلے دو شخص پورے شہر کے ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیں خواہ وہ لوگ ختنہ کی وجہ سے کتنے ہی بدحال اور کرب میں ہوں،

باپ کی بیوی سے زنا، الزام نمبر ۱۵

کتاب پیدائش باب ۳۵ میں ہے[1]: "روبن نے جاکر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہوگیا"

غور کیجئے! کہ یعقوبؑ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے زنا کرتا ہے، اور پھر یعقوبؑ کو دیکھئے کہ انھوں نے نہ تو اپنے بیٹے پر حد جاری کی اور نہ تعزیر کی، اور نہ بلہاہ ہی کو کوئی سزا دی، حالانکہ بظاہر اس زمانہ میں زانی اور زانیہ کی سزا یہ تھی کہ دونوں کو آگ میں جلایا جائے، جیسا کہ پیدائش باب ۳۸ آیت ۲۴ سے یہی[2] معلوم ہوتا ہے، البتہ اس بیٹے کے لئے صرف مرنے کے وقت بددعا کی تھی، جیسا کہ باب ۴۹ میں تصریح[3] ہے:

---

[1] آیت ۲۲،

[2] اس آیت میں ایک زانی عورت کو جلانے کا حکم دیا گیا ہے، اگلے الزام میں اس کا پورا واقعہ آرہا ہے

[3] "تو پانی کی طرح بے ثبات ہے اس لئے تجھے فضیلت نہیں ملے گی، کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا، تو نے اسے نجس کیا، روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا" (پیدائش ۴۹ : ۴)۔

یہوداہ نے اپنی بہو سے زنا کیا؛ الزام نمبر ۱۶	کتاب پیدائش باب ۳۸ آیت ۶ میں ہے: "اور یہوداہ اپنے پہلوٹھے بیٹے عیر کے لئے ایک

عورت بیاہ لایا، جس کا نام تمر تھا، اور یہوداہ کا پہلوٹھا بیٹا عیر خداوند کی نگاہ میں شریر تھا، سو خداوند نے اسے ہلاک کر دیا، تب یہوداہ نے اونان سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جا، اور دیور کا حق ادا کر تاکہ تیرے بھائی کے نام سے نسل چلے، اور اونان جانتا تھا کہ یہ نسل میری نہ کہلائے گی، سو یوں ہوا کہ جب وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جاتا تو نطفہ کو زمین پر گرا دیتا تھا کہ مبادا اس کے بھائی کے نام سے نسل چلے، اور اس کا یہ کام خداوند کی نظر میں بہت بُرا تھا، اس لئے اُس نے اُسے بھی ہلاک کیا،

تب یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے کہا کہ میرے بیٹے سیلہ کے بالغ ہونے تک تو اپنے باپ کے گھر بیوہ بیٹھی رہ، کیونکہ اس نے سوچا کہ کہیں یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہلاک نہ ہو جائے، سو تمر اپنے باپ کے گھر میں جا کر رہنے لگی؛

اور ایک عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ سوع کی بیٹی جو یہوداہ کی بیوی تھی مرگئی، اور جب یہوداہ اس کا غم بھولا تو وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ساتھ اپنی بھیڑوں کے پشم کے کترنے والوں کے پاس تمنت کو گیا، اور تمر کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کے لئے تمنت کو جا رہا ہے تب اس نے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا، اور برقع اوڑھا، اور اپنے کو ڈھانکا، اور عینیم کے پھاٹک کے برابر جو تمنت کی راہ پر ہے جا بیٹھی، کیونکہ اس نے دیکھا کہ سیلہ بالغ ہو گیا، مگر یہ اس سے بیاہی نہیں گئی،

یہوداہ نے اُسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کسبی[۱] ہے، کیونکہ اس نے اپنا مُنہ ڈھانک رکھا تھا، سو وہ راستہ سے اس کی طرف کو پھرا، اور اس سے کہنے لگا کہ ذرا مجھے اپنے ساتھ مباشرت کر لینے دے، کیونکہ اُسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی بہو ہے، اس نے کہا تو مجھے کیا دے گا تاکہ میرے ساتھ مباشرت کرے؟ اس نے کہا میں ریوڑ میں سے بکری کا ایک بچّہ تجھے بھیج دوں گا، اس نے کہا کہ اس کے بھیجنے تک تو میرے پاس کچھ رہن کر دے گا؟ اُس نے کہا اپنی مُہر اور اپنا بازو بند اور اپنی لاٹھی جو تیرے ہاتھ میں ہے،

اس نے یہ چیزیں اُسے دیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی، اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی، پھر وہ اُٹھ کر چلی گئی، اور برقع اُتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا۔"

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"اور قریباً تین مہینے کے بعد یہوداہ کو یہ خبر ملی کہ تیری بہو تمر نے زنا کیا، اور اسے چھنالے کا حمل بھی ہے، یہوداہ نے کہا کہ اسے باہر نکال لاؤ کہ وہ جلائی جائے، جب اُسے باہر نکالا تو اس نے اپنے خسر کو کہلا بھیجا کہ میرے اسی شخص کا حمل ہے، جس کی یہ چیزیں ہیں، سو تو پہچان تو سہی کہ یہ مہر اور بازو بند اور لاٹھی کس کی ہے؟ تب یہوداہ نے اقرار کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ صادق ہے، کیونکہ میں نے اسے اپنے بیٹے سیلہ سے نہیں بیاہا، اور پھر کبھی اس کے پاس نہ گیا،

[۱] "کسبی" یعنی عصمت فروش، طوائف،

اور اس کے وضع حمل کے وقت معلوم ہوا کہ اس کے پیٹ میں توام ہیں
اور جب وہ جننے لگی تو ایک بچے کا ہاتھ باہر آیا، اور دائی نے پکڑ کر اس کے
ہاتھ میں لال ڈورا باندھ دیا، اور کہنے لگی کہ یہ پہلے پیدا ہوا، اور یوں ہوا کہ
اس نے اپنا ہاتھ پھر کھینچ لیا، اتنے میں اس کا بھائی پیدا ہو گیا، تب وہ
دائی بول اٹھی کہ تو کیسے زبردستی نکل پڑا؟ سو اس کا نام فارض[۱] رکھا گیا،
پھر اس کا بھائی جس کے ہاتھ میں لال ڈورا بندھا تھا پیدا ہوا، اور اس کا
نام زارح[۲] رکھا گیا۔" (آیات ۱ تا ۳۰)

اس موقع پر چند امور غور طلب ہیں:۔

۱۔ اول یہ کہ خدا نے عیر کو محض اس لئے قتل کر دیا کہ وہ شریر تھا، مگر اس کی شرارت کی کوئی وضاحت نہیں کی جاتی، کیا اس غریب کی شرارت اس کے بڑے چچا کی شرارت سے بھی کچھ زیادہ تھی؟ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا تھا، اور اپنے دوسرے دو چچاؤں شمعون اور لاوی سے بھی زیادہ تھی؟ جنھوں نے پورے شہر کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالا تھا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا تھا؟ اور کیا اس کا کمینہ پن اپنے باپ کی کمینگی سے بھی بڑھا ہوا تھا جس نے اس کی موت کے بعد اس کی بیوی سے زنا کیا؟ کیا یہ سب لوگ تو شفقت اور عنایت کے مستحق اور قتل کے لائق نہ تھے اور عیر غریب

[۱] فارض (Pharez) عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں "چاک" (دیکھئے آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس، ص ۲۲۴)

[۲] زارح (   ) عبرانی میں اس کے معنی ہیں: "طلوع آفتاب" (کنکارڈنس ص ۲۲۳)

واجب القتل تھا؟ جس کو خدا نے قتل کر دیا،

۲۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اونان کو نطفہ کے زمین پر ڈال دینے کے جرم میں قتل کر دیا، مگر اس کے چچاؤں اور باپ کو مذکورہ سنگین جرائم کے باوجود جوان سے سرزد ہوئے قتل نہیں کیا، کیا محض نطفہ کا زمین پر ڈال دینا ان جرائم سے بھی زیادہ شدید تھا؟

۳۔ تیسرے یعقوبؑ نے اپنے اس پیارے بیٹے پر نہ تو حدِ زنا جاری کی، اور نہ کوئی سزا دی، اور اس بدکار عورت کو کوئی سزا دی، بلکہ نہ تو اس باب سے اور نہ کسی اور باب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یعقوبؑ ... اپنے بیٹے کی اس سیہ کاری پر اس سے ذرا بھی رنجیدہ ... ہوئے ہوں، پیدائش کا باب ۴۹ اس کے رنجیدہ نہ ہونے کا سچا گواہ موجود ہے، کہ یعقوبؑ نے روبن و شمعون ولاوی کی حرکتوں پر تو کچھ مذمت بھی کی، مگر یہوداہ کی حرکت پر کچھ بھی بُرا نہیں مانا، بلکہ خاموشی اختیار کی اور اس کی بے شمار تعریف کی اور دوسرے بھائیوں پر اس کو ترجیح دی،

۴۔ چوتھے تمر جیسی فاحشہ زانیہ کے حق میں اس کا سسر یہوداہ بڑی نیک ہونے کی شہادت[1] دیتا ہے، سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں، فیصلہ کرنیوالا بھی ماشاء اللہ خود اعلیٰ درجہ کا نیک اور وہ عورت بھی کمال درجہ کی پارسا،

---

[1] غالباً اس سے مراد یہوداہ کا یہ جملہ ہے: "وہ مجھ سے زیادہ صادق ہے" (۳۸: ۲۶) یہاں صادق کا لفظ صرف "سچے" کے معنی میں نہیں، بلکہ "نیک" کے معنی میں ہے، اس لئے کہ بائبل میں صادق کا لفظ بکثرت نیک کے معنے میں آیا، جو عربی ترجموں میں یہاں "تبررت اکثر منی" اور انگریزی میں "more righteous than I" کے الفاظ ہیں، ان سے بھی نیکی ہی کا مفہوم نکلتا ہے

بھلا وہ عورت اعلیٰ درجہ کی نیک کیوں نہ ہو جس نے اپنی شرمگاہ اپنے سسر کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہ کھولی ہو؟ اور زنا بھی کیا تو کسی اجنبی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے شوہر کے باپ سے، یا اس لئے کہ اس ہی زنا سے دو کامل فرزندوں کی ولادت عمل میں آئی،

۵ - پانچویں یہ کہ داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سب کے سب فارض کی اولاد سے ہیں، جو خود زنا کی پیدا وار ہے، چنانچہ انجیل متیٰ کے باب میں تصریح موجود ہے[1]،

۶ - تعجب ہے کہ خدا نے فارض اور زارح کو قتل نہ کیا، حالانکہ یہ دونوں ولد الزنا تھے، بلکہ ان دونوں کو اور لوطؑ کے زنا سے پیدا ہونے والے دونوں بیٹوں کو زندہ رکھا، داؤد علیہ السلام کے بیٹے کی طرح قتل نہیں کیا، جو داؤد کے اوریا کی بیوی سے زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا، شاید یہ وجہ ہو کہ اجنبی عورت سے زنا کرنا بیٹے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ شدید اور سنگین ہے،

حضرت ہارونؑ نے بچھڑے کو دیوتا بنایا، الزام نمبر ۱۷

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۱ میں ہے:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی، تو وہ ہارونؑ کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا؟ ہارونؑ نے ان سے کہا تمھاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے

[1] اس کی تفصیل پیچھے ص ۳۳۴، جلد اوّل وغیرہ پر گذر چکی ہے،

کی بالیاں ہیں، اُن کو اتار کر میرے پاس لے آؤ، اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا، جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی، تب وہ کہنے لگے، اے اسرائیلؑ یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا، یہ دیکھ کر ہارونؑ نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی، اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی، اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انھوں نے قربانیاں چڑھائیں، اور سلامتی کی قربانیاں گذرائیں پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے۔"

(آیات ۱ تا ۶)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارونؑ نے ایک بچھڑا بنایا تھا، اور اس کے آگے ایک قربان گاہ بھی بنائی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ کل خدا کے لئے عید ہوگی پھر بچھڑے کی پوجا کی، اور بنی اسرائیل کو بھی اس کی عبادت کا حکم دیا، پھر لوگوں نے قربانی کی، اور جانوروں کو ہنکایا، یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ہارونؑ رسول ہیں، پادری اسمتھ نے اپنی کتاب مسمّٰی تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۲ء ص ۴۲ قسم اول میں لکھا ہے کہ:

"جس طرح پر اُن کے درمیان یعنی بنی اسرائیل کے درمیان کوئی بادشاہ نہیں تھا، اسی طرح سوائے موسیٰؑ اور ہارونؑ اور ان کے ستر مددگاروں کے کوئی نبی بھی نہ تھا۔"

پھر کہتا ہے کہ:

"ان کا موسیٰؑ اور ہارونؑ اور دونوں کے مددگاروں کے سوا کوئی نبی نہ تھا۔"

معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ عیسائیوں کے نزدیک بھی نبی ہیں، ناظرین کو یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ ہم نے یہ دونوں عبارتیں نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء سے نقل کی ہیں، اور اس نسخہ کا رَد بھی لکھا ہے جس کا نام ...... تقلیب المطاعن ہے، اسی طرح صاحبِ استفسار نے بھی اس نسخہ کا رَد لکھا ہے، میں نے سنا ہے کہ رَد لکھے جانے کے بعد اُس پادری نے اپنی کتاب میں تحریف کرڈالی، اور بعض مقامات پر کمی بیشی اور بعض جگہ تبدیلی کی، جس طرح میزان الحق کے مصنف نے میزان کے نسخہ میں تحریف کی تھی، اب ہم کو علم نہیں کہ اس پادری نے ان دونوں عبارتوں کو بھی آخری محرف نسخہ میں باقی رکھا ہے یا نہیں؟ عہد عتیق کی عبارتیں بھی ہارونؑ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں، اور ہارونؑ کا موسیٰؑ کی شریعت کا تابع ہونا ان کی نبوت کے منافی نہیں ہے، جس طرح یوشعؑ، داؤدؑ اور اشعیاؑ وارمیاہ اور حزقیال وغیرہ نبیوں کی نبوت کے منافی نہیں، جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان میں ہوئے ہیں،

کتاب خروج باب ۴ آیت ۲۷ میں ہے:

"اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ بیابان میں جاکر موسیٰؑ سے ملاقات کر،

وہ گیا، اور خدا کے پہاڑ پر اُس سے ملا"

اور کتاب گنتی باب ۱۸ آیت ۱ میں ہے:

"اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ الخ"

اس پورے باب میں درحقیقت حضرت ہارونؑ ہی مخاطب ہیں، اور باب ۲، ۴، ۱۴، ۱۶، ۱۹ میں یہ عبارت موجود ہے کہ:

"اور خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا":

یہ عبارت چھ مقامات پر ہے، اور کتاب خروج باب ۶ آیت ۱۳ میں ہے:

"تب خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بنی اسرائیل اور مصر کے بادشاہ فرعون کے حق میں اس مضمون کا حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملکِ مصر سے نکال لے جائیں[1]"

اِن عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے ہارونؑ کے پاس تنہا بھی وحی بھیجی، اور موسیٰؑ کی شرکت میں بھی، اور انھیں فرعون و بنی اسرائیل کی جانب اسی طرح رسول بنا کر بھیجا، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا، نیز جو شخص بھی کتاب الخروج کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو جائے گی کہ فرعون کے مقابلہ میں جس قدر بھی معجزات دکھلائے گئے تھے، ان میں سے بیشتر ہارونؑ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے، اسی طرح ہارونؑ و موسیٰؑ کی بہن مریم بھی نبیہ تھیں، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۱۵ آیت ۲۰ میں یوں کی گئی ہے کہ:

"تب ہارون کی بہن مریم نبیہ نے دف ہاتھ میں لیا"

اور زبور نمبر ۱۰۵ آیت ۲۶ میں ہے:

"اس نے اپنے بندہ موسیٰؑ کو اور اپنے برگزیدہ ہارون کو بھیجا"

اور زبور نمبر ۱۰۶ آیت ۱۶ میں ہے:

---

[1] اس کے علاوہ خروج میں یہ عبارت بھی موجود ہے: "ہارون نے سب باتیں جو خدا نے موسیٰؑ سے کہی تھیں ان کو بتائیں اور لوگوں کے سامنے معجزے کئے" (۳۰:۴) اس عبارت میں معجزوں کی نسبت حضرت ہارون کی طرف کی گئی ہے۔

"انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کو اور خداوند کے مقدس مرد ہارون (کو غضبناک کردیا)[2]

ایسی شکل میں مصنف میزان الحق کا اپنی کتاب مسمیٰ حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت سے انکار کرنا بالکل ہی غلط ہے،

اٹھارہواں الزام | کتاب خروج باب ۲ آیت ۱۱ میں ہے:

"تنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا، اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی، اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے، پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی، اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا"

(آیات ۱۱، ۱۲)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو محض قومی عصبیت کی بنا پر مار ڈالا تھا[3]،

انیسواں الزام | کتاب خروج باب ۴ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں، نہ تو پہلے ہی تھا، اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا، بلکہ رک رک کر بولتا ہوں

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں (پر) ہے،

[2] موجودہ تمام ترجموں میں قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں "پر حسد کیا"

[3] واضح رہے کہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی شخص کو قبطی کے ظلم سے چھڑانے کے لئے اسے ایک مکا مارا تھا، جس سے وہ مر گیا، گویا جان سے مارنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن اتفاقاً وہ مکا ہی اس کی موت کا باعث ہو گیا،

تب خداوند نے اس سے کہا کہ آدمی کا مُنہ کس نے بنایا ہے ؟ اور کون گونگا
یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے ؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا ؟ سواب
تو جا، اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں، اور تجھے سِکھاتا رہوں گا، کہ تو کیا کیا
کہے، تب اُس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے
جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج، تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا۔"

(آیات ۱۰ تا ۱۴)

ذرا غور فرمایئے : اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے ہیں، اور پورا اطمینان دلاتے ہیں، مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو وعدۂ خداوندی پر قطعی اعتماد اور بھروسہ نہیں ہوتا، اور وہ برابر نبوت سے انکار کئے جارہے ہیں، اور منصبِ نبوت کے قبول کرنے سے عذر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں خدا ان پر ناراض اور غضبناک ہوجاتا ہے،

تختیاں توڑ دیں
الزام نمبر ۲۰

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۱۹ میں ہے :

" اور لشکر گاہ کے نزدیک آکر اس نے وہ بچھڑا اور ان کا ناچنا دیکھا، تب موسیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے اُن لوحوں کو اپنے ہاتھوں میں سے پٹک دیا اور ان کو پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالا۔"

یہ دونوں تختیاں خدا کی صنعت تھیں، اور خدا کی تحریر کی حامل تھیں، جس کی تصریح اس باب میں موجود ہے، جن کو موسیٰؑ نے غلطی سے توڑ ڈالا، اور پھر اس جیسی تختیاں نصیب نہیں ہوسکیں، کیونکہ وہ دو تختیاں جو بعد میں حاصل ہوئیں وہ موسیٰؑ کی بنائی ہوئی اور ان کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں، جس کی تصریح سفر خروج

باب ۳۴ میں موجود ہے،

موسیٰؑ و ہارونؑ کی نافرمانی
الزام نمبر ۲۱

کتاب گنتی باب ۲۰ آیت ۱۲ میں ہے:

"موسیٰ و ہارون سے خداوند نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے، اس لئے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے اُن کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے"

اور کتاب استثنا باب ۳۲ آیت ۴۸ میں ہے:

"اور اُسی دن خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اس کوہ عباریم پر چڑھ کر (جو جبل مجازات ہے)[1] بنو کی چوٹی کو جا جو یریحو کے مقابل ملکِ موآب میں ہے، اور کنعان کے ملک کو جسے میں میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دیتا ہوں دیکھ[1] اور اسی پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پاکر اپنے لوگوں میں شامل ہو، جیسے تیرا بھائی ہارون ہور کے پہاڑ پر مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا، اس لئے کہ تم دونوں نے بنی اسرائیل کے درمیان دشت سین کے قادس میں مریبہ کے چشمہ پر میرا گناہ کیا، کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی، سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا، لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا"

(آیات ۴۸ تا ۵۲)

اب ان دونوں عبارتوں میں صاف اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ

---

[1] موجودہ ترجمہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں ،

موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں سے خطا صادر ہوئی، جس کے نتیجہ میں یہ دونوں ارض مقدس میں داخلہ سے محروم کر دیتے گئے، پھر خدا نے ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ نہ تم میری تصدیق کرتے ہو اور نہ میری پاکی بیان کرتے ہو، اور تم دونوں نے میری نافرمانی کی،

شمسون اور دلیلہ کا قصہ
الزام نمبر ۲۲

شمسون نبی نے ایک زانیہ عورت کے ساتھ زنا کیا، جو غزہ میں رہتی تھی، پھر ایک[1] دوسری عورت سے جس کا نام دلیلہ تھا، اور جو وادی سورق کی رہنے والی تھی، عشق بازی کی، اور اس کے پاس جایا کرتا تھا، اس عورت سے فلسطین کے کافروں نے کہا کہ تو اس سے دریافت کر کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس سے فلسطین کے لوگ تجھ پر غالب آسکیں؟ اور تجھ کو باندھ سکیں؟ اور پھر تو اس بندش کو نہ توڑ سکے؟ اور اس عورت کو بہت بڑے انعام کا لالچ دیا،

چنانچہ اس زانیہ نے شمسون سے پوچھا، اس نے تین بار اس عورت سے جھوٹ بولا، اور غلط باتیں بتلاتا رہا، اس پر دلیلہ نے کہا کہ تو کیسے مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ تیرا دل میرے ساتھ نہیں ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تو نے تین بار مجھ سے جھوٹ بولا، اور بہت روز تک وہ عورت اپنی باتوں سے اس کو مجبور کرتی رہی، آخر کار اس نے مجبور ہو کر اس عورت کو ہر بات بتا دی، اور کہا کہ اگر وہ لوگ میرے سر کے بال مونڈ دیں تو میری قوت و طاقت ختم ہو سکتی ہے، اور پھر میں ایک معمولی آدمی کے مانند ہو جاؤں گا، جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے دل

[1] پھر شمسون غزہ کو گیا، وہاں اس نے ایک کسبی دیکھی اور اس کے پاس گیا" (قضاۃ ۱۶: ۱)

کی سب بات بتادی ہے تو فلسطین کے رؤسا کو بلایا، اور اس کو اپنے گھٹنے پر سُلا دیا، اور نائی کو بلا کر اس کے سر کے بال مونڈ دیئے، جس سے اس کی قوت ختم ہوگئی پھر لوگوں نے اس کو پکڑ کر دونوں آنکھیں نکال ڈالیں اور اس کو قید خانہ میں ڈال دیا[1] آخر اسی جگہ اس کی وفات ہوئی،

اس واقعہ کی تصریح کتاب قضاۃ کے باب ۱۶ میں موجود ہے، اور شمسون نبی تھے، جن کی نبوت پر کتاب مذکور کے باب ۱۳ کی آیت ۵[1] و ۲۵ اور باب ۱۴ کی آیت[2] ۶ و ۱۹ اور باب ۱۵ کی آیات[3] ۱۸ و ۱۹ اور عبرانیوں کے نام خط باب ۱۱ کی آیت[4] ۳۲ دلالت کر رہی ہیں،

حضرت داؤدؑ کا جھوٹ
الزام نمبر ۲۳

کتاب سموئیل اول باب ۲۱ آیت ۱ میں اُس وقت کا حال لکھا ہے جب حضرت داؤد علیہ السلام شاہ اسرائیل ساؤل سے ڈر کر بھاگے، اور نوب میں اخی ملک کاہن کے پاس پہنچے:

"اور داؤد، نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا، اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا، اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہے؟ اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ داؤد نے اخیملک کاہن سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک کام کا حکم کرکے

---

[1] "وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا" (۱۳: ۵)

[2] "تب خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی" (۱۴: ۶)

[3] "تب خداوند نے اسے پکارا (۱۵: ۱۸)

[4] "اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور شمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کے احوال بیان کروں" (عبرانیوں ۱۱: ۳۲)۔

کہا ہو کہ جس کام پر میں تجھے بھیجتا ہوں، اور جو حکم میں نے تجھے دیا ہے وہ کسی شخص پر ظاہر نہ ہو، سو میں نے جوانوں کو فلانی فلانی جگہ بٹھا دیا ہے، پس اب تیرے ہاں کیا ہے؟ میرے ہاتھ میں روٹیوں کے پانچ گِردے یا جو کچھ موجود ہو دے"

پھر آیت ۶ میں ہے کہ:

تب کاہن نے مقدس روٹی اس کو دی"

اور آیت ۸ میں ہے کہ:

"پھر داؤد نے اخیملک سے پوچھا کیا یہاں تیرے پاس کوئی نیزہ یا تلوار نہیں؟ کیونکہ میں اپنی تلوار اور اپنے ہتھیار ساتھ نہیں لایا، کیونکہ بادشاہ کے کام کی جلدی تھی"

دیکھئے داؤد علیہ السلام نے پے درپے جھوٹ بولا، اور اس دروغ بیانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کے سفاک بادشاہ ساؤل نے شہر نوب کے تمام باشندوں کو قتل کر ڈالا، مردوں کو بھی، عورتوں کو بھی، بچوں کو بھی، یہاں تک کہ ان کے جانوروں، گائیوں، بکریوں اور گدھوں کو بھی، نیز اس حادثہ میں ۸۵ کاہن بھی مارے گئے، اخیملک کا صرف ایک بیٹا جس کا نام ابیاتر تھا بمشکل جان بچا کر بھاگا، اور داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، تب داؤدؑ نے اقرار کیا، کہ میں تیرے سارے گھرانے کے قتل کا سبب ہوں، جس کی تصریح اسی کتاب کے باب ۲۲ میں موجود ہے،

حضرت داؤدؑ کا زنا
الزام نمبر ۲۴

سفر سموئیل ثانی باب ۱۱ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگے، اتفاقاً اُن کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل

کر رہی تھی، اور بڑی ہی خوب صورت تھی، داؤدؑ نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اوریاؔ[1] کی بیوی بت سبع ہے، پھر داؤدؑ نے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑ والیا، اور اس کے ساتھ صحبت کی، پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی، اور حمل رہ گیا، عورت نے اس کو اس کی اطلاع دی اور کہا، کہ میں حاملہ ہوں، پھر داؤدؑ نے یوآب کو اوریا کی جانب یہ کہہ کر روانہ کیا کہ اوریا کو میرے پاس بھیج دے، یوآب نے اوریا، کو داؤدؑ کے پاس بھیجا، داؤدؑ نے اوریا سے یوآب اور قوم کی سلامتی اور لڑائی کے بارے میں سوالات کئے، پھر کہا تو اپنے گھر جا،

اوریا نکلا، اور شاہی محل کے دروازہ پر سو گیا، اور اپنے گھر نہ گیا، لوگوں نے داؤد کو اطلاع دی، کہ اوریا اپنے گھر نہیں گیا، حضرت داؤدؑ نے اوریا سے پوچھا کہ تو اپنے گھر کیوں نہیں گیا؟ اوریا نے جواب دیا کہ اللہ کا تابوت اور اسرائیل اور یہوداہ تو خیموں میں ہوں، اور میرا مالک یوآب اور اس کے خادم کھلے میدان میں پڑے ہوں، اور اس حالت میں میں اپنے گھر چلا جاؤں؟ اور کھاؤں پیوں؟ اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ نہیں! ہرگز نہیں! قسم ہے آپ کی جان کی میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، داؤد علیہ السلام نے کہا کہ تو آج یہاں قیام کر، اور کل میں تجھ کو بھیج دوں گا،

اس دن اوریا یروشلیم میں رہا، اگلے روز داؤد علیہ السلام نے اس کو بلایا

---

[1] اوریا حضرت داؤد علیہ السلام کی فوج کا ایک جرنیل تھا، اور یوآب فوج کا سپہ سالار،

تاکہ اس کے سامنے کھائے پیئے، پھر اس کو شراب پلائی، یہاں تک کہ شام کا وقت گذر گیا، اور وہ اسی جگہ اپنے آقا کے غلاموں کے پاس سوگیا، اور اپنے گھر نہ گیا، پھر جب صبح ہوگئی تو داؤد نے ایک خط یوآب کو لکھا، اور اوریا کے ہاتھ اس کو بھیجا، اور کہا کہ اوریا کو میدانِ جنگ کی اوّل صف میں بھیجو، اور لڑائی جب خوب گھمسان کی ہونے لگے تو لوٹ آؤ، اور اس کو اکیلا چھوڑ دو، تاکہ مارا جائے،

پھر جب یوآب نے شہر کا محاصرہ کیا تو اوریا کو اس جگہ رکھا، جہاں کی نسبت معلوم ہوا کہ بہادر لوگوں کا اجتماع ہے، چنانچہ بستی والے نکلے اور یوآب سے لڑائی شروع کردی. قوم کے بہت سے لوگ داؤدؑ کے غلام اور اوریا گر پڑے، اور اوریا مارا گیا، یوآب نے داؤد علیہ السلام کے پاس آدمی بھیجا، اور اطلاع دی کہ اوریا مارا گیا، اس کی بیوی نے جب سنا کہ اس کا انتقال ہوگیا، تو اس پر نوحہ کرنے لگی، پھر جب نوحہ کے دن ختم ہوگئے تو داؤد علیہ السلام نے اس کو بلوا کر اپنے گھر رکھ لیا، اور وہ اس کی بیوی بن گئی، اس سے ایک لڑکا بھی جنا، اور یہ حرکت بہت ہی بُری ہوئی جو داؤد علیہ السلام نے خدا کے سامنے کی، کتاب سموئیل دوم باب ۱۲ آیت ۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناتن پیغمبر کی معرفت حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا کہ:

"تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کرکے اس کے حضور بدی کی ؟ تو نے حتی اوریا کو تلوار سے مارا، اور اس کی بیوی لے لی، تاکہ وہ تیری بیوی بنے. اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا "

پھر آیت ۱۴ میں ہے:

"تو بھی چونکہ تو نے اس کام سے خدا کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے"

اس لئے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائے گا "

غور فرمائیے ! اس واقعہ میں داؤد علیہ السلام سے مسلسل آٹھ جرائم کا ارتکاب ہوا :

اوّل تو یہ کہ انھوں نے ایک اجنبی اور نامحرم عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ "جو شخص شہوت کی نگاہ سے کسی عورت کو دیکھتا ہے تو گویا اس نے اپنے قلب سے زنا کا ارتکاب کر لیا " جس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے ،

دوسرے یہ کہ انھوں نے صرف شہوت سے دیکھنے پر اکتفا ، نہیں کیا ، بلکہ اس کو بلایا اور اس کے ساتھ زنا کیا ، حالانکہ زنا کی حرمت قطعی ہے ، اور احکام عشرہ میں سے ہے ، چنانچہ خدا نے توریت میں فرمایا کہ ، تو زنا مت کر "

تیسرے یہ کہ زنا بھی پڑوسی کی بیوی سے کیا ، جو زنا کی شدید اور سنگین قسم ہے اور خود ایک مستقل دوسرا گناہ ہے ،

چوتھے یہ کہ حدِ زنا نہ اپنے اوپر جاری کی ، اور نہ اس عورت پر ، حالانکہ سفر احبار کے باب ۲۰ آیت ۱۰ میں یوں لکھا ہے کہ "اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں " اور کتاب استثناء باب ۲۲ آیت ۲۲ میں ہے : "اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں " یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی ، اور وہ عورت بھی ، یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا "

پانچویں یہ کہ داؤد علیہ السلام نے اوریا کو لشکر سے بلایا اور اس کو گھر جانے کا حکم دیا، اور بڑی غرض داؤدؑ کی یہ تھی کہ اس طرح اس کو بھیج کر اپنے عیب پر پردہ ڈالے، اور یہ حمل اوریا کی جانب منسوب ہو جائے، اور جب وہ اپنی دینداری کی وجہ سے نہ گیا، اور قسم کھا بیٹھا کہ میں نہیں جاؤں گا، تو اس کو داؤدؑ نے دوسرے روز بھی ٹھہرایا، اور اس کو بہت سی شراب پلا کر بدمست کر دیا، تاکہ خمار کی حالت میں گھر چلا جائے، مگر وہ اس حالت میں بھی اپنی دینداری میں پختہ رہا، اور اپنی اس حسین بیوی کی جانب جو شرعاً و عقلاً اس کے لئے جائز اور حلال تھی، قطعی متوجہ نہ ہوا، اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے اہلِ کتاب کے یہاں عوام کی دینداری اور دیانتداری کا کہ ایک جائز کام کو محض دیانت کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، اور دوسری جانب اسرائیلی پیغمبروں کی بدکاریوں اور سیہ کاریوں کا یہ حال ہے کہ نہایت بے باکی سے اس گندگی میں ملوث ہوتے رہتے ہیں،

چھٹے یہ کہ جب داؤد علیہ السلام کا مقصود اوریا کو شراب پلانے اور بدمست کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا تو اس کے قتل کا ارادہ کیا، اور بنی عمون کی تلوار سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، حالانکہ کتاب خروج کے باب ۲۳ آیت ۷ میں یوں ہے کہ: "بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا"

ساتویں یہ کہ داؤد علیہ السلام پھر بھی اپنی غلطی پر متنبہ نہیں ہوئے، اور اس وقت تک توبہ نہیں کی جب تک ناتن پیغمبر نے ان کو ملامت نہیں کی،

آٹھویں یہ کہ خدا کا حکم داؤد کو پہنچ چکا تھا کہ یہ لڑکا مرے گا جو زنا سے پیدا ہوا ہے، اس کے باوجود انھوں نے اس کی سلامتی کے لئے نہ صرف دعا مانگی بلکہ روزہ بھی رکھا اور زمین پر سوئے،

پچیسواں الزام

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۳ میں یہ لکھا ہے کہ داؤدؑ کے بڑے صاحبزادے امنون نے تمر سے زبردستی زنا کیا، پھر اس سے کہا کہ نکل جا! اور جب اس نے نکلنے سے انکار کیا تو اپنے نوکر کو حکم دیا، اس نے اس کو نکال کر دروازہ بند کر لیا، وہ چیختی چلاتی ہوئی نکلی، داؤد علیہ السلام نے یہ تمام باتیں سنیں، اوران کو گراں معلوم ہوئیں۔ مگر پدری محبت کی وجہ سے انھوں نے بیٹے کو کچھ بھی نہ کہا، اور نہ تمر ہی کو کچھ کہا، حالانکہ یہ تمر ابی سلوم بن داؤد کی بہن تھی، اسی لئے ابی سلوم امنون کا دشمن ہوگیا، اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ اور جب اس کو موقع ملا اس نے اس کو قتل کر ڈالا،

ابی سلوم کا زنا الزام نمبر ۲۶

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۶ آیت ۲۲ میں ہے:

"سو انھوں نے محل کی چھت پر ابی سلوم کے لئے ایک تنبو کھڑا کر دیا۔ اور ابی سلوم سب بنی اسرائیل کے سامنے اپنے باپ کی حرموں کے پاس گیا"

اس کے بعد باب ۱۸ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابی سلوم نے اس حرکت کے بعد اپنے والد حضرت داؤدؑ کے ساتھ جنگ کی، اور اس جنگ میں بیس ہزار بنی اسرائیل قتل ہوتے،

لیجئے! داؤدؑ کا یہ بیٹا یعقوبؑ کے بڑے بیٹے روبن سے بھی تین وجوہات سے بازی لے گیا:

اوّل یہ کہ اس نے باپ کی تمام بیویوں سے زنا کیا، بخلاف روبن کے کہ اس نے باپ کی صرف ایک ہی بیوی سے زنا کیا تھا،

دوؔم یہ کہ اس نے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں علانیہ زنا کیا، جبکہ رؤبن نے پوشیدہ طور پر کیا تھا۔

سوؔم یہ کہ اس نے اپنے باپ کا مقابلہ کیا، اور لڑائی کی یہاں تک کہ بیس ہزار اسرائیلی مارے گئے، حالانکہ داؤد علیہ السلام نے اس ناخلف اور بدکار لڑکے کی ان بدکاریوں کے باوجود امراء لشکر کو حکم دیا تھا، کہ اس کو جان سے نہ مارا جائے[۱]، مگر یوآب نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی، اور اس ناخلف لڑکے کو قتل کر ڈالا، پھر جب داؤد علیہ السلام نے سُنا تو دھاڑیں مار کر اس کو خوب روئے اور بہت غمگین ہوئے[۲]،

ہم کو تو ان واقعات پر کچھ بھی تعجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس قسم کے واقعات اگر انبیاءؑ کی اولاد سے بلکہ خود انبیاء سے بھی صادر ہوں تو کتب مقدسہ کے فیصلہ کے بموجب اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہے، البتہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق ابی سلوم کا اپنے باپ کی تمام بیویوں سے زنا کرنا خدائی عدل کے عین مطابق تھا، اور درحقیقت خدا ہی نے اس کے جذبات برانگیختہ کر کے اُسے اس فعلِ بد پر آمادہ کیا تھا، اس لئے کہ کتاب سموئیل دوم ہی کے باب ۱۲

[۱] "اور بادشاہ نے یوآب اور ابیشے اور اتی کو فرمایا کہ میری خاطر اس جوان ابی سلوم کے ساتھ نرمی سے پیش آنا" (۲-سموئیل ۱۸: ۵)

[۲] تب بادشاہ بہت بے چین ہوگیا، اور اس کوٹھڑی کی طرف جو پھاٹک کے اوپر تھی روتا ہوا چلا اور چلتے چلتے یوں کہتا جاتا تھا ہائے میرے بیٹے ابی سلوم! میرے بیٹے! میرے بیٹے ابی سلوم! کاش! میں تیرے بدلے مرجاتا! اے ابی سلوم! میرے بیٹے! اے میرے بیٹے! (۲-سموئیل ۱۸: ۳۳)

میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب داؤد علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ناتن نبی کی معرفت ان سے اسی بات پر تنبیہ کی تھی، ملاحظہ ہو:

"سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا، اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا، اور وہ دن دھاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گا، کیونکہ تو نے چھپ کر یہ کیا، پر میں اسرائیل کے روبرو دن دہاڑے یہ کروں گا"

(آیات ۱۱ و ۱۲)

حضرت سلیمانؑ کی فحاشی اور بت پرستی، الزام نمبر ۲۷

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۱ آیت ۱ میں ہے:

"اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمّونی، ادومی، صیدانی، اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا، یہ اُن قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ ... نہ جانا، اور نہ وہ تمھارے بیچ آئیں، کیونکہ وہ ضرور تمھارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلیں گی، سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا، اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں، اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کرلیا، اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا، کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی

عستارات[1] اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا، اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی، اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی، جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی،

پھر سلیمان نے موآبیوں کے نفرتی مکوس کے لئے اس پہاڑ پر جو یروشلیم کے سامنے ہے، اور بنی عمون کے نفرتی مولک کے لئے بلند مقام بنا دیا، اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گذرانتی تھیں،

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا، کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا، جس نے اسے دو بارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے، پر اس نے وہ بات نہ مانی، جس کا حکم خداوند نے دیا تھا، اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا، چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا، اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا، اس لئے میں ضرور (ٹکڑے[2] ٹکڑے کر کے) تیرے خادم کو دیدوں گا۔" (آیات ۱ تا ۱۱)

ملاحظہ کیجئے! سلیمان علیہ السلام سے پانچ خطاؤں کا صدور ظاہر ہو رہا ہے، اوّل: جو سب سے بڑی خطاء ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی آخری عمر میں جو عام طور پر

---

[1] عستارات، ملکوم، مکوس اور مولک اُن بتوں کے نام ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں مختلف اقوام نے بنا رکھے تھے،

[2] موجودہ ترجمہ میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "تجھ سے چھین کر"

اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا زمانہ ہوتا ہے، مرتد ہو جاتے ہیں، اور موسوی شریعت میں مرتد کی سزا سنگساری ہے، چاہے اس کا ارتکاب کسی صاحبِ معجزات پیغمبر ہی سے کیوں نہ ہوا ہو، جس کی تصریح کتاب استثناء کے باب نمبر ۱۳ و ۱۷ میں موجود ہے، توریت کے کسی مقام سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی، کہ مرتد کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، اور اگر مرتد کی توبہ قبول ہونا ممکن ہوسکتا... تو پھر موسیٰ علیہ السلام گوسالہ پرستوں کے قتل کا حکم نہ دیتے جس میں تئیس ہزار جانیں چلی گئی تھیں،

دوسرے سلیمان علیہ السلام نے بتوں کے لئے بڑے بڑے بت خانے یروشلیم کے سامنے پہاڑ پر بنوائے جو دو سو سال تک باقی رہے، یہاں تک کہ یوسیاہ بن آمون شاہ یہودا نے اپنے دورِ سلطنت میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کے ۳۳۰ سال کے بعد ان بت خانوں کو گندہ کر کے بتوں کو توڑ ڈالا، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب ۲۳ میں موجود ہے،

تیسرے یہ کہ سلیمانؑ نے ان قبیلوں کی لڑکیوں سے شادی کی جن کے ساتھ تعلق رکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا، استثناء کے باب میں ہے کہ:

"تو اُن[1] سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ اُن پر رحم کرنا، تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا، نہ اُن کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا، اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان سے بیٹیاں لینا؛

چوتھے یہ کہ سلیمانؑ نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا، حالانکہ بنی اسرائیل

---

[1] یہ حکم حتیوں، جرجاسیوں، اموریوں، کنعانیوں، فرزیوں، حویوں، اور یبوسیوں کے بارے میں ہے، دیکھئے استثناء ۷: ۱ تا ۴،

کے بادشاہ کے لئے زیادہ شادیاں کرنا ممنوع تھا کتاب استثناء کے باب ۱۷ آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"وہ بہت سی بیویاں بھی نہ رکھے تا نہ ہو کہ اس کا دل پھر جائے"

پانچویں یہ کہ سلیمانؑ کی بیویاں بتوں پر خوشبوئیں لگاتیں اور اُن کے لئے قربانی کیا کرتی تھیں، حالانکہ کتاب خروج باب ۲۲ میں تصریح ہے کہ: "جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے، وہ بالکل نابود کر دیا جائے"[1] لہٰذا ان عورتوں کا قتل واجب تھا، نیز انھوں نے سلیمانؑ کے دل کو گمراہ کیا، اس لئے ان کو سنگسار کرنا ضروری تھا، جس کی تصریح کتاب استثناء باب ۱۳ میں موجود ہے[2] حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے اُن عورتوں پر تاحیات کوئی سزا جاری نہیں کی، پھر تعجب ہے کہ داؤدؑ و سلیمانؑ نے توریت کی مقرر کردہ سزائیں نہ اپنے اوپر جاری کیں، نہ اپنے گھر والوں پر، اس سے زیادہ بڑھ کر اور کیا مداہنت ہو سکتی ہے؟ کیا یہ تمام سزائیں خدائے تعالیٰ نے صرف غریب مفلس لوگوں پر جاری کرنے کے لئے مقرر کی تھیں؟ نیز عہد عتیق کے کسی مقام سے سلیمانؑ کا توبہ کرنا ثابت نہیں، بلکہ بظاہر توبہ نہ کرنا مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ توبہ کرتے تو سب سے پہلے اپنے بنائے ہوئے بت خانے گرا تے، اور اُن بتوں کو توڑتے جن کو بت خانوں کی زینت بنا رکھا تھا، اور اُن عورتوں کو سنگسار کرتے جنھوں نے گمراہ کیا تھا، گو پھر بھی توبہ قبول ہونے کے لائق نہیں ہو سکتی، کیونکہ توریت میں مرتد کی

---

[1] خروج ۲۲: ۲۰،
[2] آیات ۶ تا ۱۰،

سزا سنگساری کے سوا کچھ نہیں ہے[1]، مصنف میزان الحق، کتاب طریق الحیاۃ

[1] میں نے ایک عیسائی عالم سے ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بائبل کے ان الزامات کا ذکر کیا، اور کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے کبیرہ گناہوں کا صدور تو آپ کے نزدیک ممکن ہے لیکن کیا نبی کے مرتد ہو جانے کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں؟

اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ نہیں! ہم نبی سے شرک کا صدور ممکن نہیں سمجھتے، میں نے اس پر حضرت سلیمانؑ کے اس قصہ کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ درحقیقت سلیمان ہمارے نزدیک پیغمبر ہی نہ تھے، وہ تو ایک بادشاہ تھے، اور بہت سے بادشاہ مرتد ہو جاتے ہیں لیکن ان کا یہ جواب بائبل سے ناواقفیت کی دلیل تھی، اس لئے کہ بائبل سے حضرت سلیمانؑ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے، اوّل تو اس لئے کہ بائبل کے مجموعۂ کتب میں سے کم از کم کتاب امثال باتفاقِ نصاریٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور دوسری طرف عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بائبل کی تمام کتابیں صاحبِ الہام اشخاص کی لکھی ہوئی ہیں، دوسرے بائبل کے متعدد مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر وحی نازل ہوتی تھی، مثلاً کتاب سلاطین اوّل میں ہے:

"اور خداوند کا کلام سلیمانؑ پر نازل ہوا کہ یہ گھر جو تو بناتا ہے، سو اگر تو میرے آئین پر چلے الخ" (۱- سلاطین ۶: ۱۱)

اس کے علاوہ جب جبعون کے مقام پر حضرت سلیمانؑ کو خواب میں خدا نظر آیا تھا تو اس نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ:

"میں نے ایک عاقل اور سمجھنے والا دل تجھ کو بخشا، ایسا کہ تیری مانند نہ تو کوئی تجھ سے پہلے ہوا اور نہ کوئی تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا" (۱- سلاطین ۳: ۱۲)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ آخر تک نیک رہیں گے اور کوئی ان کی طرح صاحبِ عقل وخرد اور صاحبِ دل نہ ہوگا،

بات دراصل یہ ہے کہ عیسائی حضرات کو یہ بھی منظور ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو مرتد

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مطبوعہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۵۵ پر یہ دعویٰ کرنا کہ سلیمانؑ اور آدمؑ نے توبہ کی تھی محض جھوٹا دعویٰ ہے

اٹھائیسواں الزام ^۲۸ کتاب کے مقدمہ کے نمبر ۷ میں یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ وہ نبی جو بیت ایل میں تھا، اس نے وحی کے پہونچانے میں کذب بیانی کی، اور اللہ کے مسکین بندے کو دھوکہ دیا، اور اس کو غضبِ خداوندی میں ڈال دیا، اور ہلاک کر ڈالا۔[۵۲]

انتیسواں الزام ^۲۹ کتاب سموئیل اول باب ۱۰ میں اسرائیل کے خون ریز اور ظالم بادشاہ ساؤل کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"اور جب وہ ادھر اس پہاڑ کے پاس آئے تو نبیوں کی ایک جماعت اس کو ملی اور خدا کی رُوح اس پر زور سے نازل ہوئی، اور وہ بھی ان کے درمیان نبوت کرنے لگا، اور خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی، اور ایسا ہوا کہ جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فاسق نہیں بلکہ کافر اور مرتد تک قرار دیدیں، اور یہ بھی منظور ہے کہ کسی نبی کی نبوت سے بلا دلیل انکار کر دیں، لیکن یہ منظور نہیں کہ وہ ایک مرتبہ جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ بائبل ناقابلِ اعتماد ہے، اور اس میں بیان کیا ہوا یہ قصہ سراسر من گھڑت ہے، حق کو واشگاف کرنے کا یہ منصب تو درحقیقت قرآن کریم کا ہے، جس نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ پورا قصہ حضرت سلیمانؑ پر ایک شرمناک تہمت ہے، اور

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا (بقرہ ۱۰۲)	"سلیمان کافر نہیں ہوا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا"

[۵۱] مطلب یہ ہے کہ بائبل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،

[۵۲] دیکھئے صفحہ ۲۵۳ جلد اول،

اُس کے اگلے جان پہچانوں..... نے یہ دیکھا کہ وہ نبیوں کے درمیان نبوت کر رہا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے قیس کے بیٹے کو کیا ہو گیا؟ کیا ساؤل بھی نبیوں میں شامل ہے؟ اور وہاں کے ایک آدمی نے جواب دیا کہ بھلا ان کا باپ کون ہے؟ تب ہی سے یہ مثل چلی، کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟ اور جب وہ نبوت کر چکا تو اونچے مقام میں آیا " (آیات ۱۰ تا ۱۲)

اور سموئیل اوّل باب ۱۱ آیت ۶ میں ہے:

"جب ساؤل نے یہ باتیں سُنیں تو خدا کی رُوح اس پر زور سے نازل ہوئی اور اس کا غصّہ نہایت بھڑکا "

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل روح القدس سے مستفیض تھا، اور زمانۂ آئندہ کی خبریں دیا کرتا تھا، لیکن پھر سفر مذکور باب ۱۶ میں لکھا ہے کہ:

"اور خداوند کی رُوح ساؤل سے جدا ہو گئی، اور خداوند کی طرف سے ایک بُری رُوح اُسے ستانے لگی [له]"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل کو مقام نبوّت سے معزول کر دیا گیا اور شیطانی رُوح اس پر مسلط ہو گئی، لیکن پھر کتاب مذکور باب ۱۹ آیت ۲۳ میں ہے:

"تب وہ اُدھر رامہ کے نیوت کی طرف چلا اور خدا کی روح اس پر بھی نازل ہوئی، اور وہ چلتے چلتے نبوّت کرتا ہوا رامہ کے نیوت میں پہنچا، اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتارے، اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوّت کرنے لگا، اور وہ سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا، اس لئے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟ "

له آیت ۱۴

دیکھئے! یہ نبی جسے نبوت کے مقام سے معزول کر دیا گیا تھا اس کو یہ جلیل القدر منصب دوبارہ حاصل ہوگیا، اور روح القدس اس پر اس قدر قوت کے ساتھ نازل ہوئی کہ کپڑے اتار کر بالکل ہی ننگا ہوگیا، اور ایک رات دن اسی حالت میں ننگ دھڑنگ پڑا رہا، یہ پیغمبر صاحب بھی جن میں روحِ شیطانی اور روحِ رحمانی دونوں کا حسین امتزاج تھا، پورے عجائب خانہ تھے، جو صاحب چاہیں ان کے ظلم وسفاکی کے حالات اسی کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں،

یہوداہ کی چوری الزام نمبر ۳

یہوداہ اسکریوتی بھی ایک حواری تھا، اور روح القدس سے مستفیض ہونے والا اور صاحب کرامات شخص تھا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۱۰ میں ہے،[1] اس نبی نے اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا، اور صرف تیس درہم کے لالچ میں عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں کے حوالے کر دیا، پھر ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۷ میں موجود ہے، اور اس کے حق میں یوحنا نے اپنی انجیل کے باب ۱۲ میں شہادت دی ہے کہ یہ شخص چور تھا، اور ایک تھیلا ساتھ رکھتا تھا، اور جمع شدہ مال لادے پھرتا تھا،[2] کیا ایسا جرائم پیشہ چور جس نے دین جیسی دولت کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا ہو وہ بھی کہیں نبی ہو سکتا ہے،

---

[1] "پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا، کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کریں" (متی ۱:۱۰) آگے ان بارہ حواریوں میں یہوداہ اسکریوتی کا نام بھی ہے،

[2] "اس لئے کہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس انکی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا" (یوحنا ۶:۱۲)

حواریوں کی بیوفائی
الزام نمبر ۳۱

وہ حواری حضرات جن کا درجہ عیسائیوں کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول اور تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی برتر ہے، اس رات کو جس میں یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا، ان کو تنہا دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر بھاگ گئے، غور کیجئے! کس قدر عظیم الشان جرم ہے؟ اور اگر عذر گناہ کے طور پر عیسائی یہ کہیں کہ اس حرکت کا صدور ان سے بزدلی کی بناء پر ہوا، جو ایک طبعی چیز اور غیر اختیاری امر ہے، تو جواباً ہم عرض کریں گے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ایک دوسری چیز ایسی موجود ہے جس میں ان کا یہ عذر کسی طور پر بھی نہیں چل سکتا، حالانکہ وہ کام بہت ہی سہل اور آسان تھا، وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس روز تمام رات بے چین رہے اور حواریوں سے فرمایا کہ میرا دل بہت غمگین ہے، اس لئے تم لوگ آج یہاں میرے پاس ٹھیرو، اور میرے ساتھ جاگو، پھر نماز کے لئے آگے بڑھے، پھر اُن کے پاس آئے تو ان کو سوتا ہوا پایا، اور پطرس سے فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی نہ کر سکتے تھے کہ میرے ساتھ ایک گھڑی بھر جاگو؟ اس لئے تم لوگ جاگو اور نماز پڑھو، پھر دوبارہ نماز کے لئے تشریف لے گئے، پھر آئے تو ان کو بدستور سوتا ہوا پایا، پھر ان کو چھوڑ کر چل دیئے، اور اپنے شاگردوں کے پاس پہونچے، اور ان سے کہا کہ تم لوگ سو جاؤ اور آرام کرو، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں موجود ہے[1]،

دیکھئے! اگر ان لوگوں کو ذرا بھی اپنے پیغمبر سے محبت ہوتی، تو ایسی حرکت

[1] آیات ۳۶ تا ۴۶،

نہیں کرسکتے تھے، کون نہیں جانتا کہ اگر دنیاداروں اور گنہگاروں کا کوئی مقتدا یا کوئی رشتہ دار بھی رات کو کسی بے چینی یا بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی فاسق و فاجر شخص کیوں نہ ہو اس رات سو نہیں سکتا،

پطرس کا جھوٹ الزام نمبر ۳۲،

پطرس حواری جو رئیس الحوارئین شمار کئے جاتے ہیں، اور فرقہ کیتھولک کے عقیدہ کی رُو سے عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہیں، اگرچہ وہ بھی دوسرے حواریوں کے ساتھ گذشتہ بیان کردہ وصف میں برابر کے شریک ہیں، مگر ان کو دوسرے حواریوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے، کہ یہودیوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرلیا، تو یہ دُور سے ان کے پیچھے کا تعاقب کرتے ہوئے سردار کاہن کے مکان تک گئے، اور مکان کے باہر بیٹھ گئے، ایک باندی یہ کہتی ہوئی آئی کہ تو بھی یسوع کا ساتھی معلوم ہوتا ہے، تو انھوں نے تمام مجمع کے سامنے انکار کیا، پھر اس باندی نے ان کو دوبارہ دیکھا، تو پھر ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے کہنے لگی کہ یہ شخص بھی مسیح ناصری کا ساتھی ہے، پطرس نے حلف سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو اس شخص کو جانتا بھی نہیں ہوں،

کچھ دیر کے بعد نگراں لوگ آئے انھوں نے بھی پطرس سے کہا کہ یقیناً تو بھی انہی لوگوں میں سے ہے، تب پطرس نے عیسیٰ علیہ السلام پر لعنت برسانی[1] شروع کی، اور قسم کھاکر کہا کہ میں اس شخص کو قطعی نہیں جانتا، اسی وقت ایک مرغا بولا تو پطرس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قول یاد آیا، کہ تو مرغ کی آواز سے قبل تین بار مجھ کو جاننے

---

[1] "اُس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا" (متی ۲۶: ۷۴)

سے انکار کرے گا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں موجود ہے، نیز عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کے حق میں یہ الفاظ استعمال کئے کہ:

"اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"

اس کی تصریح بھی انجیل متی کے باب ۱۶[1] میں موجود ہے، اور نصاریٰ کے مقدس پولس صاحب نے گلتیوں کے نام اپنے خط باب ۲ آیت ۱۱ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

"لیکن جب (پطرس[2]) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا، جب میں نے دیکھا کہ وہ خوشخبری کی سچائی کے

---

[1] آیت ۲۳، مذکورہ اقتباس بعینہ بائبل کے الفاظ میں ہے،

[2] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، قدیم انگریزی ترجمہ اور جدید عربی ترجمہ میں بھی یہاں بعینہ یہی لفظ ہے، لیکن جدید اردو اور جدید انگریزی ترجمے، نیز کیتھولک بائبل میں یہاں پطرس کی بجائے کیفا کا لفظ لکھ دیا گیا ہے، اس آیت کے جدید شارحین بھی یہاں پطرس ہی کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور نسخوں کے کسی اختلاف کو ذکر نہیں کرتے، (دیکھئے آر، اے ناکس کی تفسیر عہد نامۂ جدید، ص ۲۱۸ ج ۲) لیکن چونکہ کیفا بھی پطرس ہی کا دوسرا نام ہے (دیکھئے گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳) اس لئے مقصد ایک ہی ہے،

موافق سیدھی چال نہیں چلتے تو میں نے سب کے سامنے (پطرس) سے کہا کہ
جب تو باوجود یہودی ہونے کے غیر قوموں کی طرح زندگی گذارتا ہے، نہ کہ
یہودیوں کی طرح، تو غیر قوموں کو یہودیوں کی طرح چلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟"

(آیات ۱۱ تا ۱۴)

اور پطرس عام طور سے گفتگو میں تمام حواریوں سے آگے رہتے تھے، مگر بعض اوقات ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا بات کریں؟ جس کی تصریح انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳۳ میں موجود ہے[1]، اور کتاب الثلاث عشرہ رسالہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء بیروت کے دوسرے رسالہ صفحہ ۶۰ میں ہے کہ:

"ایک پوپ کہتا ہے کہ وہ بہت سخت ظالم اور مخالفت میں شدید تھا۔"[2]

"...............................

نیز صفحہ ۱۶ پر ہے کہ:

"فم الذہب کہتا ہے کہ وہ بہت کمزور اور ناقص العقل تھا، اور سینٹ آگسٹائن پطرس کی نسبت بیان کرتا ہے کہ وہ کسی بات پر ثابت قدم

---

[1] لیکن وہ جانتا نہ تھا کہ کیا کہتا ہے۔" (لوقا ۹: ۳۳)

[2] اظہار الحق کے عربی نسخہ میں اس جگہ ایک عبارت ہے: "یوحنا فم الذہب مقالہ ۸۲ و ۸۳ فی متی"۔ (ص ۱۹۵ ج ۲) لیکن بظاہر اس عبارت میں طباعت کی کوئی غلطی ہوئی ہے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں بھی اس جملہ کا کوئی ترجمہ نہیں کیا گیا، کافی غور و خوض کے باوجود اس عبارت کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا، اس لئے یہاں سے اس جملے کے ترجمہ کو حذف کر کے نقطے ڈال دیئے گئے ہیں، تقی

نہ رہتا تھا، کیونکہ کبھی ایک بات پر یقین لاتا اور کبھی اس میں شک کرنے لگتا، کبھی اس کو یہ یقین ہو جاتا کہ مسیح مر چکے ہیں، اور کبھی ان کے مرنے کے تصور سے ڈرتا اور خوف کھاتا، مسیح بھی کبھی اس کی نسبت یوں فرماتے کہ تیرے لئے بشارت اور خوشخبری ہے، اور کبھی اس کو کہتے کہ اے شیطان "

ملاحظہ کیا آپ نے کہ یہ حواری جو عیسائیوں کے نزدیک موسیٰؑ اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی افضل ہے، اس کا یہ کچا چٹھا ہے تو "قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا"۔ بیچارے مفضولین کا کیا حال ہوگا ؟

کائفا کی غداری
الزام نمبر ۳۳

سردار کاہن کائفا بھی یوحنا کی شہادت کے مطابق نبی اور پیغمبر تھا، جیسا کہ انجیلِ یوحنا باب ۱۱ آیت ۵۱ (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء) میں اس کے متعلق یوحنا کا یہ قول مذکور ہے:

"مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی، کہ یسوعؑ اس قوم کے واسطے مرے گا"

اس عبارت میں "نبوت کی" کے الفاظ کائفا کے نبی ہونے پر دلالت کر رہے ہیں، لیکن اس نبی نے عیسیٰؑ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا، اور ان کے ساتھ کفر کیا، اور ان کی توہین کی تھی، اب اگر یہ افعال اور حرکتیں نبوت اور الہامِ الٰہی کے مطابق تھیں تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار و کفر واجب تھا، اور اگر یہ باتیں شیطانی وساوس کا نتیجہ تھیں تو اس سے بڑھ کر اور کونسا جرم ہو سکتا ہے ؟

اب ہم صرف اتنی ہی مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان جرائم

اور گناہوں کی تصریح دونوں عہد کی کتابوں میں موجود اور صاف مذکور ہیں، جب ایسے شدید معاصی اور گناہ بھی ان پیغمبروں کی پیغمبری اور نبوت کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے، تو پھر اُن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر معمولی معمولی باتوں پر اعتراض کرتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی؟

ان باتوں کو قارئین کے ذہن نشین کرنے کے بعد اب ہم عیسائیوں کے مطاعن اور اعتراضات کو لے کر ان کا جواب ذکر کرتے ہیں:

عیسائیوں کا اسلام پر پہلا اعتراض، جہاد کے حکم پر

یہ اعتراض اسلامی مسئلۂ جہاد سے متعلق ہے جو عیسائیوں کے خیال کے مطابق سب سے بڑا اعتراض ہے، جس کو یہ لوگ اپنے رسائل اور کتابوں میں عجیب و غریب عنوان اور اسلوب سے بیان کرتے رہتے ہیں، جس کا منشاء خالص عناد اور بغض ہے، جو اُن کو اسلام اور تعلیماتِ اسلامی کے ساتھ چلا آتا ہے، اس اعتراض کے جواب سے قبل بطور تمہید ہم پانچ ضروری امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں،

پانچ بنیادی باتیں

پہلی بات؛

خدا تعالیٰ کو کفر قطعی ناپسند ہے، جس کی سزا آخرت میں یقینی اور قطعی ہے، بالکل اسی طرح وہ نافرمانی اور گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے، کبھی کبھی کافروں اور نافرمانوں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے، چنانچہ کبھی تو اس نے عمومی طوفان کے ذریعہ کافروں کو سزا دی، جس کی مثال عہدِ نوح کا مشہور طوفان ہے،

جس کے نتیجہ میں کشتیِ نوحؑ میں سوار ہونے والوں کے سوا ہر جاندار کو ہلاک کر ڈالا، اور کبھی خصوصی طور پر کسی جماعت کو ڈبو کر سزا دیتا ہے، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا گیا، اور کبھی اچانک اور ایک دم بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے، مثلاً مصر کے تمام انسانوں اور جانوروں کی بڑی اولاد کو اس ایک رات میں ہلاک کر دیا جس میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے، یہ واقعہ سفر خروج باب ۱۲ میں موجود ہے،

اور کبھی آسمان سے گندھک اور آگ برسا کر اور بستیوں کو اُلٹ کر ہلاک کیا گیا، جس کی مثال عہد لوطؑ کا واقعہ ہے، جس میں سدوم اور عمورہ کی بستیوں اور ان کے قریبی علاقوں پر گندھک اور آگ برسا کر بستیوں کو اُلٹ دیا گیا، اور کبھی امراض اور بیماریوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، جس کی مثال قوم اشدودیین[1] ہی، جن کو بواسیر کے مرض میں مبتلا کر کے ختم کر ڈالا، جس کا قصہ کتاب سموئیل اول باب ۵ میں موجود ہے، کبھی کسی فرشتے کو بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا، جیسا کہ اسوریین لشکر پر ایک فرشتہ بھیج دیا، جس نے ایک رات میں ایک لاکھ پچاسی ہزار انسانوں کو ہلاک کر ڈالا، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب ۱۹ میں موجود[2] ہے، اور کبھی پیغمبروں اور اُن کو ماننے والی جماعت کے جہاد کی شکل میں ان کو ہلاک کر دیا، جس کی تفصیل نمبر ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گی،

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۲۰۴ جلد ہذا اور اس کا حاشیہ،

[2] "سو اُسی رات کو خداوند کے فرشتہ نے نکل کر اسور کی لشکرگاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی مار ڈالے، اور صبح کو جب لوگ سویرے اُٹھے تو دیکھا کہ وہ سب مرے پڑے ہیں" (۲-سلاطین ۱۹ : ۳۵)

اسی طرح گنہگاروں اور نافرمانوں کو کبھی کبھی زمین میں دھنسا کر یا آگ میں جلا کر فنا کر دیا گیا، مثلاً جب قورح، داتن اور ابیرام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو زمین شق ہوئی، اور ان تینوں کو، ان کی عورتوں، بچوں اور مال و اسباب سمیت نگل گئی، پھر ایک آگ آئی جو ڈھائی سو انسانوں کو بھسم کر گئی، اس کا پورا واقعہ کتاب گنتی باب ۱۶ میں موجود ہے،

اسی طرح کبھی اچانک اور بیخبری میں ہلاک کر دیا جاتا ہے، مثلاً چودہ ہزار سات سو آدمیوں کو اس وقت ہلاک کر دیا جبکہ انھوں نے قورح وغیرہ کی ہلاکت کے اگلے روز مخالفت پر کمر باندھی تھی، اور اگر اتفاق سے ہارون علیہ السلام مُردوں اور زندوں کے درمیان کھڑے ہو کر زندوں کی معافی اور مغفرت کی درخواست نہ کرتے تو اس روز غضبِ خداوندی کے نتیجہ میں پوری قوم ہلاک ہو جاتی، جس کی تصریح اسی باب میں موجود ہے، یا جس طرح بیت الشمس کے باشندوں میں پچاس ہزار ستر افراد کو اس بنا پر ہلاک کر ڈالا، کہ انھوں نے صندوق شہادت کو جھانک کر دیکھ لیا تھا جس کی تصریح کتاب سموئیل اوّل باب ۶ میں موجود[1] ہے،

اور کبھی موذی سانپوں اور اژدہوں کے ذریعہ ہلاک کر دیا، جیسا کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ مخالفت کی تھی، تو خدا نے اُن پر

---

[1] "اور اس نے بیت شمس کے لوگوں کو مارا، اس لئے کہ انھوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا، سو اس نے ان کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے" (۱۔سمو ۶: ۱۹)
مزید دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۶۸ ج دوم،

موذی اژدہے بھیجدیئے، جنھوں نے ان کو ڈسنا اور کاٹنا شروع کردیا جس سے بے شمار آدمی مارے گئے، جس کی تصریح کتاب گنتی باب ۲۴ میں ہے، اور کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہلاک کردیا گیا، جیساکہ ایک ہی روز میں ستر ہزار آدمی مار ڈالے، حالانکہ جرم صرف یہ تھا کہ حضرت داؤدؑ نے مردم شماری کی تھی، جس کی تصریح سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ میں کی گئی،

اور گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کافروں یا عاصیوں کو دنیا میں سزا نہیں دی جاتی، کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ حواری حضرات عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق موسیٰؑ اور تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بلکہ صندوقِ شہادت سے بھی زیادہ افضل تھے، اور مسیحی حضرات کے نزدیک اُن کا قاتل عہدِ نوحؑ و لوطؑ و موسیٰ علیہم السلام کے کافروں سے زیادہ بدتر ہے، ادھر شہنشاہِ روم نیرو نے جو ظالم اور مشرک تھا، پطرس اور اس کی بیوی کو، نیز پولس اور بہت سے عیسائیوں کو شدید طور پر قتل کیا، اور یہی حرکت حواریوں کے منکروں نے کی، مگر خدا نے نہ تو ان کو ڈبویا، اور نہ گندھک اور آگ برسائی، نہ بستیوں کو اُلٹا، نہ اُن کی بڑی اولاد کو قتل کیا، اور نہ ہی بیماریوں میں مبتلا کیا، نہ فرشتہ یا موذی جانوروں کے ذریعہ ان کو ہلاک کیا،

دُوسری بات؛

گذشتہ پیغمبروں نے بھی کافروں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اور ان کے اموال کو لُوٹا ہے، اور یہ چیزیں شریعتِ محمدیہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں، یہ بات اُس شخص پر مخفی نہیں ہوسکتی جس نے دونوں عہد کی

کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، گو اس کی مثالیں اور شواہد بکثرت ہیں، مگر ہم نمونہ کے طور پر چند کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں؛

دوسری شریعتوں میں جہاد کی پہلی مثال؛

کتاب استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا، اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے، تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا، اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کرڈالنا، لیکن عورتوں، اور بال بچوں اور چوپاؤں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اُس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو، کھانا، ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دُور ہیں، اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، پر اُن قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے، کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتّی اور اموری اور کنعانی اور فرزّی اور حوّی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کردینا۔" (آیات ۱۰ تا ۱۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے چھ قبائل یعنی حتّی، اموری، کنعانی، فرزّی، حوّی اور یبوسی لوگوں کے حق میں یہ حکم دیا تھا کہ ان میں سے

ہر جاندار کو تلوار کی دھار سے قتل کیا جائے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے،

ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ پہلے ان کو صلح کی دعوت دی جائے، پھر اگر وہ قبول کرلیں اور اطاعت قبول کریں اور جزیہ ادا کرنا منظور کریں تو بہتر ہے، اور اگر وہ تیار نہ ہوں اور لڑائی کریں تو ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد اُن کے مردوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اور ان کے جانوروں اور اموال کو لُوٹ لیا جائے، اور مجاہدین پر تقسیم کردیا جائے اور یہی معاملہ ان بستیوں کے ساتھ کیا جائے جو ان مذکورہ چھ قبائل سے دور واقع ہوں

صرف اکیلی یہ ایک ہی عبارت عیسائیوں کے تمام واہیات اعتراضات کے جواب میں کافی وشافی ہے، علماءِ اسلام نے، متقدمین نے بھی اور پچھلوں نے بھی اس عبارت کو عیسائیوں کے مقابلہ میں نقل کیا ہے، مگر عیسائی ہمیشہ اس کے جواب سے ایسے خاموش رہتے ہیں گویا انھوں نے مخالف کے کلام میں اس عبارت کو دیکھا ہی نہیں، اور اس کا جواب ہی نہیں دیتے، نہ اقرار کے ساتھ نہ تاویل کی صورت میں،

دوسری مثال؛

کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۳ میں ہے:

"اس لئے کہ میرا فرشتہ تیرے آگے آگے چلے گا، اور تجھے اموریوں اور حتیوں اور فرزیوں اور کنعانیوں اور حویوں اور یبوسیوں میں پہنچا دے گا، اور میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا، تو ان کے معبودوں کو سجدہ نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا، نہ اُن کے سے کام کرنا، بلکہ تو ان کو بالکل اُلٹ دینا، اور ان کے ستونوں

کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا" (آیات ۲۳ و ۲۴)

تیسری مثال:

کتاب خروج باب ۳۴ آیت ۱۲ میں انہی چھ قوموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ باندھنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لئے پھندا ٹھہرے، بلکہ تو اُن کی قربانگاہوں کو ڈھا دینا، اور اُن کے (ستونوں[1]) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور انکی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا"

چوتھی مثال:

کتاب گنتی باب ۳۳ آیت ۵۱ میں ہے:

"بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یردن کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو (وہاں[2] سے نکال دینا) اور ان کے شبیہ دار پتھروں کو اور اُن کے ڈھلے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے (سب[3] اونچے مقاموں) کو مسمار کر دینا"

آگے آیت ۵۵ میں ہے:

[1] یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے، اظہار الحق میں یہاں "اصنام" کا لفظ ہے، مثال نمبر ۵ میں استثناء کی جو عبارت آرہی ہے اس میں بھی یہی صورت ہے،

[2] اظہار الحق میں اس کی جگہ "ہلاک کر دینا" لکھا ہے، کیتھولک بائبل بھی اس کے مطابق ہے، آیت ۵۵ میں بھی ایسا ہی ہے،

[3] اظہار الحق میں مذابح (قربان گاہوں) کا لفظ ہے،

"لیکن اگر تم اس ملک کے باشندوں کو اپنے آگے سے دور نہ کرو) تو جن کو تم باقی رہنے دوگے وہ تمھاری آنکھوں میں خار اور تمھارے پہلو میں (کانٹے[1]) ہونگے اور اُس ملک میں جہاں تم بسوگے تم کو دق کریں گے، اور آخر کو یوں ہوگا کہ جیسا میں نے ان کے ساتھ کرنے ارادہ کیا ویسا ہی تم سے کروں گا"

(آیات ۵۵ و ۵۶)

پانچویں مثال؛

کتاب استثناء باب آیت ا میں ہے:

"جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لئے تو جا رہا ہے پہنچا دے، اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں (نکال دے[2]) اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو اُن کو مار لے تو تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ اُن پر رحم کرنا بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا، ان کے (ستونوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا، اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دینا"

(آیات ا تا ۵)

---

[1] اظہار الحق: "نیزے"

[2] اظہار الحق: "هلاک کردے"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سات قوموں کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ ان کے ہر جاندار کو قتل کیا جائے، اور قطعی اُن پر رحم نہ کیا جائے، نہ ان سے کوئی معاہدہ کیا جائے، ان کے مذبح خانوں کو برباد اور بتوں کو توڑ دیا جائے، اور ربتوں کو آگ لگا دی جائے، عبادتوں کو موقوف کیا جائے، اور اُن کی بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم ان کو ہلاک نہیں کرو گے تو میں پھر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو اُن کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا تھا، ان سات اقوام کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ "جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں" ادھر کتاب گنتی کے باب میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی تعداد جو لڑنے کے لائق اور بیس سال یا اس سے زیادہ عمر تک کے تھے چھ لاکھ تین ہزار پانسو پچاس[1] تھی، اور لاوی کی اولاد مرد ہوں یا عورت اسی طرح باقی گیارہ خاندان کے لوگ اور وہ مرد جن کی بیس سال سے کم عمر تھی وہ اس شمار سے خارج ہیں، اس لئے اگر ہم تمام بنی اسرائیل کی تعداد کو ملحوظ رکھیں اور متروک مردوں عورتوں کو بھی شمار کئے گئے افراد کے ساتھ شامل کرلیں تو پچیس لاکھ یعنی ڈھائی ملین سے کسی حال میں کم نہیں ہوں گے، اور یہ سات قومیں جب تعداد میں بھی ان سے زیادہ اور قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے تو یقیناً ان کی تعداد بنی اسرائیل کے شمار سے زیادہ ہوگی،

[1] "بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچسو پچاس تھا" (گنتی ۱: ۴۵)

ڈاکٹر کیتھ نے انگریزی زبان میں ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں ان پیشینگوئیوں کی سچائی کا بیان ہے، جو کتب مقدسہ میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی نسبت کی گئی ہیں، جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں ... کشف الاستار فی قصص انبیاء بنی اسرائیل کے نام سے کیا ہے، یہ ترجمہ ایڈنبرگ میں ۱۸۴۶ء مطابق ۱۲۶۲ھ میں چھپا ہے، اس ترجمہ کے صفحہ ۲۶ پر کہا گیا ہے کہ:

"قدیم کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی شہروں میں ہجرت سے ۵۵۰ سال قبل آٹھ کروڑ انسان آباد تھے، یعنی اسی ملین"

غالباً یہ تمام شہر عہد موسوی میں آباد اور بارونق اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ تھے اب خدا اسی ملین یا اس سے بھی بیشتر انسانوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے،

چھٹی مثال:

کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

"جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے"

ساتویں مثال:

جس شخص نے بھی کتاب استثناء باب ۱۳ کا مطالعہ کیا ہوگا، وہ خوب جانتا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والا خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے، اسی طرح بتوں کی پرستش کی دعوت دینے والے کو سنگسار کیا جانا ضروری ہے، خواہ وہ رشتہ دار یا کوئی دوست ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کسی بستی کے لوگ ایسا

کریں تو سب کے سب واجب القتل ہیں، یہاں تک کہ اُن کے جانور بھی ہتھیاروں کی دھاروں سے قتل کئے جائیں، اور بستی کو آگ لگادی جائے، اور اس کی املاک اموال کو بھی ایسا ڈھیر بنادیا جائے کہ پھر نہ بن سکے،

آٹھویں مثال؛

کتاب استثناء باب ۱۷ آیت ۲ میں ہے:

"اگر تیرے درمیان تیری بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو اور جاکر اور معبودوں کی، یا سورج یا چاند یا اجرام فلک میں سے کسی کی جس کا حکم میں نے تجھ کو نہیں دیا، پوجا اور پرستش کی ہو، اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے، اور تیرے سننے میں آئے تو تو جانفشانی سے تحقیقات کرنا، اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ اسرائیل میں ایسا مکروہ کام ہوا تو تو اس مرد یا اُس عورت کو جس نے یہ بُرا کام کیا ہو باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں"

نویں مثال؛

کتاب خروج باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے:

"اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا، اور یوں ہوگا کہ جب تم نکلوگے تو خالی ہاتھ نہ نکلوگے، بلکہ تمھاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی، ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے، اور

مصریوں کو لوٹ لوگے ۔ (آیات ۲۱ و ۲۲)

پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے:

"اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انھوں نے مانگا انھوں نے دیدیا، سو انھوں نے مصریوں کو لُوٹ لیا۔" (آیات ۳۵ و ۳۶)

اب جب کہ بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر تھی جتنی کہ گزشتہ مثال میں معلوم ہو چکی ہے، اور ان کے ہر مرد و عورت نے مصریوں سے مستعار چیزیں لیں، تو مستعار لی ہوئی اشیاء کی مقدار و تعداد کا شمار یقین احاطہ سے خارج ہے، جس طرح خدا نے ان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ تم مصر کو لوٹو گے، پھر دوبارہ خبر دی کہ مصریوں کو لُوٹا، مگر خدا نے لُوٹنے کے لئے مکاری اور فریب دہی کو جائز کر دیا، جو سراسر ظاہر میں غدر اور دھوکہ ہے،

دسویں مثال:

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۲۵ میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب موسیٰؑ نے دیکھا کہ لوگ (عریاں[1]) ہو گئے، کیونکہ ہارونؑ نے ان کو (ننگا کر کے[2]) ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان ذلیل کر دیا، تو موسیٰؑ نے

---

[1] موجودہ ترجمہ میں "بے قابو" کا لفظ ہے۔

[2] موجودہ ترجمہ "بے لگام چھوڑ کر"

لشکرگاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا جو جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آجائے، تب سب بنی لاوی اس کے پاس جمع ہو گئے، اور اس نے ان کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکرگاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو، اور بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً (تیئس ہزار) مرد کھیت آئے "

یاد رکھئے! کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۸ء جس سے میں نے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں "تیئس ہزار" ہی کا لفظ[1] ہے،

گیارہویں مثال:

کتاب گنتی باب ۲۵ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے جب موآب کی ..... بیٹیوں سے زنا کیا، اور ان کے بتوں کو سجدہ کیا، تو خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے چوبیس ہزار آدمی قتل کئے،

بارہویں مثال:

جس شخص نے کتاب گنتی باب ۳۱ کا مطالعہ کیا ہوگا، اس پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام نے فینحاس بن عاذار کے ہمراہ بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر اہل مدین سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا، پھر انھوں نے لڑ کر ان پر غلبہ حاصل

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں "تین ہزار" کا لفظ لکھدیا گیا ہے، البتہ کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں ابتک "تیئس ہزار" موجود ہے۔ مزید دیکھئے صفحہ ۲۶۷ جلد اوّل کا حاشیہ،

کرلیا، اور ان کے تمام مردوں کو، نیز پانچ بادشاہوں اور بلعام کو بھی قتل کیا، اور ان کی عورتوں، بچوں اور تمام جانوروں کو قید کیا، بستیوں اور شراب خانوں اور شہروں کو آگ لگا کر خاکستر کر ڈالا، پھر جب وہ واپس لوٹے تو موسیٰ علیہ السلام ان پر غضبناک ہوئے کہ تم نے عورتوں کو زندہ کیوں چھوڑا؟ پھر ہر نابالغ بچے اور ہر شادی شدہ عورت کے قتل کا حکم دیا، اور کنواریوں کے چھوڑنے کا، پھر انھوں نے حکم کے مطابق عمل کیا، صرف مالِ غنیمت سے حاصل ہونے والی بکریوں کی تعداد چھ لاکھ پچھتر ہزار تھی، نیز بہتر ہزار بیل، اکسٹھ ہزار گدھے، اور بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں، اور ہر مجاہد کو جانوروں اور انسانوں کے سوا وہ سب مال دیدیا گیا جو اُس نے لُوٹا تھا، جس کی مقدار اس باب میں کچھ واضح نہیں کیگئی اس کے علاوہ ہزاروں اور سینکڑوں کے افسران نے موسیٰ علیہ السلام اور عاذار کو جو سونا پیش کیا اس کی مقدار سولہ ہزار سات سو پچاس مثقال تھی، اور جب کہ صرف کنواری لڑکیوں کی تعداد بتیس ہزار تھی، تو مقتول مردوں کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ کس قدر ہوں گے؟ بوڑھے ہوں خواہ جوان، یا بچے اور شادی شدہ عورتیں،

تیرھویں مثال :

یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد توریت کے احکام پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں انسان قتل کئے، جو صاحب چاہیں کتاب یوشع کے باب سے ۱۱ تک مطالعہ فرمائیں، اور اپنی کتاب کے باب ۱۲ میں انھوں نے تصریح کی ہے کہ میں نے اکتیس سلاطین کفار کو قتل کیا ہے، جن کے ممالک پر

بنی اسرائیل قابض ہوتے،

چودہویں مثال :

کتاب قضاۃ کے باب ۱۵ میں شمسون کے حال میں یوں لکھا ہے کہ :

"اور اسے گدھے کے جبڑے کی نئی ہڈی مل گئی، سو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اُٹھا لیا، اور اس سے اس نے ایک ہزار آدمیوں کو مار ڈالا[1]"

پندرہویں مثال :

کتاب سموئیل اول باب ۲۷ آیت ۸ میں ہے :

"اور داؤد اور اس کے لوگوں نے جا کر جسوریوں اور جزریوں اور عمالیقیوں پر حملہ کیا، کیونکہ وہ شور کی راہ سے مصر کی حد تک اس سرزمین کے باشندے تھے، اور داؤد نے اس سرزمین کو تباہ کر ڈالا، اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا، اور ان کی بھیڑ، بکریاں اور بیل اور گدھے اور اونٹ اور کپڑے لے کر لوٹا اور اکیس کے پاس گیا"۔ (آیات ۸ و ۹)

ذرا داؤد علیہ السلام کی رحم دلی ملاحظہ کیجئے، کہ وہ ملکوں کو اُجاڑتے تھے، اور جسوریوں، جزریوں اور عمالیقیوں میں سے کسی کو انھوں نے زندہ سلامت نہیں چھوڑا، اور ان کے مویشیوں اور اسباب کو لوٹا۔

سولھویں مثال :

کتاب سموئیل ثانی باب ۸ آیت ۲ میں ہے :

"اور اس نے موآب کو مارا، اور ان کو زمین پر لٹا کر رسّی سے ناپا، سو اس نے

---

[1] قضاۃ ۱۵: ۱۵،

قتل کرنے کے لئے دَو رسیوں سے ناپا، اور جیتا چھوڑنے کے لئے ایک پوری رسّی سے، یوں موآبی داؤدؑ کے خادم بن کر ہدیئے لانے لگے، اور داؤد نے ضوباہ کے بادشاہ رحوب کے بیٹے ھددعزر کو بھی مار لیا؟ (آیات ۲ و ۳)

داؤد علیہ السلام کے کارنامے ملاحظہ کیجئے کہ موآبیوں اور ھددعزر اور اس کے لشکر نیز ارام کے لشکر کے ساتھ کس قدر رحم دلی کا معاملہ کیا،

سترہویں مثال:

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

"اور ارامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے، اور داؤد نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے، اور انکی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مرگیا"

اٹھارہویں مثال:

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۲۹ میں ہے:

"تب داؤد نے سب لوگوں کو جمع کیا، اور ربّہ کو گیا، اور اس سے لڑا اور اسے لے لیا اور اس نے انکے بادشاہ کا تاج اس کے سر پر سے اتار لیا، اس کا وزن سونے کا ایک قنطار تھا۔ اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے، سو وہ داؤد کے سر پر رکھا گیا، اور وہ اسی شہر سے لوٹ کا بہت سا مال نکال لایا، اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور اُن کو اینٹوں کے پزاوے میں سے چلوایا، اور اس نے بنی عمون کے سب شہروں سے ایسا ہی کیا، پھر

داؤد اور سب لوگ یروشلیم کو لوٹ آئے " (آیات ۲۹ تا ۳۱)

ہم نے یہ عبارت ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء سے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے[1]، اب دیکھئے کہ داؤد علیہ السلام نے کس بیدردی کے ساتھ اور کس بُرے طریق سے بنی عمون کو قتل کیا ہے ؟ اور ایسے دردناک زہرہ گداز مظالم کے ساتھ کہ جس سے زیادتی کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، تمام بستیوں کو ہلاک کر ڈالا۔

اُنیسویں مثال :

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیا علیہ السلام نے ایسے چار سو پچاس اشخاص کو جن کا دعویٰ تھا کہ وہ بعل کے فرستادہ نبی ہیں ذبح کر ڈالا تھا

بیسویں مثال :

جب چار بادشاہوں نے سدوم اور عمورہ کو فتح کیا، اور وہاں کے باشندوں کے تمام اموال لُوٹ لئے، اور لوط علیہ السلام کو قید کیا، اور ان کا مال بھی لُوٹا، اور یہ خبر ابراہیم علیہ السلام تک پہنچی تو اس حالت کو بیان کرتے ہوئے کتاب پیدائش باب ۱۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ :

"جب ابرام نے سُنا کہ اس کا بھائی گرفتار ہوا تو اس نے اپنے تین سو اٹھارہ مشاق خانہ زادوں کو لے کر دان تک ان کا تعاقب کیا، اور رات کو اس نے اور اس کے خادموں نے غول غول ہو کر ان پر دھاوا کیا، اور ان کو مارا اور خوبہ تک جو دمشق کے بائیں ہاتھ ہے ان کا پیچھا کیا، اور وہ

[1] موجودہ اردو ترجمہ بھی اس کے مطابق ہے، اس لئے ہم نے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہے،

سارے مال کو اور اپنے بھائی لوط کو اور اس کے مال اور عورتوں کو بھی اور اور لوگوں کو واپس پھیر لایا، اور جب وہ کدرلاعمر اور اس کے ساتھ کے بادشاہوں کو مار کر پھرا تو سدوم کا بادشاہ اس کے استقبال کو سوی کی وادی تک جو بادشاہی وادی ہے آیا" (آیات ۱۴ تا ۱۸)

اکیسویں مثال:

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۱ آیت ۳۲ میں ہے:

"اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور شمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں؟ انھوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راست بازی کے کام کئے، شیروں کے منہ بند کئے، آگ کی تیزی کو بجھایا، تلوار کی دھار سے بچ نکلے، کمزوری میں زور آور ہوئے، لڑائی میں بہادر بنے، غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا" (آیات ۳۲ تا ۳۴)

"مقدس" پولس کے کلام سے یہ بات صاف ہوگئی کہ ان پیغمبروں کا ان لوگوں کو مغلوب کر لینا، اور ان کی آگ کو بجھا دینا اور تلوار کی دھار سے نجات پانا اور کافروں کے لشکروں کو شکست دینا، نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے، نہ کہ گناہ کی قسم میں، جس کا منشاء ایمانی قوت ہے، اور خدائی وعدوں کی تکمیل، نہ کہ قساوتِ قلبی اور ظلم، اگرچہ ان میں سے بعض کے افعال ظلم کی شدید ترین صورت تھے، بالخصوص معصوم اور بے گناہ بچوں کو قتل کرنا،

ادھر داؤد علیہ السلام اپنی لڑائیوں کو نیکی اور حسنہ شمار کرتے ہیں، چنانچہ زبور ۱۸

آیت ۲۰ میں فرمایا ہے کہ:

"خداوند نے میری راستی کے موافق مجھے جزا دی، اور میرے ہاتھوں کی پاکیزگی کے مطابق مجھے بدلہ دیا، کیونکہ میں خداوند کی راہوں پر چلتا رہا، اور شرارت سے اپنے خدا سے الگ نہ ہوا، کیونکہ اس کے سب فیصلے میرے سامنے رہے اور میں اس کے آئین سے برگشتہ نہ ہوا۔ . . . . اور میرے ہاتھوں کی پاکیزگی کے مطابق جو اس کے سامنے تھی بدلہ دیا" (آیات ۲۰ تا ۲۴)

نیز خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی شہادت دی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے جہاد اور ان کی ساری نیکیاں بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں، چنانچہ کتاب سلاطین اوّل باب ۱۴ آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تو میرے بندے داؤد کی مانند نہ ہوا، جس نے میرے حکم ملنے اور اپنے سارے دل سے میری پیروی کی، تاکہ فقط وہی کرے جو میری نظر میں ٹھیک تھا"

اب خود فیصلہ فرمالیجیے کہ میزان الحق کے مصنف کا یہ دعویٰ کہ داؤد علیہ السلام کے تمام جہاد محض ملک گیری کی ہوس کے سلسلہ میں تھے، قطعی بددیانتی ہے، اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کے قتل اسی طرح بعض بعض پوری آبادیوں کا قتل کرنا اس مقصد کے لئے بالکل غیر ضروری تھا، اس کے علاوہ ہم یہ بھی فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ قتل و خوں ریزی محض سلطنت کی خاطر تھی، مگر بہر حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتی، یا یہ فعل خدا کے نزدیک پسندیدہ تھا، یا مکروہ اور مبغوض و حرام، اوّل صورت میں ہمارا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے، اور اگر دوسری صورت ہو تو ان کا قول بھی غلط اور عیسائیوں کے مقدس کا قول بھی جھوٹ، اور داؤد کے

حق میں خدائی شہادت بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہے، اور مزید برآں ہزاروں لاکھوں معصوم اور بے گناہوں کا قتل ان کی گردن پر لازم آتا ہے، جبکہ صرف ایک ہی بے گناہ کا خون ہلاک ہونے کے لئے کافی ہے، پھر ایسے شخص کو اخروی نجات کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟

یوحنا کے پہلے خط باب ۳ میں ہے:

"اور تم جانتے ہو کہ کسی خونی میں ہمیشہ کی زندگی موجود نہیں رہتی" [1]

اور مشاہدات کے باب ۲۱ میں ہے:

"مگر بزدلوں اور بے ایمانوں اور گھناؤنے لوگوں اور خونیوں اور حرام کاروں اور جادوگروں اور بت پرستوں اور سب جھوٹوں کا حصہ آگ اور گندھک سے جلنے والی جھیل میں ہوگا، یہ دوسری موت ہے" [2]

خدا کی پناہ! ہم تطویل کے خوف سے یہاں صرف اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں،

تیسری بات

گذشتہ شریعت کے تمام عملی احکام کے لئے ضروری نہیں کہ آنے والی شریعت میں بھی وہ بعینہٖ باقی رہیں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ عملی احکام کسی ایک شریعت میں ہمیشہ یکساں رہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ مصالح اور زمانہ اور مکلفین کے بدل جانے سے وہ احکام بالکل بدل جائیں، یہ تفصیل باب ۳ میں کافی سے زیادہ قارئین کو معلوم ہو چکی ہے، لہٰذا شریعت موسویہ

---

[1] ا۔ یوحنا ۳: ۱۵ ، [2] مکاشفہ ۲۱: ۸ ،

میں جہاد" ایسے شنیع ظلم والے طریقوں کے ساتھ مشروع تھا، جس کی مشروعیت شریعتِ عیسوی میں باقی نہیں رہی، بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم مصر سے نکلنے کے بعد ہوا تھا، اس سے قبل جہاد کی ان کو اجازت نہ تھی،

عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دجّال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے، جس کی تصریح تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ اور مشاہدات کے باب ۱۹ میں موجود ہے[1]،

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کافروں اور گنہگاروں کی تنبیہ اور سزا کا طریقہ ہمیشہ یکساں ہی ہو، جیسا کہ "پہلی بات" میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے کسی شخص کے لئے جو نبوّت اور وحی کو مانتا ہو کسی شریعت کے اس قسم کے مسائل پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہ ہوگا کہ طوفانِ نوحؑ کے موقع پر کشتی والوں کے سوا ہر جاندار کو ہلاک کر دینا اور سدوم و عمورہ کی تمام آبادیوں کو لوطؑ کے عہد میں ختم کر دینا، اور موسیٰؑ کے عہد میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کی شب میں مصریوں کے ہر بڑے لڑکے اور جانوروں کو ہلاک کرنا ظلم تھا، بالخصوص حادثۂ طوفان میں لاکھوں انسان ہلاک

---

[1] "اس وقت وہ بے دین ظاہر ہوگا جسے خداوند یسوع اپنے مُنہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلّی سے نیست کریگا۔" (تھسلنیکیوں ۲: ۸) بائبل کے شارحین "اس بے دین" سے دجال (Antichrist) مراد لیتے ہیں جو آخر زمانے میں نمودار ہوگا (دیکھئے تفسیر عہد نامۂ جدید از ناکس ص ۲۱۱ ج ۲) اور کتاب مکاشفہ باب ۱۹ میں دجال کی آمد وغیرہ کو تمثیلات کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ تقی

ہوتے، اور بقیہ دونوں حادثوں میں چھوٹے چھوٹے انسانی بچے اور جانوروں کے بچے برباد ہوگئے جو قطعی بے گناہ اور معصوم تھے،

اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہ ہوگا کہ شاتؔ[1] قوموں کے ہر ہر فرد کو قتل کر دینا کہ کوئی بھی متنفس باقی نہ بچے، نیز معصوم چھوٹے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا ظلم ہے یا ان ہفت اقوام کے علاوہ دوسری قوموں کے مردوں کو قتل اور عورتوں، بچوں کو لونڈی غلام بنانا اوران کے اموال کو لوٹنا یا مدین والوں کو قتل کرنا، یہاں تک کہ اُن کے شیر خوار بچوں کو کبھی نہ چھوڑنا، اوران کی شادی شدہ عورتوں کو قتل اور کنواریوں کو باقی رکھنا تاکہ اپنے کام آئیں، اوران کے اموال اور جانوروں کو لوٹ لینا ظلم ہے، یا یہ کہنا کہ داؤد علیہ السلام کے جہاد یا دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی لڑائیاں، یا ایلیاہ علیہ السلام کا چار سو پچاس بعل کے نبیوں کو ذبح کرنا یا عیسیٰ کے نزول کے بعد دجال اوراس کے لشکر کو قتل کرنا ایسا ظلم ہے کہ خدا کا ایسے ظلم کی اجازت دینا عقل سے خارج ہے،

اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ بتوں کے نام پر ذبح کرنے والے کو قتل کرنا یا ایسے شخص کو جو غیر اللہ کی عبادت کی ترغیب دے، یا کسی بستی کے تمام باشندوں کو اس بناء پر قتل کرنا کہ ان سے ترغیب دینا ثابت ہوا،

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا تیئیس ہزار گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا ان چوبیس ہزار انسانوں کو قتل کرنا جنھوں نے موآب کی

---

[1] یعنی فرزّی، یبوسی، حوتی، حتی، جرجاسی، اموری اور کنعانی جن کا ذکر استثناء ۷: ۱ میں آیا ہے۔

بیٹیوں سے زنا کیا تھا، اور ان کے بتوں کو سجدہ کیا تھا، یہ بدترین ظلم تھا، اور یہ کہ اس قسم کے احکام جاری کرنے کا مطلب لوگوں کو شریعت موسوی پر مجبور کرنا ہے، تاکہ وہ قتل کے اندیشہ سے اس مذہب کو نہ چھوڑیں حالانکہ یہ بات قطعی واضح ہے کہ ایمان قلبی جس کا نام ہے وہ زبردستی پیدا نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ بات بھی محال ہے کہ زبردستی خدا کی محبت پیدا کی جائے، اس لئے یہ احکام خدا کے احکام نہیں ہوسکتے،

البتہ جو شخص نبوت اور شریعتوں کو ہی تسلیم نہیں کرتا اور ملحد و زندیق ہے اور اس قسم کے واقعات کا منکر ہے، تو یہ بات اس سے بے شک بعید نہیں، مگر اس کتاب میں ہمارا روئے سخن ایسے لوگوں کی طرف نہیں ہے، بلکہ ہمارے مخاطب عموماً عیسائی لوگ اور خصوصاً فرقۂ پروٹسٹنٹ کے علماء ہیں،

چوتھی بات

علماء پروٹسٹنٹ بڑی بے باکی کے ساتھ یہ دروغ بیانی کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، یہ بات بالکل بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے، جیسا کہ قارئین کو مقدمۃ الکتاب کے نمبر ۲ سے معلوم ہوچکا ہے، خود ان کے افعال، ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اور ان کے بڑوں نے جب کبھی پورا پورا تسلط اور غلبہ کسی قوم پر حاصل کیا ہے ہمیشہ اپنے مخالفوں کے مٹانے اور نیست و نابود کرنے میں امکانی حد تک پوری کوشش کی ہے ہم ان کی کتابوں سے بعض واقعات نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں، پہلے تو ہم یہود کے ساتھ کئے جانے والے معاملات کو کتاب کشف الآثار فی قصص انبیاء بنی اسرائیل سے نقل کرتے ہیں:۔

(یہ واقعات اگلے صفحہ سے ملاحظہ فرمائیں)

عیسائیوں کے لرزہ خیز مظالم، یہودیوں پر،

مصنف کشف الآثار صفحہ ۲۷ پر بیان کرتا ہے:

"قسطنطینِ اعظم جو ہجرت سے تقریباً تین سو سال قبل گذرا ہے، اس نے یہودیوں کے کان کاٹنے، اور ان کو مختلف ملکوں میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا، پھر پانچویں صدی عیسوی میں شہنشاہِ روم نے ان کو شہر اسکندریہ سے جو عرصہ دراز سے ان کی جائے پناہ تھی، نکال دینے کا حکم جاری کیا، یہ لوگ اس شہر میں ہر طرف سے آکر پناہ لیا کرتے تھے، اور وہاں امن و سکون کی زندگی ان کو نصیب تھی، اس نے ان کے عبادت خانوں کے مسمار کرنے اور ان کو عبادت سے روکنے اور ان کی شہادت قبول نہ کرنے اور ان کی اس مالی وصیت کے نافذ نہ ہونے کا حکم دیا، جو آپس میں ایک دوسرے کے حق میں کیا کرتے تھے، اور جب ان ظالمانہ احکام کے نتیجہ میں ان محکوموں کی طرف سے کچھ بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے، تو ان کے سب اموال کو لوٹ لیا، اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، اور ایسی خوں ریزی کی کہ جس سے اس ملک کی تمام یہودی آبادی کانپ اٹھی"

پھر صفحہ ۲۸ پر کہتا ہے کہ:

"شہر انطیوخ کے یہودی جب شکست خوردہ اور مغلوب ہو کر گرفتار ہوئے تو بعض کے اعضاء کو کاٹا، اور بعض کو قتل کیا، اور باقی ماندہ تمام افراد کو جلاوطن کیا، پھر شہنشاہ نے اپنی تمام مملکت میں قسم قسم کے ظلم

گئے، آخر کار پھر ان کو اپنی حدودِ سلطنت سے باہر کر دیا، بلکہ دوسرے ملکوں کے سلاطین کو بھی اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھی یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں، نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے ایشیا سے لے کر یورپ کی آخری حد تک پیٹ بھر کر ظلم کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد اسپینول کی سلطنت میں ان کو تین شرطوں میں سے کسی ایک کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا کہ اولاً عیسائی مذہب کو قبول کریں، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو قید کئے جائیں، اور اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو جلا وطنی قبول کریں، ملکِ فرانس میں بھی اُن کے ساتھ کچھ اسی قسم کا معاملہ کیا گیا، یہ مسکین لاچار ایک ملک سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں مارے مارے پھرتے تھے، مگر کہیں ان کو ٹھکانا نصیب نہ ہوتا تھا، اور ایشائے بزرگ میں ان کو چین و قرار حاصل نہ تھا، بلکہ اکثر اوقات ان کا قتلِ عام ہوا، جیسا کہ فرنچ سلطنتوں میں پیش آیا۔

پھر صفحہ ۲۹ پر کہتا ہے کہ:

فرقہ کیتھولک والے اُن پر اس خیال سے ظلم کرتے تھے کہ یہ کافر ہیں، اس فرقہ کے بڑے لوگوں نے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی، اور یہودیوں پر چند احکام جاری کئے

۱۔ جس شخص نے کسی عیسائی کے مقابلہ میں کسی یہودی کی حمایت و جانب داری کی، وہ مجرم شمار ہو کر اپنے مذہب سے خارج کر دیا جائے گا،

۲- اور سلطنت کے مناصب میں سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا منصب وعہدہ کسی یہودی کو نہیں دیا جائے گا،

۳- اگر کوئی عیسائی کسی یہودی کا غلام ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا،

۴- کوئی شخص کسی یہودی کے ساتھ نہ کھائے، نہ اس سے کوئی معاملہ کرے

۵- ان کے بچوں کو ان سے چھین کر مذہبِ عیسوی کی تربیت دی جائے،

اسی طرح کے دوسرے احکام ہیں، یقیناً ان مذکورہ احکام میں سے حکم نمبر ۵ بلاشک وشبہ جبر واکراہ کی انتہائی صورت ہے "

پھر کہتا ہے کہ :-

"شہر تولوس جو فرانس کا شہر ہے وہاں کے باشندوں کی عادت تھی کہ وہ عیدالفصح کے روز یہودیوں کے چہروں پر چپت مارا کرتے تھے، شہر بزمیرس کے لوگوں کے یہاں یہ رسم تھی کہ وہ اپنی عید کے پہلے روز سے آخری دن تک یہودیوں کو پتھر مارا کرتے، اور اس سنگباری کے نتیجہ میں بیشمار لوگ مارے جاتے، حاکمِ شہر جو عیسائی تھا شہر کے باشندوں کو اس نامعقول اور ظالمانہ حرکت پر آمادہ کیا کرتا تھا "

پھر صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر کہتا ہے کہ :-

"سلاطینِ فرانس نے یہودیوں کے لئے ایک عجیب انتظام کیا کہ وہ یہودیوں کو تجارت اور کمانے کی پوری آزادی اور سہولت دیتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ کما کر خوب مالدار بن جاتے تو ان کے اموال کو لوٹ لیا جاتا، اُن کا یہ ظلم انتہائی طمع وحرص کا نتیجہ تھا، پھر جب

فلپ آغسطس فرانس کا بادشاہ ہوا، تو اس نے اوّلاً یہودیوں کے ان قرضوں کا ۱/۵ جو عیسائیوں کے ذمّہ تھا بطور ٹیکس وصول کرکے بقایا رقم عیسائیوں کو معاف کردی، اور قرضخواہ یہودیوں کو ایک حبہ بھی نہیں دیا گیا، پھر اپنی سلطنت سے تمام یہودیوں کو جلاوطن کردیا،

پھر جب تخت سلطنت پر سینٹ لوئیس فائز ہوا تو اس نے دوبارہ یہودیوں کو اپنی سلطنت میں بلایا، اور دو مرتبہ جلاوطن کیا، پھر چارلس ششم نے یہودیوں کو ملکِ فرانس سے نکال باہر کیا، تواریخ شاہد ہیں کہ ملکِ فرانس سے سات مرتبہ یہودیوں کو دیس نکالا ملا، ان یہودیوں کی تعداد جن کو اسپینول سے جلاوطن کیا گیا اگر کم از کم بھی فرض کی جائے تو ایک لاکھ ستر ہزار گھرانوں سے کسی طرح کم نہ ہوگی، ملکِ غسا میں بہت سے یہودیوں کا قتلِ عام ہوا، بہت سے لوٹے گئے، اور بہت کم ان میں سے بچ سکے، وہ بھی صرف وہ تھے جنھوں نے عیسائیت قبول کرلی ... ان میں بہت سے اس طریقہ پر مرے کہ پہلے اپنے گھروں کے دروازے بند کرلئے، پھر خود اپنے آپ کو اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کو اور اپنے اموال کو ہلاک کر ڈالا، یا تو دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جلا دیا نیز ان میں سے بے شمار لوگ جہادِ مقدس میں قتل ہوئے،

انگریزوں نے یہودیوں پر ظلم کرنے میں اتفاق کرلیا، جب شہر یرک کے یہودیوں کو اس جور و ستم کی وجہ سے ناامیدی ہوگئی، تو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا، اس طرح یہ پندرہ ہزار مرد، عورتیں، بچے مارے گئے، اور اس ملک میں ان کی پوزیشن اس قدر گر گئی تھی کہ جب امراء

نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی، تو سات سو یہودی قتل کئے اور ان کے مالوں کو لوٹا، تاکہ لوگوں پر ان کا رعب خوب

رچرڈ و جان اور ہنری سوم جو انگلستان کے بادشاہ ہوئے ہیں انھوں نے بارہا یہودیوں کو لوٹا، بالخصوص ہنری سوم نے کیونکہ اس کی یہ عادت بن گئی تھی کہ وہ مختلف شکلوں میں ظلم اور بے رحمی سے ان کو لوٹا کرتا تھا، اس لئے بڑے بڑے دولت مند سیٹھ یہودیوں کو کنگال بنا دیا تھا، اور اس قدر شدید ظلم کیا کہ وہ جلا وطنی پر راضی ہو گئے، اور انھوں نے ملک سے نکل جانے کی اجازت مانگی، مگر ان کی یہ درخواست بھی قبول نہیں کی گئی، پھر جب ایڈورڈ اول تخت نشین ہوا تو اس نے معاملہ کو یوں ختم کیا کہ پہلے تو ان کے تمام اموال کو لوٹا، اور پھر سب کو اپنی مملکت سے جلا وطن کر دیا، پندرہ ہزار سے زیادہ یہودی انتہائی فقر و فاقہ کی حالت میں جلا وطن ہوئے"

پھر صفحہ ۳۲ پر کہتا ہے کہ:

"ایک مسافر جس کا نام مسوق ہے اس کا بیان ہے کہ پرتگالیوں کی حالت آج سے پچاس سال قبل یہ تھی کہ وہ یہودیوں کو پکڑ لیا کرتے اور زندہ آگ میں جلا دیتے تھے، اُن بد نصیب جلنے والوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے عید کی طرح اجتماع ہوتا، جس میں ان کی عورتیں اور مرد سب جمع ہوتے تھے، جو خوشیاں مناتے تھے، اور یہودیوں کے جلائے جانے پر عورتیں مارے خوشی کے چیختی تھیں"

پھر صفحہ ۳۳ پر کہتا ہے کہ:

"پوپ نے جو فرقہ کیتھولک کا سب سے بڑا پیشوا ہوتا ہے، یہودیوں کے

حق میں بڑے سخت قوانین بنائے تھے ۔

اس کے علاوہ سیر المتقدمین کا مصنف کہتا ہے کہ :

"قسطنطین اول کے بعد چھٹے بادشاہ نے اپنے امراء سلطنت کے مشورہ سے ۳۷۹ء میں یہ حکم جاری کیا کہ ہر وہ شخص جو سلطنتِ روم میں آباد ہو اس کو عیسائیت اختیار کرنا لازم ہوگا، اور جو عیسائیت اختیار نہیں کرے گا وہ قتل کو دیا جائے گا ۔"

بھلا بتایا جائے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا جبر ہو سکتا ہے، طامس نیوٹن نے ان پیشینگوئیوں کے متعلق ایک تفسیر لکھی ہے جو کتبِ مقدسہ میں موجود ہیں، یہ تفسیر لندن میں ۱۸۰۳ء میں طبع ہوئی، اس تفسیر کے صفحہ ۶۵ جلد دوم میں یروشلیم پر عیسائیوں کے تسلط کے حال میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"رومی ماہ تموز[1] کی ۱۵ر تاریخ ۱۰۹۹ء میں پانچ ہفتہ کے طویل محاصرہ کے بعد یروشلیم کو عیسائیوں نے فتح کیا، اور جو عیسائی نہ تھے ان کا قتل عام کیا گیا، ستر ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کئے ، یہودیوں کو ایک جگہ جمع کر کے زندہ آگ میں جلا دیا، مسجدوں میں بڑی بڑی غنیمتیں پائیں ۔"

یہودیوں کے حق میں عیسائیوں کے ظلم و ستم کی داستان اور بالعموم رعایا کی سلطنت کے باب میں ان کے جور و ستم کا حال تو آپ سُن چکے ہیں، اور یروشلیم پر قبضہ کے بعد جو جو سفاکیاں انھوں نے کیں وہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں، اب

---

[1] تموز شامی زبان میں ماہ جولائی کا نام ہے،

نمونہ کے طور پر فرقہ کیتھولک کے وہ کارنامے بھی ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے غیر عیسائی قوموں کے ساتھ کئے، ہم یہ واقعات کتاب الثلاث عشرۃ رسالہ سے نقل کرتے ہیں، جو بیروت میں ۱۸۴۹ء میں عربی زبان میں طبع ہوا، اس کے ص ۱۵ و ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ:

"رومی کلیسا نے بار ہا جبری تبدیلِ مذہب اور استیصال کلی کے حربے پروٹسٹنٹوں کے لئے استعمال کئے ہیں، یورپ کے ملکوں میں بکثرت یہ واقعات پیش آئے خیال یہ ہے کہ کم از کم تیس ہزار ایسے لوگ جو یسوع پر تو بیشک ایمان لاتے تھے مگر پوپ پر ایمان نہ رکھتے تھے، اور اپنے ایمان اور اعمال کے لئے صرف کتبِ مقدسہ کو راہنما مانتے تھے آگ میں جلائے گئے، ان میں سے ہزاروں لوگ اور بڑی بڑی جماعتیں تلواروں، جبوس اور کلبتین کے ذریعہ (یہ ایک اوزار ہے جس سے بدن کے جوڑ الگ الگ کرکے کھینچ لئے جاتے ہیں) قتل کئے گئے اور قسم قسم کے شدید عذاب ان کو دیئے گئے، ملکِ فرانس کے اندر صرف ایک دن میں تیس ہزار مرد اس روز قتل کئے گئے جو ماریہ ثرطاؤس کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح ان کا دامن قدیسیوں کے خون سے رنگین ہے"

کتاب مذکور کے رسالہ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۳۸ میں ہے کہ:

"ایک ایسا قانون موجود ہے جو اسپانیا کے مقام طلیطلہ کی مجلسِ شوریٰ میں وضع کیا گیا تھا، جس میں یوں کہا گیا کہ ہم یہ قانون مقرر کرتے ہیں کہ جو شخص اس ملک میں رہنا قبول کرتا ہے اس کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اُس وقت تک کرسی پر بیٹھ سکے جب تک اس امر کی قسم نہ کھالے کہ وہ اپنے ملک میں

کیتھولک عیسائی کے سوا اور کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا، اور اگر کوئی شخص اس حکم کے بعد اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ ابدی خدا کے سامنے بدبخت ہوگا، اور ابدی آگ کا ایندھن بنے گا "

کارٹر کی مجموع المجامع وجہ ۴۰۴ میں لکھا ہے کہ :

" لاٹرانی مجلس کہتی ہے کہ تمام سلاطین اور امراء، دار باب سلطنت اس چیز کی قسم کھائیں کہ وہ اپنی پوری کوشش اور دلی توجہ کے ساتھ اپنی محکوم رعایا کے استیصال میں مشغول رہیں گے، جو کنیسوں کے پیشوا ہیں، چونکہ وہ مصلح ہیں، اس لئے ان میں سے کسی کو اپنے علاقوں میں باقی نہ چھوڑیں گے، اور اگر انھوں نے اپنے اس عہد کو ملحوظ نہ رکھا، تو ان کی قوم ان کی اطاعت سے آزاد ہوگی "

(اس ۳ ، یہ قانون قسطنطنیہ کی مجلس میں بھی پاس ہوا، "جلسہ نمبر ۴۵" کے حال میں لکھا ہے کہ یہی قانون پوپ مرتینوس پنجم کے قوانین میں سے ہے، اور اس حلف میں جس کو تمام پادریوں نے پوپ پولس ثالث کی صدارت میں ۱۵۵۱ء میں اٹھایا تھا، یہ عبارت موجود ہے کہ :

"بے دینوں اور ہمارے سردار پوپ اور ان کے خلفاء کے مخالف اور نافرمان لوگوں کو میں اپنی پوری طاقت سے کچل دوں گا، لاٹرانی مجلس اور قسطنطنیہ کے جلسہ کے اراکین کہتے ہیں کہ جو شخص بھی اراتقہ[1] کو گرفتار کرے گا اس کو

---

[1] اراتقہ (Heugenots)

...... اس امر کی اجازت ہوگی کہ وہ گرفتار شدہ کے تمام اموال کو ضبط کرلے، اور بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے استعمال میں لائے "

مجلس لاٹرانی جلد ۴ فصل نمبر ۱ وجہ ۱۵۲ اور مجلس قسطنطنیہ جلسہ ۴۵ جلد میں لکھا ہے کہ:

"پوپ اینوسنتیوس سوم کہتا ہے کہ ارا تقہ سے قصاص لینے کا ہم تمام سلاطین اور حکام کو حکم دیتے ہیں، اور کلیسائی قصاصوں کے تحت ہم اس کو اُن پر لازم اور واجب کرتے ہیں "

قانون نمبر ۷ کتاب نمبر ۵ میں یوں ہے کہ :۔

"اور ۱۷۲۴ء میں پادشاہ لوئیس یازدہم نے ۱۸ قانون مقرر کئے :

(۱) یہ کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ ہماری مملکت میں صرف کیتھولک مذہب ہی جاری رہ سکتا ہے، جو لوگ اس کے علاوہ کسی اور مذہب کو اختیار کرتے ہیں ان کو زندگی بھر قید رہنا پڑے گا، اور عورتوں کے بال کاٹ دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک قید رکھی جائیں گی،

(۲) ان تمام واعظوں کو جنھوں نے کیتھولک عقائد کے خلاف لوگوں کو دوسرے عقائد پر جمع کیا ہے ....، یا وہ لوگ جن کو دوسرے عقائد کا علم یا مہارت ہے موت کی سزا دی جائے گی،

نیز اس گفتگو میں جو پادریوں نے اسپانیا میں پادشاہ سے ۱۷۶۵ء میں کی تھی انھوں نے پادشاہ سے کہا کہ آپ قوانین کو مضبوط کیجئے، اور مذہب کو عزت بخشئے. تاکہ یہ چیز ہماری جانب سے ۱۷۲۴ء کے قوانین کی

تجدید کا سبب بن جائے "

آگے لکھا ہے کہ:

"منجملہ انگریزی قوانین کے جو پوپ کے حکم سے جاری ہوئے یہ بھی ایک قانون تھا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مورتوں کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اس کو سخت قید میں ڈال دیا جائے جب تک کہ وہ ان کو سجدہ کرنے کی قسم نہ کھائے، اور پادری قاضی کلیسائی کو اس بات کا اختیار دیا جاتا ہے کہ اس کو جس شخص کے ارتداد ہونے کا ذرا بھی شبہ ہو، اس کو گرفتار کر کے قوم اور حکام کے سامنے آگ میں جلا دے، اور تمام حکام اس بات کا حلف اٹھائیں کہ وہ ارتداد کی بیخ کنی میں قاضی کی اعانت کریں گے، اور جب ان کا ارتداد ہونا ثابت ہو جائے تو ان کا مال لوٹ لیا جائے اور ان کو اس کے حوالے کر دیا جائے اور ان کا جرم صرف آگ کی لپٹ اور شعلے مٹا سکیں گے "

کوک فرائض[1]، عدد ۳ وجہ ۴۰ و ۴۱ نیز عدد ۴ وجہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"اور باردینوس کہتا ہے کہ شاہ کاروس پنجم اپنی غلط رائے کی بنا پر خیال کرتا تھا کہ وہ ارتداد کو بجائے تلوار کے بات سے نیست و نابود کر دے گا، کتاب مقدس کی فہرست میں جو روم میں لاطینی اور عربی زبان میں طبع ہوئی ہے، حرف ھ کے تحت میں یہ تعلیم موجود ہے کہ ہمارے لئے مناسب ہے کہ ارتداد کو ہم ہلاک کریں، اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ بادشاہ یا ہو نے جھوٹے

[1] "کوک فرائض"، اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں کوٹ فرائض () ہے۔

کاہنوں کو قتل کیا، اور ایلیاء نے بعل کے کاہنوں کو ذبح کیا، وغیرہ وغیرہ اسی طرح کلیسا کی اولاد کے لئے بھی مناسب ہو کہ وہ بھی اراتقہ کو ہلاک کریں"

پھر صفحہ ۳۴۷ و ۳۴۸ میں ہے کہ:

"مورخ منتوان سلطنت کرملین والا اور اس کے ساتھ دوسرے مورخین نے انجیل کے معتبر واعظ کے بارے میں جسکو تو مامن رودن کہا جاتا تھا خبر دی ہے کہ اس کو پوپ نے اس لئے آگ میں جلوادیا تھا کہ اس نے رومی کلیسا کے فسادات کے خلاف وعظ کہا تھا، مورخین اس شخص کو قدیس شہید اور مسیح کا سچا گواہ کہتے ہیں"

اور صفحہ ۳۵۰ سے ۳۵۵ میں ہے کہ:

"۱۱۹۴ء میں ڈی فانسو شاہ ارغوان نے اندلس میں حکم جاری کیا کہ اس کی سلطنت سے تمام واضیین[1] کو جلا وطن کیا جائے، کیونکہ یہ لوگ اراتقہ ہیں اور ۱۲۰۶ء میں امیر رایمون شہر ٹولوس کے حاکم کے خلاف پوپ نے محکمہ جاسوسی کے افسران کو اس شہر کی طرف روانہ کیا، کیونکہ حاکم مذکور نے واضیین کو جلا وطن کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر کچھ عرصے کے بعد بادشاہ فرانس نے ایک بڑا لشکر جرار جسکی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے پوپ کے طلب کرنے پر اس شہر کی طرف روانہ کیا۔ امیر رایمون نے اپنے شہر میں محصور ہو کر اپنی مدافعت کی، تاکہ قوت کا جواب قوت سے دے اس لڑائی میں لاکھوں آدمی مارے گئے، رایمون کے لوگوں نے شکست کھائی، اور ہر قسم کی ذلتوں اور عذابوں نے اُن کو گھیر لیا، پوپ اس

[1] واضیین (Vaudoi)

... لڑائی کے دوران اپنی قوم سے کہتا تھا کہ ہم تم کو بزرگی دیتے ہیں، اور ہم پر واجب کرتے ہیں کہ تم ان خبیث اراتقہ یعنی واضیین کو نیست کرنے میں خوب جدوجہد کرو، اور ان کو دفع کرنے میں اس سے زیادہ شدت و قوت سے کام لو، جس قدر سارا جیون یعنی مسلمانوں کے خلاف کرتے ہو"

۱۲۰۰ء ماہ کانون اول[1] کے آخر میں پوپ کے لوگوں نے اچانک واضیین پر ملک سردینیا کے شہر اوڈیا بیٹ مونٹ میں حملہ کر دیا، نتیجہ میں وہ لوگ بغیر لڑائی کے بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اور بہت سے لوگ برف باری کی نذر ہو گئے، پھر پوپ نے اس واقعہ کے ۸۰ سال بعد البرکوس ارشید یاکونوس کو شہر کارمونیا میں اس امر کا پابند کیا کہ فرانس کے مغربی اطراف میں اور اوڈیا بیٹ مونٹ میں واضیین سے جنگ کرے، جہاں کچھ لوگ ان میں کے بقایا چلے آتے تھے، جو ۱۲۰۰ء کی جنگ سے بچ کر لوٹ آئے تھے، یہ شخص فوراً آگے بڑھا، اس کے ساتھ اٹھارہ ہزار جنگجو تھے اور یہ لڑائی تقریباً ۳۰ سال تک ان عیسائیوں کے خلاف جاری رہی جو یہ کہتے تھے کہ ہم ہر وقت بادشاہ کا اکرام کرتے ہیں، جزیہ ادا کرتے ہیں، مگر ہمارا ملک اور ہمارا مذہب جس کے ہم اللہ کی طرف سے مالک ہیں اور اپنے باپ دادوں سے ترکہ میں پایا ہے اس کو ہم کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے،

[1] کانون اول شامی زبان میں دسمبر کے مہینہ کو کہتے ہیں،

اسی طرح اٹلی کے شہر کالابریا میں ۱۵۶۰ء کے اندر لاکھوں پروٹسٹنٹوں کا قتلِ عام ہوا، بعض لوگ لشکر کے ہاتھوں مارے گئے، اور بعض لوگ محکمۂ جاسوسی کے ذریعے فنا کے گھاٹ اُتر گئے، ایک رومی پروفیسر کہتا ہے کہ میرا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، جب کبھی میں اس منظر کا تصور کرتا ہوں کہ ایک جلاد ہو اور اس کے دانتوں میں خون آلود خنجر ہے، اس کے ہاتھ میں جو رومال ہو اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اس کے تمام ہاتھ پہنچوں تک خون میں لت پت ہیں، ایک ایک قیدی کو قیدخانے سے اس طرح گھسیٹ کر لاتا ہے جس طرح قصائی بکری کو،

۱۶۰۱ء میں ڈیوک سافوی نے واضیین کے پانچ سو خاندانوں کو جلا وطن کیا، نیز ۱۶۵۵ء اور ۱۶۷۶ء میں اوڈیابیٹ مونٹ میں ان کے خلاف پھر جبری تبدیلیٔ مذہب کا سلسلہ شروع ہوا، کیوں کہ بادشاہ لوئیس چہار دہم پوپ کے اشارے سے اپنے لشکر کے ساتھ ان کی طرف بڑھا جبکہ وہ لوگ بڑے اطمینان سے اپنے گھروں میں پڑے ہوئے تھے، چنانچہ فوج نے اُن میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا، اور دس ہزار سے زیادہ نفوس کو جیل خانہ میں ڈال دیا، جہاں گھُٹ کر اور بھوک سے نڈھال ہو کر ان لوگوں نے جان دیدی، اور جو اُن میں سے بچ گئے اُن کو نکال کر جلا وطن کردیا، یہ کارروائی ایسے موسم میں ہوئی جبکہ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، اور زمین برف پوش تھی، جس کے سبب سے بہت سی مائیں اور اُن کے شیرخوار بچے سردی سے اکڑ کر راستے ہی میں مر گئے،

چارلس پنجم نے ۱۵۲۱ء میں ایک حکم نامہ پروٹسٹنٹوں کی جلا وطنی کی نسبت شہر فلیمنک میں پوپ کی رائے سے جاری کیا، جس کے نتیجے میں پانچ لاکھ آدمی مارے گئے، چارلس کے بعد اس کا بیٹا فلپس بادشاہ ہوا، اس نے ۱۵۵۹ء میں اندلس جا کر امیر الفا کو پروٹسٹنٹوں کے جلا وطن کرنے کے لئے اپنا جانشین بنایا، اس شخص نے چند مہینوں میں شاہی شرعی جلاد کے ہاتھوں اٹھارہ ہزار آدمی قتل کئے، اس کے بعد یہ شخص فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے پورے ملک میں چھتیس ہزار انسانوں کو قتل کیا، اور وہ مقتولین جن کا ذکر... پروفیسر کین کرتا ہے، اور جن کو عید برتلمائی[1] کے موقع پر ماہِ آب[2] ۱۵۷۲ء میں کامل امن دامان کے زمانے میں قتل کیا گیا، ان کا واقعہ یہ ہے کہ:

فرانس کے بادشاہ نے اپنی بہن کی نسبت امیر فافار کو جو علماء پروٹسٹنٹ اور شرفاء میں سے تھا، دینے کا وعدہ کر لیا تھا، پھر وہ اور اس کے دوست احباب اور ان کے کلیسا کے بڑے بڑے لوگ پیرس میں جمع ہوئے، تاکہ شادی کے وعدے کی تکمیل ہو جائے، اور جب صبح کی نماز کے لئے ناقوس بجنے شروع ہوئے تو لوگوں نے پہلے سے طے شدہ سازش کے مطابق امیر اور اس کے ساتھیوں اور سارے پروٹسٹنٹوں پر جو پیرس میں موجود تھے اچانک حملہ کر کے اسی گھڑی دس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے؛

اسی طرح کا واقعہ روبن ولیون میں پیش آیا، بلکہ اس علاقہ کے اکثر

---

[1] عید برتلمئی ر Lord's Feast by Bartholmew

[2] آب شامی زبان میں ماہ اگست کو کہتے ہیں،

شہروں میں بھی یہی سانحہ پیش آیا، بعض مورخین نے تو کہا ہے کہ تقریباً ساٹھ ہزار انسان ہلاک کئے گئے، اور برابر تیس سال تک یہ جبر وظلم وقتل عام جاری رہا، اس لئے کہ پروٹسٹنٹوں نے بھی ہتھیار سنبھال لئے تھے، تاکہ طاقت کا جواب طاقت سے دیں، غرض اس لڑائی میں کُل نو لاکھ پروٹسٹنٹ مارے گئے، اور جب لوگوں نے شاہِ فرانس کا یہ کارنامہ جو عید برتلمائی میں انجام دیا گیا تھا، سُنا تو اس خوشی میں برجوں سے توپیں داغی گئیں، اور پوپ تمام کارڈنیلوں کے ساتھ مار پطرس کے کلیسا میں شکریہ کا نغمہ پڑھنے گیا اور بادشاہ کو بھی اس کارنامہ کے صلہ میں جو اس نے رُومی کلیسا کے حق میں انجام دیا تھا شکریہ کا مضمون لکھا، پھر جب بادشاہ ہنری چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے ۱۵۹۳ء میں یہ مظالم موقوف کر دیئے، مگر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جرم میں قتل کیا گیا کہ اس نے دین کے معاملہ میں قہر وظلم کے لئے آمادگی کیوں نہ ظاہر کی؟ پھر ۱۶۷۵ء میں دوبارہ ظلم و ستم شروع ہوا، اور بے شمار مخلوق کے قتل کے بعد مورخین کے بیان کے مطابق پچاس ہزار آدمی ترک وطن پر مجبور ہوئے، تاکہ موت کے چنگل سے نکل جائیں۔

ہم نے یہ تمام عبارتیں مطابق اصل کے لفظ بہ لفظ رسالہ نمبر ۱۲ سے نقل کی ہیں،

فرقہ کیتھولک کے مظالم کا نقشہ تو قارئین نے خوب اچھی طرح ملاحظہ کر لیا ہے، اب تصویر کا دوسرا رخ یعنی فرقہ پروٹسٹنٹ کے مظالم کے کارنامے

بھی سنتے جائیے، جو کہ کسی طرح اُن سے کم نہیں ہیں، یہ واقعات ہم کتاب مرآۃ الصدق سے نقل کرتے ہیں، جس کا ترجمہ پادری طامس انگلس نے جو کیتھولک کا عالم ہے انگریزی سے عربی میں کیا ہے، اور جو ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، یہ کتاب اس فرقہ کے لوگوں کے پاس ہندوستان میں بکثرت موجود ہے، اس کے صفحہ ۴۱ و ۴۲ پر لکھا ہے کہ:

"پروٹسٹنٹوں نے اپنے ابتدائی دَور میں ۶۴۵ خانقاہیں اور ۹۰ مدارس اور ۲۳۷۶ عبادت خانے، ۱۱۰ شفا خانے ان کے مالکوں سے چھین کر معمولی قیمت میں بیچ ڈالے، اور ان کی قیمت امراء نے آپس میں تقسیم کر لی، اور ہزاروں مفلوک اور غریبوں کو برہنہ کر کے اُن مقامات سے نکال دیا۔"

پھر صفحہ ۴۵ پر کہتا ہے کہ:

"اُن کی طمع اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے مُردوں تک کو نہیں بخشا، ان کے جسموں کو جو عدم کی نیند سو رہے تھے اذیت دی اور اُن کے کفن اُتار لیے۔"

پھر صفحہ ۴۸ و ۴۹ پر کہتا ہے کہ:

"اس لوٹ مار میں بے شمار کتب خانے ضائع ہو گئے، جن کا ذکر جبیٔ بیل ان الفاظ سے کرتا ہے کہ انھوں نے کتابوں کو لوٹ کر ان کے اوراق کو کھانا پکانے میں، شمعدانوں اور جوتوں کو صاف کرنے میں استعمال کیا، کچھ کتابیں عطاروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں، اور کچھ صابن فروشوں کے ہاتھ، بہت سی کتابوں کو سمندر پار جہاز والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ کتابیں سو پچاس نہ تھیں، بلکہ سواریاں ان کتابوں سے لدی ہوئی ہوتی تھیں، اور اس بُری طرح ان کتابوں کو ضائع کیا کہ دوسری قوموں کو بھی تعجب ہوا، میں ایک

ایسے تاجر کو جانتا ہوں جس نے دو بڑے کتب خانے صرف بیس۲ روپے میں خریدے تھے، ان مظالم کے بعد انھوں نے کنیسوں کے خزانوں میں سے سوائے ننگی دیواروں کے کچھ بھی نہ چھوڑا، اس کے باوجود وہ لوگ اپنے آپ کو شائستہ سمجھتے ہیں، اور کنیسوں میں سب اپنے مذہب کے لوگ بھر دیئے "

پھر صفحہ ۵۲ لغایۃ صفحہ ۵۶ پر کہتا ہے کہ :-

"اب ہم اُن ظالمانہ افعال پر غور کرتے ہیں جو پروٹسٹنٹوں نے فرقہ کیتھولک کے حق میں آج تک روا رکھے ہیں انھوں نے ایک سو سے زیادہ ایسے قوانین مقرر کئے جو سب کے سب عدل ورحم کے خلاف اور محض ظالمانہ ہیں، ہم ان میں سے چند بیان کرتے ہیں :

نمبر۱ : کوئی کیتھولک ماں باپ کا ترکہ نہیں پاسکتا،

نمبر۲ : ان کا کوئی شخص جب تک پروٹسٹنٹ نہ ہوجائے اٹھارہ سال کی عمر ہوجانے کے بعد کسی زمین کے خریدنے کا مجاز نہیں،

نمبر۳ : ان کے لئے کوئی مدرسہ نہ ہوگا،

نمبر۴ : ان کو لکھنے پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس حکم کی خلاف ورزی پر دوامی قید ہوگی،

نمبر۵ : اس مذہب کے لوگوں کو دوگنا خراج ادا کرنا ہوگا،

نمبر۶ : اگر ان لوگوں کا کوئی پادری نماز ادا کرے گا تو اس کو اپنے مال سے تین سو تیس روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر غیر پادری نماز ادا

کرے گا تو اس کو سات سو ۔ ۔ ۔ ۔ جرمانہ اور ایک سال کی قید ہوگی،

نمبر۷ ؛ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے بچے کو انگلستان سے باہر غیر ممالک میں تعلیم کے لئے بھیجے گا تو باپ بیٹے دونوں قتل کئے جائیں گے، اور تمام مال و مویشی ضبط کر لئے جائیں گے،

نمبر۸ ؛ سلطنت کا کوئی بھی عہدہ ان کو نہیں دیا جا سکتا،

نمبر۹ ؛ ان میں سے جو شخص اتوار کے دن یا عید کے روز پروٹسٹنٹ کلیسا میں حاضری نہیں دے گا، اس کو دو سو روپیہ ماہوار جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اور جماعت سے خارج شمار ہوکر کسی عہدہ کے لائق نہ رہے گا،

نمبر۱۰ ؛ ان میں اگر کوئی لندن سے ۵ میل کی مسافت پر سفر کرے گا تو ایک ہزار روپیہ جرمانہ لیا جائے گا،

نمبر۱۱ ؛ قانون کے مطابق حکام کے یہاں کسی کی فریاد نہیں سنی جائیگی،

نمبر۱۲ ؛ ان میں سے کوئی شخص مال و متاع لوٹے جانے کے اندیشے سے ۵ میل سے زیادہ سفر نہ کرے، اسی طرح ایک ہزار روپیہ جرمانے کے اندیشہ سے کوئی شخص حکام تک اپنی فریاد پہونچانے پر قادر نہ تھا،

نمبر۱۳ ؛ نہ اُن کے نکاح درست ہیں، نہ اُن کے مردوں کی تجہیز و تکفین ٹھیک ہے، نہ اُن کے بچوں کی پاکی بپتسمہ سے صحیح ہے، جب تک یہ سب کام انگریزی کلیسا کے طریقہ کے مطابق انجام نہ دیئے جائیں،

نمبر۱۴ ؛ اس مذہب کی کوئی عورت اگر نکاح کرے گی تو حکومت اس کے

جہیز میں سے ⅓ لے لے گی، یہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ میں وارث نہ ہوگی، نہ خاوند کو اس کے حق میں کوئی وصیت کرنا جائز ہوگا، ان کی بیویاں اس وقت تک قید میں رہیں گی، جب تک اُن کے خاوند دس روپے ماہانہ ٹیکس نہ ادا کریں، یا پھر اپنی زمین کا ⅓ حصہ حکومت کو نہ دیدیں،

نمبر ۱۵ ؛ آخر کار حکومت کا یہ حکم جاری ہوا کہ اگر یہ لوگ سب کے سب پروٹسٹنٹ ہونا قبول نہ کرلیں تو ان کو قید کرکے ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا جائے، اور اگر یہ لوگ حکم ماننے سے انکار کریں، یا جلاوطنی کے بعد پھر بغیر اجازت واپس آئیں تو بڑے سنگین جرم کے مرتکب شمار کئے جائیں گے،

نمبر ۱۶ ؛ ان کے قتل کئے جانے یا تجہیز و تکفین کے موقع پر پادری نہ آئے،

نمبر ۱۷ ؛ کسی کے گھر میں ہتھیار نہ رہنے پائیں،

نمبر ۱۸ ؛ کسی کو ان لوگوں میں ایسے گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہ ہوگی جس کی قیمت پچاس روپے سے زیادہ ہو،

نمبر ۱۹ ؛ ان کا کوئی پادری اگر اپنے متعلقہ کام انجام دے گا تو دوامی قید کا مستحق ہوگا،

نمبر ۲۰ ؛ جس پادری کی پیدائش انگلستان کی ہو مگر وہ پروٹسٹنٹ طریقے پر نہ ہو اگر وہ انگلستان میں تین دن سے زیادہ قیام کرے گا تو غدار شمار ہو کر واجب القتل ہوگا،

نمبر ۲۱؛ جو شخص ایسے پادری کو پناہ دے گا وہ بھی واجب القتل ہوگا،

نمبر ۲۲؛ عدالت میں کسی کیتھولک عقیدہ والے کی گواہی معتبر نہ ہوگی، ان ظالمانہ قوانین کے تحت ملکہ ایلزبتھ کے عہد میں دو سو چار اشخاص کو قتل کیا گیا جس میں سے ایک سو چار پادری تھے، باقی یا دولتمند طبقے کے لوگ تھے یا وہ لوگ جن کا قصور اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ انھوں نے اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کیا تھا، نوّے پادری اور دوسرے بڑے لوگ جیل خانے میں سڑ کر مر گئے، ایک سو پانچ اشخاص کو عمر بھر کے لئے جلا وطن کیا گیا، بہتوں کے کوڑے مارے گئے، جرمانہ کیا گیا، اور اپنے اموال و املاک سے محروم کر دیئے گئے، یہاں تک کہ ان کا پورا خاندان ہلاک ہوگیا، ملکہ اسکاٹ لینڈ ملکہ میری جو ملکہ ایلزبتھ کی خالہ زاد بہن تھی محض کیتھولک ہونے کی وجہ سے قتل کی گئی"۔

پھر صفحہ ۶۱ لغایۃ ۶۶ پر کہتا ہے کہ:

"ملکہ ایلزبتھ کے حکم سے ان کے بہت سے راہب اور علماء کو کشتی میں سوار کر کے سمندر میں ڈبو دیا گیا، اس کا لشکر آئرلینڈ میں اس غرض سے داخل ہوا کہ کیتھولک فرقہ کے لوگوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں جبراً داخل کرلیں، اس فوج نے ان کے تمام گرجے جلا ڈالے، ان کے علماء کو قتل کیا، ان کو اس طرح شکار کیا کرتے تھے جس طرح جنگل کے وحشی جانوروں کو شکار کیا جاتا ہے، یہ لوگ کسی کو امن نہیں دیتے تھے، اور اگر کسی کو امن دیدیتے تو امن دینے کے بعد بھی اس کو قتل کردیتے، اور جو لشکر سمرد ک

کے قلعہ میں تھا، انھوں نے ان کو بھی ذبح کر دیا، اور تمام بستیوں اور شہروں کو آگ لگادی، اور کھیتوں اور جانوروں کو برباد کر دیا، وہاں کے باشندوں کو عمر و درجہ کا لحاظ کئے بغیر جلا وطن کر دیا، یہ قسم قسم کے مظالم کا سلسلہ جیمس اوّل کے عہد تک برابر جاری رہا، اس کے زمانہ میں البتہ کسی قدر تخفیف ہو گئی تھی پھر ۱۷۷۸ء میں اس بادشاہ نے اُن پر رحم کیا، مگر پروٹسٹنٹ فرقہ بادشاہ سے بگڑ گیا، اور ایک محضر نامہ چوالیس ہزار پروٹسٹنٹوں کی جانب سے ماہِ حزیران[1] ۱۸۸۰ء کی دوسری تاریخ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی گئی کہ پارلیمنٹ کیتھولک والوں کے لئے ان ظالمانہ قوانین کو بدستور جاری رکھے، مگر پارلیمنٹ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی، تب ایک لاکھ پروٹسٹنٹ لندن میں جمع ہوئے، اور کنیسوں میں آگ لگادی، اور کیتھولک والوں کے مکانات مسمار کر دیئے، ایک جگہ سے چھتیس مقامات پر لگی ہوئی آگ دکھائی دیتی تھی، یہ فتنہ برابر چھ روز قائم رہا، مجبور ہو کر بادشاہ نے ایک دوسرا قانون ۱۷۹۱ء میں وضع کیا، اور کیتھولک والوں کو کچھ حقوق دیئے گئے، جو اُن کو آج تک حاصل ہیں۔

پھر صفحہ ۳۷ و ۴۷ پر کہتا ہے کہ:

"تم نے آئرلینڈ کے چارٹر اسکول کا حال نہیں سُنا؟ یہ بات محقق اور یقینی ہے کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ پچیس لاکھ روپیہ جمع کرتے ہیں، بڑے بڑے

---

[1] حزیران شامی زبان میں ماہ جون کو کہتے ہیں،

مکانات کا کرایہ اس کے علاوہ بے شمار ہے، اس رقم کے ذریعہ کیتھولک والوں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں جو بیچارے غریب اور مفلوک ہوتے ہیں، اور ان کو خفیہ طور پر گاڑیوں میں سوار کر کے دوسرے ممالک میں بھیج دیتے ہیں، تاکہ ان کے ماں باپ نہ دیکھ سکیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ بدبخت بچے بڑے ہو کر جب اپنے وطن کو واپس آتے ہیں تو تعارف و امتیاز نہ ہونے کے سبب اپنی بہنوں اور بھائیوں اور ماں باپ سے نکاح کر لیتے ہیں "

اور وہ مظالم جو فرقہ پروٹسٹنٹ والوں نے آپس میں ایک دوسرے پر کئے ہیں ان کا تذکرہ تطویل کے خوف سے ہم نہیں کرتے، اور صرف اس مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں،

اب ہم کہتے ہیں کہ ذرا ان معترضین کو دیکھئے جو ملّتِ محمدیہ پر کس بے حیائی اور بے شرمی سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب ظلم و ستم کے ذریعہ دنیا میں پھیلایا ہے ؟

جہاد کی حقیقت

پانچویں بات شریعتِ محمدیہ میں جہاد کے حکم کی صورت یہ ہے کہ پہلے کافر دل کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو بہتر ہے، اور ایسی صورت میں ان کی حیثیت اور پوزیشن بالکل ہمارے برابر ہوگی، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ اگر عرب کے مشرک ہیں تو ان کا حکم شریعتِ محمدی میں وہی ہے جو شریعت موسوی میں ساتوں قوموں

کے لئے اور مرتد اور بتوں کی قربانی کرنے والے اور بتوں کی عبادت کی دعوت دینے والے کے لئے تھا، یعنی قتل کیا جانا، اور مشرکینِ عجم کو قبولِ جزیہ اور اطاعت کی صورت میں صلح کی دعوت دی جائے گی، اگر وہ مان لیں اور جزیہ کی ادائیگی کا عہد کر کے مسلمانوں کی رعایا بن کر رہنا پسند کریں تو بہتر ہے، ایسی صورت میں ان کی جانیں اور اموال ہماری جان و مال کی طرح محفوظ ہوں گے، اور اگر قبول نہ کریں تو ان سے ان شرائط کی پابندی اور لحاظ رکھتے ہوئے جن کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں کی گئی ہے، لڑائی کی جائے گی، اور وہ شرائط تقریباً اسی نوع کی ہیں جو شریعت موسوی میں مذکورہ سات اقوام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہیں،

اور وہ خرافات اور لغو باتیں جو اس مسئلہ کے بیان کرنے میں علماء پروٹسٹنٹ نے کی ہیں کچھ تو بالکل ہی من گھڑت اور جھوٹ ہیں، اور کچھ بکواس اور ہذیان کے سوا اور کچھ نہیں، اس موقع پر ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ خط جو ریئس لشکرِ فارس کو لکھا گیا، اور امن کی وہ تحریر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے لئے لکھی تھی نقل کرتے ہیں، تاکہ ناظرین پر صورتِ حال پورے طور پر واضح ہو جائے،

خالد بن ولیدؓ کا خط امیر لشکرِ فارس کے نام

"بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ خالد بن ولید کی طرف سے رستم و مہران کے نام:

ان لوگوں کے لئے سلامتی ہو جو راہِ ہدایت پر چلتے ہیں، اما بعد!

ہم تم کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم کو اس سے انکار ہو تو ماتحت

اور رعایا بن کر جزیہ ادا کرو، لیکن اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سُن لو کہ میرے ہمراہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کی راہ میں جان دینا ایسا محبوب ہے جیسا اہلِ فارس کو شراب محبوب ہے، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ[له]

صلح بیت المقدس کا معاہدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہاں کے عیسائیوں کو امان دینے کے لئے مندرجہ ذیل تحریر لکھی[له]:-

---

له بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من خالد بن الولید الی رستم ومهران فی ملاء فارس، سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ، اما بعد فانا ندعوکم الی الاسلام فان ابیتم فاعطوا الجزیة عن ید وانتم صاغرون، فان معی قوماً یحبون القتل فی سبیل اللہ کما یحب فارس الخمر والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ رواہ فی شرح السنة (مشکوٰة المصابیح، ص ۳۴۲ کتاب الجهاد باب الکتاب الی الکفار الفصل الثالث، اصح المطابع، کراچی)

له یرموک اور اجنادین کی فتوحات کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، جو بہت دنوں تک جاری رہا، جب اہلِ شہر بالکل مایوس ہو گئے، تو انھوں نے کہا کہ ہم صلح کر کے شہر کا دروازہ کھولنے کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ حضرت عمرؓ خود آکر شرائط صلح طے کریں اور صلحنامے پر بنفسِ نفیس دستخط فرمائیں، غالباً اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا، کہ خلیفہ ان کے ساتھ زیادہ نرمی برتیں گے، حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ شرط تسلیم کر لی، اور امیر المؤمنین کو بلوایا، وہ تشریف لائے اور یہ صلح نامہ لکھوایا: (دیکھئے طبری ص ۱۵۹ ج ۴ کامل ابن اثیر، ص ۱۹۳ ج ۲، و ابن عساکر، ص ۴، ۱ ج اوّل مطبعة الروضة بالشام ۱۳۲۹ھ)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیاء والوں کو دیا ہے، اُن کی جانیں بھی محفوظ رہیں گی"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہاں ہم صلحنامہ کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو حافظ طبریؒ نے نقل کئے ہیں، یہ الفاظ "اظہار الحق" میں نقل کئے ہوئے الفاظ سے کہیں کہیں معمولی طور پر مختلف ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھٰذا ما اعطی عبد اللہ عمر امیر المؤمنین اھل ایلیاء من الامان اعطاھم امانا لانفسھم واموالھم ولکنائسھم وصُلبانھم وسقیمھا وبریئھا وسائر ملتھا انہ لا تسکن کنائسھم ولا تھدم ولا ینتقص منھا ولا من حیزھا ولا من صلیبھم ولا من شئ من اموالھم ولا یکرھون علیٰ دینھم ولا یضار احد منھم ولا یسکن بایلیاء منھم احد من الیھود وعلیٰ اھل ایلیاء ان یعطوا الجزیۃ کما یعطی اھل المدائن وعلیھم ان یخرجوا منھا الروم واللصوص فمن خرج منھم فأمن علیٰ نفسہ ومالہ حتّٰی یبلغ مأمنہ، ومن اقام منھم فھو اٰمن و علیہ مثل ما علیٰ اھل ایلیاء من الجزیۃ، ومن احبّ من اھل ایلیاء ان یسیر بنفسہ ومالہ مع الرّوم ویخلّی بیعھم وصلبھم فانّھم اٰمنون علیٰ انفسھم وعلیٰ بیعھم وصُلبھم حتّٰی یبلغوا مأمنھم ومن کان بھا من اھل الارض قبل مقتل فلان فمن شاء منھم قعد وعلیہ مثل ما علیٰ اھل ایلیاء من الجزیۃ ومن شاء سار مع الرّوم ومن شاء رجع الیٰ اھلہ فانّہ لا یؤخذ منھم شئ حتیٰ یحصد حصادھم وعلیٰ ما فی ھٰذا الکتٰب عھد اللہ وذمۃ رسولہ وذمۃ المؤمنین اذا اعطوا الذی علیھم من الجزیۃ، (تاریخ الطبری، ص ۱۵۹ ج ۴)

اور ان کے عبادت خانے بھی اور صلیبیں بھی، خواہ وہ اچھی حالت
میں ہوں یا بری حالت میں، اور پوری قوم کیلئے انکے عبادتخانوں میں نہ سکونت
اختیار کی جائے، نہ ان کو گرایا جائے، نہ توڑا جائے، اور نہ کسی قسم
کا نقصان پہنچایا جائے، نہ عبادت خانوں کو نہ صلیبوں کو، نہ انکے
کسی مال کو اور نہ اُن کی اپنے دین پر چلنے میں کوئی مزاحمت کی جائے،
اور نہ کسی قسم کی مضرت پہنچائی جائے، نہ ایلیا میں کوئی یہودی رہنے
پائے، ایلیا، والوں پر اس کے عوض میں اہلِ مدائن کی طرح
جزیہ ادا کرنا واجب ہوگا، نیز ان کے ذمہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے
شہر سے رومیوں اور ڈاکوؤں کو نکال باہر کریں، پھر جو اُن میں سے
نکلے گا اس کی جان و مال کی اس وقت تک حفاظت کی جائیگی،
جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے، اور جو اُن میں سے
قیام کریں گے ان کو امن حاصل رہے گا، اور اُن پر دوسرے باشندگان
ایلیاء کی طرح جزیہ واجب ہوگا، نیز ایلیاء والوں میں سے اگر کوئی
رومیوں کے ساتھ مع اپنے مال کے جانا پسند کرے اور اپنے عبادتخانے
اور صلیبیں چھوڑ دے، تو اُن کی جانوں اور گرجوں اور صلیبوں کے
لئے امن حاصل ہوگا، جب تک وہ اپنے ٹھکانے پر نہ پہونچ جائیں گے،
اس کے علاوہ وہ دوسری قومیں جو ایلیاء میں ہیں ان میں سے جو
وہاں رہنا چاہے اس پر بھی دوسرے باشندوں کی طرح جزیہ
واجب ہوگا، اور جس کا دل چاہے اپنے ملک کو واپس چلا جائے،

ایسے لوگوں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ ان کی کھیتیاں نہ کٹیں گی، اس خط میں جو عہد لکھا گیا ہے وہ خدا اور رسولؐ کا عہد اور ذمہ داری ہے، اور اس کے رسولؐ کے خلفاء اور سارے مسلمانوں کی، جب کہ یہ لوگ مقررہ رقم جزیہ کی ادا کر دیں، صحابہ میں سے اس پر خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہی دیتے ہیں ۔

ادھر دنیا کو اس امر کا اعتراف ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی معاملات میں بڑے سخت تھے، اور شام کا جہاد آپ کا عظیم جہاد تھا، چنانچہ ایلیا کے محاصرہ کے وقت آپ بہ نفس نفیس خود تشریف لے گئے تھے، مگر جب ایلیاء پر آپ کا تسلط کامل ہو گیا، اور عیسائیوں نے جزیہ کی رقم ادا کرنا منظور کر لیا تو تاریخ شاہد ہے کہ کسی ایک متنفس کو نہ تو آپ نے قتل کیا، اور نہ ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا، اور بہترین و قابلِ قبول شرطیں ان کے سامنے پیش کیں، جس کا اعتراف عیسائیوں کے مؤرخین اور مفسرین کو بھی ہے، چنانچہ باب ۱، فصل ۳ میں[1] ... پادری طامس نیوٹن کا اقرار گذر چکا ہے، اور اس مبحث کے نمبر ۴ میں مفسر مذکور ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ عیسائیوں نے اس کے برعکس مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جب کہ اسی ایلیاء پر ان کا تسلط ہوا،

البتہ شریعتِ محمدیہ اور شریعت موسوی کے درمیان مسئلۂ جہاد میں جو عظیم الشان

[1] دیکھیے صفحہ ۵۱۲ و ۵۱۳ ،

فرق دامتیاز ہو وہ یہ کہ شریعتِ محمدیہ کے اصول کے تحت سب سے پہلے مخالف کو اسلام قبول کرنے کی باضابطہ دعوت دی جاتی ہے، بخلاف شریعتِ موسویہ کے، اور یہ بات ظاہر ہو کہ اس دعوت میں اور ایمان لانے کے بعد قتل سے محفوظ رہنے میں کوئی بھی قباحت نہیں، بلکہ عین انصاف ہے، کتاب حزقیال باب ۳۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ:

"خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم: شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آئے"[1]

اور کتاب یسعیاہ باب ۵۵ آیت ۷ میں ہے کہ:

"شریر اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکردار اپنے خیالوں کو، اور وہ خداوند کی طرف پھرے، اور وہ اس پر رحم کرے گا، اور ہمارے خداوند کی طرف، کیونکہ وہ کثرت سے معاف کرے گا"

دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعتِ موسوی میں مخصوص سات اقوام کے حق میں یہ حکم تھا کہ ان کے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کیا جائے، بخلاف شریعتِ محمدیہ کے کہ ہمارے مذہب میں ان کا قتل مطلق جائز نہیں، خواہ وہ عرب ہی کے مشرک کیوں نہ ہوں، جس طرح مخصوص سات اقوام کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے شریعتِ موسویہ میں بھی یہی حکم تھا،

---

[1] قرآن کریم کی اس آیت کا بھی قریب قریب یہی مفہوم ہو جس میں ارشاد ہو:
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ "اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ"

اب جب آپ کے خیال میں مذکورہ پانچوں باتیں ذہن نشین ہوگئیں تو اب ہم کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت کی رُو سے جہاد میں کوئی بھی نقلی یا عقلی قباحت آپ ثابت نہیں کر سکتے، نقلی حیثیت سے تو اس لئے کہ مذکورہ پانچ وجوہ سے اس کا جواز ثابت ہے، عقلاً اس لئے کہ دلیل صحیح کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے کہ قوت نظری کی اصلاح قوتِ عملی پر مقدم ہے، لہذا عقائد کی اصلاح اعمال کی اصلاح پر یقیناً مقدم ہوگی، یہ مقدمہ تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے، اور بغیر ایمان کے نیک اعمال ان کے نزدیک مفید اور کار آمد نہیں ہو سکتے، عیسائی اس نظریئے میں ہماری مخالفت کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ بغیر مسیح پر ایمان لائے اعمالِ صالحہ ذریعۂ نجات نہیں بن سکتے، اور یہ بھی ان کو تسلیم کرنا ہوگا، کہ کریم متواضع جو عیسیٰؑ کا منکر ہو وہ اُن کے نزدیک اس بخیل، غصیلے اور متکبّر سے زیادہ خبیث ہے جو عیسیٰؑ پر ایمان لاتا ہے،

اسی طرح صحیح تجربات سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی خطار اور بُرائی پر دوسرے کی تنبیہ سے واقف اور متنبہ ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح تجربات کا نچوڑ ہے کہ انسان کبھی کبھی محض اپنی قومی وجاہت اور شوکت کی وجہ سے حق کو نہیں مانتا، اور کسی دوسری قوم کے فرد کی باتوں کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کی بات سننے سے بھی اس کو عار آتی ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ اس کی بات، اس کی صنف کی طبائع اور ان کے اصول کے خلاف ہو، اور اس کے ماننے اور قبول کرنے کی صورت میں اور عباداتِ بدنیہ اور مالیہ کی ادائیگی میں مشقت اور دشواری پیش آتی ہو، بخلاف اس صورت کے جبکہ اس کی قوم

کی وجاہت اور شوکت توڑدی جائے. تو اس کو بات کی طرف دھیان دینے اور سننے میں کوئی عار نہیں آتی.

اسی طرح یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ دشمن کو جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مخالف آرام طلب ہے تو اس کی ہوس ملک گیری کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس کے ملک پر قبضہ کرلے، قدیم سلطنتوں کے عام طور پر فنا ہونے کا بڑا سبب یہی تھا، اور پھر اس کے مسلط ہونے پر دین و دیانت کو نقصانِ عظیم اُٹھانا پڑتا ہے، اسی لئے عیسائی سب کے سب اپنی مروجہ انجیل کے احکام کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ کیتھولک والے کہتے ہیں کہ رومی کلیسا کو ہر عیسائی پر بواسطۂ عماد کے پورا اعتماد حاصل ہے، کیونکہ ہر معتمد رومی کلیسا کے سامنے سرنگوں اور محکوم ہے، اور کلیسا پابند ہے کہ گنہگاروں سے کلیسائی سزائیں جاری کرکے بدلہ لے، اور اس امر کا پابند ہے کہ ان لوگوں کو جو گمراہی پر اصرار کریں اور عوام کے لئے مضرت رساں ہوں موت کی سزا دینے کے لئے حکام کے حوالے کرے، اور اس کے لئے ممکن ہو کہ وہ لوگوں کو کیتھولکی ایمان اور کلیسائی احکام کی حفاظت کرنے کا پابند بنائے، خواہ وہ کسی قصاص کی صورت میں ہو، ان کے یہ اقوال اسحاق بردنے جو ایک پروٹسٹنٹ عالم ہے اپنی کتاب الثلاث عشرۃ رسالۃ کے رسالہ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ ۱۸۴۹ء بیروت میں نقل کئے ہیں،

نیز انگلستان کے علماء پروٹسٹنٹ کہتے ہیں کہ انگلستان اور دوسرے متعلقہ ملکوں میں بادشاہ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے، وہ کلیسائی ہوں یا مدنی اور کلیسا کسی کا تابع نہیں ہے، بلکہ یہ جائز ہی نہیں کہ وہ کسی اجنبی حاکم کے سامنے جھک جائے

اور عیسائیوں کے لئے جائز ہے کہ حکام کی اجازت اور ان کے حکم سے مسلح ہوں، اور جنگ کریں، جس کی تصریح ان کے دینی عقائد میں سے عقیدہ نمبر ۳۷ میں موجود ہے،

غرض دونوں فرقوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان ظاہری اقوال کو قطعی ترک کر دیا، جن میں کہا گیا تھا کہ شر کا مقابلہ مت کرو، بلکہ جو تمہارے داہنے رخسار پر چپت رسید کرے تم اس کے آگے دوسرا رخسار بھی کر دو، اور جو تم سے جھگڑنا چاہے اور تمہارا کرتا چھیننے تم اپنی چادر بھی اس کے حوالے کر دو، اور جو تم سے ایک میل تک بیگار لینا چاہے تم دو میل تک اس کے ساتھ جاؤ، جو تم سے سوال کرے اس کو دیدو[1]

یہ اقوال ان کے مقررہ قوانین کے سراسر مخالف ہیں، اور اگر عیسائی حضرات ان اقوال پر عمل کرتے تو ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان سے انگریز کی سلطنت چند روز ہی میں ختم ہو جاتی، اور ہندوستانی بغیر کسی دشواری کے ان کو نکال باہر کر دیتے، اسی لئے ایک ظریف دانشمند نے ان اقوال پر اعتراض کرتے ہوئے الزاماً کہا ہے کہ:

"ان اقوال میں انسان کو ایسی باتوں کا مکلف بنایا گیا ہے جو اس کے احاطہ

---

[1] "شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا، جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے مُنہ نہ موڑ"

(انجیل متی ۵: ۳۹ تا ۴۲، نیز دیکھئے لوقا ۶: ۲۹)

قدرت سے خارج ہیں، کیونکہ کسی بھی سلطنت کے لئے اُن پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اور نہ کسی کو ان احکام کا پابند بنانا ممکن ہے، سوائے ان بعض شکاریوں کے جن کے پاس چادر ہی نہ ہو، کہ ان سے چھین لی جائے، اور وہ اضاعتِ وقت کی پرواہ نہ کریں "

پھر انھوں نے فرمایا کہ

"اور یہ اقوال نہ تو مرقس میں موجود ہیں، اور نہ یوحنا میں مذکور، اس کے باوجود عیسائی سوفی صدی ان احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے ہمیشہ ان اقوال سے اپنے مذہب کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں، پھر مرقس اور یوحنا کے لئے ان اقوال کو چھوڑنے کی گنجائش کب ہو سکتی تھی؟ اور دونوں گدھی کے بچے کے قصہ میں اتفاق کر لیتے ہیں[1]، تو کیا مورخین کا یہی شیوہ ہے کہ وہ معمولی معمولی باتوں کو ذکر کریں، اور بڑے اہم معاملات کو نظر انداز کر جائیں؟ بالخصوص جبکہ وہ خود ہی اس کے مخاطب بھی ہوں، ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ جس نے اُن اقوال کو ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر دوسروں کو مکلف بنانا ہو، اور جس نے سلوک کیا اس کے پیش نظر اپنے مکلف ہونے کا اندیشہ تھا،

ایک ملحد کا قول ہے کہ یہ احکام جن پر عیسائی حضرات فخر کرتے ہیں، یا تو بعض حالات کے پیش نظر مستحب ہیں، یا واجب، اگر مستحب ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں،

---

[1] دیکھئے متی ۲۱: ۱ تا ۹، مرقس ۱۱: ۱ تا ۱۰، لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸، اور یوحنا ۱۲: ۱۲ تا ۱۵

مگر اس شکل میں ملتِ عیسوی کے ساتھ کچھ تخصیص نہیں، کیونکہ یہ اسباب بعض حالات کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہیں، اور اگر واجب ہیں تو یقیناً مفاسد اور شرارتوں کا سرچشمہ ہیں، اور سلطنتوں کے راحت و اطمینان اور سرور خوشی کے زوال کا سبب ہیں،

ہمارے مندرجہ بیان کے بعد جہاد کے عقلاً مستحسن ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں رہا، بشرطیکہ وہ جہاد ان شرائط کو جامع ہو جو شریعتِ محمدیہ میں مذکور ہیں اس جگہ کے مناسب ایک حکایت یاد آگئی، ہندوستان کے انگریزی محکمۂ افتاء میں ایک پادری آیا، اور کہنے لگا کہ مفتی صاحب! میرا مسلمانوں کے خلاف ایک سوال ہے، جس کے جواب کے لئے میں ایک سال کی مہلت دیتا ہوں، مفتی صاحب نے محکمہ کے ناظر کی طرف اشارہ کیا، جو ایک ظریف اور خوش طبع شخص تھا، اس نے پوچھا فرمائیے، کیا سوال ہے؟ کہنے لگا کہ آپ کے پیغمبر کا دعویٰ ہے کہ میں مامور بالجہاد ہوں، حالانکہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو جہاد کا حکم نہیں ہوا، ناظر نے کہا کیا یہی وہ سوال ہو جس پر غور کرنے کے لئے آپ نے ہم کو ایک سال کی مہلت دی ہے؟ پادری نے کہا، ہاں؛ اس پر ناظر نے کہا کہ ہم آپ سے کوئی مہلت نہیں مانگتے، اور دو وجہ سے اسی وقت جواب دیتے ہیں، اوّل تو یہ کہ ہم سرکار انگریزی کے ملازم ہیں، اور ہم کو ایامِ تعطیل کے علاوہ قطعی فرصت نہیں، تو ہم کو کون ایک سال کی مہلت دے گا، دوسرے یہ سوال کسی غور و خوض کا محتاج بھی نہیں ہے، جج کے بارے میں (جو انگریزی حکومت میں بمنزلہ شرعی قاضی کے ہوتا ہے) آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کے لئے جائز ہے کہ جب اس کے سامنے قاتل پر جرم

قتل ثابت ہو جائے، تو وہ مجرم کو پھانسی دیدے ؟ پادری نے کہا کہ نہیں، کیونکہ اس کو یہ اختیار نہیں، بلکہ اس کا منصب یہ ہو کہ وہ اُس قاتل کو سیشن جج کے پاس بھیجدے، جو اس سے بڑا حاکم ہے، ناظر نے کہا، تو کیا اس بڑے حاکم کو اختیار ہو کہ جب اس کے نزدیک جرم قتل ثابت ہو جائے تو قانون کے مطابق وہ اس کو قتل کردے ؟ پادری نے کہا نہیں، کیونکہ اس کو بھی اختیار نہیں، بلکہ اس کا منصب صرف یہ ہے کہ معاملہ کی دوبارہ تحقیق کرے، اور جو حاکم اس سے بالاتر ہے اس کو اطلاع دے، تاکہ عدالتِ بالا سے قتل کا حکم صادر ہو، تب وہ بڑا حاکم اس کے قتل کا حکم کرے گا، ناظر نے کہا تو کیا یہ تینوں حاکم ایک ہی انگریزی حکومت کے مقرر کردہ نہیں ہیں ؟ پادری نے کہا، بیشک ! لیکن یہ اختیارات کا اختلاف عہدوں اور منصب کے اختلاف کی بناء پر ہے،

ناظر نے کہا آپ کے سوال کا جواب خود آپکے کلام سے نکل آیا، اب سنئے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی مثال پہلے دونوں حاکموں کی طرح ہے، اور ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حاکمِ اعلیٰ جیسی ہے، پھر جس طرح پہلے دونوں حاکموں کے بااختیار نہ ہونے سے تیسرے بڑے حاکم کا بااختیار نہ ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے بااختیار نہ ہونے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بااختیار نہ ہونا لازم نہیں آتا، پادری لاجواب

اب جو شخص بھی ہماری تقریر کو انصاف کی نگاہ سے دیکھے گا، اور عناد و مخالفت سے یکسو ہوکر غور کرے گا تو اس کو یقینی طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ جو سختی اور تشدد شریعت موسوی میں مسئلہ جہاد اور مرتد کے قتل اور بت پرستی کی ترغیب دینے والے کے قتل کی نسبت پایا جاتا ہے وہ شریعتِ محمدیہ کے احکامِ جہاد سے کس قدر

زائد ہے، اور عیسائیوں کا اعتراض انصاف سے قطعی دور ہے، ہم کو تو عیسائیوں پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں اور اسلاف کو نہیں دیکھتے کہ انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کیسے کیسے ظلم و جبر کے ساتھ کی؟ اور اپنے مخالفوں کے لئے کیسے کیسے ظالمانہ قوانین وضع کئے؟ اور چونکہ یہ بحث کافی طویل ہو چکی ہے اس لئے ہم اس بکواس کو جو ان کے رسالوں میں پائی جاتی ہے نظر انداز کرتے ہیں اور ہماری تقریر میں اس کا شافی جواب موجود بھی ہے۔[1]

---

[1] قرآن و سنت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد کے چار مقاصد ہیں:

(۱) اگر کوئی اسلامی حکومت پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع کرنا (مثلاً جنگ اُحد و احزاب)

(۲) اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی غیر مسلم ریاست میں مظلوم و مقہور ہو تو اُسے آزادی دلانے کی جدوجہد (مثلاً فتح مکہ)

(۳) اگر غیر مسلموں کی قوت و شوکت اتنی بڑھ گئی ہو کہ اس سے اسلامی ریاست کے بقاء و ارتقاء کو خطرہ لاحق ہو تو ازخود اقدام جنگ کر کے غیر مسلموں کی شوکت توڑ دینا (مثلاً غزوۂ بدر)

(۴) غیر مسلم نظام ہائے حکومت میں انسانوں کے مختلف گروہ اگر بے انصافی اور ظلم کا شکار ہوں تو انھیں اسلام کا نظامِ عدل مہیا کرنا، خواہ وہ مذہبِ اسلام قبول کریں یا نہ کریں (مثلاً فتح اندلس)

ان چاروں مقاصد کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرۃ المصطفیٰ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، اشاعتِ اسلام از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، الجہاد فی الاسلام از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، کروسیڈ اور جہاد، از میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب،

عیسائیوں کا اسلام پر دُوسرا اعتراض آنحضرتؐ کے پاس معجزے نہ تھے،

عیسائیوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبوت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مدعیِ نبوت کے ہاتھوں معجزات ظاہر ہوں، حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا، جیساکہ سورۂ انعام کی مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ	"میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کی تم جلدی کررہے ہو، فیصلہ تو اللہ ہی کا ہے وہ حق بات بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"

نیز اسی سورت میں ایک اور آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا، قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ،	"اور یہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں پختہ قسمیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی، تو یہ ضرور اس پر ایمان لے آئینگے آپ کہدیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، اور تمھیں کیا خبر کہ اگر نشانیاں آگئیں تو (بھی) یہ ایمان نہ لائیں گے"،

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا	"اور یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ	زمین سے ایک چشمہ نکال دیں، یا آپ کا
وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ	کوئی کھجور یا انگور کا باغ ہو، پھر آپ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ	اس کے درمیان سے خوب نہریں
السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا	نکالیں، یا آپ ہم پر اپنے زعم کے مطابق
كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ	آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرادیں
قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ	یا آپ اللہ اور سلسلے فرشتوں کو لے
مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ	آئیں، یا آپ کا ایک سونے کا گھر ہو
وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ	یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور ہم
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ	آپ کے چڑھنے پر ایمان نہ لائیں گے
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ	تاوقتیکہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل
إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۝	نہ کریں، جسے ہم پڑھیں، آپ فرمادیجئے

میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک بشر پیغمبر ہوں ۔"

یہ تینوں چیزیں جو معترض نے پیش کی ہیں دھوکہ میں ڈالنے والی ہیں، پہلی بات تو اس لئے کہ معجزہ کا صدور ہرگز ہرگز انجیل متعارف کے فیصلہ کے بموجب نبوت کے شرائط میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کا صادر نہ ہونا نبی نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا، انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۴۱ میں ہے کہ :

"اور بہتیرے اس کے پاس آئے اور کہتے تھے کہ یوحنا[1] نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا ۔"

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۔

اور انجیل متی باب ۲۱ آیت ۲۷[1] میں ہے:

"سب یوحنا کو نبی جانتے ہیں"

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یہ الفاظ ہیں:

"سب کا گمان یحییٰؑ کے بارے میں نبی ہونے کا ہے"

اور انجیل متی باب ۱۱ میں حضرت یحییٰؑ کے متعلق حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ وہ نبی سے بھی افضل ہیں[2]، حالانکہ یہ انبیاء سے افضل قرار پانے والے یحییٰ علیہ السلام وہ ہیں جن سے عمر بھر کبھی کسی قسم کا معجزہ صادر نہیں ہوا، جس کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں، حالانکہ ان کا نبی ہونا عیسائیوں کے یہاں مسلّم ہے،

دوسری بات بھی قطعی غلط ہے، چنانچہ فصل نمبر ۱ امر ثالث سے معلوم ہو چکا ہے، یا ان کی غلط فہمی ہے، یا وہ دوسروں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہیں،... کیونکہ پہلی آیت میں اللہ کے قول مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ (جس کی تم جلدی کر رہے ہو) سے مراد وہ عذاب ہے جس کا تقاضہ کفار اپنے اس کلام سے کیا کرتے تھے کہ:

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ،	"پس تم ہم پر آسمان سے پتھر برساؤ یا (اور) کوئی دردناک عذاب لے کر آؤ"،

معنی آیت کے یہ ہوئے کہ جس عذاب کا تقاضا اور عجلت مجھ سے چاہتے ہو،

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر موجودہ تراجم میں یہ آیت نمبر ۲۶ ہے،

[2] "کیا ایک نبی دیکھنے کو؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑے کو" (متی ۱۱: ۱۰)

اس کا واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، یقیناً حکم تو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے، جلد عذاب واقع کرنے یا تاخیر کرنے میں وہ ٹھیک فیصلہ کرتا ہے، تعجیل کا ہو یا تاخیر کا،

اب حاصل آیت کا یہ ہوا کہ تم پر عذاب ٹھیک اس وقت نازل ہوگا جس وقت خدا کی مرضی اور ارادہ ہوگا، مجھ کو خود کوئی اختیار اس کے جلد یا بدیر نازل کرنے کا نہیں ہے، چنانچہ وہ عذاب بدر میں اور اس کے بعد نازل ہوا، اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا،

دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے بڑی زور دار قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کا کوئی فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ صادر ہوجائے تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے آپؐ کہہ دیں کہ معجزات تو خدا کے اختیار و قدرت میں ہیں، ان میں سے جو معجزہ چاہتے ہیں اس کو ظاہر کرتے ہیں، اور یہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ جب فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ صادر ہوجائے گا تب بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے، یہ قول اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معجزے کو اس لئے ظاہر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے پر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے،

تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی بات اُس وقت تک نہیں مانیں گے جبتک آپ مکہ کی سرزمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دیں، جس کا پانی کبھی خشک نہ ہو، یا آپؐ کا کوئی ایسا باغ معرض وجود میں آجائے جس میں کھجور یا انگور ہوں، یا آپؐ اپنے قول کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر نازل کر دیں، اس سے ان کا اشارہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد

کی طرف تھا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ،

"اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑے ..... برسائیں"۔

مزید وہ یہ کہتے تھے کہ آپؐ اپنے دعوے کی سچائی پر شہادت دینے کے لئے خود اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا ایک لشکر لے آیئے، یا اپنا گھر سونے کا بنا ڈالئے، یا آسمان پر چڑھ کر دکھلایئے، اور ہم محض آپؐ کے کہنے سے آپؐ کے آسمان میں جانے کو تسلیم نہ کریں گے، بلکہ ہم پر ایک تحریر نازل ہونی چاہیے، جس میں آپ کی تصدیق کی گئی ہو،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ عبداللہ بن امیہ نے کہا تھا کہ ہم آپؐ کی بات اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک آپؐ آسمان تک جانے کے لئے ایک سیڑھی نہ بنائیں، پھر اس پر چڑھیں اور ہم واپسی تک آپؐ کو دیکھتے رہیں پھر آپؐ اس طرح واپس ہوں کہ آپؐ کے پاس ایک کھلا ہوا رقعہ ہو اور ساتھ میں چار فرشتے بھی اتر کر شہادت دیں کہ آپؐ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہے،

غرض کفار کا مقصد اس مطالبے سے محض اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے، ورنہ اگر یہ مطلوبہ معجزہ صادر بھی ہو جاتا تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس کو بھی جادو کہہ کر ...... انکار کر دیتے، جیسا کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ الخ اور وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، اسی طرح اور بعض آیات سے بھی بظاہر معجزات کی نفی معلوم ہوتی ہے، مگر مقصود سب جگہ مطلوبہ اور فرمائشی معجزات کی نفی ہے، اس نفی سے مطلقاً معجزات کا انکار

لازم نہیں آتا[۱]، کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر ہرگز یہ لازم نہیں کہ جس معجزہ کا بھی منکرین مطالبہ کریں وہ ان کو دکھلائیں، بلکہ یہ حضرات ایسی حالت میں جبکہ منکرین کا مطالبہ محض عناد یا امتحان یا استہزاء کے طور پر ہو، ہرگز وہ معجزہ نہیں دکھایا کرتے[۲]۔ اس دعوے پر عہد جدید میں بہت سے شواہد اور نظیریں موجود ہیں،

عہدِ جدید سے مطلوبہ معجزہ پیش نہ کرنے کے شواہد

پہلا شاھد؛

انجیل مرقس باب ۸ آیت ۱۱ میں ہے:

"پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے، اور اُسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔ (آیات ۱۱ و ۱۲)

---

[۱] دیکھئے تفسیر ابن کثیر، ص ۶۲ تا ۶۴، جلد ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ،

[۲] ورنہ جہاں تک دوسرے معجزات کا تعلق ہے ان میں سے بعض کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً: سورۂ قمر میں معجزۂ شق قمر کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، قرآن کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگ جب کھلے کھلے معجزات اور واضح دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو اب ان کے معاندانہ مطالبات کو پورا کرنے کا کوئی سوال نہیں، اگر اس طرح کے ہر بیہودہ مطالبہ پر معجزات دکھلائے جاتے رہیں اور یہ ہر مرتبہ انکار کرکے ایک نئے معجزے کا مطالبہ کر دیا کریں تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ پیغمبر کے قیمتی اوقات ضائع ہوں، اور اللہ کے معجزات ایک تماشا بن کر رہ جائیں، کافروں کی پرانی روش کا طویل تجربہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ اگر ان کے مطالبات پورے کر دیئے گئے تب بھی وہ یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کریں گے کہ یہ تو جادو ہے، چنانچہ پچھلے معجزات کو وہ جادو ہی قرار دیتے رہے جیسا کہ قرآن کریم نے کئی جگہ نقل کیا ہے،

ملاحظہ کیجئے کہ فریسیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے بطور امتحان معجزہ طلب کیا ہی، پھر عیسیٰؑ نے نہ تو کوئی معجزہ دکھایا، نہ اس وقت کسی سابقہ معجزہ کا حوالہ دیا جو اس سے قبل ان سے صادر ہو چکے تھے، نہ آئندہ دکھانے کا وعدہ کیا، بلکہ اُن کا یہ قول کہ "اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا" صاف اس امر پر دلالت کر رہا ہی کہ ان سے اس کے بعد کبھی کوئی معجزہ صادر نہیں ہوگا، کیونکہ انکے قول میں اُس زمانہ کے تمام موجود انسان مراد ہیں،

دوسرا شاہد،

انجیل لوقا باب ۲۳ آیت ۸ میں ہے:

"ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، کیونکہ وہ مدت سے اُسے دیکھنے کا مشتاق تھا، اس لئے کہ اس نے اس کا حال سُنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا، اور وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا، مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا، اور سردار کاہن اور فقیہ کھڑے ہوئے زور شور سے اس پر الزام لگاتے رہے، پھر ہیرودیس نے اپنے سپاہیوں سمیت اسے ذلیل کیا، اور ٹھٹھوں میں اڑایا، اور چمک دار پوشاک پہنا کر اس کو پیلاطس کے پاس واپس بھیجا" (آیات ۸ تا ۱۱)

دیکھئے! عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حالانکہ بادشاہ ہیرودیس یہ امید لے کر آیا تھا کہ ان کا کوئی معجزہ دیکھے، اور غالب یہی ہے کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ لیتا تو یہودیوں کی شکایت کے خلاف ان کو لاجواب اور ساکت کر دیتا اور نہ خود ان کی تحقیر کرتا، نہ اُس کا لشکر یہ حرکت کرتا،

تیسرا شاھد؛

انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۶۳ میں ہے:

"اور جو آدمی یسوع کو پکڑے ہوئے تھے، اس کو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا اور انھوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں اس کے خلاف کہیں "

ظاہر ہے کہ چونکہ ان کا سوال محض استہزاء کے طور پر ہوتا تھا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا،

چوتھا شاھد؛

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۳۹ میں ہے:

"اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے، اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا، اگر تو خدا کا بیٹا ہو تو صلیب پر سے اُتر آ، اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے، اس نے اوروں کو بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا، یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے، اب صلیب پر سے اتر آئے، تو ہم اس پر ایمان لائیں، اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے، اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے، کیونکہ اُس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں، اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے " (آیات ۳۹ تا ۴۴)

مگر عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت اپنے آپ کو نہ چھڑا سکے، اور نہ سولی سے اُتر سکے، اگرچہ گزرنے والوں اور کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں نے ان کا کیسا ہی مذاق

اڑایا؟ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر تم سُولی سے اتر آؤ، تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے، ایسی صورت میں عیسیٰ علیہ السلام پر ننگ عار دور کرنے اور اتمامِ حجت کی خاطر ضروری تھا کہ ایک مرتبہ سولی سے اُتر آتے، پھر خواہ چڑھ جاتے، لیکن چونکہ ان کا مقصود محض عناد اور استہزار تھا، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا،

پانچواں شاہد:

انجیل متی باب ۱۲ آیت ۳۸ میں ہے:

"اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا، اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اُس نے جواب دے کر ان سے کہا، اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"

(آیات ۳۸ تا ۴۰)

ذرا غور کیجئے کہ فقیہ اور فریسی عیسیٰ ؑ سے معجزے کے طالب ہیں، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو اس وقت کوئی معجزہ دکھایا، نہ اپنے گزشتہ معجزات میں سے کسی معجزہ کا حوالہ دیا جو اُن سے صادر ہو چکے تھے، بلکہ ان کو برا بھلا کہا، اور فاسق اور شریر جیسے الفاظ اُن کے حق میں استعمال کئے، اور ایسے معجزہ کا وعدہ کیا جو اُن سے صادر نہیں ہوا، کیونکہ ان کا یہ قول کہ "جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا" یقیناً بلاشبہ غلط ہے، جیسا کہ باب اوّل کی فصل ۳ میں معلوم ہو چکا ہے[1]

[1] دیکھئے صفحہ ۵۰۳ جلد اوّل، غلطی نمبر ۶۰، ۶۱، ۶۲، اس میں مصنف ؒ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح انجیل کی روایات کے مطابق تین دن قبر میں نہیں رہے، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات

اور اگر ہم اس کے غلط ہونے سے قطعِ نظر بھی کرلیں تو مطلقاً ان کا قبر سے زندہ ہو کر کھڑا ہو جانا فریسیوں اور فقیہوں نے اپنی آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا، اور اگر واقعی عیسیٰ مُردوں میں سے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے کو ان منکرین اور معجزہ کے طلبگار پر ظاہر کرتے، تاکہ اُن پر حجت قائم ہو جاتی، اور وعدہ بھی پورا ہو جاتا، مگر عیسیٰؑ نہ اُن پر ظاہر ہوئے، اور نہ یہودیوں پر، اسی لئے وہ لوگ عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس وقت سے آج تک یہ لوگ برابر یہ کہتے آرہے ہیں کہ ان کے شاگردوں نے رات کے وقت اُن کی نعش قبر سے اُڑالی تھی،

چھٹا شاھد:

انجیل متی باب ۴ آیت ۳ میں ہے:

"اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں، اُس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی[1] صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا، بلکہ ہر بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے، تب ابلیس اُسے مقدس شہر میں لے گیا، اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرادے، کیونکہ لکھا ہے کہ وہ[2] تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے، ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے، یسوع نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند

ل۱ استثنا ۸: ۳ کی طرف اشارہ ہے،

ل۲ زبور ۹۱: ۱۱ و ۱۲ کی طرف اشارہ ہے،

اپنے خداوند کی آزمائش نہ کر۔[1] (آیات ۳ تا ۸)

دیکھئے! ابلیس نے عیسیٰ علیہ السلام سے امتحان کے طور پر دو معجزوں کا مطالبہ کیا تھا مگر عیسیٰ علیہ السلام نے ایک کو بھی منظور نہیں کیا، اور دوسری مرتبہ اعتراف کیا کہ بندہ کی شان یہ نہیں کہ اپنے خدا کا امتحان لے، بلکہ بندگی کا تقاضا ادب و احترام ہو نہ کہ آزمائش۔

ساتواں شاھد:

انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۲۹ میں ہے:

یسوع نے جواب میں ان سے کہا خدا کا کام یہ ہے کہ جسے اس نے بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ، پس انھوں نے اس سے کہا، پھر تو کونسا نشان دکھاتا ہے؟ تاکہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں، تو کونسا کام کرتا ہے؟ ہمارے باپ دادا نے بیابان میں من کھایا، چنانچہ لکھا ہے کہ اس نے انھیں کھانے کے لئے آسمان سے روٹی دی۔[2] (آیات ۲۹ تا ۳۱)

یعنی یہودیوں نے مسیح سے معجزہ طلب کیا، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں نہ تو کوئی معجزہ دکھایا اور نہ کسی ایسے معجزہ کا حوالہ دیا جو اس درخواست سے پہلے دکھلا چکے تھے، بلکہ ایسا مجمل کلام استعمال کیا جس کو اکثر سننے والوں نے نہیں سمجھا، بلکہ محض اس وجہ سے ان کے بہت سے شاگرد مرتد ہو گئے، جس کی تصریح باب مذکور کی آیت نمبر ۶۶ میں کی گئی ہے، جو ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء[3] میں اس طرح ہو

---

[1] استثنا ۶: ۱۶ کی طرف اشارہ ہے،

[2] نحمیاہ ۹: ۱۵ کی طرف اشارہ ہے،

[3] موجودہ اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے، یہ عبارت اسی سے نقل کر دی گئی ہے،

کہ ”اس پر اس کے شاگردوں میں سے بہتیرے اُلٹے پھر گئے، اور اس کے بعد اس کے ساتھ نہ رہے“۔ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں اس طرح ہے کہ: ”اور اس وجہ سے ان کے بہت سے شاگرد اپنے پچھلے پاؤں لوٹ گئے، اور پھر کبھی ان کے ساتھ نہ چلے“

آٹھواں شاھد:

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۲ میں ہے کہ:

”یہودی نشان چاہتے ہیں، اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں، مگر ہم اس مسیحِ مصلوب کی منادی کرتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوموں کے نزدیک بیوقوفی ہے“۔

یہودی جس طرح مسیح سے معجزہ طلب کیا کرتے تھے، اسی طرح انھوں نے معجزہ کا مطالبہ حواریوں سے بھی کیا، عیسائیوں کے مقدس پولس نے اقرار کیا ہے کہ یہ لوگ معجزہ طلب کرتے ہیں، اور ہم ان کے سامنے مسیح مصلوب کا وعظ کہتے ہیں

ان منقولہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسیٰؑ اور حواریوں نے ان اوقات میں جبکہ ان سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا، کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور منکرین کے سامنے ان معجزات کا حوالہ پیش کیا جو اس سے قبل دکھا چکے تھے، اب اگر کوئی شخص ان آیات سے اس امر پر استدلال کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کو کسی ایسے امر کے اظہار کی کوئی قدرت نہ تھی جو خلاف عادت ہو، ورنہ وہ کام ان اوقات میں ان سے صادر ہوتا، پھر جب اُن سے کوئی بات صادر نہیں ہوئی تو ثابت ہوگیا کہ ان کو اس کے اظہار کی قطعی کوئی قدرت نہیں تھی، تو یقیناً پادری صاحبان کے نزدیک یہ استدلال ظلم و کج روی پر محمول ہوگا، اور اس کی بات انصاف کے خلاف

شمار ہوگی، بالکل اسی طرح ہمارے نزدیک بعض ان آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کرتے ہوئے جن کے مطالب ہم واضح کرچکے ہیں، پادریوں کا اعتراض انصاف کے خلاف اور ظلم پر محمول ہوگا، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں جا بجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ فصل اوّل میں معلوم ہو چکا ہے، اور قرآن کریم میں بھی بعض مقامات پر اجمالاً ذکر کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

قرآنی آیات سے معجزات کا ثبوت

پہلا شاھد:

سورۂ صافات میں ارشاد ہے وَ اِذَا رَأَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ، یعنی جب کبھی اللہ کی واضح نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھتے ہیں جیسے شق القمر وغیرہ، تو یہ لوگ مذاق اڑانے میں مبالغہ کرتے ہیں، یا ان میں سے ایک دوسرے سے مذاق اڑانے کا مطالبہ کرتا ہے، اور تفسیر کبیر میں ہے کہ:

"اور چوتھی بات جسکو حق تعالیٰ نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ایک کھلا ہوا جادو ہے، یعنی جب کبھی کوئی معجزہ یا نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور منشاء ان کی طرف سے اس تمسخر کا یہ ہو کہ وہ اس معجزے کو جادو کی قبیل سے سمجھتے ہیں، مبین کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جادو ہونا ایسا واضح ہے کہ جس میں کسی کے لئے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہے"[1]

---

[1] تفسیر کبیر، ص ۱۳۰ ج ۷ مطبوعہ استنبول ۱۳۰۷ھ،

بیضاوی میں ہے کہ:

یعنی جب وہ کوئی ایسی نشانی دیکھتے ہیں جو قائل کی سچائی پر دلالت کرتی ہے تو تمسخر میں مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، یا ان میں سے ایک دوسرے سے تمسخر کا مطالبہ کرتا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ معجزہ جو ہم نے دیکھا ہے اس کا جادو ہونا واضح ہے[1]"

نیز جلالین میں ہے کہ:

"جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، تو مذاق اڑاتے ہیں، اور اس معجزے کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ واضح جادو ہے"

اسی طرح تفسیر حسینی میں بھی ہے۔

دوسرا شاہد:

سورۂ قمر میں ہے کہ:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ،

اس کا بیان پہلی فصل میں آچکا ہے،

تیسرا شاہد

سورۂ آلِ عمران میں ہے:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ	"اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا'

[1] تفسیر البیضاوی المطبوع فی مجموعۃ التفاسیر الاربعۃ، ص ۲۲۹ ج ۵ مطبوعہ استنبول،

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ،	حالانکہ وہ شہادت دے چکے تھے کہ رسول حق ہے اور ان کے پاس بینات آچکی تھیں

تفسیر کشاف میں البینات کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس سے مراد قرآن کریم کے تمام شواہد اور وہ تمام معجزات ہیں جن سے نبوّت کا اثبات ہوتا ہے[1]"

اور قرآن میں لفظ بینات کا جب موصوف محذوف ہوتا ہے تو یہ لفظ عموماً معجزات کے معنی میں ہوتا ہے، اس صورت میں کسی دوسرے معنی میں اس کا استعمال بہت قلیل ہے، اس لئے بغیر کسی قوی قرینہ کے اس معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا۔[2] چنانچہ سورہ بقرہ میں: وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ، اور سورۂ نساء میں، ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور سورۂ مائدہ میں، اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ، پھر اسی سورۃ میں دوسرے مقام پر فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور سورۂ نحل میں، بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ اور سورۂ طٰہٰ میں لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ اور سورۂ مؤمن میں: وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ، اور سورۂ حدید میں: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ اور سورۂ تغابن میں: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ، اور اسی طرح بہت سے مواقع پر معجزات ہی کے معنی مراد ہیں،

---

[1] تفسیر الکشاف، ص ۳۸۱ ج اول مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، ۱۳۶۵ھ،

[2] یہ درحقیقت اس شبہ کا جواب ہو کہ بینات کے لغوی معنی "روشن دلائل" کے ہیں، اور ان کا اطلاق معجزات پر ہونا ضروری نہیں،

چوتھا شاہد:

سورۂ انعام میں ہے کہ:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	"اور ان لوگوں سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں، یا اس کی نشانیوں کی تکذیب کریں، بلاشبہ ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے"

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

(اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں) مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، یا بتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خدا کے سامنے ہماری سفارش کریں گے (یا اس کی نشانیوں کی تکذیب کریں) مثلاً وہ قرآن کی تکذیب کرتے تھے اور معجزات کو جھٹلا کر انھیں جادو قرار دیتے تھے، اور اگرچہ وہ جھوٹ بہتان باندھنے اور نشانیوں کی تکذیب دونوں باتوں کے مرتکب تھے، لیکن لفظ "اَوْ" (بمعنی "یا") اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر بات انتہائی ظلم ہے[1]"

اور کشاف میں ہے کہ:

"انھوں نے دو متناقض چیزوں کو جمع کیا، ایک طرف خدا کی تکذیب کی، دوسری طرف اس چیز کی تکذیب کی جو حجت دلیل اور برہان صحیح سے ثابت تھی، کیونکہ ان کا قول تھا کہ اگر خدا کی مرضی ہوتی تو ہم شرک نہ کرتے،

[1] تفسیر البیضاوی، ص ۲۵۷ ج اول، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ۔

اور نہ ہمارے بڑے شرک کے مرتکب ہوتے اور یہ بھی کہتے کہ خدا نے ہم کو شرک کا حکم دیا ہے، اور کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اور یہ بُت خدا کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، اور خدا کی طرف بحیرہ[1] اور سائبہ کی حرمت منسوب کرتے، پھر قرآن کو اور معجزات کو جھٹلایا اور ان کا نام سحر اور جادو رکھا، اور رسول پر ایمان نہ لائے[2]"

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ:

"ان کے خسارے اور نقصان کی دوسری قسم یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کی، اور قرآن کو واضح معجزہ ماننے سے انکار کیا[3]"

پانچواں شاہد:

سورۂ انعام ہی میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا "اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے

---

[1] بحیرہ، مشرکینِ عرب اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو، اور آخری بار اس کے ہاں نر بچہ ہوا ہو، یہ لوگ اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر سواری کرنے، اس کا دودھ پینے، اسے ذبح کرنے اور اس کا ... اون اُتار کر استعمال کرنے کو حرام سمجھتے تھے، اور سائبہ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منت کے پورا ہونے پر بُن کر دیا گیا ہو، اُسے بھی حرام سمجھا جاتا تھا، قرآن نے ان سب صورتوں کی تردید کی ہے (مائدہ آیت نمبر ۱۰۳)

[2] تفسیر الکشاف ص ۱۲ جلد دوم،

[3] تفسیر کبیر، ص ۲۳ ج ۴،

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾	تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جب تک کہ ہمیں وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنا پیغام کہاں رکھے، ان مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت پہنچے گی، اور شدید عذاب پہنچے گا ان کے مکر کے بدلے میں،"

تفسیر کبیر میں وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب اُن کے سامنے کوئی زبردست معجزہ آتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتا ہو تو ....الخ"[1]

نیز پوپ الگزنڈر کا یہ اعتقاد تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب الہام ہیں، مگر اس کے خیال میں یہ الہام واجب التسلیم نہیں تھا، اس کی کتاب مسمّٰی ڈون سدھی[2] جلد ۵ میں یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ:

"اے محمدؐ! کبوتر تیرے کانوں کے پاس ہے"

ہم نے یہ فقرہ جلد مطبوعہ ۱۷۸۹ء و ۱۸۰۶ء لندن سے نقل کیا ہے، مگر یہ فقرہ پہلے نسخہ کے صفحہ ۲۶ پر اور دوسرے نسخہ کے صفحہ ۳۰۳ پر ہے، غالباً پوپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام کو کبوتر کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ عیسائیوں

---

[1] تفسیر کبیر، ص ۱۴۱ جلد ۴ مطبوعہ استنبول ۱۳۲۴ھ

[2] اظہار الحق کے عربی نسخہ میں یہ نام "دنسید" مذکور ہے، مگر انگریزی ترجمہ میں Don Sidhi ر (باقی)

کے نزدیک الہام روح القدس کے واسطے سے ہوتا ہے، اور روح القدس عیسیٰ علیہ السلام پر بپتسمہ کے بعد جب نازل ہوئی تو کبوتر کی شکل میں تھی، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۳ میں موجود ہے، اس لئے اس نے سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام بھی کبوتر کے واسطے سے ہے،

عیسائیوں کا اسلام پر تیسرا اعتراض، تعدد ازدواج

یہ اعتراض عورتوں کے بارے میں ہے جس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں کیا گیا، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعداد پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اپنے لئے تعداد بڑھا کر نو کرلی، اپنے متعلق خدا کا یہ حکم ظاہر کیا کہ اللہ نے مجھ کو اجازت دی ہے کہ میں چار سے زیادہ کر سکتا ہوں،

۲۔ مسلمانوں کے لئے اپنی بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل ضروری ہے، مگر اپنے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا یہ حکم ظاہر کیا کہ مجھ پر یہ عدل واجب نہیں،

۳۔ آپؐ زید بن حارثہؓ کے گھر میں اچانک داخل ہو گئے، اور جب پردہ ہٹایا تو آپؐ کی نگاہ زینب بنت حجشؓ پر پڑ گئی، جو زیدؓ کی بیوی تھیں، اور آپؐ ان پر فریفتہ ہو گئے، اور فرمایا کہ سبحان اللہ! پھر جب زیدؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے بیوی کو طلاق دیدی، اور آپؐ نے ان سے شادی کر لی، اور یہ ظاہر کیا کہ خدا نے مجھ کو اس سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔

۴۔ آپؐ نے ماریہ قبطیہؓ سے حضرت حفصہؓ کے مکان میں ان کی باری

کے دن صحبت کی، جس پر حضرت حفصہؓ سخت غضبناک ہوئیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے لئے حرام کر دیا، مگر آپؐ تحریم پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنے پر قادر نہ ہو سکے، اور یہ ظاہر کیا کہ خدا نے مجھ کو اجازت دی ہے کہ کفارہ ادا کر کے اپنی قسم کو ختم کر دوں،

۵۔ آپؐ کی امت کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے تو دوسرا شخص عدت گزرنے پر اس سے شادی کر سکتا ہے، مگر اپنی نسبت آپ نے خدا کا یہ حکم ظاہر کیا کہ کسی شخص کو اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ میری وفات کے بعد میری کسی بیوی سے شادی کرے،

عیسائیوں نے بڑی جدوجہد اور انتہائی کوشش کے بعد عورتوں کے سلسلہ میں یہ پانچ قسم کے اعتراض کئے ہیں جو سب کے سب اُن کے اکثر رسالوں میں مثلاً میزان الحق، تحقیق الدین الحق، دافع البہتان، دلائل اثبات رسالۃ المسیح دلائل النبوت اور ردّ اللغو وغیرہ میں پائے جاتے ہیں، اس موقع پر ہم آٹھ باتیں بطور تمہید کے پیش کرتے ہیں، جن سے ان تمام صورتوں کا جواب نکل آتا ہے:

جواب کی تمہید

پہلی بات؛

گذشتہ شریعتوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنا جائز تھا، اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے سارہؓ سے نکاح کیا، اور ان کی موجودگی میں پھر ہاجرہؓ سے شادی کی، حالانکہ وہ خلیل اللہ تھے، اور خدا کی وحی ان کے پاس

آتی تھی، اور خدا ان کی اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا تھا، اگر نکاح ثانی جائز نہ ہوتا تو خدا ابراہیم کو ایسے ناجائز کام پر باقی نہ چھوڑتا، بلکہ ان کو نکاح فسخ کرنے کا حکم دیتا، اور اس کو حرام قرار دیتا، دوسرے یعقوبؑ نے چار عورتوں، لیا، راحیل، بلہا، زلفا سے شادی کی، پہلی دونوں عورتیں لابن کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں اور آپس میں حقیقی بہنیں تھیں، تیسری اور چوتھی باندیاں تھیں، حالانکہ شریعت موسوی میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا قطعی حرام تھا، جیساکہ باب ۳ میں معلوم ہو چکا ہے[1]،

اب اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا حرام مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ ان عورتوں سے جو اولاد ہوئی وہ سب کی سب حرام کی اولاد تھی، نعوذ باللہ منہ، حالانکہ ان کے پاس برابر خدا کی وحی آتی تھی، اوران کی نیک کاموں کی طرف رہنمائی کی جاتی تھی، پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا بُرے کاموں کی طرف ان کی رہبری کرتا، اور اس اہم معاملہ میں ان کو کچھ ہدایت نہ دیتا، لہٰذا خدا کا یعقوب کے چاروں نکاحوں کو بالخصوص دو حقیقی بہنوں کو برقرار رکھنا اس بات کی واضح دلیل ہو کہ ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا،

نیز جدعون بن یوآس نے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا، کتاب قضاۃ باب ۸ آیت ۳۰ میں ہے کہ:

"اور جدعون کے ستر بیٹے تھے جو اس ہی کے صلب سے پیدا ہوئے تھے، کیونکہ اس کی بہت سی بیویاں تھیں، اور اس کی ایک حرم کے بھی جو سکم

---

[1] یہ حکم احبار ۱۸: ۱۸ میں موجود ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۸۱۸ جلد ۲،

یں تھی اس سے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام ابی ملک رکھا ۔ (آیات ۳۰ و ۳۱)

اور جدعون کا نبی ہونا کتاب قضاۃ کے باب ۶ و ۷ سے[1] اور رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۱ سے[2] ثابت ہے،

حضرت داؤدؑ کی بیوی کا مہر نیز داؤد علیہ السلام نے بہت سی عورتوں سے شادی کی، سب سے پہلا نکاح میکل بنت شاؤل سے کیا، اور مہر میں فلسطینوں کے ایک سو آلات تناسل مقرر کئے گئے تھے، لیکن داؤدؑ نے شاؤل کو دو سو آلات تناسل دیئے،[3] پھر شاؤل نے داؤدؑ کو اپنی بیٹی میکل بیاہ دی، کتاب سموئیل اوّل باب ۱۸ آیت ۲۷ میں ہے :

"اور ہنوز دن پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ داؤد اٹھا، اور اپنے لوگوں کو لیکر گیا، اور دو سو فلستی قتل کر ڈالے، اور داؤد ان کی (کھلڑیاں) لایا، اور انھوں نے ان کی پوری تعداد میں بادشاہ کو دیا، تاکہ وہ بادشاہ کا داماد ہو، اور ساؤل نے اپنی بیٹی میکل اُسے بیاہ دی "

بد دین لوگ اس مہر کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کیا شاؤل کی یہ غرض تھی کہ ان آلاتِ تناسل سے ایک گدھے کا بوجھ تیار کرکے اپنی بیٹی کو جہیز میں دے، یا کوئی دوسری غرض تھی ؟ مگر ہم ان کے مذاق سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام نے شاؤل سے بغاوت کی تھی تب اس نے میکل کی شادی

---

[1] "تب خداوند نے جدعون سے کہا" (قضاۃ ۷: ۲ و ۴ و ۹ نیز دیکھئے ۶: ۱۱ و ۱۲)

[2] عبارت کے لئے دیکھئے ص ۵۰۸ جلد ہذا کا حاشیہ،

[3] یعنی آلات تناسل کی کھالیں، عربی ترجمہ میں یہاں "غُلَفْ" کا لفظ ہے،

فلطی بن لیس جلیمی سے کردی تھی، جس کی تصریح سفر مذکور کے باب ۲۵ میں ہے،

اس کے علاوہ داؤد علیہ السلام نے چھ دوسری عورتوں سے نکاح کیا:

(۱) اخینوعم یزرعیلی (۲) ابجیل (۳) معکہ بنت تلمی شاہ جسور (۴) حجیت (۵) ابیطال (۶) عجلاہ، جس کی تصریح کتاب سموئیل ثانی باب۳ میں موجود ہے، ... ان چھ بیویوں کے باوجود میکل کی محبت آپ کے دل سے دور نہیں ہوئی، اگرچہ وہ دوسرے کے نکاح میں تھی، اسی لئے جب شاؤل مارا گیا تو داؤد نے اس کے بیٹے اشبوست سے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا، اور کہا کہ میری بیوی مجھ کو واپس کر، جس کا مہر میں نے فلطینیوں کے ایک سو آلاتِ تناسل دے کر ادا کر دیا تھا، مجبوراً اشبوست نے فلطی بن لیس سے جبراً میکل کو لے کر داؤد کے پاس بھیج دیا، اور اس کا شوہر فلطی اس کے پیچھے پیچھے روتا ہوا مقام بحوریم تک آیا، پھر مجبوراً واپس ہو گیا، جس کی تصریح مذکورہ باب میں ہے[۱]

پھر جب دوبارہ میکل داؤد کے پاس پہنچی تب اُن کی مستقل بیوی بن گئی، اور سات بیویوں کا عدد مکمل ہو گیا، پھر داؤد نے اور دوسری عورتوں سے نکاح کیا اسی طرح بہت سی باندیاں جمع کیں، جن کی تعداد کی تصریح ان کی کتب مقدسہ میں نہیں ہے، کتاب سموئیل ثانی باب۵ آیت ۱۳ میں ہے:

---

[۱] "اور داؤد نے ساؤل کے بیٹے اشبوست کو قاصدوں کی معرفت کہلا بھیجا کہ میری بیوی میکل کو جس کو میں نے فلطینیوں کی سو کھلڑیاں دے کر بیاہا تھا میرے حوالے کر، سو اشبوست نے لوگ بھیج کر اسے اس کے شوہر لیس کے بیٹے فلطی ایل سے چھین لیا، اور اس کا شوہر اس کے ساتھ چلا، اور اس کے پیچھے پیچھے بحوریم تک روتا ہوا چلا آیا۔"

(۲۔ سموئیل ۳: ۱۴ تا ۱۶)

"داؤد نے یروشلیم سے اور حرمیں رکھ لیں، اور بیویاں کیں، اور داؤد کے ہاں اور بیٹے، بیٹیاں پیدا ہوئیں"

پھر داؤدؑ نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور حیلہ سے اس کے شوہر کو مروا دیا، جس پر خدا نے داؤد پر عتاب کیا، جیسا کہ اس فصل کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے[1]، اور داؤد علیہ السلام اگرچہ اس زنا میں اور اس عورت سے نکاح کرنے میں غلط کار تھے، مگر اور دوسری بہت سی عورتوں سے نکاح کرنے میں گنہگار نہیں تھے، ورنہ خدا اُن سے نکاح کرنے پر بھی اسی طرح عتاب کرتا جس طرح اوریا کی عورت سے نکاح کرنے پر کیا تھا، پھر ان عورتوں سے شادی کرنے پر عتاب کی جگہ اپنی رضا کا اظہار کیا، اور ان کے دینے کو اپنی طرف منسوب کیا، اور کہا کہ اگر یہ عورتیں کم ہیں تو میں اسی قدر اسی قدر اور دوں گا" اور اللہ کا قول داؤدؑ کے حق میں ناتن نبی کی معرفت کتاب سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۸ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۲ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء لندن و نسخہ مطبوعہ روما ۱۶۷۳ء میں اس طرح مذکور ہے:

"اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا، اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں، اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا، اور اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو (ان جیسی[2] اور اور دوں گا)"

[1] دیکھئے ص ۱۵۷۹ جلد ہذا۔

[2] اظہار الحق میں یہاں یہ عبارت ہے: "فان کانت قلیلۃ فأزید لک مثلھن ومثلھن" اسی کا ترجمہ ہم نے قوسین میں لکھ دیا ہے، لیکن موجودہ تمام ترجموں میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "اور اور چیزیں بھی دیتا" موجودہ عربی اور انگریزی ترجمے بھی اسی کے مطابق ہیں، مصنفؒ نے جن نسخوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں یہ عبارت متن کے مطابق رہی ہوگی۔

اس عبارت میں یہ لفظ کہ "میں نے دیا" اور یہ الفاظ کہ "اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو ان جیسی اور اور دوں گا" ہمارے دعوے پر صریح دلالت کر رہے ہیں، اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں آخری جملہ یوں ہے کہ:

فاذا کانت عِندَکَ قَلِیْلَۃ	"پس اگر یہ تیرے خیال میں کم تھیں تو
کَانَ یَنْبَغِیْ لَکَ اَنْ تَقُوْلَ	تجھے چاہئے تھا کہ کہتا تو میں ان جیسی
فَاَزِیْدُ مِثْلَھُنَّ وَمِثْلَھُنَّ،	اور اور بڑھا دیتا"

داؤدؑ نے نہ صرف اس قدر شادیوں پر اکتفاء کیا، بلکہ آخری عمر میں ایک نوجوان کنواری لڑکی جس کا نام ابی شاگ شوعنت ہے، اور جو بلا کی خوب صورت تھی، اس سے آپ نے نکاح کیا، جس کی تصریح کتاب سلاطین اول باب اول میں ہے[1]،

چوتھے سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی، جن میں سات سو آزاد شہزادیاں تھیں اور تین سو باندیاں تھیں، یہاں تک کہ ان کے دامِ فریب میں آکر آخر عمر میں آپ نعوذ باللہ منہ مرتد بھی ہو گئے، اور بُت خانے بھی تعمیر کرائے جس کی تصریح کتاب سلاطین اول باب ۱۱ میں موجود ہے،

نیز توریت کے کسی بھی مقام سے ایک نکاح سے زیادہ کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر یہ چیز حرام ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کی حرمت کی اسی طرح تصریح کرتے، جس طرح دوسری حرام چیزوں کی تصریح کی ہے، اور ان کی تحریم کے اظہار میں بہت سختی کی ہے، اس کے برعکس توریت سے تعددِ ازدواج کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کنواری

[1] ا۔ سلاطین ۱: ۳ و ۴،

لڑکیاں جو مدیانیوں کی غنیمت سے حاصل ہوئی تھیں ان کی تعداد بتیس ہزار تھی، اور ان کو بنی اسرائیل پر تقسیم کیا گیا تھا، بلالحاظ اس کے کہ وہ شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ، اس میں کوئی تخصیص کنوارے لوگوں کی نہ تھی[۱]

نیز کتاب استثنا، باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے کہ:

جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو نکلے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں کر دے، اور تو اُن کو اسیر کر لائے اور اُن اسیروں میں کسی خوب صورت عورت کو دیکھ کر تو اس پر فریفتہ ہو جائے، اور اس کو بیاہ لینا چاہے تو تو اسے اپنے گھر لے آنا، اور وہ اپنا سر منڈوائے اور اپنے ناخن ترشوائے، اور اپنی اسیری کا لباس اتار کر تیرے گھر میں رہے، اور ایک مہینہ تک اپنے ماں باپ کے لئے ماتم کرے، اس کے بعد تو اس کے پاس جا کر اس کا شوہر ہونا اور وہ تیری بیوی بنے، اور اگر وہ تجھ کو نہ بھائے تو جہاں وہ چاہے اس کو جانے دینا، لیکن روپے کی خاطر اس کو ہرگز نہ بیچنا، اور اس سے لونڈی کا سا سلوک نہ کرنا اس لئے کہ تو نے اس کی حرمت لے لی ہے،

اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں، اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں، اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے، بلکہ وہ

---

۱ دیکھئے گنتی ۳۱: ۳۵ دکتاب ہذا، ص ۱۶۱۲ جلد ہذا،

غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے، کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتداء ہے، اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے" (آیات ۱۰ تا ۱۷)

ان آیات میں صرف اس شخص سے خطاب نہیں ہے جس کی پہلی بیوی نہ ہو، بلکہ عام ہے، خواہ اس کی پہلی بیوی ہو یا نہ ہو، نیز اس میں یہ تصریح بھی نہیں ہے کہ یہ حکم ایک ہی باندی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے برعکس بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر مخاطب ایک سے زیادہ عورتوں کو پسند کرے، اور ان کو بیویاں بنانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا، لہٰذا ہر اسرائیلی کے لئے بہت سی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہوا، اور یہ الفاظ کہ: "اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں" تو صاف وصریح ہمارے مدّعا پر دلالت کر رہے ہیں، جس کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے،

خلاصہ یہ کہ ثابت ہو گیا کہ موسیٰؑ کی شریعت میں کثرتِ ازدواج جائز فعل تھا، اور حرام بالکل نہ تھا، اسی بنا پر جدعون اور داؤدؑ وغیرہم نے جو امتِ موسوی کے نیک اور صالح لوگ تھے، بہت سی شادیاں کیں،

دُوسری بات؛

صحیح واقعہ حضرت زینبؓ کا یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں، پھر زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی، اور عدت گذرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا، ہم اس سلسلہ میں سورۂ احزاب کی وہ آیتیں جو اس قصہ سے متعلق ہیں مع تفسیر کبیر کی عبارت کے نقل کرتے ہیں:۔

و اذ تقول للذی انعم اللہ	"اور جب آپؐ اس شخص سے کہہ رہے

علیہ وھو زید انعم اللہ علیہ
بالاسلام وانعمت علیہ
بالتحریر والاعتاق امسک
علیک زوجک ھم زید بطلاق
زینب فقال لہ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم امسک ای لا
تطلقھا واتق اللہ قیل فی
الطلاق وقیل فی الشکوی
من زینب فان زیدا قال
فیھا انھا تتکبر علی بسبب
النسب وعدم الکفاءۃ و
تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ
من انک تريد التزوج بزینب
وتخشی الناس من ان یقولوا
اخذ زوجۃ الغیر او الابن
واللہ احق ان تخشاہ لیس
اشارۃ الی ان النبی صلی اللہ

[1] تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا،
یعنی زیدؓ سے جن کو اللہ نے اسلام کی
نعمت دی تھی، اور خود آپؐ نے اس پر
انعام کیا تھا، یعنی آزاد کر دیا تھا، کہ تم
اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو،
واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت زیدؓ نے
حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ
کیا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اُن سے فرمایا تھا کہ روکے رکھو
یعنی طلاق نہ دو، اور اللہ سے ڈرو،
بعض نے کہا کہ طلاق دینے کے سلسلے
یں اللہ سے ڈرنا مراد ہے، اور بعض
نے کہا کہ حضرت زیدؓ اکثر حضرت زینبؓ
کی شکایتیں کیا کرتے تھے کہ وہ اپنی
عالی نسبی کی بناء پر تکبر کیا کرتی ہیں، اس
آیت میں انھیں اس شکایت کے سلسلے
میں خدا سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے

[1] خط کشیدہ الفاظ قرآن کریم کا ترجمہ ہے، اور اس کے آگے امام رازیؒ کی وہ تشریحات ہیں جو انھوں نے تفسیر کبیر میں فرمائی ہیں،

عليه وسلم خشى الناس و
لم يخش الله بل المعنى الله
احق ان تخشاه وحده كما
قال تعالى الذين يبلّغون
رسالات الله ويخشونه
ولا يخشون احدا الا الله
ثم قال تعالى فلمّا قضى زيدٌ
منها وطرًا زوّجنٰكها اى لما
طلّقها زيد وانقضت عدتها
وذلك لان الزوجة مادامت
فى نكاح الزوج فهى تدفع
حاجته وهو محتاج اليها
فلم يقض منها الوطر بالكلية
ولم يستغن وكذلك اذا
كانت فى العدة له بها تعلق
لامكان شغل الرحم فلم

اور آپ چھپاتے تھے اپنے دل میں
وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا
یعنی زینبؓ سے شادی کا ارادہ، اور
آپ لوگوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ
یہ نہ کہنے لگیں کہ رسول اللہؐ نے دوسرے
کی بیوی لے لی ہے، یا یوں کہنے لگیں
کہ بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی ہے۔ [له]
اور اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے
کہ آپ اس سے ڈریں، اس کا یہ مطلب
نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
لوگوں سے ڈرتے تھے، اور اللہ سے
نہیں ڈرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ ڈرنے کا تنہا مستحق ہے، یہ ایسا
ہی ہے جیسے دوسری جگہ باری تعالیٰ
نے فرمایا: "وہ لوگ جو اللہ کا پیغام
پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں،

له واضح رہے کہ حضرت زیدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، اور زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو سگے بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھا جاتا تھا،

يقض منها بعل وطره واما
اذا طلق وانقضت عدتها
استغنى عنها ولم يبق له معها
تعلق فيقضى منها الوطر وهذا
موافق لما فى الشرع لان
التزوج بزوجة الغير او
بمعتدته لا يجوز فلهذا
قال فلما قضى وكذلك قوله
لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ
إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا. اى اذا
طلقوهن وانقضت عدتهن
وفيه اشارة الى ان التزويج
من النبى صلى الله عليه وسلم
لم يكن لقضاء شهوة النبى
صلى الله عليه وسلم بل لبيان
الشريعة بفعله فان الشرع
يستفاد من فعل النبى صلى الله
عليه وسلم وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے"
اس کے بعد باری تعالیٰ فرماتے ہیں،
پس جب زید نے اس (زینب) سے
اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس
کی شادی آپ سے کردی، حاجت پوری
کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انھوں نے
اسے طلاق دیدی، اور عدت گذر گئی
اس لئے کہ جب تک کوئی بیوی کسی کے
نکاح میں رہتی ہے تو وہ مرد کی حاجت
رفع کرتی رہتی ہے، اور شوہر اس کا
ہر وقت محتاج ہوتا ہے، ایسی صورت
میں مرد عورت سے اپنی حاجت "پوری"
نہیں کرچکا ہوتا ہے، اور نہ اس سے
مستغنی ہوتا ہے، اسی طرح جبتک
عورت عدت میں ہو تو مرد کو اس کے
ساتھ تھوڑا بہت تعلق رہتا ہے،
اس لئے کہ ممکن ہے عورت کا رحم
اس کے حمل سے مشغول ہو، لہٰذا عدت
کے دوران بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

مَفْعُوْلًا، ای مقضیًا ماقضاہ کائن ثم بین ان تزوجہ علیہ السلام بہا مع انہ کان مبینًا لشرع مشتمل علی فائدۃ کان خالیًا عن المفاسد	مرد اس سے اپنی ضرورت "پوری" کر چکا ہو، اس کے برعکس جب مرد اسے طلاق دیدے اور عدت بھی گذر جائے تو وہ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں

رہتا، اس وقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی ضرورت "پوری" کر لی، اور یہ بات شریعت کے بالکل موافق ہے، اس لئے کہ دوسرے کی بیوی یا اس مطلقہ سے جو عدت گذار رہی ہو نکاح جائز نہیں، اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد: تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے، جبکہ وہ (منہ بولے بیٹے) ان (بیویوں) سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، یعنی جب وہ انھیں طلاق دے چکے ہوں اور عدت بھی گذر گئی ہو، اور اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا کہ حضرت زینبؓ کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لئے نہیں کرائی گئی کہ آپؐ کی کسی نفسانی خواہش کو پورا کرنا مقصود تھا، بلکہ اس لئے کرائی گئی کہ ایک شرعی حکم کو آپؐ کے عمل سے واضح کروایا جائے[1]، اس لئے کہ شریعت کے احکام آپؐ کے افعال سے مستنبط ہوتے ہیں، اور اللہ کا حکم ہونے والا تھا، یعنی مقدر تھا، اور جو بات اللہ مقدر کر دے وہ ہو کر رہتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ زینبؓ کے

[1] یعنی یہ شرعی حکم کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی جائز ہے،

ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ایک حکم شرعی بیان کرنے کے علاوہ ایک اور فائدے پر مشتمل تھا اور اس میں کوئی خرابی نہ تھی ؛

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت زینبؓ اپنے کو نسب کی بناء پر اور کفو نہ ہونے کی وجہ سے زیدؓ سے افضل سمجھتی تھیں، اور اسی وجہ سے آپس میں دونوں کی محبت والفت نہ ہو سکی، اور زیدؓ نے ان کو طلاق دینے کا قصد کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع کیا، مگر آخر کار انھوں نے طلاق دیدی، پھر جب عدت گذر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کر لیا، محض اس لئے کہ ایک شرعی حکم کو اپنے فعل سے واضح کیا جائے، نہ کہ قضاء شہوت کی غرض سے[1]، اور اسی بات کو

---

[1] ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ شریعت کا جو حکم عام پھیلے ہوئے تصورات کے خلاف ہو اسے صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہوا کرتا، اگر لوگوں کے ذہن میں کسی فعل کی برائی خواہ مخواہ جم کر بیٹھ گئی ہے تو اس کا ذہن سے نکلنا اُس وقت تک بہت مشکل ہو جب تک کہ کوئی ایسا شخص اس فعل کو کرکے نہ دکھائے جسے وہ ہر لحاظ سے قابلِ اتباع سمجھتے ہیں، اس کی ایک واضح مثال یہ واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکینِ مکہ سے صلح ہوئی تو عام مسلمانوں کے دل اس پر مطمئن نہ تھے، وہ جوش جہاد اور عمرہ کے شوق سے سرشار ہونے کے باعث کسی طرح اس بات پر آمادہ نہ ہوتے تھے کہ عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ سب اپنا سر مُنڈواکر احرام کھول دیں تو سب نے یہ حکم سُنا، لیکن کوئی شخص احرام کھولنے کے لئے آگے نہ بڑھا، اُس وقت آپؐ تشویش کے عالم میں حضرت اُم سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے، اور جاکر انہیں واقعہ بتلایا تو حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کو بڑا نفسیاتی مشورہ دیا اور کہا کہ آپؐ ایسا کیجئے کہ کسی سے کچھ کہنے کی بجائے کسی نمایاں جگہ بیٹھ کر خود حلق فرمائیے، اور احرام کھول دیجئے، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، اور آپؐ کا احرام کھولنا تھا کہ تمام صحابہؓ نے یکے بعد دیگرے اپنے احرام کھول ڈالے ،

اللہ کا حکم نازل ہونے سے قبل لوگوں کی عادت کے پیشِ نظر، آپ اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے اور اس میں کوئی بھی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ عنقریب (تیسری بات میں) آپ کو معلوم ہونے والا ہے، اس سلسلے میں بیضاوی میں جو روایت نقل کی گئی ہے، وہ محققین اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف اور ناقابلِ قبول ہے، جس کی تصریح محدث شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی بعض تصانیف میں کر دی ہیں، نیز شرح مواقف میں ہے کہ:

"اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فریفتہ ہو گئے تو یہ اس قسم کی چیز ہے جس سے تحفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب ہے"۔

تیسری بات:

شرعی امور کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام شریعتوں میں یکساں ہوں، یا تمام قوموں کی عادات اور ان کی مرضی کے مطابق ہوں، پہلی بات تو اس لئے کہ باب ۳ میں اس کے متعلق آپ اس قدر معلوم کر چکے ہیں جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس میں یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت سارہؓ ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھیں، اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی زوجیت میں دو حقیقی بہنوں کو جمع رکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران نے اپنی پھوپی سے نکاح کیا، حالانکہ یہ تینوں قسم کی بیویاں شریعتِ موسوی و عیسوی و محمدی میں حرام ہیں، اور ان سے تعلق رکھنا زنا کی طرح ناجائز ہے، بالخصوص علاتی بہن اور پھوپی سے نکاح کرنا، اور ہندوستان کے مشرکین کے نزدیک اس قسم کی شادی بدترین فعل سے بھی بدتر ہے، جس کی وجہ سے وہ لوگ ایسے نکاح کرنے والوں پر بے انتہا ملامت کرتے، اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور ان کی اولاد کو زنا کی شدید قسم کی طرف منسوب

کرتے ہیں، انجیل لوقا باب ۵ آیت ۲۹ میں ہے :

"اور محصول لینے والوں اور اوروں کا جو اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے بڑا مجمع تھا، اور فریسی اور ان کے فقیہ اس کے شاگردوں سے یہ کہہ کر بڑبڑانے لگے کہ تم کیوں محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھاتے پیتے ہو؟"

پھر آیت ۳۳ میں ہے کہ :

"اور انھوں نے اس سے کہا کہ یوحنا کے شاگرد اکثر روزے رکھتے اور دعائیں کیا کرتے ہیں، اور اسی طرح فریسیوں کے بھی، مگر تیرے شاگرد کھاتے پیتے ہیں"

دیکھئے! یہودیوں کے فریسی فرقے کے سرکردہ لوگ اور فقیہ حضرت عیسیٰؑ کو اس بات پر ملامت کررہے ہیں کہ وہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتے پیتے ہیں؟ اور روزے کیوں نہیں رکھتے؟

اور انجیل لوقا باب ۱۵[1] آیت ۱ میں ہے :

"سب محصول لینے والے اور گنہگار اس کے پاس آتے تھے، تاکہ اس کی باتیں سُنیں، اور فریسی اور فقیہ بڑ بڑا کر کہنے لگے کہ یہ آدمی گنہگاروں سے ملتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے"

یہاں بھی فریسی حضرت عیسیٰؑ کو گنہگاروں کا ہم پیالہ بننے پر ملامت کرتے ہیں، اور کتاب اعمال باب ۱۱ آیت ۲ میں ہے کہ :

"جب پطرس یروشلیم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور ان کے ساتھ کھانا کھایا"

اور انجیل مرقس باب ۲ آیت ۱ میں ہے کہ :

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ ترجمہ میں یہ باب آیت ۱ کی عبارت ہے،

"پھر فریسی اور بعض فقیہ اس کے پاس جمع ہوئے، وہ یروشلیم سے آئے تھے، اور انھوں نے دیکھا کہ اس کے بعض شاگرد ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں، کیونکہ فریسی اور سب یہودی بزرگوں کی روایت پر قائم رہنے کے سبب جب تک اپنے ہاتھ خوب دھو نہ لیں نہیں کھاتے اور بازار سے آکر جب تک غسل نہ کرلیں نہیں کھاتے، اور بہت سی باتیں ہیں جو قائم رکھنے کے لئے بزرگوں سے ان کو پہنچی ہیں، جیسے پیالوں اور لوٹوں اور تانبے کے برتنوں کو دھونا، پس فریسیوں اور فقیہوں نے اس سے پوچھا، کیا سبب ہو کہ تیرے شاگرد بزرگوں کی روایت پر نہیں چلتے بلکہ ناپاک ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں" (آیات ۱ تا ۶)

حالانکہ ہندوستان کے مشرک برہمنوں کے یہاں اس معاملہ میں بڑی سختیاں ہیں، ان کے نزدیک تو اگر کوئی ہندو کسی مسلمان یا یہودی یا عیسائی کے ساتھ کھانا کھالے تو اپنے مذہب سے خارج ہو جاتا ہے،

اور متبنیٰ کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کرنا مشرکینِ عرب کے نزدیک بہت ہی قبیح اور بُرا تھا، اور چونکہ زید بن حارثہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زینبؓ سے نکاح کرنے میں ابتداءً مشرکین عوام کے طعن کا اندیشہ تھا، مگر جب خدا نے آپؐ کو اس کا حکم دیا تو آپؐ نے شریعت کے بیان اور توضیح کے لئے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیا، اور پھر مشرکین کے طعن و تشنیع کی کوئی پرواہ نہیں کی،

چوتھی بات :

فرقۂ پروٹسٹنٹ والے معترضین کو نہ تو شرم وحیا ہے، اور نہ وہ اپنی مقدس کتابوں کے اختلافات اور اغلاط واحکام پر نظر ڈالتے ہیں، جن کے نمونے آپ باب ۱ اور فصل نمبر ۲ و ۳ باب ۳ میں دیکھ چکے ہیں، نہ اپنے پیغمبروں کے گناہ اور ان کے قبیلہ اور ساتھیوں کے جرائم کی طرف نگاہ کرتے ہیں، جن کا علم آپ کو اس فصل کے شروع میں ہوچکا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر بھی توریت میں لکھی ہوئی چند چیزیں پیش کریں، اگرچہ ناظرین کو ان میں سے بہت سی باتوں پر پہلے ہی علم حاصل ہوچکا ہے؛

بائبل کی چند اور خلاف عقل باتیں :

پہلی مثال :

کتاب پیدائش باب ۳۰ آیت ۳۷ میں ہے :

"اور یعقوب نے سفیدہ اور بادام اور چنار کی ہری ہری چھڑیاں لیں، اور ان کو چھیل چھیل کر اس طرح گنڈے دار بنالیا کہ ان چھڑیوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، اور اس نے وہ گنڈے دار چھڑیاں بھیڑ بکریوں کے سامنے حوضوں اور نالیوں میں جہاں وہ پانی پینے آتی تھیں کھڑی کر دیں (اور)[1] جب وہ پانی پینے آئیں سو گابھن (ہوگئیں)، اور ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہونے کی وجہ سے انھوں نے دھاری دار چتلے اور ابلق[2] بچے دیئے، اور یعقوب نے بھیڑ بکریوں

[1] اظہار الحق میں یہاں یہ عبارت ہے: "تاکہ جب وہ پانی پینے آئیں تو گابھن ہوجائیں"۔
[2] یعنی چتلے،

کے ان بچوں کو الگ کیا، اور لابن کی بھیڑ بکریوں کے مُنہ دھاری دار اور کالے بچوں کی طرف پھیر دیئے، اور اس نے اپنے ریوڑوں کو جدا کیا، اور لابن کی بھیڑ بکریوں میں ملنے نہ دیا، اور جب مضبوط بھیڑ بکریاں گابھن ہوتی تھیں تو یعقوب چھڑیوں کو نالیوں میں ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا تھا، تاکہ وہ اُن چھڑیوں کے آگے گابھن ہوں، پر جب بھیڑ بکریاں دُبلی ہوتیں تو وہ ان کو وہاں نہیں رکھتا تھا، سو دُبلی تو لابن کی رہیں، اور مضبوط یعقوب کی ہو گئیں، چنانچہ وہ نہایت بڑھتا گیا، اور اس کے پاس بہت سے ریوڑ اور لونڈیاں اور نوکر چاکر اور اونٹ گدھے ہو گئے۔" (آیات ۳۷ تا ۴۳)

سُنا آپ نے! آج تک تو یہ سُنا جاتا تھا کہ اولاد رنگ و روپ میں عام طور پر اپنے ماں باپ اور آباء و اجداد کے مشابہ اور ان کے ہم رنگ ہوتی ہے، یہ بالکل نیا تجربہ ہے کہ سامنے کھڑی ہوئی لکڑیوں کو دیکھنے کا اثر حاملہ جانور کے بچے پر یہ ہو کہ وہ بھی اس کا ہم رنگ ہو جائے، اس کا تو تصور بھی کوئی عاقل نہیں کر سکتا، اور اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ موسم ربیع میں پیدا ہونے والے تمام بچے رنگ کے لحاظ سے سبز ہوں،

دُوسری مثال؛

کتاب احبار باب ۱۳ آیت ۴۶[1] میں ہے کہ:

"اور وہ کپڑا بھی جس میں کوڑھ کی بلا ہو خواہ وہ اُون کا ہو یا کتان کا، اور وہ بلا بھی خواہ کتان یا اُون کے کپڑے کے تانے میں یا اس کے بانے میں ہو، یا وہ

---

[1] موجودہ ترجمہ میں یہ آیت ۴۷ ہے،

چمڑے میں ہو یا چمڑے کی کسی بنی ہوئی چیز میں ہو، اگر وہ بلا کپڑے میں یا چمڑے میں یا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں سبزی مائل یا سُرخی مائل رنگ کی ہو تو وہ کوڑھ کی بلا ہے، اور کاہن کو دکھائی جائے اور کاہن اس بلا کو دیکھے، اور اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے سات دن تک بند رکھے، اور ساتویں دن اس کو دیکھے، اگر وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے پر یا چمڑے کی بنی ہوئی کسی چیز پر پھیل گئی ہو تو وہ کھا جانے والا کوڑھ ہو اور ناپاک ہے، اور اُس اُون یا کتان کے کپڑے کو جس کے تانے میں یا بانے میں وہ بلا ہے یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے، یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ ہو جلا دے، کیونکہ یہ کھا جانے والا کوڑھ ہے، وہ آگ میں جلایا جائے، اور اگر کاہن دیکھے کہ وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں پھیلی ہوئی نظر نہیں آتی، تو کاہن حکم کرے کہ اس چیز کو جس میں وہ بلا ہو دھوئیں اور وہ پھر اسے اور سات دن تک بند رکھے، اور اس بلا کے دھوئے جانے کے بعد کاہن پھر اسے ملاحظہ کرے، اور اگر دیکھے کہ اس بلا کا رنگ نہیں بدلا اور وہ پھیلی بھی نہیں ہے تو وہ ناپاک ہے، تو اس کپڑے کو آگ میں جلا دینا، کیونکہ وہ کھا جانے والی بلا ہے، خواہ اس کا فساد اندرونی ہو یا بیرونی، اور اگر کاہن دیکھے کہ دھونے کے بعد اس بلا کی چمک کم ہو گئی ہے تو وہ اُسے اس کپڑے سے یا چمڑے سے، تانے یا بانے سے پھاڑ کر نکال پھینکے، اور اگر وہ بلا پھر بھی کپڑے کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی چیز میں دکھائی دے تو وہ پھوٹ کر نکل رہی ہے، بس تو اس چیز کو

جس میں وہ بلا ہے آگ میں جلا دینا، اور اگر اس کپڑے کے تانے یا بانے میں سے یا چمڑے کی چیز میں سے جسے تو نے دھویا ہے وہ بلا جاتی رہے، تو وہ چیز دوبارہ دھوئی جائے اور وہ پاک ٹھہرے گی، اُون یا کتان کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں اگر کوڑھ کی بلا ہو تو اسے پاک یا ناپاک قرار دینے کے لئے شرع یہی ہے" (آیات ۴۶ تا ۵۸)

غور کیجئے! یہ احکام کہاں تک عقل کے مطابق ہیں؟ سوائے اس کے کہ ان کو ادہام کا نتیجہ قرار دیا جائے، اور کیا کہا جا سکتا ہے، کیا اس قسم کے بیہودہ وساوس کی بنا پر قیمتی کپڑوں اور چمڑوں کا جلانا مناسب ہو سکتا ہے؟

تیسری مثال:

کتاب احبار باب ۱۴ آیت ۳۴ میں ہے:

"جب تم ملکِ کنعان میں جسے میں تمھاری ملکیت کے لئے دیتا ہوں داخل ہو اور میں تمھارے میراثی ملک کے کسی گھر میں کوڑھ کی بلا بھیجوں تو اس گھر کا مالک جا کر کاہن کو خبر دے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں کچھ بلا سی ہے، تب کاہن حکم کرے کہ اس سے پیشتر کہ اس بلا کو دیکھنے کے لئے کاہن وہاں جائے لوگ اس گھر کو خالی کریں، تاکہ جو کچھ گھر میں ہو وہ ناپاک نہ ٹھہرایا جائے، اس کے بعد کاہن گھر دیکھنے کو اندر جائے، اور اس بلا کو ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا اس گھر کی دیواروں میں سبزی یا سرخی مائل گہری لکیروں کی صورت میں ہے، اور دیوار میں سطح کے اندر نظر آتی ہے تو کاہن گھر سے باہر نکل کر گھر کے دروازے پر جائے، اور گھر کو سات دن کے لئے بند کر دے

اور وہ ساتویں دن پھر آکر اُسے دیکھے، اگر وہ بلا گھر کی دیواروں میں پھیلی ہوئی نظر آئے تو کاہن حکم دے کہ ان پتھروں کو جن میں وہ بلا ہے نکال کر انھیں شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں پھینک دیں، پھر وہ اس گھر کو اندر ہی اندر چاروں طرف سے کُھرچوائے، اور اُس کُھرچی ہوئی مٹی کو شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں ڈالیں، اور وہ ان پتھروں کی جگہ اور پتھر لیکر لگائیں، اور کاہن تازہ گارے سے اس گھر کی استرکاری کرائے، اور اگر پتھروں کے نکالے جانے اور اس گھر کے کُھرچے اور استرکاری کرائے جانے کے بعد بھی وہ بلا پھر آجائے اور اس گھر میں پھوٹ نکلے تو کاہن اندر جاکر ملاحظہ کرے، اور اگر دیکھے کہ وہ بلا گھر میں پھیل گئی ہے، تو اس گھر میں کھا جانیوالا کوڑھ ہے، وہ ناپاک ہے، تب وہ اس گھر کو اس کے پتھروں اور لکڑیوں اور اس کی ساری مٹی کو گرادے، اور وہ ان کو شہر کے باہر نکال کر کسی ناپاک جگہ میں لیجائے، ماسوا اس کے اگر کوئی اس گھر کے بند کر دیئے جانے کے دنوں میں اس کے اندر داخل ہو تو وہ شام تک ناپاک رہے گا، اور جو کوئی اس گھر میں جائے وہ اپنے کپڑے دھو ڈالے، اور جو کوئی اس گھر میں کچھ کھائے وہ بھی اپنے کپڑے دھوئے، اور اگر کاہن اندر جاکر ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ گھر کی استرکاری کے بعد وہ بلا اس گھر میں نہیں پھیلی تو وہ اس گھر کو پاک قرار دے، کیونکہ وہ بلا دُور ہوگئی ہے[1]" (آیات ۳۴ تا ۴۸)

[1] اس کے بعد کی آیتیں اور بھی زیادہ دلچسپ ہیں، ارشاد ہے:

"اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کے لئے دو پرندے اور دیودار کی لکڑی اور (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

یہ احکام بھی سراسر اوہام کا نتیجہ اور ضعیف الاعتقادی کا کرشمہ ہیں، کیا بڑی بڑی عالی شان کوٹھیاں اور قیمتی بلڈنگیں محض اس قسم کے لایعنی اور مہمل وساوس کی وجہ سے گرائے جا سکتے ہیں؟ جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور بے اصل ہیں، کیا موجودہ زمانے کے یورپ کے عقلاء اور حکماء اس امر کو مان سکتے ہیں کہ کوئی کپڑا یا چمڑا یا مکان برص کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس کا جلانا یا گرانا مناسب ہو؟

چوتھی مثال:

اور کتاب احبار باب ۱۵ آیت ۱۲ میں ہے:

"اور مٹی کے جس برتن کو جریان کا مریض چھوئے وہ توڑ ڈالا جائے، پر چوبی[1] برتن پانی سے دھویا جائے۔"

آگے آیت ۱۶ میں ہے:

"اور اگر کسی مرد کی دھات بہتی ہو تو وہ پانی میں نہائے اور شام تک ناپاک رہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سرخ کپڑا اور زوفا لے، اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے، پھر وہ دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندے کو لے کر ان کو اس ذبح کئے ہوئے پرندے کے خون میں اور اس بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑکے اور وہ اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندے اور دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو پاک کرے اور اس زندہ پرندے کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے، یوں وہ گھر کے لئے کفارہ دے تو وہ پاک ٹھہریگا" (احبار ۱۴: ۴۹ تا ۵۳)

[1] اظہار الحق میں چوبی" کے ساتھ" تانبے" کا بھی تذکرہ ہے، مگر موجودہ ترجمہ میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

اور آیت ۲۳ میں ہے:

"اور اگر اس کا خون اس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو اس پر لگا ہوا ہو اور اُس وقت کوئی اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہے، اور اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے اور اس کے حیض کا خون اسے لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہوگا" (آیات ۲۳ و ۲۴)

غور کیجئے پہلی صورت میں مٹی کے برتن کے توڑنے کا حکم سراسر اضاعتِ مال کا سبب ہے، اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کو ہاتھ لگا دینے سے کوئی چیز اس کے اندر کس طرح داخل ہوگئی؟ اور بالفرض اگر اس میں نجاست اثر کر گئی، تو اس کو پانی سے دھونے کے حکم پر اکتفاء کیوں نہ کیا گیا؟ جس طرح لکڑی اور تانبے کا حکم ہے، دوسرے حکم میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ رات تک ناپاک رہے گا، جبکہ سارے بدن کو پانی سے دھو لیا گیا، تیسرے حکم میں بھی اشکال ہے، اس لئے کہ بظاہر چھونے والے کے جسم میں اس کپڑے کو ہاتھ لگانے سے جس پر کوئی حائضہ بیٹھ گئی کوئی چیز کیسے گھس گئی، اور اگر بالفرض گھس گئی تو کپڑوں اور تمام جسم کو دھو لینے کے باوجود اس کے رات تک ناپاک رہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی سے صحبت کرے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے جُنبی ہو جائے تو اس پر کپڑوں کا دھونا واجب نہ ہو، بلکہ محض بدن کا دھونا کافی ہو سکتا ہو، اور یہاں محض کپڑوں کو ہاتھ لگانے کے نتیجہ میں اپنے تمام کپڑے ناپاک ہو جائیں، اور چوتھا حکم تو پچھلے تینوں حکموں سے زیادہ

تعجب انگیز ہو، کیونکہ ایک شخص محض حیض کی چیز لگ جانے کی وجہ سے خود حائضہ کے حکم میں ہو جائے، اور جس طرح وہ ایک ہفتہ تک ناپاک رہتی ہے یہ شخص بھی پورا ایک ہفتہ ناپاک رہے، نیز حائضہ اور مستحاضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں جو عجیب وغریب سختیاں ہیں ان کا ذکر بھی اسی باب میں موجود ہے،

ان احکام کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت دنیا میں عیسائیوں سے زیادہ ناپاک اور گندی قوم کوئی دوسری نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لوگ اپنے یہاں کی پاکی کے احکام کو قطعاً نظر انداز کئے ہوئے ہیں، اور کوئی عیسائی اُن کا قطعی لحاظ نہیں رکھتا،

پانچویں مثال؛

کتاب احبار باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے:

"پھر اُس[1] دونوں بکروں کو لے کر ان کو خیمۂ اجتماع کے دروازے پر خداوند کے حضور کھڑا کرے، اور ہارون[2] ان دونوں بکریوں پر چٹھیاں ڈالے، ایک چٹھی خداوند کے لئے اور دوسری (عزازیل[3]) کے لئے ہو، اور جس بکرے پر خداوند کے نام کی چٹھی نکلے اسے ہارون لے کر خطا کی قربانی کے لئے چڑھائے، لیکن جس بکرے پر (عزازیل[4]) کے نام کی چٹھی نکلے وہ خداوند کے حضور زندہ کھڑا کیا جائے، تاکہ اس سے کفارہ دیا جائے، اور وہ (عزازیل[5]) کے لئے بیابان میں چھوڑ دیا جائے"

لہ ان آیتوں میں کسی گناہ کی تلافی کے لئے قربانی کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے،

لہ یہ موجودہ ترجمے کی عبارت ہے، اظہار الحق میں یہ جملہ اس طرح منقول ہے: "اور ان دونوں بکریوں پر قرعے ڈالے جائیں"۔ اس جملے میں ہارون علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے،

سلہ سلہ شہ تینوں مقامات پر اظہار الحق میں عزازیل کی جگہ عزرائیل کا لفظ لکھا ہے،

یہ حکم بھی عجیب و غریب ہے اور بکری کو عزرائیل[1] کے لئے قربانی بنا کر جنگل میں چھوڑ دینے کا مطلب قطعی سمجھ میں نہیں آتا، یقیناً یہ غیر اللہ کے لئے قربانی ہوئی، ہم نے ہندوستان کے مشرکین کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بتوں کے نام پر بیلوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں، مگر وہ لوگ ان بیلوں کو بازاروں میں چھوڑتے ہیں، نہ کہ جنگل میں، تاکہ بھوکے پیاسے نہ مر جائیں،

چھٹی مثال،

کتاب استثناء باب ۲۵ آیت ۵ میں ہے،

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں، اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے، بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر (اپنے بھائی کی کھیتی کو قائم کرے[2]) اور اس عورت کا جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے، تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے،

اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے، اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا

---

[1] عزرائیل نہیں، موجودہ تراجم کے مطابق "عزازیل کے نام پر"۔ واضح رہے کہ عزازیل ابلیس کا نام ہے،

[2] یہ "اظہار الحق" میں نقل شدہ عبارت کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اسے بیوی بنا لے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے۔"

نہیں چاہتا، تب اس شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلا کر اسے سمجھائیں، اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جاکر اُس کے پاؤں سے جوتی اُتارے اور اس کے منہ پر تھوک دے، اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا، تب اسرائیلیوں میں اس کا نام یہ پڑ جائے گا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اُتاری گئی تھی"۔ (آیات ۵ تا ۱۰)

یہ حکم بھی نہایت عجیب ہے، کیونکہ مرنے والے کی بیوی ممکن ہے اندھی ہو، یا کانی ہو، یا لنگڑی ہو، یا بدصورت اور بدشکل ہو، یا پاکدامن نہ ہو، یا اور کسی عیب میں ملوث ہو تو ایسی عورت کو کوئی کیسے قبول کر سکتا ہے؟ اور یہ بھائی کی کھیتی کی نگرانی اور دیکھ بھال بھی عجیب ہے، اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ علماء پروٹسٹنٹ نے اس حکم کو قطعی چھوڑ دیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ "کسی شخص کو اپنے بھائی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں" جس کی تصریح کتاب الصلاۃ العامۃ، مطبوعہ سنہ ۱۸۴۰ء کے قرابت و نسب کے باب میں جو انگلستان اور آئرلینڈ کے موجود کنیسہ کے قوانین اور دینی طریقوں میں سے ہے، حالانکہ محرمات کا بیان انجیل میں قطعی نہیں پایا جاتا، اور عیسائیوں نے جو کچھ بھی لیا ہے وہ توریت سے لیا ہے،

پانچویں بات:

متشدد آدمی بالخصوص جبکہ اس کا بڑا مقصد ظلم و جور ہو وہ اس قسم کے اعتراضات مسیحؑ اور ان کے حواریوں پر بھی کر سکتا ہے، انجیل لوقا باب ۷ آیت ۳۳ میں یوں ہے کہ:

"یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا، نہ مے پیتا ہوا، اور تم کہتے ہو کہ

اس میں بدروح ہے، ابنِ آدم کھاتا پیتا آیا، اور تم کہتے ہو کہ دیکھو، کھاؤ، اور شرابی آدمی، محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار، ....

.... پھر کسی فریسی نے اس سے درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا کھا، پس وہ اس فریسی کے گھر جاکر کھانا کھانے بیٹھا، تو دیکھو ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی، یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے سنگِ مرمر کے عطر دان میں عطر لائی، اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہوکر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے ان کو پونچھا، اور اس کے پاؤں بہت چومے، اور ان پر عطر ڈالا، اس کی دعوت کرنے والا... فریسی یہ دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو جانتا کہ جو اسے چھُوتی ہے وہ کون اور کیسی عورت ہے، کیونکہ بدچلن ہے"

(آیات ۳۳ تا ۳۹)

آگے آیت ۴۴ میں ہے:

"اور اس عورت کی طرف پھر کر اس نے شمعون سے کہا کیا تو اس عورت کو دیکھتا ہے، میں تیرے گھر میں آیا، تو نے میرے پاؤں دھونے کو پانی نہ دیا مگر اس نے میرے پاؤں آنسوؤں سے بھگو دیئے، اور اپنے بالوں سے پونچھے تو نے مجھ کو بوسہ نہ دیا، مگر اس نے جب سے میں آیا ہوں میرے پاؤں چومنا نہ چھوڑا، تو نے میرے سر میں تیل نہ ڈالا، مگر اس نے میرے پاؤں پر عطر ڈالا ہے اسی لئے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے کیونکہ اس نے بہت محبت کی، مگر جس کے تھوڑے گناہ معاف ہوئے

وہ تھوڑی محبت کرتا ہے، اور اُس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف ہوئے،
اس پر وہ جو اس کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے اپنے جی میں کہنے لگے کہ یہ
کون ہے جو گناہ بھی معاف کرتا ہے؟ مگر اس نے عورت سے کہا تیرے
ایمان نے تجھے بچالیا ہے، سلامت چلی جا" (آیات ۴۴ تا ۵۰)

اور انجیل یوحنا باب۱۱ آیت ۱ میں ہے کہ:

"مریم اور اس کی بہن مرتھا کے گاؤں بیت عنیاہ کا لعزر نام ایک آدمی
بیمار تھا، یہ وہی مریم تھی جس نے خداوند پر عطر ڈال کر اپنے بالوں سے اس کے
پاؤں پونچھے، اسی کا بھائی لعزر بیمار تھا، .... اور یسوع
مرتھا اور اس کی بہن اور لعزر سے محبت رکھتا تھا" (آیت ۱ تا ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مریم جس سے حضرت مسیحؑ کو محبت تھی، اسی نے
حضرت مسیحؑ کے پاؤں کو پونچھا تھا، اور انجیل یوحنا باب۱۳ آیت ۲۱ میں ہے:

"یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا، اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا
ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کرکے کہ وہ کس کی
نسبت کہتا ہے، ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے
ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا، یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا
کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کرکے کہا کہ بتا
تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لیکر
کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟"

(آیات ۲۱ تا ۲۵)

اور اسی[1] شاگرد کے بارے میں باب ۱۹ آیت ۲۶ اور باب ۲۰ آیت ۲ و باب ۲۱ آیت ۷، ۲۰ میں لکھا ہے کہ:

"جس سے یسوع محبت رکھتا تھا"

اور انجیل لوقا باب ۸ آیت ۱ میں ہے:

"تھوڑے عرصہ کے بعد یوں ہوا کہ وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا، اور وہ بارہ اس کے ساتھ تھے، اور بعض عورتیں جنھوں نے بُری روحوں اور بیماریوں سے شفاء پائی تھیں یعنی مریم جو مگدلینی کہلاتی تھی جس میں سے سات بدروحیں نکلی تھیں اور یوّنہ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی اور سوسناہ اور بہتیری اور عورتیں بھی تھیں جو اپنے مال سے ان کی خدمت کرتی تھیں" (آیات ۱ تا ۳)

اور ظاہر ہے کہ شراب ام الخبائث اور خدا کے نزدیک قبیح اور گمراہی اور کفر و ہلاکت کا سبب ہے، جس کا پینا متقیوں کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے، عقل و خرد کو برباد کر دینا اس کے لازمی خواص میں سے ہے، خواہ نبی ہو یا کوئی دوسرا، اسی لئے جب ہارونؑ اور ان کی اولاد نے خیمۂ اجتماع میں خدمت کے لئے داخل ہونا چاہا تو خدا نے ان کے لئے اس کو حرام کر دیا تھا، اور اس کو موت کا سبب قرار دیا، اور اس کی حرمت کو دائمی اور ابدی عہد ان کے لئے بنا دیا، کتاب احبار باب ۱۰ آیت ۸ میں ہے کہ:

"اور خداوند نے ہارونؑ سے کہا کہ تُو... یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر

---

[1] یہ شاگرد خود یوحنا ہیں جیسا کہ یوحنا باب ۲۱ کی آخری آیات سے معلوم ہوتا ہے،

کبھی خیمۂ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا، تاکہ تم مر نہ جاؤ، یہ تمھارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا۔"

اور اسی وجہ سے خدا نے منوحہ کی بیوی کو حالتِ حمل میں شراب نوشی اور ہر نشہ آور چیز سے منع کیا تھا، تاکہ اس کا بچہ متقی ہو، اور مسکرات کی گندگی اُس متقی لڑکے میں اثر نہ کرے، اور اس سلسلے میں اس کے خاوند کو بھی سخت تاکید کی تھی، کتاب قضاۃ باب ۱۳ آیت ۴ میں ہے کہ:

"سو خبردار! مے یا نشہ کی چیز نہ پینا، اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا"

اور آیت ۱۳ میں ہے:

"خداوند کے فرشتہ نے منوحہ سے کہا اُن سب چیزوں سے جن کا ذکر میں نے اس عورت سے کیا یہ پرہیز کرے، وہ ایسی کوئی چیز جو تاک سے پیدا ہوتی ہے نہ کھائے اور مے یا نشہ کی چیز نہ پیئے اور نہ کوئی ناپاک چیز کھائے اور جو کچھ میں نے اسے حکم دیا یہ اُسے مانے"

اور اسی لئے جب خدا کے فرشتہ نے زکریاؑ کو یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی تھی تو یحییٰؑ کے تقویٰ کا حال یوں بیان کیا تھا کہ وہ نہ شراب پیئے گا اور نہ کوئی دوسری نشہ والی چیز انجیل لوقا باب ۱ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

"کیونکہ وہ خدا کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیئے گا"

اور اسی لئے اشعیاء علیہ السلام نے شراب اور نشہ پینے والوں کی مذمت کی ہے، اور شہادت دی ہے کہ انبیاء اور کاہن شراب پینے کی بدولت گمراہ ہوگئے،

کتاب اشعیاہ باب۵ آیت ۲۲ میں ہے کہ :

"ان پر افسوس جو مے پینے میں زورآور اور شراب ملانے میں پہلوان ہیں"

اور اسی کتاب کے باب۲۸ آیت ۷ میں ہے کہ :

"لیکن یہ بھی مے خواری سے ڈگمگاتے اور نشہ میں لڑکھڑاتے ہیں، کاہن اور نبی بھی نشہ میں چُور اور مے میں غرق ہیں، وہ نشہ میں جھومتے ہیں، وہ رؤیا میں خطا کرتے اور عدالت میں لغزش کھاتے ہیں"

اس فصل کے شروع میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام نے شراب پی، اور ان کے ہوش وحواس جاتے رہے، اور اس حالت میں برہنہ بھی ہوگئے، اور لوط علیہ السلام نے شراب پی، اور وہ بھی ہوش وحواس کھو بیٹھے، اور اس حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ وہ شرمناک حرکت کی، جو کبھی کسی شرابی اور کمینہ انسان نے بھی نہ کی ہوگی، انجیل یوحنا باب ۱۳ آیت ۴ میں ہے کہ :

"دستر خوان سے اُٹھ کر کپڑے اُتارے، اور رومال لے کر اپنی کمر میں باندھا، اس کے بعد برتن میں پانی ڈال کر شاگردوں کے پاؤں دھونے اور جو رومال کمر میں بندھا تھا اس سے پونچھنے شروع کئے"

اس موقع پر ہمارے ظریف وخوش طبع بزرگ نے الزاماً کہا: "یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر شراب اپنا پورا تسلط کئے ہوئے تھی، یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں، اور کیا کرنا چاہئے، کیونکہ پاؤں دھونے کے لئے بھلا کپڑے اُتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شراب کی مذمت میں اپنی کتاب کتاب امثال باب۲۳ میں فرمایا ہے کہ:

"جب مے لال لال ہو، جب اس کا عکس جام پر پڑے، اور جب وہ روانی کے ساتھ نیچے اُترے تو اس پر نظر نہ کر، کیونکہ انجام کار وہ سانپ کی طرح کاٹتی اور افعی کی طرح ڈس جاتی ہے۔"

اور اسی طرح نوجوان اجنبی لڑکیوں کا نوجوان مردوں کے ساتھ اختلاط تو بہت ہی خطرناک اور آفت ہو، اور اس حالت میں پاک دامنی کی توقع بہت مشکل ہو، بالخصوص جبکہ وہ مرد نوجوان، غیر شادی شدہ اور شرابی بھی ہو، اور عورت فاحشہ اور محبوبہ بھی ہو، اور ہر وقت اس کے آگے گھومتی پھرتی ہو، اور اپنی جان و مال سے اس کی خدمت کرتی ہو، داؤد علیہ السلام کی مثال سامنے رکھئے کہ محض ایک اُڑتی ہوئی نگاہ ایک اجنبی عورت پر پڑ جانے کا کیسا خطرناک انجام ہوا، حالانکہ ان کے پاس کافی بیویاں تھیں، اور ان کی عمر بھی اُس وقت پچاس سے زیادہ ہو چکی تھی، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کا حال بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ان کو عورتوں نے کس حد تک مغلوب کر دیا تھا، کہ نبی اور عہدِ جوانی میں نیک و صالح ہونے کے باوجود بڑھاپے میں ان عورتوں نے ان کو مرتد اور بت پرست تک بنا ڈالا، اور جب ان کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہن (یعنی امنون و تمر) اور اپنے بزرگوں رذیل و یہوداہ کے حالات سے پے در پے تجربات حاصل ہوئے، اور خاص طور پر اپنا تجربہ پیش آیا تب انھوں نے اس معاملہ میں سختی اور تشدد کا فی کیا کتاب امثال باب ۵ میں ہے کہ:

"(تو عورت[1]) کے مکر پر کان مت دھر، کیونکہ بیگانہ عورت کے ہونٹوں سے

[1] موجودہ اردو اور انگریزی تراجم میں یہ جملہ موجود نہیں ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں یہ جملہ اب تک موجود ہے:

شہد ٹپکتا ہے، اور اس کا منہ تیل سے زیادہ چکنا ہے، پر اس کا انجام ناگدونے
کی مانند تلخ اور دو دھاری تلوار کی مانند تیز ہے، اس کے پاؤں موت کی طرف
جاتے ہیں، اس کے قدم پاتال تک پہنچتے ہیں، سو اسے زندگی کا ہموار راستہ
نہیں ملتا، اس کی راہیں بے ٹھکانہ ہیں، پر وہ بے خبر ہے، اس لئے اے
میرے بیٹو میری سنو اور میرے منہ کی باتوں سے برگشتہ نہ ہو، اس عورت
سے اپنی راہ دور رکھ اور اس کے گھر کے دروازے کے پاس بھی نہ جا"

(آیات ۳ تا ۸)

پھر آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"اے میرے بیٹے! تجھے بیگانہ عورت کیوں فریفتہ کرے؟ اور تو غیر عورت
سے کیوں ہم آغوش ہو؟"

اور باب ۶ آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"تاکہ تجھ کو بری عورت سے بچائے، یعنی بیگانہ عورت کی زبان کی چاپلوسی
سے، تو اپنے دل میں اس کے حسن پر عاشق نہ ہو، اور وہ تجھ کو اپنی پلکوں سے
شکار نہ کرے، (کیونکہ چھنال کے سبب سے آدمی ٹکڑے کا محتاج ہو جاتا
ہے)[1] اور زانیہ قیمتی جان کا شکار کرتی ہے، کیا ممکن ہے کہ آدمی اپنے سینہ میں
آگ رکھے اور اس کے کپڑے نہ جلیں؟ یا کوئی انگاروں پر چلے اور اس کے
پاؤں نہ جھلسیں، اور وہ بھی ایسا ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی کے پاس جاتا ہے

[1] یہ موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں کی عبارت ہے، اظہار الحق میں اس کی جگہ یہ جملہ لکھا ہے:
"زانیہ کی قیمت روٹی کا ایک ٹکڑا ہے" کیتھولک بائبل میں بھی یہی جملہ موجود ہے،

جو کوئی اسے چھوئے بے سزا نہ رہے گا۔" (آیات ۲۴ تا ۲۹)

پھر باب آیت ۲۴ میں ہے:

"سو اب اے بیٹو! ... میری سنو! اور میرے مُنہ کی باتوں پر توجہ کرو تیرا دل اس کی راہوں کی طرف مائل نہ ہو، تو اس کے راستوں میں گمراہ نہ ہونا، کیونکہ اس نے بہتوں کو زخمی کر کے گرا دیا ہے، بلکہ اس کے مقتول بے شمار ہیں، اس کا گھر پاتال کا راستہ ہے، اور موت کی کوٹھریوں کو جاتا ہے۔" (آیات ۲۴ تا ۲۷)

آگے باب ۲۳ آیت ۳۳ میں ہے:

"تیری آنکھیں عجیب چیزیں دیکھیں گی، اور تیرے مُنہ سے اُلٹی سیدھی باتیں نکلیں گی. بلکہ تو اس کی مانند ہوگا جو سمندر کے درمیان لیٹ جائے، یا اس کی مانند جو مستول کے سر پر سو رہے۔"

اسی طرح بے ریش لڑکوں کا اختلاط بڑا خطرناک ہے، بلکہ عورتوں کے اختلاط سے بھی زیادہ خطرناک اور قبیح ہے، جس کی شہادت تجربہ کار لوگوں نے دی ہے، اس کے بعد آپ غور کریں کہ عیسیٰ علیہ السلام جبکہ شراب نوشی میں حدِ اعتدال سے اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے کہ خود ان کے معاصرین ان کی نسبت یہ الفاظ کہتے ہیں کہ بہت کھانے والا اور بے انتہا شرابی ہے، پھر آپ کنوارے نیز نوجوان بھی تھے، پھر جب مریمؑ آپ کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے دھوتی ہے، اور جس وقت سے آپ کے پاس آتی ہے برابر آپ کو بوسے دیتی اور چومتی رہتی ہے، اور آپ کے پاؤں کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کرتی جاتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ وہ اس زمانہ میں مشہور فاحشہ اور رنڈی تھی، ایسی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے

بزرگوں یہوداہؑ، داؤدؑ، وسلیمانؑ کے واقعات کو کیسے فراموش کر دیا؟ اور سلیمانؑ کی مذکورہ نصیحتیں کیسے بھول گئے؟ اور کس طرح انھوں نے یہ بات نہ سمجھی کہ عورت کی قیمت تو محض ایک روٹی ہے، اور اس کو ہاتھ لگانے کے بعد بچنا ممکن نہیں ہے، جس طرح بغل میں آگ ہوتے ہوئے کپڑوں کا نہ جلنا غیر ممکن ہے، یا آگ کے انگاروں پر چلنے کے باوجود پاؤں کا نہ جلنا ناممکن ہے، تو پھر آپ نے اس عورت کو ان حرکات کی اجازت کیسے دیدی؟ یہاں تک کہ فریسی کو اعتراض کرنے کی نوبت آئی، اور کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ یہ سب کام مقتضائے شہوت کے مطابق نہیں ہورہے تھے؟ اور ان حرکات کے باوجود آپ نے اس کے گناہ کو کس طرح بخش دیا؟ کیا اس قسم کے افعال وحرکات خدائے پاک وعادل کی شان کے لائق ہوسکتے ہیں؟

اسی بنا پر وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانے میں حرام کاری اور زناکاری جائز تھی تو کیا آج کوئی شریف عیسائی اگر اپنے کسی دوست کے یہاں مہمان ہو تو وہ بھرے مجمع میں کسی فاحشہ رنڈی کو اس بات کی اجازت دینے کے لئے تیار ہوگا کہ وہ اس کے پاؤں دھوئے حالانکہ اس سے قبل اس فاحشہ کا اپنے افعال وحرکات سے توبہ کرنا ثابت نہیں"

ادھر مسیحؑ، مریمؑ سے بیحد محبت کرتے اور اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ دورہ کیا کرتے تھے، جن کے ہمراہ بہت سی عورتیں بھی رہتی تھیں، جو اُن کی اپنے اموال سے خدمت کرتیں، ایسی حالت میں تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پاؤں صحیح راستہ سے نہ ڈگمگائے ہوں، اور اس قدر شدید ملاپ اور اختلاط کے باوجود وہ ناشائستہ حرکت سے بچے رہی ہوں، اس کے برعکس اُن کے پھسل جانے کے

امکانات اسی طرح ہیں جس طرح روبن کے پاؤں کو لغزش ہوئی، اور اس نے اپنی سوتیلی ماں سے زنا کرلیا، اسی طرح یہوداہ کے قدم کو لغزش ہوئی، اور اس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اور داؤدؑ کے پاؤں ڈگمگائے تو اوریا کی بیوی سے زنا کیا، امنون کے قدم لڑکھڑائے تو اپنی بہن سے زنا کیا، اسی لئے وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"اس سے زیادہ عجیب وغریب وہ واقعہ ہے جو لوقا بیان کرتا ہے[1]، کہ عیسیٰؑ مع اپنے شاگردوں کے دیہات میں دورہ کرتے اور ان کے ساتھ عورتیں ہوتیں جن میں مریم نامی مشہور زانیہ اور حرام کار عورت بھی تھی، یہ بات بھی معلوم ہے کہ مشرقی ملکوں میں بالخصوص دیہات میں ہر شخص کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہوتی کہ وہ کسی خاص مقام پر اکیلا سوئے، تو لازمی بات ہے کہ یہ اولیاء بھی ان ولیات کے ساتھ سوتے ہوں گے"۔

اور حواریوں کی لغزش کا احتمال زیادہ قوی ہے، کیونکہ علماء نصاریٰ کے فیصلہ کے مطابق حواری حضرات عروجِ عیسیٰؑ سے قبل کامل الایمان نہیں تھے، اس لئے ان کے حق میں زناکاری سے محفوظ رہنا کوئی ضروری نہیں،

کیتھولک پادریوں کی شرمناک حرکات،

اور یہ بات کون نہیں دیکھتا کہ کیتھولک فرقے کے بشپ اور ڈیکن صاحبان شادی نہیں کرتے، اور اس چیز کی وجہ سے پاک دامنی کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ اس پردے میں وہ حیاء ز

[1] لوقا ۸: ۱ مراد ہے، جس کی عبارت پیچھے ص ۱۷۰۵ جلد ہٰذا پر گذر چکی ہے۔

اور شرمناک حرکتیں کرتے ہیں جو دنیادار فاسق بھی نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ ان کے گرجے زنا اور حرام کاری کے اڈے اور چکلے بنے ہوتے ہیں، کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے رسالہ نمبر ۲ ص ۱۴۴ اور ص ۱۴۵ پر ہے کہ :

"قدیس برنودوس[1] کہتا ہے کہ : (۱) وعظ نمبر ۶۶ غزل الغزلات[2] عیسائیوں نے گرجوں سے عزت والی شادی اڑادی، جس میں کوئی گندگی نہ تھی، اور ان کو لڑکوں، ماؤں اور بہنوں کے ساتھ زناکاری سے بھردیا، بلکہ ہر نوع کی گندگی سے، اور فاردوس بیلاجوس جو ۱۳۰۰ء میں پرتگالی شہروں کا پادری تھا، کہتا ہے کہ کاش اہل کلیسا پاک دامنی کی نذر نہ ملنتے، اور علحدگی کی منت نہ مانتے، بالخصوص اسپانیا کے اہل کلیسا، کیونکہ رعیت کی اولاد کاہنوں کی اولاد سے کچھ ہی زیادہ ہے، اور پادری جان سالٹزبرگ پندرہویں صدی میں لکھتا ہے کہ میں نے بہت کم ایسے پادری پائے جو عورتوں کے ساتھ بہت سی نجاست کے عادی نہ ہوں، اور راہب عورتوں کے قیام گاہ زنا کے مخصوص اڈوں کی طرح ملوث ہیں "

عیسائیوں کے اسلاف اور بزرگوں کی یہ شہادتیں ان پادریوں کے دعویٰ عصمت کو چاک چاک کرنے کے لئے کافی ہیں، ہم کو اس پر مزید تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے ہم ان کا ذکر چھوڑتے ہیں، ہمارے نزدیک ان عصمت

---

[1] Saint Bernard   John Saltzburg   Bishop Peleage Belagius

[2] اظہار الحق میں یہ عبارت اسی طرح ہے، ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کا یہ پورا اقتباس ہی موجود نہیں ہے،

کے دعویداروں اور پاکدامنی کے جھوٹے مدّعیوں کا حال ہندو جوگیوں کی طرح ہے. جو اسی طرح عِصمت وعفت کے مدّعی ہیں، اور شادی کرنا مہا پاپ شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ پرلے درجے کے فاسق وفاجر ہوتے ہیں، اور بدکار وبدمعاش امراء کو بھی بدکاری وبدمعاشی میں ان لوگوں نے شکست دیدی ہے،

اس سلسلہ میں ہم کو ایک حکایت یاد آگئی، کہ ایک مسافر چلتے چلتے کسی ہندوستانی گاؤں کے قریب پہنچا، تو اس نے ایک نوجوان لڑکی کو گاؤں سے آتے دیکھا تو اس نے سوال کیا کہ اے لڑکی! تو گاؤں کی بیٹیوں میں سے ہے یا بہوؤں میں سے؟ تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ ہوں تو میں بیٹی، لیکن قضاءِ شہوت کے باب میں میں بہوؤں سے زیادہ نفع میں رہتی ہوں، مجھ کو تو خواب میں بھی وہ لطف ولذت نصیب رہتا ہے جو اُن کو قطعی بھی میسّر نہیں،

اس لئے یہ کنوارے رہنے والے پادری بزرگ شادی شدہ لوگوں سے زیادہ نفع میں رہتے ہیں، غرض منکرین کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام تو شادی سے مطلقاً بے نیاز تھے، رہے ان کے شاگرد تو یا تو وہ بھی عیسیٰؑ کی طرح مطلقاً بے نیاز تھے، یا اس قدر کثیر مفت کی بیویاں ہونے کی وجہ سے ان کو شادی کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ کیتھولک اساقفہ اور ڈیکنوں کا حال ہے، یا جو پوزیشن ہندوستانی جوگیوں کی ہے،

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے شاگرد لڑکے سے محبت کرنا محلِ تہمت ہے ان لوگوں کے نزدیک جو اس فعلِ قبیح میں مبتلا رہ چکے ہیں، اسی لئے وہی ... ظریف الطبع بزرگ کہتے ہیں کہ:

"انجیل کا یہ قول کہ پھر اس شاگرد نے یسوع کے سینہ پر تکیہ لگایا، گویا اسکی

پوزیشن اس عورت کی طرح تھی جو اپنے عاشق سے کسی چیز کی طالب ہوتی ہو، اور اس کو اس سلسلے میں غمزہ و عشوہ اور ناز و نخرہ دکھلاتی ہے، اس موقع پر اس قسم کی حرکت اس سے صادر ہوتی ہے "

ہم دوبارہ پھر عرض کرتے ہیں کہ اس (پانچویں بات) میں ہم نے جو کچھ لکھا ہو وہ محض الزامی طور پر لکھا ہے، ورنہ ہم توبہ کرتے اور پناہ مانگتے ہیں، اس قسم کی شرمناک اور گستاخانہ باتوں سے حاشا وکلاّ، ہم ان میں سے کسی ایک بات کو بھی عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے کسی حواری کے حق میں صحیح نہیں سمجھتے، جیسا کہ ہم مقدمۃ الکتاب اور کتاب کے متعدد مواقع پر بار بار تصریح کرتے آئے ہیں،

چھٹی بات،

تفسیر جلالین سورۃ تحریم میں ہے:

من الایمان تحریم الامۃ "باندی کو حرام کرلینا بھی ایک قسم کی قسم ہے"

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، اسی نوع کی قسم ہے،

ساتویں بات،

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کی نسبت یہ فرمائیں کہ میں ایسا نہیں کروں گا، پھر آپؐ اس کام کو اس لئے کرلیتے ہیں کہ وہ اپنی اصل سے جائز تھا، یا خدا کی جانب سے آپؐ کو اس کے کرنے کا حکم ہوا تو ایسی شکل میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کہ آپؐ نے گناہ کیا، بلکہ دوسری صورت میں اگر آپؐ وہ کام نہیں کرتے ہیں تو خدا کے نزدیک نافرمان بنتے ہیں، اور عیسائیوں کے عہد عتیق

کی کتابوں میں اس قسم کی بہت مثالیں خود اللہ کے بارے میں موجود ہیں، چہ جائیکہ انبیاء کے بارے میں جیسا کہ باب۳ قسم ۲ کی مثالوں میں معلوم ہو چکا ہے[1]، اور باب۵ فصل ۳ کے شبہ ۵ میں گذر چکا ہے[2]، عہد جدید میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں انجیل متی باب ۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک کنعانی عورت نے مسیح سے اپنی بیٹی کو شفاء دینے کے لئے فریاد کی، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس نے ایک بہترین جواب دیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پسند کیا، اور اس کی بیٹی کے لئے دعاء کر دی اور وہ اچھی ہو گئی[3]، نیز انجیل یوحنا باب ۲ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان سے قانائے گلیل کی ایک شادی کے موقع پر درخواست کی کہ پانی کو شراب بنا دیں، تو مسیح نے جواب دیا کہ اے عورت! میرا تیرا کیا واسطہ؟ تو میرے پاس وقت پر نہ آئی، پھر آپ نے خود ہی اس پانی کو شراب بنا دیا[4]۔

آٹھویں بات:

اس امر میں کوئی بھی حرج نہیں کہ بعض باتوں کو اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، آپ کو معلوم ہے کہ ہارون اور ان کی اولاد کے ساتھ بہت سے کام مخصوص تھے، مثلاً خیمۂ اجتماع کی خدمت اور اس کے متعلقہ کام، اور یہ امور لازمی

---

[1] ان تمام مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، لیکن پھر کسی وجہ سے وہی کام کر لیا (دیکھئے کتاب ہذا، ص ۸۳۸ جلد دوم)

[2] دیکھئے ص ۱۱۹۹ جلد ہذا، [3] متی ۱۵: ۲۱ تا ۲۸،

[4] یوحنا ۲: ۲ تا ۱۲،

کی دوسری اولاد کے لئے قطعی جائز نہ تھے، چہ جائیکہ دوسرے اسرائیلیوں کے لئے،

اب مذکورہ آٹھ باتوں کے ذہن نشین کرلینے کے بعد عیسائیوں کے پانچوں اعتراضات کے جوابات آپ پر منکشف ہوگئے ہوں گے،

مگر ہم کو ان معاندین کی اس بے انصافی پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر کسی دوسری شریعت میں ایسی بات دیکھتے ہیں جو اُن کے خیال میں قبیح اور بُری ہو ہے تو یا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدائے پاک حکیم وعادل کا نہیں ہوسکتا، یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز منصبِ نبوّت کے لائق نہیں ہے، اگرچہ اُن کی شریعت میں کوئی حکم یا فعل اس سے بھی زیادہ قبیح موجود ہو جو ان کے نزدیک خدا کی طرف سے بھی ہو اور منصبِ نبوّت کے بھی لائق ہے، اس سے بڑھ کر ہٹ دھرمی اور بے جا تعصب اور کیا ہوگا کہ حزقیال علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادے اور ۳۹۰ سال تک متواتر ایک روٹی[1] کو انسان کی نجاست سے پکا کر کھاتے رہیں، اسی طرح اشعیاء علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم کرنا کہ تین سال تک برابر عورتوں اور مردوں کے بھرے مجمع میں بقائمی ہوش وحواس برہنہ پھرتے رہیں[2]، اسی طرح ہوشع علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ کسی زانیہ فاجرہ حرام کار عورت کو بیوی بناؤ، اور زنا کی اولاد حاصل کرو، نیز ایک ایسی فاسقہ

---

[1] "اور تو جَو کے پھلکے کھانا اور تو ان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے اس کو پکانا" (حزقی ایل ۴: ۱۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۲۴۸ ج ۲،

[2] "میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا" (یسعیاہ ۲۰: ۳)

فاحشہ عورت سے عشق کرو، جو دوسرے کی منکوحہ اور محبوبہ ہے، وغیرہ وغیرہ،

یہ تمام امور عیسائیوں کے نزدیک خدائے پاک وعادل وحکیم کے جاری کردہ بھی ہیں اور ان مقدس پیغمبروں کی شانِ نبوت کے لائق بھی ہیں، اور ان شرمناک افعال میں ان کو کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی، مگر حضرت زینبؓ کے نکاح کا اپنے شوہر سے باقاعدہ طلاق پانے اور عدت گذارنے کے بعد جائز ہونا نہ خدا کی طرف سے ہوسکتا ہے اور نہ یہ فعل شانِ نبوت کے لائق ہے،

اسی طرح عیسائیوں کی نظر میں یعقوب علیہ السلام جو توریت کی نص کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں، راحیل سے عشقبازی کرنے اور اس کے باپ کی اس لالچ میں چودہ سال مسلسل خدمت کرنے، اور چار عورتوں سے مزید شادی کرنے اور دو حقیقی بہنوں کو اکٹھا بیوی بنانے کے باوجود نبوت کے بلند مقام سے نہیں گرتے،

اسی طرح داؤد علیہ السلام، جو زبور کی نص کے مطابق خدا کے دوسرے نوجوان بیٹے ہیں، اوریاہ کی بیوی سے زنا کرنے کے باوجود ان کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، حالانکہ پہلے سے ان کی بہت سی بیویاں تھیں، (بلکہ صحیح معنی میں یہ سب عورتیں خدا کی بخشی ہوئی اور اس کی رضا سے ملی ہوئی تھیں) اور داؤد علیہ السلام اس لائق تھے کہ خدا ان کی شان میں یہ کہتا ہے کہ اگر یہ عورتیں تیرے نزدیک کم ہیں تو مجھ سے کہہ میں اُس قدر اور دیدوں گا، اور اس پر کثرتِ ازدواج کی وجہ سے کوئی عتاب نہیں کیا جاتا، بلکہ اس پر بھی کوئی ملامت نہیں کی جاتی کہ دوسرے کی بیوی سے زنا کیوں کیا؟ اور اس

لے "جا ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد اپنے لئے لے"۔ (ہوسیع ۱: ۲) اور "جا، اس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہو، محبت رکھ" (ایضاً ۳: ۱)،

غریب کو حیلہ سے کیوں مروایا ؟)،

اسی طرح سلیمان علیہ السلام، جو کتبِ مقدسہ کی شہادت کے مطابق خدا کے بیٹے ہیں، باوجود ایک ہزار بیویاں اور باندیاں رکھنے کے آخر عمر میں مُرتد ہو جانے اور بت پرستی کرنے کے منصبِ نبوّت سے نیچے نہیں گرتے! بلکہ بدستور مسلّم النبوت رہتے ہیں، اور ان کی تینوں کتابیں یعنی امثال، جامعہ اور نشید الانشاد خدا کی کتابوں کا درجہ پاتی ہیں،

اسی طرح لوط علیہ السلام اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنے کے باوجود بدستور منصبِ نبوّت پر فائز رہتے ہیں، آخر میں خدا کے اکلوتے ... اور چہیتے فرزند اور ان کے مقدس حواری فاحشہ زانیہ سے اور بعض شاگردوں سے محبت کرنے اور مشرقی شہروں میں ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ منصبِ نبوّت سے نہیں گرتے، بلکہ باوجود اس شدید میل ملاپ اور بے تکلفی کے ساتھ خلا ملا کرنے اور شراب نوشی کے اُن پر کچھ بھی اتہام نہیں لگایا جاتا،

دوسری جانب محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض کثرتِ ازدواج اور زینبؓ سے شادی کرنے اور ایک باندی کو حرام کرنے کے بعد اس کو حلال کرنے پر منصبِ نبوّت سے ان کے نزدیک گرنے کے لائق ہو جاتے ہیں،

غالباً منشاء اس اختلاف کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک چونکہ خدائے تعالیٰ یکتا اور حقیقتاً واحد ہیں، اپنی ذات میں کسی اعتبار سے بھی کثرت کی گنجائش نہیں رکھتے، اس لئے ان کی مقدس و پاک ذات کسی ایک ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی متحمل نہیں ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کے نزدیک چونکہ

خدا کی ذات ایسے تین اقنوم پر مشتمل ہے جن میں ہر ایک پورے طور پر الوہیت اور خدائی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ایک دوسرے سے حقیقتاً امتیاز بھی رکھتے ہیں، اس لئے کسی ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی گنجائش اس کے اندر موجود ہو، کیونکہ حقیقی امتیاز کی صورت میں تعدد اور کثرت لازم ہے، اگرچہ وہ لوگ ظاہر میں اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ باب ۴ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اور تین بہر صورت ایک سے زیادہ ہوتے ہیں، شاید عیسائیوں کے نزدیک ان کا خدا مسلمانوں کے خدا سے زیادہ طاقتور ہے،

اسی طرح کسی گناہ اور معصیت سے معصوم ہونا حتیٰ کہ شرک سے بھی، اور گوسالہ پرستی اور بُت پرستی اور زناکاری اور چوری اور جھوٹ سے خواہ بسلسلۂ تبلیغ ہو، یا کسی دوسرے طور پر، عیسائیوں کے نزدیک نبوت کی شرائط اور لوازمات میں سے نہیں ہے، اس لئے نبوّت کا دائرہ عیسائیوں کے یہاں مسلمانوں کے نزدیک نبوّت کے دائرے سے بہت زیادہ وسیع ہے،

ناممکن ہے یہ وجہ ہو کہ یعقوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ چونکہ خدا کے بیٹے تھے اس لئے ان کو یہ حق تھا کہ اپنے باپ کی سلطنت میں جو چاہیں کریں، بخلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ وہ خدا کے بندے اور اس کے بندے کے بیٹے تھے، اس لئے ان کو اپنے آقا اور مالک کی سلطنت میں اپنی مرضی سے کچھ کرنے کا حق نہیں ہو سکتا تھا، اس بے جا تعصب اور ہٹ دھرمی اور دھاندلی سے خدا کی پناہ؛

عیسائیوں کا اسلام پر چوتھا اعتراض آپؐ کے گناہ

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود نعوذ باللہ گنہگار اور عاصی ہیں، اور کسی گنہگار کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے گنہگاروں کی سفارش کرے، صغریٰ[1] کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ سورۂ مؤمن میں کہا گیا ہے کہ:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ،	"پس آپؐ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپؐ اپنے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد اور پاکی بیان کیجئے"

اسی طرح سورۂ محمدؐ میں ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ،	"پس جان لیجئے کہ واقعہ یہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے"

اور سورۂ فتح میں ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا، لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ،	"بلاشبہ ہم نے آپؐ کو فتحِ مبین عطا کی ہے، تاکہ آپؐ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے"

[1] یعنی معاذ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کے سرزد ہونے کی،

اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ،	"اے اللہ! میرے اگلے اور پچھلے، پوشیدہ اور علانیہ تمام گناہ معاف فرمادیجئے، نیز وہ گناہ جو مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہیں، آپ ہی آگے کرنے والے ہیں اور آپ ہی پیچھے کرنے والے، آپکے سوا کوئی معبود نہیں"

جواب یہ ہے کہ صغریٰ، کبریٰ دونوں غلط ہیں، اس لئے نتیجہ یقیناً غلط اور جھوٹا ہے، ہم ان دونوں کے بطلان کے لئے پانچ چیزیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ بات ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ رب اور خالق ہے، اور مخلوق سب کی سب اس کے زیر تربیت اور اس کی پیدا کردہ ہے، اس لئے وہ تمام چیزیں جو رب وخالق کی طرف سے بندۂ مربوب ومخلوق کے حق میں صادر ہوں، خواہ خطاب ہو یا عتاب، یا طلب برتری وغیرہ سب اپنے موقع اور محل کے مطابق ہیں، اور اس کی مالکیت اور خالقیت کا اقتضاء ہیں، اسی طرح وہ تمام چیزیں جو بندوں کی جانب سے صادر ہوں، خواہ وہ دعائیں ہوں، التجائیں ہوں، رونا گڑگڑانا ہو وہ ٹھیک اپنے موقع اور محل پر ہیں، اور اس کی مخلوقیت اور بندگی کا مقتضیٰ ہیں، اور انبیاء اور پیغمبر بھی خدا کے بندے اور اس کے مخلص ہیں، اس لئے وہ بھی ان کاموں کے سب سے زیادہ

مستحق ہیں، اور اس قسم کے تمام مواقع پر اللہ کے کلام کو معنیٰ حقیقی پر محمول کرنا یا انبیاء و پیغمبروں کی دعاؤں میں اس کے حقیقی معنی مراد لینا خطا اور گمراہی ہے، جس کے شواھد دونوں عہد کی کتابوں میں بالخصوص زبور میں بے شمار ہیں، نمونے کے طور پر ہم ان میں سے کچھ نقل کرتے ہیں:

پہلی مثال؛

انجیل مرقس کے باب ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۱۸ آیت ۱۹ میں ہے[1]:

"پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد! میں کیا ....کروں، تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا، تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا"

دوسری مثال؛

زبور ۲۲ آیت ۱ میں ہے:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد، اور میرے نالۂ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں، پر تو جواب نہیں دیتا، اور رات کو بھی (اور تو میری پرواہ[2] نہیں کرتا)

چونکہ عیسائی حضرات کے دعوے کے مطابق ان آیات کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] موجودہ تراجم میں یہ آیت ۱۸ ہے، یہاں انجیل لوقا کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں، مرقس ۱۰: ۱۷ میں یہی واقعہ لفظوں کے معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے،

[2] یہ اظہار الحق میں نقل شدہ عربی ترجمے کا ترجمہ ہے، عربی الفاظ یہ ہیں: "فلم تحفل بی" لیکن موجودہ ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور خاموش نہیں ہوتا"۔

سے ہے، اس لئے یہ کلام کرنے والے شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں،

تیسری مثال:

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶ میں ہے:

"اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما شبقتنی ؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

چوتھی مثال:

انجیل مرقس باب آیت ۴ میں ہے:

"یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا، اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے، اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا"

یہ بپتسمہ گناہوں کی معافی کے لئے تھا، جیسے کہ مرقس نے چوتھی اور پانچویں آیت میں تصریح کی ہے، نیز انجیل لوقا باب ۳ آیت ۳ میں ہے:

"اور وہ یردن کے سارے گرد و نواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا"

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے:

"میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں"

اور کتاب اعمال باب ۱۳ آیت ۲۴ میں ہے:

جس کے آنے سے پہلے یوحنا نے اسرائیل کی تمام امت کے سامنے توبہ کے بپتسمہ

کی منادی کی۔"

اور کتاب اعمال باب ۱۹ آیت ۴ میں ہے:

"پولس نے کہا یوحنا نے لوگوں کو یہ کہہ کر توبہ کا بپتسمہ دیا کہ .... الخ"

یہ تمام آیتیں اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ بپتسمہ توبہ کا بپتسمہ تھا، اور گناہوں کی بخشش کے لئے انجام دیا گیا تھا، پھر جب تسلیم کر لیا جائے کہ یحیٰی علیہ السلام نے عیسیٰؑ کو اس پانی میں غسل دیا تھا، تو یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ دونوں نے اپنے گناہ کا بھی اعتراف کیا، کیونکہ اس غسل کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

پانچویں مثال:

انجیل متی باب[1] میں وہ دعاء ذکر کی گئی ہے جسے کثرت سے مانگنے کی تلقین حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو کی تھی، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"جس طرح ہم نے اپنے (گنہگاروں[2]) کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے گناہ معاف کر، اور ہمیں آزمائش میں نہ لا، بلکہ برائی سے بچا۔"

اور ظاہر یہی ہے کہ جس دعاء کی تعلیم عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو دے رہے ہیں خود بھی یہی نماز پڑھا کرتے ہوں گے، انجیل کے کسی مقام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ

---

[1] آیات ۱۲ و ۱۳۔

[2] اظہار الحق میں یہ جملہ اسی طرح ہے، موجودہ عربی ترجمہ میں بھی بعینہٖ وہ عبارت ہے، جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، کیتھولک بائبل اور جدید انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ اور قدیم انگریزی ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر۔"

یہ نماز خود نہیں پڑھا کرتے تھے، (دوسری بات میں) آپ کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ عیسیٰ علیہ السلام بہت کثرت سے نماز پڑھتے تھے، پھر لازمی بات ہو کہ ان الفاظ کے ساتھ انھوں نے ہزاروں مرتبہ دعا کی ہوگی کہ "ہمارے گناہوں کو معاف کر" اور گناہوں سے معصوم ہونا عیسائیوں کے نزدیک اگرچہ نبوّت کے شرائط اور اس کے لوازمات میں سے نہیں ہے، مگر وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی انسانی حیثیت میں بھی معصوم تھے، اور اس لحاظ سے بھی عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام صالح اور اللہ کے مقبول بندے ہیں،

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے مندرجہ ذیل جملے بائبل میں منقول ہیں کہ .

۱۔ تو مجھ کو نیک کیوں کہتا ہے

۲۔ اے میرے معبود! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا ؟

۳۔ تو میری مدد اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے ؟

۴۔ میں تجھ کو دن میں پکارتا ہوں مگر تو نہیں سنتا ،

۵۔ پانی میں غسل دیئے جانے کے وقت توبہ کے الفاظ اور گناہوں کا اعتراف،

۶۔ الفاظ "ہمارے گناہوں کو معاف کر"

عیسائی حضرات ان جملوں کو حقیقی ظاہری معنی پر کسی طرح بھی محمول نہیں کر سکتے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ نہ صالح تھے اور نہ مقبول، بلکہ اللہ کے متروک اور نادانی کی باتوں کی وجہ سے رہائی سے دور تھے، اُن کی دُعا قبول نہیں ہوتی تھی مجرم اور گنہگار تھے، لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ عاجزی اور گڑگڑانا ناسوتی لحاظ سے

مخلوقیت اور بندگی کا تقاضا تھا،

زبور نمبر ۵۳ آیت ۳ [ا] میں ہے:

"خدا نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی، تاکہ دیکھے کہ کوئی دانشمند، کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں؟ وہ سب کے سب پھر گئے ہیں، وہ باہم نجس ہو گئے، کوئی نیکوکار نہیں، ایک بھی نہیں"

اور کتاب یسعیاہ باب ۵۹ آیت ۹ میں ہے:

"اس لئے انصاف ہم سے دور ہے، اور صداقت ہمارے نزدیک نہیں آتی، ہم نور کا انتظار کرتے ہیں پر دیکھو تاریکی ہے، اور روشنی کا، پر اندھیرے میں چلتے ہیں"

آگے آیت نمبر ۱۲ میں ہے:

"کیونکہ ہماری خطائیں تیرے حضور بہت ہیں، اور ہمارے گناہ ہم پر گواہی دیتے ہیں، کیونکہ ہماری خطائیں ہمارے ساتھ ہیں، اور ہم اپنی بدکرداری کو جانتے ہیں، خداوند کا انکار کیا، اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ ہو گئے، ہم نے ظلم اور سرکشی کی باتیں کیں، اور دل میں باطل تصور کر کے دروغ گوئی کی"

(آیات ۱۲ تا ۱۳)

اور یسعیاہ باب ۶۴ آیت ۶ میں ہے:

"اور ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز، اور ہماری تمام

[ا] موجودہ ترجمہ میں یہ آیت ۲ ہے،

راست بازی (ناپاک لباسؔ) کی مانند ہے، اور ہم سب پتّے کی طرح کُملا جاتے ہیں، اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے، اور کوئی نہیں جو تیرا نام لے، جو اپنے آپ کو آمادہ کرے کہ تجھ سے لپٹا رہے، کیونکہ ہماری بدکرداری کے سبب سے تُو ہم سے رُوپوش ہوا، اور ہم کو پگھلا ڈالا۔" (آیات ۶ و ۷)

اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بکثرت نیک لوگ موجود تھے، مثلاً ناتن پیغمبر وغیرہ، اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ پیغمبر حضرات عیسائیوں کے نزدیک معصوم نہیں ہوتے، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زبور مذکور کی آیت نمبر ۴ کے کسی طرح بھی مصداق نہیں ہوسکتے[۲]،

اشعیاہ علیہ السلام کی دونوں عبارتوں میں جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اور اشعیاہؑ وغیرہ بھی ان کے زمانے کے انبیاء اور صلحاء میں سے ہیں، اگرچہ وہ معصوم نہ ہوں، لیکن یقیناً یہ حضرات ان اوصاف کے مصداق ہرگز نہیں ہوسکتے، جن کی تصریح دونوں عبارتوں میں کی گئی ہے، اس لئے زبور کی عبارت بھی اور یہ دونوں عبارتیں بھی اپنے حقیقی ظاہری معنی پر محمول نہیں ہوسکتیں، بلکہ یہ مراد لینا ضروری ہے کہ یہ تمام الفاظ عاجزی اور تضرّع کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، اسی طرح کے الفاظ کتاب دانی ایل باب ۹ میں اور نوحہ یرمیاہ کے باب ۳ و ۵ میں پطرس کے پہلے خط کے باب ۴ میں بھی موجود ہیں،

---

[۱] یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہی، اظہار الحق میں قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں "حائضہ عورت کے کپڑے"

[۲] یعنی ان الفاظ کے کہ: "وہ باہم نجس ہوگئے، کوئی نیکوکار نہیں، ایک بھی نہیں"۔ (زبور ۵۳: ۳)

دوسری بات

انبیاء علیہم السلام کے بہت سے افعال محض امت کی تعلیم وارشاد کے لئے ہوتے ہیں، تاکہ ان کی پیروی کی جائے ورنہ یہ حضرات اپنی ذات کے لئے ان کاموں کے قطعی محتاج نہیں ہوتے، چنانچہ انجیل متی باب ۴ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن رات روزے رکھے[1] اور انجیل مرقس باب اوّل آیت ۳۵ میں ہے:

"اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اُٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا، اور وہاں دعاء کی"

اور انجیل لوقا باب ۵ آیت ۱۶ میں ہے:

"اور ان دنوں میں وہ پہاڑ کی طرف گیا، تاکہ دعاء کرے اور ساری رات اللہ سے دعاء کرنے میں گذاری"[2]۔

سوال یہ ہے کہ جب عیسیٰ مسیحی حضرات کے نزدیک ذاتِ خداوندی کے ساتھ متحد ہیں، تو آپ کو یہ شدید تکالیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کام اُمّت کی تعلیم کے لئے کئے جاتے تھے،

تیسری بات

جو الفاظ کتبِ شرعیہ میں استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق وغیرہ وغیرہ ان کو جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو ان کے شرعی معانی پر محمول کرنا ضروری ہے، اس قانون کے

---

[1] "اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کرکے آخر کو اُسے بھوک لگی" (متی ۴: ۲)

[2] اظہار الحق میں یہ عبارت اسی طرح منقول ہے، مگر ہمارے پاس جتنے قدیم وجدید تراجم ہیں ان سب میں اس کی جگہ صرف یہ جملہ ہے: "مگر وہ جنگلوں میں الگ جاکر دعاء کیا کرتا تھا"

تحت جب لفظ "گناہ" جو ایک شرعی اصطلاح ہے انبیاء علیہم السلام کے حق میں استعمال کیا جائے گا، تو اس کے معانی صرف لغزش کے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی معصوم ہستی کسی عبادت یا جائز کام کا ارادہ کرے مگر بلا قصد و ارادہ اور بے شعوری سے محض اس بنا پر گناہ میں ملوث ہو جائے کہ وہ عبادت یا جائز فعل کسی گناہ کے ساتھ قریب اور متصل تھا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک گذرنے والا جس کا مقصود راستہ کو قطع کرنا ہوتا ہے مگر بلا قصد و ارادہ اس کا پاؤں ٹھیک چلتے چلتے کسی کیچڑ یا دلدل میں پھسل جائے، یا کسی ایسے پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے جو سرِ راہ پڑا ہوا ہو، یا پھر ان بزرگوں کے حق میں گناہ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک ایسا کام کیا جو اُن کے شایانِ شان نہ تھا،

چوتھی بات مجاز کا استعمال باری تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے کلام میں بے شمار ہے، چنانچہ مقدمۃ الکتاب میں بڑی وضاحت سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے، نیز باب۵ فصل ۳ شبہ ۳ کے جواب میں یہ بات آپ معلوم کر چکے ہیں کہ کتبِ مقدسہ میں جا بجا کثرت سے مضاف[1] محذوف ہوتا ہے،

پانچویں بات دُعار کا مقصد کبھی کچھ مانگنے کی بجائے محض اظہار بندگی ہوتا ہے، مثلاً باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ،	اے ہمارے پروردگار! اور ہمیں وہ چیز عطا کیجئے جن کا آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے"

[1] دیکھیے کتاب ہذا، ص ۱۱۹۵ جلد ہذا۔

اس لئے کہ خدا نے جن چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمالیا ان کا دینا واجب اور ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود ہم کو اس کے مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے، یا جس طرح اس آیت میں ہے کہ:

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ،	اے پروردگار حق کا فیصلہ کیجئے ،

حالانکہ ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ باری تعالیٰ ہمیشہ حق کے مطابق ہی فیصلہ اور حکم کرتے ہیں،

اب جبکہ آپ یہ پانچوں باتیں سمجھ گئے تو سنئے کہ استغفار کے معنی ہیں "مغفرت طلب کرنا" اور "مغفرت کا مطلب ہے کسی قبیح فعل پر پردہ ڈال دینا" اس پردہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس فعل قبیح سے بچایا جائے، اس لئے کہ جو شخص معصوم ہوگیا یقیناً اس کی قبیح خواہشات پر پردہ پڑگیا،

دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل قبیح کے موجود ہونے کے بعد اس پر پردہ ڈالا جائے، لہٰذا پہلی دو آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مغفرت پہلی صورت کے مطابق ہے[1]، اور دوسری آیت میں مؤمنین کے بارے میں دوسری قسم کی مغفرت مراد ہے، دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں امام فخرالدین رازی رح فرماتے ہیں کہ:

وفی هٰذه الآية لطيفة	"اس آیت میں ایک لطیف بات
وهى انّ النبىّ صلى الله عليه وسلم	یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] یعنی آپ کی مغفرت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے، یہ مطلب نہیں کہ پہلے آپ سے گناہ سرزد ہو، اور پھر اُسے معاف کیا جائے،

له احوال ثلاثة، حال مع الله وحال مع نفسه وحال مع غيره، فامّا مع الله فوحّد واما مع نفسك فاستغفر لذنبك واطلب لعصمة من الله، واما مع المؤمنين فاستغفر لهم واطلب الغفران لهم من اللهِ،	تین احوال ہیں، ایک اللہ کے ساتھ، دوسرے اپنے نفس کے ساتھ، تیسرے دوسروں کے ساتھ، جہاں تک اللہ کے ساتھ والی حیثیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی یکتائی بیان کیجئے، اور اپنے نفس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اپنی مغفرت طلب کیجئے، اور اللہ سے اپنے لئے

عصمت مانگئے، اور مؤمنین کے لئے ارشاد ہو کہ اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔"

اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں آیتوں میں استغفار کا حکم دینے سے مقصود محض اظہارِ بندگی اور عبدیت ہے، جیسا کہ آیت رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اور رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ میں ابھی پانچویں بات میں معلوم ہو چکا ہے،

یا اس حکم دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی امت میں استغفار کی سنت جاری ہو، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار محض امت کی تعلیم کے لئے تھا،

تفسیر جلالین میں دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

قيل له ذلك مع عصمته ليستن به امته	"آپ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ سے یہ بات اس لئے کہی گئی ہو کہ امت آپ کی اتباع کرے"

یا یہ کہا جائے کہ دونوں آیتوں میں مضاف محذوف ہو، اور پہلی آیت کی تقدیر یہ ہو کہ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِ اُمَّتِكَ[1]،

اور دوسری آیت کی تقدیر یوں ہوگی کہ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِ اَهْلِ بَيْتِكَ وَلِذَنْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ الَّذِيْنَ لَيْسُوْا مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ[2]، لہذا مومنین و مومنات کا ذکر بھی کچھ مستبعد نہیں ہوگا[3]، اور امر چہارم میں یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ مضاف کا حذف ہونا عیسائیوں کی کتابوں میں بکثرت شائع ہے، یا دونوں آیتوں میں ذنب سے مراد لغزش یا ترک افضل ہے،

ہم نے بعض دوستوں سے یہ واقعہ سُنا کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے ایک بوڑھے

---

[1] یعنی "پس آپ صبر کیجئے، بلا شبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپ اپنی امت کے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے"

[2] یعنی "جان لیجئے کہ واقعہ یہ ہو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اپنے گھر والوں کے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے، اور ان مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت طلب کیجئے جو آپ کے اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں"

[3] اس جملے کے ذریعے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، کہا جاسکتا تھا کہ پہلی آیت میں تو "آپ کے گناہ" سے مراد "آپ کی امت کا گناہ" لے لیا گیا ہے، لیکن دوسری آیت میں تو آپ کے گناہ کا الگ ذکر ہو، اور مؤمنین و مؤمنات کے گناہوں کا الگ، وہاں "آپ کے گناہ" سے مراد "آپ کی امت کے گناہ" کیسے لیا جاسکتا ہو؟ اس کا جواب مصنفؒ نے دیا کہ دوسری آیت میں "آپ کے گناہ" سے مراد "آپ کے گھر والوں کا گناہ" ہو، اور مؤمنین و مؤمنات سے مراد غیر اہلِ بیت مسلمان ہیں،

پادری نے اس توجیہہ پر اپنی ایک جدید تالیف میں اعتراض کیا اور کہا کہ ہم مان لیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، سوائے ترکِ اولیٰ کے، مگر ترکِ اولیٰ بھی کلام اللہ کے فیصلہ کے بموجب یعنی توریت و انجیل کے حکم کی بناء پر گناہ ہے، اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ گنہگار ہوئے یعقوبؑ نے اپنے خط کے باب ۴ آیت ۱۷ میں فرمایا ہے کہ:

"پس جو کوئی بھلائی کرنا جانتا ہے اور نہیں کرتا، یہ اس کے لئے گناہ ہے"

اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ یہ اعتراض درحقیقت حد سے زیادہ گذری ہوئی عمر کا تقاضہ ہے، اس لئے کہ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ شراب نہ پینا ایک نیک عمل ہے، چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کی مدح اور تعریف حق تعالیٰ نے اسی بنیاد پر کی ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب کو معلوم ہے، اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایک فاحشہ زانیہ رنڈی کو بھرے مجمع میں پاؤں دھونے اور ان کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کرنے کی اجازت نہ دینا ایک اچھا فعل تھا،

اسی طرح اجنبی اور بیگانی نوجوان عورتوں سے حد سے زیادہ بے تکلفی اور خلاملا نہ رکھنا اور مشرقی شہروں میں ان کو ساتھ ساتھ لئے ہوئے نہ گھومنا ایک نیک عمل تھا، بالخصوص جبکہ بے تکلفی برتنے والا شخص خود بھی ان کی طرح نوجوان اور کنوارا ہو، لیکن اس کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نیک عمل نہیں کئے،... یہاں تک کہ مخالفین نے بھی اس سلسلہ میں ان پر طعن کیا، جیسا کہ تیسرے اعتراض کے جواب میں آپ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا ان بوڑھے پادری صاحب

کے قول کے بموجب لازم آتا ہے کہ ان کا خدا بھی گنہگار تھا،

مزید ار بات یہ ہے کہ "دیوانہ بکارِ خویش ہشیار" کے بموجب ان سن رسیدہ پادری صاحب نے اپنے کلام میں توریت کا بھی حوالہ دے کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے، حالانکہ توریت میں یہ حکم موجود ہی نہیں ہے، پھر ان پادری صاحب نے سوائے یعقوب کے خط کے اس کی کوئی سند بھی پیش نہیں کی، جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے بڑے بڑے علماء کی رائے کی بناء پر کوئی الہامی کتاب نہیں ہے، بالخصوص اس کے امام و مقتدا جناب لوتھر کی تحقیق کے مطابق، چنانچہ باب فصل ۴ سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے[۱]، اس لئے یعقوبؑ کا کلام ان علماء پر کوئی حجت نہیں ہو سکتا، اس لئے اس کا اعتراض یقیناً لغو اور واہیات ہے،

رہی تیسری آیت سو اس میں یا تو مضاف محذوف ہے، یا گناہ سے مراد ترک افضل ہے، یا غفران سے مراد عصمت ہے، امام سبکیؒ اور ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد نہ تو گناہ کے صدور کو ثابت کرنا ہے، نہ اس کا بخشنا، بلکہ مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع میں آپ کی عظمت و احسان کا اظہار فرمایا، چنانچہ پہلے فتح کی بشارت دی، پھر اس فتح کا مقصد مغفرت اور تکمیلِ نعمت، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور نصر عزیز کو قرار دیا، پھر اگر ایسے موقع پر کسی گناہ کا آپ سے صادر ہونا مان لیا جائے تو یقیناً کلام کی بلاغت میں مخل ہوگا، کیونکہ اس کا

---

[۱] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۵۵۴ ج ۱)

مقتضا تکریم و تعظیم ہے، جس طرح ایک آقا جب اپنے کسی خادم سے راضی اور خوش ہوتا ہے تو کبھی اس کے اکرام اور اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے کہا کرتا ہو کہ دیکھو میں نے تمھاری سب اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کیا، میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں کروں گا، حالانکہ اس خادم سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوئی،

رہی وہ دعاء جو حدیث میں مذکور ہے، سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے یہاں ساری مخلوق سے زیادہ بلند مرتبہ تھے، اور خدا کی معرفت میں سب سے زیادہ کامل تھے، اور غیر اللہ کے تصور سے خالی الذہن ہونے کی صورت میں آپؐ کی حالت پورے طور پر اپنے خدا کی جانب متوجہ ہونے کی تھی جو بمقابلہ دوسرے احوال کے آپؐ کی بلند ترین حالت ہے، اس لئے آپؐ غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے کو خواہ وہ کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو اپنے لئے نقص اور انحطاط خیال فرماتے تھے، اس لئے آپؐ اس نقص سے مغفرت کے طلبگار ہوتے تھے، تاکہ بلند مقام حاصل ہوسکے، لہٰذا آپؐ کے نزدیک غیر اللہ کے ساتھ یہ ضروری مشغولیت بھی بمنزلہ اس گناہ کے تھی جس سے استغفار کرنا اپنے بلند مرتبہ کے پیشِ نظر ضروری تھا،

یا پھر یہ بات تھی کہ آپؐ سے اس قسم کی دُعاؤں کا صدور محض اظہارِ بندگی اور عبودیت کے طور پر تھا، بالکل اسی طرح جس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے اسی غرض سے اپنی ذات سے نیکی کی نفی کی، اور خطاؤں کا اعتراف فرمایا، اور بارہا ان الفاظ اور عنوان سے دُعا مانگی "تو ہمارے گناہ معاف فرما" اور یہ جملے زبان پر لائے کہ :-

۱- اے میرے معبود! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ [1]

۲- تو میری مدد اور نالہ و فریاد سے کیوں دُور رہتا ہے؟

۳- اے میرے خدا! میں دن میں آپ کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا، [2]

یا یہ دعا محض اظہارِ بندگی کے لئے تھی جیسا کہ پانچویں بات میں معلوم ہوچکا ہے، یا پھر تعلیم امت کے لئے تھی، یا گناہ سے مراد لغزش اور ترک اولیٰ ہے، جیسا کہ امر سوم میں معلوم ہوچکا، پس بہرصورت یہ اعتراض واقع نہیں ہوسکتا، یہ پانچوں توجیہات سب کی سب یا ان میں کوئی ایک ان تمام احادیث میں بھی جاری ہوسکتی ہیں جو حدیث مذکور کی طرح ہیں،

اب چونکہ ان آیتوں اور حدیثوں سے جن کی آڑلے کر معترض نے اعتراض کیا ہے یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار تھے، اس لئے معترض کی دلیل کا صغریٰ باطل اور کاذب ہوگیا، رہا کبریٰ [3] کا کاذب اور غلط ہونا وہ اس لئے کہ اس کا کلیہ قاعدہ ہونا ناقابلِ تسلیم اور ممنوع ہے، کیونکہ معترض اس کو یا تو عیسائی نظریہ سے ثابت کرے گا، یا برہانِ عقلی سے، یا دلیل نقلی سے، پہلی صورت ہمارے خلاف اسی طرح حجت نہیں جس طرح ان کے اکثر نظریات جیسا کہ آپ کو باب ۴ کے فصل نمبر ۲ میں معلوم ہوچکا ہے، اور اگر دوسری صورت ہے تو عیسائیوں کے ذمہ اس دلیل عقلی کا بیان کرنا واجب ہے، اس کے بعد ہم اس کے مقدمات پر غور کریں گے، لیکن ان کے لئے کوئی عقلی دلیل پیش کرنا ممکن ہی

---

[1] متی ۲۷: ۴۶، زبور ۲۲: ۱،   [2] زبور ۲۲: ۲

[3] یعنی یہ بات کہ کسی گنہگار کے لئے دوسرے گنہگاروں کی سفارش کرنا ممکن نہیں ہے،

کہاں ہے ؟ اور یہ بات تو ذرا بھی مستبعد نہیں کہ باری تعالیٰ کسی بندے کے گناہ بلا واسطہ اپنے فضل سے بخش دے، پھر دوسروں کے حق میں اس کی سفارش بھی قبول فرمالے، اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ کسی گناہ کی قباحت عقلاً اسی وقت تک رہتی ہے جب تک وہ معاف نہیں کیا جاتا، معاف ہو جانے کے بعد اس کی قباحت باقی نہیں رہ سکتی، اس تیسری آیت میں جس کو عیسائیوں نے اپنے خیالِ فاسد میں گناہ کے اثبات کے لئے پیش کیا ہے تصریح موجود ہے، یعنی فرمایا

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ،	"تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے (سب) گناہ معاف کر دے"

پھر اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ اس دنیا ہی میں بخش دیئے گئے تو اب کوئی ایسی بات تو باقی نہیں رہی جو دارِ آخرت میں دوسروں کی سفارش کرنے سے مانع ہو، اور اگر تیسری صورت ہے تو یقیناً غلط ہے، اس لئے کہ یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پوجا کی تو خدا کا ارادہ ہوا کہ سب کو ہلاک کر دے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سفارش کی، خدا نے اس سفارش کو قبول فرمایا، اور سب کو ہلاک نہیں کیا، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۳۲ میں ہے،

پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو لے کر ملکِ کنعان جائیں، مگر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کی، اور اللہ نے ان کی سفارش قبول فرمائی، اور کہا کہ میں تمھارے ہمراہ جاؤں گا، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۳۳ میں ہے، پھر جب بنی اسرائیل نے

نافرمانی کی، تو خدا نے دوبارہ ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، تو موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں نے سفارش کی، خدا نے پھر ان دونوں کی سفارش کو قبول فرمایا، پھر جب انھوں نے دوبارہ نافرمانی کی، تو خدا نے اُن پر سانپ چھوڑ دیئے، جو اُن کو کاٹتے اور ڈستے تھے، پھر وہ لوگ موسیٰؑ کے پاس سفارش کی درخواست لیکر آئے، چنانچہ انھوں نے پھر سفارش کی، اور خدا نے ان کی سفارش قبول کی، چنانچہ اس کی تصریح کتاب عدد باب ۲۱ اور باب ۱۶ میں موجود ہے، اب کسی قسم کا کوئی استحالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت شفیع المذنبین ہونے میں باقی نہیں رہا،

اَللّٰھُمَّ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا فرما، جس کا آپ نے اُن سے وعدہ کیا ہے، اور ہم کو قیامت کے دن آپؐ کی سفارش نصیب کر؛؛

یہ آخری باب ہے، میں نے اس کتاب کی تالیف کی ابتداء ماہ رجب سنہ ۱۲۸۰ھ کی ۱۶ تاریخ کو کی، اور سالِ مذکور کے آخر ذی الحجہ میں اس سے فراغت پائی، والحمدللہ رب العالمین،

اس کتاب کے ختم کی تاریخ "تائید الحق برحمت اللہ" ہے،

۱۲۸۰ھ

میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں ایسے حاسد سے جو مجالس سے سوائے بُرائی کے کچھ حاصل نہیں کرتا، اور فرشتوں سے لعنت کے سوا اور مخلوق سے سوائے رنج و غم کے، اور نزع کے وقت سوائے شدت کے اور خوف کے، اور موقفِ حساب میں سوائے رسوائی کے اور عذاب کے، میں اپنا معاملہ لطیف و خبیر کے

سپرد کرتا ہوں، وہی بہترین کارساز و مددگار ہے، اور پوری عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ یوں عرض کرتا ہوں: اے ہمارے پروردگار! ہماری بھول یا غلطی پر ہم سے مواخذہ مت کیجئے، اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسی مشقت والا حکم نہ ڈالئے جس طرح ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا، اے ہمارے پروردگار! اور جن کاموں کے کرنے کی ہم میں سکت نہیں اس کا بوجھ ہم پر نہ ڈالئے، اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیے، اور ہماری بخشش کیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ ہمارے آقا ہیں، پس ہم کو ظالم لوگوں پر کامیابی اور غلبہ عطا فرمائیے ❊

جلد سوم تمام شد

جمادی الاول ۱۳۹۰ھ مطابق جولائی ۱۹۷۰ء

سید دلشاد حسین کاظمی تحریر نمودہ بروز جمعہ

افضل پریس

اشاریہ

مرتبہ

محمد تقی عثمانی

اشارات

اس اشاریہ کے شروع میں توان اصطلاحات کی فہرست دی گئی ہے، جن کی تشریح مقدمہ، کتاب، یا اس کے حواشی میں آئی ہے، اس کے بعد عام مفصّل اشاریہ ہے، اس اشاریہ میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت ہے:

(۱) جن ناموں کا تعارف حاشیہ پر ہے، ان کے متعلقہ صفحات پر علامت "ت" بنی ہوئی ہے،

(۲) جو نام متن کے بجائے حاشیہ میں آئے ہیں، ان کے متعلقہ صفحہ پر خط کھینچ دیا گیا ہے،

(۳) حضرت مسیح علیہ السلام کا اسم گرامی چونکہ تقریباً ہر صفحے پر آیا ہے، اس لئے اسے اشاریہ میں شامل نہیں کیا گیا،

(۴) بائبل کی کتابوں کا نام کتاب میں جہاں حوالے کے طور پر آیا ہے، اسے اساریہ میں شامل نہیں کیا گیا، صرف اُن صفحات کا حوالہ اشاریہ میں دیا گیا ہے جن میں ان کتابوں کو موضوع بنا کر ان کے بارے میں کوئی بات کہی گئی ہے،

(۵) کتابوں کے اشاریہ میں انگریزی کتابوں کا نام بھی آسانی کی خاطر اردو رسم الخط میں درج کر دیا گیا ہے۔

(۶) تینوں جلدوں کے صرف سلسلہ وار صفحات کے نمبر دیئے گئے ہیں، جو دوسری اور تیسری جلدوں میں ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوئے ہیں،

مصطلحات کی فہرست
جن کی تشریح کتاب کے حواشی وغیرہ میں کی گئی ہے،

انسانوں کے نام

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۹۶، ۱۰۲، ۱۵۹، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۹، ۲۳۰، [illegible]، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۴۰۵، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۸۰، ۷۴۹، ۷۸۰، ۷۹۸، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۳۵، ۹۶۱، ۹۷۷، ۹۸۱، ۹۸۷، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۸، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، [illegible]، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، [illegible]، ۱۰۲۸، ۱۰۳۰، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۸، [illegible]، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، [illegible]، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۵، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۳، ۱۱۷۲، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۲۰۳، ۱۲۳۰، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۸، ۱۲۵۱، ۱۲۵۳، ۱۲۵۷، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۷، ۱۲۶۹، [illegible]، ۱۲۸۴، ۱۲۸۶، ۱۲۸۸، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۴، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، [illegible]، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، [illegible]، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، [illegible]، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۸، [illegible]، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۴، ۱۳۴۱، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۶۱، ۱۳۶۶، [illegible]، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۷، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۹، ۱۴۰۵، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۶، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۹، [illegible]، ۱۴۴۹، ۱۴۴۸، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۵، ۱۴۵۸، ۱۴۶۰، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۵، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۴، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، [illegible]، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، [illegible]، ۱۵۰۵، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۳۰، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۶۰۱، ۱۶۵۷، ۱۶۵۹، ۱۶۷۱، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۸۵، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۳، ۱۷۱۶، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰،

الف

ب

ت

ٹ

ث

ج

خ

ذ

ڈ

ر

س

ش

ص

ض

ط

ع

غ

گ

م

ن

مقاماتؔ

کتابیں